انوار البیان

عام فہم اردو تفسیر

محقق العصر حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

دار الاشاعت
اردو بازار کراچی
فون: 021-2216706

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

عام فہم اردو تفسیر

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

سلیس اور عام فہم اردو میں پہلی جامع اور مفصل تفسیر جس میں تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے دلنشیں انداز میں احکام و مسائل اور مواعظ و نصائح کی تشریحات، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر، حدیث و فقہ کے حوالوں کے ساتھ

جلد سوئم
پارہ ۱۲ تا ۱۷

محقق العصر حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

دار الاشاعت
اردو بازار، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

کمپیوٹر کتابت کے جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : نومبر ۲۰۰۶ء علمی گرافکس
ضخامت : 635 صفحات

مصححین: مولانا محمد شفیق کشمیری صاحب (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
مولانا سرفراز احمد صاحب (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
مولانا عرفان صاحب (فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ لاہور)

تصدیق نامہ

میں نے تفسیر "انوار البیان فی کشف اسرار القرآن" کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کر دی گئی۔ اب الحمد للہ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ انشاء اللہ

23/08/06

محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ نمبر مجاریہ R.ROAUQ 2002/338

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
London
Tel : 020 8911 9797, Fax : 020 8911 8999

امریکہ میں ملنے کے پتے

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

فہرست تفسیر انوار البیان

(جلد سوئم از پارہ ۱۲..... تا ..... ۱۷)

مضامین	صفحہ نمبر
پارہ نمبر ۱۲	۲۱
زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے	۲۱
مستقر و مستودع کی تفسیر	۲۱
رزق پورا کئے بغیر کسی کو موت نہ آئے گی	۲۲
لیبلوکم ایکم احسن عملا	۲۲
کثرت عمل سے زیادہ حسن عمل کی کوشش کی جائے	۲۳
ناامیدی، ناشکری، بیخی بگھارنا انسان کا خاص مزاج ہے۔	۲۵
منکرین کو چیلنج کہ قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر لائیں۔	۲۶
کافروں کے اعمال کا دنیا ہی میں بدلہ دے دیا جاتا ہے آخرت میں کوئی ثواب نہ ملے گا۔	۲۷
ایک جاہلانہ اعتراض کا جواب	۲۷
ظالموں پر اللہ کی لعنت اور اہل ایمان کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کا انعام	۲۹
حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا ہٹ دھرمی کے ساتھ پیش آنا۔	۳۲
دنیاوی مال وعہدہ عند اللہ مقبول ہونے کی دلیل نہیں	۳۴
قوم کا مزید عناد اور عذاب کا مطالبہ اور حضرت نوح علیہ السلام کا جواب	۳۵
قرآن کو افتراء بتانے والوں کا جواب	۳۶
حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم اور کشتی کی تیاری کے وقت سرداران قوم کا تمسخر۔	۳۷
پانی کا طوفان، کافروں کی غرقابی اور اہل ایمان کی نجات	۳۸
حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا موج کی لپیٹ میں	۳۹
طوفان کا ختم ہونا اور کشتی کا جودی پہاڑ پر ٹھہرنا	۴۰
اہل ایمان کا باسلامت کشتی سے اترنا۔	۴۱

مضامین	صفحہ نمبر
حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ عبرت اور نصیحت ہے اور خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔	۴۲
فوائد	۴۲
قوم عاد کو حضرت ہود علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا ہلاک ہونا	۴۵
قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا، اور قوم کا نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہونا۔	۴۷
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتوں کا حاضر ہونا، بیٹے اور پوتے کی بشارت دینا۔	۴۹
فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا، ان کی بدکار قوم کا ہلاک ہونا اور اہل ایمان کا نجات پانا۔	۵۲
مدین والوں کو حضرت شعیب علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور ان لوگوں کا الٹے جواب دینا اور استہزاء کرنا	۵۵
حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم سے فرمانا کہ جہاں تک ہو سکے میں اصلاح چاہتا ہوں اور میری مخالفت تم پر عذاب آنے کا سبب نہ بن جائے۔	۵۶
اہل مدین کا بُری طرح جواب دینا اور ہلاک ہونا۔	۵۷
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور آل فرعون کی بغاوت دنیا و آخرت میں آل فرعون پر لعنت۔	۵۸
اللہ تعالیٰ ظالموں کی گرفت فرماتا ہے۔ اس کی گرفت سخت ہے	۵۹
قیامت کے دن سب جمع ہوں گے۔ کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی، الا باذن اللہ۔	۶۰
فوائد ضروریہ	۶۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت شریف کا تذکرہ، اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے متبعین، کو استقامت پر رہنے کا حکم	۶۳

مضامین	صفحہ نمبر
حد سے آگے بڑھنے کی ممانعت	۶۵
ظالموں کی طرف جھکنے کی ممانعت	۶۵
نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں	۶۶
گزشتہ امتیں جو ہلاک ہوئیں ان میں اہل بصیرت نہ تھے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے	۶۸
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات آپ کیلئے تقویت قلب کا باعث ہیں	۷۰
جمعہ کے دن سورۂ ہود کی تلاوت کرنا	۷۱
اختتام تفسیر سورۃ ہود	
سورۂ یوسف	۷۳
حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اور ان کے والد کی تعبیر اور ضروری تاکید	۷۴
حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا مشورہ کہ اسے قتل کر دو یا کسی دور جگہ لے کر ڈال دو	۷۵
بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی والد سے درخواست کرنا اور ان کا اندیشہ کرنا کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے	۷۶
بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنا اور کرتہ پر جھوٹا خون لگا کر واپس آنا اور ان کے والد کا فرمانا کہ یہ تمہارے نفوس نے سمجھایا ہے	۷۸
حضرت یوسف علیہ السلام کا کنویں سے نکلنا اور فروخت کیا جانا	۷۸
حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کا خریدنا اور اپنے گھر میں اکرام کیساتھ رکھنا اور حضرت کا نبوت سے سرفراز کیا جانا	۸۰
عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے مطلب براری کے لئے پیش آنا اور آپکا پاک دامن رہنا	۸۱
دونوں کا دروازے کی طرف دوڑنا اور اللہ تعالیٰ کا یوسف علیہ السلام کو بچانا، عزیز کو دروازہ پر پانا اور اس کا اپنی بیوی کو خطا کار بتانا اور استغفار کا حکم دینا	۸۲
شہر کی عورتوں کا عزیز مصر کی بیوی پر طعن کرنا اور ان کا جواب دینے کیلئے عورتوں کو بلانا پھر ان کا اپنے ہاتھوں کو کاٹ لینا	۸۷
حضرت یوسف علیہ السلام کا دعا کرنا کہ اے میرے رب ان عورتوں کے مطالبہ کے مطابق عمل کرنے کے بجائے میرے لئے جیل جانا بہتر ہے اسکے بعد جیل میں تشریف لے جانا	۸۹
جیل میں دو قیدیوں کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے تعبیر دینے کی درخواست کرنا	۹۱
تعبیر دینے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور توحید کی دعوت دینا	۹۲
حضرت یوسف علیہ السلام کا دونوں قیدیوں کے خواب کی تعبیر دینا	۹۳
حضرت یوسف علیہ السلام کا نجات پانے والے قیدی سے یہ فرمانا کہ تم اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا اور چند سال جیل میں رہنا	۹۴
مصر کے بادشاہ کا خواب اور حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر	۹۵
بادشاہ کا آپ کو طلب کرنا اور تحقیق حال کے بغیر جیل سے باہر آنے سے انکار فرمانا	۹۶
پارہ نمبر ۱۲	۹۸
بادشاہ کا آپ کو دوبارہ طلب کرنا اور معاملے کی صفائی کے بعد آپ کا بادشاہ کے پاس پہنچنا اور زمین کے خزانوں کا ذمہ دار بننا	۹۹
برادران یوسف کا غلہ لینے کے لئے مصر آنا اور سامان دے کر آپ کا فرمانا کہ آئندہ اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا، اور ان کی پونجی ان کے کجاووں میں رکھوا دینا	۱۰۳
برادران یوسف کا اپنی پونجی کو سامان میں پا کر اپنے والد سے دوبارہ مصر جانے کی درخواست کرنا اور چھوٹے بھائی کی حفاظت کا وعدہ کرنا	۱۰۵
حضرت یعقوب علیہ السلام کا وصیت فرمانا کہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا اور یہ کہنا کہ میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا	۱۰۶
برادران یوسف کا مصر پہنچنا اور انکا اپنے سگے بھائی کو یہ بتانا کہ رنج نہ کرنا میں تمہارا بھائی ہوں، پھر ان کو روکنے کے	

مضامین	صفحہ نمبر
لئے کجاوہ میں پیمانہ رکھ دینا، یوسف علیہ السلام کے کارندوں کا چوری ہونے کا اعلان کرنا اور برادران یوسف کا یوں فیصلہ دینا کہ جس کے کجاوہ میں پیمانہ نکلے اسی کو رکھ لیا جائے	۱۰۸
برادران یوسف کے سامان کی تلاشی لینا اور بنیامین کے سامان سے پیمانہ نکل آنا اور اس کو بہانہ بنا کر بنیامین کو روک لینا	۱۰۹
برادران یوسف کا درخواست کرنا کہ بنیامین کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب دینا	۱۱۰
برادران یوسف کا ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کرنا اور بڑے بھائی کا یوں کہنا کہ میں تو یہاں سے نہیں جاتا تم جاؤ اور والد کو چوری والی بات بتادو	۱۱۲
برادران یوسف کا اپنے والد کو چوری کا قصہ بتانا اور ان کا یقین نہ کرنا اور فرمانا کہ جاؤ یوسف علیہ السلام کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو	۱۱۳
برادران یوسف کا تیسری بار مصر پہنچنا اور ان کا سوال فرمانا کیا تمہیں معلوم ہے تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا؟ پھر بھائیوں کا قصور معاف فرمانا اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنا	۱۱۵
حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ بھیجنا اور والد کے چہرہ پر ڈالنے سے بینائی واپس آجانا اور بیٹوں کا اقرار کرنا کہ ہم خطا کار ہیں اور استغفار کرنے کی درخواست کرنا	۱۱۸
پورے خاندان کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچنا، ان کے والدین اور بھائیوں کا ان کو سجدہ کرنا، اور خواب کی تعبیر پوری ہونا	۱۲۰
خواب کے بارے میں ضروری معلومات	۱۲۱
بعض خوابوں کی تعبیریں	۱۲۲
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرنا بھی شکر کا ایک شعبہ ہے	۱۲۳
اسلام پر مرنے اور صالحین میں شامل رہنے کی دعا	۱۲۴
غیب کی خبریں بتانا آنحضرت ﷺ کی رسالت کی دلیل ہے	۱۲۴
فوائد و مسائل	۱۲۵
یہ لوگ بہت سی آیات تکوینیہ پر گزرتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے	۱۳۱
آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے اللہ کی طرف بلاتا ہوں	۱۳۱
آپ سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے وہ انسان ہی تھے	۱۳۲
ہمارا عذاب مجرمین سے نہیں ہٹایا جاتا	۱۳۳
ان حضرات کے قصوں میں عقل والوں کیلئے عبرت ہے	۱۳۴
اختتام سورۂ یوسف علیہ السلام	۱۳۴
سورۃ الرعد	۱۳۵
آسمانوں کی بلندی، شمس و قمر کی تسخیر اور زمین کا پھیلاؤ پھلوں کی انواع و اقسام میں اللہ کی قدرت اور وحدانیت کی نشانیاں ہیں	۱۳۶
منکرین بعث کا انکار لائق تعجب ہے ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے	۱۳۸
فرمائشی معجزہ طلب کرنے والوں کا عناد	۱۳۹
اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ عورتوں کے رحم میں کیا ہے، وہ علانیہ اور پوشیدہ سب چیز کو جانتا ہے، ہر اونچی اور آہستہ آواز اس کے نزدیک برابر ہے، رات میں چھپا ہوا اور دن میں چلنے والا ہر ایک اس کے علم میں ہے	۱۴۱
فرشتے بندوں کی حفاظت کرتے ہیں	۱۴۱
جب تک لوگ نافرمانی اختیار کر کے مستحق عذاب نہیں ہوتے اس وقت تک اللہ تعالیٰ امن و عافیت والی حالت کو نہیں بدلتا	۱۴۲
بادل اور بجلی اور رعد کا تذکرہ	۱۴۲
رعد کیا ہے؟	۱۴۳
وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ کا سبب نزول	۱۴۳
غیر اللہ سے مانگنے والوں کی مثال، سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں وہ آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے، سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے وہ واحد ہے قہار ہے	۱۴۴

مضامین	صفحہ نمبر
یَسْجُدُ کا معنی	۱۴۴
بینا اور نابینا، نور اور اندھیرے برابر نہیں ہو سکتے۔	۱۴۵
حق اور باطل کی مثال، قیامت کے دن نافرمان اپنی جان کے بدلے دنیا اور اس جیسا جو کچھ اور مل جائے سب دینے کو تیار ہوں گے	۱۴۷
اہل ایمان کے اوصاف اور ان کے انعامات نقض عہد کرنے والوں کی بدحالی کا تذکرہ	۱۴۸
اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے	۱۵۲
معاندین فرمائشی معجزات ظاہر ہونے پر بھی ایمان لانے والے نہیں	۱۵۴
رسول اللہ ﷺ کو تسلی، کافروں کی بدحالی اور متقیوں سے جنت کا وعدہ	۱۵۶
یہ قرآن حکم خاص ہے عربی زبان میں ہے	۱۵۸
آپ ﷺ سے پہلے جو رسول بھیجے گئے وہ اصحاب ازواج واولاد تھے کوئی رسول اس پر قادر نہیں کہ خود سے کوئی معجزہ ظاہر کر دے	۱۵۹
اللہ جو چاہتا ہے محو فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے، ثابت رکھتا ہے	۱۶۱
اللہ کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں	۱۶۲
اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اعمال کو جانتا ہے	۱۶۲
آپ فرما دیجئے کہ میرے رسول ہونے پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے	۱۶۲
اختتام تفسیر سورۃ الرعد	۱۶۳
سورۃ ابراھیم	۱۶۵
اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اس لئے نازل فرمائی ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائیں، اللہ غالب ہے ستودہ صفات ہے سارے جہانوں کا مالک ہے	۱۶۵
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبان بولنے والے تھے	۱۶۶

مضامین	صفحہ نمبر
محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ، عربی زبان میں قرآن نازل ہونے اور نماز واذان مشروع ہونے کی حکمت	۱۶۷
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مبعوث ہونا اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا	۱۶۸
اللہ تعالیٰ کا اعلان کہ شکر پر مزید نعمتیں دوں گا اور ناشکری سخت عذاب کا سبب ہے	۱۷۰
سابقہ امتوں کا عناد رسولوں کو تبلیغ سے روکنا اور جاہلانہ سوال وجواب کرنا	۱۷۱
سابقہ امتوں کا رسولوں کو دھمکی دینا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے کافروں کے سخت عذاب کا تذکرہ	۱۷۳
فسق وفجور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا انتظار قرآن کی شرط کے خلاف ہے	۱۷۳
ماء صدید کیا ہے	۱۷۵
کافروں کے اعمال باطل ہیں قیامت کے دن دنیا والے سرداروں اور ان کے ماننے والوں کا سوال جواب	۱۷۶
قیامت کے دن فیصلہ ہو چکنے کے بعد شیطان کا اپنے ماننے والوں سے بیزار ہونا اور انہیں بے وقوف بنانا	۱۷۷
اہل ایمان کا ثواب	۱۷۸
کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال	۱۷۹
اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قول ثابت پر ثابت رکھتا ہے	۱۷۹
آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے عذاب قبر کا ثبوت	۱۸۰
نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کی بدحالی	۱۸۱
قیامت کے دن نہ بیع ہوگی نہ دوستی	۱۸۲
اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا بیان اور انسان کی ناشکری کا تذکرہ	۱۸۲
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی اولاد کو بیت اللہ کے نزدیک ٹھہرانا اور ان کیلئے دعا کرنا کہ شرک سے بچیں اور نماز قائم کریں	۱۸۴
اولاد کے نمازی ہونے کیلئے فکر مند ہونا پیغمبرانہ شان ہے	۱۸۶

مضامین	صفحہ نمبر
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شکر ادا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں بیٹے عطا فرمائے اور اپنے لئے اور آل اولاد کیلئے نماز قائم کرنے کی دعا کرنا	۱۸۷
قیامت کے دن کا ایک منظر، عذاب آنے پر ظالموں کا درخواست کرنا کہ مہلت دی جائے	۱۸۸
قیامت کے دن زمین اور آسمان میں تغیر اور تبدل، سب لوگوں کی حاضری، مجرمین کی بدحالی حساب کتاب، اور جزا و سزا	۱۹۰
اختتام تفسیر سورۃ ابراہیم	
پارہ نمبر ۱۴	۱۹۵
سورۃ الحجر	۱۹۵
کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے	۱۹۵
جو بستیاں ہلاک کی گئیں ان کی ہلاکت کا وقت مقرر تھا	۱۹۶
اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا محافظ ہے	۱۹۷
روافض قرآن کی تحریف کے قائل ہیں اللہ کے وعدہ حفاظت پر ان کا ایمان نہیں	۱۹۸
سابقہ امتوں نے بھی اپنے رسولوں کا استہزاء کیا معاندین اگر آسمان پر چڑھ جائیں تب بھی ایمان لانیوالے نہیں ہیں	۱۹۸
ستارے آسمان کے لئے زینت ہیں اور ان کے ذریعے شیاطین کو مارا جاتا ہے۔	۲۰۰
بروج سے کیا مراد ہے؟	۲۰۰
زمین کا پھیلاؤ اور اس کے پہاڑ درخت اللہ کی معرفت کی نشانیاں ہیں	۲۰۱
اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسانوں کی زندگی کے سامان پیدا فرمائے	۲۰۲
اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں	۲۰۲
ہوائیں بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں	۲۰۲
اللہ ہی وارث ہے	۲۰۲
مستقدمین اور متاخرین کی تفسیر	۲۰۳

مضامین	صفحہ نمبر
انسان اور جنات کی تخلیق، ابلیس کو سجدہ کرنے کا حکم اور اس کی نافرمانی اور ملعونیت، بنی آدم کو ورغلانے کے لئے اس کا قسم کھانا اور لمبی عمر کی درخواست کرنا، مخلصین کے بہکانے سے عاجزی کا اقرار، ابلیس کا اتباع کرنے والوں کیلئے داخلہ دوزخ کا اعلان	۲۰۴
صلصال اور حما مسنون کا مصداق	۲۰۴
ابلیس کا حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار ہونا	۲۰۶
ابلیس کی ملعونیت	۲۰۶
ابلیس کا مہلت مانگنا بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لئے تھا	۲۰۶
مخلصین کے بہانے سے شیطان کا عاجز ہونا	۲۰۷
گمراہ لوگوں پر شیطان کا بس چلتا ہے	۲۰۷
شیطان اور اس کا اتباع کرنیوالے دوزخ میں ہوں گے	۲۰۸
دوزخ کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کے لئے حصہ مقسوم ہے	۲۰۸
متقی باغوں اور چشموں میں ہوں گے، سلامتی کے ساتھ رہیں گے آپس میں کوئی کینہ نہ ہوگا	۲۰۹
اہل جنت تکیہ لگائے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے	۲۰۹
جنت میں کوئی تکلیف نہ ہوگی نہ وہاں سے نکالے جائیں گے	۲۱۰
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ، ان سے خوفزدہ ہونا اور مہمانوں کا بیٹے کی بشارت دینا	۲۱۱
یہ مہمان فرشتے تھے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کیلئے بھیجے گئے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دے کر فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا	۲۱۳
حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی شرارت اور ہلاکت	۲۱۳
حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں جو ان کی الٹی ہوئی بستیوں پر گذرتے ہیں	۲۱۴
رحمۃ للعالمین ﷺ کا بہت بڑا اعزاز، اللہ جل شانہٗ نے آپ کی جان کی قسم کھائی ہے۔	۲۱۵

مضامین	صفحہ نمبر
حضرت لوط علیہ السلام اور اصحاب ائیکہ کی بستیاں شاہراہ عام پر واقع ہیں، اصحاب ائیکہ ظالم تھے اپنی حرکتوں کی وجہ سے ہلاک کیے گئے	۲۱۵
حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والی بستیاں اور اصحاب الائیکہ شاہراہ عام پر واقع ہیں	۲۱۶
اصحاب الحجر کی تکذیب و ہلاکت وتعذیب	۲۱۶
اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو حکمت کے موافق پیدا فرمایا ہے	۲۱۷
رسول اللہ ﷺ کو خطاب کہ ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا فرمایا	۲۱۸
اہل دنیا کے اموال وازواج کی طرف نظریں نہ پھیلائیں	۲۱۹
سابقہ امتوں نے اپنی کتابوں کے اجزاء بنا رکھے تھے	۲۲۰
خوب واضح طور پر کھول کر بیان کرنے کا حکم	۲۲۱
تسبیح وتحمید میں مشغول رہنے اور موت آنے تک عبادت میں لگے رہنے کا حکم	۲۲۲
ختم تفسیر سورۃ الحجر	۲۲۳
سورۃ النحل	۲۲۵
قیامت کا آنا یقینی ہے، انسان بڑا جھگڑالو ہے	۲۲۵
چوپائے اللہ تعالیٰ کے انعام میں ان سے متعدد قسم کے منافع متعلق ہیں	۲۲۷
اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہت سے لوگ ہٹے ہوئے ہیں	۲۲۹
مخلوق اور خالق برابر نہیں ہو سکتے، تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہیں گن سکتے، اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ بے جان ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے	۲۳۳
تمہارا معبود ایک ہی ہے وہ ظاہر اور پوشیدہ سب اقوال و اعمال کو جانتا ہے مگراہ کرنے والے دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوں گے	۲۳۴
معاندین سابقین کے عذاب کا تذکرہ قیامت کے دن کافروں کی رسوائی اور بدحالی، متکبرین کا برا ٹھکانہ ہوگا	۲۳۵

مضامین	صفحہ نمبر
اہل تقویٰ کا اچھا انجام، انہیں جنت کے باغوں میں وہ سب کچھ نصیب ہوگا جو ان کی خواہش ہوگی	۲۳۷
منکرین اس بات کے منتظر ہیں کہ انکے پاس فرشتے آجائیں	۲۳۸
مشرکین کی کٹ حجتی، امت سے رسول کی بعثت کا تذکرہ	۲۳۹
منکرین کا قسم کھانا کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد زندہ کر کے نہ اٹھائے گا، ان کی اس بات کی تردید اور اس کا اثبات کہ اللہ تعالیٰ کے کن فرمادینے سے ہر چیز وجود میں آجاتی ہے۔	۲۴۱
فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں سے دنیا وآخرت کی خیر وخوبی کا وعدہ	۲۴۲
ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے بیان کریں	۲۴۳
منکرین حدیث کی تردید	۲۴۴
معاندین اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف نہ ہوں	۲۴۵
قولہ تعالیٰ: **اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ**	۲۴۶
ہر مخلوق فرشتے وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان بردار ہیں معبود صرف ایک ہی ہے ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے اسی سے ڈرو	۲۴۸
مشرکین کی بھونڈی تجویز، اللہ کے لئے بیٹیاں اور اپنے لئے بیٹے تجویز کرتے ہیں، خود ان کے یہاں بیٹی پیدا ہونے کی خبر مل جائے تو چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے	۲۴۹
لوگوں کے ظلم کی وجہ سے اللہ گرفت فرماتا تو زمین پر چلنے والوں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑتا	۲۵۱
چوپایوں میں اور شہد کی مکھی میں تمہارے لئے عبرت ہے اللہ نے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، اس نے تمہارے لئے بیویاں پیدا کیں، پھر ان سے بیٹے پوتے عطا فرمائے اور تمہیں عمدہ چیزیں کھانے کو دیں	۲۵۳
دو مثالیں پیش فرما کر مشرکین کی تردید فرمائی	۲۵۵
اللہ تعالیٰ ہی کو غیب کا علم ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے	۲۵۷
	۲۵۸

مضامین	صفحہ نمبر
اللہ تعالیٰ کے متعدد انعامات، انسانوں کی تخلیق، جانوروں کا اُتارنا، لباس کا سامان پیدا فرمانا، پہاڑوں میں رہنے کی جگہیں بنانا	۲۵۹
قیامت کے دن کے چند منظر، کافروں اور مشرکوں کے لئے عذاب کی وعید	۲۶۲
چند اوصاف حمیدہ کا حکم، اور منکرات و فواحش سے بچنے کی تاکید	۲۶۴
خطبوں میں اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ پڑھنے کی ابتدا	۲۶۵
عہدوں اور قسموں کو پورا کرنے کا حکم	۲۶۶
آخرت کی نعمتیں باقی رہنے والی ہیں، صبر کرنے والے مردوں اور عورتوں کو حیات طیبہ نصیب ہوگی، ان کے اعمال کا اچھا اجر ملے گا	۲۷۰
جب قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں شیطان کا تسلط ان لوگوں پر ہے، جو اس سے دوستی رکھتے ہیں	۲۷۲
اہل ایمان پر شیطان کا تسلط نہیں جو اپنے رب پر توکل کرتے ہیں	۲۷۳
شیطان کا تسلط ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں	۲۷۳
قرآن پاک کی بعض آیات منسوخ ہونے پر معاندین کا اعتراض اور اس کا جواب	۲۷۵
مشرکین کے اس قول کی تردید کہ آپ کو کوئی شخص سکھاتا ہے	۲۷۵
ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جانے کی سزا اور جس سے زبردستی کلمہ کفر کہلوایا جائے اس کا حکم	۲۷۷
ہجرت کر کے، ثابت قدم رہنے والوں کا اجر و ثواب	۲۷۹
قیامت کے دن کی پیشی کا ایک منظر	
ایک ایسی بستی کا تذکرہ جسے اللہ تعالیٰ نے خوب نعمتیں دیں پھر ناشکری کی وجہ سے ان کی نعمتیں چھین لی گئیں	۲۸۰
اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ، اور اس کا شکر ادا کرو حرام چیزوں سے بچو	۲۸۲

مضامین	صفحہ نمبر
تحلیل اور تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے	۲۸۳
اللہ توبہ قبول فرماتا ہے اور مغفرت فرماتا ہے	۲۸۴
حضرت ابراہیم کے اوصاف عالیہ اور ان کی ملت کے اتباع کا حکم	۲۸۴
سنیچر کے دن کی تعظیم یہودیوں پر لازم تھی	۲۸۷
دعوت وارشاد اور اس کے آداب	۲۸۸
بدلہ لینے کا اصول اور صبر کی فضیلت	۲۹۳
اختتام تفسیر سورۃ النحل	۲۹۴
سورۃ بنی اسرائیل	۲۹۵
پارہ نمبر ۱۵	۲۹۵
سورۃ الاسراء ۱	۲۹۵
اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے ملاء اعلیٰ کا سفر کرایا	۲۹۵
واقعہ معراج کا مفصل تذکرہ	۲۹۷
براق پر سوار ہو کر بیت المقدس کا سفر کرنا اور وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت کرنا	۲۹۷
صحیح بخاری میں واقعہ معراج کی تفصیل	۲۹۸
آسمانوں میں تشریف لے جانا اور آپ کے لئے دروازہ کھولا جانا حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات فرمانا اور ان کا مرحبا کہنا	۲۹۹
البیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا ملاحظہ فرمانا	۳۰۰
پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر بار بار درخواست کرنے پر پانچ نمازیں رہ جانا	۳۰۰
نمازوں کے علاوہ دیگر احکام	۳۰۱
معراج میں دیدار الٰہی	۳۰۱
قریش کی تکذیب اور ان پر حجت قائم ہونا	۳۰۲
اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ ؐ کے سامنے پیش فرمایا	۳۰۳
سفر معراج کے بعض دیگر مشاہدات	۳۰۴

مضامین	صفحہ نمبر
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وقبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا	۳۰۴
اپنے دونوں پر مذکر نا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے	۳۰۴
چھوکے اپنے سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے	۳۰۴
سانڈنیوں کی بدحالی	۳۰۴
چھوکوں کی رانیں قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں	۳۰۴
یہ شیطان کا پیچھے گانا	۳۰۵
فرشتوں کا پیچھے گانے کے تائید کرنا	۳۰۵
مجاہدین کا ثواب	۳۰۵
چھوکوں کے سر پتھروں سے کچلے جارہے تھے	۳۰۵
زکوٰۃ نہ دینے والوں کی بدحالی	۳۰۵
زانیوں و شت کھانے والے	۳۰۵
لکڑیوں کا بڑا گٹھا اٹھانے والا	۳۰۵
ایک بیل کا چھوٹے سے سوراخ میں داخل ہونے کی کوشش کرنا	۳۰۵
جنت کی خوشبو	۳۰۶
دوزخ کی آواز سننا	۳۰۶
باب الجنۃ	۳۰۶
پہلے آسمان پر روحانہ جہنم سے ملاقات ہونا اور جہنم کا ملاحظہ فرمانا	۳۰۶
دودھ، شہد اور شراب کا پیش کیا جانا اور آپ کا دودھ کو لے لینا	۳۰۶
سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟	۳۰۷
جنت میں داخل ہونا اور نہر کوثر کا ملاحظہ فرمانا	۳۰۸
فوائد اور اسرار اور حکم متعلقہ معراج شریف	۳۰۸
براق کیا تھا اور کیسا تھا؟	۳۰۸
براق کی شوخی اور اس کی وجہ	۳۰۸
حضرت جبریل علیہ السلام کا بیت المقدس تک آپ کے ساتھ براق پر سوار ہونا اور وہاں سے زینہ کے ذریعہ آسمانوں پر جانا	۳۰۹
آسمانوں کے محافظین نے حضرت جبریل علیہ السلام سے یہ سوال کیوں کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے کیا انہیں بلایا گیا ہے؟	۳۰۹
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز کم کرانے کی ترغیب کیوں نہیں دی؟	۳۱۰
سونے کے طشت میں زم زم سے قلب اطہر کو دھویا جانا	۳۱۱
نماز کا مرتبہ عظیمہ	۳۱۱
منکرین وملحدین کے جاہلانہ اشکالات کا جواب	۳۱۲
بنی اسرائیل کا زمین میں دوبار وفساد کرنا اور ان کو دشمنوں کا تباہ کرنا	۳۱۵
بنی اسرائیل کو برباد کرنے والے کون تھے	۳۱۶
قرآن سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے اور اہل ایمان کو بشارت واہل کفر کی عذاب الیم کی خبر دیتا ہے	۵۱۷
انسان اپنے لئے برائی کی بددعا کرتا ہے اس کے مزاج میں جلد بازی ہے	۳۱۸
ہلاک ہونے والی بستیوں کے سردار اور مال دار نافرمانی کرتے ہیں جس کی وجہ سے بربادی کا فیصلہ کردیا جاتا ہے	۳۲۲
طالب دنیا کو تھوڑی سی دنیا دے دی جاتی ہے اور آخرت میں اس کے لئے جہنم ہے، اہل ایمان کے اعمال کی قدردانی ہوگی	۳۲۳
والدین کیساتھ حسن سلوک کیساتھ زندگی گزارنے کا حکم	۳۲۵
ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا مرتبہ	۳۲۷
ماں باپ ذریعہ جنت اور ذریعہ دوزخ ہیں	۳۲۷
اللہ تعالیٰ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے	۳۲۷
والد جنت کے دروازوں میں سے بہتر دروازہ ہے	۳۲۸
باپ کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے	۳۲۸
ماں باپ کے اکرام واحترام کی چند مثالیں	۳۲۸
ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے رزق اور عمر دونوں بڑھتے ہیں	۳۲۹

مضامین	صفحہ نمبر
ماں باپ کے اخراجات کے لئے محنت کرنے کا ثواب	۳۲۹
ماں باپ کی خدمت نفلی جہاد سے افضل ہے	۳۲۹
ہجرت کی بیعت کیلئے والدین کو روتا چھوڑنے والے کو نصیحت	۳۳۰
ماں باپ کی خدمت نفلی حج اور عمرہ سے کم نہیں	۳۳۱
والدین کے ستانے کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے	۳۳۱
والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے ہے	۳۳۱
وہ شخص ذلیل ہو جسے ماں باپ نے جنت میں داخل نہ کرایا ہو	۳۳۲
ماں باپ کی طرف گھور کر دیکھنا بھی عقوق میں شامل ہے	۳۳۲
ماں باپ کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے	۳۳۲
ماں باپ کے لئے دعا اور استغفار کرنے کی وجہ سے نافرمان اولاد کو فرمانبردار لکھ دیا جاتا ہے	۳۳۳
ماں باپ کیلئے دعا مغفرت کرنے سے انکے درجات بلند ہوتے ہیں	۳۳۳
رشتے داروں، مسکینوں، مسافروں پر خرچ کرنے اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم فضول خرچی کی ممانعت	۳۳۴
اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، زنا کے قریب نہ جاؤ کسی جان کو بلا شرعی حکم کے قتل نہ کرو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ	۳۳۷
جس بات کا پتہ نہیں اسکے پیچھے پڑنے اور زمین پر اتراتے ہوئے چلنے کی ممانعت	۳۴۱
اللہ کے ساتھ معبود ٹھہرانے والوں کیلئے جہنم ہے اور اس کیلئے اولاد تجویز کرنا بہت بڑی بات ہے	۳۴۴
اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے، شرک کرنیوالوں کی باتوں سے پاک ہے، ساتوں آسمان اور زمین اور ہر چیز اس کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہے	۳۴۵
جو لوگ آخرت کے منکر ہیں ان کے دلوں پر پردہ اور کانوں میں ڈاٹ ہے، قرآن کو بدبختی سے سنتے ہیں اور آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان پر جادو کر دیا گیا ہے	۳۵۰

مضامین	صفحہ نمبر
منکرین بعث کا تعجب کہ ریزہ ریزہ ہو کر کیسے زندہ ہوں گے ان کے تعجب کا جواب کہ جس نے پہلی بار پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ فرمائے گا	۳۵۱
بندوں کو اچھی باتیں کرنے کا حکم بعض انبیاء بعض انبیاء سے افضل ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی	۳۵۳
اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود بنا رکھے ہیں وہ کوئی ذرا سی تکلیف بھی دور نہیں کر سکتے کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا عذاب نہ دیں	۳۵۵
فرمائشی معجزات ہم صرف اس لئے نہیں بھیجتے کہ سابقہ امتوں نے ان کی تکذیب کی	۳۵۷
آپ کے رب کا علم سب کو محیط ہے، آپ کی رؤیا اور شجرہ ملعونہ لوگوں کے لئے فتنہ میں پڑنے کا سبب ہیں	۳۵۸
حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم سننے پر ابلیس کا جواب دینا کیا میں اسے سجدہ کروں جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے؟ پھر بنی آدم کو بہکانے کا عزم ظاہر کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ جن پر تیرا قابو چل سکے ان پر قابو کر لینا	۳۶۰
اللہ تعالیٰ تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں جاری فرماتا ہے، وہ چاہے تو تمہیں زمین میں دھنسا دے یا سخت ہوا بھیج دے، بنی آدم کو ہم نے عزت دی بحر و بر میں سفر کرایا پاکیزہ کھانے کے لئے چیزیں دیں اور ان کو بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی	۳۶۴
قیامت کے دن جن کے داہنے ہاتھ میں عمل نامے دیئے جائیں گے وہ اپنے اعمال نامے پڑھ لیں گے، جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے آخرت میں بھی اندھا ہوگا	۳۶۷
مشرکین کی خواہش تھی کہ آپ کو اپنی طرف کریں اور اپنا دوست بنائیں۔	۳۶۹
مشرکین چاہتے تھے کہ آپ کو زبردستی مکہ مکرمہ سے نکال دیں	۳۷۰
قرآن مومنین کیلئے شفا ہے اور رحمت ہے ظالموں کے نقصان ہی میں اضافہ کرتا ہے	۳۷۵

مضامین	صفحہ نمبر
روح کے بارے میں یہودیوں کا سوال اور رسول اکرم ﷺ کا جواب	۳۷۷
اگر تمام انسان اور جنات بھی جمع ہو جائیں تو قرآن جیسی کتاب بنا کر نہیں لا سکتے	۳۷۸
قریش مکہ کی ہٹ دھرمی اور فرمائشی معجزات کا مطالبہ	۳۸۰
لوگ اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ نبوت اور بشریت میں تضاد سمجھتے ہیں اگر زمین میں فرشتے رہتے ہوتے تو ان کے لئے فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا	۳۸۱
قیامت کے دن گمراہ لوگ گونگے اندھے اور بہرے اٹھائے جائیں گے پھر دوزخ کی آگ میں داخل کئے جائیں گے یہ سزا اس لئے دی جائے گی کہ انہوں نے حشر ونشر کی تکذیب کی	۳۸۲
اگر تمہارے پاس میرے رب کی رحمت کے خزانے ہوتے تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیتے، انسان بڑا تنگ دل ہے	۳۸۳
موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کھلی ہوئی نو نشانیاں دیں فرعون اپنے ساتھیوں کے ساتھ غرق کر دیا گیا اور بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ زمین میں رہو سہو	۳۸۴
ہم نے قرآن کو حق کیساتھ نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں سابقین اہل علم اس کو سنتے ہیں تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں	۳۸۶
اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو اس کے اچھے اچھے نام ہیں آپ نماز میں قرأت کرتے وقت درمیانی آواز سے پڑھئے	۳۸۸
اللہ کی حمد بیان کیجئے جس کا کوئی شریک اور معاون نہیں ہے اور اس کی بڑائی بیان کیجئے	۳۸۹
اختتام تفسیر سورۃ بنی اسرائیل	۳۹۰
سورۃ الکہف	۳۹۱
وجہ تسمیہ	۳۹۱

مضامین	صفحہ نمبر
سبب نزول	۳۹۱
سورۃ کہف پڑھنے کے دنیوی اور اخروی منافع	۳۹۲
رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا،	۳۹۴
اصحاب کہف اور اصحاب رقیم کون تھے؟	۳۹۵
اصحاب کہف کا زمانہ	۳۹۵
اصحاب کہف کا غار میں داخل ہونا	۳۹۵
اصحاب کہف کا تفصیلی واقعہ	۳۹۷
اصحاب کہف کا ایک جگہ جمع ہونا اور آپس میں متعارف ہو کر باہم گفتگو کرنا	۳۹۷
بادشاہ کو اور پوری قوم کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنا	۳۹۷
باہمی مشورہ کر کے غار میں داخل ہو جانا	۳۹۸
غار کی کیفیت، سورج کا کترا کر جانا، کتے کا ہاتھ بچھا کر بیٹھا رہنا	۳۹۹
اصحاب کہف کا بیدار ہو کر آپس میں اپنی مدت قیام کے بارے میں سوال و جواب کرنا اور اپنے ایک آدمی کو کھانا لانے کے لئے شہر بھیجنا۔	۴۰۱
اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف اور اس کا جواب	۴۰۴
وعدہ کرتے وقت انشاء اللہ نہ کہنے پر عتاب	۴۰۵
اصحاب کہف کتنے عرصہ غار میں رہے	۴۰۷
رسول اللہ ﷺ کو کتاب اللہ کی تلاوت کرنے اور اللہ سے لو لگانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہنے کا حکم	۴۰۸
حق واضح ہے جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر اختیار کرے اہل کفر دوزخ میں اور اہل ایمان جنت میں ہوں گے	۴۱۰
اہل ایمان کا اجر وثواب، جنت کے لباس اور زیور اور مسہریوں کا تذکرہ	۴۱۱
عبرت کے لئے دو شخصوں کی مثال ان میں ایک باغ والا اور دوسرا غریب تھا	۴۱۳

مضامین	صفحہ نمبر
دنیا کی بے ثباتی کی ایک مثال، اور قیامت میں مجرمین کی حیرت کا منظر	۴۱۶
فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے آدم کو سجدہ کرنا اور ابلیس کا منکر ہو کر نافرمان بن جانا ابلیس اور اس کی ذریت کا بنی آدم کی دشمنی کو مشغلہ بنانا	۴۱۹
انسان بڑا جھگڑالو ہے، باطل کو لے کر حجت بازی کرتا ہے، اللہ کی آیات سے اعراض کرنے والے بڑے ظالم ہیں	۴۲۲
پارہ نمبر ۱۶	۴۲۵
حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا مفصل واقعہ	۴۲۵
حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنا اور یہ درخواست کرنا کہ مجھے اپنے ساتھ لے لیں	۴۲۶
حضرت خضر علیہ السلام کا فرمانا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکتے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خاموش رہنے کا وعدہ کر کے ان کے ساتھ روانہ ہو جانا	۴۲۷
حضرت خضر علیہ السلام کا ایک کشتی سے تختہ نکال دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معترض ہونا	۴۲۷
ایک لڑکے کے قتل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض کرنا	۴۲۷
ایک گرتی ہوئی دیوار کے کھڑا کر دینے پر اعتراض پھر آپس میں جدائی	۴۲۸
حضرت خضر علیہ السلام کا تینوں باتوں کی حقیقت بتانا	۴۲۹
کشتی کا تختہ کیوں نکالا؟	۴۲۹
لڑکے کو کیوں قتل کیا؟	۴۲۹
دیوار کو سیدھا کرنے کی وجہ	۴۲۹
فوائد و مسائل	۴۳۰
ذوالقرنین کا مفصل قصہ، مغرب و مشرق کا سفر کرنا	۴۳۱
یاجوج، ماجوج سے حفاظت کے لئے دیوار بنانا	۴۴۱
ذوالقرنین کون تھے ان کا نام کیا تھا؟ اور ذوالقرنین کیوں کہا جاتا تھا؟	۴۴۲

مضامین	صفحہ نمبر
مغرب کا سفر	۴۴۳
مشرق کا سفر	۴۴۴
تیسرا سفر	۴۴۴
یاجوج ماموج سے حفاظت کے لئے دیوار کی تعمیر	۴۴۴
دیوار کو کس طرح اور کس چیز سے بنایا؟	۴۴۴
قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کا نکلنا	۴۴۶
یاجوج ماجوج کی تعداد	۴۴۸
یاجوج ماجوج کون اور کہاں ہیں؟	۴۴۹
سد ذوالقرنین کہاں ہے؟	۴۴۹
یاجوج ماجوج غیر عربی کلمات ہیں	۴۵۰
کافر سب سے بڑے خسارہ میں ہیں، ان کی سعی بیکار ہے، اعمال حبط ہیں اور بے وزن ہیں	۴۵۱
ایمان اور اعمال صالحہ والے جنت الفردوس میں ہوں گے	۴۵۳
اللہ تعالیٰ کے اوصاف و کمالات غیر متناہی ہیں	۴۵۴
بشریت رسالت و نبوت کے منافی نہیں	۴۵۴
جسے اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہو وہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے	۴۵۵
اختتام سورۃ الکہف	۴۵۷
پارہ نمبر ۱۶	۴۵۷
بیٹے کیلئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت	۴۵۸
بیٹے کی بشارت ملنے پر تعجب کرنا	۴۵۸
حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق عالیہ	۴۶۰
حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ	۴۶۲
حضرت مریم علیہا السلام کا پردہ کا اہتمام اور اچانک فرشتہ کے سامنے آجانے سے فکرمند ہونا	۴۶۲

مضامین	صفحہ نمبر
فرشتے کا بیٹے کی خوشخبری دینا اور حضرت مریم کا متعجب ہونا	۴۶۲
فرشتہ کا جواب دینا کہ اللہ کے لئے سب کچھ آسان ہے	۴۶۲
حمل اور وضع حمل کا واقعہ، دردِ زہ کی وجہ سے درخت کے نیچے پہنچنا، فرشتہ کا آواز دینا کہ غم نہ کرو درخت کا تنا ہلاؤ، تر کھجوریں کھاؤ	۴۶۳
طبی اصول سے زچہ کے لئے کھجوروں کا مفید ہونا	۴۶۴
حضرت مریم علیہا السلام سے فرشتہ کا یوں کہنا کہ کوئی دریافت کرے تو کہہ دینا کہ میرا بولنے کا روزہ ہے۔	۴۶۴
ولادت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوم کے پاس گود میں لے کر آنا، قوم کا معترض ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب دینا اور اپنی نبوت کا اعلان فرمانا	۴۶۵
بر ابو الدتی فرما کر یہ بتا دیا کہ میرا کوئی باپ نہیں	۴۶۶
کسی کو اپنی اولاد بنانا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے	۴۶۷
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعلان کہ میرا اور تمہارا رب اللہ ہے	۴۶۷
یوم الحسرۃ کی پریشانی	۴۶۸
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا عقیدہ رکھنے والوں کی تردید	۴۶۸
توحید کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے مکالمہ	۴۶۹
بعد کے آنے والوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا اچھائی اور سچائی کے ساتھ تذکرہ کیا جانا	۴۷۱
حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہم السلام کا تذکرہ	۴۷۲
نبی اور رسول میں فرق	۴۷۲
حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اوصاف عالیہ	۴۷۳
حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ اور بعض خصوصی احوال	۴۷۴
حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے باہمی رشتے اور ان کے منتسبین کے دو گروہ	۴۷۵
شہوتوں کا اتباع ہر گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے	۴۷۵

مضامین	صفحہ نمبر
صالحین کا تذکرہ اور ان سے جنت کا وعدہ	۴۷۶
اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ	۴۷۶
حضرت رسول کریم ﷺ کے سوال فرمانے پر جبریل علیہ السلام کا جواب کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں	۴۷۷
مَابَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا کا مطلب کیا ہے؟	۴۷۷
انسانوں کا قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کرنا اور منکرین کا شیاطین کے ساتھ حشر ہونا	۴۷۹
تمام بنی آدم دوزخ پر وارد ہوں گے، اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو نجات کی نعمتوں سے نوازے گا۔	۴۸۰
کافروں کا سوال کہ دونوں فریق میں مقام اور مجلس کے اعتبار سے کون بہتر ہے اور ان کے سوال کا جواب	۴۸۱
کافروں کو ڈھیل دی جاتی ہے بعد میں وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے	۴۸۲
بعض منکرین کے اس دعوے کی تردید کہ مجھے قیامت کے دن بھی اموال واولاد دیئے جائیں گے۔	۴۸۳
جنہوں نے غیر اللہ کی پرستش کی ان کے معبود اس بات کا انکار کریں گے کہ ہماری عبادت کی گئی اور اپنے عبادت کرنے والوں کے مخالف ہو جائیں گے	۴۸۴
قیامت کے دن متقی مہمان بنا کر لائے جائیں گے اور مجرمین ہنکا کر پیاسے حاضر کئے جائیں گے اور وہی شخص سفارش کر سکے گا جسے اجازت ہوگی۔	۴۸۵
اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کی مذمت اور ان کے قول کی شناعت	۴۸۶
اہل ایمان کا اکرام، قرآن مجید کی تیسیر، ہلاک شدہ امتوں کی بربادی کا اجمالی تذکرہ	۴۸۷
اختتام تفسیر سورۃ مریم	

مضامین	صفحہ نمبر
سُوْرَۃُ طٰہٰ	۴۹۱
آسمان اور زمین پیدا کرنے والے کی طرف سے قرآن نازل ہوا ہے جو ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔	۴۹۱
آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ انکے درمیان ہے اور جو ماتحت الثریٰ ہے اللہ تعالیٰ اس سب کو جانتا ہے۔	۴۹۲
اللہ تعالیٰ زور سے کہی بات اور خفی بات کو جانتا ہے۔	۴۹۳
مدین سے واپس ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ نظر آنا اور نبوت سے سرفراز کیا جانا اور دعوت حق لے کر فرعون کے پاس جانے کا حکم ہونا	۴۹۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نور رہائی کو نار سمجھا	۴۹۵
نماز ذکر اللہ کے لئے ہے	۴۹۶
بکریاں چرانے میں حکمت اور مصلحت	۴۹۷
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شرح صدر اور طلاقت لسان کے لئے دعا کرنا اور اپنے بھائی ہارون کو شریک کار بنانے کی درخواست کرنا اور دعا قبول ہونا	۴۹۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں تابوت میں ڈال کر بہا دیا جانا پھر فرعون کے گھر والوں کا اٹھالینا اور فرعون کے محل میں ان کی تربیت ہونا	۵۰۰
حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا خطاب کہ فرعون کے پاس جاؤ میرے ذکر میں سستی نہ کرنا، اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔	۵۰۳
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مکالمہ	۵۰۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو فرعون کا جادو بتانا اور جادوگروں سے مقابلہ کے لئے وقت اور جگہ مقرر ہونا	۵۰۷
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جادوگروں کا آنا، پھر بارمان کر ایمان قبول کر لینا اور سجدہ میں گر پڑنا	۵۰۹
جادوگروں کو فرعون کا دھمکی دینا کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا اور کھجور کی ٹہنیوں پر لٹکا دوں گا، جادوگروں کا جواب دینا کہ تو جو چاہے کر لے ہم تو ایمان لے آئے۔	۵۱۰
اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمانا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو مصر سے لے جاؤ، سمندر پر پہنچ کر ان کیلئے خشک راستہ بنا دینا، پکڑے جانے کا خوف نہ کرنا، فرعون کا ان کے پیچھے سے سمندر میں داخل ہونا اور لشکروں سمیت ڈوب جانا	۵۱۲
بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ کا خطاب کہ ہم نے تمہیں دشمن سے نجات دی اور تمہارے لئے من وسلویٰ نازل فرمایا۔	۵۱۳
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں زیوروں سے سامری کا بچھڑا بنانا، اور بنی اسرائیل کا اس کو معبود بنا لینا اور واپس ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام پر ناراض ہونا۔	۵۱۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامری سے خطاب، اس کیلئے بددعا کرنا اور اس کے بنائے ہوئے معبود کو جلا کر سمندر میں بکھیر دینا۔	۵۱۹
جو شخص اللہ کے ذکر سے اعراض کرے قیامت کے دن گناہوں کا بوجھ اٹھا کر آئے گا، مجرمین کا اس حالت میں حشر ہوگا کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی، آپس میں گفتگو کرتے ہوں گے کہ دنیا میں کتنے دن رہے	۵۲۱
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو اڑا دے گا زمین ہموار میدان ہو جائے گی، آوازیں پست ہوں گی، شفاعت اسی کیلئے نافع ہوگی جس کیلئے رحمن اجازت دے سارے چہرے حی وقیوم کے لئے جھکے ہوئے ہوں گے۔	۵۲۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کہ ہم نے آپ کی طرف عربی میں قرآن نازل کیا، اس میں طرح طرح سے وعیدیں بیان کیں، آپ وحی ختم ہونے سے پہلے یاد کرنے میں جلدی نہ کریں اور علم کی زیادتی کیلئے دعا کرتے رہیں۔	۵۲۴
حضرت آدم علیہ السلام اور انکی بیوی کو جنت میں مخصوص درخت کھانے سے منع فرمانا، پھر شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے بھول کر اس میں سے کھالینا اور دنیا میں نازل کیا جانا۔	۵۲۶
ضروری فوائد	۵۲۸

مضامین	صفحہ نمبر
...سے عرض کرنے والوں کی مذمت اور ...	
...ہونے والی قوموں سے عبرت حاصل ...	۵۳۰
...ت اور اللہ تعالیٰ کی تحقیق بیان جنتی اہل دنیا ...	
...ف آپ کی نظریں نہ جمیں، اپنے خاوندوں و ...	۵۳۲
...اللہ تعالیٰ اقامت حجت کے بعد ہلاک فرماتا ہے لوگوں کو یہ ...	۵۳۵
...ہ موقعوں پر رسول آتا تو پیچھے رہ جاتے	۵۳۶
تذییل	۵۳۷
الفاظ قرآنیہ کا ترجمہ	۵۳۹
پارہ نمبر ۱۱	۵۳۹
سورۃ الانبیاء	۵۳۹
...کفار کے اعتراض کا تذکرہ اور ان کی معاندانہ باتوں کا ...	
جواب	۵۴۰
...ہونے والی بستیوں کی بربادی	۵۴۲
اثبات توحید اور بتوں کے عجز کی تحقیق	۵۴۳
توحید پر دلائل اور فرشتوں کی شان عبدیت کا تذکرہ	۵۴۵
مزید دلائل توحید کا بیان تحقیق ارض و سماء پہاڑوں اور ...	
...اور نفس قدسیہ کی موت میں ہمیشگی نہ ہونا	۵۴۶
...کفار و معاندین کا آپ کی موت کی آرزو مند ہونا اور ...	
...آپ کے ساتھ تمسخر کرنا اور تمسخر کی وجہ سے عذاب کا ...	
تحقیق ہونا۔	۵۴۹
...کفار عذاب سے ولی بچانے والے نہیں ہے منکرین ...	
...دنیا کی قلیل مدت کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اور ...	
...ہم سے پوچھ نہیں سکتے۔	۵۵۱
قیامت کے دن میزان عدل قائم ہونے کی پیشگوئی اور ...	
...محفوظ ہونا۔	۵۵۲
...توریت شریف اور قرآن مجید کی صفات	۵۵۳

مضامین	صفحہ نمبر
...توحید حضرت ابراہیم ... کا اپنی قوم کو توحید کی ...	
...دعوت دینا اور بتوں کے چھوڑنے کی تلقین فرمانا ان کے ...	
...بتوں و آذر کی اور اس کی بیوی کے آگ میں ڈالا جانا ...	
...پھر ملائکہ کے ساتھ آگ سے باہر تشریف لے آنا۔	۵۵۵
...رکت کی نباہت اور اس کے قتل کرنے میں اجر	۵۵۹
...ضلات کدمات اور ان کی تشریح حضرت ابراہیم ...	
...کا قیامت کے دن شفاعت کبریٰ سے مذخر فرمانا۔	۵۵۹
حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کا مبارک ...	
سرزمین کی طرف ہجرت کرنا۔	۵۶۳
حضرت لوط ... پر انعام، بدکار بستی سے نجات اور ...	
اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہونا۔	۵۶۳
حضرت نوح ... کی دعا اللہ تعالیٰ کی مدد اور قوم کی ...	
غرقابی۔	۵۶۴
حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ اللہ تعالیٰ ...	
کے ان پر انعامات	۵۶۵
کھیت اور بکریوں کے مالکوں میں جھگڑا اور اس کا فیصلہ	۵۶۵
حضرت محمد ... کا فیصلہ	۵۶۶
حضرت سلیمان ... کا ایک اور واقعہ	۵۶۶
حضرت داؤد ... کا اقتدار، پہاڑوں اور پرندوں کا ان ...	
کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہونا۔	۵۶۷
زرہ بنانے کی صنعت	۵۶۸
حضرت سلیمان ... سے ہوا کی تسخیر	۵۶۹
...ں ... کا شیطان و چڑیل	۵۷۰
...انوں و حضرت نوح اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ...	
...مجدیہ ...	۵۷۰
حضرت ایوب ... کی مصیبت اور اس سے نجات کا ...	
تذکرہ	۵۷۱
حضرت اسماعیل، حضرت ادریس، حضرت ذوالکفل علیہم ...	
اسلام کا تذکرہ	۵۷۲

مضامین	صفحہ نمبر
حضرت ذوالکفل کون تھے؟	۵۷۲
[illegible] یعنی حضرت یونس [illegible] قصہ پچھلی سے پیوست میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا پھر اس مچھلی کا آپ کو سمندر کے [illegible] میں۔	۵۷۳
بڑھاپے میں حضرت زکریا علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگنا اور ان کی دعا قبول ہونا۔	۵۷۵
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تین عظیم صفات	۵۷۵
حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ	۵۷۶
تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے۔	۵۷۷
مومن کے عمل صالح کی ناقدری نہیں ہے۔	۵۷۷
ہلاک شدہ بستیوں کے بارے میں یہ طے شدہ بات ہے کہ وہ رجوع نہ کریں گے۔	۵۷۸
قیامت سے پہلے یاجوج ماجوج کا نکلنا، قیامت کے دن کافروں کا حسرت کرنا اور اپنے معبودوں کیساتھ دوزخ میں جانا۔	۵۷۹
جن کے بارے میں بھلائی کا فیصلہ ہو چکا وہ دوزخ سے دور رہیں گے	۵۸۰
قیامت کے دن آسمان کا لپیٹا جانا جس طرح ابتدائی آفرینش ہوئی اسی طرح دوبارہ پیدا کیے جائیں گے۔	۵۸۲
توحید کی دعوت اور روگردانی پر عذاب کی وعید۔	۵۸۷
ختام تفسیر سورۃ الانبیاء	۵۸۸
سورۃ الحج	۵۸۹
قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے وہ بڑا ہولناک وقت ہوگا۔	۵۸۹
وقوع قیامت کے منکرین کو جواب اور تخلیق انسانی کے مختلف ادوار کا تذکرہ۔	۵۹۲
معاندین کا متکبرانہ طرز عمل اور آخرت میں ان کا عذاب اور رسوائی۔	۵۹۴
طلب دنیا کے لئے اسلام قبول کرنے والوں کی تباہی۔	۵۹۵

مضامین	صفحہ نمبر
اللہ تعالیٰ نے آیات بینات نازل فرمائی ہیں وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔	۵۹۶
اہل ایمان، اہل یہود، نصاریٰ مجوس اور مشرکین، سب کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا، جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔	۵۹۷
دوزخ میں کافروں کی سزا آگ کے کپڑے پہننا سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جانا لوہے کے ہتھوڑوں سے پٹائی ہونا	۵۹۹
ایمان اور اعمال صالحہ والوں کا انعام جنت کا داخلہ اہل جنت کے کنگنوں اور لباس کا تذکرہ	۶۰۱
مسجد حرام حاضر اور مسافر سب کیلئے برابر ہے، اس میں الحاد کرنا عذاب الیم کا سبب ہے۔	۶۰۲
بحکم الٰہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کعبہ شریف تعمیر فرمانا اور حج کا اعلان کرنا، طواف زیارت کی فرضیت، جانور ذبح کرنے کی مشروعیت	۶۰۴
اللہ تعالیٰ کی حرمات اور شعائر کی تعظیم کا حکم، شرک اور جھوٹ سے بچنے کی تاکید، مشرک کی مثال، جانوروں کے فوائد کا تذکرہ۔	۶۱۰
عاجزی کرنیوالوں کو خوشخبری سنا دی جنکے قلوب اللہ کے ذکر کے وقت ڈر جاتے ہیں اور صبر کرتے ہیں نماز قائم کرتے اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔	۶۱۳
قربانی کے جانور اللہ تعالیٰ کے شعائر ہیں ان میں سے قناعت کرنیوالے اور سوال کرنیوالے کو کھلاؤ۔	۶۱۴
اللہ تعالیٰ دشمنوں کو ہٹا دے گا، اسے خائن اور کفور پسند نہیں ہیں۔	۶۱۶
جہاد کی اجازت اور اسکے فوائد، اصحاب اقتدار کی ذمہ داریاں	۶۱۷
ہلاک شدہ بستیوں کی حالت اور مقام عبرت	۶۱۹
ایمان اور اعمال صالحہ والوں کیلئے مغفرت اور رزق کریم ہے اور معاندین کیلئے عذاب جہنم ہے۔	۶۲۱

مضامین	صفحہ نمبر
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت میں شیطان کی حرکتیں، اہل علم کے یقین میں پختگی آنا اور کافروں کا شک میں پڑے رہنا۔	۶۲۲
اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہجرت کرنے والوں کیلئے رزق حسن ہے۔	۶۲۴
اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تسخیر اور تصرفات کے مظاہرے۔	۶۲۶
ہر امت کیلئے عبادت کے طریقے مقرر کئے گئے ہیں۔	۶۲۶

مضامین	صفحہ نمبر
کافر قرآن سنتے ہیں تو ان کے چہروں سے ناگواری محسوس ہوتی ہے	۶۲۸
مشرکین کے معبودوں کی عاجزی کا حال	۶۲۸
اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والے چن لیتا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔	۶۳۰
دین میں تنگی نہیں ہے۔	۶۳۲
اختتام تفسیر سورۃ الحج	۶۳۵

☆☆☆ .. . ☆☆☆

(پارہ نمبر ۱۲)

الجزء ۱۲

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ہر ایک کے ٹھکانہ کو جانتا ہے اور ٹھکانہ سے مراد رہنے کا سونپنے کا مل ہے

كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ

سب کچھ کتاب مبین میں ہے۔ اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ(۶) دن میں پیدا فرمایا اور اس کا عرش پانی پر تھا

عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ

تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے اور اگر آپ ان سے کہیں کہ بے شک تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے

لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ

تو کافر ضرور یہی کہیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ اور اگر ہم تھوڑی سی مدت تک ان سے عذاب کو مؤخر کر دیں تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ

ع لَيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

عذاب کو کون سی چیز روکے ہوئے ہے خبردار جس دن ان پر عذاب آجائے گا وہ ان سے ہٹایا نہ جائے گا اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کو گھیر لے گا۔

زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو بتایا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور ان آیت میں رزاقیت اور خالقیت بیان فرمائی، ارشاد فرمایا کہ زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں۔ انسان ہوں یا حیوان چھوٹے موٹے جانور ہوں، کیڑے مکوڑے ہوں، ان سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے، یعنی ان کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لگا لیا ہے یہ اس کا فضل و کرم ہے مہربانی ہے کیونکہ اس پر کسی کا حق اور رزق واجب نہیں ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والی ساری مخلوق کا رزق اپنے ذمہ بتا کر ارشاد فرمایا و یعلم مستقرھا و مستودعھا کہ جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں ان سب کے جوٹھکانے ہیں اسے سب کا علم ہے اور اسے سب کے رہنے کی جگہوں کا پتہ ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کو بھول گیا وہ اپنے علم کے موافق اپنی ساری مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ پہاڑوں کے اندر رہنے والے کیڑے اور زمین کے سوراخوں میں آباد ہونے والی چیونٹیاں اور دوسری مخلوق اور سمندروں کی تہوں میں رہنے والے جانور سب اس کے علم میں ہیں وہ سب کو روزی پہنچاتا ہے۔

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کی تفسیر مستقر و مستودع۔ کی تفسیر کئی طرح سے کی گئی ہے۔ ہم نے جو ترجمہ میں ان دونوں کا معنی اختیار کیا ہے وہ شان رزاقیت کی توضیح سے قریب تر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین پر رہنے والوں کے ٹھکانے دو طرح کے ہیں کچھ تو وہ

ہیں جن میں ان کا مستقل قیام ہے اور چھ عارضی ٹھکانے ہیں جہاں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں ٹھکانوں پر رزق پہنچاتا ہے۔ بعض چیزیں ایک براعظم میں پیدا ہوتی ہیں اور دوسرے براعظم کے لوگ کھا رہے ہیں یہ سب کے سامنے ہے اور یہ روز کا مشاہدہ ہے۔ صاحب روح المعانی نے بحوالہ مستدرک حاکم حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ مُسْتَقَرٌ سے ماں کا رحم اور مُسْتَوْدَع سے موت آنے کے مواقع مراد ہیں اور مطلب اس کا یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر رزق پانے والے کی ابتدائی حالت کا علم ہے کہ اسے کس وقت سے رزق کی حاجت ہوتی ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کی حاجت کب ختم ہوگی یعنی موت کے وقت رزق کی حاجت ختم ہو جاتی ہے اور موت کب ہوگی، کہاں ہوگی اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ رزق پانے والے کی زندگی جس جگہ ختم ہوگی اس جگہ کا اس کو علم ہے وہ اس کے وہاں پہنچنے تک اس کو رزق دیتا رہے گا۔

رزق مقدر پورا کئے بغیر کسی کو موت نہ آئے گی اللہ تعالیٰ نے جس کے لئے جتنا رزق مقدر فرمایا ہے اس کو پورا کئے بغیر وہ دنیا سے نہیں جا سکتا۔ جتنا رزق مقدر ہے وہ مل کر رہے گا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میرے دل میں جبرئیل امینؑ نے یہ بات ڈال دی ہے کہ اس وقت تک کسی شخص کو موت نہ آئے گی۔ جب تک وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے۔ سو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور رزق طلب کرنے میں خوبی کا خیال رکھو اور رزق ملنے میں دیر ہو جانے تو اللہ کی نافرمانیوں کے ذریعہ طلب نہ کرو۔ اللہ کا فضل اس کی فرمانبرداری کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ (رواہ ابن ابی الدنیا والبیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ص ۴۳۵ ج ۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ رزق بندہ کو اسی طرح طلب کرتا ہے جس طرح اسے موت طلب کرتی ہے۔ (رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ والبیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ص ۴۳۵ ج ۲)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگتا ہے تو وہ اسے پکڑ لے گا جیسا کہ اسے موت پکڑ لیتی ہے۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط وھذا لفظہ والبیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ص ۴۳۶ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی آپ نے اسے لے لیا وہیں پر ایک سائل موجود تھا وہ کھجور آپ نے اسے عطا فرما دی اور فرمایا کہ خبردار اگر تو اس کے پاس نہ آتا تو یہ تیرے پاس آ جاتی۔ (رواہ الطبرانی باسناد جید مشکوٰۃ ص ۴۳۶ ج ۲)

اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے وہ کافروں کو بھی رزق دیتا ہے اور فاقوں کو بھی ممکن ہے کہ کسی کو یہ اشکال ہو کہ بہت سے لوگ فاقوں سے مر جاتے ہیں اور بہت سے لوگ فاقہ کشی میں مر جاتے ہیں اس وقت ان کا رزق کیوں نہیں پہنچتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا رزق مقرر اور مقدر فرمایا ہے رزق کی جو مقدار مقرر ہے وہ ضرور پہنچے گی زندگی بھر میں ہر ایک کا رزق مقرر پورا پہنچ جائے گا۔ ہر وقت ملے اور ہمیشہ ملے اس کا وعدہ نہیں ہے کوئی شخص بھوکا ہی مجبوراً مر جائے تو اس کا رزق مقرر اس سے پہلے ختم ہو چکا ہے اور موت کے وقت تک جس کسی کا رزق باقی ہے وہ اسے پہنچ جاتا ہے بعض انسان کھاتے کھاتے مر جاتے ہیں اور بعض مرنے والوں کے منہ میں حلق تک پانی وغیرہ دے دیتے ہیں پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ (۶) دن میں پیدا فرمایا) یہ مضمون سورۃ الاعراف کے ساتویں رکوع میں اور سورۃ یونس کے پہلے رکوع میں گزر چکا ہے۔ پھر فرمایا وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (اور اس کا عرش پانی پر تھا) یعنی جب اس نے آسمان و زمین پیدا فرمائے اس کا عرش پانی پر تھا۔ معلوم ہوا کہ پانی اور عرش دونوں آسمان اور زمین کی پیدائش سے پہلے پیدا ہوئے۔

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا پھر فرمایا لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ اچھا عمل کرنے والا کون

ہے) آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ان کا وجود ہی خالق کو پہچاننے کے لئے کافی ہے پھر ان میں طرح طرح کی دوسری جو مخلوق ہے جن میں انسان بھی ہیں ان کے مختلف حالات اور حاجات پورا کرنے کا سامان یہ سب چیزیں خالق مالک و مدبر اور حکیم اور قدر مخلق کی ذات عالی اور اس کی صفات جلیلہ پر دلالت کرتی ہیں۔ جب کوئی شخص غور کرے گا تو خالق کی توحید پر ایمان لانے کے لئے اپنی عقل کے فیصلے کے مطابق مجبور ہوگا۔ اور جب خالق جل مجدہ پر ایمان لے آئے گا تو اس کی عبادت بھی کرے گا اور ایسے اخلاق اور اعمال اختیار کرے گا جو اس کے خالق اور مالک کو پسندیدہ ہوں، خالق جل مجدہ کی معرفت اسے خالق تعالیٰ شانہ کی عبادت پر متوجہ کرے گی پھر معرفت والوں کے بھی درجات مختلف ہیں اور عبادت کرنے والوں کے بھی لہٰذا عمل کرنے والوں کے اعمال اچھائی اور خوبی کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس تقریر سے لیبلوکم ایکم احسن عملاً کا مطلب اور ما قبل سے ربط واضح ہو گیا۔ حاصل مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان کو دیکھ کر توحید پر استدلال کرو اور اس نے جو تمہاری حاجات پورا کرنے کا سامان پیدا فرمایا ہے اس سے منتفع ہو اس کا شکر ادا کرو اور اعمال صالحہ میں لگو اور اچھے سے اچھے عمل کی کوشش کرو۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق تمہاری جانچ اور امتحان کے لئے ہے۔ قاضی صاحب روح معانی (ص ۱۰ ج ۱۲) الذی خلق السموت والارض وما فیھما من المخلوقات التی من جملتھا انتم ورتب فیھما جمیع ما تتحاجون الیہ من مبادی وجودکم واسباب معاشکم و ودیع فی بعضھما ما تستدلون بہ من عجائب الصنائع والعبر علی مطالبکم الدینیۃ لیعاملکم معاملۃ من یختبرکم لیظھر حسن عملاً فیجازیکم حسب اعمالکم (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں جس اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ان کے مابین کی مخلوقات پیدا فرمائی جس میں تم بھی ہو اور آسمان و زمین میں تمہارے وجود کی ضروریات ترتیب سے رکھ دیں اور ان دونوں میں چیزیں ایسے طریقے سے رکھیں جن سے تم مختلف قسم کی کاریگریاں اخذ کرتے ہو اور دینی فرائض کی انجام دہی میں عبرت پکڑتے ہو کہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو تم اس آدمی سے کرتے ہو جس کا امتحان مقصود ہوتا ہے تاکہ دیکھے کہ تم میں سے کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے پھر تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے۔)

کثرت عمل سے زیادہ حسن عمل کی کوشش کی جائے..... احسن عملاً فرمایا اکثر عملاً نہیں فرمایا جس کا بیان اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ عمل اچھے سے اچھا ہونا چاہیے اگرچہ مقدار میں کم ہو اور یہ عمل میں اچھائی دو طرح سے آتی ہے اس میں خالص ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو۔ دوم یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق ہو بہت سے لوگ عمل زیادہ کرتے ہیں لیکن اخلاص نہیں ہوتا اپنے خیال میں مخلص ہوتے ہیں لیکن عمل اس طریقے سے مطابق نہیں ہوتا جو شرعاً مطلوب ہو یہ دونوں چیزیں ثواب کو ہونے والی ہیں، حضرت معاذ بن جبل کو جب آنحضرت سید عالم ﷺ نے یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اخلص دینک یکفک العمل القلیل (الترغیب والترہیب ص ۵۳ ج ۱) (تو اپنے دین میں اخلاص رکھ تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے برا چور وہ ہے جو اپنی نماز سے چوری کرتا ہے عرض کیا گیا کہ اپنی نماز سے کیسے چراتا ہے؟ فرمایا اس کا رکوع سجدہ پورا نہیں کرتا۔ (الترغیب والترہیب ص ۳۳۹ ج ۱ عن ابن خزیمۃ فی صحیحہ)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کی نماز کی طرف توجہ نہیں فرماتا جو رکوع اور سجدے کے درمیان کمر کو سیدھی نہیں کرتا۔ (الترغیب ص ۳۳۹ ج ۱ عن احمد)

معلوم ہوا کہ نماز ٹھیک پڑھنا اچھی طرح پڑھنا یہ نماز کی خوبی ہے لپ چھپ جلدی جلدی رکوع سجدہ کرکے نماز خراب نہ کرے فرائض

میں بھی اس کا دھیان رکھے اور غیر فرض میں بھی نفلوں کی زیادہ رکعتیں جلدی جلدی رکوع اور سجدہ کر کے ناقص پڑھنے سے یہ بہتر ہے کہ رکعتیں کم ہوں اور نماز سنت کے مطابق ہو۔ نماز کے بارے میں یہ ہدایات فرمائی ہیں کہ پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز نہ پڑھے اور کھانا کھانے کا تقاضہ ہو تو پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے اور تہجد گزاروں کو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ نیند کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز نہ پڑھیں یہ ہدایات اس لئے ہیں کہ اچھی نماز ہو جس طرح نماز میں عمدگی اختیار کرنا لازم ہے اسی طرح اسلام کے دیگر اعمال میں عمدگی اور خوبی کو اختیار کرے کثرت عمل کو نہ دیکھے حسن عمل کو دیکھے وضو بھی خوبی کے ساتھ کرے یعنی پانی اچھی طرح پہنچائے اور لپ چھپ نہ کرے غور کرنے سے حسن عمل کی بہت سی صورتیں سمجھ میں آجائیں گی۔

اس تشریح کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عمل کم کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اچھا عمل کرے خوبی کے ساتھ انجام دے اچھا عمل اگر زیادہ ہو تو یہ اور اچھی بات ہے اور یہ کثرت حدود شریعت کے اندر ہو۔

اس کے بعد فرمایا وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (آیۃ) اگر آپ ان سے کہیں کہ تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے (اور اس بارے میں قرآنی آیات ان کے کانوں میں پڑیں گی) تو کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے قرآن کے الفاظ اور معانی سے مخاطبین متاثر ہوتے تھے لیکن اسے قبول کرنے کی بجائے یوں کہہ دیتے تھے کہ یہ جادو ہے حق سے منہ موڑنے کے لئے انہوں نے ایک بہانہ نکالا تھا۔

پھر کافروں کی مزید جسارت کا ذکر فرمایا وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ (اور اگر مدت معلومہ تک عذاب کو ملتوی کر دیں تو یہ لوگ یوں کہیں گے کہ اس کو کس نے روک رکھا ہے) اس بات کے کہنے سے ان کے دو مقصد تھے۔ ایک تو وعید کو جھٹلانا اور مطلب یہ تھا کہ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ عذاب آئے گا اور ہمیں مورد عذاب ٹھہراتے ہیں تو وہ آ کیوں نہیں رہا اسے کس نے روک رکھا ہے؟ دوسرے آخرت کے بارے میں مطلب یہ تھا کہ جیسے دنیا میں عذاب کی وعیدیں سناتے ہیں اور عذاب نہیں آتا ایسے ہی موت کے بعد اٹھایا جانا اور عذاب ہونا یہ بھی ایسی ہی بات ہے جو واقع ہونے والی نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا:

اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ (خبردار! جس دن ان کے پاس عذاب آجائے گا تو اسے ہٹایا نہ جائے گا)۔ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (اور وہ چیز انہیں گھیر لے گی جس کا مذاق بناتے تھے) اللہ تعالیٰ نے عذاب مؤخر کر رکھا ہے اس کا وقت معین ہے حکمت کے مطابق وقت معین پر اللہ تعالیٰ بھیج دے گا جب عذاب بھیج دے گا تو ٹلے گا نہیں اور یہ جو ٹھٹھا اس کا مذاق بناتے ہیں اس کا انجام دیکھ لیں گے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت چکھا دیں، پھر ہم اسے اس سے چھین لیں تو وہ ناامید ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تھی ہم نے نعمت

بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝

چکھائی تو وہ کہتا ہے کہ میری ساری بدحالیاں دفع ہو گئیں بے شک وہ اترانے لگتا ہے شیخی بگھارتا ہے،

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کو اختیار کیا اور نیک کام کرتے رہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔

ناامیدی، ناشکری، اترانا، شیخی بگھارنا انسان کا خاص مزاج ہے۔

ان دو آیتوں میں انسان کا مزاج اور اس کا طرز عمل بیان فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ اگر ہم انسان کو اپنی رحمت اور مہربانی کا مزہ چکھا دیں اور پھر اس سے چھین لیں تو وہ ناامید بھی ہو جاتا ہے اور ناشکرا بھی۔ نعمت کے چھن جانے کی وجہ سے واویلا کرتا ہے صبر کر کے آئندہ بھلائی اور خیر کی جو امید ہونی چاہیے تھی اسے بالکل ختم کر دیتا ہے اور نہ صرف یہ کہ آئندہ کے لئے ناامید ہو جاتا ہے بلکہ اس سے پہلے جن نعمتوں میں تھا ان کا شکر بھی ادا نہیں کرتا اور جو موجودہ نعمتیں ہیں ان کے شکر سے بھی باز رہتا ہے، انسان کے طرز عمل کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جب اسے دکھ تکلیف کے بعد نعمت مل جائے تو اس نعمت کا مزہ چکھنے کے بعد کہتا ہے کہ میرا اس دکھ درد سے رخصت ہوا اب تو میں نعمتوں ہی میں رہوں گا وہ اپنے وہم میں یہ بات بھی نہیں لاتا کہ یہ نعمتیں چھنی جا سکتی ہیں اور رخصت ہو سکتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ناشکری میں لگ جاتا ہے اور چھوڑ نہیں سکتا۔ اترانے لگتا ہے، شیخی بگھارتا ہے دوسروں کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے، یہ انسانوں کا عام مزاج ہے۔ البتہ کچھ لوگ مستثنیٰ بھی ہوتے ہیں جنہیں اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں بیان فرمایا ہے یعنی انسانوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو صبر کرتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں، یہ لوگ نعمت جانے پر اور مصیبت کے آنے پر صبر کرتے ہیں اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی ہے، وہ نیک اعمال میں لگے رہتے ہیں خوشحالی اور دکھ تکلیف کی حالت میں اعمال صالحہ کو نہیں چھوڑتے، نہ اللہ تعالیٰ سے ناامید ہوتے ہیں اور نہ نعمتوں پر اتراتے ہیں، نہ شیخی بگھارتے ہیں، نہ دوسروں کو حقیر جانتے ہیں، صبر و توکل کی شان سے متصف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے خوشحالی کی امید رکھتے ہیں ایسے لوگوں کا انعام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ان کے لئے عظیم مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے جو ابدی نعمتوں کی صورت میں انہیں ملے گا۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ

سو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس حکم میں سے جو آپ پر نازل کیا گیا کچھ چھوڑ دیں اور اس بات سے آپ کا دل تنگ ہو رہا ہے وہ

اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

یوں کہہ رہے ہیں کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں کیا گیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں، اور اللہ ہر چیز کا اختیار

شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا

رکھنے والے ہے، کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس نے خود سے بنا لیا ہے، آپ فرما دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں لے آؤ جو بنائی ہوئی ہوں اور اللہ کے سوا

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ

جس کو بھی بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ سو اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو یقین کر لو کہ یہ اللہ کے علم کے

بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

مطابق اتارا گیا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو کیا تم اسلام قبول کرتے ہو۔

منکرین کو چیلنج کہ قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر لائیں

تفسیر شروع سورت میں اللہ تعالیٰ کی توحید بیان فرمائی اور اس کی صفت قدرت، خالقیت، رازقیت اور صفت خالقیت و بیان فرمایا پھر بعث بعد الموت کے منکرین کی تردید فرمائی۔ پھر انسان کا مزاج بتایا کہ وہ نعمتوں کے چلے جانے پر ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور نعمتیں ملنے پر شیخی بگھارتا ہے اور فخر و غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان کی یہ صفت آخرت پر ایمان نہیں لانے دیتی ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ توحید کی بھی دعوت دی اور آخرت پر ایمان لانے کا بھی حکم فرمایا لیکن یہ لوگ نہ تو رسول مانتے تھے اور نہ اللہ کی کتاب پر ایمان لاتے تھے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کے لئے انہوں نے یہ بات نکالی تھی کہ یہ جو رسول ہیں نہ تو ان کو مال و دولت ملا اور نہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ آیا جو ان کی تصدیق کرتا ان باتوں کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو دکھ ہوتا تھا اور قلبی اذیت پہنچتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ تنگدلی کی وجہ سے بعض ان چیزوں کو چھوڑ تو نہ بیٹھیں گے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہیں اور وہ کافروں کو ناگوار ہیں اور چونکہ آپ ایسا نہیں کر سکتے لہٰذا تنگدل ہونے کا کوئی فائدہ نہیں)

پھر فرمایا اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِیْرٌ ؕ (آپ صرف ڈرانے والے ہیں) اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ کی ذمہ داری نہیں۔ آپ نے اللہ کی بات پہنچا دی، آپ کی ذمہ داری اتنی ہی ہے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اختیار والا ہے) یہ اب وہ معجزات کی فرمائش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ واختیار ہے کہ ان کی مرضی کے مطابق معجزات ظاہر فرمائے یا نہ فرمائے۔ معجزات مانگنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ماننا نہیں وہ فرمائشی معجزہ دیکھ کر بھی نہ مانے گا ان کے سامنے جو معجزات موجود ہیں ان میں قرآن مجید بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس قرآن کے بارے میں کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے خود سے بنا لیا ہے، آپ ان سے فرما دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں اپنی بنائی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو چاہو اپنی مدد کے لئے بلا لو اور اس کے مقابلہ میں پیش کرو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ محمد (ﷺ) کا بنایا ہوا ہے۔ محمد ﷺ تو تم ہی میں سے ایک فرد ہیں جنہوں نے کسی سے کچھ بھی نہیں پڑھا تم فصحاء بلغاء ہو تو قرآن جیسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور دو چار دس افراد نہیں جس جس کو چاہو اس کام کے لئے بلا لو اور اپنے ساتھ کا وہ بہت بڑا چیلنج ہے جسے آج تک دنیا کی کوئی بھی قوم نہیں کر سکا جس کے سامنے بات آئی ہے ایک اپنا سامنہ لے کر رہ گیا، پہلے دس (۱۰) سورتیں بنانے کا چیلنج دیا پھر ایک سورت بنا کر لانے کے لئے فرمایا گیا کسی سے کچھ نہ ہو سکا اور حقیقت قرآن بہت بڑا معجزہ ہے اور دائمی معجزہ ہے۔ آخر میں فرمایا فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ (الآیۃ) جن جن کو قرآن جیسی سورت بنانے کی دعوت دو۔ وہ جتنے بھی ہوں جہاں بھی بلا لو اور تمہاری بات کو قبول نہ کریں اور اس بارے میں تمہاری مدد کے لئے کھڑے نہ ہوں (تو سمجھ لو کہ تمہارا یہ کہنا جھوٹ ہے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) نے بنایا ہے فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ وَاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ سو تم جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ نازل ہوا ہے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ؕ حقیقت ثابت اور واضح ہونے کے بعد اسلام میں داخل ہوتے ہو یا نہیں؟

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝

جو شخص دنیا کو اور اس کی زینت کو چاہتا ہے ہم اس کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا پورا دے دیتے ہیں اس میں ان کا حق نہ مارا جائے گا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور دنیا میں انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ سب برباد ہو گیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے

يَعْلَمُوْنَ ۝ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا

وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ

مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۣ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

کافروں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے آخرت میں کوئی ثواب نہ ملے گا

تفسیر ان آیت میں اول تو ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو دنیا کے طالب ہیں دنیا ہی ان کا مقصود ہے اور دنیا کو مقصود بنانے کی وجہ سے آخرت کے طالب نہیں ہوتے اور دنیا کی زینت ہی ان کے نزدیک سب سے بڑی چیز ہے ایسے لوگ جو کچھ ایسے اعمال کرتے ہیں جو نیکی کے ہیں مثلاً صدقہ خیرات یا فقراء و مساکین پر خرچ کرنا وغیرہ وغیرہ دنیا ہی میں ان کا بدلہ دے دیا جاتا ہے اور جب یہ اعمال آخرت میں جمع ہوں گے تو ان سے کوئی چیز ان کے کام نہ آئے گی کیونکہ انہوں نے دنیا داری کے اصول پر جو کام کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان میں ہماری کامیابی ہے وہ سب بے فائدہ اور ناکارہ ثابت ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کسی مومن کی ایک نیکی کے عوض میں جتنی بھی جزا فرمائے گا اس کی وجہ سے دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی دے گا لیکن کافر نے جو نیکیاں کیں جن میں اللہ کی رضا کا دھیان نہ تھا ان نیکیوں کے عوض اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ہی دے دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جب آخرت میں پہنچے گا اس کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہوگی جس پر اسے ثواب دیا جائے۔ (رواہ مسلم)

کافر دنیا میں جو اچھے اچھے عمل کرتے ہیں جو نیکی کی فہرست میں آسکتے ہیں مثلاً مریضوں کا مفت علاج کر دینا، شفاخانے بنوا دینا، سڑکیں تیار کرا دینا، پانی کی سبیلیں لگا دینا ان کی وجہ سے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں آخرت میں ان چیزوں کا ثواب ملے گا جبکہ مسلمانوں کی زبان سے جو یہ سنتے ہیں کہ جو مسلمان نہیں اسے آخرت میں دائمی عذاب ہوگا تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کو مانتے ہیں اور اللہ کی رضا کے لئے ایسے ایسے کام کرتے ہیں پھر ہمیں عذاب کیوں ہوگا؟ ان لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ دنیا میں جو نیک عمل ہیں ان کا بدلہ تمہیں دنیا میں دے دیا جائے گا اور کفر اور معصیت کی وجہ سے تمہارے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔

ایک جاہلانہ اعتراض کا جواب اس سے بہت سے مسلمانوں کی اس غلط فہمی کا بھی جواب ہو گیا کہ کافر تو مزے اڑاتے ہیں اور ہم تکلیف میں ہیں اول تو نہ سارے مسلمان تکلیف میں ہیں اور نہ سارے کافر راحت میں ہیں۔ دوسرے کافر کو آخرت میں آرام ملنا ہی نہیں اس کے اعمال کا بدلہ یہیں دیا جا رہا ہے اور تمہارے اعمال کا بدلہ محفوظ کر دیا گیا ہے پھر جو تکلیفیں ہیں ان پر بھی ثواب ملے گا پھر کس چیز کا واویلا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کو سمجھو کافروں کو دیکھ کر کیوں رال ٹپکاتے ہو بعض جاہل کہہ دیتے ہیں جو بجلی گرتی ہے وہ مسلمان ہی کے آشیانہ پر گرتی ہے اور بعض جاہل کہتے ہیں کہ فیصلوں کے نتائج اور قصور اور مسلمانوں سے صرف وعدۂ حوریہ گمراہی کی باتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے قانون پر اعتراض ہے۔ قصد اعتراض سے تو آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے

سامنے حاضر ہوئے اس وقت آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے آپ کے نیچے کوئی بچھونا نہیں تھا اور آپ کے جسم میں چٹائی کے بناوٹ کے نشان پڑ گئے تھے اور تکیہ بھی چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ دعا کیجئے تاکہ وہ آپ کی امت کو مالی وسعت عطا فرما دے۔ کیونکہ فارس و روم کے لوگوں کو مالی وسعت دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے آپ نے فرمایا اے خطاب کے بیٹے تم ابھی تک ان ہی خیالات میں مبتلا ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی مرغوب چیزیں انہیں دنیا میں دے دی گئی ہیں۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ کیا تم لوگ اس پر راضی نہیں ہو کہ مرغوب چیزیں ان کے لئے دنیا میں ہوں اور ہمارے لئے آخرت میں ہوں۔ (رواہ البخاری مدنی المشکوٰۃ ص ۴۴۷)

پھر فرمایا افمن کان علی بینۃ من ربہ (الایۃ) اس کے شروع میں جو ہمزہ استفہام ہے یہ استفہام انکاری کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو قرآن کو تھامے ہوئے ہے اس کی سچائی کا عقیدہ رکھتا ہے اور اس کے پاس قرآن کی سچائی کے دو گواہ موجود ہیں ایک تو خود قرآن کے اندر ہی ہے یعنی اس کا اعجاز اور اس کی فصاحت و بلاغت اور دوسرا گواہ دنیا میں قرآن کے آنے سے پہلے ہی موجود ہے، یعنی تورات شریف جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے وہ امام بھی ہے اور احکام قرآنیہ کی تصدیق بھی کرتی ہے اور اتمثال اوامر پر جو ثواب ملنے کے اللہ تعالیٰ نے وعدے فرمائے ہیں وہ تورات میں بھی ہیں اور قرآن مجید میں بھی ہیں تورات ان کی بھی تصدیق کرتی ہے لہٰذا وہ سراپا رحمت ہے۔ تورات شریف کی گواہی بھی قرآن کی سچائی کے لئے کافی ہے۔ اب سمجھ لیا جائے کہ جو شخص قرآن کو تھامے ہوئے ہے اور دلیل اور حجت کے ساتھ اس پر قائم ہے۔ یہ وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو قرآن کا منکر ہے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا۔

یہاں عبارت قرآنی میں حذف ہے مفسرین کرام نے کئی طرح سے عبارت مقدر مانی ہے ہم نے مختصر الفاظ میں مفہوم لکھ دیا ہے۔ اولئک یؤمنون بہ (یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں) صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ ان ایمان لانے والوں سے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ تمام افراد مسلمان مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا ومن یکفر بہ من الاحزاب فالنار موعدہ (اور کافروں کی جماعتوں اور گروہوں میں سے جو شخص قرآن کا منکر ہو اس سے یہ وعدہ ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ فلا تک فی مریۃ منہ (تو اے مخاطب تو قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑ انہ الحق من ربک (بے شک وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے) ولکن اکثر الناس لا یؤمنون (لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے)۔

اس میں واضح طور پر بتا دیا کہ اہل اسلام کے علاوہ جتنے بھی گروہ اور جماعتیں ہیں وہ سب دوزخ میں جانے والے ہیں خواہ بظاہر کیسے ہی اچھے عمل کرتے ہیں اور خواہ اپنے دین کو آسمانی دین بتاتے ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے میرے نبی ہونے کی خبر جس کسی انسان کو بھی پہنچے گی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین میں دے کر بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا چاہے یہودی ہو یا نصرانی (رواہ مسلم) یہود اور نصاریٰ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے فرمایا کہ وہ اپنے پاس دین سماوی کے مدعی ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ

(اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا، یہ لوگ اپنے رب پر پیش کئے جائیں گے اور گواہی دینے والے یہ کہیں گے

الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی طرف نسبت کر کے جھوٹ بولا، خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے جو اللہ کی راہ سے روکتے رہے

وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ

اور اس میں کجی تلاش کرتے رہے اور یہ لوگ آخرت کے منکر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زمین میں عاجز کرنے والے نہ تھے

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ وقف لازم

اور اللہ سے سوا ان کا کوئی مدد گار نہیں ہے۔ ان کو دوہرا عذاب کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ سننے کی حالت

السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

میں نہ تھے۔ یا دیکھتے تھے۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا اور جو کچھ جھوٹ گھڑتے تھے وہ سب ان سے گم ہو گیا

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى

بلاشبہ یہ لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں ہوں گے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اپنے رب کی طرف جھکے

رَبِّهِمْ ۙ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ

یہ لوگ جنت والے ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں فریق کی مثال ایسی ہے جیسے اندھا ہو اور بہرا ہو، اور دیکھنے والا ہو

وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ع

اور سننے والا ہو کیا دونوں حالت کے اعتبار سے برابر ہوں گے؟ کیا تم نہیں سمجھتے؟

ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے اور اہل ایمان کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا انعام ہے

مشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور اس کے لئے شریک ٹھہراتے تھے اور جب انہیں اس بارے میں نصیحت کی جاتی تھی تو کہتے تھے هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے لئے سفارش کریں گے) اور یوں بھی کہتے تھے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے) ظاہر ہے کہ یہ باتیں انہوں نے خود ہی تجویز کر لیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کی خبر نہ دی گئی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا یہ افتراء ہے اور بہتان ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کرنا پھر یہ کہنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر دیں گے یا یہ کہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے اس کا معنی یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ بات بتا دی گئی ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کر رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں بتائی گئی بلکہ اللہ کی کتابیں اور اللہ کے نبی اس کے خلاف بتاتے رہے لہٰذا ان لوگوں کے یہ سب دعوے اللہ تعالیٰ پر بہتان ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر افتراء کرے اور اس ملک قدوس پر جھوٹ باندھے؟ ان لوگوں کی رسوائی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ (کہ یہ لوگ اللہ پر پیش

سے جائیں گے اس وقت ان سے عموماً اور احوال و اقوال کا حساب لیا جائے گا) ویقول الاشھاد ھؤلاء الذین کذبوا علی ربھم (اور وہ لوگ جو گواہ ہوں گے وہ یہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا) ان میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے متبعین صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر مومنین مراد ہیں۔ ان حضرات نے قیامت کے دن اعضاء اور جوارح مراد ہیں جو ان سے خلاف کرنے دین سے یہ دانی دینے والے حضرات یہ اعلان بھی فرمائیں گے کہ الا لعنۃ اللہ علی الظلمین ○ (خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے) پھر ان ظالموں کی بری حرکتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا الذین یصدون عن سبیل اللہ (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستہ سے روکتے رہے) ویبغونھا عوجا (اور اللہ کے راستہ کے بارے میں جی چوری کرتے تھے) مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین میں عیب نکالتے تھے اس سے خود بھی بچتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر چکے ان کو بھی اس سے ہٹانا چاہتے تھے وھم بالاخرۃ ھم کفرون (اور وہ آخرت کے منکر ہیں) پھر فرمایا اولئک لم یکونوا معجزین فی الارض (یہ لوگ زمین میں اللہ کو عاجز کرنے والے نہ تھے) کہ کہیں جا کر چھپ جاتے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہو جاتے اور موت سے بچ جاتے جب دنیا میں اللہ کو عاجز کرنے نہیں جا سکتے تھے تو آخرت میں کیسے چھوٹ کر جا سکتے ہیں۔ جہاں حساب کے لئے جمع کئے جائیں گے۔

وما کان لھم من دون اللہ من اولیآء (اور ان لوگوں کے لئے اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا) جن لوگوں وسفارشی سمجھ رکھا تھا وہ کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ یضعف لھم العذاب (ان کے لئے دوہرا عذاب کر دیا جائے گا) یہ عذاب ان سے اپنے کفر کا اور دوسرا عذاب دوسروں کو ایمان سے روکنے کا اور کفر پر جمائے رکھنے کا ما کانوا یستطیعون السمع (یہ لوگ سن نہیں سکتے تھے) یعنی حق سے دور بھاگتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی باتیں سننے کو اس قدر مکروہ جانتے تھے کہ گویا اپنی قوت سامعہ ہی ختم کر چکے تھے وما کانوا یبصرون (اور دیکھ نہیں پاتے تھے) یعنی اللہ کی معرفت کی نشانیوں جو خود ان کے اندر موجود ہیں اور جو دوسری مخلوق میں ہیں ان سے قصداً و ارادۃً اندھے بن جاتے تھے (ان کی ضد اور عناد اور حق سے دور بھاگنے کی کوشش نے انہیں ایمان قبول نہ کرنے دیا)۔

پھر فرمایا اولئک الذین خسروا انفسھم (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں کا خسارہ کر بیٹھے) دنیوی تجارت میں تو لوگوں کو اموال کا نقصان ہوتا ہے۔ لیکن ان کی تجارت ایسی برباد ہوئی کہ انہیں اپنی جانوں ہی کا خسارہ ہو گیا، انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور آخرت کے بدلے دنیا لے لی اور اس طرح اپنی جانوں ہی کو گنوا بیٹھے۔ اگر کسی کے دل میں یہ سوال اٹھے کہ خسارہ تو جب ہوتا ہے جب جانیں ختم ہو جائیں اور ان کا وجود ہی نہ رہتا لیکن کافر کی جان دنیا میں بھی موجود ہے اور آخرت میں بھی موجود رہے گی پھر بھی جان کا خسارہ کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کافر دوزخ میں جائے گا تو وہ موت سے بھی بدتر ہے جو جان برابر ہمیشہ کے لئے عذاب میں ہے وہ جان ہلاک بھی ہے اور برباد بھی ہے اور جان رہنے کے لائق بھی نہیں اسی لئے تو فرمایا ثم لا یموت فیھا ولا یحیی (پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ زندہ رہے گا) پھر فرمایا وضل عنھم ما کانوا یفترون (اور ان سے وہ سب کچھ گم ہو گیا جو وہ جھوٹ باندھا کرتے تھے) یعنی معبودان باطلہ کی سفارش کا جو گمان کر رکھا تھا۔ وہ جھوٹا خیال تھا اس نے کچھ کام نہ دیا۔ پھر فرمایا لا جرم انھم فی الاخرۃ ھم الاخسرون ○ (یہ لازمی بات ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں خسارہ میں سب سے زیادہ بڑھ کر ہیں) اہل کفر کا انجام بتانے کے بعد اہل ایمان کا انعام و ثواب بتایا۔ ارشاد ہے۔ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت واخبتوا الی ربھم ۙ اولئک اصحٰب الجنۃ ۚ ھم فیھا خلدون ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور اپنے رب کی طرف جھکے یہ لوگ اہل جنت ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اہل ایمان کا انجام اور اہل کفر کا انجام بیان فرمانے کے بعد دونوں فریق کی مثال بیان فرمائی: مثل الفریقین کالاعمی والاصم والبصیر والسمیع (دونوں فریق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا شخص دیکھنے والا اور سننے والا ہو) پہلی مثال کافر کی ہے۔ حق کی طرف سے اندھا اور بہرا بنتا ہے اور دوسری مثال مومن کی ہے جو دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے اور حق کو قبول کرتا ہے اس نے اپنی سننے اور دیکھنے کی قوت ضائع نہیں کی ھل یستویان مثلا (کیا یہ دونوں فریق اپنی حالت کے اعتبار سے برابر ہیں یعنی برابر نہیں ہیں جس طرح اندھا اور بہرا دیکھنے اور سننے والے کے برابر نہیں اسی طرح سے کافر اور مومن برابر نہیں افلا تذکرون (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) جس طرح دنیا میں دیکھنے والے اور سننے والے واقعے حال میں جانتے ہو اور اسے کامیاب سمجھتے ہو اور اندھے بہرے دونوں کو نہ سمجھتے ہو اسی طرح کافر کو برباد اور مومن کو کامیاب سمجھو۔

فائدہ قیامت کے دن کافروں کی رسوائی ہوگی اسی طرح اہل ایمان کا اعزاز و اکرام ہوگا ان پر اللہ تعالیٰ شانہ کرم فرمائے گا اور ان کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن اپنے رب سے قریب ہوگا اور اللہ تعالیٰ شانہ اس کی پردہ پوشی فرمائیگا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔ کہ تجھے اپنے فلاں فلاں گناہ یاد ہے وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرے گا۔ اور وہ اپنے دل میں یہ سمجھے گا کہ میں تو ہلاک ہوگیا (یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے بندہ کے درمیان ہوگا، گناہوں کا اعلان نہیں کیا جائے گا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور آج ان گناہوں کو بخشتا ہوں اس کے بعد اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ اسے دیا جائے گا۔ (جو اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا اور یہ اس کے جنتی ہونے کی دلیل ہوگی) رہے کافر اور منافق تو ان کے بارے میں ان کے دشمن فرشتے اور عقل رکھنے والے انسان یہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا، خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (روح المعانی ص ۳۳۰ ج ۱۲)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّيْٓ اَخَافُ

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا میں تمہارے لئے کھلا ڈر سنانے والا ہوں کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بلاشبہ میں تمہارے

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا

اوپر دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ ان کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا کہا ہم تو تجھے اپنے ہی جیسا آدمی دیکھ رہے ہیں

بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ

ہیں اور ہم تو تجھے نہیں دیکھتے کہ تیرے پیرو ہوئے ہیں مگر ہمارے رذیل قسم کے لوگ ہیں جو سرسری رائے میں تمہارے ساتھ ہو لئے ہیں اور ہم اپنے اوپر

عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ

تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں

رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝

اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی ہو جو تم پر پوشیدہ کی گئی ہو تو کیا ہم تمہیں اس کے قبول کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں حالانکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۭ

اور اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی مال طلب نہیں کرتا میرا اجر صرف اللہ ہی پر ہے اور جو لوگ ایمان لے آئے میں انہیں نکالنے والا نہیں ہوں۔

اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ

بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں لیکن میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت کر رہے ہو اور اے میری قوم اگر میں ان کو نکال دوں تو مجھے اللہ

اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

سے مواخذہ سے کون بچائے گا کیا تم نہیں سمجھتے ہو اور میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب کو نہیں جانتا میں یہ نہیں

وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ

کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں ان کو جنہیں تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھ رہی ہیں ان کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہرگز نہیں خیر عطا فرمائے گا

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کہوں تو میں یقیناً ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا ہٹ دھرمی کے ساتھ معارضہ کرنا

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دس قرنوں کے بعد تشریف لائے۔ ایک قرن سو سال کی ہوتی تھی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بت پرستی آچکی تھی انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کو فرمایا ان لوگوں نے ضد اور عناد پر کمر باندھ لی اور بت پرستی سے باز نہ آئے اور طرح طرح کی بے تکی باتیں کرتے رہے ان کا واقعہ سورہ اعراف (ع ۸) میں گزر چکا ہے وہاں ہم نے ان کی قوم کی بہت سی باتیں متعدد آیات قرآنیہ کی روشنی میں نقل کر دی ہیں۔ یہاں بعض مضامین زائد ہیں جو وہاں بیان نہیں ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم میں تمہیں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں تمہارے بارے میں ایک بڑے تکلیف دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں تم نے اگر توحید اختیار نہ کی اور خالص اللہ کی عبادت نہ کی تو عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ ان لوگوں نے حق قبول کرنے کی بجائے الٹے جواب دینے شروع کر دیئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے مخاطبین میں بہت کم لوگ مسلمان ہوئے۔ جو لوگ سردار ان قوم تھے انہوں نے جا بجا یہ جواب دیئے (کسی بھی قوم کے سردار ہی عموماً شر میں آگے بڑھا کرتے ہیں اور قوم ان کے پیچھے چلتی ہے اگر سردار راہ حق پر آجائیں تو باقی قوم کا حق قبول کرنا آسان ہو جاتا ہے) ان سرداروں نے پہلی بات یہ کہی کہ اے نوح (علیہ السلام) تم ہمارے ہی جیسے آدمی ہو ہم تمہارے اندر کوئی ایسی خصوصیت نہیں دیکھتے جس کی وجہ سے تم نبوت سے سرفراز ہوئے ہو تمہارا نی ہونا ہمارے سمجھ میں نہیں آتا اور دوسری بات یہ کہی کہ جن لوگوں نے تمہارا اتباع کیا ہے وہ ہم میں سے سب سے زیادہ بڑھ کر رذیل اور گھٹیا ہیں پھر وہ لوگ جو تمہارے ساتھ لگ گئے ہیں وہ بھی کوئی سوچ سمجھ کے ساتھ نہیں لگے یوں ہی بے سوچے سمجھے ساتھ ہو لئے ہیں ان کا آپ کے ساتھ لگ جانا ہمارے لئے کوئی حجت نہیں اور تیسری

بات انہوں نے یہ کہی کہ اے نوح تم اور تمہارے متبعین کو ہم پر کوئی فضیلت حاصل ہو۔ ایسی کوئی بات ہمیں تو نظر نہیں آتی نہ پہلے تمہیں کوئی برتری حاصل تھی اور نہ اب حاصل ہے۔ یہ باتیں کہتے ہوئے انہوں نے علی الاعلان تکذیب کر دی اور یوں کہہ دیا بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ (کہ ہم تو تمہیں جھوٹ سمجھتے ہیں) ان کی باتیں سن کر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے میری قوم تم ہی بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے حجت پر ہوں اور اس نے اپنی طرف سے رحمت (نبوت) عطا فرما دی اور وہ تم سے پوشیدہ کر دی گئی (جسے تم اپنی جہالت کی وجہ سے جھٹلا رہے ہو) تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ میرا کام تو پہنچا دینا، بتا دینا اور واضح کر دینا ہے، میں تمہیں پہنچا تا ہوں اور تم دور بھاگتے ہو، کیا ہم تم پر اس کو چپکا دیں اور تمہارے سر منڈھ دیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ اے میری قوم میں جو تمہیں تبلیغ کرتا ہوں اور توحید کی جو دعوت دیتا ہوں اس سے میری کوئی دنیوی منفعت مقصود نہیں ہے اپنی کسی دنیوی لالچ کے لئے میں تمہیں تبلیغ کرنے کے لئے کھڑا نہیں ہوا یہ کام میں اللہ کے حکم سے کرتا ہوں مجھے اسی سے ثواب لینا ہے اور میرا اجر اسی کے ذمہ ہے، اگر میں تم سے کچھ مال طلب کرتا تو تم یہ کہہ سکتے تھے کہ اپنی دنیا بنانے اور مال جمع کرنے کے لئے ہمارے پیچھے پڑا ہے، اب جبکہ میں بے وٹ ہوں تو تمہیں غور کرنا چاہیے کہ مجھے اتنی محنت کرنے اور مشقت کے کام میں لگنے کی کیا ضرورت ہے؟

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو ایمان لائے تھے اور دنیاوی اعتبار سے اونچے درجہ کے افراد نہ تھے (اور قوم کے بڑے لوگ چاہتے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام انہیں اپنے پاس سے بٹا دیں) وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (جو لوگ ایمان لائے میں انہیں نہیں ہٹا سکتا) اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں) یعنی وہ اللہ کے مقرب بندے ہیں کامیاب ہیں ان کا ایمان اللہ کے نزدیک معتبر ہے جس کی وہ انہیں جزا دے گا میں انہیں اپنے پاس سے بٹا کر اللہ کو کیوں ناراض کروں۔ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۔ (میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت کی باتیں کرتے ہو) اور ایمان قبول نہیں کرتے جو سب سے بڑا شرف ہے اور اپنی حقیر دنیا کے پیش نظر اہل ایمان کو ارذل اور گھٹیا بتا رہے ہو۔ مزید فرمایا وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (اے میری قوم! میں مؤمنین کو اپنے پاس سے بٹا دوں اور دور کر دوں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو جائے گا پھر اس کی ناراضگی کو کوئی دفع کرنے والا نہ ہوگا) تم اپنی جہالت پر مصر ہو سمجھتے کیوں نہیں؟ صاحب روح المعانی (ص ۴۱ ج ۱۲) کا کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے صاف تو نہ کہا تھا کہ ان لوگوں کو بٹا دیں لیکن ان کے کلام سے یہ مفہوم ہو رہا تھا کہ ان کو بٹا دیا جائے تو ہم ایمان لا سکتے ہیں اس لئے ان کی اس بات کی تردید فرمادی فکان ذالک التماساً منهم بطردهم و تعليقاً لايمانهم به عليه الصلاة والسلام بذالک انفة من الانتظام معهم في سلک واحد (روح المعانی ص ۴۱ ج ۱۲) (ان لوگوں نے جو یہ کہا تھا کہ تم ہماری طرح کے آدمی ہو اور یہ کہ ہم تمہارے اندر کوئی اپنے سے زیادہ بات نہیں دیکھتے اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم نبی ہوتے تو تمہارے پاس مال بہت ہونا چاہئے تھا جو دنیا میں برتری کا ذریعہ ہے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، دنیا زیادہ ہونا اللہ کے یہاں فضیلت کی کوئی چیز نہیں ہے جس کی بنیاد پر نبوت دی جائے وہ تو اللہ کا فضل اور عطیہ ہے جسے چاہے عطا فرما دے نبی کی نبوت ماننے کے لئے جو تم اس کے پاس مال تلاش کرتے ہو اللہ کے قانون میں اس کی کوئی حیثیت نہیں نبوت کا تعلق مالدار ہونے سے نہیں ہے۔

وہ لوگ نبی کے اندر غیب دانی کی صفت بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بھی صاف فرما دیا کہ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (میں غیب نہیں جانتا) اور غیب کا جاننا بھی ان امور میں سے نہیں ہے جن کی بنیاد پر نبوت دی جاتی۔ یہ جو انہوں نے کہا تھا کہ ہم تمہیں اپنے ہی

جیسا آدمی دیکھ رہے ہیں اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم نبی ہوتے تو ہماری طرح سے کیوں ہوتے، بشری صفات سے خالی ہوتے تمہارے اندر فرشتوں جیسی صفات ہوتیں، حضرت نوح ﷺ نے اس کا بھی جواب دے دیا اور فرمایا وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ (میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) نبی ہونے کے لئے نہ فرشتہ ہونا ضروری ہے۔ نہ بشریت موانع نبوت میں سے ہے، جو چیزیں لوازم نبوت میں سے نہیں ہیں ان کے ذریعے میرے دعوائے نبوت کو کیوں پرکھتے ہو؟

حضرت نوح ﷺ پر جو لوگ ایمان لے آئے تھے منکرین ان کو حقیر بھی جانتے تھے اور یوں بھی کہتے تھے کہ یہ لوگ یوں ہی بے سمجھے سرسری طور پر تمہارے ساتھ لگ لئے ہیں دل سے آپ پر ایمان نہیں لائے اس کے جواب نے فرمایا وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا (کہ تمہاری نظریں جن بے سرمایہ مسکین لوگوں کو جو حقارت کی نظر سے دیکھ رہی ہیں اور ان کے بارے میں تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ یہ دل سے ایمان نہیں لائے میں ان کے بارے میں تمہاری موافقت نہیں کر سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انہیں کوئی خیر نہیں دے گا) میں تو انہیں مؤمن سمجھتا ہوں ان کا ظاہر اچھا ہے اللہ سے ان کے لئے خیر و ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ ایمان کا تعلق مال و دولت سے نہیں ہے بلکہ اخلاص کے ساتھ دل سے قبول کرنے سے ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ (اللہ کو خوب معلوم ہے جو ان کے دلوں میں ہے) وہ اپنے علم کے مطابق جزا دے گا اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ (اگر میں ان کے بارے میں ایسی بات کہہ دوں کہ اللہ انہیں ثواب عطا نہ فرمائے گا تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا) اس میں ان پر بھی ظلم ہوگا کہ ان کا مرتبہ گھٹانے کی بات کر دی اور اپنی جان پر بھی ظلم ہوگا کہ جو بات کہنے کی نہ تھی وہ کہہ دی۔

دنیاوی مال اور عہدہ عنداللہ مقبول ہونے کی دلیل نہیں اہل دنیا کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جس کے پاس دنیا دیکھتے ہیں اسی کو بڑا سمجھتے ہیں، جس کے پاس دولت نہ ہو اسے حقیر جانتے ہیں۔ خواہ وہ ایمان اور اخلاص اور اخلاق حسنہ اور علم و عمل کے اعتبار سے کتنا ہی بلند ہو۔ اصل بڑائی تو ایمان اور اخلاق کی ہے دنیا فانی ہے پیسہ آنے جانے والی چیز ہے اس سے کسی انسان میں شرافت اور بلندی نہیں آتی چونکہ مالداروں میں اپنی دنیا اور مال کا گھمنڈ ہوتا ہے اور باوجودیکہ ان کے اخلاق پست ہوتے ہیں تکبر میں بدمست ہوتے ہیں پھر بھی اپنے آپ کو اونچا سمجھتے ہیں ان کا یہ غرور اور مال، مالک انہیں حق نہیں قبول کرنے دیتا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتے تھے تو عموماً پہلے غریب لوگ ان پر ایمان لے آتے تھے۔ مالداروں کے غرور کا یہ حال تھا کہ ان کے نزدیک معیار حق خود ان کی ذات تھی وہ کہتے تھے کہ جسے ہم قبول کر لیں۔ وہی حق ہے۔ کوئی غریب آدمی اگر حق قبول کر لیتا تو کہتے تھے کہ یہ اس نے حق نہیں کہ ہم نے قبول نہیں کیا (کما ذکر اللہ تعالیٰ) (وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْهِ) (سورۃ الاحقاف رکوع ۲) جیسے حضرت نوح ﷺ کی قوم نے یوں کہا کہ تمہارے ساتھ گھٹیا لوگ لگ لئے ہیں دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتیں بھی یہ طعن کرتی رہی ہیں۔ جب حضرت خاتم النبیین سید الانبیاء والمرسلین ﷺ نے ایمان کی دعوت دی جس کی ابتداء مکہ معظمہ میں ہوئی تھی تو سرداران قریش نے اوّل اسلام قبول نہیں کیا اور برابر مخالفت کرتے رہے حتی کہ ان میں سے ستر (۷۰) آدمی غزوہ بدر میں مقتول ہو گئے۔ جو لوگ مسلمان تھے، پردیسی تھے، بے پیسہ والے تھے ابتداء میں وہی لوگ اسلام کی طرف بڑھے تھے جن میں حضرت بلال، حضرت عمار بن یاسر، حضرت خباب اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہم تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب قیصر کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو وہ اسے بیت المقدس میں ملا اس نے دریافت کیا کہ یہاں عربوں میں سے کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں یا نہیں؟ اس وقت وہاں کفار قریش کی ایک جماعت تجارت کے لئے پہنچی ہوئی تھی، قیصر نے ان لوگوں کو بلایا اور ابوسفیان ؓ کو مخاطب کر کے بہت سی باتیں پوچھیں (اس وقت وہ مسلمان

نہیں تھے) ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ جنہوں نے مجھے یہ خط لکھا ہے اور نبوت کا دعویٰ کیا ہے بڑے بڑے لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں یا کم حیثیت کے لوگ؟ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ کم حیثیت کے لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں اس پر قیصر نے کہا کہ اللہ کے رسولوں کے پیچھے چلنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں (یعنی عموماً شروع میں یہی لوگ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا اتباع کرتے ہیں) قیصر نے یہ بھی پوچھا کہ ان کے دین کے قبول کرنے کے بعد کیا کوئی شخص مرتد بھی ہو جاتا ہے؟ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ ایسا نہیں ہے یہ سن کر قیصر نے کہا کہ جب ایمان کی بشاشت دلوں میں رچ جاتی ہے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے (یعنی بشاشت ایمانیہ حاصل ہونے کے بعد کوئی شخص اسلام سے نہیں پھرتا) یہ تو پرانی باتیں ہیں لیکن تاریخ اپنے کو دہراتی ہے آج بھی امیروں وزیروں اور مالداروں میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جو یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن قرآن حدیث پڑھنے والوں کو اور مدرسوں کے طلباء کو اماموں کو اور مؤذنوں کو اور غریب نمازیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے کو بلند اور برتر سمجھتے ہیں اپنے فسق و فجور پر نظر نہیں موت کی فکر نہیں اور صالحین پر پھبتیاں کستے ہیں۔

ھدھم اللہ تعالیٰ الی ما یُحب و یرضی

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

وہ کہنے لگے کہ اے نوح تم ہم سے جھگڑے اور تم نے ہم سے زیادہ جھگڑا کر لیا۔ لہٰذا ہمارے پاس وہ لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم سچے ہو۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ

نوح نے جواب دیا کہ اس چیز کو تمہارے پاس اللہ ہی لے کر آئے گا اگر وہ چاہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو اور میری خیر خواہی تمہیں فائدہ نہیں دے سکتی اگر میں

اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کروں اگر اللہ کا یہ ارادہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کرے، وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قوم کا مزید عناد اور عذاب کا مطالبہ، اور حضرت نوح علیہ السلام کا جواب

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال اپنی قوم میں رہے اور انہیں سمجھاتے رہے۔ خوب سمجھایا اور بہت سمجھایا آپ جیسے جیسے ان کو سمجھاتے تھے وہ ضد و عناد میں آگے بڑھتے چلے جاتے تھے کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے۔ کپڑے اوڑھ لیتے تھے تاکہ آپ کی آواز کانوں میں نہ پڑے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ تم ہم سے بہت جھگڑ لیئے اور بہت زیادہ جھگڑا کر چکے جھگڑا ابھی کرتے ہو اور یوں بھی کہتے ہو کہ تم نے توحید کو قبول نہ کیا اور شرک چھوڑ کر تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نہ لگے تو عذاب آجائے گا اب بات یہ ہے کہ جھگڑے چھوڑو عذاب ہی بلا لو اگر تم سچے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ میں تو اللہ کی طرف سے مامور ہوں۔ عذاب کی وعید بھی میں نے اسی کی طرف سے سنائی ہے میں خود عذاب نہیں لا سکتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے گا تو تم پر عذاب لے آئے گا اور جب عذاب آئے گا تو تم اسے عاجز نہیں کر سکو گے یعنی نہ عذاب کو دفع کر سکو گے نہ بھاگ سکو گے، میں نے تمہیں بہت کچھ سمجھایا تمہاری خیر خواہی کی لیکن میری خیر خواہی کا تم اثر نہیں لیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ تمہیں گمراہی پر ہی رکھے (جس کی وجہ تمہارا عناد و استکبار ہے) تو میری نصیحت تمہیں کوئی کارگر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے، مالک ہے تم اس کے ساتھ شرک کر کے مجرم بنے ہوئے ہو دنیا میں بھی عذاب آ سکتا ہے اور

آخرت میں تو بہر حال منکرین کے لئے عذاب ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان لوگوں کو جواب دے دیا کہ میں تو عذاب نہیں لا سکتا۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا عذاب دے گا۔ پھر ان کے لئے بددعا کر دی اور پانی کے طوفان نے انہیں گھیر کر ہلاک کر دیا جیسا کہ سورۂ نوح علیہ السلام کے آخری رکوع میں مذکور ہے اور یہاں بھی آئندہ رکوع میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔

ع ۴ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝۳۵

کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کو اپنے پاس سے بنا لیا۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر میں نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے تو مجھ ہی پر میرا جرم ہے اور میں ان سے بری ہوں جو جرم تم کرتے ہو۔

قرآن کو افتراء بتانے والوں کو جواب

تفسیر: اس آیت کے بارے میں مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے سوال و جواب کا تتمہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے یوں کہا تھا کہ نوح علیہ السلام نے جو دعویٰ نبوت کیا ہے یہ ان کی بنائی ہوئی بات ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح (علیہ السلام) کو ارشاد ہوا کہ آپ انہیں جواب دے دیں کہ اگر بالفرض میں نے اپنے پاس سے کوئی بات بنائی ہو تو یہ میرا جرم ہے جو مجھ پر عائد ہے اور تم میرے جرم سے بری ہو تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ میں نے اپنے پاس سے یہ بات کہی ہے مجھ پر بہتان گا رہے ہو یہ تمہارا جرم ہے میں تمہارے جرم سے بری ہوں اس کی سزا تم خود بھگت لو گے۔

صاحب روح المعانی کا رجحان یہی ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے جو ان کی قوم سے ہوا۔ صاحب معالم التنزیل نے بھی یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں مشرکین مکہ کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یوں کہتے تھے کہ یہ قرآن انہوں نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ بالفرض اگر یہ قرآن میں نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے تو میرا یہ جرم مجھ پر ہوگا اور میں تمہارے جرم سے بری ہوں، مجھ پر اس کا کوئی وبال نہیں۔ تم جو ظلم کرتے ہو۔ شرک میں لگے ہوئے ہو۔ حق کو قبول نہیں کرتے۔ تم اس کے وبال سے ڈرو کیونکہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو جھٹلانے والوں پر عذاب آیا کرتا ہے۔ میں تمہارے جرم سے بری ہوں اور بیزار ہوں۔ مفسر ابن کثیر نے (ص ۴۴۴ ج ۲) اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بطور جملہ معترضہ کے فرمایا ہے جو حضرت نوح (علیہ السلام) کے قصہ کے درمیان ذکر کر دیا گیا (حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے بھی اسی کو اپنی تفسیر میں لیا ہے)۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا

نوح کی طرف وحی کی گئی کہ یہ شبہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی شخص ہرگز ایمان نہ لائے گا سو یہ لوگ جو کام کرتے تھے آپ ان کی

كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۚ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ

وجہ سے رنجیدہ نہ ہوں۔ اور ہمارے حکم سے کشتی بنائیے اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے خطاب نہ کرنا، بلاشبہ یہ لوگ

اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝۳۷ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۡ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ

غرق کئے جانے والے ہیں، اور وہ کشتی بنا رہے تھے اور جب ان کی قوم کے سردار ان پر گزرتے تھے تو ان سے ہنسی کرتے تھے،

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

وہ جواب دیتے تھے کہ اگر تم ہم پر ہنس رہے ہو تو بلاشبہ ہم تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہنس رہے ہو سو عنقریب تم جان لو گے کہ

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

کس پر عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم اور کشتی کی تیاری کے وقت سردارانِ قوم کا تمسخر

حضرت نوح علیہ السلام نے بہت زیادہ محنت کی اور طرح طرح سے اپنی قوم کو سمجھایا توحید کی دعوت دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ان کی محنت اور دعوت سے صرف چند افراد مسلمان ہوئے اور قوم کی طرف سے عذاب لانے کی فرمائش ہوتی رہی۔ بالآخر ظالموں پر عذاب آیا اور ایمان والے محفوظ رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے اب ان کے علاوہ کوئی شخص ایمان نہ لائے گا آپ ان کے حال پر غمگین نہ ہوں کیونکہ توقع کی چیز کے واقع نہ ہونے سے رنج ہوتا ہے۔ جب ان سے ایمان لانے کی توقع ہی اٹھ گئی تو کیوں غم کیا جائے۔ کافروں پر عذاب آنا تھا، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے نوح تم ہمارے سامنے ہمارے حکم سے ایک کشتی بناؤ جس میں سوار ہو کر اہل ایمان ڈوبنے سے محفوظ ہو جائیں گے اور کافر سب غرق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا کہ ظالموں (یعنی کافروں) کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرنا۔ ان کو ڈوبنا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنانے کے لیے تختے لے لیے ان میں کیلیں ٹھونکتے رہے جیسا کہ سورۃ القمر میں فرمایا کہ وحملنٰہ علی ذات الواح و دسر (اور ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کر دیا)

ادھر تو کشتی تیار ہو رہی تھی ادھر ان کی قوم کے سردار اور چودھری گزرتے تھے چونکہ انہیں عذاب آنے کا یقین نہیں تھا اس لئے حضرت نوح علیہ السلام پر ہنستے تھے اور ٹھٹھا کرتے تھے کہ جی ہاں تم تو اس کشتی میں بیٹھ کر محفوظ ہو جاؤ گے، کبھی کہتے تھے کہ یہ کشتی خشکی میں کیسے چلے گی؟ (کیونکہ وہ خشکی میں بنائی جا رہی تھی) کبھی کہتے تھے کہ اے نوح (علیہ السلام) ابھی تو تم نبی تھے اب تم بڑھئی ہو گئے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا اگر آج تم ہم پر ہنس رہے ہو تو سمجھ لو کہ وہ دن بھی آنے والا ہے کہ ہم تم پر ہنسیں گے جیسا کہ آج تم ہم پر ہنس رہے ہو عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور سے پانی ابلنے لگا تو ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم سے دو دو (یعنی نر اور مادہ) اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لو سوائے ان کے

مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ

جن کے بارے میں پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے، اور ان لوگوں کو بھی سوار کر لو جو ایمان لائے ہیں اور ان کے ساتھ کم ہی لوگ ایمان لائے۔ اور نوح نے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام

مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَ هِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَ نَادٰی

سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا (یا ٹھہرانا) میرے رب (کے حکم) سے ہے۔ بیشک میرا رب بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اور وہ کشتی انہیں لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں چلنے لگی اور نوح نے

نُوْحُ ابْنَهٗ وَ كَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی

اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ ان سے الگ تھا کہ اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو۔ وہ کہنے لگا کہ میں عنقریب کسی

جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَیْنَهُمَا

پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح نے جواب دیا کہ آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں مگر وہی جس پر وہ رحم فرمائے۔ اور ان دونوں کے

الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ۝

درمیان موج حائل ہو گئی۔ سو وہ غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا۔

پانی کا طوفان، کافروں کی غرقابی، اور اہل ایمان کی نجات

تفسیر حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنا کر تیار کر لی پانی کا طوفان آنا تھا اس کی ابتداء ہوگئی، اہل ایمان کو غرق ہونے سے بچانا تھا اور چوپائے اور درند پرند بھی نسیں چلانی تھیں اور بعد میں دنیا بھی آباد ہونی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم دیا کہ جو لوگ اہل ایمان ہیں انہیں اور اپنے گھر والوں کو کشتی میں سوار کر دو، ہاں تمہارے گھر والوں میں جن کا ڈوبنا قضاء وقدر میں طے ہو چکا ہے ان کو سوار مت کرو، ان میں ان کا ایک لڑکا تھا جو ایمان نہیں لایا تھا اور ایک بیوی تھی وہ بھی ایمان نہیں لائی تھی۔ ان دونوں کے کفر کی وجہ سے ان کے ڈوب جانے اور نجات نہ پانے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی سے فیصلہ ہو چکا تھا، جو حضرات ایمان لائے تھے ان کی تعداد کم تھی یہ کتنے افراد تھے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں جو کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ اسی (۸۰) افراد تھے جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے اور ان بیٹوں کی تینوں بیویاں تھیں حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا جو کافر تھا اسے کشتی میں سوار نہیں کیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی (سورۂ التحریم کے آخری رکوع میں کافروں میں شمار فرمایا۔

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگی۔ بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ ان کی دو بیویاں تھیں ایک مؤمنہ تھی اور دوسری کافرہ۔ کافرہ غرق ہوئی اور مؤمنہ کشتی میں سوار کر لی گئی تھی، وہ بھی ڈوبنے سے محفوظ کر لی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ خاصوں (یعنی کافروں) کے بارے میں مجھ سے مخاطب نہ کرنا۔ لہٰذا کافروں کے لئے سفارش کرنے اور نجات کی دعا کرنے کا موقع نہ تھا۔

بنی آدم اہل ایمان جو کشتی میں سوار ہوئے تھے ان کے علاوہ بحکم خداوندی چرند اور پرند کا ایک ایک جوڑا بھی حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ پانی آیا جو پہلے تنور سے ابلنا شروع ہوا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ تنور سے پانی ابلنا ابتداء طوفان کی نشانی کے طور پر تھا حضرت نوح علیہ السلام کو بتا دیا گیا تھا کہ جب تنور سے پانی ابلنے لگے تو سمجھ لو کہ اب طوفان کی ابتداء ہوگئی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ سارا پانی تنور ہی سے نکلا۔ کیونکہ سورۂ قمر میں فرمایا فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَی الْمَآءُ عَلٰۤی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۪ (سو ہم نے خوب بہنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر پانی اس کام کے لئے مل گیا جو پہلے سے تجویز ہو چکا تھا۔ یعنی آسمان کا پانی اور زمین کا پانی دونوں مل گئے اور کافروں کی

ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا تھا پانی کی طغیانی کے ذریعے وہ فیصلہ پورا ہو گیا۔ یہ پانی بہت زیادہ تھا جس سے محفوظ رہنے کا اہل کفر کے لئے کوئی ذریعہ نہ تھا۔ سورۂ حاقہ میں فرمایا اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (بے شک جب پانی میں طغیانی آ گئی تو ہم نے تمہیں (یعنی تمہارے آباؤ اجداد کو تم جن کی پشتوں میں تھے) کشتی میں سوار کر دیا تا کہ اسے ہم تمہارے لئے نصیحت بنا دیں اور تا کہ اسے یاد کرنے والے کان یاد رکھیں)

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے (یعنی اہل ایمان سے) فرمایا کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا (یعنی اس کے چلنے کی ابتداء اللہ کے نام سے ہے اور اس کا ٹھہر جانا بھی اللہ ہی کے نام سے ہوگا) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ دوران طوفان جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی کو روکنا چاہتے تھے تو بِسْمِ اللّٰهِ کہہ دیتے تھے اور جب چاہتے تھے کہ چل پڑے تو بِسْمِ اللّٰهِ کہہ دیتے تھے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

(سو جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر بیٹھ جائیں تو یوں کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی) اور دعا کی تلقین فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ (کہ دعا میں یوں کہئے کہ اے رب مجھے برکت والی جگہ میں اتار اور تو بہترین اتارنے والوں میں سے ہے) کشتی سے اترتے وقت کیا دعا کریں اس کے لئے یہ دعا تلقین فرمائی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا موج کے لپیٹ میں: کشتی چل رہی ہے پہاڑوں کی طرح موجیں ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا موجوں کے تھپیڑوں سے دوچار ہو رہا ہے قریب ہے کہ ڈوب جائے وہ ان سے علیحدہ تھا، کشتی میں سوار نہ تھا اور ایمانی اعتبار سے بھی ان کے ساتھ نہ تھا۔ آپ نے اسے آواز دی، اے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا کافروں کے ساتھ نہ ہو ان کے دین کو چھوڑ دے۔ لیکن اس نے نہ مانا اور کہنے لگا میں کسی پہاڑ پر ٹھکانہ پکڑ لوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا اس کا خیال تھا کہ جیسے عام طور سے سیلاب آتے ہیں اسی طرح سے یہ بھی ایک سیلاب ہے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا تو بچ جاؤں گا کیونکہ عام طور پر سیلاب پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں جاتا وہ چونکہ ایمان نہیں لایا تھا اس لئے یہ بات ماننا ہی نہ تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے عذاب ہے جب اللہ کی طرف سے عذاب آ جائے تو کہیں پر بھی نہیں بچ سکتا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں اسے نجات نہیں دے سکتیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں ہاں جس پر اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے وہی بچ سکتا ہے لیکن کافروں پر وہ رحم نہیں فرمائے گا ان سب کو ڈوبنا ہی ڈوبنا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک موج آئی جو دونوں باپ بیٹوں کے درمیان حائل ہو گئی سو وہ غرق کئے جانے والوں میں سے ہو گیا۔

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ

(حکم ہو کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل لے اور اے آسمان تھم جا، اور پانی کم ہو گیا (اور فیصلہ کر دیا گیا) اور کشتی جودی پر ٹھہر گئی)

وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ

(اور کہہ دیا گیا کہ کافروں کے لئے دوری ہے۔ اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا اے میرے رب بے شک میرا

وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ

بیٹا میرے اہل سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو حکم کرنے والوں میں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ بے شک

غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

اس کا عمل درست نہیں سو تو مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں شامل نہ ہونا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِىْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِىْ وَتَرْحَمْنِىْٓ اَكُنْ

نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب بے شک میں اس بات سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں آپ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی اور مجھ پر

مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ

نہ فرمائی تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ حکم ہوا کہ اے نوح تم اتر جاؤ سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر اور ان جماعتوں پر ہیں جو

مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

تمہارے ساتھ ہیں اور بہت سی جماعتیں ایسی ہیں جنہیں ہم نفع پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

طوفان کا ختم ہونا اور کشتی کا جودی پہاڑ پر ٹھہرنا

تفسیر: پانی کا طوفان آیا جو خوب زیادہ تھا، پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی اوپر پانی پہنچ گیا اور اس کی موجیں بھی پہاڑوں کی طرح تھیں، اتنے کثیر پانی سے کون بچ سکتا تھا۔ سوائے ان مؤمن مخلص بندوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا یہ طوفان کتنے دن رہا اس کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کشتی ایک سو پچاس دن تک پانی پر رہی اور ایک قول یہ ہے کہ وہ چھ مہینے تیرتی رہی۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے پھر جب اللہ تعالیٰ کو طوفان ختم کرنا منظور ہوا تو زمین کو حکم دے دیا کہ اپنے پانی کو نگل لے اور آسمان کو حکم دیا پانی برسانا بند کر دے چنانچہ پانی کم ہو گیا اور اہل کفر کی غرقابی کا جو اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا اس کے مطابق وہ سب ہلاک ہو گئے کشتی چلتے چلتے جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ اللہ پاک کی طرف سے ندا دے دی گئی کہ ظالموں کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے کشتی تو پہاڑ پر ٹھہر گئی لیکن اس سے اترنا کب ہوا؟ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک ماہ تک جودی پہاڑ پر رہے جب حضرت نوح علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ پانی ختم ہو گیا ہے اور زمین اس لائق ہو گئی کہ اس پر قیام کیا جائے تو وہاں سے نیچے تشریف لے آئے اور پھر ان سے دنیا بسنی شروع ہوئی اور ان کے تینوں بیٹوں سے (جو کشتی میں ساتھ تھے) آگے دنیا میں نسل چلی جن کے یہ نام مشہور ہیں۔ سام ۲، حام ۳، یافث

نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا ایک لڑکا جو کافر ہونے کی وجہ سے غرق ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں انہوں نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا کہ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ اور بے شک آپ کا وعدہ سچا ہے۔ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ۔ اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کے اہل و عیال کو نجات دینے کا وعدہ فرما لیا تھا اس پر انہوں نے یہ دعا کی، دعا میں ادب کو

ملحوظ رکھا یوں نہیں کہا کہ میرے لڑکے کو نجات دے دیجئے بلکہ یوں کہا میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے (جن کے نجات دینے کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے) یہاں مفسرین نے یہ سوال اٹھایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو اہل ایمان کو نجات دینے کا وعدہ فرمایا تھا جن میں ان کے اہل وعیال بھی تھے پھر انہوں نے اپنے کافر بیٹے کو نجات کے وعدہ میں کیسے شامل سمجھا؟ اس کے متعدد جواب لکھے گئے ہیں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ گو یہ لڑکا مستحق ایمان والا اور مستحق نجات نہیں ہے۔ لیکن یا اللہ اگر آپ چاہیں تو اس کو مومن بنا دیں تاکہ یہ بھی وعدۂ نجات کا محل بن جائے خلاصۂ معروض کا اس کے مومن ہونے کے لئے دعا کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے انہیں جواب دیا گیا کہ اے نوح (علیہ السلام) تمہارا بیٹا ہمارے علم ازلی میں تمہارے ان گھر والوں میں سے نہیں جو ایمان لا کر نجات پائیں گے۔ اس کے اعمال درست نہیں ہیں اور انہیں اعمال میں سے یہ ہے کہ اسے کفر پر اصرار ہے اس کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا نہیں تو اس کے لئے نجات کی دعا کرنے کا بھی کوئی موقع نہیں۔ فلا تسئلن ما لیس لک بہ علمٌ (سو اے نوح مجھ سے اس بات کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں) تم جو یہ سمجھ رہے ہو کہ اس کے ایمان لا کر نجات پانے کا احتمال ہے تقاضاء قدر کے فیصلہ کے مطابق یہ سمجھ صحیح نہیں ہے۔ انی اعظک ان تکون من الجھلین (بے شک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے مت بنو) قال رب انی اعوذ بک ان اسئلک ما لیس لی بہ علمٌ (نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس بات سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے)

والا تغفرلی و ترحمنی اکن من الخسرین (اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں تباہ کاروں میں سے ہو جاؤں گا)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیٹے کی نجات کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب اور عتاب غرق ہونے کے بعد تھا تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں کہ انہوں نے اس کے ایمان لانے کے لئے دعا کی تھی تاکہ ایمان لانے والوں میں شمار ہو کر نجات پا جائے کیونکہ اس کا موقع رہا ہی نہ تھا اور اگر اس کے غرق ہونے سے پہلے یہ دعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب مل گیا تھا کہ اسے کفر پر مرنا ہے تو بیٹے سے یہ کیوں فرمایا ایمان لا کر ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔

احقر کے خیال میں اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ دعا اور سوال و جواب بیٹے کے جواب ساوی الی جبل یعصمنی من الماء۔ اور اس کے غرق ہونے کے درمیانی وقفہ میں تھا کیونکہ ابھی موج ہی حائل ہوئی تھی اس کے غرق ہونے کا پتہ نہ چلا تھا بعد میں وہ غرق ہوا اور ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا جو فرمایا تھا اس کا یہ مطلب تھا کہ کسی کافر کے کفر پر رہتے ہوئے اس کی نجات کا سوال نہ کرنا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

اہل ایمان کا باسلامت کشتی سے اترنا: قیل یا نوح اھبط بسلام منا و برکات علیک و علی امم ممن معک۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ سلامتی کے ساتھ اتر جاؤ اور برکتوں کے ساتھ اتر جاؤ جو تم پر ہوں گی اور ان جماعتوں پر ہوں گی جو تمہارے ساتھ ہیں۔

جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور پانی اتر گیا جس کی وجہ سے زمین میں بسنے کی صورت حال پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ پہاڑ سے اترو تمہارے لئے ہماری طرف سے سلامتی ہے اور برکتیں ہیں اور جو جماعتیں تمہارے ساتھ ہیں ان پر بھی ہماری برکتیں ہیں۔ وامم سنمتعھم ثم یمسھم منا عذاب الیم اور بہت سی جماعتیں ایسی بھی ہوں گی جو آگے چل کر دائرہ

ایمان سے نکل جائیں گی ان لوگوں کو ہم دنیا میں ایسی زندگی دیں گے جس سے فائدہ اٹھالیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچ جائے گا) پہلے سے بتادیا تھا اس وقت جو زمین پر تم اتر رہے ہو سب مسلمان ہو لیکن ان اترنے والوں کی نسلوں میں سے پھر اہل کفر پیدا ہوں گے ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچ جائے گا آخرت میں تو ہر کافر کے لئے سخت عذاب ہے اور بعض امتوں کو دنیا میں بھی اجتماعی عذاب ہوگا۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ

یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔ آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ ان کو نہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی

هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

تھی، سو آپ صبر کیجئے، بلاشبہ انجام کار متقیوں ہی کے لئے ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ عبرت اور نصیحت ہے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی اور ان کے ساتھ اہل ایمان کی نجات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ غیب کی خبریں ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ کی قوم ان خبروں سے واقف نہیں تھے ان خبروں کا آپ کو علم ہونا جبکہ آپ نے کسی سے پڑھا بھی نہیں، پرانی قوموں کے واقعات آپ کو کسی نے بتائے بھی نہیں یہ سمجھ دار انسان کے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر آپ کو مطلع فرمایا ہے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ اہل ایمان کی نجات پانے سے آپ کو تسلی ہونی چاہئے آپ صبر کریں جیسے انبیاء سابقین علیہم السلام صبر کرتے رہے ہیں اور انجام کار یہی ہوا کہ جو لوگ متقی تھے یعنی کفر اور شرک سے بچتے تھے انہوں نے نجات پائی اور ان کے دشمن ہلاک ہوئے اسی طرح آپ کے لئے بھی حسن عاقبت ہے، اور آپ کے اصحاب کے لئے بھی۔ اہل مکہ اور دوسرے لوگ جو آپ کے مخاطب ہیں ان کو بھی عبرت حاصل کرنا چاہئے چند دن کا کھانا پینا اور عیش کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ انجام اچھا ہونا چاہئے۔ جو متقین ہی کا حصہ ہے۔

فوائد ضروریہ

۱ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کے بارے میں مشہور یہی ہے کہ طوفان نے ساری زمین کو گھیر لیا تھا۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جو دعا کی تھی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک بھی باشندہ مت چھوڑ) اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ساری زمین کو طوفان نے گھیر لیا تھا لیکن بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ طوفان صرف اسی علاقہ میں آیا تھا جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ یہ ایک شاذ قول ہے۔ جو جمہور کے خلاف ہے جن علماء نے اسے اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک سورۂ نوح کی آیت میں جو الْاَرْض آیا ہے اور جو سورۂ قمر میں وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا ۝ فرمایا ہے ان دونوں میں الف لام عہد کے لئے ہے یہ احتمال بعید نہیں ہے لہٰذا ان کے قول کی یقین کے ساتھ تغلیط بھی نہیں کی جاسکتی۔ چونکہ اس کی تحقیق سے کوئی شرعی حکم متعلق نہیں لہٰذا کاوش میں پڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔ قصہ بیان کرنے کا مقصد ہر طرح حاصل ہے

یعنی نصیحت اور عبرت و موعظت ہر طرح حاصل ہے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت ارض معمورہ ہی تھوڑی سی تھی۔ جتنی زمین پر انسانوں کی آبادی تھی اتنے ہی حصہ پر طوفان آیا اور چونکہ تھوڑے سے اہل ایمان کے علاوہ سب ہی بنی آدم ہلاک کر دیئے گئے تھے اس لئے اس کو عالمی طوفان کہنا بھی صحیح ہے، منکرین کو ہلاک فرمانا تھا، وہ اتنی زمین پر طوفان آنے سے ہلاک ہو گئے جتنی زمین پر آباد تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۲ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ (کہ وہ تمہارے اہل میں سے نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ مومن اور کافر میں کوئی رشتہ نہیں اگر نسبی اعتبار سے قرابت کا رشتہ ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، کسی نبی یا ولی کا بیٹا ہو اور اس کے عقائد کفریہ ہوں تو اس کا رشتہ اسے کوئی کام نہیں دے سکتا اور اس کے رشتہ کا اعتبار بھی نہیں حضرات مہاجرین کرام کا یہی جذبہ تھا کہ غزوۂ بدر و غیرہ میں خونی رشتے کے لوگ سامنے آئے لیکن چونکہ وہ کافر تھے اس لئے انہیں قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا جیسا کہ کافروں نے بھی ان رشتہ داروں پر تلوار کشی کی جو اہل ایمان میں سے تھے بلکہ غزوۂ بدر میں تو یہ ہوا کہ بعض انصار مقابلہ کے لئے نکلے تو مشرکین مکہ میں سے بعض افراد نے کہا کہ لَا نُرِيْدُ هٰؤُلَآءِ وَلٰكِنْ نَارْزِ سِيْ عَمَا مِنْ بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ (کہ ہم ان کے مقابلہ کا ارادہ نہیں رکھتے ہم تو بنی عبدالمطلب سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے چچا کے بیٹے ہیں) اس پر حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم نکلے جن میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو قتل کر دیا اللہ حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے (بدر میں زخمی ہونے تھے پھر مدینہ منورہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں وفات ہوگئی) لیکن ان کے شہید کرنے والے کو (جس کا نام عتبہ تھا) بعد میں حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے قتل کر دیا۔ (البدایہ)

جب کافروں کے جذبۂ عداوت کا یہ حال ہے کہ قتل کرنے کے لئے اپنے عزیزوں کو خصوصیت کے ساتھ طلب کرتے ہیں تو اہل ایمان کیوں اہل غیرت دشمنی نہ رکھیں اور کافروں کو اپنا کیوں سمجھیں۔ دینی کافر اپنا نہیں خواہ کیسا ہی رشتہ دار ہو اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ میں اس کو واشگاف الفاظ میں واضح فرمایا ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا فرماتے ہیں۔

پسر نوح بابداں بنشست ۔۔۔ خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند ۔۔۔ پئے نیکاں گرفت مردم شد

۳ جودی پہاڑ کہاں ہے جس پر کشتی ٹھہری تھی، اس کے بارے میں معجم البلدان میں لکھا ہے کہ یہ ایک پہاڑ ہے جو دجلہ سے مشرقی جانب ہے جزیرہ ابن عمر پر محیط ہے اور یہ شہر موصل کے مضافات میں ہے (جو عراق کے شہروں میں سے ہے) یہ جزیرہ ابن عمر بن تغلبی کی طرف منسوب ہے۔ محقق ابن جزری امام التجوید والقراءۃ کی نسبت بھی اسی کی طرف ہے۔

۴ آیت کریمہ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ میں فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بہت سی وجوہ اعجاز ہیں جن کو علامہ سکاکی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے جمع کیا ہے پھر حافظ شمس الدین ابن الجزری صاحب مقدمہ الجزریہ کفایۃ الالمعی فی اٰیۃ یٰٓاَرْضُ ابْلَعِیْ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں علامہ سکاکی کی بیان کردہ وجوہ اعجاز پر اضافہ کیا۔ (روح المعانی ص ۱۰۷ ج ۱۲)

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ اِنْ اَنْتُمْ

اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں تم صرف

اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ یٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

جھوٹ بولتے ہو۔ اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی مزدوری طلب نہیں کرتا۔ میرا جر صرف اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا تم سمجھتے نہیں ہو۔

وَ یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ یَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ

اور اے میری قوم تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو وہ تم پر خوب بارشیں بھیجے گا اور تمہیں جو قوت حاصل ہے اس سے زیادہ قوت عطا فرمائے گا

وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ

اور تم مجرم بن کر روگردانی کرنے والے نہ بنو۔ وہ کہنے لگے کہ اے ہود تم ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں لائے اور ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو

وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ

چھوڑنے والے نہیں اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں کوئی خرابی پہنچا دی ہے۔ ہود نے کہا میں اللہ کو

اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝

گواہ بناتا ہوں اور تم گواہ ہو جاؤ کہ بے شک میں ان چیزوں سے بری ہوں جنہیں تم اللہ کے علاوہ شریک قرار دیتے ہو۔ سو تم سب میرے بارے میں تدبیریں کر دیکھو مجھے مہلت نہ دو۔

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ

بے شک میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی پیشانی اس کی دسترس میں نہ ہو بے شک میرا رب صراط

مُّسْتَقِیْمٍ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَ یَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا

مستقیم پر ہے۔ سو اگر تم روگردانی کرو تو میں سب کچھ پہنچا چکا ہوں جو پیغام دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے اور میرا رب تمہارے سوا دوسری قوم کو

غَیْرَكُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ۝ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا

تمہارے قائم مقام کر دے گا اور تم اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ۝ وَ تِلْكَ عَادٌ ۫ جَحَدُوْا

کو اور ان لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان لا کر ان کے ساتھ تھے اور ہم نے انہیں سخت عذاب سے نجات دے دی اور یہ تھے قوم عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے

بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ وَ اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ۝ وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً

رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش ضدی کی بات کا اتباع کیا۔ اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی

وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝ ع ۵

اور قیامت کے دن بھی خبردار بلاشبہ قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا خبردار رحمت دور کیے گئے عاد کی قوم ہود۔

قوم عاد کو حضرت ہود علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا ہلاک ہونا

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی سرکشی اور ضد و عناد اور کفر و تکذیب کی سزا کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم یعنی قوم عاد کی سرکشی و نافرمانی اور ضد و عناد کی تکذیب کا تذکرہ فرمایا یہ لوگ بڑی قوت والے اور بڑے ڈیل ڈول والے تھے ان کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔

سورۃ الفجر میں ہے الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلها فی البلاد ۝ (کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کی قد و قامت ستون جیسی تھی جن کے شہروں میں ان جیسے پیدا نہیں کیا گیا۔)

اور سورۂ حم سجدہ میں ان کے غرور اور گھمنڈ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے فاما عاد فاستکبروا فی الارض بغیر الحق و قالوا من اشد منا قوة ط (لیکن قوم عاد نے زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے کہا کہ زور آوری میں ہم سے زیادہ بڑھ کر کون ہوگا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولم یروا ان اللہ الذی خلقهم هو اشد منهم قوة ط (کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے انہیں پیدا فرمایا ان سے بڑھ کر قوت والا ہے) حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد ہی میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں تبلیغ کی، توحید کی دعوت دی شرک سے باز آنے کی تلقین فرمائی اور ان سے فرمایا کہ دیکھو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرو اسی پر ایمان لاؤ اور اسی کی عبادت کرو یہ جو تم نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں ان کو تم اللہ کا شریک بتاتے ہو یہ تمہارا افتراء ہے اور جھوٹ ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ کی نعمتیں بھی یاد دلائیں اور ان سے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین میں بسایا ہے ان کے بعد تم زمین میں رہتے سہتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ڈیل ڈول بھی خوب دیا ہے تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو لیکن انہوں نے کہا کہ تم تو بے وقوف آدمی ہو اور ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ (سورہ اعراف ۹) اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم ہمارے پاس کوئی دلیل و حجت تو لائے نہیں ہو جس کی وجہ سے ہم تمہیں اللہ کا رسول مانیں (یہ انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کہا) اور ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ یعنی آسیب وغیرہ پہنچا کر دیوانہ بنا دیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں اور میں اس پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو، اور یہ بھی فرمایا کہ دیکھو اب تو میرے اور تمہارے درمیان کھل کر دشمنی ہوئی تم میرے دشمن ہو اپنی دشمنی میں کوئی سر نہ اٹھا کر رکھو مجھے دکھ پہنچانے میں تم سے جو کچھ کوشش ہو سکتی ہے تم سب مل کر اس پر عمل کر دیکھو پھر مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو، دیکھو تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو؟ میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے تم اتنے سارے بہ قوت و شوکت والے ہو، میں اکیلا ہوں اللہ کا توکل وہ چیز ہے کہ جس سے یہ چیز حاصل ہو جائے اس کے سامنے مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہٰذا میں تمہیں کچھ نہیں سمجھتا۔ زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں ان سب کی پیشانی اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ مالک ہے قادر ہے، قاہر ہے تم بھی زمین پر چلتے پھرتے ہو تم بھی اس کی مخلوق ہو۔ اور مقہور و مجبور ہو تمہیں اس سے ڈرنا چاہئے بے شک میرے رب کی رضا صراط مستقیم پر چلنے میں ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتیں بھی یاد دلائیں اور آئندہ نعمتیں ملتے رہنے کا عملی طریقہ بتایا اور وہ یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو یعنی ایمان لاؤ تمہارا گزشتہ سب کچھ معاف ہو جائے گا اس کے حضور میں توبہ بھی کرو اللہ تعالیٰ تم پر خوب بارش بھیج دے گا جو ضرورت کے وقت خوب برستی رہے گی اور تمہاری جو موجودہ قوت و صحت و زور آوری ہے اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ بڑھا دے

گا۔ صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ تین سال تک بارشیں نہیں ہوئی تھیں اور عورتیں بانجھ ہوگئی تھیں اولاد پیدا نہ ہوتی تھیں مال واولاد نہ ہونے سے قوت میں کمی ہو رہی تھی حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان لاؤ اور اللہ کی طرف رجوع کرو مال بھی ملے گا اور اولاد بھی ہوگی اور ان دونوں کے ذریعے تمہاری قوت میں اضافہ ہوگا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے واضح طور پر فرمایا کہ دیکھو اگر تم روگردانی کرو گے اور جو پیغام میں لے کر آیا ہوں اسے نہ مانو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور تمہارے بعد اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو زمین میں بسا دے گا اپنے زور وقوت پر جو تمہیں گھمنڈ ہے یہ بیجا ہے اللہ تعالیٰ عذاب بھیج دے گا تم اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکو گے اور یہ نہ سمجھنا کہ جب عذاب آئے گا تو سب پر آئے گا عذاب کافروں پر آئے گا اہل ایمان محفوظ رہیں گے اِنِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ○ (بے شک میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔ وہ اہل ایمان کو بچا لے گا) ان کی قوم نے کہا کہ تم ہمیں یہ پیغام دے رہے ہو کہ ہم صرف تنہا اللہ کی عبادت کریں اور اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (یہ ہم سے نہیں ہو سکتا) تم جو یہ بار بار کہتے ہو کہ عذاب آئے گا، عذاب آئے گا اگر تم سچے ہو تو عذاب لے آؤ۔ ایک تو انہوں نے کفر وشرک کو نہیں چھوڑا دوسرے اپنے منہ سے عذاب طلب کیا۔ لہٰذا حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا قَدْ وَقَعَ عَلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ (تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ نازل ہونے کا فیصلہ ہو چکا تھا) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان پر عذاب آیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں یعنی اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی اور باقی قوم کو سخت عذاب میں مبتلا فرمایا جس سے وہ ہلاک ہوئے اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی بھیجی جو سات دن رات اور آٹھ دن تک برابر چلتی رہی اور وہ ایسے رہے گویا کھجوروں کے تنے ہوں جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے اور سورہ احقاف میں فرمایا فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤی اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ○ (سو جب انہوں نے بادل دیکھا جو ان کی وادیوں کے سامنے آرہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہے جو ہم پر پانی برسانے والا ہے، یہ بات نہیں کہ وہ پانی برسانے کا بدلہ یہ وہ چیز ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی۔ سو وہ لوگ صبح کے وقت اس حال میں ہو گئے کہ ان کے رہنے کے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا ہم اسی طرح مجرمین کو بدلہ دیا کرتے ہیں سورہ تم سجدہ اور سورہ الذاریات اور سورۃ الحاقہ میں بھی قوم عاد پر سخت ہوا کے عذاب آنے کا ذکر ہے۔ واقعہ عذاب بتا کر ارشاد فرمایا وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (اور اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی) یعنی وہ دنیا میں بھی ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی ان پر لعنت ہوگی اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ (خبردار عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا) اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ (خبردار اللہ کی رحمت سے قوم عاد کے لئے دوری ہے جو ہود کی قوم تھی) قوم ہود کی تکذیب اور ضد وعناد اور ہلاکت وبربادی کا واقعہ (سورۃ اعراف رکوع ۹) میں بھی گزر چکا ہے وہاں بھی دیکھ لیا جائے۔

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ هُوَ

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے

اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ

تمہیں زمین سے پیدا فرمایا اور تمہیں اس میں آباد فرمایا سو تم اس سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو۔ بے شک میرا رب قریب ہے

رکوع اول

مُجِيْبٌ ۝ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ

آقوں سے امید تھی کہ تو ہمارے بزرگوں کے پیچھے چلے گا تو ہمیں تم سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں کیا تم ہمیں ان چیزوں کی عبادت سے روکتے ہو جن کی عبادت

اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى

ہمارے باپ دادا کرتے تھے اور ہم تو اس دین کی طرف سے جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ہمارے دلوں کو بے چین کر رکھا ہے۔ صالح نے کہا کہ اے میری قوم تم

بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا

تو ذرا یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہے پھر اگر دونوں نے تو مجھے خدا سے بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ سو تم

تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ

میرے لئے نقصان ہی بڑھا رہے ہو اور اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے یہ بطور نشانی کے ہے سو تم اسے چھوڑے رکھو اللہ کی زمین میں کھاتی

اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ

پھرے اور اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا پھر تمہیں جلد آ پکڑے گا۔ عذاب پڑے گا۔ سو انہوں نے اس کو مار ڈالا۔ اس پر صالح نے کہا کہ تم تین دن اپنے

دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ

گھروں میں برت لو یہ وعدہ ہے جو جھوٹا ہونے والا نہیں ہے۔ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ اہل ایمان تھے

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ

اپنی رحمت سے نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے نجات دی، بے شک تیرا رب قوت والا ہے اور زبردست ہے۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا

ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا

انہیں چیخ نے پکڑ لیا۔ سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے جیسا کہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ خبردار قوم ثمود

كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ ع ۸

نے اپنے رب سے ساتھ کفر کیا خبردار ثمود کے لئے دوری ہے۔

قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور قوم کا نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہونا

سورۂ اعراف کے رکوع (۱۰) میں حضرت صالح (علیہ السلام) اور ان کی قوم ثمود کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے وہاں مراجعت فرمائیں مختصر طریقے پر یہاں بھی لکھا جاتا ہے حضرت صالح (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ قوم عاد کے بعد تھی سورۂ اعراف میں ہے کہ حضرت صالح (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد وبوأکم فی الارض تتخذون من سهولها قصورا وتنحتون الجبال بيوتا ۚ فاذكروا آلاء الله ولا تعثوا فی الارض مفسدين ۝ (اور تم یاد کرو جبکہ اللہ نے

تمہیں قوم عاد کے بعد آباد کیا اور زمین میں تمہیں رہنے کو ٹھکانہ دیا تم نرم زمین میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے ہو، سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت مچاؤ۔)

حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو استغفار کرنے کے لئے یعنی ایمان لانے کے لئے فرمایا اور آئندہ باقی زندگی میں اللہ کی طرف رجوع کرنے اور توبہ کرنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ میرا رب قریب ہے جو دعا کرو گے سنے گا اور مجیب بھی ہے، دعا کو قبول فرمائے گا اور انہیں بتا دیا کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، ان لوگوں نے ضد و عناد پر کمر باندھ لی اور حضرت صالح (علیہ السلام) سے کہنے لگے کہ میاں تم تو بڑے سمجھدار ہونہار تھے ہم تم کو اپنا سردار بناتے اور اپنے کاموں میں تمہیں آگے آگے رکھتے تم نے جو یہ باتیں نکالی ہیں کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور باپ دادے جن کی عبادت کرتے تھے انہیں یکسر چھوڑ بیٹھیں یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، تم ہمیں جس بات کی دعوت دے رہے ہو، ہمیں تو اس کے صحیح ہونے میں شک ہے۔ شک بھی معمولی نہیں بڑا شک ہے جو بڑے تذبذب اور تردد میں ڈالنے والا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت دی ہے یعنی نبوت عطا فرمائی ہے اگر میں تمہاری جاہلانہ باتوں کا اتباع کروں تو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو جاؤں گا اگر اللہ تعالیٰ نے اس نافرمانی پر میرا مواخذہ فرمایا تو اللہ کے سوا کون میری مدد کرے گا۔ تمہارا اتباع کرنے سے برابر میرا نقصان ہی ہوتا رہے گا۔ ان لوگوں نے بڑی بیہودہ اور بے تکی باتیں کہیں اور یوں بھی کہا کہ اچھا اگر تم پیغمبروں میں سے ہو تو عذاب لا کر دکھا دو جس سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو (مکی سورۃ الاعراف) نیز انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ پہاڑ سے اگر اونٹنی نکل آئے تو ہم مان لیں گے کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے اونٹنی نکال دی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو نشانی کے طور پر ہے اس کو چھوڑ دو تاکہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور یہ بھی فرمایا کہ اس اونٹنی کے پانی پینے اور تمہارے مویشیوں کو پانی پینے کے لئے باری مقرر کی جاتی ہے۔ (وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ) اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ تم اس اونٹنی کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا یعنی اس کے درپے آزار نہ ہونا اور اسے قتل مت کرنا اگر تم نے ایسا کیا تو جلد ہی عذاب آجائے گا۔

ان لوگوں نے اول تو خود اپنے منہ سے فرمائشی معجزہ طلب کیا پھر معجزہ ظاہر ہو گیا تو ایمان نہ لائے بلکہ اوپر سے اس اونٹنی کے قتل کے مشورے کرنے لگے آپس میں مشورہ کر کے ایک آدمی کو تیار کیا کہ اس اونٹنی کو مار ڈالو، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا (فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۟)

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ دیکھو تم تین دن اپنے گھروں میں رہ لو اس کے بعد عذاب آجائے گا یہ وعدہ جھوٹ نہیں ہے۔ تین دن گزرنے کے بعد عذاب آ گیا اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح (علیہ السلام) کو اور ان کے ساتھیوں کو جو اہل ایمان تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے بھی نجات دے دی کیونکہ جس قوم پر اللہ کا عذاب آتا ہے۔ وہ ذلیل و رسوا بھی ہوتی ہے یہ اہل ایمان عذاب سے بھی محفوظ رہے اور ذلت سے بھی محفوظ رہے۔

قوم پر جو عذاب آیا اس کے لئے فرمایا وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ (جن لوگوں نے ظلم کیا ان کو چیخ نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے گویا کہ ان میں رہے ہی نہ تھے اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ (خبردار قوم ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا) اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ (خبردار دوری ہے ثمود کے لئے) یہ قوم دنیا میں بھی اللہ کی رحمت سے دور ہوئی اور آخرت میں بھی۔

فائدہ: سورۂ اعراف میں ہے کہ ان لوگوں پر رجفہ یعنی زلزلے کا عذاب آیا تھا اور یہاں چیخ سے ہلاک ہونے کا ذکر ہے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے زلزلہ اور چیخ دونوں ہی جمع ہو گئے تھے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اوپر سے چیخ آئی اور نیچے سے زلزلہ آیا۔ دونوں ان کی ہلاکت کا سبب بنے۔ مفسر بغوی معالم التنزیل ص ۳۹۱ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک زوردار چیخ ماری جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ

اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے، انہوں نے سلام کے الفاظ بولے، ابراہیم نے سلام کا جواب دیا پھر دیر نہ لگائی کہ ایک

بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا

تلا ہوا بچھڑا لے آئے۔ سو جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں پہنچ رہے ہیں تو ان کی طرف سے خوفزدہ ہو گئے انہوں نے کہا

لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ

آپ ڈریں نہیں بے شک ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور ان کی بیوی کھڑی ہوئی تھی سو وہ ہنس پڑی سو ہم نے اسے اسحاق کی

وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ

اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی وہ بولنے لگی ہائے خاک پڑے، میں بچہ جننے کی حالت میں بڑھیا ہوں، اور یہ میرے شوہر بڑے میاں ہیں،

اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ

بے شک یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔ وہ کہنے لگے کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں،

الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى

بلاشبہ اللہ مستحق حمد ہے بزائی والا ہے۔ پھر جب ابراہیم کا خوف جاتا رہا اور اس کے پاس خوشخبری آگئی

يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ

تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں جدال شروع کر دیا بے شک ابراہیم بردبار رجوع کرنے والے تھے۔ اے ابراہیم اس بات سے

عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝

اعراض کرو، بے شک تمہارے رب کا حکم آچکا ہے اور بے شک ان پر عذاب آنے والا ہے جو واپس نہ ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتوں کا حاضر ہونا اور فرشتوں کا بیٹے اور پوتے کی بشارت دینا

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا وطن ایران اور عراق کے درمیان تھا ان کی قوم بت پرست تھی، نمرود کی حکومت تھی وہاں انہوں نے توحید کی

دعوت دی قوم نے مخالفت کی دشمنی پر اتر آئے حتی کہ آپ کے باپ نے بھی یوں کہہ دیا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ (اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار دوں گا اور تو مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے) ان لوگوں نے آگ میں ڈال دیا اللہ نے آگ ان پر ٹھنڈی کر دی اور وہ اس میں سے صحیح سلامت باہر نکل آئے اور پھر اپنا وطن چھوڑ کر ملک شام کے علاقہ فلسطین میں آباد ہو گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام ان کے بھتیجے تھے وہ بھی ساتھ آ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی نیز حضرت لوط (علیہ السلام) کو بھی نبوت سے نوازا تھا۔ شام ہی کے علاقہ میں حضرت لوط (علیہ السلام) کی قوم آباد ہوئی تھی جہاں آج کل بحر میت ہے ان کی قوم نے بڑی سرکشی کی اور بیہودگی اور بدفعلی اور بدکاری کو اپنا مقصد زندگی بنا رکھا تھا۔ جب ان کی قوم پر عذاب بھیجنے کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا تو فرشتے اول حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس آئے جو انسانی صورتوں میں تھے انہوں نے آ کر سلام کیا، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جواب دیا اور جلدی سے اندر تشریف لے گئے اور بھنا ہوا بچھڑے کا گوشت ان کے لئے مہمانی کے طور پر لے آئے یہ بچھڑا فربہ اور موٹا تازہ تھا جیسا کہ سورۃ الذّٰریات میں فرمایا ہے۔ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مہمانی کی (اول الناس صنع الصیف الضیف کما فی المشکوٰۃ ص ۳۸۵) آنے والے مہمان فرشتے تھے وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ گوشت سامنے رکھا ہوا ہے لیکن ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جب یہ ماجرا دیکھا تو خوف زدہ ہو گئے کہ یہ کون لوگ ہیں عجیب سے لوگ معلوم ہوتے ہیں کھانا سامنے رکھا ہے کھاتے نہیں ہیں نہ صرف دل سے خوف زدہ ہوئے بلکہ زبان سے بھی کہہ دیا اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ (کہ ہمیں تم سے ڈر لگ رہا ہے) فرشتوں نے کہا کہ ڈرو نہیں ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو صاحب علم ہوگا بیٹا ہونے کی بشارت دی اور اس کے ساتھ ہی پوتا ہونے کی بھی بشارت دے دی یہ بیٹا اسحٰق اور پوتا یعقوب (علیہما السلام) تھے بیٹے کی بشارت سنی تو کہنے لگے اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝ (کیا تم مجھے اس حالت میں بشارت دے رہے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا آ چکا ہے سو کس چیز کی بشارت دے رہے ہو)

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ (انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بشارت دی ہے سو تم ناامید ہو جانے والوں میں سے مت بنو) نیز ان فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ ہم قوم لوط (علیہ السلام) کی طرف بھیجے گئے ہیں (تاکہ ان پر عذاب لے آئیں) وہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ بھی کھڑی تھیں انہیں ہنسی آ گئی ہنسی کس بات پر آئی اس کے بارے میں صاحب (معالم التنزیل) نے کئی قول نقل کئے ہیں اس میں سے ایک قول یہ ہے کہ انہیں اس بات پر ہنسی آئی کہ ہم ان مہمانوں کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں ان کو کھانا پیش کیا لیکن کھاتے ہی نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ چونکہ فرشتوں نے یوں بھی کہہ دیا تھا کہ ہم قوم لوط علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے ہیں اس لئے مؤمنہ خاتون کو ان کی غفلت پر ہنسی آ گئی کہ دیکھو وہ لوگ کیسے غافل ہیں عذاب قریب آ چکا اور وہ اپنی مستیوں میں لگے ہوئے ہیں، فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو بھی بشارت دی اور کہا کہ تم سے لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام اسحٰق (علیہ السلام) ہوگا اور پھر اس لڑکے کا لڑکا ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہوگا وہ کہنے لگیں ہائے خاک پڑے (عورتیں تعجب کے وقت یہ لفظ بولا کرتی ہیں) کیا میں اب جنوں گی جب بڑھیا ہو چکی ہوں اور نہ صرف یہ کہ میں بڑھیا ہوں میرے یہ شوہر جو بیٹھے ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں، بوڑھے مرد بوڑھی عورت سے اولاد پیدا ہونا تو عجیب بات ہے، فرشتوں نے کہا ہم تو تمہیں اللہ کی طرف سے بشارت دے رہے ہیں تمہیں اللہ کے حکم پر تعجب ہو رہا ہے وہ جس سے چاہے اور جب چاہے اولاد پیدا فرما سکتا ہے اس کے بعد فرشتوں نے اللہ کی رحمت اور اس کے برکتوں کی دعا دی اور کہا کہ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ (کہ اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں) اِنَّهٗ حَمِيْدٌ

مَجِيْدٌ ۝ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام تعریفوں کا مستحق ہے اور بزرگ ہے۔)

اس کے بعد اسی بیوی سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اسحٰق (علیہ السلام) رکھا گیا اور بعد میں اس صاحبزادہ کا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یعقوب (علیہ السلام) رکھا گیا۔ اس کی بیوی کا نام سارہ تھا جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے چچا کی لڑکی تھی اور ہجرت کر کے ہمراہ آئی تھی۔ دوسری بیوی کا نام ہاجرہ تھا اس سے حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) پیدا ہوئے۔ ہاجرہ اور اسمٰعیل وہی دونوں ماں بیٹے ہیں جنہیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) مکہ معظمہ کے چٹیل میدان میں چھوڑ گئے تھے جس کا واقعہ سورۂ بقرہ کی آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا خوف جاتا رہا تو اب حضرت لوط (علیہ السلام) کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ شانہٗ سے یہ دعا مانگنے لگے کہ ان کو ہلاک نہ کیا جائے کیونکہ ان کے اندر لوط (علیہ السلام) موجود ہیں اس کو یُجَادِلُنَا سے تعبیر فرمایا ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ جدال فرشتوں سے تھا کیونکہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے اس لئے یوں فرمایا کہ وہ ہم سے جدال کرنے لگے، سورۂ عنکبوت میں ہے کہ جب فرشتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں تو اس پر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا (اس بستی میں لوط موجود ہیں) اس پر فرشتوں نے جواب دیا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا۔ ہمیں ان سب کا خوب علم ہے جو اس بستی میں ہیں لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (ہم لوط اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے بجز اس کی بیوی کے وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی)

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی خواہش تھی کہ عذاب نہ آئے انہوں نے عذاب روانے کے لئے وہاں لوط (علیہ السلام) کے موجود ہونے کو رحم لانے کے لئے پیش کیا ان کے اسی جذبہ کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (کہ بلاشبہ ابراہیم (علیہ السلام) بردبار رحم دل تھے اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے) اللہ کی طرف حضرت لوط (علیہ السلام) کی بستیوں کو ہلاک کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا اور اسی لئے فرشتے آئے تھے انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) سے کہا کہ اس بات کو جانے دو تمہارے رب کا فیصلہ ہو چکا ہے ان پر عذاب ضرور آئے گا جو ہٹنے اور واپس ہونے والا نہیں ہے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے۔ اور اپنی وجہ سے تنگ دل ہوئے۔ اور کہنے لگے آج کا دن مصیبت کا دن ہے۔

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ

اور ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس جلدی جلدی دوڑتے ہوئے آگئے، اور وہ اس سے پہلے برے کام کیا کرتے تھے، لوط نے کہا اے میری قوم یہ میری

بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝

بیٹیاں ہیں وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا مانس نہیں ہے؟

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ

کہنے لگے کہ تمہیں تو معلوم ہے کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے اور تم تو جانتے ہو ہمارا کیا مطلب ہے لوط نے کہا کاش میرا تم پر

قُوَّةً اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ۝ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ

زور چلتا ہوتا یا میں کسی مضبوط پائے کی پناہ لے لیتا۔ فرشتوں نے کہا اے لوط بے شک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ سو تم رات

بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ

کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جانا اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جانا بے شک اسے وہی عذاب پہنچے گا

اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا

جو قوم کے سب لوگوں کو پہنچے گا، بے شک صبح کا وقت اس کے عذاب کے مقرر ہے کیا صبح قریب نہیں ہے۔ سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے زمین کے اوپر کے حصے کو نیچے

وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ۝

اور ہم نے اس زمین پر کنکر کے پتھر برسا دیئے جو لگاتار گر رہے تھے جن پر آپ کے پاس سے نشان لگائے ہوئے تھے اور یہ بستیاں ظالموں سے دور نہیں۔

ع ۷ ۴۵ الصف

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا، ان کی بدکار قوم کا ہلاک ہونا اور اہل ایمان کا نجات پانا

اللہ تعالیٰ نے جو فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے تھے وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو بشارت دے کر اور ان کے مکالمہ اور مجادلہ سے فارغ ہو کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے جو انسانی شکلوں میں تھے حضرت لوط (علیہ السلام) کی قوم لڑکوں اور مردوں کے ساتھ بدفعلی کی عادت تھی، وہ منع کرتے تھے تو باز نہ آتے تھے اور الٹا حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو طعنہ دیتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ بڑے پاک باز بنتے ہیں (جیسا کہ سورۂ اعراف کے رکوع ۱۰ میں گزر چکا ہے) فرشتے حسین اور خوبصورت مردوں کی صورت میں آئے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو رنج ہوا اور تنگ دل ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ یہ لوگ مہمانوں کے ساتھ حرکت بد کرنے کا ارادہ کریں گے جب وہ لوگ جلدی جلدی دوڑے ہوئے آئے تو حضرت لوط (علیہ السلام) نے ان سے کہا کہ دیکھو یہ میری بیٹیاں ہیں یعنی وہ عورتیں جو میری امت میں ہیں یہ تمہارے لئے بہتر ہیں ان سے نکاح کرو اور اپنا کام چلاؤ، ان پاکیزہ عورتوں کو چھوڑ کر ایسے کام کا ارادہ نہ کرو جو اللہ کی ناراضگی لانے والا کام ہے، پھر یہ بھی دیکھ لو کہ یہ میرے مہمان ہیں تم ان سے اپنے مطلب برآری کا ارادہ کر کے مجھے ان میں رسوا نہ کرو کیا تم سبھی کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے کیا تم میں کوئی اچھا آدمی صحیح رائے والا نہیں ہے؟

ان کی قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی مطلب اور سروکار نہیں ہمارا جو مطلب ہے وہ تم جانتے ہو۔ حضرت لوط (علیہ السلام) نے جب ان کی ضد دیکھی اور ان کی طرف سے نصیحت قبول کرنے سے ناامید ہو گئے تو کہنے لگے کہ کاش تمہارے مقابلہ میں مجھے قوت حاصل ہوتی یا میں کسی مضبوط پائے کی طرف ٹھکانہ پکڑ لیتا یعنی میں کسی ایسی قوم کا فرد ہوتا جو کنبہ اور قبیلہ اور جتھے والی ہوتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت لوط (علیہ السلام) کے بعد اللہ نے جو بھی نبی بھیجا وہ عزت اور زور آور اور عزت والی قوم میں سے تھا۔ (درمنثور ص ۳۴۳ ج ۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ لوط پر رحمت فرمائے۔ وہ مضبوط پائے کی طرف ٹھکانہ پکڑ

رہے تھے۔ (رواہ البخاری ص ۴۷۸ ج ۱)

فرشتوں نے جب حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی دیکھی تو انہوں نے کہہ دیا کہ بے شک ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ تمہارا کچھ نہ کر سکیں گے۔ آپ تک ان کی رسائی ہرگز نہ ہوگی اور یہ تو خود ہلاک ہونے والے ہیں ہم ان کی ہلاکت کے لئے بھیجے گئے ہیں اور چونکہ اہل ایمان کو محفوظ رکھنا (اور اہل ایمان صرف حضرت لوط کے گھر والے ہی تھے) ضروری ہے اس لئے آپ رات کے وقت میں انہیں لے کر باہر چلے جائیے اور برابر چلتے جائیں تم میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے مگر آپ کی جو بیوی ہے وہ ساتھ نہ جائے گی (وہ کافر تھی) اس پر بھی وہی عذاب آنے والا ہے جو بستی کے دوسرے لوگوں پر آئے گا اور یہ عذاب صبح کے وقت میں نازل ہوگا، حضرت لوط علیہ السلام چونکہ بہت ہی زیادہ تنگ آچکے تھے اس لئے انہوں نے صبح تک مہلت دینا گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ ابھی عذاب آجائے (کما ذکر فی الدر المنثور عن ابن عباس) فرشتوں نے کہا اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ (کیا صبح قریب نہیں ہے) جب صبح ہوئی تو اللہ کا حکم آگیا جو فرشتے عذاب کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے ان بستیوں کا تختہ اٹھا کر پلٹ دیا۔ نیچے کی زمین اوپر اور اوپر کی زمین نیچے ہوگئی وہ سب لوگ اس میں دب کر مر گئے اور اللہ تعالیٰ نے اوپر سے پتھر بھی برسا دیئے جو کنکر کے پتھر تھے وہ لگاتار برس رہے تھے اور ان پر نشان بھی لگے ہوئے تھے بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہے ہر پتھر جس شخص پر پڑتا تھا اس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا اس کو مُسَوَّمَۃً یعنی نشان زدہ فرمایا (کما ذکرہ فی معالم التنزیل وفیہ اقوال آخر)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اس علاقہ میں موجود تھے ان پر زمین الٹنے کا عذاب آیا اور جو لوگ ادھر ادھر نکلے ہوئے تھے ان پر پتھر برسے اور وہ پتھروں کی بارش سے ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہد تابعی سے کسی نے پوچھا کیا قوم لوط میں سے کوئی رہ گیا تھا انہوں نے جواب دیا کوئی باقی نہ رہا تھا ہاں ایک شخص زندہ بچ گیا تھا جو مکہ معظمہ میں تجارت کے لئے گیا ہوا تھا وہ چالیس دن کے بعد حرم سے نکلا تو ان کو بھی پتھر لگ گیا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھَا ای علی شذاذھا ومسافریھا یعنی ان میں سے جو لوگ مسافر تھے ادھر ادھر نکلے ہوئے تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی بارش بھیج دی جس سے وہ ہلاک ہو گئے پھر لکھا ہے۔ وقیل بعد ما قلبھا امطر علیھا (یعنی جب تختہ الٹ دیا تو اوپر سے پتھر برسا دیئے گئے) یہ قول صحیح ہے جو قرآن کے سیاق کے مطابق ہے۔ اور یہ اس کے معارض نہیں کہ جو لوگ ادھر ادھر گئے ہوئے تھے ان پر بھی پتھر آئے ہوں اور وہ پتھروں کے ذریعے ہلاک کئے گئے ہوں، ان لوگوں پر جو پتھر آئے تھے ان کے بارے میں مِنْ سِجِّیْلٍ فرمایا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ لفظ معرب ہے سنگ اور گل سے مرکب ہے فارسی میں سنگ پتھر کو اور گل مٹی کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ پتھر ایسے تھے جو مٹی سے بنائے ہوئے تھے اسی لئے اس کا ترجمہ کنکر کیا گیا ہے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے بیان القرآن میں فرمایا ہے کہ اس سے جھانوہ مراد ہے جو پک کر مثل پتھر کے ہو جاتا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے چند بستیاں تھیں جن کے نام مفسرین نے میعہ، صعرہ، عصرہ، دوما، سدوم، بتائے ہیں ان کے ناموں کے بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں ان میں سب سے بڑی بستی سدوم تھی حضرت لوط علیہ السلام اسی میں رہتے تھے ان کی قوم کے اعمال بد کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ یہ بستیاں نہر اردن کے قریب تھیں۔ ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا گیا اور ان کی جگہ بحر میت جاری کر دیا گیا۔ جو آج بھی موجود ہے یہ پانی کہیں دوسری جگہ سے نہیں آتا صرف ان بستیوں کے حدود میں رہتا ہے۔ یہ پانی بدبودار ہے جس سے

انسانوں کو یا جانوروں کو یا کھیتوں کو کسی قسم کا انتفاع نہیں ہوتا۔ سورۂ حجر میں زمین کا تختہ الٹنے کے تذکرہ سے پہلے یہ بھی فرمایا فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ (سورج نکلتے نکلتے انہیں چیخ نے پکڑ لیا) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا چیخ نے بھی پکڑا اور ان کی زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا اور ان پر پتھر بھی برسائے گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی وہ بھی ہلاک کر دی گئی بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی جب پوری قوم پر عذاب آیا تو وہ بھی انہی میں ہلاک ہو گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ ساتھ تو نکلی تھی لیکن جب اس نے عذاب آنے کی آہٹ سی تو پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی اور اپنی قوم کی ہلاکت کا یقین کرتے ہوئے یوں کہا "ہائے میری قوم" اس وقت اسے ایک پتھر آ کر لگا جس سے وہ ہلاک ہو گئی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ ہم نے تفصیل سے سورۂ انعام (ع ۱۰) کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا ہے وہاں بھی ملاحظہ فرمالیں۔ وہاں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والا عمل کرنے والوں کی امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے علماء نے کیا سزا بتائی ہے۔ قصہ کے ختم ہونے پر فرمایا وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝ (یہ بستیاں ظالموں سے دور نہیں ہیں) یعنی جو لوگ ایمان نہیں رکھتے کفر پر مصر ہیں ان لوگوں کو حضرت لوط کے واقعہ سے عبرت لینا چاہئے یہ بستیاں ان سے دور نہیں ہیں سورۂ حجر میں فرمایا وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ (یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر ہیں) عرب کے لوگ جب تجارت کے لئے شام کو جاتے تھے تو ان تباہ شدہ بستیوں کے پاس سے گزرتے تھے ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنا لازم تھا سورۂ صٰفّٰت میں فرمایا وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (اور تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرا کرتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں رکھتے)۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ

اور ہم نے مدین کی طرف ان سے بھائی شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو بے شک میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ آسودہ حال ہو بے شک میں تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں جو گھیر

مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا

لینے والا ہو گا۔ اور اے میری قوم انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو اور لوگوں کو چیزیں گھٹا کر نہ دو

تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ

زمین میں فساد مچاتے ہوئے نہ گھومو اللہ کا دیا ہوا جو کچھ بچ جائے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور میں تم پر پہرہ دینے

بِحَفِيْظٍ ۝ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ

نہیں ہوں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ بتاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں یا یہ کہ

اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝

ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا چھوڑ دیں بے شک تم تو بڑے بردبار ہو نیک چلن ہو۔

مدین والوں کو حضرت شعیب علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا
اور ان لوگوں کا الٹے جواب دینا اور استہزاء کرنا

حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث فرمایا تھا اصحاب ایکہ کا ذکر سورۃ الشعراء (ع ۱۰) میں ہے اور سورۂ اعراف (ع ۱۱) میں اور یہاں سورۂ ہود میں اور سورۂ عنکبوت (ع ۴) میں اصحاب مدین کا ذکر ہے۔

یہ لوگ بھی مشرک تھے نیز اللہ کی عبادت کرتے تھے اور لوگوں کو جو مال بیچتے تھے تو ناپ تول میں کمی کرتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو تبلیغ کی اور ان سے فرمایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، نیز یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مال پورے پورے انصاف کے ساتھ دو، ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ اللہ کا دیا ہوا جو حلال مال بچ جائے تمہارے لئے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کوتاہی کرتے ہو۔ حلال میں برکت ہوتی ہے اگرچہ کم ہو اور حرام اگرچہ زیادہ ہو بے برکت ہوتا ہے اور آخرت میں جہنم میں لے جانے والا ہے۔ لہٰذا تم حلال پر اکتفا کرو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں تمہارا پہرہ دار نہیں ہوں کہ تم سے جبراً وہ عمل روا کر ہی چھوڑوں جس کا میں حکم دے رہا ہوں۔ وہ لوگ بیہودگی پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ واہ میاں تم بڑے نمازی آئے کیا تمہاری نماز یہی بتاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کی عبادت چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے ہوئے آئے ہیں، نماز کا ذکر انہوں نے استہزاء اور تمسخر کے طور پر کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تمہاری نماز عجیب ہے، ہم جو سامان بیچتے ہیں اس پر پابندی لگاتی ہے ہمارا مال ہے جیسے چاہیں بیچیں پورا ناپ تول کر دیں یا ناپ تول میں کمی کر کے دیں تمہیں اور تمہاری نماز کو اس سے کیا سروکار ہے تم تو بڑے بردبار نیک چلن معلوم ہوتے ہو، یہ بھی انہوں نے بطور تمسخر کہا۔ یہ جواب لوگوں نے کہا کہ ہمارا مال ہے ہم اس میں جو چاہیں تصرف کریں۔ یہی بات اس زمانہ کے لوگ بھی کہہ دیتے ہیں جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ سود نہ لو اور سود نہ دو۔ رشوت کا مین دین نہ کرو بیمہ کمپنی میں رقم جمع نہ کرو۔ گناہ کی چیزیں نہ خریدو اور نہ انہیں فروخت کرو تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ مولویوں کا عجیب ڈھنگ ہے ہر شخص کا اپنا مال ہے جیسے چاہے تصرف کرے مولویوں کو لوگوں کے معاملات میں بولنے اور زیادہ مال کمانے کے سلسلہ میں روڑے اٹکانے کی کیا ضرورت ہے، یہ لوگ اول تو بات غلط کہتے ہیں کہ مال ہمارا ہے، تمہارا مال کہاں سے ہو گا تم خود اپنے نہیں ہو تم اور تمہارے اموال سب اللہ کی مخلوق اور مملوک ہیں، اس نے تمہیں مجازی مالک بنا دیا تو تم اپنے مال کہنے لگے، جس نے تمہیں اور تمہارے اموال کو پیدا فرمایا اسے اختیار ہے کہ جو چاہے احکام نافذ فرمائے اور جس چیز سے چاہے منع کرے اور جس چیز کی چاہے اجازت دے اور جس عمل سے چاہے روکے۔ مولوی اپنے پاس سے کچھ کہیں تو قصوروار ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ

شعیب نے کہا کہ اے میری قوم تم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے کھلی ہوئی دولت عطا فرمائی ہو تو میں تمہیں حق کی دعوت دینا کیسے چھوڑ دوں اور میں یہ نہیں

اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ

چاہتا کہ میں اس طرح تمہاری مخالفت کروں کہ جن کاموں سے روکتا ہوں انہیں خود کرنے لگوں میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں جس تک مجھ سے ہو سکے،

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ

اور جو پچھ مجھے توفیق ہے وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور میں اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں ۔ اور اے میری قوم تمہیں میری مخالفت

يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝

اس پر آمادہ نہ کرے کہ تمہیں اس طرح کا عذاب پہنچ جائے جو قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچا۔ اور قوم لوط تم سے دور نہیں ہے

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝

اور تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو بے شک میرا رب رحم فرمانے والا ہے بڑی محبت فرمانے والا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم سے فرمانا کہ جہاں تک ہو سکے میں اصلاح چاہتا ہوں اور میری مخالفت تم پر عذاب آنے کا سبب نہ بن جائے

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب مدین والوں کو حق کی طرف بلایا توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ زمین میں فساد مت مچاؤ تو ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا اور بے تکے جواب دیئے اور توحید قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی بتاؤ اگر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل حق پر ہوں حق بات بتاتا ہوں اور حق کی طرف بلاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی رحمت یعنی نبوت سے نوازا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تبلیغ کرنا اور حق کی دعوت دینا چھوڑ دوں اور پھر یہ بھی سمجھ لو کہ میں جو کچھ بتاتا ہوں خود اس کے خلاف نہیں کرتا، اگر میرا قول و فعل ایک دوسرے کے مخالف ہوتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ دیکھو دوسرے کو نصیحت اپنے کو فضیحت، لیکن میں تمہیں وہی بات بتاتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ اور جو کچھ میں نیک کام کرتا ہوں (جس میں نماز پڑھنا بھی داخل ہے) اور جو کچھ تبلیغ کرتا ہوں یہ سب اللہ کی توفیق سے ہے میں نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے مزید فرمایا دیکھو تم ضد نہ کرو عناد پر کمر بستہ نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میری یہ مخالفت تمہارے لئے عذاب آنے کا ذریعہ نہ بن جائے جیسے قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ان پر عذاب آیا، ان ہلاک شدہ قوموں میں سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بھی تھی جسے زیادہ زمانہ نہیں گزرا ان کے عذاب کے واقعات تمہیں معلوم ہیں ان سے عبرت حاصل کرو بعض مفسرین نے فرمایا کہ وما قوم لوط منکم ببعید سے دونوں مطلب لئے جا سکتے ہیں یعنی زمانے کے لحاظ سے بھی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم دور نہیں اور خطۂ ارضی کے اعتبار سے بھی۔ کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام کا علاقہ اصحاب مدین کے علاقے سے دور نہیں تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اپنے رب سے استغفار کرو۔ کفر کو چھوڑو ایمان پر آؤ۔ پھر باقی زندگی بھی اسی طرح سے گزارو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہو اور اس کے حضور میں توبہ کیا کرو ان ربی رحیم ودود (بے شک میرا رب بہت زیادہ رحمت اور بہت زیادہ محبت کرنے والا ہے) جو شخص اس کے حضور میں توبہ کرے اس پر رحم فرماتا ہے اور اسے دوست رکھتا ہے۔

فائدہ ورزقنی منہ رزقا حسنا کی ایک تفسیر تو وہی ہے کہ میرے رب نے مجھے بڑی دولت یعنی نبوت عطا فرمائی ہے اور بعض مفسرین نے اس کا معنی متبادل لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حلال مال عطا فرمایا ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر بھی ہوں اور اللہ نے مجھے حلال مال بھی عطا فرمایا ہے اور یہ حلال مال کسی طرح کی خیانت کئے بغیر مجھے مل

گیا ہے نہ میں ناپ تول میں کمی کرتا ہوں نہ کسی طرح سے کسی کا حق مارتا ہوں تو اس صورت میں میرے لئے یہ کیسے درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کروں اور تمہارے کاموں کی موافقت کروں۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا

وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے بہت سی باتیں ہم نہیں سمجھتے، اور بلاشبہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمارے درمیان کمزور ہو اور اگر

رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ

تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے، اور ہمارے نزدیک تم کچھ عزت والے نہیں ہو۔ شعیب نے کہا کہ اے میری قوم کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک اللہ کی عزت میں بڑھ

مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

کر ہے اللہ سے زیادہ ہے اور تم نے اسے پس پشت ڈال دیا، بلاشبہ میرا رب ان کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جنہیں تم کرتے ہو۔ اور اے میری قوم تم اپنی جگہ پر کام کرتے

عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ

رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں، تم عنقریب جان لو گے کہ کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور یہ بھی جان لو گے وہ کون شخص ہے جو جھوٹا ہے۔

وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

انتظار کرو بے شک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔ اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب کو اور ان لوگوں کو نجات دے دی جو ان کے

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ

ساتھ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہیں سخت آواز نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں اوندھے گرے ہوئے رہ گئے گویا کہ

لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝

وہ ان میں رہے ہی نہ تھے۔ خبردار مدین کے لئے دوری ہے جیسا کہ ثمود دور ہوئے۔

ع ۸

اہل مدین کا بری طرح جواب دینا اور ہلاک ہونا

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت برابر جاری رہی، قوم کی اصلاح کی کوششیں کرتے رہے لیکن وہ لوگ اپنے اپنے کفر و شرک پر جمے رہے انہوں نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو جواب دیئے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں یہ بات انہوں نے استہزاء یا تحقیراً کہی جس کا مطلب یہ تھا کہ تمہاری باتیں سمجھنے کے قابل نہیں ہیں۔ اور ممکن ہے کہ بعض باتیں نہ سمجھتے ہوں کیونکہ توجہ کے ساتھ سنتے ہی نہ تھے۔ اپنی اس بیہودہ بات کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم ہماری جماعت کے سامنے کمزور آدمی ہو لیکن تمہارے خاندان کے لوگ جو ہمارے ہم مذہب ہیں ان کی پاس داری ہے اگر ان کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے گو کہ تمہاری کچھ عزت اور وقعت ہمارے نزدیک نہیں ہے بس تمہارے خاندان کا خیال ہے جس کی وجہ سے ہم حملہ کرنے سے رکے ہوئے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جو تمہیں تبلیغ کرتا ہوں یہ اس بناء پر ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جو میری نسبت ہے (کہ میں اس کا نبی ہوں) اس کا تمہیں کچھ خیال نہیں اور میرے خاندان کا تمہیں خیال ہے اگر میرا خاندان نہ ہوتا تو تم مجھے ہلاک کر دیتے کیا تمہارے نزدیک میرا خاندان اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ عزت والا ہے تم نے میرے خاندان کا تو خیال کیا اور اللہ تعالیٰ کو تم نے پس پشت ڈال دیا۔ اسے راضی رکھنے کا تمہیں بالکل خیال نہ آیا، بلاشبہ میرا رب تمہارے سب اعمال کو جانتا ہے تم عذاب کے مستحق ہو چکے ہو جب تم ایمان نہیں لاتے تو اب عذاب آنے ہی کو ہے وہ ایسا عذاب ہوگا جو رسوا کر دے گا اور رہتا دے گا کہ کون جھوٹا ہے اور کون سچا، تم مجھے دعوائے نبوت میں جھوٹا سمجھتے رہے ہو عذاب آنے سے واضح ہو جائے گا کہ میں جھوٹا نہیں ہوں تم جھوٹے ہو تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں اپنی جگہ اعمال میں مشغول ہوں تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں کہ دیکھیں عذاب کب آتا ہے اور کس پر آتا ہے؟

ان لوگوں کے لئے عذاب کا فیصلہ ہو چکا تھا اللہ کا عذاب آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اور ان دو ں کو جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے اپنی مہربانی سے بچا لیا اور ظالموں کو چیخ نے پکڑ لیا اس چیخ کی وجہ سے سب ہلاک ہو گئے یہ لوگ بھی اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے منہ پڑے رہ گئے کہ گویا وہ ان میں رہے ہی نہیں یہ لوگ بھی اللہ کی رحمت سے دور ہوئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمانا اور انہیں دیگر نصیحتیں فرمانا پھر ان دو ں کے سوال و جواب اور بالآخر ان کی ہلاکت اور بربادی کا مفصل واقعہ سورۂ اعراف (ع ۱۱) میں گزر چکا ہے وہاں بعض باتیں زائد ہیں جو یہاں مذکور نہیں اس کو بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔ ایک یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ وہاں فرمایا ہے اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ (انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا) اور یہاں فرمایا ہے وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ (ظالموں کو چیخ نے پکڑ لیا) لیکن اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے کیونکہ ان پر دونوں طرح کا عذاب آیا تھا زبردست چیخ آئی اور زلزلہ بھی آیا۔ ناپ تول میں کمی کے بارے میں جو بعض احادیث مروی ہیں وہ سورۂ اعراف کی تفسیر میں ذکر کر دی گئی ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا سو ان لوگوں نے فرعون کی بات کا اتباع کیا، اور فرعون کی

وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ

بات صحیح نہ تھی۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر وہ ان کو دوزخ میں اتار دے گا اور وہ بری جگہ ہے جس میں

الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝

ان لوگوں کا اترنا ہوگا اور ان کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی ان پر لعنت ہوگی۔ برا انعام ہے جو انہیں دیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت، فرعون اور آل فرعون کی بغاوت، اور دنیا و آخرت میں آل فرعون پر لعنت

ان آیات میں فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی بربادی کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا وہ ان لوگوں کے پاس معجزات اور روشن دلیل لے کر آئے ان کے یہ معجزات سورۂ اعراف کے رکوع (۱۳، ۱۴) میں مذکور ہیں۔ حضرت موسیٰ

مبعوث تو ہوئے تھے فرعون کی پوری ہی قوم کے لئے لیکن خاص طور سے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ قوموں کے سردار ہی اصل ہوتے ہیں عامۃ الناس انہیں کے پیچھے چلتے ہیں۔ اگر یہ لوگ حق قبول کر لیتے ہیں تو عوام بھی حق کو مان لیتے ہیں قوم کے سردار اگر حق کے منکر ہوں تو عوام دو وجہ سے حق قبول نہیں کرتے اول تو اس وجہ سے کہ سردار لوگ انہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے اگر وہ حق قبول کریں تو یہ لوگ ان پر سختی کرتے ہیں اور انہیں اس سے باز رکھتے ہیں، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عامۃ الناس یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بڑے جس راہ پر ہیں ہمیں بھی اس راہ پر ہونا چاہئے اگرچہ ہوتا بھی رہا ہے کہ ضعفائے قوم ہی پہلے حق کی طرف بڑھتے ہیں لیکن یہ لوگ دوسروں کے مقابلہ میں تعداد کے اعتبار سے کم ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ سرداروں کو خطاب کریں تاکہ وہ ہدایت قبول کر لیں اور عوام بھی ان کے ساتھ ہدایت پر آجائیں۔

فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون کی ہی بات مانی اور اسی کی رائے پر چلتے رہے ان کے عوام بھی انہیں کے پیچھے رہے فرعون ہی سب کا قائد تھا، دنیا میں کفر و ضلال کا قائد بنا قیامت کے دن بھی اپنی قوم کا قائد بنے گا یعنی انہیں آگے آگے چلے گا خود بھی دوزخ میں جائے گا اور اپنی قوم کو بھی دوزخ میں اتار دے گا۔ یہ لوگ دنیا میں ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی ملعون ہوں گے یہ لعنت برا انعام ہے جو انہیں دیا گیا۔ فرعون اور اہل فرعون کی ہدایت کا واقعہ سورہ بقرہ ع ۴ اور سورۂ اعراف ع ۱۶ میں اور سورۂ یونس (ع ۹) میں گزر چکا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے معجزات اور روشن دلیل دے کر بھیجا۔ اس میں روشن دلیل سے بعض حضرات نے ان کی عصا اور بعض حضرات نے ید بیضاء مراد لیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

یہ بستیوں کی خبریں ہیں جن کو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض بستیاں قوم میں ہیں اور بعض بالکل ختم ہو گئیں۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ان سے معبودوں نے جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔

لَمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝

جب آپ کے رب کا حکم آ گیا اور انہوں نے ہلاکت کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کی گرفت فرماتا ہے اس کی گرفت دردناک اور سخت ہے

سورۂ ہود کے رکوع ۳ سے لے کر یہاں تک سات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کی بربادی کا حال بیان فرمانے کے بعد یہاں فرمایا کہ ہم آپ کو ان بستیوں کی خبریں سناتے ہیں۔ ان ہلاک شدہ بستیوں سے بعض بستیاں دنیا میں موجود ہیں، کچھ تو کھنڈروں کی صورت میں ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ انکے رہنے والوں کی ہلاکت کے بعد دوسرے لوگ ان میں رہنے لگے وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور کچھ ایسی بستیاں ہیں جن کا بالکل خاتمہ ہو گیا جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں تھیں۔ ان قوموں کی ہلاکت کے واقعات مخاطبین نے پہلے بھی سن رکھے ہیں اور آپ نے بھی بتا دیئے اور صرف زبانی کہا سنا نہیں ہے ان میں سے بعض بستیوں کے آثار موجود ہیں۔ اور یہ لوگ ادھر کو گزرتے بھی ہیں انہیں ان سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔

انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا اور جب عذاب کا وقت آ گیا تو ان کے معبودوں نے جس کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا اور ذرا بھی ان کے کام نہ آئے ان کی عقیدت اور تعظیم اور عبادت کی وجہ سے ان کے پرستاروں کو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ملا، ان کی عبادت کی وجہ سے اسباب ہلاکت میں اضافہ ہی ہوتا رہا بالآخر ہلاک اور برباد ہوئے۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور آپ کے رب کا پکڑنا اسی طرح ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظالم ہوں، بے شک اس کا پکڑنا دردناک ہے سخت ہے۔ بلاشبہ اس میں اس شخص کے

لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝

لئے عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو، یہ ایسا دن ہوگا جس میں تمام آدمی جمع کئے جائیں گے اور یہ وہ دن ہوگا جو سب کی حاضری کا دن ہے

وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝

اور ہم اسے مؤخر نہیں کر رہے ہیں مگر تھوڑی سی مدت کے لئے جس وقت وہ دن آئے گا کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات نہ کرے گا سو ان میں کچھ لوگ شقی ہوں گے اور کچھ سعید ہوں گے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

سو جو لوگ شقی ہوں گے وہ دوزخ میں ہوں گے اس میں ان کی چیخ پکار ہوگی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ

اور زمین قائم رہیں الا یہ کہ آپ کے رب کی مشیت ہو بے شک آپ کا رب جو چاہے پورے طور سے کر سکتا ہے اور جن لوگوں کو سعید بنایا گیا وہ جنت میں ہوں گے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝

اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم رہیں الا یہ کہ آپ کے رب کی مشیت ہو، یہ بخشش کبھی منقطع نہ ہوگی

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا

سو آپ کو جس چیز کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں تو اس کے بارے میں شک میں نہ پڑیں یہ لوگ اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسا کہ پہلے سے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ اور

لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝

ہم ان کو ان کا پورا پورا حصہ دے دیں گے جس میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔

ع ۱۲

قیامت کے دن سب جمع ہوں گے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ گزشتہ امتوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو، پھر یہ فرمایا کہ آخرت کے دن میں سب لوگ جمع ہوں گے اور یہ حاضری کا دن ہے یہ جبری حاضری ہوگی کوئی شخص

اگر یہ چاہے کہ میں حاضر نہ ہوں تو ایسا ہو نہیں سکتا، حاضر ہونا ہی پڑے گا مزید فرمایا کہ ہم اس دن کو تھوڑی مدت کے لئے مؤخر کر رہے ہیں جس وقت اس کا آنا اللہ تعالیٰ کے علم میں متعین ہے اس وقت آجائے گا اس سے پہلے نہیں آئے گی لیکن فوری اور ابھی نہ آنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ آنی ہی نہیں اس میں ان جاہلوں کی تردید ہے جو یوں کہتے ہیں کہ سینکڑوں سال سے سن رہے ہیں کہ قیامت ایک دن آئے گی ابھی تک تو آئی نہیں، یہ بات کہہ کر جاہل لوگ قیامت کے دن کا انکار کرنا چاہتے ہیں یہ ان لوگوں کی جہالت ہے کسی چیز کا اپنے مقررہ وقت تک مؤخر ہو جانا اگر چہ تاخیر زیادہ ہو جائے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وقوع نہ ہوگا پھر فرمایا یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ۚ (جس وقت وہ دن آجائے گا تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بات نہ کر سکے گا) یہ ابتدائی حالت کا بیان ہے جیسے ہی صور پھونکا جائے گا لوگ حیران پریشان اور بے ہوش ہو جائیں گے اس وقت کی ہیبت ایسی ہوگی کہ کسی کو بھی بولنے کی تاب نہ ہوگی سورۂ ابراہیم میں فرمایا اِنَّمَا یُؤَخِّرُھُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْہِ الْاَبْصَارُ مُھْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِھِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْھِمْ طَرْفُھُمْ وَاَفْئِدَتُھُمْ ھَوَآءٌ (وہ انہیں اسی دن کے لئے مؤخر فرما رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔ تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے اپنے سروں کو اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ان کی نظر ان کی طرف واپس نہ لوٹے گی اور ان کے دل بالکل ہوا ہوں گے)

پھر جب حساب کتاب شروع ہوگا تو بولنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ لہٰذا اس آیت میں اور ان دیگر آیات میں کوئی تعارض نہیں جن میں انکار کرنے پھر اقرار کرنے اور معذرت پیش کرنے کا ذکر ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علماء اور شہداء اجازت ملنے کے بعد سفارش کریں گے، اس کے بعد حاضرین محشر کی دو قسمیں بتائیں اور وہ یہ ہیں کہ بہت سے لوگ شقی یعنی بد بخت ہوں گے اور بہت سے لوگ سعید یعنی نیک بخت ہوں گے۔ پھر ہر فریق کا مقام بتایا جو لوگ بد بخت ہوں گے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائیں گے جس میں وہ چیخ پکار کرتے ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے "چیخ و پکار" زفیر اور شہیق کا ترجمہ کیا گیا ہے زفیر گدھے کی ابتدائی آواز کو اور شہیق اس کی آخری آواز کو کہا جاتا ہے معلوم ہوا کہ ان کا چیخنا پکارنا گدھوں کی آوازوں کی طرح ہوگا۔ اور نیک بختوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں ہوں گے اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اہل جنت کو جو کچھ عطا فرمایا جائے گا وہ دائمی ہوگا کبھی منقطع نہ ہوگا۔

آخر میں فرمایا کہ اے مخاطب! جس چیز کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں یعنی غیر اللہ کو پوجتے ہیں ان کے اس عمل کے موجب سزا ہونے کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہ کرنا یہ لوگ اسی طرح عبادت کرتے ہیں۔ جیسے ان کے باپ دادے ان سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے یہ جو کچھ دنیا میں کر رہے ہیں اس کا بدلہ انہیں پورا پورا مل جائے گا جس میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔

فوائد ضروریہ

۱) آیت بالا سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن حاضر ہونے والوں کی دو ہی قسمیں ہوں گی کچھ لوگ شقی (بد بخت) اور کچھ لوگ سعید (نیک بخت) ہوں گے یعنی ایک جماعت اہل ایمان کی اور دوسری اہل کفر کی ہوگی۔ اہل ایمان سعید یعنی نیک بخت ہوں گے اور اہل کفر شقی یعنی بد بخت ہوں گے سورۂ شوریٰ میں فرمایا فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ۝ (ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت دوزخ میں ہوگی) اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں ہوں گے۔ اہل کفر تو کبھی دوزخ سے نہ نکلیں گے۔ البتہ جو اہل ایمان اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں چلے جائیں گے وہ اس میں سے نکال لئے جائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے جس کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے، یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معاف نہ فرمایا ہوگا اور بہت سے گنہگار وہ ہوں گے جن کی معافی عذاب بھگتے بغیر ہی ہو جائے گی اللہ تعالیٰ بلا شفاعت ہی معاف فرمائیں گے۔ اور شفاعتیں بھی قبول فرمائیں گے، انجام کے اعتبار

سے سارے مؤمن جنت میں اور سارے کافر دوزخ میں رہ جائیں گے۔ کافر کبھی بھی دوزخ سے نہ نکالے جائیں گے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا وما ھم بخارجین من النار ط اور اہل جنت شروع داخلہ سے لے کر ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے نہ اس میں سے نکالے جائیں گے نہ اس میں سے کہیں جانا پسند کریں گے۔ سورۂ حجر میں فرمایا۔ لَا یَمَسُّھُمْ فِیْھَا نَصَبٌ وَّمَا ھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ ط اور سورۂ کہف میں فرمایا خلدین فیھا لا یبغون عنھا حولا ط جب سارے اہل ایمان جنت میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کر دیا جائے گا اور یہ ندا دے دی جائے گی کہ یا اھل الجنۃ خلود لاموت ویا اھل النار خلود لا موت کہ اے جنتیو! اب موت نہیں اور اے دوزخیو اب موت نہیں۔ (رواہ ابن جریر ص ۱۹۱ ج ۲ و مسلم ص ۳۸۲ ج ۲)

قرآن مجید میں جیسے اہل جنت کے بارے میں خلدین فیھا ابدا فرمایا ہے اسی طرح سے اہل دوزخ کے بارے میں بھی فرمایا ہے (دیکھو سورہ نسآء (رکوع ۲۳) اور سورۂ احزاب (رکوع ۸) اور سورۂ جن (رکوع ۲) بعض لوگوں کو اہل کفر سے ہمدردی پیدا ہوگئی اور انہوں نے خواہ مخواہ آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کا انکار کر کے اپنی جان کو گمراہی میں پھنسا دیا۔

بہت سے لوگ اس گمراہی کی تائید کے لئے کثیر پیش رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ کافر کبھی نہ کبھی دوزخ سے نجات پا جائیں گے۔ اور دوزخ ختم ہو جائے گی۔ یہ لوگ قرآن مجید کو جھٹلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ دے۔ (آمین)

۲) آیت بالا میں اہل شقاوت کی سزا اور اہل سعادت کی جزا بیان کرنے کے بعد دونوں جگہ خلدین فیھا کے ساتھ ما دامت السموٰت والارض بھی فرمایا ہے اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے یہ اہل عرب کے محاورہ کے مطابق ہے اہل عرب یہ الفاظ بول کر دوام اور ہمیشگی مراد لیا کرتے تھے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے جنت دوزخ کے آسمان و زمین مراد ہیں جو چیز ان کے نیچے ہوگی اس سے زمین مراد لی ہے اور جو چیز ان کے اوپر سقف یعنی چھت کے طور پر ہوگی اس سے آسمان مراد لیا ہے جنت و دوزخ کے آسمان و زمین ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان میں داخل ہونے والے بھی ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بات کسی درجہ میں سمجھ میں آتی تو ہے کیونکہ جنت کے لئے ارض کا لفظ قرآن میں بھی وارد ہوا ہے۔ (کما فی سورۃ الزمر) واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشآء اور سروں کے اوپر جو کچھ ہوگا اسے اوپر ہونے کی وجہ سے سماء بھی کہا جا سکتا ہے لا ان کل ما اظلک فھو سماء لیکن سموت جمع کے صیغے کے ساتھ وارد ہوا ہے اس لئے جب تک وہاں تعدد سماء ثابت نہ ہو اس وقت اس بات کے سمجھنے میں تامل ہے۔

۳) ما دامت السموٰت والارض کے ساتھ دونوں جگہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ بھی فرمایا ہے۔ حضرات مفسرین کرام نے یہاں بڑی بحث کی ہے مستثنیٰ منہ کون ہے استثناء متصل ہے یا منقطع؟ اور استثناء کا مطلب کیا ہے احقر کے نزدیک سب سے زیادہ راجح بات وہ ہے جو علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل ص ۴۰۲ ج ۲ میں فرآء سے نقل کی ہے انہوں نے فرمایا کہ ھذا استثناء استثناہ اللہ و لا یفعلہ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خلود سے استثناء تو ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اہل دوزخ کو دوزخ سے اور اہل جنت کو جنت سے نکال لے لیکن وہ نکالے گا نہیں (کیونکہ ہر فریق کے خلود و دوام کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں جگہ جگہ موجود ہے) فرآء کے اس قول کو صاحب روح المعانی نے بھی بحوالہ امام بغوی نقل کیا ہے پھر بعض فضلاء سے نقل کیا ہے کہ اس استثناء کا یہ فائدہ ہے کہ کوئی شخص یوں نہ سمجھ لے کہ دوزخیوں کو عذاب دینا اور جنتیوں کو جنت میں نعمتیں دینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہے اس کے ذمہ کچھ بھی واجب نہیں وہ جو چاہے کرے نہ وہ عذاب دینے پر مجبور ہے اور نہ اکرام وانعام پر، اگر وہ کسی دوزخی کو دوزخ سے نکالے یا کسی جنتی کو جنت سے باہر لائے تو وہ یہ کر سکتا ہے اسکی مشیت اور ارادہ اور اختیار کبھی نہ سلب ہوا نہ سلب ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر اللہ کی طرف سے ایک بات طے شدہ نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا۔

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا

اور بلاشبہ وہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے۔ اور بے شک جتنے لوگ ہیں آپ کا رب انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا بے شک

يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

وہ ان کے عمل سے باخبر ہے۔ سو آپ استقامت پر رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ توبہ کر کے آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی استقامت پر رہیں۔ اور حد سے آگے نہ بڑھو بے شک وہ

بَصِيْرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ

تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا ایسا کرو گے تو تمہیں آگ پکڑے گی اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی

ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ

مددگار نہیں، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ اور دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہے۔

ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔ اور آپ صبر کیجئے کیونکہ بے شک نہیں کرتا اللہ اجر ضائع کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت شریف کا تذکرہ، آنحضرت ﷺ اور آپ کے متبعین کو استقامت پر رہنے کا حکم

ان آیات میں اولاً موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے انہیں کتاب دی تھی (یعنی توریت شریف) اس میں اختلاف کیا گیا کسی نے مانا کسی نے نہیں مانا اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی دی ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں اگر لوگ اختلاف کر رہے ہیں کوئی مانتا ہے کوئی نہیں مانتا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے بھی ایسا ہوتا رہا موسیٰ علیہ السلام پر ہم نے کتاب نازل کی تو اسے بھی کسی نے مانا کسی نے نہیں مانا۔

پھر فرمایا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ (آپ کے رب کی طرف سے اگر پہلے سے ایک بات طے کی ہوئی نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق جو عذاب بھیجنے کی ایک اجل مقرر فرما رکھی ہے۔ اگر اس کا تعین نہ کر دیا گیا ہوتا تو جلدی عذاب بھیج کر انکا فیصلہ کر دیا جاتا اور معذب اور ہلاک ہو چکے ہوتے۔

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ (اور بلاشبہ یہ لوگ قرآن کی طرف سے بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے تذبذب اور تردد میں ڈال رکھا ہے) ان کا وہی حال ہے جو ان لوگوں کا تھا جن کیلئے توریت شریف نازل کی گئی لہٰذا آپ رنج نہ کریں۔ پھر فرمایا وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ (اور بے شک آپ کا رب انکے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

بے شک وہ ان کے اعمال سے باخبر ہے) طاعات اور معاصی کی سب تفصیلات اسے معلوم ہیں۔ اس کے علم سے کسی کا کوئی عمل باہر نہیں وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے مصاحبین کو خطاب فرمایا فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ (سو آپ استقامت پر رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ توبہ کر کے آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی استقامت پر رہیں) صحیح طور پر قائم رہنے کو استقامت کہا جاتا ہے اور سیدھے راستہ کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مؤمن بندوں کو اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے بتایا ہے۔ اور اس پر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور انکے متبعین چلتے رہے ہیں صراط مستقیم کو پوری طرح پکڑ لینا اور تمام احکام الٰہیہ کو پوری طرح بجالانا ادھر ادھر مائل نہ ہونا اور برابر آخر دم تک اس پر چلتے رہنا استقامت ہے اس آیت میں سید المرسلین ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے بالکل اسی طرح اہتمام اور پابندی کے ساتھ چلتے رہیں اور ساتھ ہی وَمَنْ تَابَ مَعَكَ بھی فرمایا کہ جن لوگوں نے شرک و کفر سے توبہ کی ہے اور ایمان کو قبول کیا ہے وہ لوگ بھی استقامت کے ساتھ چلتے رہیں رسول اللہ ﷺ تو باستقامت تھے ہی پھر بھی آپ کو اس کا تاکیدی حکم فرمادیا اور آپ کے ساتھیوں کو بھی مامور فرمایا کہ استقامت اختیار کریں ہمیشہ پابندی سے مأمور پر عمل کریں اور منہیات سے بچیں قال صاحب الروح ص ۱۵۳ ج ۱۲ وھی کلمة جامعة لکل ما یتعلق بالعلم والعمل وسائر الاخلاق فتشمل العقائد والاعمال المشترکة بینہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین سائر المؤمنین والامور الخاصة بہ علیہ الصلاة والسلام من تبلیغ الاحکام والقیام بوظائف النبوة و تحمل اعباء الرسالة وغیر ذٰلک۔ درحقیقت استقامت بہت بڑی چیز ہے اور کام بھی سخت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف جو لوگ بڑھتے ہیں اور استقامت کو چاہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو جاتی ہے ہر مؤمن بندہ کو اس کے لئے فکرمند رہنا چاہئے۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے دین اسلام سے متعلق کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ مجھے آپ کے بعد کسی اور سے دریافت کرنا نہ پڑے آپ (ﷺ) نے فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہ تو امنت باللہ کہہ دے (یعنی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دے) پھر اپنی اس بات پر استقامت رکھ یعنی اس پر مضبوطی کے ساتھ جما رہ اور اسلام کے تقاضوں کو پورا کرتا رہ (رواہ مسلم) سوال بھی مختصر تھا اور جواب بھی مختصر، لیکن اختصار کے ساتھ اس میں سارا دین بیان فرمادیا۔ درمنثور ص ۳۵۱ ج ۳ میں ہے کہ حضرت حسن نے بیان فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شمروا شمروا (تیار ہو جاؤ، تیار ہو جاؤ) نیز حضرت حسن نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بعد ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔

سنن ترمذی میں حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے۔ کہ حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے (یعنی آپ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو گئے) آپ نے فرمایا سورۂ ہود اور سورۂ واقعہ اور سورۂ والمرسلات اور سورۂ عم یتساءلون اور سورۂ اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۸) ان سورتوں میں قیامت کے احوال اور اھوال مذکور ہیں۔ ان احوال کی فکرمندی نے آپ کو اتنا متاثر کیا۔

روح المعانی میں حضرت ابن عباس ؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اس آیت سے زیادہ شدید کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ بعض اکابر سے اس سلسلہ میں ایک خواب بھی نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ اے رسول اللہ! ایسی کون سی بات ہے جس کی وجہ سے آپ بوڑھے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اس میں جو استقامت کا حکم ہے اس نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ (راجع حاشیۃ المشکوٰۃ) یہ خواب اس کے معارض نہیں ہے کہ سورۂ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں میں جو قیامت کے دن کے احوال اور

احوال مذکور ہیں ان کی وجہ سے بڑھاپا آ گیا کیونکہ وہ سب امور اور امر بالاستقامت سب بڑھاپے کا سبب بن سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ پر خشیت الٰہی کا غلبہ تھا استقامت کے باوجود آپ کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے جیسی استقامت کا حکم دیا ہے۔ وہ پوری نہیں ہوئی اس فکرمندی نے آپ کی صحت کو متاثر کر دیا۔

حد سے آگے بڑھنے کی ممانعت۔ پھر فرمایا **وَلَا تَطْغَوْا** اس میں حد سے نکل جانے کی ممانعت فرمائی، استقامت کا حکم دے کر یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود سے آگے بڑھو گے تو اس سے استقامت میں فرق آئے گا۔ یہ حدود سے آگے بڑھ جانا ہی تو بدعت اعتقادیہ اور بدعت اعمالیہ میں مبتلا کرتا ہے اور اس حد سے نکلنے ہی کو غلو کہا جاتا ہے اسی غلو نے تو نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خدا اور خدا کا بیٹا ہونے کے اعتقاد پر آمادہ کر دیا، اور بہت سے مدعیان اسلام کو اس پر آمادہ کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کریں جبکہ قرآن کریم میں آپ کے بشر ہونے کی تصریح ہے۔ یہ بدعت اعتقادی کی مثال ہے اور بدعات اعمالیہ بھی لوگوں میں بہت زیادہ رائج ہیں جو انہوں نے اپنی طبیعت سے وضع کی ہیں اور انہیں دین بنا کر اور دین سمجھ کر مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔

آیت کے ختم پر فرمایا **اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** (بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے) وہ اہل استقامت کو پورا پورا بدلہ دے گا اور حد سے بڑھ جانے والے (اہل اعتداء اور اہل ابتداع) سزا کے مستحق ہیں اللہ کے احاطہ علمی سے کوئی باہر نہیں۔

ظالموں کی طرف جھکنے کی ممانعت۔ پھر فرمایا **وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ** (اور ان لوگوں کی طرف جھکو جنہوں نے ظلم کیا ایسا کرو گے تو تمہیں آگ پکڑ لے گی) اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو ایک بہت بڑی نصیحت فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ ظالموں کی طرف نہ جھکو، یہ جھکنا تمہیں جہنم کی آگ میں داخل ہونے کا سبب بنے گا۔ کسی کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کی جتنی بھی صورتیں تصور ہو سکتی ہیں آیت کا مفہوم ان سب کو شامل ہے اگر کوئی شخص کافروں ملحدوں زندیقوں کی طرف مائل ہو جائے اور ان کے کسی کفر والے اعتقاد کو اپنا لے تو یہ دوزخ کے دائمی عذاب کا سبب ہے (الا ان یتوب قبل موتہ) چونکہ انسان بروں کی صحبت سے برا ہو جاتا ہے زندیقوں کی صحبت میں زندیق ہو جاتا ہے اسی لئے ایسے لوگوں کی صحبت سے سختی سے منع کیا جاتا ہے اعتقادیات کے علاوہ اعمال میں بھی کافروں اور فاسقوں کی طرف جھکنے اور مائل ہونے سے پرہیز کرنا لازم ہے ان لوگوں کی دوستی اور مصاحبت رنگ لائے بغیر نہیں رہتی۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے فساق و فجار کی صحبت فاسق فاجر بنا کر چھوڑتی ہے فاسقوں کے ساتھ رہ کر ان جیسا بننا پڑتا ہے اور ان کی صحبت اختیار کرنے والے عموماً گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ یہ مشاہدہ بھی دوزخ میں لے جانے والی ہے، کافروں فاسقوں جیسا لباس پہننا، انکی طرح شکل صورت بنانا، ان کی معاشرت اختیار کرنا، سیاست میں ان کے طور طریق اپنانا، جمہوریت جاہلیہ کا معتقد ہونا، کافروں کے وضع کردہ طور طریق اور ان کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق چلنا اور ان کے مطابق حکومت کرنا ان سب میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے آیت شریفہ کی خلاف ورزی ہے اس قسم کے سب لوگ اپنی آخرت کی فکر کریں۔

آیت کے ختم پر فرمایا **وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ** (اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی) اس میں تنبیہ اور تہدید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کی فکر کرو اللہ کی گرفت سے کوئی بچانے والا نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا **وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ** (اور دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے) حضرات مفسرین کرام نے اس سے پانچوں نمازیں مراد لی ہیں حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا کہ دن کے دونوں طرفوں سے صبح اور ظہر اور عصر مراد ہے اور رات کے حصوں سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فجر اور ظہر سے دن کے ایک طرف

کی نمازیں مراد ہیں اور عصر اور مغرب سے دن کی دوسری طرف کی نمازیں مراد ہیں اور زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ سے عشاء کی نماز مراد ہے، اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ آیت شریفہ میں صرف فجر اور عصر کا ذکر ہو چونکہ فجر کو اٹھنے میں دشواری ہوتی ہے اور عصر کاروبار کا وقت ہوتا ہے اس لئے ان کی پابندی کا خصوصی ذکر فرمایا۔ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ سے عشاء کی نماز بھی مراد ہو سکتی ہے) اور اس کی تاکید اس لئے فرمائی کہ یہ سونے کا وقت ہے اور نماز تہجد بھی مراد لی جا سکتی ہے کیونکہ وہ رات کے مختلف حصوں میں ادا کی جاتی ہے ضروری نہیں کہ آیت میں پانچوں ہی نمازوں کا ذکر ہو بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں سورۂ روم کی آیت فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ طَرَفَیِ النَّهَارِ سے صبح اور عصر کی نماز اور زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے اور ظہر کی نماز سورۃ الاسراء کی آیت اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ میں مذکور ہے۔

نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں پھر فرمایا اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے مدینے کے دور والے حصہ میں ایک عورت سے چھیڑ چھاڑ کی ہے اور یہ چھیڑنا جماع کرنے کی حد تک نہیں پہنچا میں حاضر ہوں آپ میرے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرما دیں۔ حضرت عمرؓ وہیں موجود تھے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تیری پردہ پوشی فرمائے تو بھی اپنی پردہ پوشی کر لیتا تو اچھا تھا (لیکن) رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا، وہ شخص وہاں سے اٹھ کر چلا گیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے پیچھے ایک آدمی بھیجا وہ اسے بلا کر لایا، آپ نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنا دی۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ ۝ ؕ (ترجمہ اوپر دیکھ لیں) حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا اسی کے لئے خاص ہے؟ آپ نے فرمایا بلکہ یہ تمام لوگوں کے لئے ہیں (رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۵۸) عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا یوں تو ہر نیکی گناہوں کے معاف ہونے کا سبب ہے جو بھی کوئی نیکی کر سکتا ہو کرتا رہے۔ حضرت ابوذر ؓ نے بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈر اور گناہ کے بعد نیکی کر وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲) اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نہ کوئی نیکی بھی کرے اور توبہ بھی کرے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے ایک بڑا گناہ ہو گیا ہے کیا میرے لئے توبہ کا موقع ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تیری والدہ ہے؟ عرض کیا نہیں! فرمایا کیا تیری خالہ ہے؟ عرض کیا ہاں ہے۔ فرمایا تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر (مشکوٰۃ مصابیح ص ۴۲۰) توبہ تو اصل اسی کا نام ہے کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد ہو اور گزشتہ گناہوں پر پچھتاوا ہو اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی پختہ نیت ہو لیکن نیکیاں توبہ کی قبولیت میں معاون ہو جاتی ہیں اسی لئے توبہ کے لئے نماز مشروع کی گئی ہے یوں تو ہر نیکی گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن اس بارے میں بعض نیکیوں کا خصوصی تذکرہ بھی احادیث شریفہ میں آیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر ہو جس میں وہ پانچ وقت غسل کرتا ہو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہ جائے گا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اس صورت میں تو اس کے بدن پر ذرا بھی میل نہیں رہے گا آپ نے فرمایا یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۷۶ ج ۱)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کا یقین کرتے ہوئے شب قدر میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کا یقین رکھتے ہوئے رمضان

کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے رمضان کی راتوں میں ایمان کے ساتھ ثواب کا یقین رکھتے ہوئے قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۲۶۹ ج ۱)

حضرت ابوہریرہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کیلئے حج کیا سو اس میں فحش باتیں نہ کیں اور گناہ نہ کئے تو ایسا واپس ہوگا جیسا اس دن (گناہوں سے پاک وصاف) تھا جس دن اس کی ماں نے جنا تھا۔ (صحیح بخاری ص ۲۰۶ ج ۱)

حضرت ابوہریرہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرے عمرہ تک جو گناہ ہو جائیں یہ دونوں عمرے ان کا کفارہ ہو جاتے ہیں اور حج مبرور (جو مقبول ہو جائے) اس کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔ (صحیح بخاری ص ۲۳۸ ج ۱)

حضرت ابوہریرہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک ان گناہوں کے کفارہ ہیں جو ان کے درمیان ہو جائیں جبکہ گناہ کبیرہ نہ کئے جائیں (صحیح مسلم ص ۱۲۲ ج ۱)

حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح پانی پہنچایا پھر فرض نماز کے لئے چلا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۲ ج ۱)

حضرت عثمان سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی مسلمان کی موجودگی میں نماز کا وقت ہو گیا پھر اس نے اس کا وضو اچھی طرح سے کیا اور اس کا خشوع خضوع اچھی طرح کیا تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ جب تک کہ بڑے گناہوں سے بچتا رہے اور یہ ثواب ہمیشہ (یعنی ہر نماز کے موقع پر) ملتا رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۱ ج ۱)

حضرت عثمان سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھی طرح کیا تو اس کے جسم سے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے تک سے نکل جائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۵ ج ۱)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد میں آئے اور اس کا یہ عمل کرنا صرف نماز ہی کے لئے ہو تو جو بھی قدم رکھے گا اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند ہوگا اور اس کا ایک گناہ ختم کر دیا جائے گا۔ مسجد میں داخل ہونے تک (اس کو یہی ثواب ملے گا) (صحیح مسلم ص ۲۳۶ ج ۱)

حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یوم عرفہ (ذی الحجہ کی نویں تاریخ) کے روزہ کے بارے میں اللہ سے پکی امید رکھتا ہوں کہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے کے اور ایک سال بعد کے گناہ معاف فرما دے گا۔ اور یوم عاشورا (محرم کی دسویں تاریخ) کے روزہ کے بارے میں اللہ سے پکی امید رکھتا ہوں کہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے کے گناہ معاف فرما دے گا۔ (صحیح مسلم ص ۳۶۷ ج ۱)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ معاف فرما دیے جائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کر دیے جائیں گے۔ (نسائی ۱۹۱ ج ۱)

فائدہ جن حدیثوں میں گناہ معاف ہونے کا ذکر ہے اس سے چھوٹے گناہ مراد ہیں اور صحیح مسلم کی بعض روایات میں مالم یؤت کبیرۃ کے الفاظ بھی آئے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے گناہوں کا کفارہ نیکیوں سے نہیں ہوتا ہے۔

فائدہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی کے چھوٹے گناہ کم ہوں اور نیکیاں بہت زیادہ ہوں تو چھوٹے گناہوں کے کفارہ کے بعد اس کے بڑے گناہ کی تخفیف کر دی جاتی ہے اگر بڑے گناہ نہ ہوں یا بہت تھوڑے ہوں کہ تخفیف کرتے کرتے معاف ہو چکے ہوں تو چھوٹی نیکیوں کے ذریعہ درجات بلند ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ (یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے) یعنی یہ قرآن ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ذٰلِكَ سے سورت کے مضامین کی طرف اشارہ ہے جن میں گزشتہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات بھی ہیں اور قیامت، جنت اور دوزخ کا تذکرہ بھی ہے اور نماز قائم کرنے کا حکم بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں، جنہیں نصیحت ماننے کی طرف توجہ ہے وہی نصیحت مانتے ہیں اور جو لوگ ضد اور حجت کرتے ہیں ان کے حق میں نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔

آخر میں فرمایا وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ کہ آپ صبر کیجئے جو کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے اس کو انجام دیتے رہئے آپ کی دعوت کو لوگ قبول کریں یا نہ کریں آپ تو برابر اجر کے مستحق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ
سو جو امتیں تم سے پہلے گزری ہیں ان میں ایسے سمجھدار لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے
اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝
بجز چند آدمیوں کے جن کو ہم نے عذاب سے بچا لیا اور ان لوگوں نے ظلم کیا وہ اسی چیز کے پیچھے پڑ گئے جس میں وہ عیش کر رہے تھے اور وہ مجرم تھے
وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ
اور آپ کا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو جبکہ ان کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں ظلم سے ہلاک فرما دے اور اگر آپ کا رب
لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ
چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی جماعت بنا دیتا اور وہ برابر اختلاف میں رہیں گے مگر جس پر آپ کا رب رحم فرما دے اور اسی
خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَــَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝
انہیں اسی لئے پیدا فرمایا اور آپ کے رب کی بات پوری ہو گی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے دونوں جماعتوں سے بھر دوں گا

گزشتہ امتیں جو ہلاک ہوئیں ان میں اہل بصیرت نہ تھے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ جو گزشتہ امتیں گزری ہیں ان میں ایسے سمجھدار بصیرت والے کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے، ہاں ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو فساد سے روکنے کے کام میں لگے انہیں ہم نے نجات دے دی یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ لَوْلَا اپنے اصلی معنی میں ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لَوْلَا نفی کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں ایسا اہل رائے اور اہل فہم نہ تھے جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکتے ان میں صرف تھوڑے سے لوگ تھے جنہوں نے یہ کام کیا، ادھر تو کسی

جن انبیاء نے لوگوں کا فتدان اور انکے حامیوں سے پاس مال کی فراوانی ان لوگوں نے ظلم کی راہ اختیار کی یعنی غرور اختیار کیا اور اپنی مستیوں اور بدکاریوں میں پڑے رہے اور جرم کا ارتکاب کرتے رہے لہٰذا ان کو ہلاک کر دیا گیا بس چند ہی آدمی بچے جنہیں ہم نے نجات دے دی یہ لوگ دین پر اور اپنی قوم پر قسم قسم کے منکرات سے بچتے تھے اور دوسروں کو بھی برائیوں سے روکتے تھے۔ اس میں اس امت محمدیہ کو تنبیہ ہے کہ خوشحالیوں اور عیش و عشرت کے پیچھے نہ لگیں اور قوموں کے ذمہ داروں کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ اپنی سمجھ اور بصیرت کو کام میں لائیں اور روئے زمین میں فساد نہ کریں۔ علامہ قرطبی تفسیر ص ۱۱۲ ج ۹ میں لکھتے ہیں۔

ولو لا بقیۃ ای اصحاب طاعۃ ودین وعقل ینصر بھون قومھم عن الفساد فی الارض لما اعطاھم اللہ تعالی من المعقول وارھم من الایات و ھذا توبیخ لکفار قریش الذین ارادوا صاحب فھم بصیرت ایک کیوں نہ ہوئے کہ اپنی قوم کو زمین میں فساد کرنے سے روکتے اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل عطا فرمائی تھی اور انہیں اپنی نشانیاں دکھائی تھیں)

پھر فرمایا وما کان ربک لیھلک القری بظلم و اھلھا مصلحون ۝ یعنی آپ کا رب ایسا نہیں ہے کہ لوگوں پر ظلم کرے وہ جو عذاب دیتا ہے اور ہلاک کرتا ہے اس کا سبب کفر اور شرک ہوتا ہے اور کبھی معاصی بھی ہوتے ہیں ان معاصی میں سے یہ بھی ہے کہ جو لوگ زمین میں بستے ہیں قدرت رکھتے ہوئے انہیں نہ روکا جائے جب لوگ اصلاح کے کام میں لگے ہوئے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نہیں آتے کافر ہی عذاب میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ حضرت جریر بن عبداللہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس قوم میں کوئی ایسا شخص ہو جو گناہوں میں بستے ہوئے لوگوں میں مبتلا ہو اور وہ قدرت ہوتے ہوئے اس کی حالت کو نہ بدلیں تو مرنے سے پہلے اللہ ان پر عذاب بھیجے گا۔ (ابن ماجہ ص ۲۰۰ ج ۲)

اور حضرت ابوبکر صدیق سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی قوم میں گناہ کیے جاتے ہوں پھر وہ قدرت رکھتے ہوئے ان کی حالت نہ بدلیں تو اللہ سب پر عذاب بھیجے گا۔ (ابن ماجہ ص ۲۰۰ ج ۲)

آیت کا معنی اور مفہوم بتانے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ احقر نے جو مطلب ترجمہ و تفسیر میں اختیار کیا ہے وہ اقرب ان اقوال ہے اس آیت کا مفہوم علامہ قرطبی نے زجاج سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں قال الزجاج یجوز ان یکون المعنی ما کان ربک لیھلک احدا وھو یظلمہ وان کان علی نھایۃ الصلاح لانہ تصرف فی ملکہ اھ (زجاج نے کہا ہے ہو سکتا ہے یہ معنی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی عادت نہیں ہے اگرچہ وہ آدمی انتہائی نیک ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت میں تصرف کیا ہے)

اس کے بعد فرمایا ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ (الآیۃ)

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور سب ایک ہی دین پر ہوتے، دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوتا اور سب تکوینی طور پر مجبور مسلمان ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ حق اور باطل دونوں راستے بیان کر دیئے جائیں اور لوگوں کو اختیار دیا جائے اپنے اختیار سے قبول کریں اور اپنے غلط پر رہنا ہو وہ اپنے اختیار سے غلط پر رہے، جیسا کہ سورۂ کہف میں فرمایا وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر ۚ انا اعتدنا للظلمین نارا (اور آپ فرما دیجئے کہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے جو چاہے ایمان لے اور جو چاہے غلط اختیار کرے بے شک ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کی ہے) پس جب حق قبول کرنے پر جنت ملنا یا اختیار نہ ملنا یا قیامت کی وحشتوں اور سختیوں سے نجات ملنا انسانیت کے تقاضوں پر چلنے والے کا فرد ہیں گے اور اس طرح سے اہل حق و اہل باطل میں ہمیشہ اختلاف رہے گا، ہاں جس پر اللہ کی مہربانی ہو وہ حق ہی کو اختیار کرے گا اور حق ہی پر رہے گا ولذلک

خلقھم (اور لوگوں کو اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ مختلف رہیں) اور اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک فریق جنت میں ایک فریق دوزخ میں ہوگا جیسا کہ سورہ شوریٰ میں فرمایا فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر (۱۱ پ) (ایک فریق جنت میں اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا)۔

آخر میں فرمایا و تمت کلمۃ ربک (۱۱ پ) اور کچے کہ یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے بھروں گا جس میں سب دوزخی موجود ہوں گے۔

اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو سورۃ الٓمٓ سجدہ میں فرمایا ہے وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (اور اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو ہدایت دے دیتے لیکن میری یہ فیصلہ چکا ہے کہ میں دوزخ کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دوں گا جو اس میں اکٹھے ہوں گے) اب یہ فیصلہ جو اہل مکہ کو اور بھی تکوینی طور پر شامل ہے ظاہر ہے کہ ان والے انسانوں میں سے بھی ہوں گے اور جنات میں سے بھی جن سے وہ لوگ جنہوں نے کافروں سے جہنم بھرا جائے گا جیسا کہ سورہ اعراف میں اور سورہ ص میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو مخاطب کر کے فرمایا لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (میں تجھ سے اور ان سب جنات اور انسانوں سے دوزخ بھروں گا جو تیرا تابع ہوں گے۔)

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ

اور ہم تجھ سے رسولوں کے قصوں میں سے جو قصے تم پر بیان کرتے ہیں ان سے ہم تیرے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور ان قصوں میں آپ کے پاس حق آیا ہے

وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۚ اِنَّا

اور نصیحت ہے اور یاد دہانی ہے ایمان والوں کے لیے اور آپ ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے کہہ دیجئے کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو ہم

عٰمِلُوْنَ ۝ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ

عمل کرتے ہیں اور تم انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی غیب کی چیزیں ہیں اور اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں

كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر توکل کریں اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو

ع

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات آپ کے لئے تقویت قلب کا باعث ہیں

سورہ ہود کا اکثر حصہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہے آیت کے ختم پر ارشاد ہے کہ اے رسول ہم جو حضرات انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے آپ کو سناتے ہیں ان کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور یہ جو قصے آپ سے بیان کئے گئے ہیں ان میں جو یہ تین چیزیں موجود ہیں وہ سب حق ہے اس میں اہل ایمان کے لئے نصیحت ہے اور یاد دہانی ہے مطلب یہ ہے کہ قصوں کا بیان کرنا قصہ خوانی کے طور پر نہیں ہے ان قصوں سے آپ کے دل کو مضبوط کرنا اور اہل ایمان کو نصیحت اور یاد دہانی کرانا مقصود ہے، جو لوگ ان قصوں کو پڑھیں اور سنیں محض ایک قصہ پڑھنا اور سننا کافی نہ ہو جب تک ایمان سے نصیحت اور عبرت حاصل کریں، پھر فرمایا کہ اے رسول آپ ان لوگوں سے کہہ دیں جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو ہم اپنی جگہ عمل کرتے

ہیں اللہ کی بات میں نے پہنچا دی تم نہیں مانتے تو تم جانو، انکار اور کفر پر اصرار کے نتیجہ میں جو تمہیں سزا ملے گی اس کا انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ غیب کی چیزیں ہیں ان کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے تمام امور اسی کی طرف راجع ہیں یہاں دینا میں تمہاری سمجھ میں حق بات نہیں آتی تو آخرت میں سمجھ لو گے جب اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے علم کے مطابق فیصلے فرمائے گا لیکن اس دن کا سمجھنا کچھ فائدہ نہ دے گا وہاں نہیں مانیں گے۔ یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُکَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (ہائے کاش ہم واپس کر دیئے جاتے اور اپنے رب کی آیت کو نہ جھٹلاتے اور ہم ایمان والوں میں سے ہوتے۔ اخیر میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ط کہ آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ کریں وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جنہیں تم کرتے ہو۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو اور مؤمنین کو اور کافرین سب کو خطاب ہے اللہ کو سب کے اعمال کا علم ہے وہ اس کے مطابق اہل ایمان کو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا دے گا اور کافروں کو ان کے کفر کی اور ان کے اعمال بد کی سزا دے گا۔

جمعہ کے دن سورۂ ہود کی تلاوت کرنا

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن سورۂ ہود پڑھا کرو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۹ من لدنی)

وھذا آخر تفسیر سورۃ ھود علیہ السلام والحمد للہ علی التمام وحسن الختام والصلوٰۃ والسلام علی سید الانام وعلی آلہ واصحابہ الغرۃ الکرام ومن تبعھم باحسان الی یوم القیام.

☆☆☆ ..... ☆☆☆

مکی	سورۃ یوسف	۱۱۱ آیتیں ۱۲ رکوع

پارہ نمبر ۱۱۱ (۱۲) سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ ۵۳۱ رکوع نمبر ۱۲

سورۂ یوسف مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان رحم والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

الف لام را یہ آیتیں ہیں کتاب روشن کی ہم نے اتارا اس کو قرآن عربی تاکہ تم سمجھو

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ

ہم بیان کرتے ہیں تجھ سے بہتر بیان اس واسطے کہ ہم نے وحی بھیجی تیری طرف یہ قرآن اور تو

مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

اس سے پہلے البتہ تھا بے خبروں میں جب کہا یوسف نے اپنے باپ کو اے ابا میں نے دیکھے گیارہ تارے

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ

اور سورج اور چاند دیکھا میں نے ان کو واسطے اپنے سجدہ کرتے کہا باپ نے اے بیٹے نہ بیان کر اپنا خواب اپنے بھائیوں سے

فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ

پھر کریں گے تیرے واسطے کچھ فریب بیشک شیطان آدمی کا دشمن ہے کھلا اور ایسا ہی چن لے گا تجھ کو تیرا رب

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ

اور سکھائے گا تجھ کو انجام کی باتوں کا اور پورا کرے گا اپنا احسان تجھ پر اور اولاد یعقوب پر جیسا

اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ع ۱

پورا کیا اس نے تیرے ماں باپ پر پہلے ابراہیم اور اسحاق پر بیشک تیرا رب علم والا حکمت والا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اور ان کے والد کی تعبیر اور ضروری تاکید

یہاں سے سورۂ یوسف شروع ہو رہی ہے اس سورت میں تفصیل کیساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قصہ بیان فرمایا اور اسکو احسن القصص بتایا ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے پہلے آپ اس قصہ کو نہیں جانتے تھے۔ آپ کو اس کا علم صرف وحی کے ذریعہ ہوا ہے۔ لوگوں کو آپ کا بتانا آپ کے نبوت کی بھی دلیل ہے اور قرآن مجید کے حق اور منزل من اللہ ہونے کی بھی، تصدیق کرنے والے سنیں گے اور غور کریں گے تو یہ سمجھ میں آئے گا کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا قرآن مجید کے اولین مخاطب اہل عرب ہی تھے۔ انہیں اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ تھی اگر قرآن غیر عربی میں ہوتا تو وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ زبان ہماری سمجھ میں نہیں آتی جب قرآن عربی میں نازل ہوا تو اہل عرب پر لازم تھا کہ اس کی تصدیق کرتے لیکن جنہیں ایمان لانا نہ تھا وہ ضد اور عناد پر ہی اڑے رہے اور کفر پر جمے رہے۔ یہودیوں کیلئے بھی عبرت تھی اور سمجھنے کی بات تھی انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ معلوم تھا وہ یہ بھی جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے پڑھا نہیں آپ کا کوئی استاذ نہیں تھا جس نے آپ کو انبیا سابقین علیہم السلام کے واقعات بتائے ہوں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود عموماً یہودی کافر ہی رہے، اور ان میں سے بعض نے سورۂ یوسف (علیہ السلام) سن کر اسلام قبول کر لیا۔

تفسیر درمنثور میں بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس وقت آپ سورۂ یوسف علیہ السلام تلاوت فرما رہے تھے وہ کہنے لگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت آپ کو کس نے سکھائی ہے فرمایا کہ یہ سورت مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے، اسے بڑا تعجب ہوا اور یہودیوں کے پاس واپس پہنچ کر اس نے کہا کہ اللہ کی قسم وہ اسی طرح قرآن پڑھتے ہیں جیسے کہ توریت میں، (بعض) چیزیں نازل ہوئی ہیں اس کے بعد وہ ان لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو ان صفات سے پہچان لیا جنہیں وہ جانتے تھے اور مہر نبوت کو بھی آپ کے دونوں شانوں کے درمیان دیکھ لیا پھر آپ کی قرآت سننے لگے آپ سورۂ یوسف تلاوت فرما رہے تھے۔ انہیں بھی تعجب ہوا اور پھر اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ (درمنثور ص ج ۴)

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے (یہ وہی یعقوب علیہ السلام ہیں جن کا لقب اسرائیل تھا اور یہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے تھے اور حضرت اسحٰق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے)

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد کے چھوٹے بیٹے تھے اور یہ دوسری بیوی سے تھے، ان کا ایک حقیقی بھائی بھی تھا جس کا نام بنیامین بتایا جاتا ہے پہلی بیوی سے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھی ان میں جو بیٹے تھے ان کی تعداد دس تھی، حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک دن اپنے والد سے کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ مجھے چاند اور سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں، ان کے والد کے ذہن میں اس کی یہ تعبیر آ گئی کہ یوسف عروج والا ہوگا اور اس کے گیارہ بھائی اور ماں باپ اسے سجدہ کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا وہ اس خواب کو سن کر گیارہ کے عدد پر غور کریں گے تو سمجھ لیں گے کہ تم کو اللہ بلندی دے گا اور وہ لوگ تمہارے مقابلہ میں نیچے رہیں گے، خواب کی تعبیر سے متاثر ہو کر اندیشہ ہے کہ وہ کوئی ایسی تدبیر نہ کر بیٹھیں جس سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے (اللہ کی قضا و قدر کے سامنے کسی کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی کسی کو گوارا ہو یا نہ) بہر حال وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جسے بلندی عطا فرمائے وہ ضرور بلند ہوگا۔ لیکن حسد کرنے والے اپنی جہالت اور حماقت سے اور شیطان کے سمجھانے بجھانے سے اس کے خلاف مخالفانہ تدبیریں کرتے ہیں۔ جس کی ملی عملی اور مرتبہ کی بلندی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے بالآخر یہ مخالفین سب ذلیل ہو کر رہ جاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ آگے بڑھائیں وہ بڑھ کر ہی رہتا ہے۔ حسد بری بلا ہے حاسد اللہ کے فیصلے پر راضی

نہیں ہوتا اور چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو رد کردے والعیاذ باللہ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اول تو یہ نصیحت کی کہ تو اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان مت کرنا اور پھر فرمایا کہ میں سمجھ رہا ہوں اور یقین کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں منتخب فرمائے گا اور تمہیں تعبیر خواب کا علم بھی عطا فرمائے گا اور تم پر اپنا انعام پورا فرمائے گا جس میں نبوت کا عطا فرمانا بھی ہے، اللہ تعالیٰ تم پر اور آل یعقوب پر اپنا انعام مکمل فرمائے گا جیسے کہ اس سے پہلے تمہارے پردادا ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے دادا اسحٰق علیہ السلام پر اپنا انعام مکمل فرما چکا ہے ان ربک علیم حکیم (بے شک تیرا رب علم والا ہے حکمت والا ہے) اس کے فیصلے علم اور حکمت کے موافق ہیں۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِيْنَ ۝ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى

یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں سوال کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے

اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝ اِقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا

باپ کو زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم سب مل کر جتھہ ہیں بے شک ہمارے والد صریح غلطی پر ہیں یوسف کو قتل کرو یا اسے کسی زمین میں ڈال دو یہ

يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا

تمہارے والد کا رخ تمہاری طرف ہو جائے گا اور اس کے بعد تم صلاح والے بن جاؤ گے، ان میں سے ایک نے کہا کہ یوسف کو

يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝

قتل نہ کرو اور اسے کسی اندھے کنویں میں ڈال دو تاکہ اس کو قافلہ والوں میں سے کوئی مسافر لے جائے اگر تم کو کرنا ہی ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا مشورہ کہ اسے قتل کردو یا کسی دور جگہ لے جا کر ڈال دو

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا جو واقعہ ہے اس میں سوال کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے آزمائش کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ معلوم کیا تھا قرآن کریم میں واقعہ بیان کر دیا گیا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے سنا دیا لہٰذا سوال کرنے والوں کے لیے اس بات پر دلائل قائم ہو گئے کہ واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں ممکن ہے بعض یہود نے بطور امتحان سوال کیا ہو اور بعض نے آپ سے تلاوت کرتے ہوئے سنا ہو پھر دوسروں کو سنانے کے لئے لائے ہوں اس کے بعد یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قول نقل فرمایا کہ انہوں نے آپس میں یوں کہا کہ ہمارے والد کو یوسف اور اس کا حقیقی بھائی یعنی بنیامین زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہماری پوری جماعت ہے (اور اس جماعت کا ہمارے والد کو فائدہ بھی ہے کیونکہ ہم لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں یہ دونوں چھوٹے بچے خدمت کے قابل بھی نہیں ہیں) ہمارے ابا جان کا جو محبت کا رخ ان دونوں کی طرف ہے صحیح نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے والد اس بارے میں صریح غلطی پر ہیں، والد کا رخ ہماری طرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ ہم یوسف کو ان کے سامنے سے ہٹا دیں اور اس کے دو طریقے ہیں یا تو اس کو قتل کر دیں یا کہیں دور دراز جگہ پر پھینک دیں جہاں سے کوئی خیر خبر

نہ پہنچے جب یوسف ان سے ملنے سے دور ہو جائے گا تو سارا رخ ہماری ہی طرف ہو گا اور ہمیں اپنے والد کی طرف سے بہت پھل ملے گا اس کی وجہ سے ہم صالح اور فلاح والے ہو جائیں گے۔ (چونکہ یوسف اور بنیامین میں یوسف ہی زیادہ محبوب تھا اس لئے انہوں نے یہ سمجھا کہ دونوں میں سے ایک بھائی کو جدا کرنا ہماری کامیابی کا ذریعہ بن جائے گا) مشورہ ہی ہو رہا تھا کہ انہیں میں ایک بھائی نے کہا کہ تمہیں ایسا کرنا ہی ہے تو یوسف کو قتل نہ کرو البتہ یوسف کو کسی اندھیرے کنوئیں میں ڈال دو قتل کرنا سے بچ جاؤ گے اور نکالنے والے تو گزرتی رہتے ہیں کنوئیں کے پاس سے کوئی قافلہ گزرے گا تو اس کی آواز سن لے گا یا پانی کا لینے کے لئے کنوئیں کے پاس پہنچے گا دونوں میں سے کوئی نہ کوئی اسے نکال لے گا اور پھل جائے گا۔ یہاں کوئی بچے گا بھی نہیں لہٰذا وہ اسے نکال لے گا اور اٹھا کر لے جائے گا اس طرح سے بچہ باپ سے بھی دور ہو جائے گا اور اس کی جان بھی نہ جائے گی۔ مفسر ابن کثیر نے قتادہ اور محمد بن اسحٰق سے نقل کیا ہے کہ یہ رائے سب سے بڑے بھائی نے دی تھی جس کا نام روبیل تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت عطا فرمانا تھی اور مصر میں بااقتدار بنانا تھا لہٰذا قتل تو کر ہی نہیں سکتے تھے بڑے بھائی کا مشورہ قبول کر لیا اور اندھیرے کنوئیں میں ڈال دیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

مفسر ابن کثیر نے محمد بن اسحٰق سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں نے منعقدہ جو وہ سے بہت ہی بری بات کا فیصلہ کیا قطع رحمی ہوئی والد کو تکلیف دینی، معصوم بچے پر شفقت نہ کرنا، بوڑھے باپ پر ترس نہ کھانا یہ سب ایسے کام ہیں جو مجموعی حیثیت سے متعدد گناہوں پر مشتمل ہیں۔

وتکونوا من بعدہ قوما صلحین ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا اور ایک مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو کچھ کرنا ہے کر گزرو یہ ہے تو زیادہ کا مگر یہ بعد میں توبہ کر کے نیک بن جانا اس مضمون کی طرف مفسر ابن کثیر نے نص اسے ہے جس میں ارشاد فرمایا فاصبروا للوعد قبل الدب

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا

يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ

يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ

اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی والد سے درخواست کرنا اور ان کا اندیشہ کرنا کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے

ان لوگوں کا مشورہ تو ہو چکا تھا کہ یوسف کو لے جانا ہے اور باپ کی نظروں سے اوجھل کرنا ہے یعنی اس کا طریقہ یہ ہو کہ باپ تو اپنی

تھوں سے دور رہنے کے لئے تیار نہیں ہم اسے جانے کے لئے صرف والد کی اجازت تو ہونی چاہئے۔ لہٰذا والد کی خدمت میں آ کر یوں کہنے لگے کہ ہم لوگ جنگل جاتے رہتے ہیں وہاں کھاتے بھی ہیں کھیلتے بھی ہیں، یوسف بھی ہمارے ساتھ جایا کرتا تھا۔ ہم نے اس کے لئے کھانا بھی تیار کیا تھا اور محفوظ بھی ہیں آخر یہ بات ہے آپ اسے ایک دن بھی ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے اس کے بارے میں آپ ہم پر اتنا بھی اطمینان نہیں کرتے کہ آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہمارے ساتھ کھانے اور کھیلنے میں شریک ہوگا، ان کے والد نے کہا کہ یہ وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے میں اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجتا ہوں، اول تو یہ کہ تمہارا اسے ساتھ لے جانا ہی مجھ پر شاق ہے اور میرے رنج و غم کا باعث ہے کہ تم اسے کہیں جب تک سے واپس نہ لے کر آؤ گے میرا دل نہ رکتا ہی رہے گا اور میرے دل پر رنج و غم چھایا ہوا رہے گا، اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تم اس کی طرف سے غافل ہو جاؤ تم تو بکریاں چراؤ اور تیر اندازی کرو اور کوئی بھیڑیا آ کر اسے کھا جائے، پہلی بات کا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے کیونکہ ان کی نظر سے بیٹے کا غائب ہونا بہر حال ان کے لئے ایک الم کے رنج و غم کا باعث تھا اور ان کی قلبی تکلیف کا احساس ہوتے ہوئے ہی انہوں نے ان کے جدا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ البتہ دوسری بات کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا جائے اگر ہمارے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم بالکل ہی بے کار ہے اور ہم تو سب کچھ نچھاور کر دینے والے اور ضائع کر دینے والے ہو جائیں گے مطلب یہ تھا کہ ہم اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے اور حفاظت کرنے پر قدرت بھی رکھتے ہیں ہماری اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اتنے بڑے ٹکڑے قوت اور حفاظت رکھنے والے جوانوں کی قوت اور جوانی کچھ بھی نہ ہوئی اور گویا بالکل ہی اپاہج بن کر رہ گئے، آپ ہمارے بارے میں ایسا خیال تو نہ فرمائیے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا

جب وہ اسے لے گئے اور انہوں نے طے کر لیا کہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دیں اور ہم نے اس کو پیغام بھیجا کہ ایک وقت آئے گا جب تو ان کو ان کی یہ حرکت

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ

اور وہ نہ سمجھیں گے، اور وہ رات کے وقت روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے۔ کہنے لگے ابا جان، ہم دوڑ میں

تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝ وَجَآءُوْ

لگ گئے تھے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا تھا، پس اسے بھیڑیا کھا گیا۔ آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے چاہے ہم سچے ہی ہوں۔ اور وہ

عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۚ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۚ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

اس کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لائے تھے۔ یعقوب نے کہا، بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لئے ایک بات بنا لی ہے، اچھا صبر کروں گا خوب صبر، اور جو بات تم بنا رہے ہو اس

عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝

کے بارے میں اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں۔

اللہ

بھائیوں کا حضرت یوسف کو کنویں میں ڈالنا اور کرتہ پر جھوٹا خون لگا کر واپس آنا اور ان کے والد کا فرمانا کہ یہ تمہارے نفسوں نے سمجھایا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد کو کسی طرح سمجھا بجھا کر یوسف علیہ السلام کو لے گئے اور جنگل میں پہنچ کر ایک اندھیرے کنویں میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا اور انہیں اس میں ڈال بھی دیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ تم ان لوگوں کو یہ بات بتلاؤ گے کہ تم نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا تھا، اور وہ یہ جانیں گے بھی نہیں کہ یہ جو شخص ہمیں جتلا رہا ہے یہ وہی ہے جسے ہم نے کنویں میں ڈال دیا تھا، چنانچہ وہ وقت آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا ھَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَاَخِیْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ (کیا تمہیں اس کا علم ہے جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا جبکہ تم جاہل تھے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یوسف علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ تم انہیں ان کی یہ حرکت بتا دو گے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ تم اس کنویں میں سے زندہ نکلو گے اور ایسے مقام پر پہنچو گے کہ ان سے خطاب کر سکو گے۔ برادران یوسف شام کو روتے ہوئے اپنے والد کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ابا جی ہم سب تو آپس میں دوڑ لگانے لگے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا ہمارا خیال تھا کہ اس جنگل میں کوئی درندہ آئے گا اور یوسف کو کھا جائے گا، ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ہم کیسے ہی سچے ہوں آپ یقین کرنے والے نہیں ہیں، اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کے لئے انہوں نے یہ کیا کہ کنویں میں ڈالنے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ اتار لیا تھا اس میں کسی جانور کا خون لگا لیا تھا یہ کرتہ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا کہ دیکھئے یہ یوسف کا کرتہ ہے اس میں ان کا خون لگا ہوا ہے بھیڑیئے نے پھاڑ چیر کر کے یوسف کو کھا لیا اور اس کے کرتہ میں یہ خون لگ گیا یہ کرتہ ہم کھا رہے ہیں، عیب کرتے بھی بن چکے کرتہ میں خون تو لگا لیکن یہ دھیان نہ آیا کہ اسے پھاڑ ڈالیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کرتہ کہیں سے پھٹا ہوا نہیں ہے بھیڑیئے نے کھایا ہوتا تو کرتہ پھٹ جاتا میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ بھیڑیئے نے یوسف کو نہیں کھایا بلکہ تمہارے نفسوں نے یہ بات سمجھا دی ہے اور ایک بہانہ بنا کر آئے ہو اور میں اب کر بھی کیا سکتا ہوں اب تو میں صبر جمیل ہی اختیار کروں گا (صبر جمیل وہ ہے جس میں کوئی حرف شکایت نہ ہو) اور تم جو کچھ بیان کر رہے ہو اس پر میں اللہ ہی سے مدد طلب کروں گا (معلوم ہوا کہ مؤمن بندہ مصیبت میں صبر بھی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتا ہے)

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝

حضرت یوسف علیہ السلام کا کنویں سے نکلنا اور فروخت کیا جانا

ادھر تو یہ ہوا کہ برادران یوسف نے اپنے والد سے جا کر کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا اور اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی حفاظت کا یہ انتظام فرمایا کہ راہ گیروں کا ایک قافلہ وہاں پہنچا دیا یہ قافلہ اس کنویں کے قریب آ کر ٹھہرا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام

ان کے بھائیوں نے ڈالا تھا قافلہ والوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو پانی لانے کے لئے بھیجا وہ آدمی پانی لینے گیا تو کنویں میں اپنا ڈول ڈال دیا، ڈول کا اندر پہنچنا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا جب اس شخص نے ڈول کھینچا تو دیکھا کہ ڈول کے ساتھ ایک لڑکا کھنچا چلا آرہا ہے اور لڑکا بھی خوبصورت ہے اسے دیکھ کر خوشی کی انتہا نہ رہی فوراً اس کے منہ سے نکلا کہ واہ واہ! کیسی خوشی کی بات ہے یہ لڑکا نکل آیا، یہ پانی لے جانے والا شخص لڑکے کو ہمراہ لے گیا اسے دیکھ کر قافلہ کے دوسرے افراد بھی حیران ہوئے اور خوش بھی ہوئے اور آپس میں انہوں نے یہ بھی طے کر لیا کہ اسے چھپا کر رکھو اور اپنی سوداگری کی پونجی میں شامل کر لو جب مصر پہنچیں گے تو اچھے داموں کے عوض بیچ دیں گے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی خبر گیری کے لئے ادھر ادھر لگے ہوئے تھے انہیں پتہ چل گیا کہ یوسف کنویں میں نہیں ہے ادھر ادھر تلاش کرتے ہوئے قافلہ تک پہنچ گئے وہاں دیکھا کہ یوسف علیہ السلام موجود ہیں فوراً بات بنائی اور کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا غلام ہے، بھاگ کر آ گیا ہے اور اب ہم اسے رکھنا بھی نہیں چاہتے اب اسے تم ہی لوگ رکھ لو اور ہمیں اس کی قیمت دے دو ان لوگوں نے قیمت پوچھی تو معمولی سی قیمت بتائی اور گنتی کے چند دراہم کے عوض یوسف علیہ السلام کو ان کے ہاتھ بیچ دیا اگر وہ چاہتے تو بڑی قیمت مانگ لیتے لیکن چونکہ ان کو ٹالنا تھا اور اس علاقہ سے دور کرنا تھا اور ان کی طرف سے بے رغبت تھے اس لئے چند دراہم پر ہی اکتفاء کر لیا جیسے کوئی شخص کسی فالتو چیز کو بیچنے لگے اور یہ سوچنے لگے کہ تھوڑا بہت جو کچھ مل جائے وہی بہت ہے۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بیس (۲۰) درہم میں بیچا تھا اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بائیس درہم میں بیچا اور حضرت مکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چالیس (۴۰) درہم میں بیچا، ان اقوال میں کوئی چیز مستند نہیں ہے اور نہ ان دراہم کے تعداد جاننے پر کوئی حکم شرعی موقوف ہے البتہ یہاں دو حدیثیں ذکر کر دینا ضروری ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کے خلاف قیامت کے دن میں مدعی ہوں گا۔

۱ ... وہ شخص جس نے میرا نام لے کر کسی سے عہد کیا اور پھر دھوکہ دیا۔

۲ جس شخص نے کسی آزاد کو بیچ دیا پھر ان کی قیمت کھا گیا۔

۳ جس نے کسی شخص کو مزدوری پر لیا پھر اس سے کام لے لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۲۵۸ از بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

۱ ... جو شخص کچھ لوگوں کا امام بنا اور وہ اسے پسند نہیں کرتے۔

۲ ..... جو آدمی ایسے وقت میں نماز پڑھے جبکہ اس کا وقت جاتا رہا ہو۔

۳ جو شخص کسی کو غلام بنا لے (رواہ ابوداؤد، وابن ماجہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بیچ دیا تھا اور انہیں غلام بنا کر بیچا (جیسا کہ کتب تفسیر میں مذکور ہے) لہٰذا انہوں نے اس موقع پر مزید دو بڑے گناہ کئے۔ اول تو یہ جھوٹ بیان دیا کہ یہ ہمارا غلام ہے اور دوسرا یہ کہ آزاد کو بیچ کر اس کی قیمت وصول کر لی، رہی قطع رحمی تو اس پر وہ پہلے ہی سے تلے ہوئے تھے۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ

اور اہل مصر میں سے جس شخص نے یوسف کو خریدا تھا اس نے اپنی عورت سے کہا اسے عزت کے ساتھ رکھنا ممکن ہے ہمارے کام آجائے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ

اور اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں قوت دے دی اور تاکہ ہم اسے خوابوں کی تعبیر دیں اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝

بہت سے لوگ نہیں جانتے، اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکمت اور علم دیا اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کا خریدنا اور اپنے گھر میں اکرام کے ساتھ رکھنا، اور نبوت سے سرفراز کیا جانا

جس قافلے نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں سے نکالا تھا انہوں نے آپ کو مصر میں لے جا کر فروخت کر دیا۔ خریدنے والا عزیز مصر تھا جو بادشاہ کا وزیر خزانہ تھا اس کے ذمہ مالیات کی دیکھ بھال تھی حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ تک پہنچنے میں چند سال لگے اور عزیز مصر ہی کے گھر میں رہے، عزیز مصر نے ان کو ہونہار دیکھ کر اپنی بیوی سے کہا کہ اس بچہ کو اچھی طرح اکرام کے ساتھ رکھنا، اس کے لیٹنے بیٹھنے کی جگہ اچھی ہو اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو ممکن ہے کہ آئندہ چل کر یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں (بیان کیا جاتا ہے کہ عزیز مصر اولد تھا اس لئے اس نے یہ بات کہی) عزیز مصر کا نام بعض مفسرین نے قطفیر بتایا ہے اور اس قول کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے اس کی بیوی کا نام زلیخا مشہور ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام اطفیل تھا جس شخص کو چند روز پہلے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا تھا وہی شخص آج عزیز مصر کے گھر میں ہے آرام والی جگہ اور راحت و آرام کے ساتھ رہ رہا ہے اللہ جل شانہ جسے بلند کرنا چاہے اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ وکذلک مکنا لیوسف فی الارض (اور اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین میں قوت عطا کی)

عزیز مصر کے دل اور گھر میں تو ان کا مقام اور مرتبہ بلند ہو ہی گیا تھا اس کے یہاں معزز ہونے کی وجہ سے مصر کے دوسرے لوگوں کے دل میں بھی ان کی بڑی حیثیت بن گئی تھی ولنعلمہ من تاویل الاحادیث (اور تاکہ ہم اسے خوابوں کی تعبیر کا علم دیں) اللہ جل شانہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا جو علم عطا فرمایا تھا وہی آگے بڑھ کر مصر کے خزانوں کا والی اور متصرف ہونے کا ذریعہ بنا واللہ غالب علی امرہ (اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے) اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے جس کو چاہے بلندی دے اس کے فیصلے کو کوئی ٹالنے والا نہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی پرورش کا اللہ تعالیٰ نے یہ سبب بنایا کہ انہیں عزیز مصر کے گھر میں رکھا ظاہری پرورش کے ساتھ امور انتظامیہ کے بارے میں بھی ان کی تربیت ہوگئی عزیز مصر خزان مصر کا منتظم تھا بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی خزان مصر سپرد کر دیئے گئے۔ عزیز مصر کے گھر میں رہنا ہوا تو مالیات کی حفاظت اور دیکھ بھال کا طریقہ اور سلیقہ بھی سمجھ میں آ گیا ولکن اکثر الناس لا یعلمون (اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ کی حکمتیں سمجھ میں نہیں آتیں ولما بلغ اشدہ اٰتینہ حکما وعلما (اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکمت اور علم عطا کیا) حکمت اور علم سے نبوت مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کو بعد میں نبوت عطا کی گئی کنوئیں میں ہوتے ہوئے جو وحی بھیجی تھی وہ وحی نبوت نہیں تھی دل میں ڈالنے کو بھی وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں فرمایا کہ واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ۔

وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (اور ہم نیک کام کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں) صفت احسان بہت بڑی چیز ہے حسن نیت اور حسن عمل سے جو شخص بھی متصف ہے وہ محسن ہے احسان والوں کو اللہ تعالیٰ بلند فرماتا ہے اور انہیں ان کے احسان کا اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ

اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے ان کو پھسلایا اور دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی آ جاؤ میں تمہارے لئے تیار ہوں،

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

انہوں نے کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں بے شک تیرا شوہر میرا مربی ہے اس نے میرا اچھا ٹھکانہ بنایا ہے بے شک بات یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے۔

عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے مطلب برآری کے لئے پیش ہونا اور آپ کا پاک دامن رہنا

سیدنا یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر میں رہتے رہے وہیں پلے بڑھے جوان ہوئے بہت زیادہ حسین تھے عزیز مصر کی بیوی ان پر فریفتہ ہوگئی اور اپنا مطلب نکالنے کے لئے ان کو پھسلانے لگی، اس نے نہ صرف اشاروں سے اپنا مطلب ظاہر کیا بلکہ گھر کے سارے دروازے بند کر لئے اور کہنے لگی کہ آجاؤ میں تمہارے لئے تیار ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے بڑے ہی امتحان کا موقعہ تھا خود بھی نوجوان تھے اور عورت پھسلا بھی رہی تھی اور وہ کوئی گری پڑی عورت نہیں عزیز مصر کی بیوی ہے پھر وہ ایک طرح سے اس کے پروردہ بھی تھے وہ گھر کی بڑی تھی اور آپ چھٹ پنے سے اس کے ساتھ رہے تھے، جو عورت گھر کی سردار تھی اس کا حکم رد کرنا بھی مشکل تھا ان سب امور کے ہوتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے گناہ سے بچنے کے لئے متعدد مشکلات تھیں اس موقعہ پر گناہ سے بچ جانا محض اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہوسکتا ہے اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے عورت کی درخواست پر معاذ اللہ کہہ دیا اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہتا ہوں وہی مجھے گناہ سے بچا سکتا ہے۔ پھر یہ فرمایا کہ تو میرے آقا اور مربی کی بیوی ہے اس نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے مجھے آرام کی جگہ دی ہے، عزت سے رکھا ہے، میری شرافت اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ میں اس کے اہل خانہ پر دست درازی کروں (اس میں اس عورت کو بھی نصیحت فرمادی کہ تو بھی اللہ سے پناہ مانگ اور اپنے شوہر کی خیانت نہ کر مجھے تو اس گھر میں آئے ہوئے چند سال ہی ہوئے ہیں اور تو مجھ سے بہت پہلے سے عزیز مصر کے پاس رہتی ہے تجھے بھی عفت وعصمت اختیار کرنا لازمی ہے) سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (بلاشبہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے) یہ ظلم کی بات ہے کہ میں اپنے آقا کا حق شناس نہ بنوں تو مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہے اس میں اللہ جل شانہٗ کی بھی نافرمانی ہے اور دنیاوی اعتبار سے جو میرا مربی ہے اس کی بھی خیانت ہے یہ دونوں ظلم کی باتیں ہیں ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جس کامیابی کو چاہتے ہیں وہ گناہوں کے ذریعہ نہیں ملتی دنیا کی مطلوبہ کامیابی ہو یا آخرت کی یہ ظالموں کو نہیں مل سکتی۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اِنَّهٗ رَبِّيْ میں جو ضمیر منصوب ہے یہ عزیز مصر کی طرف راجع نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے میں کیسے اس کی نافرمانی کرسکتا ہوں یہ معنی لینے سے یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ کے لئے لفظ رَبِّيْ کیسے استعمال فرمایا لیکن اگر اِنَّهٗ کی ضمیر عزیز مصر کی طرف راجع ہو تب

بھی اشکال یوں ختم ہو جاتا ہے کہ رب بمعنی مالک اور مستحق اور صاحب بھی آیا ہے (کما ذکرہ صاحب القاموس) اور حدیث میں جو فرمایا ہے کہ ولا یقل العبد ربی یہ ممانعت اس اعتبار سے ہے کہ لفظ رب عام محاورات میں اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے لہٰذا سدًّا للباب ممانعت فرمادی گئی۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ

اور اس عورت نے ان کے ساتھ اپنا کام نکالنے کا مضبوط ارادہ کر لیا تھا اور وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے، اسی طرح تاکہ ہم ان سے برائی کو

وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا

اور بے حیائی دور کریں، بے شک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے، اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے پیچھے سے ان کا کرتہ چیر دیا اور دونوں نے

سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اس عورت کے سردار کو دروازہ کے پاس پالیا، وہ کہنے لگی جو شخص تیرے گھر والوں کیساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اسے جیل میں ڈال دیا جائے یا دردناک سزا دی جائے۔

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ

یوسف نے کہا اسی نے مجھے اپنی مطلب برآری کیلئے پھسلایا اور اس کے خاندان میں سے ایک گواہی دینے والے نے گواہی دی کہ اگر اس کا کرتہ سامنے سے پھاڑا گیا ہے

فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

تو عورت نے سچ کہا اور یہ شخص جھوٹے لوگوں میں سے ہے اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھاڑا گیا تو اس عورت نے جھوٹ کہا اور یہ سچوں میں سے ہے۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ يُوْسُفُ اَعْرِضْ

پھر جب اس نے کرتے کو دیکھا کہ پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو کہنے لگا کہ بے شک یہ تم عورتوں کی فریب کاری میں سے ہے بے شک تمہارا فریب بڑا ہے، یوسف اس بات کو

عَنْ هٰذَا ۡ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۝ ع ۱۳

جانے دو اور اے عورت تو اپنے گناہ کے لئے استغفار کر، بلاشبہ تو ہی خطاکاروں میں سے ہے۔

دونوں کا دروازہ کی طرف دوڑنا اور اللہ تعالیٰ کا یوسف علیہ السلام کو بچانا اور عزیز کو دروازہ پر پانا، اور اس کا اپنی بیوی کو خطا کار بتانا اور استغفار کا حکم دینا

ان آیات میں عزیز مصر کی بیوی کی بدنیتی اور اس کے مطابق عزم مصمم کرنے کا ذکر ہے نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لئے ہوتے تو وہ بھی ارادہ کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بچایا اور ان کو برائی سے اور بے حیائی کے کام سے دور رکھا عزیز مصر کی بیوی نے گناہ کرنے کا مضبوط ارادہ کر لیا تھا جو اس کے عمل سے صاف ظاہر ہے اس نے دروازے بند کر لئے اور صاف لفظوں میں هَيْتَ لَكَ (آ جا میں تیرے لئے حاضر ہوں) کہہ دیا، حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور ساری امت کا اس پر اجماع ہے نبی سے گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا اور گناہ کا ارادہ کرنا بھی گناہ ہے لیکن قرآن مجید میں وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ کے ساتھ وَهَمَّ

بھا بھی مذکور ہے اس وھمَّ بھا کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے وھمَّ بھا لولا اَنْ رَّاٰبُرْھَانَ ربّہ ۔ یہ ایک جملہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ اپنی جوانی کا تقاضا پورا کرنے کا ارادہ کر لیتے لیکن چونکہ انہوں نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی اس لئے ارادہ نہیں کیا، ہم نے اوپر جو ترجمہ کیا ہے وہ اسی قول کے مطابق ہے اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وھمَّ بھا سے گناہ کا ارادہ کرنا مراد نہیں ہے بلکہ بشری طور پر جوایسے موقع پر میلان طبعی ہو جاتا ہے وہ مراد ہے انہوں نے اس درجہ کا ارادہ نہیں کیا تھا جو معصیت کے درجہ میں ہو یوں ہی وسوسہ کے درجہ میں خیال آ گیا اس صورت میں لَوْ لَا کا جواب محذوف مانا جائے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ اپنے رب کی طرف سے دلیل نہ دیکھ لیتے تو میلان طبعی کے مطابق کام کر گزرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں دلیل دکھائی جو اقدام کرنے سے مانع ہوگئی۔

وہ کون سی دلیل تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں صاحب روح المعانی ص ۲۱۴ ج ۱۲ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی شبیہ ظاہر ہوگئی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سینہ پر ہاتھ مار دیا و ذکرہ الحاکم ایضا فی المستدرک (ج ۲ ص ۳۴۶) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مثل لہ یعقوب فضرب صدرہ فخرجت شھوتہ من اناملہ اور بحوالہ حلیہ ابی نعیم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب اس عورت نے عمل بد کا ارادہ کیا تو اس نے بت کے اوپر کپڑا ڈال دیا جو گھر کے ایک کونے میں تھا حضرت یوسف نے فرمایا کہ تو یہ کیا کرتی ہے وہ کہنے لگی کہ میں اپنے اس معبود سے شرماتی ہوں کہ میں ایسے کام ہوں اور یہ مجھے دیکھتا رہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو ایک بت سے شرما رہی ہے جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے (یعنی بے جان ہے کچھ جانتا ہی نہیں) پھر بھلا میں اپنے رب سے کیوں نہ شرماؤں جو ہر شخص کے ہر عمل کو جانتا ہے تو مجھ سے اپنی مطلب براری نہیں کر سکتی، اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں لیکن کوئی بھی صحیح سند سے ثابت نہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو علم و حکمت سے نوازا تھا اور نبوت سے سرفراز فرمایا تھا بُرْھَان ربّی سے وہی مراد ہے، نبوت اور معرفت الٰہیہ ہی ایک ایسی دلیل تھی جس نے انہیں چونکا دیا اور گناہ سے بچا دیا، یہ بات دل کو لگتی تو ہے لیکن اس صورت میں رَاٰی بمعنی عرف لیا جائے گا یعنی رای سے رؤیت بصری نہیں بلکہ رؤیت قلبی بمعنی علم و معرفت مراد ہوگی۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تو بڑی شان ہے عام طور پر اہل ایمان کو یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ جب کوئی گناہ کی بات دل میں آئے تو دل کھٹک جاتا ہے اور ہر ایک مؤمن کے دل میں اللہ کا ایک واعظ بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت نواس بن سمعان انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک سیدھا راستہ ہے اس کے دونوں جانب دو دیواریں ہیں اور ان دیواروں میں دروازے ہیں جو کھلے ہوئے ہیں ان دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور اس راستے کے شروع میں ایک دروازہ ہے جس پر ایک پکارنے والا کھڑا ہوا ہے وہ کہتا ہے کہ اے لوگو تم سب راستے میں داخل ہو جاؤ اور ادھر توجہ نہ کرو اور راستے کے اوپر ایک اور پکارنے والا ہے، جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تجھ پر افسوس ہے اسے مت کھول اگر تو اس کو کھولے گا تو اس میں داخل ہو جائے گا (اور یہ تیرے حق میں اچھا نہ ہوگا) اس کے بعد آپ نے اس مثال کی توضیح فرمائی، اور وہ یہ کہ صراط مستقیم اسلام ہے، اور دونوں طرف جو دیواریں ہیں یہ اللہ کی حدود ہیں، اور جو دروازے کھلے ہوئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں، اور راستے کے شروع میں جو پکارنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور اس کے اوپر جو پکارنے والا ہے وہ اللہ کا واعظ ہے جو ہر مسلم کے دل میں ہے (رواہ البیھقی فی شعب الایمان ص ۴۴۵ ج ۵) جب ہر مؤمن کے دل میں واعظ موجود ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام جیسے

صدیق کے دل میں ہونا تو ضروری ہی ہے۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں عبارت محذوف ہے صاحب روح المعانی نے ابن عطیہ سے یوں نقل کیا ہے کہ جرت افعالنا و قدارنا کذالک لنصرف یعنی ہماری قضاء قدر کے مطابق ایسا ہوا تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیں قال صاحب الروح و قدر ابو البقاء نراعیه کذٰلک والحوفی ارینا البراهین کذٰلک و جوز الجمیع کونه فی موضع رفع فقیل ای الامر او عصمته مثل ذالک ہ

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے برے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہا تو وہ دروازے کی طرف دوڑ پڑے پیچھے سے عورت بھی دوڑی۔ بالآخر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ کا پچھلا دامن پکڑ لیا چونکہ بھاگتے ہوئے آدمی کا دامن پکڑا تھا اس لئے کرتہ پھٹ گیا۔ روح المعانی میں لکھا ہے کہ قدیدا کثر لمبائی میں پھاڑ دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی لئے ہم نے چیرنے کا ترجمہ کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام دروازہ کی طرف بڑھے تو دروازہ بند پایا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی، دروازے کھلتے چلے گئے (اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص کسی گناہ میں مبتلا کرنے کے لئے مجبور کیا جائے تو جہاں تک ممکن ہو اپنی کوشش و طاقت کے بقدر اس سے بچے جب سچ مچ اکیلے بچنے کا عزم کرے گا اور اپنی ہمت اور قدرت کے بقدر کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انشاء اللہ ضرور مدد کی جائے گی۔

بعض مفسرین نے ایسا ہی لکھا ہے اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ دروازے مختلف جہات میں تھے اس عورت نے بند تو سبھی کر دیا تھا لیکن کسی ایک دروازے میں کوئی ایسی کھڑکی تھی جس کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دھیان ہوا کہ میں اس سے نکل سکتا ہوں بہر حال انہوں نے گناہ سے بچنے کی انتہائی کوشش کی اور اس کوشش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی دی۔

آگے پیچھے دوڑتے ہوئے جب دروازے پر پہنچے تو ادھر سے مذکورہ عورت کا شوہر آرہا تھا اس سے مذبھیڑ ہوگئی عورتوں کی چالیں تو مشہور ہی ہیں ظاہری خفت مٹانے کے لئے اور اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کے لئے عورت بول پڑی کہ اس نے مجھ پر بدنیتی سے مجرمانہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کو سزا دی جانی ضروری ہے سزا بھی اس نے خود ہی تجویز کر دی کہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یا اس کو سخت سزا دی جائے۔ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اپنی صفائی پیش کرنا ضروری سمجھا اور فرمایا هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ کہ اس نے مجھے پھسلایا اور غلط کام کرنے کا ارادہ کیا (اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص تہمت لگائے تو اس کا دفاع کرنا شان بزرگی کے خلاف نہیں ہے بلکہ دفاع کرنا ضروری ہے کیونکہ مجرم بن کر رہنا مؤمن کی شان نہیں ہے اپنا دفاع کرتے ہوئے صحیح صورت بیان کرنے میں اگر تہمت لگانے والے کی طرف تہمت کا انتساب کرنا پڑے تو بھی جائز ہے)

صورت حال دیکھ کر عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مجرم قرار نہیں دیا وہ ان کی نیک نفسی اور صالحیت سے واقف تھا وہ برسوں سے اس کے گھر میں رہتے تھے اس کے پیش نظر جو ان کے احوال دیکھے تھے ان کو سامنے رکھتے ہوئے کسی طرف بھی اس کا موقع نہ تھا کہ وہ ان کو مجرم سمجھے اور اپنی بیوی کی تصدیق کرے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ اس عورت نے ہی مجھ سے اپنی خواہش ظاہر کی اس کے پیش نظر عورت ہی کو اول وہلہ میں مجرم سمجھنا چاہئے تھا اور ممکن ہے کہ اس نے مجرم سمجھ بھی لیا ہو لیکن وہ خاموشی اختیار کر گیا، البتہ غیب سے ایک گواہ نکل آیا اور وہ اسی عورت کے خاندان میں سے تھا یہ گواہ ایک بچہ تھا وہ بچہ بول پڑا اور اس نے یوں کہا کہ

یوسف کے کرتہ کو دیکھو آگے سے پھاڑا گیا ہے یا پیچھے سے؟ اگر پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو سمجھ لیا جائے کہ یہ عورت اپنے اس دعوے میں جھوٹی ہے کہ یوسف نے مجھ پر حملہ کیا ہے اور یوسف سچے ہیں، اور اگر ان کا کرتہ آگے سے پھاڑا گیا ہے تو سمجھ لیا جائے کہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔ عزیز مصر کو تو اصل صورت حال سمجھنے کی ضرورت ہی تھی اس نے فوراً حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ پر نظر ڈالی دیکھا تو کرتہ پیچھے سے پھاڑا گیا ہے بس اس کی سمجھ میں آ گیا اور فوراً اس کے منہ سے یہ بات نکلی کہ یہ عورتوں والی مکاری ہے تم یں خود اور نام رکھیں دوسرے کا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی عورت کو جھٹلا دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی تصدیق کر دی، گواہی دینے والے نے جو یوں کہا تھا کہ کرتہ دیکھا جائے اس کا مطلب یہ تھا کہ جب عورت نے اپنی خواہش ظاہر کی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی جان گناہ سے بچانے کی کوشش کی اور راہ فرار اختیار فرمائی اور عورت نے ان کے کرتہ کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچا تھی تو کرتہ پھٹا اس کے پھٹنے کا ظاہری سبب اور کوئی نہ تھا، یہاں جو یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ وہاں تو ایک ہی عورت تھی جمع کی ضمیر کیوں لائی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں عورتوں کے مزاج اور طبیعت اور خاصیت کی طرف اشارہ ہے اکیلی یہی عورت مکر اور فریب والی نہیں عموماً عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں اسی لئے آخر میں یوں کہا اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ (بلاشبہ تمہارا مکر بڑا ہے) اردو کے محاورہ میں اس مکر کو عورتوں کے چھل اور چالوں سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے بڑے بڑے چھل ہوتے ہیں کہ انسان انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اک مرتبہ عید کی نماز کو جاتے ہوئے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے ما رایت اذھب للب الرجال الحازم من احداکن (ہوشمند آدمی کی عقل کو ختم کرنے میں میں نے تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا)۔ (رواہ البخاری ص ۱۹۷ ج ۱) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ما ترکت بعدی فتنۃ ھی اضر علی الرجال من النساء (کہ میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لئے ضرر دینے میں عورتوں سے بڑھ کر ہو) (رواہ البخاری و مسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۲۶۷) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فاتقوا الدنیا واتقوا النساء فان اول فتنۃ بنی اسرائیل کانت فی النساء (کہ دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو) یعنی ان دونوں کو سوچ سمجھ کر استعمال کرنا ان کے فریب میں نہ آ جانا (کیونکہ بنی اسرائیل کا جو سب سے پہلا فتنہ تھا اس کی ابتداء عورتوں ہی سے تھی) (رواہ مسلم ص ۳۵۳ ج ۲) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا النساء حبائل الشیطان (کہ عورتیں شیطان کے جال ہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ۴۴۴) شیطان ان کے ذریعہ بہکاتا ہے اور گمراہ کرتا ہے اور گناہوں پر آمادہ کرتا ہے۔

جس گواہ نے گواہی دی اس نے یہ تو نہیں کہا میں نے دیکھا ہے کہ عورت نے یوں کیا بلکہ اس نے ایک ایسی بات کہہ دی جو عورت کے مجرم ہونے پر دلالت کرتی تھی یعنی کرتے کا پھٹا ہونا اس کو گواہی سے تعبیر فرمایا قال صاحب الروح و سمی شاھدا لانہ ادی تادیتہ فی ان ثبت بکلامہ قول یوسف و بطل قولھا وقیل سمی بذلک من حیث دل علی الشاھد وھو تخریق القمیص

یہ گواہی دینے والا کون تھا اس کے بارے میں مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے پہلے تو صاحب مستدرک نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات کو مجھے معراج کرائی گئی تو مجھے ایک خوشبو محسوس ہوئی میں نے دریافت کیا کہ یہ کیسی خوشبو ہے بتانے والوں (یعنی فرشتوں) نے بتایا کہ جو عورت فرعون کی بیٹی اور اس کی اولاد کی کنگھی کیا کرتی تھی یہ اس کی خوشبو ہے، ایک دن کنگھی کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی اس پر اس نے بسم اللہ کہا فرعون کی بیٹی نے کہا یہ تو نے کس کا نام لیا، کیا تو نے میرے باپ کا نام نہیں لیا اس نے کہا میں نے اس کا نام لیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تیرا بھی رب ہے اور تیرے باپ کا بھی رب ہے۔ کہنے لگی کہ میں یہ بات اپنے باپ کو بتا دوں اس عورت نے کہا کہ ہاں بتا دینا فرعون کی بیٹی نے اپنے باپ کو

یہ بات بتادی، اس پر فرعون نے اس عورت کو اور اس کے بچوں کو بلایا (تاکہ انہیں قتل کردے، اس عورت نے فرعون سے کہا کہ میری ایک حاجت ہے وہ پوری کردینا، فرعون نے کہا وہ کیا حاجت ہے؟ اس عورت نے کہا کہ میری اور میرے بچوں کی ہڈیوں کو دفن کردینا فرعون نے اس کا اقرار کرلیا پھر اس کے بچوں کو لایا گیا اور ایک ایک کرکے قتل کرکے گڑھے میں یا آگ میں ڈالا جاتا رہا، یہاں تک کہ جب آخری بچہ رہ گیا جو چھوٹا دودھ پیتا بچہ تھا تو اس نے کہا کہ اے میری ماں صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں اس کے بعد اس عورت کو اس چھوٹے بچہ کے ساتھ ڈال دیا گیا، یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چھوٹے بچے ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اپنے چھوٹے ہونے کے زمانہ میں بات کی ہے، ان میں سے ایک تو یہی بچہ تھا یعنی گفتگو کرنے والی کا بچہ، دوسرا یوسف علیہ السلام کے بارے میں گواہی دینے والا، تیسرا جریج (راہب کی برأت ظاہر کرنے) والا چوتھے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام (قال الحاکم ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ و وافقہ الذھبی مستدرک حاکم ص ۴۹۶ ج ۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دی تھی وہ ایک چھوٹا بچہ تھا جو بولنے کی عمر کو نہیں پہنچا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی قوت دی اور اس نے گواہی دے دی جو آیت شریفہ میں مذکور ہے اس گواہی دینے والے کے بارے میں من اھلھا بھی فرمایا ہے کہ یہ گواہ اس عورت کے خاندان سے تھا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اس عورت کی خالہ کا بیٹا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے چچا کا بیٹا تھا واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

معاملہ کی صورت حال سمجھنے کے بعد عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف توجہ کی اور اس نے درخواست کی کہ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا اے یوسف! اس بات سے اعراض کرنا یعنی اسے یہیں تک رہنے دینا اور آگے مت بڑھانا کسی سے نہ کہنا، پھر اپنی بیوی سے کہا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ (کہ تو اپنے گناہ کے لئے استغفار کر) اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ (بلاشبہ تو خطا کرنے والوں میں سے ہے) معاملہ کی صورت حال سے اور گواہ کی گواہی سے ثابت ہوگیا کہ تو ہی گناہ گاروں میں سے ہے، اصل گنہ تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بچنے اور پرہیز کرنے اور راہ فرار اختیار کرنے کی وجہ سے نہ ہوسکا لیکن گنہ کے لئے جو اس نے پکا اور مضبوط ارادہ کرلیا تھا وہ بھی گناہ ہی تھا پھر وہ پیچھے دوڑی بھی تھی اور پکڑنے کی کوشش بھی کی تھی لہٰذا اپنی نیت اور عمل دونوں کے اعتبار سے گناہ گار ہوئی صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اسے سچا یا جھوٹا کردیتی ہے یعنی گناہ کی آخری حد کا موقع لگ گیا تو شرمگاہ سے صادر ہو جاتا ہے مگر اس سے پہلے کوششیں گناہ میں شمار ہو جاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ تو مسلمان نہیں تھے پھر استغفار کرنے کے لئے کیوں کہا؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وہ لوگ اگرچہ بتوں کو پوجتے تھے لیکن خالق کے وجود کا بھی عقیدہ رکھتے تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ بہت سی چیزیں گناہ ہیں اور ان گناہوں کی سزا بھی ملتی ہے صاحب روح المعانی کا یہ فرمانا درست ہے کہ مشرکین خالق کو بھی مانتے ہیں اور بہت سی چیزوں کا گناہ ہونا ان کے ہاں معروف و مشہور ہے ہندوستان کے مشرکین میں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا

اور چند عورتوں نے کہا جو شہر میں رہتی تھیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام سے مطلب حاصل کرنے کے لئے پھسلاتی ہے، اس غلام کے عشق نے اس کے دل میں پوری طرح جگہ

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ

پکڑی ہے بے شک ہم تو اس عورت کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں پھر جب اس نے ان عورتوں کی مکر کی باتیں سنیں تو انہیں بلا بھیجا اور ان کے لئے ایک مجلس تیار کی جس میں تکیہ لگا کر بیٹھیں اور ان

وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ

میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور یوسف سے کہا کہ ان کے سامنے نکل آ، سو جب ان عورتوں نے انہیں دیکھا تو حیران رہ گئیں، اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور

حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ

بولیں کیسی حیرت کی بات ہے یہ شخص بشر نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے، وہ عورت کہنے لگی سو یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی اور واقعی میں نے اس

رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝

سے بے مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی سو وہ بچ گیا اگر میں نے وہ بات نہ مانی جس کا میں اسے حکم دے رہی ہوں تو ضرور اس کو قید میں بھیج دیا جائے گا اور یہ ضرور بے عزت ہوگا۔

شہر کی عورتوں کا عزیز مصر کی بیوی پر طعن کرنا اور ان کا جواب دینے کے لئے عورتوں کو بلانا، پھر ان کا اپنے ہاتھوں کو کاٹ لینا

عزیز مصر نے تو معاملہ کو وقتی طور پر رفع دفع کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اس قصے کو یہیں تک رہنے دینا آگے مت بڑھانا لیکن خبر کسی طرح شہر کی عورتوں کو پہنچ گئی وہ آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ دیکھو عزیز مصر کی بیوی کو کیا ہوا بڑے گھر کی عورت ہے لیکن اپنے غلام کو اپنا مطلب نکالنے کے لئے پھسلا رہی ہے غلام اس لئے کہا کہ اس کا شوہر حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید کر لایا تھا اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ اول تو یہ عورت شوہر والی ہے اسے اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف مائل ہونے کی ضرورت کیا ہے پھر مائل بھی ہوئی تو کس پر جو اس کے برابر کا نہیں نہ تو عمر میں برابر نہ مرتبہ میں برابر، دونوں میں سے کوئی برابری بھی ہوتی تو ایک بات تھی قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا بس جی اس غلام کی محبت تو بری طرح اس کے دل میں گھر کر گئی ہے اسے اس محبت نے یہ بات سوچنے کا موقع ہی نہ دیا کہ میں کس سے لگ رہی ہوں اور کس طرف مائل ہو رہی ہوں اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ گئی ہے۔

عزیز مصر کی بیوی کو عورتوں کی باتیں پہنچ گئیں انہوں نے جو باتیں کہی تھیں وہ اس نے سن لیں ان کی باتوں کو مکر سے تعبیر کیا کیونکہ وہ ظاہر میں تو اسے بے وقوف بنا رہی تھیں اور اندر سے ان کا جذبہ یہ تھا کہ ہم اس پر لعن طعن کریں گے تو اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے ہمیں بھی اس غلام کا مشاہدہ کرا دے گی (ذکرہ صاحب الروح عن البعض) بہر حال جب عزیز مصر کی بیوی کو عورتوں کی باتوں کا علم ہوا تو اس نے ان عورتوں کو بلوا بھیجا کہ وہ میرے گھر آئیں اور کچھ کھا پی لیں ان عورتوں کے بیٹھنے کے لئے اس نے عمدہ قسم کے بستر بچھا دیئے اور تکیے لگا دیئے تاکہ وہ آئیں تو تکیہ لگا کر بیٹھ جائیں جب وہ آئیں تو انہیں بٹھا دیا اور ان کے ہاتھوں میں ایک ایک چھری دے دی چھری دینے کا کیا مطلب تھا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس نے چھریوں کے ساتھ کھانے کے لئے گوشت بھی دے

دیا تھا کیونکہ گوشت کو دانتوں سے نوچ کر نہیں کھاتے تھے بلکہ چھری سے کاٹتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ سنترہ کی طرح کوئی چیز کھانے کو دے دی تھی تاکہ وہ اسے چھری سے کاٹ کر کھائیں اس قول کی تائید مُتَّکَأً کی قرأت سے ہوتی ہے جس کا معنی اترنج یا سنترہ کیا گیا ہے یہ قرأت عشرہ میں سے تو نہیں ہے البتہ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے نقل کی ہے قرأت شاذہ سے کسی ایک محتمل معنی کی تائید ہو سکتی ہے، عین اس وقت میں جبکہ ان عورتوں کے ہاتھ میں چھریاں تھیں اور جو کچھ ان کے سامنے تھا اسے کاٹنا ہی چاہتی تھیں کہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو آواز دی کہ آؤ اندر سے نکلو اور ان عورتوں کے سامنے آجاؤ جب حضرت یوسف علیہ السلام آئے تو ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر وہ عورتیں ششدر رہ گئیں اور ایسی مبہوت اور حیران ہوئیں کہ انہیں یہ بھی دھیان نہ رہا کہ ہم کیا کاٹ رہی ہیں سنترہ وغیرہ جو کچھ ان کے سامنے تھا اسے کاٹنے کی بجائے انہوں نے اپنے ہاتھ ہی کاٹ ڈالے اور کہنے لگیں کہ حاشا للہ یہ شخص بشر نہیں ہے بلکہ یہ تو بڑے مرتبے کا فرشتہ ہی ہے، یہ ان عورتوں نے اس لئے کہا فرشتے کا بے مثال حسین و جمیل ہونا ان کے یہاں معروف و مشہور تھا جیسے کہ شیطان کی بدصورتی کو سبھی جانتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ حسن و جمال عطا فرمایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب معراج کی رات میں آسمانوں پر تشریف لئے گئے تو وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقاتیں ہوئیں حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اذا هو قد اعطی شطر الحسن (یعنی ان کو آدھا حسن دیا گیا ہے (رواہ مسلم ص ۹۱)

جب عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مبہوت ہو گئیں اور ایسی حیران ہوئیں کہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو عزیز مصر کی بیوی ان عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے بول اٹھی کہ تم نے دیکھا یہ غلام کیا ہے؟ تم مجھے اس کے بارے میں ملامت کر رہی تھیں اب اپنا حال دیکھ لو تم تو اسے دیکھ کر اپنے ہاتھ ہی کاٹ بیٹھیں، یہ بات کہہ کر اس عورت نے اپنی صفائی پیش کر دی بلکہ اپنی مجبوری ظاہر کر دی میں عاشق نہ ہوتی تو کیا کرتی وہ تو چیز ہی ایسی ہے جس پر فریفتہ ہوئے بغیر رہا نہیں جا سکتا۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے عزیز مصر کی بیوی نے کہا کہ واقعی میں نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے اسے پھسلایا تھا لیکن یہ بچ گیا اس طرح اس نے اس بات کا صاف اقرار کر لیا جس کا اپنے شوہر کے سامنے انکار کر چکی تھی، اور حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت بھی ظاہر کر دی اور ساتھ ہی یوں بھی کہہ دیا کہ یہ ابھی میرے پھندہ سے نکلا نہیں ہے میرا تقاضا برابر جاری رہے گا اگر اس نے میری بات نہ مانی اور میرے حکم پر عمل نہ کیا تو اسے ضرور بالضرور جیل ہی میں بھیج دیا جائے گا اور اسے ضرور بالضرور ذلت اٹھانی پڑے گی۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ

یوسف نے کہا کہ اے میرے رب یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں اسکے مقابلہ میں مجھے جیل جانا محبوب ہے اور اگر آپ مجھ سے انکی چال بازی دفع نہ کریں گے

وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا، سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی سو عورتوں کی چال بازی کو یوسف سے ہٹا دیا، بلاشبہ وہ سنے والے جاننے والے ہے

ع ۱۴ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِیْنٍ ۝

پھر نشانیاں دیکھنے کے بعد ان لوگوں کی سمجھ میں یہ آیا کہ ایک وقت تک یوسف کو جیل میں رکھیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا دعا کرنا کہ اے میرے رب ان عورتوں کے مطالبہ کے مطابق عمل کرنے کی بجائے میرے لئے جیل جانا بہتر ہے اس کے بعد جیل میں تشریف لے جانا

پہلے معلوم ہو چکا کہ عزیز مصر کی بیوی نے اپنے شوہر کو دروازہ کے قریب دیکھ کر یہ مشورہ دے دیا تھا کہ اسے جیل میں ڈالا جائے یا دردناک سزا دی جائے، پھر جب شہر کی دوسری عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھ کر مبہوت رہ گئیں اور عزیز مصر کی بیوی نے ان سے کہا کہ دیکھو تم مجھ پر طعن و تشنیع کر رہی تھیں خود تمہارا کیا حال بنا اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اس نے میری بات نہ مانی تو اس کو جیل میں جانا پڑے گا۔ تو اب حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بظاہر دو ہی راستے تھے اول یہ کہ حسب سابق اسی گھر میں رہتے رہیں جہاں اب تک رہتے رہے وہاں وہی عورت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بدکرداری کے لئے استعمال کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کا ارادہ ختم نہیں ہوا تھا صاف کہہ دیا تھا کہ اگر اس نے میری بات نہ مانی تو اس کو جیل میں جانا پڑے گا وہ اپنے پھندہ میں پھنسانے کے لئے مصر تھی اس کے گھر میں رہنے سے اندیشہ تھا کہ معصیت میں مبتلا ہو جائیں اور دوسرا راستہ یہ تھا کہ جیل میں چلے جائیں انہوں نے جیل میں جانے کو پسند کیا اور یہ مناسب جانا کہ عزیز مصر کا گھر چھوٹ جائے تاکہ خود عزیز مصر کی بیوی اور دیگر عورتوں کی تدبیروں اور مکاریوں سے دور ہو جائیں، چونکہ دوسری عورتیں بھی حسن و جمال دیکھ کر قائل ہو گئی تھیں اس لئے یہ بھی خطرہ تھا کہ وہ بھی عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ میں استعمال کرنے کی تدبیریں بتانے لگیں یا حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلانے لگیں، اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی کہ اے اللہ یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں یا آئندہ دعوت دیں گی مجھے اس میں مبتلا ہونے کی بہ نسبت یہ محبوب اور مرغوب ہے کہ جیل میں چلا جاؤں اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ یا اللہ آپ میری مدد فرمائیے اور عورتوں کے مکر و فریب کو دفع فرمائیے تاکہ میری حفاظت ہو اگر آپ نے ان کی چال بازیوں کو دفع نہ فرمایا اور مجھے ان سے نہ بچایا تو تقاضائے بشریت میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں شمار ہو جاؤں گا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور ان کو معصوم رکھنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا عہدہ نبوت پر سرفراز ہوتے ہوئے معصیت صادر ہونے کا احتمال تو نہ تھا لیکن پھر بھی انہوں نے گناہ سے بچنے کے لئے مزید دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ ہی کی حفاظت مجھے محفوظ رکھ سکتی ہے اگر آپ نے میری حفاظت نہ فرمائی تو عورتوں کے اتنے زیادہ پیچھے پڑنے پر نفسانی اور شہوانی ابھار کے باعث ان عورتوں کی طرف مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف مائل ہونا جاہلوں کا کام ہے جو گناہ کو گناہ جانتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

قال صاحب الروح ای الذین لا یعملون بما یعلمون لان من لا جدوی لعلمه فهو ومن لا یعلم سواء (یعنی جو لوگ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے۔ کیونکہ جو شخص اپنے علم سے نفع نہیں اٹھاتا، اس کے موافق عمل نہیں کرتا تو وہ اور بے علم دونوں برابر نہیں)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور انہیں عورتوں کے مکر و فریب سے بچا دیا یعنی ایسی صورت پیدا فرما دی کہ انہیں جیل میں بھیج دیا گیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ عزیز مصر اور اس کے مشورہ دینے والے سوچ بچار کرتے رہے کہ اس مسئلے کا کیا حل ہو آیات (یعنی نشانیاں) اور حالات سے تو یہ واضح ہو رہا ہے کہ یوسف بے گناہ ہے لیکن شہر میں جو چرچا ہو گیا اور باتیں عورتوں سے نکل کر مردوں تک پہنچ گئیں اس کے دبانے کے لئے یہی صورت سمجھ میں آتی ہے کہ ایک عرصہ تک یوسف کو جیل میں رکھا جائے چنانچہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں بھیج دیا۔

وہ کونسی آیات اور نشانیاں تھیں جنہیں دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت کا یقین کیا گیا تھا ان میں سے ایک تو یہی تھا کہ ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا اور دوسرے گود کے بچے کا بولنا یہ بہت بڑی نشانی تھی بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم میں بھاگنے کے وقت کوئی خراش بھی آ گئی تھی یہ بھی ایک نشانی تھی اور ممکن ہے اور بھی نشانیاں ہوں جو تذکرہ میں نہیں آئیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو جیل میں جانے کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اگر وہ مطلق حفاظت کی دعا کرتے تو جیل میں گئے بغیر دوسری طرح بھی ان کی حفاظت ہو سکتی تھی اللہ جل شانہٗ اس پر قدرت تھی کہ کسی دوسری صورت سے ان کی حفاظت کا انتظام ہو جاتا لیکن وقتی پریشانی کی وجہ سے ان کا ذہن اس طرف نہ گیا اور اپنی حفاظت کے لئے جیل میں جانے کی دعا کر لی، تفسیر قرطبی (ص ۱۸۴ ج ۹) میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اے اللہ جیل مجھے پسند ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے یوسف تم نے خود اپنی جان کو قید میں رکھوانے کی دعا کر لی اگر تم عافیت کی دعا کرتے تو تم کو عافیت دی جاتی، اس سے معلوم ہوا کہ بندہ ہمیشہ عافیت کی دعا کرے اور کسی بھی مصیبت سے بچنے کے لئے اپنی طرف سے کوئی صورت تجویز نہ کرے مطلقاً مصیبت سے بچنے کے لئے دعا کرلے پھر اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے محفوظ فرمائے اس طرح کے متعدد واقعات سنے گئے ہیں کہ بعض لوگوں نے اپنی طرف سے کوئی صورت تجویز کر کے دعا کر لی پھر جب اس دعا کا ظہور ہوا تو پشیمان ہوئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی عیادت کی جو بہت زیادہ بیمار تھے ان کی آواز بہت زیادہ ضعیف تھی اور چوزہ کی طرح پتلے دبلے ہو گئے تھے آپ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے ہو انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا تھا کہ مجھے آخرت میں جو عذاب دینا ہے تو اس کے بدلہ میں اسی دنیا میں تکلیف پہنچا دیجئے یہ سن کر آپ نے فرمایا سبحان اللہ تمہیں عذاب کی کہاں سہار ہے تم نے یہ دعا کیوں نہ کی اللھم اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار (اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا) راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔ (رواہ مسلم ص ۳۴۳ ج ۲)

ایک اور صحابی نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے صبر دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے مصیبت کا سوال کیا (کیونکہ صبر مصیبت پر ہوتا ہے) لہٰذا اب تو عافیت کا بھی سوال کر لے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۴، از ترمذی) مؤمن بندوں کو ہمیشہ عافیت ہی کا سوال کرنا چاہئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ سے معافی کا اور عافیت کا سوال کرو کیونکہ ایمان کی دولت کے بعد کسی کو کوئی ایسی چیز عطا نہیں کی گئی جو عافیت سے بہتر ہو (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۹، از ترمذی)

البتہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا سے یہ سبق ضرور ملتا ہے کہ گناہ سے بچنے کا مضبوط پختہ عزم و ارادہ رکھنا چاہئے گناہ سے بچنے کے سلسلہ میں اگر کوئی تکلیف پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو بشاشت کے ساتھ قبول کر لے اور گناہ نہ کرے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ

اور یوسف کے ساتھ دو جوان جیل میں داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں خواب میں اپنے کو دیکھ رہا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں خواب میں اپنے کو

اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں لئے ہوئے ہوں جس میں سے پرند کھا رہے ہیں ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجئے ہم آپ کو نیک آدمیوں میں سے سمجھتے ہیں۔

جیل میں دو قیدیوں کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے تعبیر دینے کی درخواست کرنا

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا عزیز مصر کے مشورہ دینے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں بھجوا دیا اسی موقع پر دو جوان بھی جیل میں داخل ہوئے تھے اور ان کے علاوہ پہلے سے بھی قیدی موجود تھے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نبی تھے عبادت گزار تھے خوش اخلاق تھے۔ قیدیوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آتے تھے صالحین کے چہرے پر تو نور ہوتا ہی ہے پھر یہاں تو نور نبوت بھی تھا اور ظاہری حسن و جمال بھی بے مثال تھا قیدی لوگ دلدادہ ہو گئے یہاں تک کہ جیلر بھی بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر میں خود مختار ہوتا تو آپ کو جیل سے رہا کر دیتا ہاں اتنا کر سکتا ہوں کہ آپ کو اچھے طریقے پر رکھوں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دوں۔ (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ص ۴۲۶ ج ۲)

یہ دو جوان جو نئے نئے انہی دنوں جیل میں داخل ہوئے تھے ان کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ مصر کے کچھ لوگوں نے بادشاہ کو قتل کروانے کا منصوبہ بنایا تھا ان لوگوں نے ان دونوں کو استعمال کرنا چاہا ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا جو اسے پینے کی چیزیں پلایا کرتا تھا اور دوسرا خباز یعنی روٹی تیار کرنے والا تھا، منصوبہ بنانے والوں نے ان دونوں سے کہا کہ تم کھانے پینے کی چیزوں میں زہر ملا کر بادشاہ کو کھلا پلا دو، پہلے تو دونوں نے بات قبول کر لی کیونکہ رشوت کی پیش کش کی گئی تھی پھر ساقی تو منکر ہو گیا اور خباز نے رشوت قبول کر لی اور کھانے میں زہر ملا دیا، جب بادشاہ کھانے بیٹھا تو ساقی نے کہا کہ آپ کھانا نہ کھائیے کیونکہ اس میں زہر ہے اور خباز نے کہا کہ آپ پینے کی کوئی چیز نہ پیجئے کیونکہ اس میں زہر ہے، بادشاہ نے ساقی سے کہا کہ تو یہ جو کچھ میرے پلانے کے لئے لایا ہے اس میں سے پی لے اس نے پی لی تو کوئی نقصان نہ ہوا پھر بادشاہ نے خباز سے کہا کہ تو اس کھانے میں سے کھا لے وہ انکاری ہو گیا پھر وہ کھانا ایک جانور کو کھلایا گیا وہ جانور کھا کر ہلاک ہو گیا بادشاہ نے ساقی اور خباز دونوں کو جیل میں بھجوا دیا (بھیجنا تو چاہئے تھا صرف خباز کو لیکن تحقیق اور تفتیش کی ضرورت سے ساقی کو بھی بھیج دیا) ان دونوں کو فکر پڑی ہوئی تھی کہ دیکھو کیا ہوتا ہے ہماری رہائی ہوتی ہے یا جان جاتی ہے اسی اثناء میں ان میں سے ایک نے خواب دیکھا کہ وہ انگور سے شیرہ نچوڑ رہا ہے جس سے شراب بنائی جاتی ہے (جو خواب دیکھنے والا بادشاہ کا ساقی تھا) اور دوسرے شخص یعنی (خباز) نے یہ خواب دیکھا کہ وہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے لے جا رہا ہے اور ان روٹیوں میں سے پرندے کھاتے جا رہے ہیں، دونوں نے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب پیش کیا اور تعبیر دینے کی خواہش ظاہر کی اور ساتھ ہی یوں بھی کہا کہ آپ ہمیں اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں اندازہ یہ ہے کہ آپ کی بتائی ہوئی تعبیر درست ہی ہوگی، حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی تعبیر بتانے کا اقرار فرما لیا لیکن پہلے توحید کی تبلیغ فرمائی۔ (من معالم التنزیل)

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ

یوسف نے کہا جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں خواب کی تعبیر بتا دوں گا یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے،

اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَاۗءِيْٓ

بلاشبہ میں نے ان لوگوں کے دین کو چھوڑ رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں اور میں نے اپنے باپ دادوں

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کے دین کا اتباع کیا ہے، یہ ہمارے لئے کسی طرح بھی درست نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں، یہ ہم پر اور دوسرے لوگوں پر

عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ

اللہ کا فضل ہے، اور لیکن بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے، اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو کیا بہت سے معبود جدا جدا

خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ

بہتر ہیں یا اللہ بہتر ہے جو تنہا ہے زبردست ہے۔ تم لوگ اللہ کے سوا جن لوگوں کی عبادت کرتے ہو وہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے تجویز کر لئے ہیں

اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ

اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی سند نازل نہیں فرمائی، حکم بس اللہ ہی کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہ سیدھا راستہ ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تعبیر دینے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور توحید کی دعوت دینا

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام سے جب دونوں جوانوں نے اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو ان سے فرمایا کہ میں کھانا آنے سے پہلے تمہارے خوابوں کی تعبیر بتادوں گا لیکن اس سے پہلے تم مجھے پہچانو کہ میں کون ہوں، عالم مبلغ اور داعی کا کام یہی ہے کہ وہ اپنے دعوت کے کام کے لئے طریقے سوچتا رہے اور راستہ نکالے اور ایسے موقع پر تو خاص طور سے موقع نکل آتا ہے جس کسی بے راہ کو مبلغ اور داعی کی ضرورت پڑ جائے، جب وہ اپنی حاجت لے کر آئے تو اس کو غنیمت جانے اور پہلے اپنی دعوت حق والی بات کہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی پر عمل کیا اور موقع مناسب جان کر توحید کی تبلیغ فرمادی، بظاہر تو یہ خطاب ان دونوں شخصوں کے لئے تھا جنہوں نے تعبیر پوچھی تھی لیکن حقیقت میں جیل کے تمام افراد کو توحید کی دعوت دینے کا راستہ نکل آیا کیونکہ ان دو شخصوں سے جو بات فرمائی وہ دوسرے قیدیوں بلکہ جیل کے عملہ سے چھپنے والی نہیں تھی اسی لئے خطاب میں سمیتہ بصیغہ جمع فرمایا سمیتھا بصیغہ تثنیہ نہیں فرمایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اول تو اپنا تعارف کرایا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کو نہیں مانتے اور آخرت کے منکر ہیں بلکہ میں اپنے باپ یعقوب اور دادا پردادا اسحٰق و ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دین پر ہوں جو موحد تھے اور توحید کے داعی تھے اور شرک سے بہت دور تھے اور ساتھ ہی شرک کی برائی عقلی طور پر بھی بیان فرمائی کہ ہمیں یہ کسی طرح سے زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کسی بھی چیز کو اللہ کا شریک بنائیں، جب اللہ نے پیدا کیا اور وہی رازق اور مالک ہے اور تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق ہیں تو پھر یہ کون سی عقلمندی کی بات ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے، مزید فرمایا کہ یہ جو اللہ نے ہمیں عقیدہ توحید کی نعمت سے نوازا ہے اور جو کچھ علم عطا فرمایا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے اور ہم پر ہی نہیں ان سب لوگوں پر بھی اس کا فضل ہے جو ہماری بات مانیں اور ہماری طرح موحد ہو جائیں اور ہمارے ساتھ توحید کی دعوت دینے میں شریک ہو جائیں، ہر وہ شخص جسے اللہ نے کوئی بھی نعمت عطا فرمائی ہو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو لیکن بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

شرک کی مزید قباحت اور مذمت بیان کرتے ہوئے خود انہی پر ایک سوال ڈال دیا اور عقلی طور پر انہیں فکر مند بنا دیا تاکہ وہ غور کریں کہ ہم جو شرک میں لگے ہوئے ہیں یہ عقل کی بھی خلاف ہے آپ نے ان سے فرمایا کہ اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! تم ہی بتاؤ کہ یہ جو تم

نے بہت سے معبود جدا جدا تجویز کر رکھے ہیں ان سب کی عبادت کرنا ٹھیک ہے یا صرف معبود حقیقی وحدہ لاشریک ہی کی عبادت میں مشغول رہنا ٹھیک ہے؟ ایک ایک کے سامنے ماتھا ٹیکے پھر سونے کے بت کو بھی سجدہ کرو اور چاندی کے بت کے سامنے بھی جھکو اور پیتل کے بت کے سامنے بھی ہاتھ باندھ کر عاجزانہ طور پر کھڑے ہو اور پتھر کے بت کے سامنے بھی ڈنڈوت کرو یہ کیا سمجھداری ہے؟ یہ نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں پھر ان کی عبادت سراپا بے وقوفی نہیں، تو کیا ہے صرف اللہ واحد قہار کی عبادت کرنا لازم ہے میں نے اپنی بات کہہ دی تم بھی سوچو اور غور کرو۔

مزید فرمایا کہ تمہارے جو معبود ہیں یہ صرف نام ہی نام ہیں ان کے پیچھے حقیقت کچھ نہیں ہے ان کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے تجویز کئے ہیں اور خود ہی ان کو معبود بنا لیا ہے انہیں تو تمہاری عبادت کی خبر تک نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور مالک ہے ہر فیصلہ وہی معتبر ہے جو اس کی طرف سے ہو اس نے تو ان چیزوں کے معبود ہونے کی دلیل نازل نہیں فرمائی یہ جو کچھ غیر اللہ کی عبادت ہے سب تمہاری اپنی تراشیدہ باتیں ہیں اور باطل تخیلات ہیں اللہ تعالیٰ کا تو یہ حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو یہ سیدھا راستہ ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے وہ اپنی جہالت سے شرک کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ

اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سولی پر چڑھایا جائے گا اور اس کے سر میں

رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝

سے پرندے کھائیں گے جس بات کے بارے میں تم معلوم کر رہے تھے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا دونوں قیدیوں کے خواب کی تعبیر دینا

توحید کی دعوت دے کر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر بتائی فرمایا کہ دیکھو تم میں سے ایک شخص اپنے آقا کو شراب پلائے گا (یہ وہی شخص تھا جو بادشاہ کا ساقی تھا جو پہلے بھی بادشاہ کو شراب پلایا کرتا تھا) اور اس کے علاوہ جو دوسرا آدمی ہے اس کو سولی دی جائے گی۔ یعنی سولی پر لٹکا کر قتل کیا جائے گا اور سولی سے اتارے جانے سے پہلے (جو وہ لٹکا رہے گا) اس کے سر میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھاتے رہیں گے۔ تم نے جو خواب دریافت کیا ان کی یہ تعبیر ہے اور جو میں نے تعبیر دی اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کی تعبیر دے دی تو وہ کہنے لگے کہ نہیں نہیں ہم نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ ہم تو یوں ہی دل لگی کے طور پر سوال لے کر آئے تھے اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ جس کے بارے میں تم سوال کر رہے تھے اب تو وہی فیصلہ ہوگا جو تعبیر کے ذریعہ بتایا جا چکا ہے۔ (روح المعانی ص ۲۴۲ ج ۱۲)

اس بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹا خواب بنا کر کسی تعبیر کے جاننے والے سے تعبیر لے گا تو تعبیر کے مطابق واقع ہو جائے گا اور جھوٹ بنانے کی اسے سزا مل جائے گی۔ (ابن کثیر ص ۴۸۹ ج ۲)

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ۪ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ

اور جن دو جوانوں نے خواب کی تعبیر دریافت کی تھی ان میں سے جس قیدی کے بارے میں یوسف نے گمان کیا کہ وہ رہا ہونے والا ہے اس سے کہا کہ تو اپنے آقا کے سامنے میرا تذکرہ کرنا پھر اس

فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿۴۲﴾

شخص کو شیطان نے اپنے آقا سے تذکرہ کرنا بھلا دیا سو یوسف جیل میں چند سال رہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا نجات پانے والے قیدی سے یہ فرمانا کہ تم اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا اور آپ کا مزید چند سال جیل میں رہنا

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں جوانوں کے خواب کی تعبیر دے دی جس میں ایک شخص کے سولی دیئے جانے اور ایک شخص کے جرم سے اور جیل سے خلاصی پا جانے کا ذکر تھا جس شخص کے بارے میں اپنی تعبیر کے مطابق انہیں یہ خیال ہوا کہ اسے نجات ہوگی اس سے فرمایا کہ رہائی پا کر جب تم اپنے آقا کے پاس جاؤ تو اس سے میرا تذکرہ کر دینا کہ جیل میں ایک ایسا شخص ہے۔

واقعہ مذکورہ میں قصوروار تو عزیز مصر کی بیوی تھی لیکن جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بند کر دیا گیا تھا جو بے قصور تھے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسے جزوی معاملات کی سربراہ مملکت یعنی بادشاہ کو بھی اطلاع ہو اور اگر اسے خبر بھی ہو تو یہ ضروری نہیں کہ جسے جیل میں ڈالا گیا ہے اس کے بے قصور ہونے کا علم بھی ہو اس لئے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے موقع مناسب جانا کہ بادشاہ کو اپنی شخصیت سے متعارف کرا دیں خواہ مخواہ جیل میں پڑا رہنا وہ بھی بغیر کسی قصور کے کوئی محبوب چیز نہیں ہے۔ تکوینی طور پر جو کوئی مصیبت آ جائے اس پر صبر کرنا چاہئے لیکن اس مصیبت سے نکلنے کی کوشش کی جائے یہ بھی کوئی گناہ کی بات نہیں ہے اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل کی مصیبت سے چھٹکارہ کا ایک ذریعہ ملا اسے استعمال فرما لیا یعنی جس شخص کے بارے میں یہ گمان ہوا کہ جیل سے رہائی پا کر اپنے آقا کی خدمت میں پھر لگا دیا جائے گا اس سے فرمایا کہ تو اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا کہ جیل میں ایک ایسا شخص ہے وہ شخص جیل سے رہا تو ہو گیا اور آقا کی خدمت میں بھی لگ گیا لیکن شیطان نے اسے بھلا دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے آقا سے ذکر کرے، لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام مزید جیل میں رہے قرآن مجید میں فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ فرمایا ہے کتنے سال جیل میں رہنا ہوا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ صاحب روح المعانی نے سات سال اور بارہ سال کے اقوال لکھے ہیں لفظ بضع تین سے لیکر نو تک کے عدد پر دلالت کرتا ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال قرآن کے بیان سے بہر حال یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ خوابوں کی تعبیر دینے سے نجات پانے والے قیدی سے اپنی بات کہہ دینے کے بعد بھی چند سال جیل میں رہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ

اور بادشاہ نے کہا کہ بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات گائیں موٹی ہیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات بالیں ہری ہیں اور انکے علاوہ خشک بالیں ہیں

یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ

اے درباریو مجھے میرے خواب کے بارے میں جواب دو اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو، وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو یوں ہی خیالی خواب ہیں، اور ہم خوابوں کی

بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ

تعبیر دینا جانتے نہیں ہیں اور وہ شخص بول اٹھا جو دو قیدیوں میں رہا ہوا تھا اور اسے ایک مدت کے بعد یاد آ گیا کہ میں تمہیں اس کی تعبیر سے باخبر کر دوں گا

فَاَرْسِلُوْنِ ۝ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

لہٰذا تم لوگ مجھے بھیج دو۔ اے یوسف اے سچے ہمیں ایسی سات موٹی گایوں کے بارے میں جواب دیجئے جنہیں سات دبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں

وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ قَالَ تَزْرَعُوْنَ

اور سات ہری بالوں اور سوکھے ہوئے بالوں کے بارے میں تاکہ میں ان لوگوں کی طرف واپس ہو جاؤں امید ہے کہ وہ بھی جان لیں گے یوسف نے کہا کہ سات سال

سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ

لگاتار متواتر کھیتی کرو گے پھر جو تم کھیتی کاٹ لو تو اسے اس کی بالوں میں چھوڑے رکھنا مگر تھوڑا سا جس میں سے تم کھاتے رہو، پھر اس کے بعد سخت سات سال

بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ

آئیں گے جو اس سب کو کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لئے پہلے جمع کر رکھا ہوگا بجز اس کے جو تم چھوڑ دو گے، پھر اس کے بعد

ع ۱۶ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝

ایک سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہوگی اور اس میں رس نچوڑیں گے۔

مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا تعبیر دینا

اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر کے مطابق جب حضرت یوسف علیہ السلام کے جیل سے رہا ہونے کا وقت آ گیا تو اس کا یہ بہانہ بنا کہ مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا یہ ایک عجیب خواب تھا اور وہ یہ کہ سات موٹی موٹی گائیں ہیں انہیں سات دبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں نیز سات ہری بالیں ہیں اور ان کے علاوہ سات ایسی بالیں جو خشک ہیں یہ خشک بالیں ہری بالوں پر لپٹ رہی ہیں ان کے لپٹنے سے وہ ہری بالیں بھی خشک ہو گئیں، بادشاہ نے اپنا خواب اپنے درباریوں سے بیان کیا اور ان سے کہا کہ میرے خواب کی تعبیر دو اگر تم تعبیر دینا جانتے ہو، وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے خیال میں تو یہ خواب تعبیر کے لائق ہی نہیں ہے ادھر ادھر کے خیالات ہیں جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے اور ہم تعبیر دینا جانتے بھی نہیں ہیں آپکے خیالات پریشانی کی وجہ سے ہیں کیوں پریشان ہوتے ہیں یہ باتیں اس شخص کے کان میں پڑ گئیں جو جیل سے رہا ہو کر دوبارہ بادشاہ کی خدمت میں لگا لیا گیا تھا وہ کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسا شخص معلوم ہے جو اس خواب کی صحیح تعبیر دے دے گا آپ لوگ مجھے بھیج دیں میں اس خواب کی تعبیر لے کر آتا ہوں حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں جو خواب کی تعبیر دی تھی اس نے سمجھ لیا کہ اس خواب کی تعبیر وہی صاحب دے سکتے ہیں جنہوں نے ہمارے خواب کی تعبیر دی تھی اس شخص کو لوگوں نے روانہ کر دیا جیل میں جا کر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی اور بادشاہ کا خواب بتایا تعبیر کی درخواست کی حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر دے دی وہ شخص واپس آیا اور درباریوں کو خواب کی تعبیر بتائی جس سے بادشاہ بہت متاثر ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو طلب

فرمالیا جس کا آئندہ آیات میں ذکر آرہا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو تعبیر دی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سات سال متواتر ایسے آئیں گے جن میں خوب پیداوار ہوگی اور پھر سات سال ایسے آئیں گے جن میں قحط ہوگا یہ قحط کے سات سال گزشتہ سالوں کی جمع شدہ پیداوار کو کھا جائیں گے سات موٹی گایوں اور سات ہری بالوں سے وہ سات سال مراد ہیں جو خوب ہرے بھرے ہوں گے اور خوب پیداوار کا زمانہ ہوگا اور سات دبلی گایوں سے اور سوکھی ہوئی سات بالوں سے قحط کے سات سال مراد ہیں ان سات سالوں میں گذشتہ سات سالوں کا جمع کیا ہوا ذخیرہ سب ختم ہو جائے گا تھوڑا سا جو اگلی پیداوار کی تخم ریزی کے لئے چھوڑے رکھو گے وہی بچ جائے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ صرف تعبیر دی بلکہ قحط کے سات سالوں کی معیشت پر قابو پانے کا طریقہ بھی بتادیا اور فرمایا کہ پہلے سات سالوں میں جو لوگ کر محنت اور کوشش کے ساتھ کھیتی کرو گے جب اس کھیتی کو کاٹو تو بس کھانے کی ضرورت بقدر ہی بالیوں میں سے دانے نکالنا باقی دانے بالوں میں ہی رہنے دینا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بالوں کے اندر جو غلہ رہتا ہے اسے گھن نہیں لگتا کیڑا نہیں کھاتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ قحط کے سات سال گزر جانے کے بعد ایک سال ایسا آئے جس میں خوب بارش ہوگی اور اس کی وجہ سے کھیتیاں بھی خوب ہوں گی اور باغوں میں بھی خوب پھل آئیں گے ان پھلوں میں انگور بھی ہوں گے جنہیں لوگ نچوڑ کر شراب بنا لیں گے بعض حضرات نے لفظ یَعْصِرُوْنَ کا معنی عام لیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ انگور ہی کو نہیں نچوڑیں گے بلکہ دوسری چیزوں کو بھی نچوڑیں گے مثلاً زیتون کا تیل اور تل کا تیل نکالیں گے وغیرہ ذالک، مطلب یہ ہے کہ پیداوار ہوگی بافراغت زندگی گزاریں گے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ

اور بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لے آؤ سو جب قاصد یوسف کے پاس پہنچا تو یوسف نے کہا کہ تو اپنے آقا کے پاس جا پھر اس سے دریافت کر کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں

قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۚ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ

نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، بے شک میرا رب ان کے فریب کو خوب جاننے والا ہے، اس نے کہا کہ اے عورتو تمہارا کیا واقعہ ہے جبکہ تم نے یوسف سے اپنی مطلب برآری کی خواہش کی تھی انہوں

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ

نے جواب میں کہا حاشا للہ ہم اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، ہمارے علم میں ایسی کوئی بات نہیں کہ ہم یوسف کی طرف کوئی بری بات منسوب کریں عزیز کی بیوی نے کہا اس وقت حق ظاہر ہو گیا میں نے اپنے مطلب

عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝

برآری کیلئے پھسلایا اور بے شک وہ سچے لوگوں میں سے ہے یہ اس لئے کہ وہ جان لے کہ میں نے اسکے پیچھے اسکی خیانت نہیں کی اور بلاشبہ اللہ خیانت کرنیوالوں کے فریب کو نہیں چلنے دیتا۔

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو طلب کرنا اور آپ علیہ السلام کا تحقیق حال کے بغیر جیل سے باہر آنے سے انکار فرمانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر دے دی اور جو شخص تعبیر پوچھنے کے لئے آیا تھا اس نے واپس جا کر تعبیر بتادی تو لوگوں کی سمجھ میں بات آگئی اور بادشاہ نے سمجھ لیا کہ واقعی یہ تعبیر بتانے والا کوئی صاحب علم ہے جو تعبیر خواب کے فن میں ماہر ہے اس نے

صرف تعبیر ہی نہیں دی بلکہ معیشت پر قابو پانے کا طریقہ بھی بتادیا کہ پہلے سات سال کی پیداوار کو محفوظ رکھنا اور دانوں کو بالوں کے اندر ہی رہنے دینا تا کہ اسے کیڑا نہ کھا جائے اس پر بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کا شوق ہوا اس نے آدمی بھیجا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بادشاہ کی خواہش کا اظہار کر دیا اور یوں کہا کہ بادشاہ نے آپ کو یاد کیا ہے اور طلب کیا ہے۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس وقت تک جیل سے نہ نکلوں گا جب تک یہ بات صاف نہ ہو جائے کہ مجھے جس واقعہ کی وجہ سے جیل میں ڈالا گیا ہے اس واقعہ میں کس کا قصور تھا قاصد سے کہا کہ تو واپس جا اور بادشاہ سے تحقیق کر کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے ان سے دریافت کرے کہ اس موقعہ پر اصل صورت حال کیا تھی ان کا قصور تھا یا میرا قصور تھا (عزیز مصر کی بیوی نے تو خواہش ظاہر کی ہی تھی دوسری عورتیں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھ کر ان پر ریجھ گئی تھیں) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تلقین کرنے لگی تھیں تو اپنی سردار کی بات مان لے، اور بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے ہر عورت حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف بلانے لگی اور دعوت دینے لگی (کذا فی روح المعانی ص ۳۳۵ ج ۱۲) جب حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ بات سن کر قاصد واپس آیا اور اس نے بادشاہ سے حضرت یوسف کی بات نقل کر دی تو اس نے عورتوں سے پوچھا کہ صحیح صورت حال بتاؤ وہ کیا واقعہ ہے جس میں تم یوسف کی طرف مائل ہو رہی تھیں اور انہیں پھسلا رہی تھیں؟ ان عورتوں نے جواب دیا ہم نے یوسف میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی جس کی وجہ سے ان کی طرف کوئی برائی منسوب کر سکیں، اگر ہم کوئی ایسی بات کہہ دیں جو حقیقت کے خلاف ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم اپنی بات کو سچا بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ یہ بات اللہ کے علم میں بھی ہے اللہ کا علم تو صحیح ہے ہم ایسی بات کہہ کر غلط بات اللہ کے علم کی طرف کیسے منسوب کریں؟ لفظ حَاشَ لِلّٰهِ میں اسی مضمون کو بتایا ہے، جب ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ظاہر کر دی تو عزیز مصر کی بیوی بول پڑی کہ اس وقت حق ظاہر ہو گیا یوسف بے قصور ہے میں قصوروار ہوں میں نے ہی اسے اپنی طرف بلایا اور پھسلایا تھا یوسف نے جو یہ کہا هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ (کہ اس عورت نے مجھے پھسلایا) اس میں وہ سچا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب اس بات کا علم ہو گیا کہ شاہی دربار میں میری برات اور عفت و عصمت عورتوں کے اپنے اقرار سے ثابت ہو چکی ہے تو فرمایا ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ کہ میں نے جو جیل سے نکلنے میں دیر لگائی اور صورت حال کی تحقیق کرنے کے لئے بادشاہ کو آمادہ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ عزیز مصر کو پتہ چل جائے کہ میں نے اس کے پیچھے اس کے گھر میں کوئی خیانت نہیں کی وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو نہیں چلنے دیتا (چنانچہ عزیز مصر کی بیوی نے جو خیانت کی تھی تحقیق کرنے پر خود اس کے اپنے اقرار سے اس کا خائن ہونا ثابت ہو گیا)۔

☆☆☆..... .....☆☆☆

(پارہ نمبر ۱۳)

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ۚ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتاتا، شک نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دیتا ہے۔ مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے بے شک میرا رب بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بھی بری نہیں بتاتا نفس انسانی کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ہر برائی کا حکم دیتا ہے، ہاں جس پر اللہ رحم فرمائے وہ نفس امارہ کے شر سے بچ سکتا ہے بلکہ اس کا نفس ہی برائی کا حکم نہیں دیتا (وھوشان الانبیاء علیہم السلام) میرا کمال نہیں اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اس نے مجھے بچالیا چونکہ اپنی تعریف اور اپنا تزکیہ اچھی بات نہیں ہے اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی برأت ظاہر ہونے کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں بتاتا، سورۂ نجم میں ارشاد ہے فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى اپنے نفسوں کی پاک بازی بیان نہ کرو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس نے تقویٰ اختیار کیا ہے۔

فائدہ جب بادشاہ کا قاصد آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے نکلنے میں جلدی نہیں کی بلکہ اس واقعہ کی تحقیق کرنے کی فرمائش کی جو عزیز مصر کے گھر میں پیش آیا تھا اور اس کی بیوی نے اپنی خطا کو حضرت یوسف علیہ السلام کے سر منڈھنے کی کوشش کی تھی، اس میں دو حکمتیں تھیں اول تو یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام تبلیغ واصلاح کا تھا جس شخص پر تہمت لگائی گئی ہو جب تک وہ صاف نہ ہو جائے اور تہمت کا جھوٹا ہونا ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک لوگوں میں تبلیغ مؤثر نہیں ہو سکتی لوگ کہیں گے کہ واہ میاں تم ہمیں تبلیغ کرتے ہو اور تمہارا اپنا یہ حال ہے۔

یوں تو ہر مسلمان کو اپنی ذات کو گناہوں سے اور شکوک وشبہات سے دور رکھنا اور مواضع تہمت سے بچ کر رہنا چاہئے اور اگر کوئی تہمت لگ جائے تو جہاں تک ممکن ہو اپنی صفائی کی کوشش کی جائے کیونکہ مطعون اور متہم ہو کر رہنا کوئی کمال کی چیز نہیں ہے اور نہ کوئی محمود چیز ہے خاص کر جو لوگ دین داری میں مشہور ہیں اور بالخصوص وہ لوگ جو دعوت کا کام کرتے ہیں تعلیم وتبلیغ کے ذریعے لوگوں کو خیر کی طرف بلاتے ہیں انہیں اپنی پوزیشن صاف رکھنی چاہئے اگر کوئی شخص تہمت لگادے تو اس کی تردید کرے اور ایسی تدبیر کرے کہ لوگوں کے سامنے اس کی ذات مطعون اور متہم نہ بنی رہے بہت سے لوگوں کو اس طرف توجہ نہیں رہتی وہ کہتے ہیں کہ اجی لوگوں کے کہنے سے کیا ہوتا ہے جھوٹا اپنے جھوٹ کی سزا پالے گا ہمیں تردید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے کیونکہ اول تو عوام الناس کی خیر خواہی کے جذبہ کے خلاف ہے لوگوں کو غیبت اور تہمت میں مبتلا رکھنا یہ کوئی اچھی بات نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ مطعون اور متہم ہوتے ہوئے لوگوں کے پاس دینی بات لے کر جائیں گے تو وہ اثر نہ لیں گے اپنا فائدہ بھی اسی میں ہے کہ اپنی حیثیت کو صاف ستھری رکھیں اور دوسروں کا بھی فائدہ اسی میں ہے تاکہ وہ غیبت سے محفوظ ہو جائیں اور انہیں داعی کی طرف سے جو بات پہنچے اسے قبول کرنے میں پس وپیش نہ کریں حضرات معلمین مصلحین مرشدین مبلغین کو اس طرف زیادہ توجہ کرنی چاہئے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اندازہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور بڑا مرتبہ عطا فرمائے گا خواب میں گیارہ ستاروں اور

چاند سورج کا ان کو سجدہ کرنا اور بھائیوں نے جب انہیں کنویں میں ڈال دیا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر وحی کا آنا کہ یہ بات تم انہیں بتاؤ گے اس سے ظاہر تھا کہ انہیں دنیا میں بھی کوئی بڑا اعزاز ملے گا لیکن ساتھ ہی ان پر تہمت بھی لگ گئی تھی۔ انہوں نے مناسب جانا کہ میری حیثیت کو جو اجنبی کا بنا دیا گیا ہے وہ اجنبیت دور ہو جائے بادشاہ جو بلا رہا ہے یا اعزاز ملنے کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے لہٰذا جب موقعہ مل رہا ہے تو اپنی حیثیت واضح کر دینی چاہئے تاکہ عہدہ ملنے کے بعد جن لوگوں کو واسطہ پڑے ان کے دلوں میں یہ تہمت نہ رہے کہ چھپا ہوا کون شخص ہے جس کے بارے میں ایسا ایسا مشہور تھا جب کسی عہدہ والے کے بارے میں عوام میں اس طرح کی بات پھیلی ہوئی ہو تو صاحب عہدہ کے دل میں بھی تکدر رہتا ہے اور مفوضہ کام کرنے میں بشاشت نہیں ہوتی۔

یہاں ایک حدیث کا مضمون بھی سامنے رکھنا چاہئے حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں جیل میں اتنی مدت رہتا جتنی مدت یوسف جیل میں رہے پھر میرے پاس قاصد آتا تو میں اس کی بات مان لیتا (یعنی اس وقت جیل سے نکل کر اس کے ساتھ چلا جاتا) (رواہ البخاری ج ۱ ص ۴۷۸)

رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیوں فرمایا؟ اس کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ جیل اخراج ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ فضیلت جزئی ہے۔ حاشیہ بخاری (ج ۱ ص ۹۷۸) میں شاہ اسحٰق صاحب سے نقل کیا ہے کہ آپ نے تبلیغ کے شوق شدید میں ایسا فرمایا یعنی آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں جیل سے جلدی نکل کر دعوت حق کی دعوت میں اور احکام الٰہی کے پہنچانے میں لگ جاتا اور آگے پیچھے کچھ نہ دیکھتا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ

اور بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لاؤ میں اسے اپنے خاص کام کے لئے لے لوں گا پھر جب اس سے بات کی تو کہا بے شک آج تم ہمارے پاس باعزت

اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ

معتمد ہو گے (یوسف نے) کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے میں حفاظت کرنے والا ہوں جاننے والا ہوں اور ہم نے اسی طرح یوسف کو

فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

زمین میں بااختیار بنا دیا اس میں جہاں چاہے رہے ہم اپنی رحمت پہنچاتے ہیں جسے چاہتے ہیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور آخرت کا ثواب ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے۔

بادشاہ کا آپ کو دوبارہ طلب کرنا اور معاملہ کی صفائی کے بعد آپ کا بادشاہ کے پاس پہنچنا اور زمین کے خزانوں کا ذمہ دار بننا

مصر کے بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر سنتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس بلانے کی فرمائش کر دی تھی اور اس مقصد کے لئے قاصد کو ان کے پاس جیل میں بھیج دیا تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک جیل سے نکلنا گوارا نہ فرمایا جب تک عزیز کی بیوی کی

لگائی ہوئی تہمت سے برأت نہ ہو جائے اسی لئے قاصد سے فرمایا کہ جاؤ اپنے آقا سے کہو کہ معاملہ کی تحقیق کرے اور عورتوں سے پوچھے کہ صحیح صورت حال کیا ہے؟ بادشاہ نے عورتوں سے پوچھا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ظاہر کر دی عزیز کی بیوی بھی اقرار کی ہو گئی کہ میرا قصور تھا یوسف کا قصور نہیں تھا۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں رہنے کی کوئی وجہ نہ تھی، لہٰذا جب بادشاہ نے دوبارہ قاصد بھیجا تو اس کے ساتھ تشریف لے آئے بادشاہ نے اول تو خواب کی تعبیر مل جانے کی وجہ سے اور پھر تعبیر میں معیشت کے انتظام کی طرف جو اشارہ فرمایا تھا اس کے جان لینے سے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اس حوصلے سے کہ میں بات کی صفائی ہونے تک جیل سے نہیں جاؤں گا یہ سمجھ لیا کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم بھی ہے تعبیر خواب میں ماہر بھی ہے اور متقی اور صالح بھی ہے اور ہمت اور حوصلے والا بھی ہے لہٰذا اسے اپنے پاس بلانا چاہئے اور اپنے مشوروں اور انتظامی امور میں اس کو خاص درجہ دینا چاہئے، اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لے کر آؤ میں اسے خالص اپنے ہی لئے مقرر کرلوں گا جب حضرت یوسف علیہ السلام تشریف لائے اور بادشاہ مصر سے ملاقات ہوئی تو آپس میں گفتگو ہونے لگے اس گفتگو سے بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اور زیادہ قیمت و وقعت بڑھ گئی اسے جو اپنے خواب کی تعبیر پہنچی تھی اس میں یہ بتایا تھا کہ اول کے سات سال سرسبزی اور شادابی کے ہوں گے اور اس کے بعد والے سات سال ایسے ہوں گے جن میں قحط پڑے گا اس کے لئے بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے مشورہ کیا آپ نے فرمایا اول کے سات سالوں میں خوب زیادہ کاشت کرانے اور غلہ اگانے کی طرف توجہ دی جائے اور جو پیداوار ہو اس میں سے بقدر ضرورت ہی کھائیں پئیں اور جو باقی بچے اسے محفوظ رکھیں اور یہ پہلے بتا چکے تھے کہ غلے کو بالوں سے نہ نکالیں اسے انہیں میں رہنے دیں اور اسی طرح اس کو ذخیرہ بنایا جائے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ یہ قحط صرف تمہارے ہی ملک میں نہیں آس پاس کے دیگر ملکوں میں بھی ہوگا وہاں کے حاجت مند غلہ لینے کے لئے آپ کے پاس آئیں گے ذخیرہ شدہ غلہ سے ان کی مدد بھی کریں اور تھوڑی بہت قیمت بھی ان سے وصول کریں اس طرح سے سرکاری خزانہ میں بھی مال جمع ہو جائے گا اور لوگوں کی مدد بھی ہو جائے گی۔ شاہ مصر اس مشورہ سے بہت خوش اور مطمئن ہوا لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوال کیا کہ اس منصوبہ پر کیسے عمل ہوگا اور کون اس کے مطابق عمل کر سکے گا؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ بلاشبہ میں حفاظت کرنے والا ہوں جاننے والا ہوں، چونکہ مالیات کا انتظام کرنے میں ایسی بیدار مغزی کی ضرورت ہے جس سے مال کی حفاظت ہو سکے چور بھی نہ لے سکیں اور نیچے کے لوگ بھی بیجا نہ اڑا سکیں اور بے وقت بے محل اور بے ضرورت بھی خرچ نہ کیا جائے اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں حفاظت کرنے والا ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں علیم ہوں یعنی حفاظت کے طریقے بھی جانتا ہوں خرچ کرنے کے مواقع سے بھی باخبر ہوں حساب کتاب سے بھی واقف ہوں وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں (یعنی سرزمین مصر میں) بااختیار بنا دیا يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ (وہ اس میں جہاں چاہے اپنا ٹھکانہ بنا سکتا ہے) نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ (ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیں) اللہ تعالیٰ کی رحمت جسے شامل حال ہو جائے وہ کیسی ہی مصیبت میں ہو مصیبت سے نکل کر اچھے رتبہ پر پہنچ جاتا ہے جب اللہ کی طرف سے کسی کے بلند کرنے کا فیصلہ ہو تو کوئی چیز اسے آڑے نہیں آسکتی اور مانع نہیں بن سکتی وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (اور ہم اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے) محسنین کو دنیا میں بھی نوازتے ہیں اور آخرت میں بھی وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (اور البتہ آخرت کا ثواب ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے) اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ محسنین کو جو کچھ انعام عطا فرما دے بلاشبہ وہ اپنی جگہ انعام ہے لیکن آخرت کا ثواب اہل ایمان اور اہل تقویٰ کے لئے بہتر ہے، اسی کا طالب رہنا چاہئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام منتظم مالیات اور منتظم معاشیات تو بنا ہی دیئے گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید کے سیاق سے معلوم ہوا مفسرین نے لکھا ہے کہ دیگر امور سلطنت بھی بادشاہ نے ان کے سپرد کر دیئے تھے اور خود گوشہ نشین ہو گیا تھا۔

یہاں مفسرین کرام نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اصولی بات یہ ہے کہ خود سے عہدہ کا طالب نہ ہونا چاہئے اور جو شخص عہدہ کا طالب ہو اسے عہدہ نہ دیا جائے احادیث شریفہ میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امیر بننے کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر تیرے سوال کرنے پر امارت تیرے سپرد کر دی گئی تو تو اس کے سپرد کر دیا جائے گا (یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو جانے اور وہ جانے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیری مدد نہ ہوگی) اور اگر تجھے بغیر سوال کے امارت دے دی گئی تو اس پر تیری مدد کی جائے گی۔ (رواہ البخاری)

اور ایک حدیث میں ہے (جس کے راوی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں) کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا انا و اللہ لا نولی علی ھٰذا العمل احدا سالہ و لا احدا حرص علیہ (اللہ کی قسم ہم اپنے کام پر ایسے شخص کو نہیں لگاتے جو اس کا سوال کرے یا اس کی حرص کرے (رواہ البخاری) جب مسئلہ اس طرح سے ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے لئے عہدہ کا مطالبہ کیوں فرمایا؟ حضرات علمائے کرام نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عامۃ الناس کی خیر خواہی کے لئے عہدہ کا سوال کیا انہیں معلوم تھا کہ سات سال تک ایک زبردست قحط آنے والا ہے جب عام قحط پڑتا ہے تو لوگوں کی بری حالت ہوتی ہے ایک دوسرے پر رحم نہیں کھاتے اپنے بچوں تک کو بیچ کر کھا جاتے ہیں، بادشاہ کافر ہے اس کا عملہ بھی کافر ہے قحط کا سامنا ہے اس میں بڑے انتظام کی ضرورت ہے کافروں سے امید نہیں جو غریبوں پر رحم کھائیں اور کوئی ایسا شخص سامنے نہیں جو معیشت کا انتظام سنبھال سکے۔ لہٰذا انہوں نے اس خدمت کے لئے اپنی ذات کو پیش کر دیا یہ تو ٹھیک ہے کہ عام حالات میں خود سے عہدہ طلب نہ کیا جائے اور جو عہدہ طلب کرے اسے نہ دیا جائے لیکن جہاں کہیں ایسی صورت پیش آجائے کہ مبتلیٰ بہ محسوس کرے کہ میرے علاوہ فرائض کو پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے اور اللہ کے دیئے ہوئے علم کے ذریعہ میں اس کام کو انجام دیتا رہوں گا۔ تو ایسے شخص کے لئے نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ عہدہ کی ذمہ داری خود سنبھال لے اور آگے بڑھ کر لے لے، حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے علم دیا تھا اور انتظام کے لئے جس ہوشمندی کی ضرورت ہے وہ بدرجہ اتم موجود تھی اور ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے نبی بھی تھے جس سے انہیں ہر وقت اللہ کی مدد کی امید تھی اور عہدہ پر فائز ہو کر توحید کی اشاعت اور تبلیغ حق کا راستہ کھلنے کا بھی بہت اچھا موقعہ تھا اس لئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ عہدہ قبول فرما لیا بلکہ خود سے اس کا بار اٹھانے کی پیش کش کر دی اور بادشاہ کو مطمئن کرنے کے لئے اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ بھی فرما دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اپنا علم و فضل کسی ضرورت سے ظاہر کیا جائے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں حظ نفس نہ ہو اور تزکیہ نفس مقصود ہو۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کافر کی طرف سے عہدہ قبول کرنا اور کافر کی حکومت کا جزو بننا حضرت یوسف نے کیسے گوارا فرمایا جبکہ کافر حکومت کا رکن بننے میں قوانین کفریہ کو برداشت کرنا بلکہ ان کو نافذ کرنا پڑتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ذمہ ولایت کا انتظام لیا تھا اور انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ اپنی صوابدید کے مطابق انتظام کریں اور غلہ تقسیم کریں اپنے متعلقہ عہدے میں خود مختار ہونے کی صورت میں قوانین کفریہ اور مظالم سلطانیہ کے نافذ کرنے کے لئے مجبور نہ ہو اپنا مفوضہ کام انجام دیتا رہے ایسی صورت میں کافروں کی طرف سے عہدہ قبول کرنے میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ قال صاحب الروح (ج ۱۳ ص ۵) وفیہ دلیل علی جواز مدح الانسان نفسہ بالحق اذا جھل امرہ و جواز طلب الولایۃ اذا کان الطالب ممن یقدر علی اقامۃ العدل و اجراء احکام

الشریعۃ وان کان من یدالحائر والکافر وربما یجب علیہ الطلب اذا توقف علی ولا ینہ اقامۃ واجب مثلاً و کان متعینا لذلک (یعنی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر لوگ کسی آدمی کی خوبیوں سے واقف ہوں تو اس کے لیے اپنی مدح کرنا اور لوگوں کے سامنے اپنی خوبیوں کا اظہار کرنا جائز ہے اور یہ کہ اگر کوئی شخص عدل سے قیام اور احکام شرعیہ کے نفاذ پر قادر ہو تو اس کے لیے عہدہ طلب کرنا جائز ہے خواہ عامل کی طرف سے طلب کرنا پڑے۔ بعد میں شخص اوقات تو عہدہ طلب کرنا اور اس کا سوال کرنا واجب ہو جاتا ہے جیسے کہ مثلاً کسی واجب کا قیام اس شخص اس کو عہدہ دینے پر موقوف ہو اور وہ سمجھتا ہو کہ میرے علاوہ کوئی اس فرض کو پورا نہ کر سکے گا تو ایسی صورت میں اس کے لیے عہدہ طلب کرنا واجب ہے) وقال السفی فی المدارک (ج ۲ ص ۲۲) وانما قال ذلک لیتوصل الی اقامۃ احکام اللہ واقامۃ الحق وبسط العدل وتمکن مما لا حلہ بعث الانبیاء الی العباد ولعلمہ ان احدا غیرہ لا یقوم مقامہ فی ذلک فطلبہ ابتغاء وجہ اللہ لا لحب الملک والدنیا قالوا وفیہ دلیل علی انہ یجوز ان یتولی الانسان عمالۃ من ید سلطان جائر وقد کان السلف یتولون القضاء من جہۃ الظمۃ وقل کان الملک یصدر عن رایہ ولا یعترض علیہ فی کل ما رای وکان فی حکم التابع لہ (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے عہدے کی طلب اس لئے کی تاکہ وہ ملک میں احکام الٰہیہ کا جاری کریں حدود قائم کریں عدل پھیلائیں اور ان مقاصد عظیمہ کی تکمیل کریں جن کے لیے انبیاء کرام مبعوث کیے جاتے ہیں۔ نیز وہ جانتے تھے کہ ان کے علاوہ کوئی شخص ان فرائض کو پورا نہ کر سکے گا اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے عہدہ طلب کیا۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ظالم بادشاہ کا کام بھی جائز ہے اور اس کے تحت کام کرنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ سلف صالحین ظالم بادشاہوں کی طرف سے عہدہ قضا قبول کرتے رہے ہیں۔ کبھی ایسا بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کی رائے کے مطابق فیصلہ کرتا تھا اور وہ ان کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتا تھا۔ وہ بادشاہ کا تابع تھے۔)

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ

بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا

خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۝ قَالُوْا

سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ

يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

ان کے جب ہمیں کلہ دینے کی ممانعت کر دی گئی ہے سو آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ لیں اور بلاشبہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

ان سے انہوں نے کہا کیا میں اس پر تمہارا اعتبار کروں مگر جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی پر تمہارا اعتبار کر چکا ہوں سو اللہ سب سے بہتر نگہبان ہے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

برادران یوسف کا غلہ لینے کے لئے مصر آنا اور سامان دے کر آپ کا یہ فرمانا کہ آئندہ اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا اور ان کی پونجی ان کے کجاووں میں رکھوا دینا

سرسبزی و شادابی کے سات سال گزرنے کے بعد قحط آگیا یہ قحط صرف مصر ہی میں نہ تھا آس پاس کے علاقوں میں بھی تھا ملک شام بھی مصر کے ساتھ ملتا ہے یہاں بھی قحط تھا اور غلے کی ضرورت تھی حضرت یوسف علیہ السلام کے والد اور بھائی سرزمین فلسطین میں رہتے تھے جو شام کا ایک حصہ ہے ان لوگوں کو بھی علم ہوا کہ مصر میں غلہ ملتا ہے اور حکومت کی طرف سے دیا جا رہا ہے لیکن حکومت کا یہ دینا مفت میں نہیں ہے غلہ حاصل کرنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی مصر کے لئے روانہ ہو گئے ساتھ ہی مال بھی لیا تاکہ اس کے ذریعہ غلہ حاصل کر سکیں وہ زمانہ اونٹوں پر سوار ہو کر سفر کرنے کا تھا یہ لوگ سفر کر کے مصر پہنچے پتہ چلایا کہ غلہ کہاں ملتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام غلہ تقسیم کرنے کے ذمہ دار تھے یہ لوگ غلہ حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں پہنچ گئے جہاں وہ اندر کے کمرہ میں تشریف رکھتے تھے حکمرانوں کے جو افسر اعلیٰ ہوتے ہیں وہ خود تو اشیاء و اجناس اپنے ہاتھ سے تقسیم نہیں کرتے ان کے کارندے ہی تقسیم کرتے ہیں لیکن منظوری افسر اعلیٰ ہی سے لی جاتی ہے کہ کس کو مال دیا جائے اور کس قدر دیا جائے اس لئے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جانا پڑا، جب ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ تو میرے بھائی ہیں یہ دس بھائی تھے جو پہلی والدہ سے تھے (حضرت یوسف علیہ السلام کا حقیقی بھائی بنیامین نامی ان کے ساتھ نہیں تھا) بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچانا انہیں اس کا گمان بھی نہ تھا کہ جسے ہم نے کنعان کے جنگل میں مصر کے قافلے کے کسی شخص کے ہاتھ بیچ دیا تھا وہ آج اتنے بڑے عہدہ پر ہوگا حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی تدبیر سے ان سے یہ کہلوا لیا کہ ہمارا ایک بھائی اور ہے جسے ہم اپنے والد کے پاس چھوڑ آئے اور بعض حضرات نے یوں لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے فی آدمی ایک ایک اونٹ غلہ بھر کر ان سب کو دے دیا تو انہوں نے کہا ہمارا ایک علاتی (باپ شریک) بھائی ہے اس کو ہمارے والد نے اس وجہ سے پاس رکھ لیا اور ہمارے ساتھ نہیں بھیجا کہ ان کا ایک بیٹا گم ہو گیا تھا اس سے ان کی وابستگی ہوتی ہے اور تسلی ہوتی ہے اس نے اس کا حصہ بھی دے دیا جائے یعنی ایک اونٹ کا غلہ زیادہ مل جائے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ تو ہمارے قانون کے خلاف ہے جو شخص حاضر ہوتا ہے ہم اسی کو دیتے ہیں۔

برادران یوسف جب غلہ حاصل کر کے اپنے وطن کو واپس ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اب آؤ ہو تو اپنے علاتی بھائی کو بھی لے آؤ دیکھو میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی بھی کرتا ہوں تمہارا بھائی آئے گا تو ان شاء اللہ اس کو بھی

پوار حصہ دوں گا اور ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ اگر تم اسے نہ لائے تو میرے پاس تمہارے نام کا کوئی غلہ نہیں اور تم میرے پاس بھی نہ پھٹکنا، قحط کا زمانہ تو تھا ہی فی اونٹ جو غلہ ملتا تھا اس کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ کتنے دن کام دے سکتا ہے دوبارہ آنے کی بہر حال ضرورت پڑے گی اس لئے انہوں نے کہا کہ ہم اس کے والد سے عرض معروض کریں گے اور انہیں راضی کریں گے اپنے بیٹے کو ہمارے ساتھ بھیج دیں اور یہ کام ہمیں ضرور کرنا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے کارندوں سے فرمایا کہ یہ لوگ جو پونجی لے کر آئے ہیں جس کے ذریعے غلہ خریدا ہے ان کی اطلاع کے بغیر ان کے کجاووں میں رکھ دیں امید ہے کہ جب یہ لوگ اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچیں گے اور سامان کھولیں گے تو یہ انہیں نظر آجائے گا اور اسے پہچان لیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم نے غلے کی قیمت میں دے کر آئے ہیں جب اس پونجی کو دیکھیں گے تو امید ہے کہ پھر آئیں گے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تدبیر اس لئے کی کہ وہ کسی طرح پھر واپس آئیں اور اپنے بھائی کو بھی لے کر آئیں اول تو ان سے آنے کا وعدہ لیا کہ جس بھائی کو چھوڑ کر آئے ہو اسے آئندہ سفر میں لے کر آنا اور دوسرے یہ وعید بھی سنادی کہ اگر تم اس بھائی کو نہ لائے تو تم میں سے کسی کو اپنا حصہ نہ ملے گا تیسرے یہ کہ جو پونجی انہوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر پیش کی تھی وہ انہیں کے سامان میں رکھوادی علمائے تفسیر نے فرمایا کہ یہ انہوں نے اس لئے کیا کہ انہیں اس کا یقین نہ تھا کہ ان کے پاس اس پونجی کے علاوہ مزید مال بھی ہوگا ممکن ہے مزید مال نہ ہو اگر یہ مال واپس چلا جائے گا تو اسی کو لے کر دوبارہ واپس آسکیں گے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب انہیں یہ خیال ہوگا کہ جس شخص نے ہمیں غلہ دیا اور پونجی بھی واپس کردی وہ کریم النفس ہے محسن ہے ایسے شخص کے پاس تو پھر جانا چاہئے، اور بعض حضرات نے ایک نکتہ اور نکالا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت والد صاحب کو یہ معلوم ہوگا کہ ہماری پونجی واپس آگئی ہے جو مصری خزانے میں داخل ہونی چاہئے تھی اور اغلب ہے کہ بھول کر آگئی ہو لہٰذا حق بہ حق دار رسید کے تقاضے کے مطابق وہیں پہنچانی چاہئے جہاں سے واپس آئی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ کہاں برداشت ہوسکتا تھا کہ کسی کا حق ان کی طرف رہ جائے؟ لہٰذا وہ اپنے بیٹوں کو دوبارہ ضرور بھیجیں گے اور اس طرح سے اپنے حقیقی بھائی بنیامین سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے جب بادشاہ کو یوسف علیہ السلام نے خود ہی مشورہ دیا تھا کہ قحط کے زمانے میں غلہ قیمتاً دیا جائے گا اور اس میں کوئی استثناء نہیں تھا تو پھر انہوں نے اپنے بھائیوں کو پونجی کیسے واپس کردی؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اتنی پونجی انہوں نے اپنے پاس سے شاہی خزانے میں جمع فرمادی، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ انہیں چونکہ اس بات کا یقین تھا کہ والد ماجد اس پونجی کو ضرور واپس بھجوادیں گے اس لئے ایک اعتبار سے ادھار دینا ہوا بالکل ہی بخش دینا نہ ہوا، بہر حال جو بھی صورت ہو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پاک تھے معصوم تھے خیانت سے دور تھے انہوں نے جو بھی کیا ٹھیک کیا ہم تک ہر بات کا پہنچنا ضروری نہیں۔

یہ لوگ غلہ لیکر واپس اپنے وطن پہنچ گئے اور اپنے والد سے کہا کہ ابا جی اس مرتبہ تو غلہ لے آئے ہیں لیکن جو شخص غلہ دینے کا مختار ہے اس نے ہمیں غلہ دینے کی پابندی لگادی ہے اور بندش کردی ہے ہاں صرف ایک صورت میں غلہ دینے کا وعدہ کیا ہے کہ ہمارا یہ بھائی بھی ہمارے ساتھ جائے لہٰذا آپ ہمارے اس بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ لاسکیں اس کے حصے کا تو غلہ ملے ہی گا ہمارے حصہ پر جو پابندی لگادی گئی ہے وہ بھی دور ہو جائے گی یہ بات ضرور ہے کہ آپ کو ہماری طرف سے اس کے بارے میں کوئی اندیشہ ہوسکتا ہے لیکن آپ بھروسہ رکھیں ہم اس کی حفاظت کریں گے، ان کے والد نے فرمایا کیا میں اس کے بارے میں تم پر ایسا ہی بھروسہ کروں جیسے کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر بھروسہ کیا تھا؟ میں تم پر بھروسہ نہیں کروں گا، اب تو بس یہی کہتا ہوں کہ اللہ سب

سے بہتر حفاظت فرمانے والا ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے تمہارے اوپر میں بھروسہ نہیں کرتا اب جاؤ تو اسے لے جانا میں اسے اللہ کی حفاظت میں دیتا ہوں۔ قال صاحب الروح استفهام انكاری الا كما امنتكم ای الا ائتما نا مثل ائتمانی ایاكم علی اخیه یوسف من قبل و قد قلتم ایضا فی حقه ما قلتم ثم فعلتم به ما فعلتم فلاائق بكم ولا بحفظكم وانما افوض امری الی اللہ (ص ۱۱ ج ۱۳) قلت و باعتبار ان لفظه هل جاء ت للا ستفهام الانكاری الذی یدل علی النفی جیئی بحرف الاستثناء ای لاامنكم علیه الا كما امنتكم علی اخیه من قبل و ذلک لم ینفعنی فكذلک لا ینفعنی الان و قدتر جمنا الاية با لحاصل فافهم۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا

اور جب انہوں نے سامان کو کھولا تو انہوں نے اپنی پونجی کو پایا کہ ان کی طرف واپس کر دی گئی ہے کہنے لگے کہ باجی! اور ہمیں کیا چاہیے یہ ہماری پونجی ہے ہماری

رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ

طرف لوٹا دی گئی ہے اور ہم اپنے گھر والوں کیلئے (غلہ) لائیں گے اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ لے آئیں گے، یہ غلہ تھوڑا سا ہے، انہوں نے کہا

لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ

کہ میں ہرگز اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم مجھے اللہ کی طرف سے مضبوط عہد نہ دے دو کہ تم اسے ضرور لے کر آؤ گے مگر یہ کہ تم کو گھیر لیا جائے

فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝

سو جب انہوں نے اپنے والد کو اپنا عہد دے دیا تو والد نے کہا کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے۔

برادرانِ یوسف کا اپنی پونجی کو سامان میں پا کر اپنے والد سے دوبارہ مصر کی درخواست کرنا اور چھوٹے بھائی کی حفاظت کا وعدہ کرنا

باپ بیٹوں کی باتیں ہو رہی تھیں کہ مصر میں غلہ لینے گئے تو وہاں سے غلہ تو لے آئے لیکن جو صاحب غلہ تقسیم کرتے ہیں انہوں نے آئندہ کیلئے یہ شرط لگا دی ہے کہ اپنے بھائی کو بھی لاؤ گے تو غلہ ملے گا ورنہ نہیں پھر جب سامان کی طرف متوجہ ہوئے سامان کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ جو پونجی وہاں غلہ کے عوض دی تھی وہ تو اپنے ہی سامان میں موجود ہے پونجی کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ابا جان ہمیں اور کیا چاہئے ہم غلہ بھی لے آئے اور پونجی بھی واپس مل گئی ایسے کریم اور محسن آدمی کی طرف پھر جانا چاہئے لیکن شرط کے خلاف جانا بے فائدہ ہوگا لہٰذا بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ اس مرتبہ بھی جائیں اور غلہ لائیں اور جب بھائی کو ساتھ لے جانا ضروری ہے تو ہم بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک فرد زیادہ ہونے کی وجہ سے مزید ایک اونٹ کا بوجھ بھی لے آئیں گے کیونکہ بنیامین کے حصے کا بھی غلے ملے گا جو غلہ اب لائے ہیں یہ تو تھوڑا سا ہے یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا لامحالہ دوبارہ جانا ہی پڑے گا ان کے والد نے کہا کہ یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن تمہارا بھروسہ کیا ہے تم اس کی حفاظت کا وعدہ تو کر رہے ہو لیکن میں اسے جب ہی تمہارے حوالہ کروں گا جبکہ اللہ کا نام لے کر خوب مضبوط عہد کرو یعنی قسم کھاؤ کہ اسے ضرور لاؤ گے اس پر انہوں نے قسم کھالی لہٰذا یعقوب علیہ السلام بنیامین کو بھیجنے پر راضی ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتوں

پر نگہبان ہے وہ ہماری ان باتوں پر گواہ ہے لیکن ساتھ ہی اَلَّآ اَنْ یُّحَاطَ بِکُمْ بھی کہہ دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے تو بھائی کی خوب حفاظت کرنا اور حفاظت میں کمی نہ کرنا لیکن اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ تم سب گھیرے میں آ جاؤ (تم سب ہی ہلاک ہو جاؤ یا اس کی حفاظت سے واقعۃً عاجز ہو جاؤ تو اس پر میں کیا مؤاخذہ کر سکوں گا معذوری اور مجبوری پر تو مواخذہ نہیں ہو سکتا) اس میں یہ بات بتا دی کہ مجبوری کی حالت مؤاخذہ سے مستثنیٰ ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے یہ فرما دیا تھا کہ اب تم پر بھروسہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے یوسف کے بارے میں تم پر بھروسہ کیا تھا اس بھروسہ کا انجام تو یہ ہوا کہ یوسف سے جدائی ہو گئی لیکن اب یوسف کے بھائی کو لے جانے کی ضرورت پڑی تو تمہارے وعدہ کا بھروسہ نہیں کروں گا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت میں دوں گا پھر جب سامان سے پونجی نکل آئی اور دوبارہ غلہ لانے کے لئے مصر جانا مشورہ سے طے ہو گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کو قسم دو کہ اس کی حفاظت کرو گے، اس سے معلوم ہوا کہ بھروسہ صاف اللہ ہی پر تھا اور اللہ تعالیٰ ہی سے حفاظت کی امید تھی محض اسباب ظاہرہ کے طور پر بھائیوں سے بھی حفاظت کی قسم لے لی معلوم ہوا کہ اسباب ظاہرہ اختیار کرنا توکل علی اللہ کے منافی نہیں ہے۔

وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ

اور یعقوب نے کہا کہ اے میرے بیٹو تم سب ایک ہی دروازے سے داخل مت ہونا اور مختلف دروازوں سے داخل ہونا اور میں اللہ سے تم

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَلَمَّا

کو نہیں بچا سکتا، حکم صرف اللہ ہی کا ہے، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور چاہئے کہ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کریں اور جب وہ

دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً

طرح داخل ہوئے جیسے ان سے والد نے حکم دیا تھا تو اللہ کے حکم سے ذرا بھی انہیں وہ چیز بچا نہیں سکتی تھی مگر یعقوب کے دل

فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ ع

میں یہ حاجت تھی جسے اس نے پورا کر لیا اور بلاشبہ وہ علم والے تھے اس وجہ سے کہ ہم نے انہیں سکھایا تھا اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کو وصیت فرمانا کہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا اور یہ کہنا کہ میں نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی دوبارہ مصر کے لئے روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گئے اپنے سوتیلے بھائی کو بھی ساتھ لے لیا چلنے لگے تو ان کے والد نے کہا کہ اے بیٹو! تم سب ایک دروازے سے داخل مت ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا مفسرین نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ وصیت اس لئے فرمائی کہ یہ لوگ خوبصورت تھے ان کو نظر لگ جانے کا خطرہ تھا نیز ایک ہی باپ کے گیارہ بیٹے بحیثیت ایک جماعت کے کسی جگہ پہنچیں تو اس میں حسد کا بھی اندیشہ تھا اس لئے انہوں نے متفرق دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت اور وصیت فرمائی نظر کا لگ جانا حق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے بدنظری سے بچنے کے لئے کوئی جائز تدبیہ اختیار کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت تو فرما دی لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا وما اغنی عنکم من اللہ من شیء (اور میں اللہ کے حکم و قسمت سے ذرا بھی بچا نہیں سکتا) مطلب یہ تھا کہ یہ جو مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی فرمائش کی ہے یہ ایک ظاہری تدبیر ہے، ہو سکتا ہے جو اللہ چاہے کامیابی ظہور میں نہ آئے، وہی کر سکتا ہے ان الحکم الا للہ (حکم تو بس اللہ ہی کا ہے) علیہ توکلت وعلیہ فلیتوکل المتوکلون ○ نظر بد سے محفوظ رہنے کی ظاہری تدبیر تو میں نے بتا دی جو سب ظاہری ہے تحریر ہے لیکن میرا بھروسہ اس تدبیر پر نہیں بلکہ میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

یہ پیارے بھائی جب مصر پہنچے تو جس شہر میں ان کو جانا تھا اس میں اپنے والد کے فرمان کے مطابق مختلف دروازوں سے داخل ہوئے ان کا یہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا بھی کسی تقدیر کو روکنے والا تھا، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اتنی سی بات تھی کہ یعقوب کے دل میں جو ایک حاجت تھی وہ پوری ہو گئی جس نے نظر بد سے بچنے کا ایک ذریعہ بتایا تھا اس پر عمل ہو گیا اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا وانہ لذو علم لما علمنہ (اور بلاشبہ وہ علم والے تھے اس وجہ سے کہ ہم نے انہیں علم عطا فرمایا تھا) وہ یعقوب تھے کہ تدبیر ایک ظاہری سبب ہے مؤثر حقیقی اور فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے ولکن اکثر الناس لا یعلمون (اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جہالت سے پس تدبیر کو مؤثر حقیقی سمجھ بیٹھتے ہیں۔

ولما دخلوا على يوسف اوى اليه اخاه قال اني انا اخوك فلا تبتئس بما
جب وہ داخل ہوئے یوسف کے پاس تو ٹھکانا دیا یوسف نے اپنے بھائی کو کہا میں ہی تیرا بھائی پس نہ غم کر تو اس کا جو
كانوا يعملون ○ فلما جهزهم بجهازهم جعل السقاية في رحل اخيه ثم اذن
وہ کرتے تھے پھر جب تیار کر دیا ان کو ان کے سامان کے ساتھ تو رکھ دیا پیمانہ اپنے بھائی کے کجاوے میں پھر ایک پکارنے والے نے
مؤذن ايتها العير انكم لسرقون ○ قالوا واقبلوا عليهم ماذا تفقدون ○ قالوا نفقد
پکارا اے قافلہ والو بیشک تم چور ہو ○ وہ بولے اور متوجہ ہوئے ان کی طرف کیا گم کر بیٹھے ہو تم کہا ہم گم کرتے ہیں پیمانہ بادشاہ کا
صواع الملك ولمن جاء به حمل بعير وانا به زعيم ○ قالوا تالله لقد علمتم ما
اور واسطے اس کے جو لایا اس کو بوجھ ایک اونٹ کے اور میں اس کا ضامن ہوں ○ وہ بولے قسم اللہ کی تم تو جانتے ہو
جئنا لنفسد في الارض وما كنا سرقين ○ قالوا فما جزاؤه ان كنتم كذبين ○
کہ ہم آئے ہیں تاکہ فساد کریں ملک میں اور نہیں ہم چور ○ وہ بولے پس کیا سزا ہے اس کی اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے ○
قالوا جزاؤه من وجد في رحله فهو جزاؤه كذلك نجزي الظلمين ○
وہ بولے سزا اس کی جس کے کجاوے میں پایا جائے وہ خود اس کی سزا ہے ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

برادران یوسف کا مصر پہنچنا اور ان کا اپنے سگے بھائی کو بتانا کہ رنج نہ کرنا میں تمہارا بھائی ہوں، پھر ان کو روکنے کے لئے کجاوہ میں پیمانہ رکھ دینا، یوسف علیہ السلام کے کارندوں کا چوری ہونے کا اعلان کرنا، اور برادرانِ یوسف کا یوں فیصلہ دینا کہ جس کے کجاوہ میں پیمانہ نکلے اسی کو رکھ لیا جائے

یہ گیارہ بھائی جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے جن میں بنیامین بھی تھے تو بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بنیامین کو پیش کر دیا اور کہا کہ لیجئے آپ کی شرط کے مطابق ہم اپنے سوتیلے بھائی کو بھی ساتھ لے آئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ہر دو آدمیوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھہرا دیا دس آدمی پانچ کمروں میں ٹھہر گئے گیارہواں بھائی بنیامین بچ گیا اس کو انہوں نے اپنے پاس ٹھہرایا، اور بنیامین سے فرمایا کہ میں تمہارا حقیقی بھائی ہوں، یہ لوگ اب تک جو عمل کرتے رہے ہیں جس سے تمہیں تکلیف پہنچی اسکے بارے میں رنجیدہ نہ ہونا انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس سے صرف نظر کرو اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا ہمیں اور تمہیں جمع فرما دیا بھائیوں کو اکرام کے ساتھ ٹھہرایا ان کو سامان دیا لیکن چپکے سے پانی پینے کا ایک برتن جس سے غلہ ماپ کر دیتے تھے اپنے بھائی کے کجاوہ میں رکھ دیا جو لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے کارندے تھے غلہ ماپ کر دیتے تھے انہوں نے دیکھا کہ وہ پیالہ غائب ہے جس سے غلہ ناپا جاتا ہے انہیں پتہ نہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں قافلہ والوں میں سے کسی کے سامان میں رکھ دیا ہے ان لوگوں کو حیرانی ہوئی اور بازپرس کا بھی ڈر ہوا لہٰذا ان میں سے ایک شخص نے بلند آواز سے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو تم تو چور ہو، یہ سنتے ہی برادرانِ یوسف حیران رہ گئے انہیں اپنی جماعت کے کسی فرد کے بارے میں بھی چوری کرنے کا گمان نہ تھا لہٰذا وہ کہنے لگے کہ آپ لوگوں کی کیا چیز گم ہے جس کے بارے میں یہ اعلان ہو رہا ہے اور ہمیں مطعون اور متہم کیا جا رہا ہے، ان لوگوں نے جواب میں کہا کہ ہمیں بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا جس کے ذریعہ غلہ ناپ کر دیا جاتا ہے اور جو شخص اس پیمانہ کو لے کر آئے ہم اسے ایک اونٹ بھر کر مزید غلہ دیں گے جو ہماری گم شدہ چیز کے لانے کا اکرامیہ ہوگا۔ جس شخص نے گمشدگی کا اعلان کیا تھا اس نے یہ بھی کہا کہ یہ جھوٹا وعدہ نہیں ہے جو بھی شخص یہ پیمانہ لے کر آئے گا اسے واقعی انعام دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن اور ذمہ دار ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ بھلا ہم اور چوری؟ آپ لوگ خود ہی جانتے ہیں ہمارے طور طریق اور اعمال اور اخلاق کو دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین پر فساد کرنے کے لئے نہیں آئے ہم بھلا چوری کہاں کر سکتے ہیں؟ نہ ہم پہلے سے چور ہیں اور نہ اب چوری کی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خدمت گذاروں نے کہا کہ اگر تفتیش اور تلاش کے بعد تم لوگ اپنی بات میں جھوٹے نکلے اور تمہارے پاس سے ہمارا گمشدہ پیمانہ برآمد ہو گیا تو بتاؤ اس کے چرانے والے کی کیا سزا ہوگی؟ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے بھی کجاوہ میں وہ پیمانہ آئے اسی کو اس کے بدلہ میں رکھ لیا جائے یعنی اسے غلام بنا لیا جائے اور ساتھ ہی کَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ کہہ کر یہ بھی بتا دیا کہ ہمارے دین اور شریعت میں چور کو سزا دینے کا یہی طریقہ ہے (کہ چور کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے)۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ

پھر یوسف نے اپنے بھائی کے تھیلے کی تلاشی لینے سے پہلے دوسرے بھائیوں کے تھیلوں کی تلاشی لینے سے ابتدا کی، پھر اس پیمانہ کو اپنے بھائی کے تھیلے سے برآمد کر لیا ہم نے

كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ

یوسف کو اسی طرح تدبیر بتا دی، بادشاہ کے قانون میں اپنے بھائی کو لے نہیں سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے ہم جسے چاہیں درجات کے

مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝

اعتبار سے بلند کرتے ہیں اور ہر جاننے والے سے اوپر زیادہ جاننے والا ہے۔

برادران یوسف کے سامان کی تلاشی لینا اور بنیامین کے سامان سے پیمانہ نکل آنا اور اس کو بہانہ بنا کر بنیامین کو روک لینا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے خود ہی کہہ دیا کہ جس کے سامان میں آپ لوگوں کا گمشدہ پیمانہ نکل آئے اس کی ذات ہی کو اس کے بدلہ میں غلام بنا لیا جائے اور یہ بھی کہہ دیا کہ ہم اسی طرح چور کو سزا دیا کرتے ہیں یعنی یہ اس شریعت کے مطابق ہے جس پر ہم چلتے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے سامانوں کی تلاشی لینا شروع کر دی، پہلے دوسرے بھائیوں کے کجاووں کو دیکھا پھر جب اپنے حقیقی بھائی کے کجاوہ کو ٹٹولا تو اس میں سے پیمانہ کو نکال لیا، رکھا تو خود ہی تھا اور معلوم تھا کہ اس کے کجاوہ میں ہے لیکن پہلے اس میں ہاتھ نہ ڈالا تا کہ وہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ ان کی آپس کی سازش ہے بنیامین کے کجاوہ سے پیمانہ نکل آیا تو سب بھائی حیران رہ گئے یہ تدبیر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بتائی کیونکہ شاہ مصر کے قوانین میں کوئی ایسا قانون نہ تھا کہ چوری کرنے والے کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دنیا اور آخرت میں درجات بلند فرمائے اور انہیں علوم عطا فرمائے انہی علوم میں سے ایک تدبیر یہ بھی تھی جو ان کے اپنے بھائی کو روکنے کے لئے ان کے دل میں ڈالی وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (اور ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے) مطلب یہ ہے کہ بڑے سے بڑے عالم کے مقابلہ میں کوئی ایسا ضرور ہے جو اس سے زیادہ علم رکھنے والا ہے اور جسے ساری مخلوق سے زیادہ علم ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ علم ہے۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کے رنج اور صدمہ کا کیوں احساس نہیں فرمایا وہ برس ہا برس سے خود حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کے غم میں گھل رہے تھے تھوڑی بہت جو تسلی بنیامین سے تھی وہ بھی ختم ہوئی انہیں مزید تکلیف پہنچانے کی کیسے ہمت ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا پروگرام اپنے والدین اور بھائیوں کو جلد ہی بلانے کا تھا اور بھائی کو روک لینا اس لئے تھا کہ والد ماجد ان دونوں کو تلاش کرنے کے لئے بھیجیں اور یہ لوگ تیسری بار پھر آئیں اگر بھائی کو نہ روکتے تو ممکن تھا کہ پھر والد کے بھیجنے پر بھی یہ لوگ نہ آتے کیونکہ یوسف علیہ السلام کو یہ لوگ مردہ کہہ ہی چکے تھے اب کم از کم ایک بھائی کی تلاش کرنا تو لازم ہی تھا بالمحالہ انہیں اپنے والد کے فرمان پر تیسری بار آنا پڑا جیسا کہ آئندہ رکوع میں اس کا ذکر آ رہا ہے، یہاں بعض حضرات نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ آزاد کو غلام بنانا کیسے درست ہوا؟ یہ سوال کوئی وزنی نہیں ہے کیونکہ حقیقی غلام نہیں بنایا تھا صرف روکنے کا بہانہ تھا پھر یہ استرقاق شریعت یعقوبی کے مطابق تھا جو اس زمانہ میں شریعت اسلامیہ تھی جسے ان کے بھائیوں نے كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ کہہ کر ظاہر کر دیا تھا، اور ممکن ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس شریعت پر تھے اس میں بھی چور کا استرقاق جائز ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض حضرات نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ اپنی ضرورت سے دوسرے کو چوری کا الزام لگانا کیسے درست ہوا؟ جو شخص بری ہو اسے الزام

کا نام معلوم کیسے ہو گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اگر نام نہیں بتایا انہوں نے تو صرف جام میں پیمانہ رکھا تھا البتہ کارندوں نے پیمانہ نہ پا کر چوری ہونے کا اعلان کر دیا ان لوگوں نے بھی اپنے خیال میں الزام نہیں لگایا تھا بلکہ حالات کے اعتبار سے انہیں یقین تھا کہ انہیں میں سے کسی نہ کسی شخص نے پیمانہ رکھ لیا ہے لیکن یہ اشکال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ یہ معلوم نہ تھا کہ پیمانہ کس کے پاس سے برآمد ہوگا تو پھر جانچ پڑتال کرنے والی بات ہے ہی نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بنیامین اپنے بھائیوں سے ساتھ رہنے سے ایسے تنگ ہو گئے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہ جانے کے لئے چوری کے الزام میں گرفتار ہونا تک گوارا کر لیا اور دونوں بھائیوں نے مشورہ سے یہ کیا۔

یہاں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اس الزام کی حقیقت جب ہی کھل سکتی تھی اور آئندہ جب یہ کارواں جائے گا تب ہی کھل سکتی تھی اس لئے انہوں نے چوری نہیں کی تھی بلکہ یہ ان کے روکنے کے لئے ایک تدبیر کی گئی تھی تو اس الزام کی حقیقت ختم ہو جاتی ہے بھائی کو روکنے کا راستہ بھی کھل آیا اور پھر وہ الزام جلد ہی دفع بھی ہو گیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ

(برادران یوسف کہنے لگے کہ اس نے چوری کی ہے تو اس کا بھائی بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے) (یہ سن کر) یوسف نے اپنے دل میں (یہ)

يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ

(خیال نہیں کیا) ظاہر نہیں کیا (کہا) تم زیادہ برے ہو اور اللہ ہی خوب جانتا ہے جو تم بیان کر رہے ہو (برادران یوسف نے) کہا

لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ

(اے عزیز) اس کا باپ بہت بوڑھا ہے تو ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ (اپنے پاس) رکھ لیجئے ہم آپ کو نیکی کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں (یوسف نے) کہا اللہ کی پناہ

اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝

(کہ ہم اس کے سوا کسی اور کو پکڑیں) جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی (اگر ہم ایسا کریں) تو ہم ظالم ہوں گے۔

ع ۱۴

برادرانِ یوسف علیہ السلام کا درخواست کرنا کہ بنیامین کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب دینا

جب بنیامین کے جانے سے پیمانہ برآمد ہو گیا تو بھائیوں کو بہت ندامت ہوئی اور غصہ اور ناخوشی ظاہر کرنے کا بہانہ بن گیا کہ اس نے چوری کی ہے تو لوگوں سے تعجب کی بات ہے اس کا بھائی بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے اس بھائی سے حضرت یوسف علیہ السلام مراد ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے ان لوگوں کی بات سن تو لی جس میں ان کی ذات پر حملہ تھا لیکن ان کی بات کا جو جواب دینا تھا اسے زبان پر نہ لائے البتہ اپنے دل ہی میں کہا کہ تم اسے اور اس کے بھائی کو چور بتا رہے ہو حالانکہ تم چوری کے درجے سے اور بھی زیادہ برے ہو ہم دونوں بھائیوں نے تو چوری کی ہی نہیں لیکن تم نے اتنا برا کام کیا کہ آدمی غائب کر دیا۔ مجھے باپ سے چھڑا دیا اور بہانہ کر کے ان کے پاس سے لے آئے پھر ان کے پاس واپس نہ لے گئے اور چند درہم کے عوض آزاد کو غلام بنا رکھا ہے یہ تو دل میں کہا اور علانیہ طور پر فرمایا

واللہ اعلم بما تصفون کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کرتے ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف جو ان کے بھائیوں نے چوری کی نسبت کی اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے پانچ قول نقل کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دستر خوان سے کھانا لے کر چھپا لیتے تھے اور فقراء کو دے دیتے تھے اسی کو بھائیوں نے چوری بنا لیا ممکن ہے ایسا کوئی واقعہ ہوا ہو، اسرائیلی روایات میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا علامہ قرطبی نے (ص ۳۳۹ ج ۹) ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ چوری کا کوئی قصہ تھا ہی نہیں ان لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات بالکل ہی جھوٹ ہی کہی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں جو جواب دیا اور بل سولت لکم انفسکم امرا فرمایا یہ سب دل ہی دل میں تھا تین برادران یوسف پہلے ہی اپنے والد سے شرمندہ تھے اور ان کے ایک چہیتے لڑکے کو گم کر چکے تھے اور اب یہ دوسرا واقعہ پیش آ گیا کہ بڑے عہد و پیمان کے ساتھ ان کے دوسرے پیارے کو لائے تھے اب وہ بھی گرفتار کر لیا گیا اور روک لیا گیا حیران تھے اور پریشان تھے کہ والد کو کیا جواب دیں گے کیا کریں اور کیا نہ کریں پھر ایک تدبیر سوچی اور وہ یہ کہ عزیز سے عرض کریں کہ یہ جو ہمارا سوتیلا بھائی چوری کی وجہ سے پکڑا گیا یہ اس کے بوڑھے باپ کے لئے بہت زیادہ مصیبت کی بات ہوگی ان کو اس سے بہت زیادہ محبت اور انس ہے اور ان کی عمر بھی بہت زیادہ ہے اس کے واپس نہ پہنچنے سے ان کا برا حال ہوگا لہٰذا آپ ہم میں سے کسی بھی ایک کو اس کی جگہ رکھ لیجئے ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ احسان کرنے والوں سے ہیں لہٰذا آپ کرم فرمائیے اور ہماری یہ تجویز منظور کر لیجئے (اپنے والد کے سامنے شرمندہ ہونا ان کا تازیانہ کھل رہا تھا کہ غلام بن کر رہنے کو تیار تھے)۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں ہم اللہ سے اس بات کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم کسی غیر مجرم کو پکڑ لیں اگر ہم ایسا کریں گے تو ظالم ہو جائیں گے ہم تو صرف اسی کو پکڑیں گے جس کے پاس سامان پایا (حضرت یوسف علیہ السلام نے احتیاط سے کام لیا اور یوں نہیں فرمایا کہ جس نے ہمارا سامان چرایا ہم اسی کو رکھیں گے (کیونکہ چوری تھی ہی نہیں) بلکہ یوں فرمایا جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے اسی کو رکھ سکتے ہیں)۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ

پھر جب یوسف سے ناامید ہو گئے تو وہ علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے

عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى

تم سے اللہ کی قسم لے کر پکا وعدہ یا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو سو میں تو اس سرزمین سے نہیں ٹلوں گا جب تک میرا

يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا

باپ مجھے اجازت دے دے یا اللہ میرے لئے فیصلہ فرما دے اور وہ فیصلہ دینے والوں میں سب سے اچھا فیصلہ دینے والا ہے تم لوگ اپنے والد کے پاس چلے جاؤ اور ان

يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝

سے کہو کہ اے ابا جان بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم اس بات کی گواہی دے رہے ہیں جس کا ہمیں علم ہے اور ہم غیب کی باتوں کے حافظ نہیں تھے۔

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

اور آپ اس بستی سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے پوچھ لیجئے جس میں ہم شامل ہو کر آئے ہیں اور بلاشبہ ہم سچ کہہ رہے ہیں۔

برادرانِ یوسف کا ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کرنا اور بڑے بھائی کا یوں کہنا کہ میں تو یہاں سے نہیں جاتا تم لوگ جاؤ اور والد کو چوری والی بات بتا دو

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے ناامید ہو گئے کہ وہ کسی طرح سے بنیامین کو واپس کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور یہ جو پیش کش کی تھی کہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں اس کو بھی انہوں نے نہیں مانا بلکہ اسے ظلم قرار دے دیا تو وہاں سے ہٹ کر اب مشورہ کرنے لگے کہ کیا کریں، ان میں جو بڑا بھائی تھا جس کا نام کسی نے یہودا اور کسی نے شمعون اور کسی نے روبیل بتایا ہے اس نے باقی بھائیوں سے خطاب کر کے کہا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ جب اپنے والد سے رخصت ہو رہے تھے تو مضبوط قسم لی تھی اور فرمایا تھا کہ اسے تم ضرور ساتھ لے کر آؤ گے (لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ) اب یہاں یہ صورت حال پیش آ گئی کہ بنیامین کو عزیز مصر نے روک لیا اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو اب والد صاحب کے پاس کس منہ سے جائیں پہلے ہی ان کو یوسف کی جدائی سے بہت زیادہ رنج تھا اور اب یک نہ شد دو شد بنیامین کی جدائی کا مسئلہ سامنے آ گیا لہٰذا میں تو اب یہاں سے ٹلنے کا نہیں اگر والد صاحب کو پوری صورتحال معلوم ہو جائے اور وہ مجھے آنے کی اجازت دے دیں یا اللہ پاک کی طرف سے کوئی ایسا فیصلہ ہو جائے جس سے ہماری مشکل حل ہو جائے (مثلاً ہمارا بھائی واپس مل جائے) تب ہی میں یہاں سے جا سکتا ہوں اللہ تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

بڑے بھائی نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بھائیوں سے یوں بھی کہا کہ تم لوگ اپنے والد کے پاس چلے جاؤ اور ان کی خدمت میں عرض کر دو کہ آپ کے بیٹے نے چوری کر لی اور چوری کی وجہ سے انہیں وہیں روک لیا گیا اور ہماری یہ گواہی ہمارے علم کے مطابق ہے (ہم نے خود دیکھا کہ اس کے سامان سے پیمانہ برآمد ہوا) وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ہم جو قسم کھا کر اس کی حفاظت کا وعدہ کر کے گئے تھے وہ ہماری قدرت اور اختیار تک محدود تھا ہمیں کیا معلوم تھا کہ چوری کا واقعہ پیش آ جائے گا اور ایسی صورت حال بن جائے گی کہ ہم آپ کے بیٹے کو واپس لانے سے عاجز ہو جائیں گے گویا کہ انہوں نے اپنے بھائیوں کو یہ تیقین کی کہ ہم جو بنیامین کو اپنے ہمراہ نہ لا سکے یہ اسی استثناء والی صورت میں داخل ہے جو والد صاحب نے اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ کہہ کر خود ہی بیان کر دی تھی۔ مفسرین نے ان کے کلام کا یہ مطلب بتایا کہ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ بنیامین کے سامان سے پیمانہ نکلا اس نے اسے خود رکھ لیا تھا یا مقامی لوگوں میں سے کسی نے رکھ دیا تھا اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

بڑے بھائی نے مزید کہا کہ اپنی بات والد صاحب کو باور کرانے کے لئے یہ بھی کہنا کہ ہمارے بیان پر آپ اعتماد نہ کریں تو مصر کی جس بستی میں یہ واقعہ پیش آیا۔ وہاں کے لوگوں سے دریافت کر لیجئے اور اس سے بھی آسان تر بات یہ ہے کہ یہاں سے غلہ لینے کے لئے صرف ہم ہی لوگ نہیں گئے تھے ہماری بستی کے رہنے والوں میں سے اور لوگ بھی گئے تھے ہم جس قافلہ کے ساتھ مصر سے واپس آئے ہیں ان سے دریافت کر لیجئے وہ تو یہیں اسی بستی میں موجود ہیں وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ آپ مانیں نہ مانیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سچے ہیں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ

یعقوب نے کہا بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہیں ایک بات بھلادی ہے سو میں صبر جمیل کو ہی اختیار کروں گا امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا بلاشبہ وہ

الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ

علم والا ہے حکمت والا ہے، اور ان کی طرف سے رخ پھیر لیا اور کہا کہ یوسف پر افسوس ہے، اور غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں سو وہ

كَظِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝

گھٹتے رہتے تھے، بیٹے کہنے لگے اللہ کی قسم آپ تو برابر یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ گھل جائیں یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں،

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا

یعقوب نے کہا کہ میں اپنی پریشانی اور غم کی شدت کی شکایت کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے مجھے وہ علم ہے جو تم نہیں جانتے، اے میرے بیٹو تم جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو

مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

تلاش کرو، اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بلاشبہ اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

برادرانِ یوسف کا اپنے والد کو چوری کا قصہ بتانا اور ان کا یقین نہ کرنا اور فرمانا کہ جاؤ یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جب سارا ماجرا سنایا اور بنیامین کے پکڑے جانے کا واقعہ بتایا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین نہ آیا انہوں نے وہی الفاظ دہرا دیئے جو حضرت یوسف کی گمشدگی کے موقع پر فرمائے تھے یعنی بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا کہ میرے نزدیک ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ بنیامین نے چوری کی ہو اور اسے وہیں دھر لیا گیا ہو میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ تمہارے نفسوں نے اپنے پاس سے بات بنالی ہے جو مجھے سمجھ رہے ہو، واقعہ کچھ اور ہے اور بیان کچھ اور فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ میں صبر ہی کروں گا جس میں شکایت نہ ہو (اور کر بھی کیا سکتا ہوں؟) میرے دل کی تو یہی آواز ہے کہ ان شاء اللہ ایک دن ایسا آئے گا کہ یوسف اور اس کا بھائی بنیامین اور تیسرا بھائی (جو تمہارے ساتھ نہیں آیا) ان تینوں کو اللہ تعالیٰ میرے پاس پہنچا ہی دے گا اسے پورے حالات کا علم ہے اور ان سب واقعات کے پیش آنے میں حکمتیں ہیں یہ فرما کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لڑکوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے کہ یوسف کی جدائی پر افسوس ہے یوسف علیہ السلام کی جدائی پر روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں اور شدت غم کی وجہ سے اندر سے گھٹے ہوئے رہتے تھے، ان کے بیٹوں نے کہا کہ اللہ کی قسم آپ یوسف کو بھولتے ہی نہیں اسے آپ برابر یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ گھل کر رہ جائیں گے یا بالکل ہی ہلاک ہو جائیں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں میرے رونے سے کیا بحث ہے میں اپنے رنج و غم کی شکایت اللہ تعالیٰ ہی سے کرتا ہوں مجھے اللہ کی طرف سے جو علم دیا گیا ہے، وہ تمہیں نہیں دیا گیا، میں تو یہی جانتا ہوں کہ یوسف اور اس کے بھائی سے ضرور ملاقات ہو جائے گی اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، جو لوگ کافر ہیں وہی اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جیسے یوسف علیہ السلام کے بارے میں ان کے بھائیوں کی بات کی تصدیق نہ کی (جو انہوں نے کہا تھا کہ

یوسف کو بھیڑیا کھا گیا) اسی طرح بنیامین کے بارے میں انہوں نے چوری اور چوری کی وجہ سے پکڑے جانے والی جو بات کہی تھی اس کو بھی سچا نہیں مانا، حالانکہ وہ بظاہر اس بیان میں سچے تھے، جو کوئی شخص ایک مرتبہ جھوٹا ثابت ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں رہتا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ اللہ کی طرف سے جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اس علم کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا کہ مجھے گیارہ ستارے چاند اور سورج سجدہ کر رہے ہیں اس کی تعبیر اب تک پوری نہیں ہوئی تھی وہ جانتے تھے کہ ایسا ہونا ضرور ہے کہ یوسف موجود ہو اور گیارہ ستارے یعنی سارے بھائی (جن میں بنیامین بھی تھے اور وہ بڑا بھائی بھی تھا جو مصر میں رہ گیا تھا) اور ماں باپ سجدہ کریں گے لہٰذا یوسف کو نہ موت آئی ہے نہ اس کی ملاقات سے پہلے مجھے دنیا سے جانا ہے، سب کو ایک دن جمع ہونا ہی ہے، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں الہام ہو گیا ہو یا بذریعہ وحی اطلاع دے دی گئی ہو واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اسی علم و یقین کی بنیاد پر کہ یوسف دنیا میں زندہ ہے موجود ہے اور اس گمان پر کہ یوسف کے بھائی بنیامین کے بارے میں جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں وہ درست نہیں ہے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جاؤ یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ (اس میں تیسرے بھائی کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ وہ بھائیوں کے بیان کے مطابق مصر میں موجود تھا اور اپنے قصد و ارادہ سے وہاں رہ گیا تھا)۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ

سو جب یہ لوگ یوسف پر داخل ہوئے تو کہنے لگے کہ اے عزیز ہمارے اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم یہ ایسی پونجی لائے ہیں جو رد کئے

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ

جانے کی مستحق ہے سو آپ ہمیں پورا غلہ دیجئے اور ہم پر صدقہ کر دیجئے بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو اس کی جزا دیتا ہے، یوسف نے کہا کیا تم جانتے ہو

مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا

کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جبکہ تم جاہل تھے، کہنے لگے واقعی کیا آپ یوسف ہیں؟ یوسف نے کہا میں

يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا بلاشبہ بات یہ ہے جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر

الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ

ضائع نہیں فرماتا، کہنے لگے اللہ کی قسم اللہ نے تجھے ہم پر فضیلت دے دی اور بلاشبہ ہم خطا کرنے والوں میں سے تھے، یوسف نے کہا آج تم پر کوئی

عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

ملامت نہیں اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

برادرانِ یوسف کا تیسری بار مصر پہنچنا اور غلہ طلب کرنا اور ان کا سوال فرمانا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا؟ پھر بھائیوں کا قصور معاف فرمانا اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنا

حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرمانے پر ان کے بیٹے پھر مصر کی طرف روانہ ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں تو اندازہ نہ تھا کہ کہاں ہوں گے البتہ بنیامین اور بڑے بھائی کو مصر ہی میں چھوڑ آئے تھے اس لئے اپنے والد کے فرمان کے مطابق کہ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو انہوں نے مصر ہی کی راہ لی نیز اس میں غلہ لانے کا فائدہ بھی پیش نظر تھا جب مصر پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام تک رسائی ہونے کے بعد پھر غلہ ملنے کا سوال اٹھایا اور ان سے کہا کہ اے عزیز ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے تکلیف پہنچی ہے ہمیں غلہ کی ضرورت ہے لیکن ہمارے پاس غلہ لینے کے لئے وہ قیمت بھی نہیں جو قیمت کہنے کے لائق ہو کچھ ہے تو ہیں جو نکمی چیز ہے اس لائق تو نہیں کہ اسے آپ قبول کریں لیکن پھر بھی ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں پورا غلہ دے دیجئے (مفسرین نے اس بارے میں کئی باتیں لکھی ہیں کہ وہ پونجی کیا تھی جسے وہ خود ہی نکمی چیز بتا رہے تھے صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ کھوٹے درہم تھے جن کی قیمت پوری نہیں ملتی تھی)۔

غلہ طلب کرنے کے ساتھ انہوں نے وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا بھی کہا مفسرین نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں ایک معنی تو یہ ہے کہ ہماری پونجی نکمی بھی ہے اور تھوڑی بھی ہے آپ اسے قبول فرمائیں اور ایک معنی یہ ہے کہ ہمیں اپنی طرف سے کچھ مزید بلا قیمت بطور صدقہ عطا فرما دیجئے اور بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ غلہ عطا فرما دیجئے اور بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ غلہ عطا فرمانے کے ساتھ یہ کرم فرمایئے کہ ہمارے بھائی بنیامین کو واپس کر دیجئے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس صورت میں تَصَدَّقْ سمعنی تَفَضَّلْ ہوگا یعنی مہربانی فرما کر ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے لیکن اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ سے معنی اول ہی کی تائید ہوتی ہے (کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزاء عطا فرماتا ہے)۔

وہ جو اپنی معروض پیش کر رہے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے سوال فرمایا هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ (کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا۔ جبکہ تم جاہل تھے) بھائیوں نے تو غلہ طلب کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا بعض حضرات نے ان دونوں باتوں میں ربط بتاتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ قحط سالی کی وجہ سے ہمارے اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچ رہی ہے یہ تو بہت بڑی تکلیف نہیں کسی نہ کسی طرح زندگی گزار ہی رہے ہو پھر یہ تکلیف ابھی قریب زمانہ ہی سے شروع ہوئی ہے لیکن تم نے برسہا برس سے جو اپنے والد کو یوسف سے جدا کر کے تکلیف پہنچائی ہے اور بنیامین کے ساتھ جو یوسف کے بعد بدسلوکی کرتے رہے ہو بتاؤ تمہارے والد کے لئے اور سارے گھر والوں کے لئے کون سی تکلیف زیادہ ہے یہ عارضی غلے کی کمی زیادہ تکلیف دہ ہے یا وہ تمہاری سابقہ حرکتیں زیادہ تکلیف دہ ہیں؟ اپنے اس سوال کو انہوں نے استفہام تقریری کی صورت میں ان پر ڈال دیا اور فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟ یہ بات سن کر انہیں بڑا تعجب ہوا کہ عزیز مصر کو یوسف کا قصہ کہاں سے اور کیسے معلوم ہوا؟ اور مزید یہ کہ اسے اس کے بارے میں دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ انہیں اس کا ذرا احتمال نہ تھا کہ یہ سوال کرنے والا شخص یوسف ہو سکتا ہے اور

یوسف ایسے بڑے مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے سوال کا جو انداز تھا اس سے انہوں نے بھانپ لیا کہ ہو نہ ہو یہ سوال کرنے والا شخص یوسف ہی ہے، ہذا وہ کہنے لگے ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ (کیا واقعی تم یوسف ہو؟) حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب میں فرمایا اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ (میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے) قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا (بلاشبہ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا) گویا اشارۃً یوں فرمادیا کہ تم نے تو ظلم وزیادتی میں سر نہ چھوڑی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا جو تکلیفیں پہنچی تھیں ان کا ذکر نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا، مؤمن کی یہی شان ہے کہ تکلیف میں مبتلا ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتا ہے اور مصیبت کے ٹل جانے کے بعد بھی جو نعمتیں ملتی رہتی ہیں ان پر نظر رکھتا ہے اور برابر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہتا ہے پھر یہ شکر نعمتوں کے اور زیادہ بڑھنے کا ذریعہ بن جاتا ہے جیسا کہ سورۂ ابراہیم میں فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (البتہ اگر تم شکر کروگے تو تمہیں ضرور اور زیادہ دوں گا)

مزید فرمایا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع نہیں فرماتا) حضرت یوسف علیہ السلام نے بطور قاعدہ کلیہ کے یہ بات بتادی کہ تقویٰ اور صبر کرنے والوں کی اللہ مدد فرماتا ہے اور یہ دونوں چیزیں مصائب سے نجات دلانے والی ہیں، یہ نہیں فرمایا کہ میں نے صبر اور تقویٰ اختیار کیا اس لئے اس مرتبہ کو پہنچا کیونکہ اس میں ایک طرح سے اپنی تعریف تھی، اور بھائیوں سے یوں نہیں کہا کہ تم متقی اور صابر نہیں ہو بلکہ عمومی قاعدہ بتا کر انہیں تنبیہ فرمادی کہ تمہیں متقی ہونا چاہئے تھا درحقیقت تقویٰ بہت بڑی چیز ہے آخرت میں تو اس کا نفع سامنے آہی جائے گا دنیا میں بھی مشکلات اور مصائب سے نکلنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، سورۂ نحل میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو لوگ اچھے کام کرنے والے ہیں) سورۂ طلاق میں فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنادیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو) نیز فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا (جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور اس کے لئے بڑا اجر مقرر فرمائے گا) نیز فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (اور جو شخص اللہ سے ڈرے وہ اس کے کاموں میں آسانی فرمائے گا)۔

صبر بھی بہت بڑی چیز ہے صابر آدمی کو وقتی طور پر تکلیف تو ہوتی ہے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد پہنچ جاتی ہے سورہ بقرہ میں فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (اے ایمان والو، طلب کرو نماز اور صبر کے ساتھ بلاشبہ اللہ صبروں کے ساتھ ہے) سورہ زمر میں فرمایا اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (صبر کرنے والوں کو بلا حساب پورا پورا اجر دیا جائے گا) جسے صبر کی نعمت مل گئی اسے بہت بڑی نعمت مل گئی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ومن یتصبر یصبره الله وما اعطی احد عطاء هو خير واوسع من الصبر (رواہ البخاری ومسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۱۶۳) (جو شخص صبر کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے صبر دے دیتا ہے اور کسی شخص کو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع کسی چیز کی بخشش نہیں کی گئی) بعض اہل معرفت کا قول ہے الصبر امر من الصبر واحلی من الثمر (صبر ایلوے سے زیادہ کڑوا ہے اور پھلوں سے زیادہ میٹھا ہے) حضرت یوسف و یعقوب علیہما السلام نے صبر کیا اس کا پھل پایا اہل ایمان کو صبر اختیار کرنا چاہئے صبر میں اجر بھی ہے اور وہ دفع مصائب اور حل مشکلات کا ذریعہ بھی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو پتہ چل گیا کہ عزیز مصر جو ہمیں غلہ دیتا رہا ہے تو ہمارا بھائی یوسف ہے جسے ہم نے کنوئیں میں ڈال

تھا، پہلے دو بار جو غلہ لینے کے لئے آئے تھے یوسف علیہ السلام کو نہ انہوں نے پہچانا تھا اور نہ انہیں یہ گمان تھا کہ یہ شخص ہمارا بھائی یوسف ہو سکتا ہے لیکن تیسری مرتبہ کے چکر میں جب بات کھل کر سامنے آگئی کہ یہ یوسف ہے تو آنکھیں نیچی ہو گئیں اور حضرت یوسف علیہ السلام پر جو اللہ نے احسان فرمایا اس کے اقرار کیساتھ اپنے جرم کے اعتراف کے بغیر چارہ نہ رہا بلکہ ان کی زبان سے یہ نکلا تاللہ لقد اثرك الله علينا وان كنا لخطئين (اللہ کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر ترجیح دیدی اور فضیلت اور برتری سے نواز دیا اور بلاشبہ ہم خطا کار ہیں) یہاں صرف اقرار جرم کا ذکر ہے معافی مانگنے کا ذکر نہیں ہے لیکن بلند اخلاق کریم النفس لوگوں کا بڑا حوصلہ ہوتا ہے ان کے نزدیک جرم کا اقرار کر لینا ہی معافی مانگنے کے درجہ میں ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی طرف سے تو معاف کیا ہی تھا اللہ تعالیٰ سے بھی ان کیلئے مغفرت کی یوں دعا کی یغفر الله لكم وهو ارحم الراحمين (اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ (۱۳) سال جن مصیبتوں کے ساتھ گزارے اور قریش کی طرف سے مکہ میں جو تکلیفیں پہنچیں حتی کی آپ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا یہ سب واقعات معروف و مشہور ہیں جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو اہل مکہ کو خوف تھا کہ دیکھئے ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے جب مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو قریش مکہ خوف زدہ ہوئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ آج تو تلوار ہمارا خاتمہ کر دے گی اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے کعبہ شریف کا طواف کیا اور دو رکعتیں پڑھیں پھر کعبہ شریف کی چوکھٹ کے درمیان کھڑے ہو کر قریش مکہ سے دریافت فرمایا تم کیا کہتے ہو اور تمہارا (میرے بارے میں) کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ ہمارے بھائی کے بیٹے ہیں اور ہمارے چچا کے بیٹے ہیں، حلیم ہیں اور رحیم ہیں تین بار یہ سوال جواب ہوا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں وہی کہتا ہوں جیسے یوسف نے کہا تھا لا تثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم وهو ارحم الرحمين (اس کے بعد وہ خوشی خوشی اسلام میں داخل ہو گئے۔) (دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۸۵ ج ۵)۔

سیرت ابن ہشام میں یوں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا اے قریش کی جماعت تمہارا کیا خیال ہے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ ہوگا آپ ہمارے کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے فرمایا اذهبوا فانتم الطلقاء (جاؤ تم سب آزاد ہو)۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

یہ میرا کرتہ لے جاؤ سو تم میرے والد کے چہرہ پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے، اور میرے پاس اپنے سارے گھر والوں کو لے آؤ،

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا

اور جب قافلہ روانہ ہوا تو ان کے والد نے کہا کہ اگر تم یہ نہ کہو کہ میں بہکی ہوئی باتیں کرنے لگا ہوں تو میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں، وہ لوگ کہنے لگے

تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ

اللہ کی قسم آپ اپنی پرانی غلطی میں ہیں، پھر خوشخبری دینے والا آپہنچا تو اس نے وہ کرتہ ان کے منہ پر ڈال دیا بس وہ پھر سے آنکھوں والے ہو گئے اور بیٹوں

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا

سے فرمایا کیوں میں نے تم سے نہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ان کے بیٹے کہنے لگے کہ اے ابا جی ہمارے گناہوں کی مغفرت

ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ ہم خطا کرنے والے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا بلاشبہ وہ غفور ہے رحیم ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ بھیجنا اور والد کے چہرہ پر ڈالنے سے بینائی واپس آجانا اور بیٹوں کا اقرار کرنا کہ ہم خطاوار ہیں اور استغفار کرنے کی درخواست کرنا

جب بھائیوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی مذکورہ بالا گفتگو ہو چکی تو واپسی کا موقع آ گیا (اور مقصد بھی حل ہو گیا کیونکہ اپنے والد کے حکم سے یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کو تلاش کرنے کیلئے سفر کر کے آئے تھے دونوں بھائی مل گئے) جب چلنے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ لو یہ میرا کرتہ لے جاؤ میرے غم میں روتے روتے والد کی آنکھیں چلی گئیں اب تم میرا یہ کرتہ ان کے چہرہ پر ڈال دینا انشاء اللہ تعالیٰ ان کی بینائی واپس آجائے گی اور وہاں پہنچ کر اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے کر آجاؤ۔

یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام سے رخصت ہوئے قافلہ روانہ ہو گیا ابھی سرزمین مصر میں تھے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں سے کہا جو ان کے پاس موجود تھے کہ میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں بات تو میں نے کہہ دی لیکن تم لوگوں سے ڈر ہے کہ میری بات کو سچی نہیں مانو گے اگر تم مجھے بے وقوف نہ بناؤ اور یوں نہ کہو کہ بڑھاپے میں بہکی بہکی باتیں کر رہا ہوں تو تم میری تصدیق کر سکتے ہو (ای لو لا تفید کم ایای لصدقتمونی کذافی الروح) ان کے بعض رشتہ دار وغیرہ جو وہاں پر موجود تھے کہنے لگے کہ آپ تو اپنی اسی پرانی خام خیالی میں پڑے ہوئے ہیں یوسف کی محبت نے آپ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اب یوسف کی مدت کی کہاں امید ہے اور کہاں یوسف کا کرتہ ہے جس کی خوشبو آپ کو محسوس ہو گئی ہے یہ بہکی بہکی باتیں ہماری سمجھ میں تو آتی نہیں ہیں، جب قافلہ وطن واپس پہنچ گیا اور کنعان میں داخل ہو گیا تو بھائیوں میں سے جس نے وہ کرتہ لے کر اپنے والد کو بشارت دینے کا کام اپنے ذمہ لیا تھا وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچا اور یوسف علیہ السلام کا کرتہ یعقوب علیہ السلام کے چہرہ اقدس پر ڈال دیا چہرہ پر کرتہ کا پڑنا تھا کہ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی واپس فرما دی اس پر انہوں نے حاضرین سے کہا (جن میں وہ بیٹے بھی تھے جو مصر سے واپس آ گئے تھے) کہ میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، جب بیٹوں نے کہا تھا کہ آپ تو یوسف کی یاد میں گھل ہی جائیں گے یا ہلاک ہی ہو جائیں گے اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات فرمائی تھی، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ جاؤ یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔

برادران یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے جیوں کہا تھا کہ ہم واقعی خطا کار تھے اپنے والد کے سامنے بھی انہوں نے یہی بات دہرا دی اور ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کریں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت دعا کیوں نہیں کر دی اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رات کے آخری وقت میں دعا قبول ہوتی ہے اس لئے سَاَسْتَغْفِرُ فرمایا اور دعا کو مؤخر کیا۔ امام ترمذی نے دعا حفظ قرآن کی جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم شب جمعہ کے آخری تہائی حصہ میں چار رکعت نماز پڑھنا اور پھر یہ دعا کرنا (آگے حدیث میں نماز کی تعقین اور دعا کے الفاظ مذکور ہیں)

کیونکہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے اور میرے بھائی یعقوب نے اپنے بیٹوں سے جو فرمایا تھا کہ عنقریب تمہارے لئے استغفار کروں گا اس سے یہی شب جمعہ آنے کا انتظار مقصود تھا۔ (درمنثور ص ۳۶ ج ۴)

صاحب روح المعانی نے حضرت شعبی تابعیؒ سے یہ بات نقل کی ہے کہ تاخیر استغفار کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کے بیٹوں نے اپنے بھائی یوسف کیساتھ زیادتی کی تھی اور چونکہ حقوق العباد توبہ استغفار سے معاف نہیں ہوتے اس لئے انہوں نے چاہا کہ یوسف سے بھی دریافت کرلیں کہ انہوں نے معاف کر دیا ہے یا نہیں، انکے معاف کرنے کا علم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معاف کروانے کیلئے دعا کی جائے۔

فائدہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات و دیگر تمام امور کی طرح ان کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہے، جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو اور اس کی حکمت کا تقاضا ہو تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے معجزات ظاہر ہو جاتے تھے اور ان کے بعد ان کے متبعین سے کرامات ظاہر ہوتی رہی ہیں اس میں ان حضرات کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں مشرکین مکہ طرح طرح کے معجزات کی فرمائش کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ کی خواہش بھی ہوتی تھی کہ ان کی طلب کے مطابق معجزہ ظاہر ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی جب حکمت اور مشیت ہوتی تھی اس وقت معجزہ کا ظہور ہوتا تھا، حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے چہیتے لخت جگر حضرت یوسف علیہ السلام کے احوال پر مطلع نہ ہونا (کہ وہ وہیں اپنے علاقہ کے کنویں میں ڈالے گئے ہیں) اور مصر سے جب ان کا کرتہ لے کر قافلہ چلا تو کنعان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھ لینا (جبکہ قافلہ کنعان سے بہت زیادہ دور تھا) اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے، شیخ سعدیؒ نے ایک اچھے انداز میں اس کا یوں تذکرہ فرمایا ہے جو لطیف بھی ہے اور پر لطف بھی، فرماتے ہیں۔

یکے پرسید زان گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیر خردمند
از مصرش بوئے پیراہن شنیدی — چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برق جہان است — دمے پیدا دگر دم نہان است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝

پھر جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا، اور کہا کہ مصر میں انشاء اللہ امن وامان کے ساتھ داخل ہو جایئے،

وَ رَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫

اور یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اوپر بٹھایا اور وہ لوگ اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور یوسف نے کہا کہ اے ابا جان یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔

قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ

میرے رب نے اس کو سچا کر دیا اور میرے ساتھ احسان فرمایا جبکہ مجھے جیل سے نکالا اور آپ لوگوں کو دیہاتی علاقہ سے لے آیا اس کے بعد کہ

بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ

شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا، بے شک میرا رب جو چاہتا ہے اس کی لطیف تدبیر فرماتا ہے بے شک وہ جاننے والا ہے

الْحَكِيْمُ ○ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ

حکمت دی ہے۔ اے میرے رب آپ نے مجھے سلطنت کا حصہ عطا فرمایا اور مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی، اے آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ ۚ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○

زمین کے پیدا کرنے والے آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرے مددگار ہیں مجھے اس حالت میں موت دیجئے کہ میں فرمانبردار ہوں اور مجھے نیک بندوں میں شامل فرمائیے۔

پورے خاندان کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچنا، ان کے والدین اور بھائیوں کا ان کو سجدہ کرنا، اور خواب کی تعبیر پوری ہونا

حضرت یوسف علیہ السلام نے تیسری بار جب اپنے بھائیوں کو مصر سے رخصت کیا تھا اور اپنا کرتہ دیا تھا کہ اسے میرے والد کے چہرہ پر ڈال دینا اس وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آنا، جب یہ لوگ واپس کنعان پہنچے اور اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرہ انور پر پیراہن یوسف کو ڈال دیا جس سے ان کی بینائی واپس آ گئی اور پھر اپنے والد سے دعائے مغفرت کی درخواست کی اور انہوں نے دعا کر دی تو اب مصر کی روانگی کا ارادہ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ اور گیارہ بیٹے اور ان کی ازواج اولاد نے رخت سفر باندھا اور مصر کے لئے روانہ ہو گئے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے پہنچنے کی خبر ملی، تو شہر سے باہر آ کر ایک خیمہ میں (جو پہلے سے لگایا ہوا تھا) ان کا استقبال کیا اور اپنے والدین کو اپنے نزدیک جگہ دی اور پھر شہر میں داخل ہونے کے لئے فرمایا کہ اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ کہ مصر میں اندر چلئے انشاء اللہ تعالیٰ امن چین سے رہیں، جب شہر میں اندر پہنچ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سب کو اکرام اور احترام سے تخت پر اپنے کا انتظام فرمایا اور جس تخت شاہی پر خود جلوہ افروز ہوتے تھے اس پر اپنے والدین کو بٹھایا جس سے ان کی رفعت شان کو ظاہر کرنا مقصود تھا اس وقت والدین اور گیارہ بھائی سب یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر گئے یہ سجدہ بطور تعظیم کے تھا جو سابقہ امتوں میں مشروع تھا۔ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنا حرام کر دیا گیا ہے سجدہ عبادت ہو یا سجدہ تعظیمی ہماری شریعت میں غیر اللہ کے لئے حرام ہے۔ اس کی کچھ تفصیل سورۂ بقرہ رکوع نمبر ۴ میں گزر چکی ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا تھا کہ چاند سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کئے ہوئے ہیں ان کے اس خواب کی تعبیر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت سمجھ لی تھی کہ اگر یہ خواب یوسف کے بھائیوں نے سن لیا تو اندیشہ ہے کہ وہ گیارہ ستاروں کا مصداق اپنے ہی کو سمجھ لیں گے اس لئے کچھ ایسی تدبیر کریں گے کہ یوسف کی ہلاکت ہو جائے یا وہاں سے دور ہو جائے بھائیوں کے کان میں ان کے خواب کی بھنک پڑی تھی یا یونہی دشمنی پر اتر آئے تھے بہر حال وہ تو یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر اور پھر چند درہم کے عوض فروخت کر کے اپنے خیال میں فارغ ہو چکے تھے اور یہ سمجھ لیا تھا کہ اب یوسف کو نہ گھر واپس آنا ہے نہ اسے کوئی برتری اور بلندی حاصل ہونی ہے یہ تو وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو آخر وہ دن آ گیا کہ یہ لوگ ان کے سامنے شرمندہ بھی ہوئے اور ان کو تعظیمی سجدہ بھی کیا سجدہ کرنے والوں میں گیارہ ستارے تو بھائی ہوئے اور چاند اور سورج والدین ہوئے جب یہ منظر سامنے آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے عرض کیا کہ اے باجان یہ میرے خواب کی تعبیر ظاہر ہو گئی، میں نے جو خواب دیکھا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی تعبیر سچی فرما دی قرآن مجید میں وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ فرمایا ہے، معنی حقیقی کے اعتبار سے عربی زبان میں ابوین ماں باپ کے لئے بولا جاتا ہے ان میں حضرت یعقوب علیہ السلام تو حقیقی طور پر والد کا مصداق تھے لیکن ان کے ساتھ جس خاتون کو تخت شاہی پر بٹھایا اور سب سجدہ ریز ہوئے ان

میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ تھیں یا بطور مجاز خالہ کو والدہ فرمایا ہے جن سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعد میں نکاح فرمالیا تھا۔ تفسیر کی کتابوں میں دونوں باتیں لکھی ہیں حضرت حسن اور مؤرخ ابن اسحٰق سے صاحب روح المعانی نے نقل کیا ہے کہ اس وقت تک ان کی حقیقی والدہ زندہ تھیں اگر ایسا ہو تو مجازی طرف جانے اور والدہ سے خالہ مراد لینے کی ضرورت نہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ اس نے مجھے جیل سے نکالا چونکہ جیل سے نکلنے کے بعد ہی بلند مرتبہ پر پہنچے تھے اس لئے مصر میں جن نعمتوں سے سرفراز ہوئے ان میں ابتدائی نعمت کا تذکرہ فرمادیا اور چونکہ حصول اقتدار ہی سارے خاندان کو مصر بلانے کا ذریعہ بنا اس لئے ساتھ ہی دوسری نعمت کا تذکرہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو دیہاتیوں والی آبادی سے لے آیا اور یہاں میرے پاس اتار بسادیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ کہ یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا جبکہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان بگاڑ کی صورت بنادی تھی، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کنوئیں سے نکالنے کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ جیل سے نکالے جانے کا تذکرہ فرمایا اور مزید یہ کیا کہ بھائیوں نے جو کچھ کیا تھا اسے شیطان کی طرف منسوب کردیا ان دونوں باتوں میں حکمت یہ تھی کہ بھائی مزید شرمندہ نہ ہوں جب معاف کردیا اور برائی بھول بھلیاں کردی تو اب اس کا تذکرہ کرکے دل دکھانا مناسب نہ جانا کریموں کی یہی شان ہوتی ہے۔

اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اس کے لطیف تدبیر کردیتا ہے (جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکالنے کے لئے دو قیدیوں کے خواب کی تعبیر کو تدبیر بنادیا) اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ (بلاشبہ میرا رب جاننے والا ہے حکمت والا ہے) وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جانتا ہے اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں، اس کے بعد غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرمایا (کما فی سورۃ الفاتحۃ) اور بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ (اے میرے رب آپ نے مجھے سلطنت کا ایک حصہ عطا فرمایا) اس میں اللہ تعالیٰ کے دو انعامات کا تذکرہ فرمایا ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ملک عطا فرمایا صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس میں من تبعیض کے لئے ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ملک کا بڑا حصہ عطا فرمایا چونکہ اس جگہ بڑی نعمتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے اس لئے بڑا ملک مراد لینا مناسب ہے ای بعضا عظیما منہ اور بعض حضرات نے یوں فرمایا کہ فاضافہ اس لئے زیادہ فرمایا ہے کہ مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اقتدار تو حاصل تھا لیکن شاہی اقتدار دوسرے ہی شخص کا تھا جس نے اقتدار سپرد کیا تھا، دوسری نعمت جس کا تذکرہ فرمایا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم نصیب فرمایا، اور خوابوں کی تعبیر کا علم بہت بڑا علم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اسی تعبیر دانی کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے نکلے اور مصر میں انہیں اقتدار حاصل ہوا۔

خواب کے بارے میں ضروری معلومات۔ .....خواب میں جو دیکھا جائے اس کے اشاروں کو سمجھ کر جو تعبیر دی جائے اس تعبیر کا صحیح ہونا ضروری نہیں لیکن جن کو اللہ تعالیٰ خوابوں کے اشاروں کی سمجھ اور بصیرت نصیب فرماتا ہے وہ ان کو عموماً سمجھ لیتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مبشرات کے علاوہ نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مبشرات (بشارت دینے والی چیزیں) کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اچھے خواب ہیں جنہیں کوئی مسلمان خود دیکھ لے یا اس کے لئے دیکھ لئے جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۳ صحیح بخاری، موطا امام مالک)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ (بخاری ص ۱۰۳۰ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ

شیطان میری صورت بنا کر نہیں آ سکتا۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۳۲ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آخری زمانہ ہوگا تو مؤمن کا خواب جھوٹا ہونے کے قریب ہی نہ ہوگا اور سب سے سچا اس شخص کا خواب ہوگا جو اپنی بات میں سب سے زیادہ سچا ہوگا (پھر فرمایا) کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ ہے جس میں اللہ کی طرف سے بشارت ہے اور دوسری وہ ہے جو انسان کے اپنے خیالات ہوتے ہیں اپنے نفس سے جو باتیں کرتا ہے وہ خواب میں نظر آجاتی ہیں اور تیسرا خواب وہ ہے جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے وہ رنجیدہ کرنے کے لئے خواب میں آجاتا ہے (پھر فرمایا) سوتم میں سے جو کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو ناگوار ہو تو کسی سے بیان نہ کرے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔

(رواہ الترمذی فی ابواب الرؤیا)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو ناگوار ہو تو بائیں طرف کو تین بار تھتکار دے اور تین بار اللہ کی پناہ مانگے، شیطان سے یعنی (اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھے) اور جس کروٹ پر لیٹا ہوا ہے اسے بدل دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۳۹۴)

حضرت ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس (۴۶) حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور وہ پرندہ کی ٹانگ پر ہے جب تک خواب بیان کرنے والا بیان نہ کر دے سو جب وہ (کسی کے سامنے) بیان کر دے گا اور اس کی تعبیر دے دی جائے گی تو تعبیر کے مطابق ظاہر ہو جائے گا اور اپنا خواب صرف ایسے شخص سے بیان کرو جو تم سے محبت رکھنے والا ہے (جو نامناسب تعبیر نہ دے) یا عقل مند آدمی سے بیان کرو جو اچھی تعبیر دے یا کم از کم یہی کرے کہ بری تعبیر سمجھ میں آئے تو خاموش رہ جائے۔ (رواہ الترمذی)

یہ جو فرمایا کہ خواب پرندہ کی ٹانگ پر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے قرار نہیں ہے جیسے تعبیر دی جائے گی اس کے مطابق ہو جائے گا لہٰذا ایسے شخص سے ذکر نہ کرے جو محبت اور تعلق نہ رکھتا ہو اور ایسے دوست بھی بیان نہ کرے جو عقل مند نہ ہو۔

بعض خوابوں کی تعبیریں..... رسول اللہ ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خواب سنتے تھے اور ان کی تعبیر دیا کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے ورقہ بن نوفل کے بارے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا (جو ان کے چچازاد بھائی تھے) کہ ورقہ نے آپ کی تصدیق کی تھی لیکن آپ (کی دعوت) کا ظہور ہونے سے پہلے ان کو موت آگئی ان کے بارے میں کیا سمجھا جائے؟ آپ نے فرمایا میں نے انہیں خواب میں اس طرح دیکھا ہے کہ ان کے اوپر سفید کپڑے ہیں اگر وہ دوزخیوں میں سے ہوتے تو ان کے اوپر اس کے علاوہ دوسرا لباس ہوتا (رواہ الترمذی) آپ نے سفید کپڑوں سے اس پر استدلال کیا کہ انہوں نے جو تصدیق کی تھی وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایمان کے درجہ میں معتبر ہوگئی اور وہ دوزخ سے بچا دیئے گئے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے اس میں سے پیا اور اتنا پیا کہ یہ معلوم ہونے لگا کہ سیرابی ناخنوں سے ظاہر ہو رہی ہے پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر بن خطاب کو دے دیا، حاضرین نے عرض کیا رسول اللہ آپ نے اس کی کیا تعبیر دے دی؟ آپ نے فرمایا میں نے اس کی تعبیر علم سے دی یعنی مجھے اللہ نے بہت علم دیا اور اس علم میں سے عمر بن خطاب کو بھی عطا فرمایا۔ (بخاری ص ۱۰۳۷ ج ۲)

اس حدیث میں دودھ سے علم مراد لیا ہے جیسا کہ دودھ اجسام کی پرورش کا ذریعہ ہے اسی طرح قلوب کی حیات کا سبب ہے۔ حضرت

ام العلاءؓ نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ عثمان بن مظعون کے لئے ایک نہر جاری ہے۔ میں نے اس کا رسول اللہ ﷺ سے تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ ان کا عمل جاری ہے (صحیح بخاری ص ۱۰۳۹ ج ۲) ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ ایک کالی عورت جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں مدینہ منورہ سے نکل کر جحفہ میں مقیم ہوگئی آپؐ نے اس کی تعبیر دی کہ مدینہ کی وبا نکل کر جحفہ میں چلی جائے گی۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۴۴ ج ۲)

آپؐ نے کالی عورت کو وبا سے تعبیر فرمایا اور آپؐ کی تعبیر کے مطابق ہی ہوا کیونکہ مدینہ منورہ کی آب وہوا درست ہوگئی اور جحفہ برباد ہوگیا وہاں اس وقت یہودی رہتے تھے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے دیگر خوابوں کی تعبیر بھی مروی ہے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں حضرت محمد بن سیرین تابعی رحمۃ اللہ علیہ کو اس میں بڑی مہارت تھی جیسا کہ مشہور ہے، بعض مرتبہ خواب دیکھنے والا اپنے خواب کی وجہ سے حیرت اور استعجاب اور فکر و رنج میں پڑ جاتا ہے لیکن اس کی تعبیر بہت اچھی ہوتی ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کو کھول کر ہڈیاں نکال رہا ہوں خواب دیکھ کر گھبرا گئے حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آدمی بھیج کر تعبیر پوچھی تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے علم کو پھیلائے گا۔

ضروری نہیں کہ خواب کی جو تعبیر دی جائے صحیح ہونے کے باوجود اس کا ظہور جلدی ہو جائے حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا تھا کہ مجھے چاند سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں لیکن اس کا ظہور ایک طویل عرصے کے بعد ہوا جب اس کا ظہور ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا کہ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرنا بھی شکر کا ایک شعبہ ہے

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہیں، نعمتوں کا اقرار کرنا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنا اور پھر ان نعمتوں کو اعمال صالحہ میں لگانا اور گناہوں میں خرچ نہ کرنا یہ سب شکر کے شعبے ہیں نعمتوں کا انکاری کرنا ناشکری ہے۔ سورہ نحل میں اسی ناشکری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (کیا اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں) قارون کو اللہ تعالیٰ شانہ نے مال کثیر عطا فرمایا تھا جب اس سے کہا گیا وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (اور تو زمین میں فساد کا خواہاں مت ہو بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) تو اس نے جواب میں کہا اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (کہ یہ مال جو مجھے ملا ہے صرف میرے ذاتی ہنر کی وجہ سے دیا گیا ہے) اس نے اسے اللہ کا دیا ہوا مال ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے ہی ہنر کی طرف نسبت کر دی پھر جو اس کا انجام ہوا سب کو معلوم ہے، رسول اللہ ﷺ نے جو قولاً اور فعلاً اوقات مختلفہ کی دعائیں بتائیں ہیں ان میں بار بار اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار ہے صبح شام پڑھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو دعائیں بتائی ہیں ان میں سید الاستغفار بھی ہے اس دعا کے یہ الفاظ ہیں۔

اللھم انت ربی خلقنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذبک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت

ترجمہ: ”اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا فرمایا اور جہاں تک ہو سکے تیرے عہد پر اور تیرے وعدہ پر قائم ہوں میں اپنے گناہوں کے شر سے آپ کی پناہ لیتا ہوں اور مجھ پر جو آپ کی نعمتیں ہیں ان کا اقرار

کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں لہٰذا میری مغفرت فرما دیجئے کیونکہ آپ کے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا''۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا قرار ہے اور اپنے گناہوں کا بھی، اور مغفرت کی دعا بھی ہے، فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص اس کو دن میں یقین کے ساتھ پڑھ لے پھر شام ہونے سے پہلے اسی دن میں اسے موت آجائے تو اہل جنت میں سے ہوگا اور جو شخص اسے رات میں یقین کے ساتھ پڑھ لے صبح ہونے سے پہلے اسی رات میں مر جائے تو اہل جنت میں سے ہوگا۔ (رواہ بخاری ص ۹۳۳ ج ۲)

اسلام پر مرنے اور صالحین میں شامل رہنے کی دعا اسکے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں دعا کی فاطر السّموت والارض انت ولیّ فی الدّنیا والاٰخرۃ (اے زمین و آسمان کے پیدا فرمانے والے آپ ہی دنیا و آخرت میں میرے کارساز ہیں) توفّنی مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بالصّٰلِحِیْنَ (مجھے اس حالت میں موت دیجئے کہ میں فرماں بردار ہوں اور مجھے نیک بندوں میں شامل فرما دیجئے) اس سے معلوم ہوا کہ باایمان اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہوتے ہوئے موت آجانا سب سے بڑی سعادت ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حضرات مرتبہ کے اعتبار سے اپنے سے زیادہ ہوں ان کے احوال اور اعمال میں اور ان کی طرح اجر و ثواب کے استحقاق میں شامل ہونے کی دعا کرنا چاہئے حضرت یوسف علیہ السلام خود نبی تھے پھر بھی دعا کی کہ اے اللہ مجھے صالحین میں شامل فرما، اے یعنی باپ دادے حضرت یعقوب اسحٰق اور ابراہیم علیہم السلام کے درجات میں پہنچا دے۔

یہاں جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا کیوں کی وہ تو اچھے حال میں تھے نعمتوں کی فراوانی تھی حالانکہ دکھ تکلیف کی وجہ سے بھی موت کی دعا کرنا ممنوع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں نہیں کہا کہ مجھے ابھی موت دے دی جائے بلکہ مطلب یہ تھا کہ مقررہ وقت پر جب مجھے موت آئے تو یہ سعادت نصیب ہو جس کا سوال کر رہا ہوں۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجتے ہیں، اور آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے۔ جب انہوں نے اپنے کام کا پختہ ارادہ

يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ

تدبیر کر رہے تھے، اور اکثر لوگ یقین کرنے والے نہیں ہیں اگرچہ آپ حرص کریں، اور آپ اس پر ان سے کسی قسم کا سوال نہیں کرتے

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

یہ تو جہانوں (دنیا) کے لئے نصیحت ہے۔

ع ۱۱

غیب کی خبریں بتانا آنحضرت ﷺ کی رسالت کی دلیل ہے

یہ تو ہر دوست اور ہر دشمن کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سے نہیں پڑھا تھا اور نہ ایسے لوگوں کی صحبت اٹھائی تھی جو سیدنا حضرت یوسف کا قصہ آپ کو بتاتے اور سناتے، تفصیل کے ساتھ یہ قصہ بتا دینا یہ واضح طریقہ پر آپ کی نبوت کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو یہ قصہ بتایا اور آپ نے لوگوں کو سنایا یہودیوں نے جب یہ قصہ سنا جسے وہ اپنے آباؤ اجداد سے سنتے آئے تھے تو انہیں اسلام قبول کر لینا لازم تھا لیکن انہوں نے پھر بھی اسلام قبول نہیں کیا، صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے کفار مکہ سے کہا کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو کہ وہ کیا سبب تھا جس کی وجہ سے بنی اسرائیل اپنے وطن کو چھوڑ کر مصر میں آکر آباد ہوئے؟ قریش نے آپ سے

سوال کیا تو سورۂ یوسف علیہ السلام نازل ہوئی، یہودی اپنے خیال میں بہت دور کی کوڑی اٹھا کر لائے تھے اور انہوں نے سمجھا تھا کہ آپ کی طرف سے اس کا جواب نہ مل سکے گا اور قریش مکہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کو کسی طرح رنج کریں لیکن جب جواب مل گیا تو دونوں فریق ہیں رہے جہاں تھے یعنی اسلام قبول نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ غیب کی خبریں ہم آپ کو وحی کے ذریعہ بتاتے ہیں، جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپس میں مل کر یہ طے کر لیا کہ ان کو کنوئیں میں ڈال دیں اور وہ طرح طرح کی تدبیریں سوچ رہے تھے اس وقت وہاں آپ موجود نہیں تھے، یہ بات یہودیوں کو معلوم تھی اور قریش مکہ کو بھی سمجھا دی تھی پھر یہ بات آپ کو کس نے بتا دی، ظاہر ہے کہ وحی کے ذریعہ اس بات کا علم ہوا لہٰذا سوال کرنے والوں اور سوال کی تحقیق کرنے والوں پر لازم ہوا کہ آپ کی تصدیق کریں اور آپ پر ایمان لائیں، آپ کا دل چاہتا تھا کہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیں معجزات سامنے آتے رہتے تھے لیکن اسلام قبول نہیں کرتے تھے، آپ کو امید تھی کہ یہ قصہ سن کر یہودی اور قریش مسلمان ہو جائیں گے لیکن انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا حالانکہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بتا دیں تو اسلام قبول کر لیں گے (تفسیر صاحب البرہان عن بعض ص ۶۵ ج ۱۳) آپ کو حرص تھی کہ لوگ اسلام قبول کریں اور خصوصاً قصہ یوسفی سنانے کے بعد تو اور زیادہ امید ہو گئی تھی جب وہ لوگ ایمان نہ لائے تو آپ کو رنج ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کے رنج کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اگر چہ آپ اس بارے میں حرص کریں اس کے بعد فرمایا وما تسئلھم علیہ من اجر آپ ان سے اس پر کسی معاوضے کا سوال نہیں کرتے ان ھو الا ذکر للعالمین (یہ جہان والوں کے لیے صرف نصیحت ہی ہے) انکے ایمان نہ لانے میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ان کا اپنا خسارہ ہے کہ نصیحت نہیں مانتے اور حق کی طرف نہیں آتے۔

فوائد و مسائل

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ ختم ہوا قصہ بیان کرتے ہوئے تفسیر کے دوران ہم نے بہت سے فوائد اور ضروری امور لکھ دیئے ہیں لیکن بعض باتیں رہ گئی ہیں جنہیں مفسرین نے بیان کیا ہے ذیل میں وہ بھی لکھی جاتی ہیں جو کوئی بات مکرر آگئی ہے قلمزد سمجھ کر لکھ دیا گیا ہے۔

۱) اچھے خواب اللہ کی نعمت ہے مؤمن کے لئے بشارت ہے اور خواب کی تعبیر جاننا بھی اللہ کی نعمت ہے۔

۲) حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ تجھے تکلیف دینے کی تدبیر کریں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کے بارے میں یہ گمان ہو کہ اسے فلاں شخص نقصان پہنچانے کا تو جسے تکلیف پہنچانے کا اتہام ہو اسے یہ بات بتانا کہ تم احتیاط سے رہو فلاں شخص کی طرف سے تمہیں تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے یہ غیبت حرام میں شامل نہیں ہے۔

۳) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی پیغمبر نہیں تھے ورنہ وہ یوسف علیہ السلام کو بوڑھے باپ سے جدا کرنے کی تدبیر نہ کرتے، باپ کو تکلیف پہنچانا اور باپ بھی وہ جو اللہ کا پیغمبر ہے اس کا صدور کسی پیغمبر سے نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے بہت بڑے فسق کا عمل کیا معلوم ہوا کہ صالحین کی اولاد سے بھی گناہ کبیرہ ہو سکتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد کے گناہوں کی وجہ سے ماں باپ پر طعن و تشنیع کرنا انہیں گناہوں میں شامل سمجھنا صحیح نہیں جب کہ انہوں نے تعلیم اور تربیت میں کوتاہی نہ کی ہو جب انہوں نے نیکی کی راہ بتا دی اور یہ بتا دیا کہ یہ چیزیں گناہ کی ہیں تو وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہو گئے۔

۴) حضرت یوسف علیہ السلام بارہ بھائی تھے جن میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہلی بیوی سے اور دو ان کی دوسری بیوی سے تھے یعنی یوسف علیہ السلام اور بنیامین (یہ دونوں حقیقی بھائی تھے) ان بارہ بیٹوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل چلی حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب

اسرائیل تھا اسی لئے ان کے تمام بیٹوں کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام اور اس وقت جو آپ کی بیوی تھی اور بارہ بیٹے اپنی ازواج واولاد کے ساتھ مصر میں جا کر آباد ہو گئے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کا مصر میں انتقال ہو گیا اور ان کی وصیت کے مطابق ان کو سابقہ وطن یعنی کنعان میں لا کر دفن کر دیا گیا جیسا کہ کتب تفسیر میں مرقوم ہے ان کے بیٹے مصر ہی میں رہتے رہے ان کی نسلیں آگے بڑھیں حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد ان لوگوں کا اقتدار میں کچھ بھی حصہ نہ رہا اور وہاں سے واپس آ کر اپنے وطن کنعان میں بھی آباد نہ ہوئے مصر ہی میں رہتے رہے چونکہ مصریوں کے ہم قوم بھی نہ تھے ہم مذہب بھی نہ تھے اور پردیس سے آ کر آباد ہوئے تھے اس لئے مصریوں نے انہیں بری طرح غلام رکھا تھا سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے کہ مصری ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور یہ ان کے سامنے اف بھی نہ کر سکتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو مصر سے لے کر نکلے جس کا واقعہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے تو اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی بارہ بھائیوں کی اولاد بارہ قبیلوں میں منقسم تھی یہی وہ بارہ قبیلے تھے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام میدان تیہ میں پانی کے لئے پتھر میں لاٹھی مارتے تھے تو بارہ چشمے جاری ہو جاتے تھے تو ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے پانی پی لیتا تھا تاریخ و تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ لوگ چار سو سال (۴۰۰) کے بعد مصر سے نکلے تھے۔

۵) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جو اپنے والد سے یوں کہا کہ یوسف کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے وہ کھائے گا اور کھیلے گا اس کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ کھیلنا مشروع کام ہے میں اس کے لئے نہیں بھیجتا بلکہ یوں فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور تمہاری غفلت میں اسے بھیڑیا کھا جائے، حضرات علمائے کرام نے اس سے یہ مستنبط کیا ہے کہ سیر و تفریح اور کھیل کود جو حدود شرعیہ کے اندر ہو جائز اور مباح ہے بچوں کو اس کا کھیلنا کھلانا جائز ہے، اور بالغین بھی آپس میں دوڑ لگا سکتے ہیں بشرطیکہ خیر کی نیت سے ہو تو اس میں ثواب بھی ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے سے ملک روم (یورپ کا علاقہ) فتح ہو گا اور اللہ ان کے شر کو تم سے دور رکھے گا تو تم میں سے کوئی شخص اس سے عاجز نہ ہو جائے کہ اپنے تیروں سے کھیلا کرے (یعنی تیر اندازی کی مشق ہمیشہ کرتے رہو) (رواہ مسلم) چونکہ تیروں کا پھینکنا جنگ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے (اور اب تو جدید آلات حرب کا پھینکنا جنگ کا معیار بن گیا ہے) اس لئے آپ نے تیر اندازی کی مشق کا حکم دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے جس میں گھوڑوں کا مقابلہ ہوتا تھا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۶) جو بھی کوئی کھیل ایسا ہو جس میں کشف عورت نہ ہو نماز سے غفلت نہ ہو جوا نہ ہو اور اس میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو ایسا کھیل کھیلنا جائز ہے۔

۶) جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو ان میں سے ایک بھائی نے جو سب سے بڑا تھا یوں کہا کہ اسے قتل نہ کرو بلکہ کسی کنویں میں ڈال دو تا کہ اسے آنے جانے والے قافلے اٹھا لیں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب کوئی جماعت کسی شر کا ارادہ کر رہی ہے تو جس سے ہو سکے انہیں منع کر دے اگر بالکل منع نہ کر سکے تو کم از کم ایسی بات کا مشورہ دے دے جو فساد اور قباحت اور شناعت کے اعتبار سے ہلکی ہو۔

۷) جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں باخبر فرما دیا کہ ایسا وقت آئے گا جبکہ تم ان کا یہ عمل یاد دلاؤ گے اسے الفاظ اَوْحَیْنَا سے تعبیر فرمایا، عام طور سے لفظ وحی اللہ تعالیٰ کے انہیں پیغامات کے لئے استعمال ہوتا تھا جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس فرشتہ کے ذریعہ آتے تھے لیکن بعض دیگر مواقع کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ

کے بارے میں فرمایا وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ اور شہد کی مکھی کے لئے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ فرمایا ہے، چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں ڈالے جانے کے وقت کمسن تھے اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ان کو تسلی دینا اور یہ ارشاد فرمانا کہ تم اس بات کو اپنے بھائیوں کو بتاؤ گے الہام کے طور پر تھا نبوت والی وحی سے اس وقت سرفراز نہیں ہوئے تھے روح المعانی میں اس قول کو حضرت مجاہد تابعی کی طرف منسوب کیا ہے ان کی اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ چند آیات کے بعد اللہ جل شانہٗ نے وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حکم کو نبوت کے معنی میں لیا ہے۔

۸) برادرانِ یوسف جب حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ پر خون لگا کر لائے اور اپنے والد سے کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا اور اپنی بات کی تصدیق کے لئے بطور سند خون آلود کرتہ پیش کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اندازہ لگا لیا کہ یوسف کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا اور کرتہ کو صحیح سالم دیکھ کر انہوں نے سمجھ لیا کہ ان کا بیان غلط ہے، بھیڑیا کھاتا تو کرتہ پھٹا ہوا ہوتا اور اپنی فہم و فراست پر انہیں اتنا اعتماد ہوا کہ ان سے فرمادیا کہ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا (بلکہ بات یہ ہے کہ تمہارے نفسوں نے ایک بات بنالی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ قاضی اور حاکم فریقین کے بیانات کے ساتھ حق اور ناحق کی چھان بین کے لئے اصول کے مطابق فیصلہ تو گواہوں اور قسم ہی کے ذریعہ کرے لیکن احوال اور قرائن میں غور کرنے سے حق اور حقیقت تک پہنچنے میں مدد ملے گی۔

۹) حضرت یعقوب علیہ السلام کو بہت بڑا صدمہ پہنچا کہ ان کا چہیتا بیٹا نظروں سے اوجھل ہو گیا انہوں نے بیٹوں کی غلط بیانی تو پکڑ لی لیکن آگے کچھ کر نہیں سکتے تھے صبر کے سوا چارہ بھی کیا تھا لہٰذا انہوں نے فرمایا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ اور ساتھ ہی یوں بھی کہا وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (کہ اللہ تعالیٰ ہی سے اس پر مدد مانگتا ہوں جو تم بیان کرتے ہو) اس سے معلوم ہوا کہ صبر جمیل بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف برابر توجہ بھی رہے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا رہے اور مشکل حل ہونے کے لئے دعا کرتا رہے صبر جمیل وہ ہے جس میں شکوہ شکایت نہ ہو۔

۱۰) قرآن مجید میں تصریح ہے کہ جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا وہ عزیز تھا اس شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ وزیر خزانہ تھا اور نام اس کا قطفیر تھا اور مصر کا بادشاہ دوسرا شخص تھا کیونکہ بادشاہ کا ذکر قرآن مجید میں عزیز مصر کے واقعہ کے بعد موجود ہے، مفسرین لکھتے ہیں کہ بادشاہ کا نام ریان تھا جو قوم عمالقہ میں سے تھا یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے پہلے ہی بحالت اسلام انتقال کر گیا۔

۱۱) عزیز مصر کی بیوی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو برے کام کے لئے پھسلایا تھا اس کا نام عام طور پر زلیخا مشہور ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام سے اس کا نکاح ہوا یہ باتیں اسرائیلیات سے لی گئی ہیں قرآن مجید میں یا احادیث شریف میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

۱۲) عزیز مصر کی بیوی نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلایا اور لبھایا تو اس نے دروازے بند کر دئے اور هَيْتَ لَكَ کہہ کر اپنا مقصد ظاہر کر دیا حضرت یوسف علیہ السلام نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں ایسے کام سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اور یہ بھی کہا کہ تیرا شوہر میرا محسن ہے اس نے میری پرورش کی ہے مجھے اچھی طرح رکھا ہے اب میں یہ خیانت کیسے کر سکتا ہوں کہ اس کی بیوی کی ساتھ ایسا کام کروں اگر میں ایسا کروں تو یہ ظلم اور ناشکری کی بات ہوگی ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے، وقتی طور پر ان کے نفس کی کوئی خواہش پوری ہو جائے لیکن آئندہ زندگی میں وہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہوں گے۔

۱۳) یہ تو انہوں نے زبانی طور پر اس عورت کو سمجھایا اور اپنی طرف سے اسے ناامید کرنے کی کوشش کی لیکن ساتھ ہی یہ ہوا کہ وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے وہ عورت بھی پیچھے دوڑی حضرت یوسف علیہ السلام کو معلوم تھا کہ دروازے بند ہیں اس کے باوجود بھی انہوں نے دوڑ لگا دی اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی گناہ کے موقع میں پھنس جائے تو اس سے بچنے کی ہر طرح کی تدبیر کرے اور اپنے بس میں جو کچھ ہو گناہ سے بچنے کے لئے اسے استعمال کرے جب اپنی حالت کی بقدر محنت اور کوشش کر گزرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آجائے گی۔

۱۴) جیسے مختلف حیثیتوں کے اعتبار سے نیکی کا وزن بڑھ جاتا ہے اسی طرح گناہوں سے بچنے کی شان میں بھی بعض حیثیتوں سے ثواب بڑھ جاتا ہے کسی شخص سے کوئی بدصورت بری بڑی عورت بھنگن چمارن برے کام کے لئے کہے تو اس سے بچنا بھی بڑی ہمت کی بات ہے لیکن اگر کسی شخص سے کوئی دنیاوی اعتبار سے بڑے مرتبہ والی عورت اور وہ بھی جو حسین جمیل ہو بدکاری کی دعوت دے اس سے بچ جانا بہت بڑے درجہ کی بات ہے اور یہ تقویٰ پہلے شخص کے تقویٰ سے بہت زیادہ بلند ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے سات آدمیوں کا ذکر فرمایا جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ان سات آدمیوں میں سے ایک شخص کا ذکر کرتے ہوئے یوں فرمایا ورجل دعتہ امراۃ ذات حسب و جمال فقال انی اخاف اللہ (اور ایک وہ شخص جسے مرتبہ اور حسن و جمال والی عورت نے برے کام کے لئے دعوت دی تو اس نے کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں) (مشکوٰۃ مصابیح ص ۲۱۹)

حضرت یوسف علیہ السلام کو جس عورت نے برے کام کی دعوت دی تھی وہ وزیر کی بیوی تھی بظاہر وہ خوب صورت بھی ہوگی لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے صاف انکار کر دیا درحقیقت یہ بڑے دل گردہ کی بات ہے ایسے موقعہ پر گناہ سے بچ جانا بڑی ہمت اور قوی ایمان کی دلیل ہے اور سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے کوئی نشانی ظاہر فرما دی جو گناہ سے مانع بن گئی اور نشانی کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کذلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء (ہم نے اسی طرح ان کو علم دیا تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں)

۱۵) حسن اخلاق اور حسن معاشرت بڑی عمدہ چیز ہے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں پہنچے تو وہاں جو دوسرے قیدی تھے (جو عموماً جرائم کی وجہ سے محبوس اور مسجون ہوتے ہیں) ان کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے خوش خلقی کا ایسا عمدہ برتاؤ کیا کہ وہ لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے جب دو شخصوں نے خواب دیکھا اور اس کی تعبیر لینے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بے ساختہ ان کے منہ سے یہ نکل گیا کہ انا نراک من المحسنین خاص کر کہ مبلغ مصلح اور داعی کو تو اور زیادہ خوش اخلاق ہونا ضروری ہے اس کے بغیر اس کا کام آگے نہیں بڑھتا حضرت یوسف علیہ السلام کے اخلاق صدق و سچائی اور حسن معاشرت نے قیدیوں کے دلوں میں اس قدر گھر لیا تھا کہ بادشاہ کے خواب کی کوئی شخص تعبیر نہ دے سکا تو اس شخص نے کہا جو جیل سے رہا ہوا تھا کہ میں تمہیں خواب کی تعبیر بتاؤں گا وہ جیل میں آیا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے یوسف ایھا الصدیق کہہ کر خطاب کیا اور اپنی عقیدت کی وجہ سے لفظ الصدیق کے بغیر بات کرنا گوارا نہ کیا۔

۱۶) جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا حضرت یوسف علیہ السلام کے طرز عمل سے یہ واضح ہوا کہ جب کسی داعی مبلغ سے کسی کا کام پڑ جائے تو اسے ارشاد و اصلاح کا ذریعہ بنا لے، جب حضرت یوسف علیہ السلام سے دو جوانوں نے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے تعبیر بعد میں بتائی اور

موقع مناسب جان کر پہلے توحید کی دعوت دے دی اور اپنا تعارف بھی کرا دیا کہ میں کافروں کی ملت پر نہیں ہوں اور اپنے باپ دادا ابراہیم اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کے دین پر ہوں جو اللہ کے نبی تھے۔

۱۷) جیل سے جس شخص کی رہائی ہوئی اس سے یوسف علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کر دینا اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت سے چھٹکارا کے لئے کوشش کرنا اور کسی کو واسطہ بنانا یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔

۱۸) کیسے بھی اسباب اختیار کر لئے جائیں ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قضاء قدر میں ہو، جب اللہ کی مشیت ہو اور قضاء وقدر کے اعتبار سے مقررہ وقت آ چکا ہو سبب بھی اسی وقت کام دیتا ہے اور دوا بھی اسی وقت فائدہ مند ہوتی ہے دوا بنانے والے طبیب سے بھی اسی وقت ملاقات ہوتی ہے بلکہ بعض مرتبہ دعا کی بھی توفیق اس وقت ہوتی ہے جب کام ہونے کا وقت مقرر آ پہنچا ہو **وقد حرب ذٰلک کثیرا** دعا، دوا اسباب اختیار کرتا رہے اللہ کے فضل کا امیدوار رہے جب اللہ چاہے گا فائدہ پہنچ جائے گا حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہا ہونے والے شخص سے فرما دیا تھا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کر دینا لیکن اسے شیطان نے بھلا دیا لہٰذا چند سال جیل میں رہنا پڑا، پھر جب قضاء وقدر کے موافق جیل سے نکلنے کا وقت آیا تو بادشاہ کا خواب اور جیل سے نجات پانے والے کا یاد آ جانا حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا ظاہری سبب بن گیا۔

۱۹) جیل سے رہا ہونے والا ساتھی برسوں کے بعد جب خواب کی تعبیر لینے کے لئے واپس لوٹا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے بڑے حلم اور بردباری سے کام لیا آپ نے اسے کچھ ملامت نہ کی اور یوں نہ فرمایا کہ تجھ سے اتنا کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا تو نے کچھ بھی نہ کیا۔

۲۰) حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کی خواب کی تعبیر بھی دی اور خیر خواہانہ مشورہ بھی دیا کہ سات سال تک جو غلہ پیدا ہوگا اس کو بالوں ہی میں محفوظ رکھنا تاکہ غلہ میں کیڑا نہ لگ جائے یہ ایک تجربہ کی بات ہے کہ جب تک غلہ خوشہ کے اندر رہتا ہے اسے کیڑا نہیں لگتا اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی امور کے بارے میں مشورہ دینا اور اپنے تجربہ کے موافق انتظام کے طریقے سمجھانا یہ کوئی بزرگی اور نبی کے خلاف نہیں ہے، اگر معاشی حالات درست کرنے کیلئے تجارت کو کام میں لایا جائے (جو شریعت کے خلاف نہ ہوں) تو یہ بات قابل نکیر نہیں ہے

۲۱) عزیز مصر کے گھر میں حضرت یوسف علیہ السلام کئی سال رہے اس نے اور اس کی بیوی نے اکرام سے رکھا کھلایا پلایا حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی احسان مندی کو سامنے رکھا اور جب بادشاہ کے سامنے اپنے معاملہ کی تحقیقات کا موقع آیا تو انہوں نے اس معاملہ کو ان عورتوں پر ڈال دیا جو عزیز مصر کی بیوی کی دعوت پر جمع ہوئی تھیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، بات کو صاف کرنے کے لئے یوں فرمایا **ما بال النسوۃ التی قطعن ایدیھن** اور یوں نہیں فرمایا کہ عزیز کی بیوی سے دریافت کیا جائے، حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی کا تو نام نہ لیا لیکن عزیز مصر کی بیوی خود بول اٹھی اور اپنے جرم کی اقراری ہوگئی اور اس نے برملا اقرار کیا **الئن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصدقین** کہ اب حق ظاہر ہو گیا میں نے اس سے اپنے مطلب نکالنے کا ارادہ کیا بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے۔

۲۲) جب شاہی دربار میں حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ظاہر ہوگئی تو انہوں نے یوں فرمایا **وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء** (کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں بتاتا بے شک نفس برائی کا حکم دینے والا ہے) اس میں یہ بات بتائی کہ جس موقع پر میں گناہ سے بچا ہوں یہ بچ جانا میرا ذاتی کوئی کمال نہ تھا نفس کا کام تو یہی ہے کہ گناہوں کا حکم دیا کرے **الا ما رحم ربی** (ہاں اللہ تعالیٰ رحمت

فرمادے اور اللہ تعالیٰ دستگیری فرمالے تو انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے) اس میں متقیوں پرہیزگاروں کو تنبیہ ہے کہ گناہوں سے بچنے کی جو توفیق ہوتی رہتی ہے اس پر نہ اترائیں اور نہ ناز کریں اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا اور بڑی رحمت والا ہے)

۲۳) قرآن حکیم میں نفس امارہ اور نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ تینوں کا ذکر آیا ہے حضرت حکیم الامت قدس سرہ بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ امارہ اگر توبہ کرلے تو اس کی مغفرت فرمائی جاتی ہے اور مرتبہ توبہ میں وہ لوامہ کہلاتا ہے، اور جو مطمئنہ ہے وہ کمال اکمل لازم ذات نہیں بلکہ عنایت و رحمت کا اثر ہے، پس امارہ کے لوامہ ہونے پر غفور کا ظہور ہوتا ہے اور مطمئنہ میں رحیم کا۔

۲۴) حضرت یوسف علیہ السلام نے جو اپنے بارے میں اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ دینی ضرورت کے موقع پر اپنے کسی کمال یا فضیلت کا ذکر کردینا جائز ہے اور یہ اس تزکیہ نفس میں نہیں آتا جس کی ممانعت قرآن حدیث میں وارد ہوئی ہے بشرطیکہ اس کا ذکر کرنا غرور و تکبر اور فخر کے لئے نہ ہو۔

۲۵) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی پہلی بار جب مصر سے غلہ لے کر واپس ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تمہارا جو ایک باپ شریک بھائی ہے اب کی مرتبہ اس کو بھی لیکر آنا اگر تم اسے ساتھ نہ لائے تو پھر تمہیں غلہ نہیں ملے گا، جب ان لوگوں نے واپس ہو کر اپنے والد سے بیان کیا کہ عزیز مصر نے یہ بات کہی ہے کہ اپنے بھائی کو نہ لاؤ گے تو غلہ نہیں ملے گا، اور یہ بیان کر کے انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ ہمیں پھر جانا ہے لہٰذا چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ بھیج دیا جائے والد صاحب کو بھیجنے میں تردد تو ہوا لیکن انہوں نے فرمایا کہ جاؤ اللہ بہترین حافظ ہے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پر ہے اور حقیقی محافظ وہی ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ حفاظت کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کردی اور ان سے قسم بھی لی کہ اسے تم ضرور واپس اپنے ہمراہ لے کر آؤ گے جب انہیں قسم دی تو ساتھ ہی اِلَّآ اَنْ یُّحَاطَ بِکُمْ بھی فرمادیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم واقعی اس کے لانے سے مجبور ہو جاؤ تو یہ دوسری بات ہے، اس میں اس بات کو بیان فرمایا کہ تم کیسا ہی وعدہ کرلو کیسی ہی قسم کھالو ہوگا وہی جو اللہ کی قضاء و قدر میں ہوگا اگر تم کسی ایسی مصیبت میں گھر گئے کہ اسے ساتھ نہ لا سکے اور اللہ کی قضاء و قدر غالب آگئی تو یہ صورت قسم میں شامل نہیں اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص قسم کھانے یا قسم کھلانے تو ساتھ یہ بھی کہہ دے کہ اللہ کی طرف سے کوئی مجبوری اور معذوری پیش آگئی تو وہ مستثنیٰ ہے اگر کسی نے کسی سے وعدہ کیا اور اس نے پختہ وعدہ کرلیا اور اپنی طاقت کے بقدر اس نے پورا کرنے کی کوشش کی اور پھر بے بس اور مجبور ہونے کی وجہ سے وعدہ پورا نہ کرسکا تو اس کو سرزنش اور ملامت نہ کی جائے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَمَا

اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر یہ لوگ گذرتے ہیں اور وہ ان سے اعراض کئے ہوئے ہیں اور ان میں سے

يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ

لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ شرک کرنے والے ہیں، کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہیں کہ ان پر اللہ کی طرف سے عذاب کی کوئی

عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

ایسی آفت آپڑے جو ان کو گھیر لے یا قیامت اچانک آپڑے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

یہ لوگ بہت سی آیات تکوینیہ پر گزرتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان فرمانے کے بعد (جو آپ کی نبوت پر واضح دلیل ہے) محی طبعین کا حال بیان فرمایا کہ جن لوگوں کو توحید سے اور آپ کی رسالت پر ایمان لانے سے عناد ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق میں سے بہت سی تکوینی نشانیاں دیکھتے ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے آسمانوں میں نشانیاں ہیں مثلاً ستارے ہیں اور خود آسمانوں کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی صفت تخلیق پر دلالت کرتا ہے، جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح زمین اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی ہے اور اس میں بہت سی نشانیاں ہیں، ان سب نشانیوں کو یہ لوگ دیکھتے ہیں سفر میں جاتے ہیں بہت سی ایسی چیزیں سامنے آتی ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف نہیں آتے، جب انہیں توحید کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے لئے شرکاء بھی تجویز کرتے ہیں جنہیں معبود ہونے میں اللہ تعالیٰ کا شریک مانتے ہیں یعنی ان باطل معبودوں کی بھی عبادت کرتے ہیں، شرک کے ساتھ ماننا کوئی ماننا نہیں ہے یہ ماننا نہ ماننے کے برابر ہے۔ ان لوگوں کا نہ توحید پر ایمان ہے نہ آپ کی رسالت کا انہیں اقرار ہے، کفر و شرک کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور بالکل اطمینان سے زندگی گزار رہے ہیں، اللہ کے عذاب اور غضب سے نہیں ڈرتے کیا انہیں اس بات کا اطمینان ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آئے گا اور کیا اچانک قیامت نہیں آسکتی ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسا عذاب آسکتا ہے جو انہیں ہر طرف سے گھیر لے یا اچانک قیامت آجائے، اور انہیں خبر بھی نہ ہو، وھٰذا کقولہ تعالیٰ اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِھِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ (الآیۃ) اور آخرت میں ہر کافر کے لئے دائمی عذاب ضروری ہے ہی۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ

آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں بصیرت پر ہوں اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میرا اتباع کیا، اور اللہ

وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

وقف النبی ﷺ

آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے اللہ کی طرف بلاتا ہوں

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے نبی (ﷺ) کو حکم فرمایا ہے کہ آپ واضح طور پر لوگوں سے کہہ دیں اور کفار اور مشرکین کے سامنے اعلان فرما دیں کہ میں جس راہ پر ہوں یہ میرا راستہ ہے جو توحید کا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میری یہ دعوت پوری بصیرت کے ساتھ ہے اور نہ صرف یہ کہ میں بصیرت پر ہوں جن لوگوں نے میرا اتباع کیا وہ بھی بصیرت پر ہیں۔ اس میں یہ بتا دیا کہ میری دعوت حق ہے صحیح ہے سمجھ کر ہوش گوش کے ساتھ ہے، میں اس کو چھوڑنے والا نہیں ہوں تم میری کسی بھی مخالفت کر لو میں بہر حال اپنے عقیدہ اور عمل پر قائم ہوں، جو شخص بھی یوں کہے کہ میں مسلمان ہوں محمد رسول اللہ ﷺ کے دین پر ہوں اس پر لازم ہے کہ پوری طرح دین اسلام پر جمے کسی قسم کی کجائی کو نفس میں اور قلب میں جگہ نہ دے اور دشمنوں سے واضح طور پر ٹھوک بجا کر ڈنکے کی چوٹ بات کرے اور ان سے کہہ دے کہ میں حق پر ہوں پوری بصیرت کے ساتھ ہوں تم لوگ باطل ہو، جو کوئی شخص دین اسلام پر اعتراض کرے تو خوب بڑھ چڑھ کر اس کا منہ توڑ جواب دے اور دلائل سے بات کرے کسی دشمن سے ذرا بھی نہ دبے نہ لچک اختیار کرے وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ (اور میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں) ہر طرح کے شرک سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرتا ہوں وَمَآ اَنَا مِنَ

الْمُشْرِكِيْنَ (اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں) مشرکین جو بھی کچھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں میں اس سے بری ہوں بیزار ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول ایسے ہی آدمی بھیجے جو مختلف بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے یہ لوگ جو ہیں کیا انہوں نے زمین میں چلے پھرے سو وہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے گذرے اور البتہ آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو متقی ہیں کیا تم نہیں سمجھتے۔

آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ انسان ہی تھے

مشرکین مکہ اور دوسرے کفار کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت پیش کی اور فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں تو ان لوگوں نے بہت سی اور طرح طرح کے بے تکے سوالات کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ تو ہمارے جیسے آدمی ہیں رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کا جواب دیا کہ ہم نے جتنے بھی رسول پہلے بھیجے ہیں وہ سب انسان ہی تھے جو مختلف بستیوں کے رہنے والے تھے یہ حضرات اپنی اپنی امتوں کی طرف بھیجے گئے اور ان کو حق کی دعوت دی اور اس میں بہت بڑی حکمت ہے اور وہ یہ کہ ہم جنس ہی ہم جنس کو صحیح طریقہ پر ہدایت دے سکتا ہے قولاً بھی اور فعلاً بھی زبان سے بھی بتا سکتا ہے فعلاً عمل کر کے بھی دکھا سکتا ہے اور یہ بات فرشتوں کے ذریعہ حاصل نہیں کیونکہ ان میں انسانی مزاج اور طبیعت نہیں ہے لہٰذا عمل کر کے نہیں دکھا سکتے آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ بھی انسان ہی تھے ان حضرات کی امتوں نے ایسے ہی بے تکے سوال کئے تھے جو آپ کے مخاطبین اٹھا رہے ہیں یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے جو آپ کو پیش آیا آپ سے پہلے رسولوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں کما فی سورۃ الرعد قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (الی اخر الآیتین)

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ اس میں مخاطبین کو تذکیر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم توحید پر نہیں آتے رسول اللہ کی دعوت پر کان نہیں دھرتے کیوں اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے، کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تاکہ ان قوموں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے تھے یعنی ان سے پہلے بھی رسولوں کو ان کی امتوں نے جھٹلایا جس کی وجہ سے ماخوذ ہوئے اور ہلاک ہوئے زمین پر چلیں پھریں قرن سے مکانوں کے کھنڈرات پتھر اور بے کار پڑے ہوئے کنویں نظر آئیں گے، اگر عبرت حاصل کرنے کا مزاج ہو تو عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی جو بندے تقویٰ اختیار کرتے ہیں کفر و شرک سے بچتے ہیں گناہوں سے دور رہتے ہیں فرائض واجبات کا اہتمام کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے دار آخرت میں بڑی بڑی نعمتیں ہیں اور دار آخرت ان کے لئے ان دنیاوی نعمتوں کی چیزوں سے بہتر ہے جن سے اہل دنیا چپکے ہوئے ہیں اور یہ چیزیں انہیں ایمان سے روک رہی ہیں اور اعمال خیر سے دور رکھ رہی ہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) فانی کو باقی پر ترجیح دیتے ہو اور یہ خیال نہیں کرتے کہ گرفت میں دیر ہونا دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ

کبھی بھی دنیا اور آخرت میں عذاب میں مبتلا نہ ہوں گے۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ

یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہوگئے اور انہیں یہ گمان ہوگیا کہ ہماری قسم سے غلطی ہی تو ہماری مدد ان کے پاس آگئی پھر ہم نے جس کو چاہا اسے نجات دے دی گئی

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

اور ہمارا عذاب مجرموں سے نہیں ہٹایا جاتا۔

ہمارا عذاب مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا

پہلی آیت میں پرانی امتوں کی تکذیب اور بلاکت کا ذکر تھا اس آیت میں ان کی تکذیب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ یقین تو تھا کہ کذبین و منکرین کے مقابلہ میں ضرور ہماری مدد ہوگی لیکن مدد میں دیر لگی، دشمن اپنی دنیا میں منہمک رہے عیش و آرام سے زندگی گزارتے رہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انہیں مہلت دی جاتی رہی اس کو دیکھ کر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے گمان کر لیا کہ ہم نے جو یہ سمجھا تھا کہ جلدی ہی ہماری مدد ہوگی اور دشمن جلد ہلاک ہوں گے، ہمارا یہ گمان صحیح نہیں تھا وجہ اس کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلق مدد کا وعدہ تھا اس کا کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا تھا لہٰذا جلدی مدد آنے کا خیال کرنا یہ اپنی طرف سے ایک گمان تھا اور دشمنوں کو لمبی مہلت مل جانے کی وجہ سے کچھ ایسا وہم ہونے لگا کہ گویا دنیا میں ہماری مدد نہ ہوگی یہ اس کے قریب ہے جو سورۃ البقرہ میں ہے حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ جب یہ حال ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا نجات دے دی یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھ اہل ایمان نجات پا گئے، قال صاحب الروح (ج ۱۳ ص ۷۹) والمعنى ان مدة التكذيب والعداوة من الكفار وانتظار النصر من الله تعالى قد تطاولت و تمادت حتى استشعروا للقنوط و توهموا عنها ان لا نصر لهم في الدنيا اصلي هذا على قراءة كذبوا بالتخفيف التي هي قراءة الكوفيين وقراءة الآخرين مبنيهم عائشة رضي الله عنها بالتشديد وفسرت الآية كما روى عنها الحاري في تفسير هذه الآية (ج ۲ ص ۶۸۰) هم اتباع الرسل الذين امنوا بربهم وصدقوهم فطال عليهم البلاء واستاخر عنهم النصر حتى استيئس الرسل ممن كذبهم من قومهم وظنت الرسل ان اتباعهم قد كذبوهم جاء هم نصر الله عند ذلك وفي معنى الآية وجه اخر ذكره ابن كثير عن ابن عباس وهو انه لما ايست الرسل ان يستجيب لهم قومهم وظن قومهم ان الرسل قد كذبوهم جاء هم النصر على ذلك (ج ۲ ص ۴۹۸)۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ

بیشک ان کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے یہ قرآن ایسی کوئی بات نہیں ہے جو تراشی ہوئی ہو بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئی ہیں یہ

الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

ان کی تصدیق کرنے والی ہے اور ہر چیز کی تفصیل کرنے والی ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

ع ۱۲

ان حضرات کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے

یہ سورۂ یوسف کی آخری آیت ہے اس میں چار باتیں بتائی ہیں اول یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے جو لوگ اپنی عقل کو کام میں لگاتے ہیں غور و فکر کرتے ہیں وہ عبرت حاصل کر لیتے ہیں دوسری بات یہ بتائی کہ یہ قرآن جو پڑھا جاتا ہے اور دوست و دشمن سب کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے تراش لیا ہو، اس میں جو امم سابقہ کے واقعات بیان کئے ہیں وہ بھی تراشے ہوئے نہیں پھر اس سے دور کیوں بھاگتے ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ یہ قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو توحید کی دعوت ان کتابوں میں تھی وہی قرآن مجید میں ہے پھر قرآن کی دعوت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے، خاص کر یہود و نصاریٰ جو اہل کتاب ہیں ان کو تو قرآن سے دور بھاگنے کا کوئی موقعہ ہی نہیں جب قرآن ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور وہی بات بیان کرتا ہے جو ان کی کتابوں میں ہے تو سب سے پہلے ان کو قبول کرنا لازم ہے، کما قال تعالیٰ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ چوتھی بات یہ بتائی کہ قرآن میں ہر بات کی تفصیل ہے یعنی واضح طور پر تمام عقائد اور اصولی طور پر تمام احکام بتا دیئے۔

نیز یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت بھی ہے رحمت بھی، کیونکہ یہی حضرات اس کے احکام قبول کرتے ہیں اور اس کی آیات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

وقد تم تفسیر سورة یوسف علیه السلام والحمد لله علی الاتمام والصلاة علی رسوله البدر التمام وعلی اله وصحبه البررة الکرام

☆☆☆.....☆☆☆

مدنی	سورۃ الرعد	۴۳ آیتیں ۶ رکوع

آیاتہا ۴۳ (۱۳) سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ (۹۶) رُكُوعَاتُهَا ۶

سورہ رعد مدینہ میں نازل ہوئی اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

الٓمّٓرٰ یہ کتاب کی آیتیں ہیں، اور آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا حق ہے، لیکن بہت سے لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ

ایمان نہیں لاتے، اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند فرمایا تم انہیں دیکھ رہے ہو پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، اور اس نے چاند اور

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ

سورج کو خدمت پر لگا دیا ہر ایک مدت مقررہ سے مطابق چلتا ہے وہ تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے، نشانوں کو واضح طور پر بیان فرماتا ہے، تاکہ تم اپنے

رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

رب کی ملاقات کا یقین کر لو، اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا فرما دیں اور ہر قسم کے پھلوں سے

جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

دو دو قسمیں پیدا فرما دیں وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں۔

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ

اور زمین میں ٹکڑے ہیں جو آپس میں پڑوسی ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن میں بعض کی جڑ بعض سے ملی ہوئی ہے

يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○

اور بعض کی ہوئی کھیتیوں میں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم پھل دینے میں بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں، بلاشبہ ان میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

آسمانوں کی بلندی، شمس وقمر کی تسخیر اور زمین کا پھیلاؤ، پھلوں کی انواع واقسام میں اللہ کی قدرت اور وحدانیت کی نشانیاں ہیں

یہاں سے سورۃ الرعد شروع ہو رہی ہے اس کی ابتداء الٓمٓرٰ سے ہے جو حروف مقطعات میں سے ہے ان کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں، پہلے تو فرمایا تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ یہ کتاب کی یعنی قرآن کی آیات ہیں، پھر فرمایا وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ کی طرف نازل کیا گیا وہ حق ہے، اس کا حق ہونا امر واقعی ہے کوئی مانے نہ مانے وہ بہر حال حق ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ (لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے) چونکہ لوگ فکر و نظر سے کام نہیں لیتے اپنے رواج اور باپ دادوں کے اتباع ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لئے ایمان قبول نہیں کرتے پھر فرمایا اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں کو اونچائی پر بغیر ستونوں کے بنا دیا) اتنے بڑے بڑے آسمان ہیں جو بغیر کسی ستون کے بلندی پر قائم ہیں اور یہ آسمان تمہاری نظروں کے سامنے ہیں جنہیں تم دیکھ رہے ہو ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا) استواء علی العرش کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا جو مسلک ہے سورہ اعراف (رکوع ۶) کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (اور چاند اور سورج کو مسخر فرمایا) انہیں جس کام میں لگایا ہے اسی میں لگے ہوئے ہیں كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى (ان میں سے ہر ایک وقت مقرر کے مطابق چلتا ہے) اللہ تعالیٰ نے جو نظام ان کے لئے مقرر فرما دیا ہے اسی کے مطابق چلتے ہیں ہر ایک کا مدار مقرر ہے ان کی رفتار اسی مدار پر ہے۔

سورۂ یٰسین میں آفتاب کے بارے میں فرمایا وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس کا جو زبردست علم والا ہے)

اور چاند کے بارے میں فرمایا وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ (اور چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ پلٹ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی)

پھر فرمایا لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں)

بعض حضرات نے لِاَجَلٍ مُّسَمًّى سے دنیا کا وجود مراد لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ چاند سورج دونوں وقت معین تک چل رہے ہیں اور وقت معین قیامت کا قائم ہونا ہے جب قیامت قائم ہوگی تو یہ چاند اور سورج کا نظام ختم ہو جائے گا يُدَبِّرُ الْاَمْرَ اللہ تعالیٰ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے یعنی عالم علی اور عالم سفلی میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق جس طرح چاہتا ہے تدبیر فرماتا ہے يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ (وہ آیات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر لو) اس سے بعض حضرات نے آیات قرآنیہ مراد لی ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیات سے دلائل توحید مراد ہیں خواہ دلائل تشریعیہ ہوں (جو آیات قرآنیہ کو بھی شامل ہیں) اور خواہ دلائل تکوینیہ ہوں جن میں سے بعض کا ذکر اسی آیت میں گزر چکا ہے ان آیات کا بیان فرمانا اس لئے ہے کہ تم غور اور فکر سے کام لو اور یہ سمجھ لو کہ جب اللہ تعالیٰ ایسی ایسی عظیم چیزوں کے پیدا فرمانے پر قادر ہے تو بدرجہ اولیٰ اسے مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت ہے اسی کے حکم سے قیامت قائم ہوگی وہ مردوں کو زندہ فرمائے گا جو حساب کے موقع پر حاضر ہوں گے اور

ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے فرمائے گا اسی کو بلقاء ربکم سے تعبیر فرمایا وھو الذی مد الارض (اور اللہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں بوجھل پہاڑ پیدا فرما دیئے جو اپنی اپنی جگہوں پر جمے ہوئے ہیں) سورہ لقمان میں فرمایا والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم کہ اللہ نے زمین پر بھاری بوجھل پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ زمین تمہارے ساتھ حرکت نہ کرے، اس میں پہاڑوں کے پیدا فرمانے اور ان کو بوجھل بنانے اور زمین پر جما دینے کی حکمت بیان فرمائی وانھرا (اور اللہ نے زمین میں نہریں پیدا فرمائیں) یہ نہریں انسانوں کے پانی پینے اور جانوروں کو پلانے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں، آیت شریفہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ زمین کو پھیلا دیا یہ پھیلانا زمین کے کرہ ہونے کے منافی نہیں ہے اگر زمین کروی ہو جیسا کہ اہل سائنس کہتے ہیں تو یہ زمین کے پھیلاؤ کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ پھیلاؤ کے لئے کسی چیز کا اول سے آخر تک سطح واحد ہونا ضروری نہیں ہے، زمین چونکہ بہت بڑی ہے اس لئے انسانوں کا اس پر رہنا چلنا پھرنا اور سفر کرنا ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا کہ سطح واحد پر ہی جا رہے ہیں، چیونٹی کے طول وعرض کو جو ایک بہت بڑی گیند سے نسبت ہے انسانوں کی آبادیوں کو زمین کے پھیلاؤ سے وہ نسبت بھی نہیں ہے۔

ومن کل الثمرات جعل فیھا زوجین اثنین اور زمین میں ہر طرح کے پھلوں میں سے ... (قسم کے پھل پیدا فرمائے) مثلاً بعض پھل میٹھے، بعض چھوٹے ہیں اور بعض بڑے، کسی کا رنگ مثلاً پیلا ہے اور کسی کا رنگ ہرا ہے، قال صاحب الروح ص ۱۰ ج ۱۳ جعل من کل نوع من انواع الثمرات الموجودۃ فی الدنیا صربین وصنفین اما فی اللون کالا بیض والا سود او فی الطعم کالحلو والحامض او فی القدر کالصغیر والکبیر او فی الکیفیۃ کالحار والبارد فما اشبہ ذالک چونکہ رنگ اور مزے دو سے زیادہ بھی ہوتے ہیں اسی سے بعض مفسرین نے فرمایا کہ زوجین اثنین میں تعداد انواع بیان فرمانا مقصود ہے، تعداد کا سب سے پہلا مرتبہ دو ہے اس لئے زوجین اثنین فرما دیا، لہٰذا یہ اس کے معارض نہیں کسی پھل کے انواع کثیرہ ہوں یغشی اللیل النھار (اللہ تعالیٰ رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے) یعنی دن کی روشنی کے بعد رات کو لے آتا ہے جس سے دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے، جس طرح کسی روشن چیز کو کسی پردہ سے ڈھانپ دیا جائے اسی طرح رات ڈھانپ لیتی ہے۔

ان فی ذلک لایات لقوم یتفکرون (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں) یہ جو کچھ باتیں بیان کی گئیں ان میں فکر کرنے والے فکر کریں اور یہ سوچیں کہ مذکورہ بالا چیزوں کی تخلیق اور ان کی ایجاد اور ان کا بقاء اور ان کی تسخیر اور ترتیب بغیر کسی متصرف کے نہیں ہے، ان کا پیدا کرنے والا بھی اور ان کو باقی رکھنے والا بھی ہے اور ان کو مسخر کرنے والا بھی ہے غور کریں گے تو خالق اور مالک کی الوہیت اور وحدانیت سمجھ میں آ جائے گی۔ وفی الارض قطع متجورات (الآیۃ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی پیداوار کا تذکرہ فرمایا اور اس پیداوار میں جو عجائب قدرت ہیں ان کو بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ زمین میں بہت سے قطعے ہیں جو آپس میں ملے ہوئے ہیں ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے سے متصل ہے ان میں انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن میں بعض درخت ایسے ہیں کہ اوپر جا کر ایک تنے کے دو تنے ہو جاتے ہیں اور عام درختوں میں ایسا ہی ہوتا ہے اور بعض درخت ایسے ہیں جن کا آخر تک ایک ہی تنہ رہتا ہے جیسا کہ کھجور کے درختوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے، ان باغوں اور کھیتوں کو ایک ہی طرح کا پانی پلایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود مزوں میں مختلف ہوتے ہیں، بعض پھلوں کو بعض دوسرے پھلوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے ایک ہی زمین ہے، ایک ہی جنس کے پھل ہیں، لیکن مزہ میں مختلف ہوتے ہیں اور یہ بات بھی دیکھی جاتی ہے کہ کھاری زمین اچھی زمین سے متصل ہے اور دونوں میں درخت ہیں لیکن کھاری زمین کا اثر میٹھی جنس کے پھلوں میں نہیں آتا بلکہ خود کھاری زمین کے پھل بھی میٹھے ہوتے ہیں، پھلوں کی میٹھی

جنس کا مزاج زمین سے تعلق رکھتا ہے۔ ان فی ذلک لایات لقوم یعقلون (بلاشبہ اس میں سمجھداروں کے لئے نشانیاں ہیں) عقل والے غور کریں کہ ان چیزوں کو دیکھ کر ان کے خالق و مالک کو پہچان سکتے ہیں جو ان چیزوں میں اپنی سمجھ کو خرچ نہیں کرتے وہ اہل عقل ہی نہیں۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور اگر آپ تعجب ہو تو ان کا یہ قول قابل تعجب ہے۔ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمارے پیدا ہونے کے بعد ہمیں نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے

بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِىْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

رب سے کفر کیا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ

اور یہ لوگ عافیت سے پہلے عذاب کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے عذاب گزر چکے ہیں اور بلاشبہ آپ کا رب

لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

لوگوں کے ظلم کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے اور بلاشبہ آپ کا رب سخت عذاب دینے والا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ کہتے ہیں اور

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ ع

جن کو آپ نے دعوت دی ہے ان کو ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہدایت دینے والے ہوتے ہیں

منکرین بعث کا انکار لائق تعجب ہے، ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اے نبی ﷺ اگر آپ ﷺ مخاطبین کے انکار قیامت سے تعجب ہے تو آپ ﷺ کا تعجب واقعی برمحل ہے، ان کا یہ قول تعجب کے لائق ہے کہ جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے تو کیا پھر نئے سرے سے ہماری پیدائش ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ان کے سامنے ہیں ان کے ہوتے ہوئے پھر تعجب کر رہے ہیں کہ ہم کیسے زندہ ہوں گے؟ وہ دیکھ رہے ہیں کہ ہم خود اور ہمارے آباء و اجداد موجود نہیں تھے سب کو خالق جل مجدہ نے پیدا فرمایا ہے نطفہ سے، نطفہ بھی بے جان ہے، جس نے نطفہ میں جان ڈال دی وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مٹی سے دوبارہ پیدا فرما دے اور مٹی کے اجزاء میں دوبارہ جان ڈال دے۔

اولٰئک الذین کفروا بربھم واولٰئک الاغلال فی اعناقھم یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا یہ تو دنیا میں ان کا حال ہے اور آخرت میں ان کو جو سزا دی جائے گی اس میں سے ایک سزا یہ ہے کہ ان کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہوں گے واولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خلدون (اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

پھر فرمایا ویستعجلونک بالسیئۃ قبل الحسنۃ (آپ سے یہ لوگ عافیت سے پہلے مصیبت کے جلدی آجانے کا تقاضا کرتے ہیں) یعنی ان سے جو کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ ورنہ تمہیں دنیا و آخرت میں عذاب بھگتنا ہوگا تو بطور استہزا اور تمسخر کہتے ہیں کہ اگر

عذاب لا کر دکھا دو، یہ لوگ عافیت سے اور سلامت والی حالت میں جی رہے ہیں اس کے بجائے عذاب طلب کر رہے ہیں، چونکہ عذاب والی بات کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اس لئے عافیت اور سلامتی کا جو وقت اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر میں مقرر ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے ہی عذاب آنے کی رٹ لگا رہے ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ جب عذاب آجائے گا تو ٹالا نہ جائے گا، سورۂ ہود میں فرمایا وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (اور اگر ہم ایک وقت مقرر تک ان سے عذاب مؤخر کر دیں تو کہتے ہیں کہ اسے کس نے روک رکھا ہے، خبردار جس دن عذاب آجائے گا تو وہ ان سے ہٹایا نہ جائے گا اور جس چیز کا وہ مذاق بناتے تھے وہ ان پر نازل ہو جائے گا)۔

وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (حالانکہ ان سے پہلے عذاب کے رسوا کن واقعات گذر چکے ہیں) یعنی ان سے پہلی قوموں پر عذاب آچکا ہے عذاب کے واقعات کا ان کو علم ہے پھر بھی عذاب آنے کی خواہش کر رہے ہیں یہ ان کی بے ہودگی اور بدفہمی کی بات ہے

قال صاحب الروح المثلت جمع مثلة كثمرة و ثمرات وهي العقوبة الفاضحة

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ مطلب یہ ہے کہ گناہ کر کے جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمانے والا ہے (کبھی توبہ سے کبھی بلا توبہ، کبھی حسنات کے ذریعہ سیئات کا کفارہ فرما کر اور کبھی اموال واولاد وغیرہ میں مصیبت بھیج کر) اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا بھی ہے (مغفرت والی بات سن کر سرکشی اور نافرمانی میں آگے بڑھتے ہوئے نہ چلے جائیں، اگر گرفت ہوگی تو عذاب کی مصیبت سے بچ نہ سکیں گے) کافروں کی مغفرت کے لئے لازم ہے کہ کفر سے توبہ کریں اور اہل ایمان سے جو گناہ سرزد ہو جاتے ہیں ان کی مغفرت کی صورتیں متعدد ہیں جو ابھی اوپر بیان کی گئیں۔

فرمائشی معجزہ طلب کرنے والوں کا عناد پھر فرمایا وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (یعنی کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ رسول ہیں تو آپ کی تصدیق اور تائید کے لئے وہ معجزہ ظاہر ہونا چاہئے جو ہم چاہتے ہیں) جاہلوں نے ضد و عناد اور ایمان لانے سے انکار کرنے کے لئے جو چاہا تراشے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہم جو معجزہ چاہتے ہیں وہ ظاہر ہونا چاہئے۔

درحقیقت معجزہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور فضل ظاہر کیا جاتا تھا اصل چیز تو دلائل ہیں جب دلائل سے حق واضح ہو گیا اور نبی کی نبوت ثابت ہو گئی تو نبی پر ایمان لانا فرض ہو جاتا تھا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہوتا تھا معجزات ظاہر ہو جاتے تھے جن لوگوں کو ماننا نہ تھا وہ نہ دلائل سے مانتے تھے اور نہ معجزہ دیکھ کر ایمان لاتے تھے ان کے کہنے کے مطابق بھی بعض معجزات ظاہر ہوئے لیکن جنہیں عناد تھا اور ماننا نہ تھا انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے، فرمائشی معجزوں کی بات کرنا قبول حق کے لئے نہیں تھا بلکہ اپنے ضد پر قائم رہنے کے لئے تھا۔

پھر فرمایا اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ کہ آپ ان کی باتوں سے دل گیر نہ ہوں آپ کا کام بس حق کا پہنچا دینا اور عذاب آخرت سے ڈرانا ہے، لوگوں سے منوانا آپ کے ذمہ نہیں ہے اگر یہ کسی خاص معجزہ کی فرمائش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے ظاہر نہیں فرماتا اور اس کو وہ عدم قبول کا بہانہ بناتے ہیں تو آپ ﷺ فکرمند نہ ہوں، جب آپ ﷺ نے انذار و تبلیغ کا کام کر دیا تو آپ ﷺ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے، پھر فرمایا وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ یعنی آپ ﷺ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اقوام عالم کو ہدایت دینے کے لئے مبعوث ہوتے رہے ان کی بھی تکذیب کی گئی ان کی اقوام میں سے کسی نے حق قبول کیا اور کسی نے رد کر دیا جو ان کے ساتھ ہوا وہی آپ کے ساتھ ہو رہا ہے، منکرین کے طرز عمل سے رنجیدہ نہ ہوں صبر کریں اور اپنا کام کرتے رہیں سورۂ احقاف میں فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (سو آپ صبر کیجئے جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لئے عذاب آنے کی

جلدی نہ کیجئے)۔

فائدہ ولکل قوم ھاد فرمایا ولکل قوم نبی نہیں فرمایا یعنی ہر کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی امتوں میں جو اہل علم تھے وہ اپنے اپنے نبی کی امتوں کو ہدایت دیتے رہے، اگر دنیا کے کسی خطے میں کسی نبی کے تشریف لانے کا تحقیقی ثبوت نہ ملے تو اس سے آیت کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا نبی نہ آئے تو ان کے نائب ہادی ضرور آئے ہیں ان سب کی تفصیل معلوم نہ ہو تو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے جس کسی کی نبوت کا ثبوت نہ ہو اسے خواہ مخواہ اس لئے نبیوں کی فہرست میں شمار کرنا کہ اقوام عالم میں سے کوئی نہ کوئی قوم اس کی طرف منسوب ہوتی ہے اور ان کے مذہب کا پیشوا اور بانی ہے یہ غلط ہے اور گمراہی ہے، بعض لوگ ہندوؤں، بدھسٹوں اور زرتشتیوں کے بزرگوں کو نبی ماننے کو تیار ہیں یہ ضلالت اور جہالت کی بات ہے، یہ لوگ آیت کریمہ ولکل قوم ھاد سے استدلال کرتے ہیں اول تو آیت میں لفظ ھاد سے لفظ نبی نہیں ہے دوسرے لفظ نبی بھی ہو تب بھی کسی کو بلا دلیل شرعی محض اٹکل سے نبی ماننا غلط ہے، پھر ان اقوام کے پیشواؤں کی تعلیمات نقل ہوتی چلی آرہی ہے ان میں شرک ہے اور ان میں سے بعض لوگوں کی جو تصویریں سامنے آئی ہیں وہ ننگی تصویریں ہیں کوئی نبی ننگا نہیں رہ سکتا شرم اور حیا، تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا خصوصی شعار ہے انکار نبوت کیسے نبی ہو سکتا ہے؟ ہاں یہ ایک احتمال ہے کہ جو حضرات موحد تھے ان کے ماننے والوں نے ان کے دین میں شرک داخل کر دیا ہو اور ان کی ننگی تصویریں خود سے تجویز کر دی ہوں لیکن یقین کرنے کا کوئی راستہ نہیں اور بلا دلیل شرعی کسی کی نبوت کا اعتقاد رکھنا بھی باطل ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے نبوت ختم فرمانے کا اعلان فرما دیا تو اس کے بعد کسی کا دعوائے نبوت کرنا اور اس کی تصدیق کرنا سراپا کفر ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝

اللہ جانتا ہے جو کوئی کسی عورت کو حمل ہوتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی اور بیشی ہوتی ہے، اور ہر چیز اللہ کے نزدیک ایک خاص مقدار کے ساتھ ہے، وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ

چیزوں کا جاننے والا ہے بڑا ہے برتر ہے تم میں سے جو کوئی شخص کوئی بات آہستہ سے کہے اور جو شخص پکار کر کہے اور جو شخص رات میں چھپا ہوا ہو اور جو شخص دن میں چلتا

هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ

پھرتا ہو یہ سب برابر ہیں، اس کے آگے پیچھے آنے جانے والے فرشتے ہیں جو آگے سے اور پشت کے پیچھے سے آتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت

يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ

کرتے ہیں، بیشک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے اور جب اللہ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرماتا ہے تو کوئی

اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝

دفع کرنے والا نہیں، اور ان لوگوں کے لئے اس کے سوا کوئی مدد گار نہیں۔

اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ عورتوں کے رحم میں کیا ہے؟ وہ علانیہ اور پوشیدہ سب چیز کو جانتا ہے، ہر اونچی اور آہستہ آواز اس کے نزدیک برابر ہے، رات میں چھپا ہوا اور دن میں چلنے والا ہر ایک اس کے علم میں ہے

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اپنی صفات جمیلہ میں سے صفت علم کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ عورتوں کو جو حمل رہ جاتا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ پوری طرح جانتا ہے جب استقرار ہوا اور نطفہ حمل ہو گیا اور لڑکا جو رحم میں آ گیا لڑکا یا لڑکی، اور حمل پورا کرنے کا یا پورا بچہ پیدا ہو گا اور اس کا رنگ روپ کیسا ہو گا اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ رحم میں بچہ ہے یوں ہی ہوا کی وجہ سے پھولا ہوا ہے رحموں میں سے جو چیز کم ہوتی ہے اور جو چیز رحموں میں زیادہ ہوتی ہے یعنی بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا بھی علم ہے بچہ کی ابتداء کتنے وزن سے ہوتی ہے پھر اس میں کتنا اضافہ ہوا ہے اور یہ بات کہ یہ بچہ تھوڑی مدت میں پیدا ہو گیا دیر لگے گی اور یہ کہ رحم میں ایک بچہ ہے یا جڑواں بچے ہیں اور جڑواں بچوں میں سے ایک باہر آ گیا تو اندر باقی کتنے ہیں وغیرہ وغیرہ ان سب باتوں کا اللہ تعالیٰ کو پوری طرح علم ہوتا ہے یہاں پہنچ کر بعض بے علم یہ اشکال کرتے ہیں کہ رحم میں کیا ہے لڑکا ہے یا لڑکی اس کے بارے میں آٹھ پہلے سے بتا دیتے ہیں جدید یہ بات کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا علم ہے محل نظر ہو گئی، ان لوگوں کا یہ سوال اور اشکال غلط ہے اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ آلات اور تجربات کی بنیاد پر نہیں ہے وہ علیم اور خبیر ہے اسے کسی آلہ اور کسی تجربہ کی ضرورت نہیں اور مخلوق کا جو علم ہے وہ تجربہ اور گمان اور آلات پر مبنی ہے۔ پھر ان کی بات غلط بھی نکل آتی ہے۔ یہ علم جو مخلوق کا محتاج ہے یعنی آلات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے یہ علیم اور خبیر جل مجدہ کے علم کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟ جب تحقیق عالم سے پہلے ہی سب کچھ معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ کس مرد کے نطفہ سے اور کس عورت کے رحم سے کیا پیدا ہو گا اور کب پیدا ہو گا اور پورا ہو گا یا ادھورا ہو گا اس کے علم کی شان ہی اور ہے وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کی ایک خاص مقدار مقرر ہے اس عموم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ بچہ کتنے دن شکم مادر میں رہے گا کتنے برس دنیا میں جئے گا اسے کتنا رزق ملے گا اور کیا کیا عمل کرے گا وغیرہ وغیرہ۔

پھر فرمایا عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ اللہ پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کو اور تمام امور کو جانتا ہے وہ بڑا (اور) برتر ہے پھر معلومات الٰہیہ کی مزید جزئیات ذکر فرمائیں اور فرمایا سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ (الآیۃ) کہ تم میں جو شخص آہستہ سے بات کرے اور جو زور سے بولے اور جو شخص رات میں کہیں چھپا ہوا ہو یا دن میں کہیں چل پھر رہا ہو اللہ تعالیٰ اس سب کو یکساں جانتا ہے کوئی شخص کسی حال میں اللہ سے پوشیدہ نہیں اور وہ ہر ایک کی ہر بات کو جانتا ہے، پھر اپنی ایک نعمت کو بیان فرمایا۔

فرشتے بندوں کی حفاظت کرتے ہیں

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ انسان کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں جو آگے سے اور پشت کے پیچھے سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں اور ضرر پہنچانے والی چیزوں سے بچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس کام پر لگایا ہے کہ وہ انسان کی حفاظت کریں صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن ابی الدنیا وغیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہر بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر فرما دیئے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ اس پر کوئی دیوار نہ گر جائے یا وہ کسی کنوئیں میں نہ گر پڑے یہاں تک کہ جب بندہ کی قضاء و قدر کے مطابق کوئی تکلیف پہنچنے کا موقع آ جاتا ہے تو فرشتے علیحدہ ہو جاتے ہیں لہٰذا جو تکلیف پہنچنی ہوتی ہے پہنچ جاتی ہے۔

جب تک لوگ نافرمانی اختیار کر کے مستحق عذاب نہیں ہوتے اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کی امن و عافیت والی حالت کو نہیں بدلتا

اس کے بعد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی امن اور عافیت والی حالت کو مصائب اور آفات سے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود ہی تبدیلی نہ لے آئیں یعنی بداعمالی اختیار کر کے وہ عذاب اور مصیبت کے مستحق نہ ہو جائیں جب وہ اپنے اچھے حالات کو سرکشی اور نافرمانی سے بدل دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی عافیت کو آفات اور بلیات سے بدل دیتا ہے اور ایسے موقع پر فرشتوں کا جو پہرہ ہے وہ بھی اٹھا لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قہر اور عذاب آ جاتا ہے آیت کا مضمون وہی ہے جو سورۂ نحل کی آیت کریمہ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً (الآیۃ) میں بیان فرمایا ہے پھر فرمایا وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ (اور جب اللہ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو اسے کوئی واپس کرنے والا نہیں) یعنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قوم پر کسی مصیبت کے بھیجنے کا فیصلہ ہو جائے تو وہ مصیبت آ کر رہے گی اسے کوئی ہٹانے والا اور دفع کرنے والا نہیں۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ اور ایسے وقت میں (جبکہ مصیبت آ پہنچے) اللہ کے سوا کوئی ان کا والی نہیں ہوتا جو ان کی مصیبت کو رفع کرے اس وقت حفاظت کے فرشتے ہٹ جاتے ہیں اور مصیبت آ کر رہتی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ

اللہ وہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے جس سے تمہیں ڈر لگتا ہے اور امید بندھتی ہے اور وہ بھاری بادلوں کو پیدا فرماتا ہے، اور رعد اس کی تسبیح کے ساتھ اس کی تعریف

وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ

بیان کرتا ہے، اور فرشتے بھی اس کے خوف سے، اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جسے چاہے پہنچا دیتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ

فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝

لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور وہ سخت قوت والا ہے۔

بادل اور بجلی اور رعد کا تذکرہ

ان آیات میں بجلی اور بادلوں اور کڑک کا تذکرہ فرمایا، یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے اور اس کی تکوین اور تخلیق سے وجود میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ بجلی کو بھیج دیتا ہے لوگ اسے دیکھتے ہیں پھر دیکھنے والوں میں بعض تو اس سے ڈر جاتے ہیں مثلاً مسافر راستوں میں ہوتے ہیں وہ ڈرتے ہیں کہ بارش ہونے لگی تو ہمارا کیا بنے گا؟ اور بعض لوگ اسے دیکھ کر نفع کی امید باندھتے ہیں کہ بارش ہوگی تو کھیت کی آبیاری ہوگی اور بارش اچھی ہوگی وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (اور اللہ تعالیٰ بھاری بادلوں کو پیدا فرما دیتا ہے) یہ بادل ایسی جگہ جا کر برس پڑتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے سورۂ اعراف میں فرمایا وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اور اللہ وہی ہے جو خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اس کی رحمت یعنی بارش کے آنے سے پہلے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم کسی ایسی جگہ

بادل کو روانہ کر دیتے ہیں جو مردہ تھی یعنی اس میں کسی درخت یا گھاس کا کوئی نشان بھی نہ تھا پھر جہاں اس جگہ میں پانی اتار دیتے ہیں پھر اس پانی کے ذریعے ہر طرح کے پھل نکال دیتے ہیں)

رعد کیا ہے؟ ..... پھر فرمایا کہ رعد اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے اور اس کی تعریف بیان کرتا ہے اور رعد سے فرشتے بھی اللہ کے خوف سے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الرعد) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم ہمیں یہ بتائیے کہ رعد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رعد فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر کیا ہوا ہے اس کے پاس پھاڑنے والی چیزیں ہیں جو آگ کی بنی ہوئی ہیں وہ ان کے ذریعے بادلوں کو ہانکتا ہے اللہ جہاں چاہتا ہے وہاں لے جاتا ہے، یہودیوں نے عرض کیا کہ یہ آواز کیا ہے جو سننے میں آتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بادل کو جھڑکنے کی آواز ہے، رعد انہیں جھڑکتا ہے یہاں تک کہ بادلوں کو وہاں لے جانے کا حکم ہوتا ہے۔ (قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب)۔

پھر فرمایا وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ (اور اللہ تعالیٰ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے بجلی گرا دیتا ہے) وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ (اور حال یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہوتے ہیں۔ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ (اور وہ سخت قوت والا ہے)

آیت وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ کا سبب نزول

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو رؤسائے جاہلیت میں سے ایک شخص کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کی دعوت دینے کے لئے بھیجا، اس نے کہا کہ تمہارا رب کون ہے؟ جس کے ماننے کی دعوت دیتے ہو، وہ لوہے کا ہے یا تانبے کا چاندی کا ہے یا سونے کا ہے، وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آئے اور آپ ﷺ کو اس کی باتوں کی خبر دی آپ ﷺ نے دوبارہ انہیں بھیجا اس شخص نے پھر وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی، یہ صحابی رضی اللہ عنہ پھر حاضر خدمت ہوئے اور اس کی بات نقل کر دی آپ ﷺ نے تیسری بار ان کو پھر بھیجا اس شخص نے پھر وہی بات کہی اس مرتبہ جب یہ صحابی رضی اللہ عنہ واپس ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور آپ ﷺ کو اس کے سوال سے باخبر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بجلی اس پر نازل فرما دی جس کی وجہ سے وہ جل گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ (آخر تک) نازل فرمائی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تیسری بار جب وہ شخص بات کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سر پر ایک بادل بھیج دیا وہ بادل گرجا اور اس میں سے ایک بجلی گری جو اس سرکش کافر کی کھوپڑی کو لے کر چلی گئی (مجمع الزوائد ص ۱۰۰ ج ۷ عن ابی یعلی والبزار والطبرانی فی الاوسط ورجال البزار رجال الصحیح غیر دیلم بن غروان وھو ثقة)

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ

سچ پکارنا اسی کے لئے خاص ہے اور جو لوگ اس کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی درخواست کو قطعاً نہیں سنتے مگر جیسے کوئی شخص پانی کی

كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝

طرف اپنی ہتھیلیاں پھیلائے ہوئے ہو تاکہ پانی اس تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی پکار بس ضائع ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ سجدۃ ۲

اور اللہ ہی کے لئے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور سایے بھی صبح اور شام کے اوقات میں

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ

آپ سوال کیجئے کہ آسمانوں کا اور زمین کا رب کون ہے؟ آپ جواب دیجئے کہ اللہ ہے آپ کہہ دیجئے کیا تم نے اللہ کے سوا دوسروں کو

لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي

کارساز بنا رکھا ہے جو اپنی جانوں کے لئے نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں یا اندھیریاں اور روشنی برابر ہو سکتی ہیں

الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ

یا یہ بات ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک ٹھہرا رکھے ہیں جنہوں نے کچھ پیدا کیا ہو جیسے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے جس کی وجہ سے پیدا کرنا ان پر مشتبہ ہو گیا ہو

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے۔

غیر اللہ سے مانگنے والوں کی مثال، سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں وہ آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے سب کو اسی نے پیدا فرمایا وہ واحد ہے قہار ہے

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنا اور اس سے دعا کرنا ہی سچی پکار ہے اور صحیح پکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب کی پکار سنتا ہے اور دعائیں قبول فرماتا ہے وہ سمیع الدعا ہے قادر مطلق ہے قاضی الحاجات ہے، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو شرک ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارتے ہیں یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ خود عاجز محض ہیں کسی کی پکار پر کوئی بھی مدد نہیں کر سکتے ان لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہتھیلیاں پھیلائے ہوئے ہو اور پانی کو بلا رہا ہو کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس کے منہ تک پہنچنے والا نہیں ہے، جس طرح یہ پانی سے درخواست کرنے والا منہ میں پانی پہنچنے کی آرزو سے محروم رہے گا اور پانی خود اس کے منہ میں پہنچنے سے عاجز رہے گا اسی طرح مشرکین کے معبودان باطلہ عاجز محض ہیں وہ پکارنے والے کی کچھ بھی فریاد رسی نہیں کر سکتے سورہ اعراف میں فرمایا وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ اور اللہ کے سوا تم جن لوگوں کو پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ اور کافر لوگ جو اپنے معبودوں کو پکارتے ہیں یہ سب ضائع ہے۔ پھر فرمایا وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیۃ) کہ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں ان سجدہ کرنے والوں میں خوشی سے سجدہ کرنے والے بھی ہیں اور مجبوری سے بھی اور ان کے سائے بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور سجدے صبح و شام کے اوقات میں یعنی ہمیشہ ہر وقت ہوتے ہیں۔

یَسْجُدُ کا معنی بعض حضرات نے یَسْجُدُ کا معروف معنی لیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو فرشتے ہیں اور مومنین ہیں یہ سب اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں فرشتے اور مومنین جنات اور انسان تو خوشی سے سجدہ کرتے ہیں اور

جو لوگ منکرین ہیں اور منافقین ہیں وہ بھی تلوار کے ڈر سے یا ماحول کے دباؤ سے سجدہ کرتے ہیں اس کو مجبوری کے سجدہ سے تعبیر فرمایا وظلٰلُھُم ان کے سائے بھی سجدہ کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں جس طرح چاہتا ہے وہ اس کو گھٹاتا اور بڑھاتا ہے، صبح و شام کے وقت ان کے گھٹنے اور بڑھنے کا مظاہرہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے ان وقتوں کی تخصیص کی کئی بعض حضرات نے علی سبیل عموم المجاز اس کا معنی لیا ہے کہ سجدہ کرنے والے جب سجدہ کرتے ہیں تو دھوپ یا روشنی میں ان کا سایہ بھی ان کے تابع ہو کر سجدہ کرتا ہے یعنی سائے کی پشت دیکھنے میں آجاتی ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ خوشی کا سجدہ ان لوگوں کا ہے جن پر سجدہ کرنا شاق نہیں گزرتا اور زبردستی کا سجدہ ان لوگوں کا ہے جو سجدہ تو کرتے ہیں لیکن سجدہ کرنا ان کی طبیعتوں پر شاق گزرتا ہے۔

اور بعض حضرات نے یَسْجُدُ کا معنی یخضع اور یفاد کا لیا ہے ان حضرات کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو مخلوق ہے وہ سب اللہ کے لئے سرنگوں کئے ہوئے ہے یعنی اللہ کی مشیت اور ارادے کے مطابق چلتے ہیں ان میں ایسے بھی ہیں جو باختیار خود اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو مجبور ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور تکوینی طور پر تو سبھی اس کی قضاء اور قدر کے تابع ہیں، اور ان چیزوں کے جو سائے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں صبح و شام جو بھی سایہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے موافق ہی چلتا ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے۔ اس کو سورۂ فرقان میں یوں بیان فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا

(ترجمہ) کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے سایہ کو کیونکر پھیلایا اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا"

طَوْعًا وَّ کَرْهًا کے بارے میں سورہ آل عمران کی آیت اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْهًا کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کی بھی مراجعت کر لی جائے، پھر فرمایا قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیۃ) یعنی آپ مشرکین سے سوال کیجئے کہ بتاؤ آسمانوں کا اور زمین کا رب کون ہے؟ پھر آپ خود ہی جواب دے دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ جہل یا عناد کی وجہ سے جواب نہ دے سکیں تو آپ انہیں بتادیں اور سمجھا دیں، اس کے بعد فرمایا کہ آپ شکر و توحید اور سرزنش کے طور پر ان سے سوال فرمائیں کہ یہ جو تم نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے اولیاء بنا رکھے ہیں اور یہ سمجھتے ہو یہ ہماری مدد کرنے والے ہیں یہ تو اپنی جانوں تک کے لئے کسی بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں نہ کوئی نفع اپنی طرف لا سکتے ہیں اور نہ اپنے سے کوئی ضرر رفع کر سکتے ہیں جبکہ ان کا اپنی جان کے بارے میں یہ حال ہے جسے تم جانتے ہو تمہیں کیا نفع دے سکتے ہیں۔

اور تم سے کیا کسی ضرر کو رفع کر سکتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اور جانتے ہوئے کہ جن کو تم نے اولیاء بنایا ہے عاجز محض ہیں۔ پھر بھی تم نے ان کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے تف ہے اس سفاہت اور ضلالت پر۔

بینا اور نابینا اور نور اور اندھیرے برابر نہیں ہو سکتے

پھر فرمایا قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ (آپ ان سے سوال کیجئے کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں) نابینا سے مشرک مراد ہے جو اس ذات پاک کی عبادت نہیں کرتا جو مستحق عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے اور بینا سے موحد مراد ہے جو یہ جانتا ہے کہ مجھے صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرنا ہے اور پھر وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہے جس طرح آنکھوں سے معذور اندھا دیکھنے والے کے برابر نہیں ہو سکتا اسی طرح مؤمن اور مشرک برابر نہیں ہو سکتے، پھر فرمایا اَمْ هَلْ تَسْتَوِی

الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ (کیا اندھیریاں اور نور برابر ہو سکتے ہیں) اندھیریوں سے تمام انواع کفر مراد ہیں اور اسی سے اسے متعلق یا یہ ہے اور نور سے ایمان اور توحید مراد ہے جس طرح حسیات میں اندھیریاں اور روشنی برابر نہیں اسی طرح دینیات میں ایمان اور کفر برابر نہیں، کافروں کے جتنے بھی دین ہیں وہ سب ملت واحدہ ہیں، ان کا دین اور اہل ایمان کا دین الگ ہے ایمان اور کفر برابر نہیں، مومن اور کافر بھی برابر نہیں ایمان جنت میں لے جانے والا ہے اور کفر دوزخ میں پہنچانے والا ہے۔

سورۂ انعام میں فرمایا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اس کے لئے ایسا نور مقرر کر دیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا یہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیریوں میں ہے اور ان سے نکلنے والا نہیں)۔

پھر فرمایا اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ (کیا ایسی بات ہے کہ ان لوگوں نے جنہیں اللہ کا شریک قرار دیا ہے انہوں نے کچھ مخلوق پیدا کی ہے پھر انہیں مخلوق میں اشتباہ ہو گیا ہو کہ یہ مخلوق تو اللہ کی ہے اور یہ مخلوق شرکاء کی ہے اس اشتباہ اور التباس کی وجہ سے وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے لگے) یہ سب استفہام انکاری کے طور پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے سب کو اسی نے وجود بخشا ہے اس کو سب ہی مانتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے، اگر کسی اور نے بھی کوئی مخلوق پیدا کی ہوتی تو اشتباہ ہونے کا موقع ہوتا کہ اس نے بھی بعض چیزوں کی تخلیق کی ہے لہٰذا یہ بھی مستحق عبادت ہونا چاہئے (العیاذ باللہ) لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے کچھ پیدا کیا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود انہوں نے تجویز کئے ہیں وہ کسی چیز کی پیدائش پر قادر نہیں اگر سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو پیدا نہیں کر سکتے اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے لہٰذا وہی سب کا معبود ہے اور وہی واحد حقیقی ہے اور وہ الوہیت اور ربوبیت میں منفرد اور متوحد ہے اور وہ سب پر غالب ہے ساری مخلوق مقہور اور مغلوب ہے جو مخلوق اور مقہور ہو وہ خالق و قہار جل جلالہ کا شریک کیسے ہو سکتا ہے؟

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا

اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر نالے اپنی مقدار کے موافق بہ نکلے پھر بہتے ہوئے پانی نے اوپر آ کر جھاگ کو بھی اوپر اٹھا لیا اور

يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ

آگ میں ڈال کر اس سے تم زیور یا اور دوسری چیز بنانے کے لئے جو دھات حاصل کرتے ہو اس میں بھی اسی طرح جھاگ ہوتا ہے اللہ حق اور باطل کی مثال

وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ

بیان فرماتا ہے، سو جو جھاگ ہے وہ تو بے فائدہ ہو کر اڑا جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع دیتا ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے اللہ تعالیٰ ایسی ہی مثالیں

اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي

فرماتا ہے جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کر لیا ان کے لئے جنت ہے اور جن لوگوں نے اللہ کی فرمانبرداری نہیں کی اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو

وقف النبی

الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ

زمین میں سے اور اس کے ساتھ اس جیسا اور بھی ہو تو وہ اس سب کو اپنی جان سے بدلہ دینے میں دے دیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے برا حساب ہے اور ان کا

جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

حق اور باطل کی مثال، قیامت کے دن نافرمان اپنی جان کے بدلہ دنیا اور اس جیسا جو کچھ اور مل جائے سب دینے کو تیار ہوں گے

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں حق اور باطل کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں پہلی مثال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے یہ بارش کا پانی وادیوں میں اور نالوں میں چل دیتا ہے جو پانی چلتا ہے خس و خاشاک کو بہا کر لے جاتا ہے، پانی پر بہت سا کوڑا کرکٹ جمع ہو جاتا ہے جو پھولا ہوا نظر آتا ہے اور پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتا ہے پھر کوڑا کرکٹ تو یوں ہی بلا فائدہ رہ جاتا ہے اور ادھر ادھر کہیں ٹھہر جاتا ہے اور پانی یا تو کہیں جمع ہو جاتا ہے جس سے کھیتیوں سیراب کی جاتی ہیں اور انسان اس میں سے پیتے ہیں اور نہاتے دھوتے ہیں یا زمین میں اندر چلا جاتا ہے جو اندر کے چشموں میں جا کر مل جاتا ہے، جو اصل چیز ہے یعنی نفع دینے والا پانی وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے اور خس و خاشاک جو بے حیثیت چیز ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی نہ اسے کوئی سمیٹتا ہے نہ اس کی کوئی حفاظت کرتا ہے۔ اور دوسری مثال یہ بیان فرمائی کہ لوگ زیور یا کوئی دوسری کام کی چیز مثلاً برتن وغیرہ حاصل کرنے کے لئے چاندی سونے کو گلاتے ہیں اور گلانے کے لئے نیچے آگ جلاتے ہیں جب آگ جلتی ہے اور سونا چاندی کو تپایا جاتا ہے تو خالص چیز علیحدہ ہو جاتی ہے اور جھاگ علیحدہ ہو جاتی ہے یہ جھاگ بھی سیلاب کے پانی کی طرح اوپر اٹھے ہوئے نظر آتے ہیں پھر یہ جھاگ تو پھینک دیئے جاتے ہیں اور اصل چیز یعنی سونا چاندی باقی رہ جاتا ہے، دونوں مثالوں میں ایک چیز تو مفید اور نافع ہے جو باقی رہ جاتی ہے اور کام میں لائی جاتی ہے اور دوسری چیز فضول اور بے حیثیت اور بے کار ہوتی ہے، پہلی مثال میں پانی نافع ہے اور خس و خاشاک بے کار چیز ہے اور دوسری مثال میں چاندی سونا یا دوسری دھاتیں نافع ہیں اور تپاتے وقت جو میل کچیل نکلتا ہے اور بے کار ہے، اسی طرح سے حق اور باطل یعنی ایمان اور کفر کو سمجھ لیا جائے کہ ایمان نافع چیز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور کفر باطل چیز ہے، اس پر اللہ کی طرف سے کوئی اجر و ثواب نہیں بلکہ وہ دوزخ کی آگ میں داخل کرانے کا ذریعہ ہے۔ دنیا میں کفر اگرچہ پھولا پھولا نظر آتا ہے (جیسا کہ بہتے ہوئے پانی پر خس و خاشاک اور تپتے ہوئے سونے چاندی کے جھاگ) لیکن انجام کے اعتبار سے وہ بالکل بے وزن بے حقیقت اور بے فائدہ ہے۔

دوسری آیت میں اہل ایمان کے ثواب اور اہل کفر کی بدحالی کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى (جو لوگ اللہ کی دعوت حق قبول کر کے اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کیا ان کے لئے اچھا ثواب ہے یعنی جنت ہے اور جن لوگوں نے اللہ کی دعوت کو قبول نہ کیا اس کی فرماں برداری نہ کی وہ لوگ سخت مصیبت میں ہوں گے، اگر ان سے ہر طرح یعنی سخت حساب لیا جائے گا اور پھر انہیں دوزخ میں بھیج دیا جائے گا، جو بہت برا ٹھکانا ہے، جب حساب اور عذاب کی مصیبت میں گرفتار ہوں گے تو اپنی جان کا بدلہ دینے کے لئے رضامند ہوں گے وہاں کوئی مال پاس نہ ہوگا لیکن اگر بالفرض پوری زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب

ان کے پاس ہو اور اسی قدر اور بھی ہو تو اس سب کو دے کر جان چھڑانے پر راضی ہوں گے۔ پارہ سوم کی آخری آیت اور پارہ ششم کی نصف پر آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ کی تفسیر دوبارہ ملاحظہ کر لی جائے۔

اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی ؕ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ﴿۱۹﴾

کیا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اتارا گیا وہ حق ہے وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہو (جو حق کو نہیں سمجھتا) نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں

الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ ۙ﴿۲۰﴾ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ

جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو نہیں توڑتے۔ اور جو اس چیز کو جوڑے رکھتے ہیں جس سے جوڑے رکھنے کا

یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

اللہ نے حکم دیا اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ اور جنہوں نے اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے صبر کیا

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ

اور نماز کو قائم کیا اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طریقے پر خرچ کیا اور حسن سلوک سے برائی کا دفاع کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَی الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ

جن کے لیے آخرت کا اچھا انجام ہے ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے۔ اور جو اپنے باپ دادوں اور بیویوں اور اولاد میں سے صالح ہوں

وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی

گے وہ بھی ان میں داخل ہوں گے۔ اور ان پر ہر دروازے سے فرشتے داخل ہوں گے (اور کہیں گے کہ) تم نے جو صبر کیا اس کے بدلہ تم پر سلام ہو سو تمہیں جہاں میں اچھا

الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ

انجام ہے۔ اور جو لوگ مضبوط کرنے کے بعد اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اور اللہ نے جس چیز کو جوڑنے کا حکم دیا ہے

یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ

کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور آخرت میں برا ٹھکانا ہے۔ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق

لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع ۱۸

کشادہ فرما دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اور وہ لوگ دنیا کی زندگی پر اترا رہے ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بس تھوڑا سا کام چلنا ہے

اہل ایمان کے اوصاف، اور ان کے انعامات، اور نقض عہد کرنے والوں کی بدحالی کا تذکرہ

یہ متعدد آیات ہیں پہلی آیت میں فرمایا کہ جس شخص کو اس بات کا علم ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہ حق

ہے کیا اس بات کا جاننے والا اندھے آدمی کے برابر ہو سکتا ہے جو علم کے اعتبار سے اندھا ہے اور آپ پر جو نازل کیا گیا ہے اسے نہیں جانتا (نہ جاننے میں یہ بھی داخل ہے کہ جانتے ہوئے مانتا نہیں) جاننے والا بینا ہے اور نہ جاننے والا نابینا ہے، کیا بینا اور نابینا برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے اچھا فرمایا انما یتذکر اولوا الالباب (بس عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں) قرآن مجید تو سبھی کے سامنے ہے جو بہت بڑا معجزہ ہے اور اس کی دعوت بھی عام ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے جن کے پاس قرآن کے مضامین پہنچتے ہیں ان میں سے جنہوں نے اپنی عقل کو بے کار نہیں کر دیا اور اپنی فکر اور فہم کو قرآن کی دعوت حق کے سمجھنے سے معطل نہیں کر دیا وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں، اگر کسی کے پاس عقل ہے لیکن وہ عقل خیر کی طرف نہیں آنے دیتی امور دنیا میں، سیاسیات میں، ریاضیات میں، فنکیات میں کام کرتی ہے لیکن جس ذات پاک نے ان کو عقل اور فہم دی ہے اس کو وحدہٗ لاشریک ماننے پر تیار نہیں اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرنے سے پرہیز کرتے ہیں ان کی عقلیں چونکہ ان کے حق میں مضر ہیں اس لئے یہ لوگ بے عقل ہونے کے درجہ میں ہیں پھر اولوا الالباب (عقل والوں) کی چند صفات بیان فرمائیں جن سے وہ ایمان قبول کرنے کے بعد متصف ہونے پہلی اور دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا الذین یوفون بعھد اللہ ولا ینقضون المیثاق کہ یہ لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو توڑتے نہیں ہیں، اللہ سے جو عہد کئے ان میں سے ایک عہد تو وہی ہے جس کا سورہ اعراف میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ساری ذریت ان کی پشت سے نکالا جو چھوٹی چیونٹیوں کی طرح تھے پھر ان سے عہد لیا اور سوال فرمایا الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) سب نے جواب میں عرض کیا بلی آپ ہمارے رب ہیں۔ یہ عہد وادی نعمان میں عرفات کے قریب لیا گیا تھا (مشکوٰۃ ص ۲۴ رمسند احمد) اس وقت سب نے یہ عہد کر لیا تھا پھر عہد کی یاد دہانی کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہے، ہر شخص کا اپنا عہد الگ ایک بھی ہے جس نے دین اسلام کو اپنا دین بنا لیا اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر لیا کہ میں آپ کے حکموں پر چلوں گا اور آپ کی فرمانبرداری کروں گا یہ عہد تمام احوال اور اعمال سے متعلق ہے اللہ کی شریعت کے مطابق عمل کرنا وفائے عہد ہے اور گناہوں کا ارتکاب کرنا نقض عہد ہے اللہ سے جو عہد کیا ہے اس کی پابندی سب پر لازم ہے سورہ نحل میں فرمایا واوفوا بعھد اللہ اذا عاھدتم (اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے عہد کر لیا) پھر اولوالالباب کی تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل (اور وہ لوگ اس چیز کو جوڑتے ہیں جس کو جوڑ رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے) صلہ رحمی کرنا اور اہل ایمان سے دوستی رکھنا اور ایمان بالله کا جو تقاضا ہے اس کے مطابق مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنا اس میں یہ سب داخل ہے۔ (صلہ رحمی کی فضیلت اور قطع رحمی کی خدمت جاننے کے لئے سورہ نساء کے پہلے رکوع کی تفسیر کا مطالعہ کیجئے) (نور البیان ص ۴۵۶ ج ۱)

اولوالالباب کی چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ویخشون ربھم (کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں) اور پانچویں صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ویخافون سوء الحساب (کہ یہ لوگ برے حساب سے ڈرتے ہیں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور اس بات کا خوف کرنا کہ قیامت کے دن حساب ہوگا اس سے ایمان میں جلا پیدا ہوتی ہے اور ایمانی تقاضوں کے مطابق عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے حساب دو قسم کا ہے حساب یسیر (آسان حساب) اور حساب عسیر (سخت حساب) سخت حساب کو سوء الحساب سے تعبیر فرمایا سورہ انبیاء میں فرمایا ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ فلا تظلم نفس شیئا ط وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا (اور قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے سو کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا اور اگر عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حساب یسیر (آسان حساب) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا

کہ آسان حساب یہ ہے کہ اعمال نامہ میں دیکھ کر درگزر کر دیا جائے، اے عائشہ! جس سے مناقشہ کیا گیا یعنی چھان بین کی گئی (کہ یہ عمل کیوں کیا مشلاً) تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۷، مسند احمد)

اُولُوا الْاَلْبَاب کی چھٹی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ (اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لئے صبر کیا) پہلے بتایا جا چکا ہے کہ صبر کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے (۱) معصیتوں پر صبر کرنا (یہی معنی زیادہ معروف ہے) (۲) نیکیوں اور فرماں برداریوں پر جمار ہنا اور ثابت قدم رہنا (۳) تیسرے اپنے نفس کو گناہوں سے بچائے رکھنا تینوں قسم کے صبر پر بڑا اجر و ثواب ہے اس دنیا کا یہ مزاج ہے کہ تکلیفوں کے بغیر اس میں گزارہ ہو ہی نہیں سکتا مومن اور کافر سب کو تکلیف پہنچتی ہے اور سب کو صبر کرنا پڑتا ہے لیکن مومن چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے صبر کرتا ہے اس لئے اس پر ثواب ملتا ہے، سورۂ زمر میں فرمایا اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بے شمار ملے گا)

وقت گزرنے پر تکلیف ہلکی ہو جاتی ہے اور صبر آ ہی جاتا ہے یہ ایک طبعی چیز ہے اس صبر پر کوئی ثواب نہیں ملتا صبر وہی معتبر ہے جو عین دھچکا تکلیف اور مصیبت کے وقت ہو اور اللہ کی رضا کے لئے ہو اور یہ خاص مومن ہی کی شان ہے صبر کی فضیلت اور اہمیت جاننے کے لئے آیت کریمہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے، جس نے مصیبت اٹھائی اور صبر نہیں کیا یا صبر کیا مگر اللہ کے لئے نہ کیا وہ بڑے خسارہ میں ہے انما المصاب من حرم الثواب (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۰) (واقعی مصیبت زدہ وہ ہے جسے تکلیف بھی پہنچی اور ثواب بھی نہ ملا)۔

اولوالالباب کی ساتویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ (ان لوگوں نے نماز کو اس کے حقوق اور شرائط و آداب کے ساتھ قائم کیا) اور آٹھویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً ان لوگوں نے ہمارے دیئے ہوئے مالوں میں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر خرچ کیا) اس میں فرض زکوٰۃ صدقات واجبہ تبرعات و تطوعات، سب داخل ہو گئے سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فرما کر یہ بتا دیا کہ کبھی پوشیدہ طور پر خرچ کرنے کی فضیلت ہوتی ہے اور کبھی ظاہر طور پر خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، حسب موقع اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کیا جائے جب اللہ کی رضا مقصود ہوگی تو لوگوں کے سامنے خرچ کرنے میں بھی کچھ حرج نہ ہوگا کیونکہ ریاکاری لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام نہیں ہے وہ تو لوگوں کو اپنا معتقد بنانے اور شہرت و جاہ طلب کرنے کا نام ہے، ریاکاری اور اللہ کی رضا جوئی دونوں جمع نہیں ہو سکتے، جب اللہ کی رضا مقصود ہوگی تو لوگوں کے سامنے عمل کرنا کچھ مضر نہیں ہوگا۔

اُولُوا الْاَلْبَاب کی نویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ (کہ یہ لوگ حسن سلوک کے ذریعہ بدسلوکی کو دفع کرتے ہیں) دنیا میں جب انسان آپس میں ہے تو اس کا اچھوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے اور برے لوگوں سے بھی جن لوگوں کو خداتعالیٰ نے حسن سلوک سکھائے گئے اور جن کے مزاج میں کمینہ پن اور گناہ کاری اور ایذا رسانی ہوتی ہے ان سے اہل خیر کو اور حسن اخلاق والوں کو تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں، جس کسی نے کوئی تکلیف پہنچائی اس کا بدلہ لینا بس اسی قدر جائز ہے جتنی تکلیف پہنچائی ہے لیکن بدلہ نہ لینا، معاف کرنا، درگزر کرنا اور اس سے آگے بڑھ کر برائی سے پیش آنے والے کے ساتھ اچھائی سے پیش آنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا یہ بہت بڑی فضیلت اور ہمت کی بات ہے سورۂ شوریٰ میں فرمایا وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝ نیز فرمایا وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ (اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا (اور فرمایا) اور جو شخص صبر کرے اور

معاف کردے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے)۔

سورۂ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ (اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہوتی آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیجئے پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے کا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے)۔

رسول اللہ ﷺ اسی پر عمل فرماتے تھے درگزر فرماتے تھے معاف فرماتے تھے بدسلوکیوں کا بدلہ خوش اخلاقی سے دیتے تھے جب مکہ معظمہ فتح فرمایا تو وہاں کے رہنے والوں سے (جنہوں نے آپ کو بڑی تکلیفیں دے کر مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا) درگزر فرمایا اور فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ نے عرض کیا کہ یا اللہ آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴ از بیہقی فی شعب الایمان)

اُولُوا الْاَلْبَابِ کی صفات بیان کرنے کے بعد ان کو خوشخبری دی اور ان کیلئے آخرت کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا اول تو یوں فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ان لوگوں کے لئے آخرت میں اچھا انجام ہے جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا ان کے اعمال کا یہ نتیجہ اور انجام کی خوبی اس طرح ظاہر ہوگی کہ یہ لوگ ایسے باغیچوں میں رہیں گے جن میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ نہ صرف یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے بلکہ ان کے باپ دادوں میں اور ان کی بیویوں میں اور ان کی اولاد میں جو بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے اپنے بڑوں اور چھوٹوں اور بیویوں کو جنت میں دیکھ کر خوشی ہوگی اور فرحت پر فرحت حاصل ہوگی۔ بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نیک بندوں کو جنت میں جو مقام اور مرتبہ ملے گا اللہ تعالیٰ وہی درجہ ان کی رعایت فرمائے ہوئے ان کے متعلقین کو بھی عطا فرما دے گا جس کا آیت میں ذکر ہے، بعض حضرات نے اٰبَآئِهِمْ کے عموم میں ماؤں کو بھی داخل کیا ہے جیسا کہ روح المعانی نے لکھا ہے پھر فرمایا وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ (فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے) سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ اور یوں کہیں گے کہ دنیا میں جو تم نے صبر کیا اس کے عوض تمہیں دکھ تکلیف اور مصیبت سے محفوظ رہو کے ہمیشہ تمہارے لئے سلامتی ہے فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ سو اس جہاں میں اچھا انجام ہے، دنیا والے جو میں ایمان اور اعمال صالحہ کو اختیار کیا تو اس کے عوض اس جہاں میں بہترین عیش اور آرام نصیب ہوگا۔

یہاں تک چھ آیتوں کا مضمون بیان ہوا ساتویں آیت میں اہل ایمان کے مقابل دوسری جماعتوں کا حال اور انجام بیان فرمایا ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ سے عہد کیا پھر اس پر قائم نہ رہے عہد کو توڑ دیا اور اللہ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا تھا انہیں توڑتے رہے اور زمین میں فساد کرتے رہے یہ لوگ پہلے گروہ کے برعکس ملعون ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے آخرت میں برا انجام ہے۔

دنیاوی ساز و سامان پر اترانا بے وقوفی ہے..... آٹھویں آیت میں فرمایا اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اور اللہ رزق کو کشادہ فرماتا ہے جس کے لئے چاہے اور تنگ کرتا ہے جس کے لئے چاہے (دنیا میں رزق کی فراوانی اللہ کا مقبول بندہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اور رزق کی تنگی اس بات کی دلیل نہیں کہ جس کا رزق تنگ ہو وہ اللہ کا مقبول بندہ نہ ہو لہٰذا کافر لوگ وسعت رزق سے دھوکہ نہ کھائیں

وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر راضی نہ ہوتا تو زیادہ مال ہمیں کیوں ملتا) وفرحوا بالحیوۃ الدنیا اور کافر لوگ دنیا والی زندگی پر ترا رہے ہیں اور اسی پر فریفتہ ہیں اور اس کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اور آخرت کی فکر نہیں کرتے) وما الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا متاع (اور دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بس ذرا سی چیز ہے جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہیں (اس حقیر اور ذرا سی دنیا کے لئے ایمان سے محروم رہنا پھر اس محرومیت کے نتیجہ میں آخرت کی نعمتوں سے محروم رہنا اور دوزخ میں جانا بہت بڑی تباہی ہے اور بہت بڑی کامیابی سے محرومی ہے سورۂ آل عمران میں فرمایا فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز ط وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور (سو جو شخص دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا سو وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا والی زندگی دھوکہ کے سامان کے سوا کچھ نہیں)۔

دنیا جس قدر بھی زیادہ ہو جائے وہ بہر حال آخرت کے مقابلہ میں بے حقیقت ہے کم ہے ہیچ در ہیچ ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ

اور جن لوگوں نے غیر یہ وہ ہٹ میں کہ ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہیں کی گئی۔ آپ فرما دیجئے بلاشبہ اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے

وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ

اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف رجوع ہونے والے کو جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں، خبردار اللہ کے ذکر

تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ۝ كَذَٰلِكَ

سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے خوشحالی ہے اور اچھا ٹھکانہ ہے اسی طرح ہم نے

أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ

آپ کو ایسی امت میں بھیجا جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ انہیں وہ چیز پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور وہ

يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ۝

رحمٰن کے منکر ہو رہے ہیں۔ آپ فرما دیجئے وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اس پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا رجوع ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے

جب سید عالم رسول اللہ ﷺ اہل مکہ کو توحید کی دعوت دیتے تھے وہ لوگ بار بار یوں کہتے تھے کہ ہمارے کہنے کے مطابق آپ کی نبوت کی نشانی ظاہر ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے قرآن مجید میں ان کی جاہلانہ بات کا جگہ جگہ تذکرہ فرمایا ہے۔ یہاں بھی ان کی اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کی طرف کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی، نشانیاں یعنی معجزات تو بہت تھے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن ہی ہے جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لئے یہی معجزات کافی تھے لیکن ضد اور عناد کی وجہ سے ایسی باتیں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ اے رسول ﷺ آپ ان سے فرما دیں کہ فرمائشی معجزے ظاہر کرنا میرے قبضۂ قدرت کی بات نہیں اور اللہ تعالیٰ بھی اس بات کا پابند نہیں کہ تمہاری فرمائش کے مطابق معجزے بھیجے اور یہ بھی معلوم ہے کہ تمہیں حق قبول کرنا نہیں ہے بہذا معصوم ہو گیا کہ تم گمراہ ہی رہو گے اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ فرمائے۔

اور جو شخص اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اللہ اسے اپنی طرف ہدایت دیتا ہے، تم اس کی طرف رجوع ہوتا ہی نہیں چاہتے جب تمہارا یہ حال ہے تو گمراہی کے گڑھے میں گرتے چلے جاؤ گے۔

پھر فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ (جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہو گئے) یہ مِنْ اَمَاتَ کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دل واطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف راہ دکھاتا ہے، یہ لوگ معجزوں کی فرمائش نہیں کرتے جو معجزات ظاہر ہوئے انہیں میں غور و فکر کر کے ایمان کی راہ پر آجاتے ہیں ان کے دل میں اللہ کی یاد سے سکون ہوتا ہے اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، اللہ کا ذکر سچے ایمان والوں کے قلوب کے مطمئن ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، ایمان پر ان کا دل مطمئن ہے اور جب کبھی کسی سے اللہ کا ذکر سنتے ہیں یا خود ذکر کرتے ہیں (زبان سے یا دل سے) اس سب سے ان کے دلوں میں فرحت اور خوشی اور سکون و اطمینان کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔

پھر اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کو خوشخبری دی اور فرمایا طُوْبٰى لَهُمْ (ان کے لئے خوشحالی ہے اور عمدہ زندگی ہے) وَحُسْنُ مَاٰبٍ (اور اچھا انجام ہے) دنیا میں بھی ان کو حیات طیبہ اور سکون و آرام کی زندگی حاصل ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے اچھا ٹھکانہ ہے۔

یہاں صاحب معالم التنزیل نے ایک سوال اٹھایا ہے اور وہ یہ کہ اس آیت میں تو فرمایا کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں اور سورۂ انفال میں فرمایا کہ مؤمنین کے دل اللہ کے ذکر کے وقت ڈر جاتے ہیں (اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ) (بیک وقت اطمینان اور خوف کیسے حاصل ہوگا؟) پھر جواب دیا ہے کہ ہر حالت کا موقع الگ الگ ہے وعید اور عذاب کا تذکرہ ہوتو ڈر جاتے ہیں اور ثواب کا تذکرہ ہوتو اطمینان حاصل ہوتا ہے، احقر کے نزدیک سوال وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ خوفزدہ ہونا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے اور ایمان ہی اصل سکون ہے جب ایمانیات کے سچے ہونے پر اطمینان نہ ہوگا وہ مومن ہی نہ ہوگا اور جب مؤمن نہ ہوگا عقاب اور وعیدوں سے ڈرے گا کیوں؟ فافهم واعتم اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے خطاب فرمایا کہ ہم نے آپ کو ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں، ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ آپ ان پر ہماری کتاب تلاوت فرمائیں یعنی پڑھ کر سنائیں اور حال یہ ہے کہ وہ لوگ رحمن کی ناشکری کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے تو اپنی رحمت سے ان پر قرآن نازل فرمایا لیکن اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری پر اتر آئے اور ناشکری کی وجہ سے کافر ہی رہے اور جانتے بوجھتے کفر اختیار کیا یہ سخت گمراہی کی بات ہے۔

پھر فرمایا قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (آپ فرما دیجئے کہ وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) تم نے اگر میری بات نہ مانی تو میرا کچھ بگڑنے والا نہیں۔ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ مَتَابِ (میں نے صرف اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا رجوع کرنا ہے) جو اس کی حفاظت میں ہے بس وہی محفوظ ہے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ

اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کی وجہ سے پہاڑ چلا دیئے جاتے یا اس کی وجہ سے زمین میں ٹکڑے کر دیئے جاتے یا اس کی وجہ سے مردوں سے بات کرائی جاتی تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں،

جَمِیْعًا ؕ اَفَلَمْ یَایْـَٔسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَا یَزَالُ

بلکہ تمام امور اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، کیا اہل ایمان ناامید نہیں ہوئے حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا، اور جن لوگوں نے کفر کیا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ

ان کے اعمال بد کی وجہ سے ان پر ہمیشہ نہ کوئی مصیبت نازل رہتی ہے یا ان کے مکانوں کے قریب مصیبت نازل ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے

اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

بیشک اللہ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔

معاندین فرمائشی معجزات ظاہر ہونے پر بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں

صاحب معالم التنزیل (ص ۱۹ ج ۲) لکھتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے ایک سوال پر نازل ہوئی، عبداللہ بن امیہ اور ابوجہل ایک دن رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے کہ اگر آپ کی خوشی اس میں ہے کہ ہم آپ کا اتباع کریں تو اس قرآن کے ذریعہ مکہ کے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر ہمیں کھلا میدان بنا دیجئے تاکہ مکہ کی سرزمین کشادہ ہو جائے اور مکہ کی سرزمین پھٹ جائے اور اس میں نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں تاکہ ہم اس میں درخت اگائیں اور کھیتیاں بوئیں اور ہمیں باغات مل جائیں، آپ کا جد عبدالمطلب کے لئے پہاڑ مسخر کر دیئے گئے تھے اور سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر کر دی گئی تھی لہٰذا ہمارے لئے بھی ہوا کی تسخیر ہو جائے۔ ہم مکہ شام تجارت کے لئے جاتے ہیں تجارت کر کے واپس ہوتے ہیں اس آنے جانے میں بہت سا وقت خرچ ہوتا ہے اگر ہوا ہمارے لئے مسخر ہو جائے تو ہمارے وقت کی بچت ہو جائے گی اور ہم واپس آ جائیں آپ کا یہ بھی فرمانا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے لہٰذا آپ اپنے پردادا قصی یا جس کو آپ مناسب جانیں زندہ کرا دیں ہم اس سے آپ کے بارے میں دریافت کریں گے کہ آپ کا دین حق ہے یا باطل؟ آپ کی نبوت حضرت داؤد، سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام سے کم نہیں ہے آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ ان چیزوں کو ظاہر فرمائے اگر یہ چیزیں وجود میں آ جائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ ظاہر ہو جائے تب بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں ان کی یہ سب باتیں عناد کی طور پر ہیں جیسا کہ سورہ انعام میں فرمایا کہ ولو اننا نزلنا الیھم الملئکۃ وکلمھم الموتی وحشرنا علیھم کل شیء قبلا ما کانوا لیؤمنوا الا ان یشاء اللہ۔

مفسرین کرام نے ولو ان قرآنا کی جزا محذوف بتائی ہے اور وہ کفروا بالرحمن ولم یؤمنوا ہے یعنی اگر ان کی فرمائش کے مطابق معجزے ظاہر کر دیئے جائیں تب بھی کفر اختیار کئے رہیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے۔

بل للہ الامر جمیعا (بلکہ تمام امور اللہ ہی کے لئے ہیں) یعنی ان کے مطالبات کو پورا کرنا نہ کرنا سب اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ کسی کا پابند نہیں کہ لوگوں کی فرمائش کے مطابق معجزے ظاہر فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا افلم ییئس الذین امنوا ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعا صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب مشرکین سے مطالبات سنے کہ فلاں فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ یہ معجزات ظاہر ہو جاتے تو اچھا تھا تاکہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیتے ان کے جواب میں فرمایا کیا اہل ایمان ان لوگوں کی ضد و عناد دیکھ کر ان لوگوں کے ایمان لانے سے ناامید نہیں ہوئے کہ اگر ناامید ہو جاتے تو ایسی آرزو نہ کرتے، ظہور معجزات پر ہدایت موقوف نہیں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ جو کچھ کرتا ہے حکمت کے مطابق ہوتا ہے چاہے تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دے وفی الکلام حذف ای افلم ییئس الذین

امنوا عن ایمانهم عالمین مستیقین ان لو یشآء اللہ لهدی الناس جمیعا۔

ولا یزال الذین کفروا تصیبهم بما صنعوا قارعة او تحل قریبا من دارهم (اور جن لوگوں نے کفر کیا برابر ان کے اعمال بد کی وجہ سے کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب مصیبت نازل ہو جائے گی)

مشرکین مکہ کے مطالبات منظور نہیں کئے گئے اور ان کے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں ہوئے کیونکہ اول تو ان کو ایمان لانا ہی نہیں صرف ضد اور عناد کی وجہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں دوسرے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو لوگوں کی مرضی کے مطابق تخلیق فرمائے ہاں ان پر ان کی حرکتوں کی وجہ سے آفات اور مصائب آتی رہیں گی، اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے پھر غزوۂ بدر میں ان کے بڑے بڑے سردار مقتول ہوئے ان پر اس طرح کی آفات آتی ہی رہیں گی، خاص ان پر مصیبت نہ آئی تو ان کی قریب والی بستیوں میں مصیبتیں آتی رہیں گی تاکہ عبرت حاصل ہو اور اپنے انجام کے بارے میں غور و فکر کریں حتی یاتی وعد اللہ (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فتح مکہ مراد ہے، اور بعض حضرات نے اس سے موت اور بعض حضرات نے روز قیامت مراد لیا ہے یعنی یہ سلسلہ عذابوں اور مصیبتوں کا جاری رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے یعنی مکہ فتح ہو جائے جس میں مشرکین مغلوب اور مقہور ہوں گے یا ان میں سے ہر شخص کو موت آجائے۔

اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا ان اللہ لا یخلف المیعاد (بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا) معلوم ہوا کہ اپنے اوپر جو مصیبت آئے اسے بھی عبرت کی نظر سے دیکھیں اور اپنے کافرانہ طور طریق کو بدلیں اور اگر آس پاس کی بستیوں اور شہروں پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو اس سے بھی عبرت حاصل کریں کیونکہ اس میں بھی سب کے لئے تنبیہ ہوتی ہے۔

ولقد استهزئ برسل من قبلك فاملیت للذین کفروا ثم اخذتهم ف فکیف کان

اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا مذاق بنایا گیا پھر میں نے ان لوگوں کو مہلت دی جنہوں نے کفر کیا، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا سو میرا عذاب دینا

عقاب ۞ افمن هو قآئم علی کل نفس بما کسبت ۚ وجعلوا لله شرکآء ۭ قل سموهم ۭ

کیسا تھا سو جو ذات ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو کیا اس کے برابر ہو سکتا ہے جس کی یہ صفت نہ ہو، اور لوگوں نے اللہ کے لئے شریک تجویز کر رکھے ہیں آپ فرما دیجئے کہ تم ان کے نام لو

ام تنبئونه بما لا یعلم فی الارض ام بظاهر من القول ۭ بل زین للذین کفروا مکرهم وصدوا

یا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جو زمین میں نہیں جانتا یا محض ظاہری لفظ کے طور سے، بلکہ کافروں کے لئے ان کا مکر مزین کر دیا گیا اور وہ سیدھے راستے سے

عن السبیل ۭ ومن یضلل الله فما له من هاد ۞ لهم عذاب فی الحیوة الدنیا ولعذاب الاخرة اشق ۚ

روک دیئے گئے، اور اللہ جسے گمراہ کر دے سو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ان کے لئے دنیا والی زندگی میں عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب بہت زیادہ سخت ہے،

وما لهم من الله من واق ۞ مثل الجنة التی وعد المتقون ۭ تجری من تحتها الانهر ۭ

اور نہیں ہے ان کے لئے اللہ سے بچانے والا کوئی، متقین سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا اس کا حال یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ۚ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۚ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ

اُشْرِكَ بِهٖ ۚ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَمَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ ع ۱۱

رسول اللہ ﷺ کو تسلی، کافروں کی بدحالی، متقیوں سے جنت کا وعدہ

یہ متعدد آیات ہیں، پہلی آیت میں رسول اللہ کو خطاب فرمایا کہ آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے گئے اور ان کا بھی مذاق بنایا گیا اس میں آپ کو تسلی دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کچھ آپ کے ساتھ ہو رہا ہے یہ نئی چیز نہیں ہے آپ سے پہلے جو رسول آئے ان کی امتوں نے ان کے ساتھ تکذیب استہزاء اور مذاق بنانے کا وہی طریقہ اختیار کیا جو یہ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں، ان لوگوں نے جب تکذیب کی اور رسولوں کا مذاق بنایا تو میں نے عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کی بلکہ ان کو مہلت دی، اس مہلت سے زیادہ فائدہ اٹھا کر آخر پھر میں نے ان کی گرفت کر لی اور اچھی طرح گرفت کی ان پر عذاب آیا اب تم خود خیال کرو کہ میرا عذاب کیسا تھا؟ (ان عذابوں کی تفصیلات قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں مذکور ہیں) جب عذاب آیا تو ان سے بچنے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اور بھاگنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ آپ بھی صبر کریں اور مذاق بنانے والوں کے بارے میں انتظار فرمائیں جب گرفت ہوگی تو یہ بھی اپنی جانوں کو بچا نہیں سکیں گے۔

پھر فرمایا افمن ھو قائم علی کل نفس بما کسبت (کیا جو ذات ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو) اس میں ہمزۂ استفہام انکاری کے لئے ہے اور مبتدا کی خبر محذوف ہے (قال صاحب الروح من مبتدا والخبر محذوف ای کمن لیس کذلک) مطلب یہ ہے کہ جو ذات علیم اور خبیر ہے جسے سب کے احوال اور اعمال کا علم ہے کیا اس کے برابر وہ ہو سکتے ہیں جنہیں یہ بھی علم نہیں اور جو اپنے عبادت کرنے والوں کے حال سے واقف نہیں، جب ان کا یہ حال ہے تو وہ نفع ضرر کے مالک کیسے ہو سکتے ہیں اگر ان کو خالق تعالیٰ شانہ کا شریک بنانا کہاں درست ہے؟ خود ہی ہر شخص سوچ سکتا ہے، غور و فکر کریں گے تو اپنی جہالت اور ضلالت کا فیصلہ خود کر لیں گے۔ قل سموھم (ان جنہیں تم نے شریک بنایا ہے ان کا ذرا نام تو لو اور بتاؤ وہ کون ہیں؟ ان کی حیثیت کیا ہے؟ ان کے شرکاء کی تحقیر کے لئے ایسا فرمایا قال فی الروح ما قلا عن المحرر المعنی انھم لیسوا ممن یذکر و یسمی اما یذکرو یسمی من یفع و یضر (الی ان قال) والمعنی سواء سمیتموھم بذلک ام لم تسموھم به فانھم فی الحقارة بحیث لا تستحقون ان یلتفت الیھم عاقل، مطلب یہ ہے کہ جن کو تم نے اللہ کا شریک بنایا ہے وہ ایسے حقیر ہیں کہ قابل ذکر ہی نہیں۔

اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ (کیا تم اللہ کو وہ بات بتا رہے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا؟) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ساری مخلوق کا علم ہے تم زمین میں ہو اور اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی زمین میں ہیں اللہ کے علم میں تو اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے اور اس کے سوا وہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اب جب تم شرک کر رہے ہو اور غیر اللہ کو معبود بنا رہے ہو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کو یہ بتا رہے ہو کہ آپ کے شریک بھی ہیں، آپ کو ان کا پتہ نہیں ہم آپ کو بتا رہے ہیں (العیاذ باللہ) اس میں مشرکین کی جہالت اور ضلالت کو واضح فرمایا ہے۔

اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ یعنی تم جن لوگوں کو اللہ کا شریک قرار دے رہے ہو اس بارے میں تمہارے پاس کوئی حقیقت ہے یا یوں ہی محض ظاہری الفاظ میں ان کو شریک ٹھہراتے ہو؟ غیر اللہ کے معبود ہونے کی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں ہے صرف باتیں ہی باتیں اور دعوے ہی دعوے ہیں اور یہ سب کچھ زبانی ہے معبود بنانے کے لئے تو بہت بڑی تحقیق کی ضرورت ہے یوں ہی زبانی باتوں سے کسی کا معبود ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ (بلکہ کافروں کے لئے ان کا مکر مزین کر دیا گیا اور راہ حق سے روک دیئے گئے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ مکر سے ان کا شرک اور گمراہی میں آگے بڑھتے چلے جانا اور باطل چیزوں کو اچھا سمجھنا مراد ہے، ان کا یہ مکر انہیں راہ حق سے روکنے کا ذریعہ بن گیا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (اور اللہ جسے گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں) لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (دنیا والی زندگی میں ان کے لئے عذاب ہے) وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ (اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے) وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ط

اس میں کافروں کو تنبیہ ہے کہ دنیا میں تمہارے لئے طرح طرح کے عذاب ہیں اور صرف دنیا ہی میں عذاب نہیں بلکہ تمہارے لئے آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ سخت ہے اور اللہ تعالیٰ جسے عذاب میں مبتلا فرمانے کا ارادہ فرما لے دنیا وی عذاب ہو یا اخروی عذاب) اس سے کوئی بچانے والا نہیں۔

اس کے بعد جنت کا تذکرہ فرمایا۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جس جنت کا اہل تقویٰ سے وعدہ کیا گیا (جو فرو شرک اور معاصی سے بچتے ہیں) اس کا حال یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا (اس کے پھل ہمیشہ رہیں گے اور اس کا سایہ بھی) یعنی جنت میں جو پھل ملیں گے برابر ملتے رہیں گے پھل بھی ہمیشہ رہیں گے اور سایہ بھی ہمیشہ رہے گا، یہاں چونکہ سورج کا طلوع غروب نہیں اس لئے یہ سایہ جو ہوگا ہمیشہ ہی رہے گا، سورہ نساء میں فرمایا وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا اور سورہ واقعہ میں فرمایا وَفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ۔

پھر فرمایا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ (یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور کافروں کا انجام دوزخ ہے)

اس کے بعد اہل کتاب میں سے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جنہیں قبول حق سے عناد نہیں ہے وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے وہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان میں چالیس اشخاص نصاریٰ نجران میں سے تھے اور آٹھ

یمن کے نصرانی تھے اور حبش حبشہ کے لوگ تھے اسی طرح کچھ لوگ یہود میں سے بھی مسلمان ہوگئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ وغیرہ جمیع الصحابہ۔

پھر فرمایا ومن الاحزاب من ینکر بعضہ (اور اہل کتاب کی بعض جماعتیں وہ ہیں جو قرآن کے بعض حصہ کے منکرین ہو رہے ہیں) اس سے اہل کتاب کے معاندین مراد ہیں جو قرآن کریم کی ان چیزوں کو مان لیتے تھے جنہیں اپنے موافق سمجھتے تھے اور ان چیزوں کے منکر ہو جاتے تھے جو ان کے مزاج اور طبیعت کے خلاف ہوتی تھیں۔

قل انما امرت ان اعبداللہ ولا اشرک بہ (آپ فرما دیجئے کہ مجھے تو صرف یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کروں) یہ میرا دین ہے تم راضی ہو نہ ہو میں اللہ کی توحید پر اور اللہ کی عبادت پر قائم ہوں الیہ ادعوا والیہ مآب (میں اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں اور صرف اس کی طرف میرا لوٹنا ہے) وہی مجھے جزا دے گا جب اسی کی طرف جانا ہے اور وہی جزا دینے والا ہے تو میں تمہیں راضی رکھنے کی فکر کیوں کروں؟

یہ قرآن حکم خاص ہے، عربی زبان میں ہے پھر فرمایا وکذلک انزلنہ حکما عربیا اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو اس طور پر نازل کیا ہے کہ وہ خاص حکم عربی زبان میں ہے) اہل کتاب جو فروعی مسائل میں احکام اسلامیہ کو ان مسائل سے خلاف پاتے تھے جو انہیں شرائع سابقہ سے یاد تھے اور ان کی وجہ احکام قرآنیہ کا انکار کرتے تھے اس میں ان لوگوں کی تردید ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے پہلے کتابیں نازل کیں اور ان میں از منہ سابقہ کے مخاطبین کے اعتبار سے احکام بھیجے پھر ان میں سے بہت سے احکام کو بعد میں آنے والی امتوں کے لئے منسوخ کر دیا اور ان کی جگہ دوسرے احکام نازل فرما دیئے اسی طرح سے ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے جس میں قرآن کے مخاطبین کی رعایت کی گئی ہے اور ایسے احکام دیئے گئے ہیں جو ان کے احوال کے مناسب ہیں اگر قرآن میں ایسے احکام پاتے ہو جو سابقہ شرائع کے موافق نہیں اور اس کی وجہ سے قرآن کی تکذیب کرتے ہو تو یہ عناد اللہ سے اور شرائع سابقہ کے اصول سے جاہل ہونے پر بلکہ تجاہل پر مبنی ہے، اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ پہلی کتابوں میں شرائع کا اختلاف تھا اور وہ کتابیں مختلف زبانوں میں تھیں جس طرح ان کا فروعی اختلاف اور کئی زبانوں میں نازل ہونا ایک دوسرے کی تکذیب کا سبب نہ بنا تو اب قرآن جو عربی زبان میں نازل ہوا اور شرائع سابقہ کی بعض چیزیں اس نے منسوخ کر دیں تو اس کو قرآن کی تکذیب کا ذریعہ کیوں بناتے ہو قرآن مجید کی تکذیب کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا منکر ہونا سراپا ضلالت اور سفاہت ہے۔

قال صاحب الروح (ج ۱۳ ص ۱۲۷) شروع فی رد انکارھم لفروع الشرائع الواردۃ ابتداء او بدلا من الشرائع المسوحۃ بیان الحکمۃ فی ذلک وان الضمیر راجع لما انزل الیک والاشارۃ الی مصدر (انزلناہ) او (انزل الیک) ای مثل ذلک الانزال البدیع الجامع لاصول مجمع علیھا وفروع متشعبۃ الی موافقۃ و مخالفۃ حسبما یقتضیہ قضیۃ الحکمۃ انزلناہ حاکما یحکم فی القضایا والوقائع بالحق ویحکم بہ کذلک (الی ان قال) وقیل ان الاشارۃ الی انزال الکتاب السالفۃ علی الانبیاء علیھم السلام، والمعنی کما انزلنا الکتب علی من قبل انزلنا ھذا الکتاب علیک لان قولہ تعالیٰ (والذین اتیناھم الکتاب) یتصمن انزالہ تعالیٰ ذالک وھذا الذی انزلنا بلسان العرب کما ان الکتب السابقۃ بلسان من انزلت علیہ (وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم) والی ھذا ذھب الامام وابو حیان

پھر فرمایا ولئن اتبعت اھوآءھم بعد ما جآءک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا واق (اور اگر آپ نے ان کی

خواہشوں کا اتباع کیا تو کوئی ایسا نہیں جو اللہ کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے والا اور بچانے والا ہو) اس میں بظاہر حضرت سید عالم ﷺ کو خطاب ہے اور فی الواقع حضرات مؤمنین کو دین پر ثابت قدم رہنے کی تلقین ہے اور بظاہر آپ کو یہ خطاب یہ بات واضح کرنے کے لئے کیا گیا ہے کہ جب بالفرض آپ دشمنوں کی خواہشوں کا اتباع کرنے میں ماخوذ ہو سکتے ہیں تو آپ کے علاوہ دوسرے لوگ بطریق اولیٰ ماخوذ ہوں گے قال صاحب الروح (ص ۱۶۸ ج ۱۳) وامثال هذا القوارع انما هی لقطع اطماع الکفرة وتهییج المومنین علی الثبات فی الدین لا للنبی صلی الله علیه وسلم فانه علیه الصلوة والسلام ممکن لا یحتاج فیه الی باعث او مهیج ومن هنا قیل ان الخطاب لغیره ﷺ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ

اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں دیں اور اولادیں بھی اور رسولوں کو یہ قدرت

يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ

حاصل نہیں ہوتی کہ کوئی آیت لے آئیں مگر اللہ کے حکم سے جو زمانہ کے لکھے ہوئے احکام ہیں، اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جو چاہتا ہے اور اس کے

اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ

پاس اصل کتاب ہے اور اگر ہم آپ کو بعض وہ چیز دکھا دیں جو ہم نے کافروں سے وعدے کئے ہیں یا ہم آپ کو اس سے پہلے اٹھا لیں تو آپ کے ذمہ

وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ

اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے، کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے کم کرتے چلے آتے ہیں اور اللہ حکم فرماتا ہے اس کا

لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ

کوئی پیچھے ڈالنے والا نہیں، اور وہ حساب لینے میں جلدی فرمانے والا ہے، اور بیشک جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے مکر کیا سو اصل تدبیر تو اللہ ہی کی ہے

مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ

ہر شخص کی کمائی کو جانتا ہے اور کافر لوگ عنقریب جان لیں گے کہ اچھا انجام کس کا ہے اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝

آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ ہونے کو اور وہ شخص بھی جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔

ع

آپ ﷺ سے پہلے جو رسول بھیجے گئے وہ اصحاب ازواج واولاد تھے،
کوئی رسول اس پر قادر نہیں کہ خود سے کوئی معجزہ ظاہر کر دے

روح المعانی (ص ۱۶۸ ج ۱۳) میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ پر یہ اعتراض کیا کہ ان کی نبوت کی بیویاں ہیں جو شخص نبی

ہوا سے نبوت کے کاموں سے اتنی فرصت کہاں کہ بہت ساری بیویاں رکھے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جواب میں ان سے تو خطاب نہیں فرمایا لیکن اپنے نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپؐ سے پہلے ہم نے رسول بھیجے ہیں اور ان کو ہم نے بہت بیویاں دی تھیں اور بیویوں ہی نہیں ان کے اولاد بھی تھی بیویوں کا زیادہ ہونا اور صاحب اولاد ہونا یہ چیز نہ نبوت کے خلاف ہے نہ کار ہائے نبوت سے معارض ہے، یہودیوں کو حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے بارے میں علم تھا کہ ان کی بہت سی بیویاں تھیں اور وہ ان کے بارے میں نبی ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے تھے پھر بھی انہوں نے بطور عناد اعتراض کیا اور کثرت ازواج کو مرتبہ نبوت کے خلاف کہا اس سے نہیں مشرکین کو بھی دین اسلام سے روکنا مقصود تھا اور خود اپنے لئے کفر پر جمے رہنے کا بھی ایک بہانہ تلاش کر لیا، قرآن مجید نے اس انداز سے ان کا جواب دے دیا کہ آئندہ جو بھی کوئی شخص ایسا جاہلانہ اعتراض کرے اپنے اعتراض کا مسکت جواب پالے، بات یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام قول سے بھی تعلیم دینا تھا اور عمل سے بھی، اسی لئے دو انسانوں کی طرف انسانوں کو نبی بنا کر بھیجا گیا، نکاح کرنا انسانوں کی ضرورت کی چیز ہے جب نکاح ہوگا تو اولاد بھی ہوگی بیویوں کے ساتھ کس طرح گزارہ کیا جائے اور اولاد کی کس طرح تربیت کی جائے یہ سب باتیں بھی تو قولاً فعلاً بتانے اور سمجھانے کی ہیں، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مجرد یعنی غیر شادی شدہ ہوتے تو ان کی امتیں ازدواجی زندگی کے طریقے کس طرح سیکھتیں پھر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تو آخری رسول ہیں سارے انسانوں کے نبی ہیں آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں آپؐ کی تعلیمات انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہیں خانگی حالات جاننے کی امت مسلمہ کو ضرورت تھی ان احوال کو حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بیان کیا، بیشمار تعداد میں ان کی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ دلائل اور معجزات سے آنحضرت ﷺ کا رسول ہونا معلوم ہو گیا تو اس پر اعتراض ختم ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی ایسی چیز کا ارتکاب نہیں کر سکتے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی ہو۔

وما کان لرسول ان یأتی بایۃ الا باذن اللہ (اور کسی رسول کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ کوئی آیت لے آئے الا یہ کہ اللہ کا حکم ہو) اس میں لفظ "آیت" کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے معجزہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ طرح طرح کے معجزات کی جو معاندین فرمائشیں کرتے ہیں ان معجزات کا لانا نبی کی قدرت اور دسترس میں نہیں ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا اذن ہو تو معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے معجزہ کی تخلیق اور ایجاد اسی کے قبضہ میں ہے۔

اگر کسی نبی سے لوگوں نے فرمائشی معجزہ طلب کیا اور وہ پیش نہ کر سکا تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ اللہ کا نبی نہیں، جو دلائل پیش کئے جا چکے اور جو معجزات ظاہر ہو چکے ان کے ہوتے ہوئے فرمائشی معجزات طلب کرنا محض ضد اور عناد تھا اور اللہ کے نبی کی تصدیق نہ کرنا یہ کفر ہے، کوئی نبی بے دلیل اور بے معجزہ نہیں گزرا اور فرمائشی معجزہ ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ اس کے پابند نہیں ہیں۔

بعض حضرات نے لفظ آیۃ سے احکام مراد لئے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو کہتے ہو کہ احکام میں نسخ کیوں ہوا پہلی امتوں کے جو احکام تھے وہ پورے کے پورے اس امت کے لئے کیوں باقی نہیں رکھے گئے یا اس امت کے لئے جو احکام جاری کئے گئے تھے ان کو بعد میں منسوخ کیوں کیا گیا اور ان کی جگہ دوسرا حکم کیوں آیا یہ جاہلانہ اعتراض ہے، اللہ کا کوئی نبی اپنے پاس سے کوئی حکم نہیں لا سکتا اپنی حکمت کے موافق اللہ تعالیٰ احکام جاری فرما دیتا ہے پھر منسوخ فرما دیتا ہے نبی کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنے پاس سے بدل دے یا منسوخ کر دے، جو لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ نبی ہماری مرضی کے مطابق حکم لائے یہ سفاہت اور ضلالت ہے، سورہ یونس میں فرمایا قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۔

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ (ہر زمانہ کے لئے لکھے ہوئے احکام ہیں) یعنی گذشتہ امتوں کو جو احکام دیئے گئے وہ بھی حکمت کے مطابق تھے اور ان کے احوال کے مناسب تھے اور اب جو اس امت کو احکام دیئے جا رہے ہیں وہ بھی حکمت کے مطابق ہیں اور ان کے حالات کے مناسب ہیں۔

اللہ جو چاہتا ہے محو فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے

پھر فرمایا يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ (اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جو چاہتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب ہے) صاحب روح المعانی نے اس آیت کے ذیل میں بہت کچھ لکھا ہے اور مفسرین کے مختلف اقوال جمع کئے ہیں پہلی بات تو یہ لکھی ہے ای ینسخ ما یشاء نسخہ من الاحکام لما تقتضیہ الحکمۃ بحسب الوقت ویثبت بدلہ ما فیہ الحکمۃ او یبقیہ علی حالہ غیر منسوخ اویثبت ما یشاء اثباتہ مطلقا اعم مہما و من الانشاء ابتداء

یعنی اللہ تعالیٰ جن احکام کو چاہتا ہے منسوخ فرما دیتا ہے اور جن احکام کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے منسوخ نہیں فرماتا، یہ مضمون لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ کی ایک تفسیر کے موافق ہے صاحب معالم التنزیل (ص ۲۲ ج ۳) نے حضرت سعید بن جبیر اور حضرت قتادہ سے بھی یہ تفسیر نقل کی ہے وقال یمحوا اللّٰہ ما یشاء من الشرائع والفرائض فینسخہ ویبدلہ ویثبت ما یشاء منہا فلا ینسخہ پھر صاحب روح المعانی نے حضرت عکرمہ سے نقل کیا ہے یمحوا بالتوبۃ جمیع الذنوب ویثبت بدل ذلک حسنات یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے کی وجہ سے بندوں کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور ان کے بدلہ نیکیاں لکھ دیتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاکؒ سے نقل کیا ہے یمحوا من دیوان الحفظۃ ما لیس بحسنۃ ولا بسیئۃ لانہم مامورون بکتب کل قول و فعل و یثبت ماہو حسنۃ او سیئۃ مطلب یہ ہے کہ جو فرشتے بنی آدم کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں وہ تو حسب حکم ہر قول اور ہر فعل کو لکھتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ نیکیوں اور برائیوں کو باقی رکھتا ہے اور جو اعمال نیکی یا بدی کے دائرہ میں نہیں آتے انہیں مٹا دیتا ہے پھر حضرت حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ اس سے بنی آدم کی آجال یعنی زندگی کے اوقات مقررہ مراد ہیں شب قدر میں ان لوگوں کی اجل دیوان اموات میں لکھ دی جاتی ہے جنہیں آئندہ سال کے اندر موت آنی ہے اور زندوں کے دیوان سے ان کا نام مٹا دیا جاتا ہے صاحب روح المعانیؒ نے دیگر اقوال بھی نقل کئے ہیں جن کا آیت کے سیاق سے جوڑ نہیں بنتا ان میں سے بعض ضعیف روایات پر بھی مبنی ہیں اس لئے ہم نے انہیں ذکر نہیں کیا۔

وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ (اور اس کے پاس اصل کتاب ہے) یعنی لوح محفوظ اللہ ہی کے پاس ہے تمام احکام مستمرہ اور ناسخ اور منسوخ اس میں درج ہیں وہ سب کو جامع ہے اس کتاب تک کسی کی پہنچ نہیں ہے سب احکام اسی کے موافق نازل ہوتے ہیں جو کچھ اس کتاب میں درج ہے۔

پھر فرمایا وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ (الآیۃ) (اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی (ﷺ) آپ کے مخاطبین جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں اور ہماری طرف سے جو ان پر عذاب آنے کی خبر دی جا رہی ہے اس میں آپ کو کسی طرح پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اگر آپ کی موجودگی میں ہم نے کوئی عذاب بھیج دیا جسے آپ نے اپنی نظروں سے دیکھ لیا تو یہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا ذریعہ ہوگا اور اگر ہم نے آپ کو ان پر عذاب آنے سے پہلے اٹھا لیا تو یہ بھی کوئی فکر کی بات نہیں ہے، چونکہ آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اس لئے ان کے قبول نہ کرنے پر آپ پر کوئی ملامت نہیں ہے اور ایمان قبول نہ کرنے پر آپ پر عذاب لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے پہنچانا آپ کا کام ہے اور حساب لینا ہم سے متعلق ہے، آپ اپنا کام کرتے رہیں قال صاحب الروح ما قلا عن الحوفی فیقال واللہ

تعالیٰ اعلم واما نریک بعض الذی نعدھم فذلک شافیک من اعدائک ودلیل صدقک واما نتوفینک قبل حلولہ بھم فلا تلو ہ علیک ولا عتب ویکون قولہ تعالیٰ (وانما) الخ دللا علیھما

علامہ تفسیر نے یہ بھی مطلب کہا آیت شریفہ میں دو چیزوں کا ذکر ہے اس آنحضرت کی زندگی میں مشرکین پر عذاب آنا، عذاب آنے سے پہلے آپ کا اٹھا لیا جانا، ان میں سے پہلی بات کا ظہور ہوا اور وہ اس طرح غزوہ بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی اور انہوں نے ذلت اٹھائی پھر آنحضرت کی زندگی میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اس وقت کے موجود مشرکین میں سے چند مقتول ہوئے اور باقی نے اسلام قبول کیا۔

پھر فرمایا اولم یروا انا ناتی الارض ننقصھا من اطرافھا (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے کم کرتے چلے آ رہے ہیں) بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کافروں کو اس سے عبرت ہونی چاہئے کہ اس زمین پر اہل ایمان کا اقتدار بڑھتا چلا جا رہا ہے ہر طرف اسلام پھیل رہا ہے اور جو لوگ بھی اسلام قبول کر لیتے ہیں ان کا علاقہ مسلمانوں کی عملداری میں داخل ہو جاتا ہے جو لوگ مجبور اور مظلوم تھے انہیں زمین کا اقتدار مل رہا ہے اور خائنین اقتدار سے محروم ہوتے جا رہے ہیں کافروں کی عملداری کے گھٹ رہی ہے یہ سب کچھ ان کی نظروں کے سامنے ہے اس سے عبرت حاصل کریں۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اور قتادہ اور بعض دیگر حضرات نے آیت شریفہ کی یہی تفسیر منقول ہے پھر صاحب کہ چھلوگوں نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ ہم زمین کے اطراف کو ویران اور اس کے رہنے والوں کو ہلاک کرتے رہتے ہیں ان لوگوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے انہیں اس بات کا کیسے اطمینان ہو گیا کہ ہمارے ساتھ ایسا نہ ہوگا۔

اللہ کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں واللہ یحکم لا معقب لحکمہ (اور اللہ حکم فرماتا ہے اس کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں وھو سریع الحساب (اور وہ جلد حساب لینے والا ہے) اللہ تعالیٰ کا جب عذاب لانے کا فیصلہ ہو گا تو اسے کوئی ہٹا نہیں سکتا وہ قریب ہی دنیا میں عذاب دے گا آخرت میں بھی حساب ہے وہاں کفر کی سزا ملے گی جو دنیاوی عذاب سے بڑھ چڑھ کر ہے وقد مکر الذین من قبلھم (اور جو لوگ ان سے پہلے کافر تھے انہوں نے مکر کیا) حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھ اہل ایمان کو بہت ستایا لیکن آخر عذاب میں گرفتار ہوئے فللہ المکر جمیعا (سب تدبیر اللہ ہی کے ہے) اس کی تدبیر کے سامنے سب کی مکاریاں دھری رہ گئیں موجودہ کافروں کو بھی عبرت حاصل کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اعمال کو جانتا ہے یعلم ما تکسب کل نفس (اللہ تعالیٰ ہر شخص کے عمل کو جانتا ہے) ان اعمال میں دشمنان دین کی مکاریاں بھی ہیں جن کی اللہ کی تدبیر کے سامنے کوئی حیثیت نہیں، اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو دنیا میں بھی اپنے علم اور فیصلے کے مطابق انہیں سزا دے گا اور آخرت میں تو کافروں کے لئے عذاب ہی عذاب ہے وسیعلم الکفر لمن عقبی الدار (اور عنقریب کافر جان لیں گے کہ اس دار کا اچھا انجام کس کے لئے ہے) یعنی جب آخرت میں کافر لوگ اہل ایمان کی کامیابی دیکھیں گے اور خود عذاب میں پڑیں گے تو یہ بات چل جانے گا کہ اچھا انجام کس کا ہوا؟

آپ فرما دیجئے کہ میرے رسول ہونے پر اللہ کی گواہی کافی ہے ویقول الذین کفروا لست مرسلا (اور کافر کہتے ہیں کہ آپ پیغمبر نہیں ہیں) قل کفی باللہ شھیدا بینی و بینکم (آپ فرما دیجئے کہ میرے تمہارے درمیان گواہ ہونے کے لئے اللہ کافی ہے) ومن عندہ علم الکتاب (اور وہ لوگ بھی گواہی کے لئے کافی ہیں جن کے پاس کتاب ہے) تم آمنہ ماخوذ

تمہارے انکار سے میری نبوت پر کوئی فرق نہیں پڑتا جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے وہ میری نبوت پر گواہ ہے اور اصل گواہی اسی کی ہے لہٰذا مجھے تمہارے انکار کی کوئی پرواہ نہیں، نیز اہل کتاب کے علماء کی گواہی بھی میرے لئے کافی ہے جو اپنی کتابوں میں میری نبوت کی پیشین گوئی پڑھتے آئے ہیں اور ان کے جو منصف مزاج علماء نے میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لے آئے اہل مکہ کی گواہی کے بعد ان لوگوں کا انکار بے حیثیت ہے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان ولقد تم تفسیر سورۃ الرعد والحمد للہ

مکی	سورۃ ابراہیم	۵۲ آیتیں ۷ رکوع

اٰیاتُھا ۵۲ (۱۴) سُوْرَۃُ اِبْرٰھِیْمَ مَکِّیَّۃٌ (۷۲) رُکُوْعَاتُھا ۷

سورۂ ابراہیم مکہ میں نازل ہوئی جو باون آیات اور سات رکوع پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ

الٓرٰ یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالیں جو زبردست ہے خوبیوں

الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ

و، وہ اللہ ہے جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور کافروں کے لئے ہلاکت یعنی سخت عذاب

شَدِيْدِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا

ہے جو دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی

عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝

تلاش کرتے ہیں، یہ لوگ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اس لئے نازل فرمائی ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائیں، اللہ غالب ہے ستودہ صفات ہے سارے جہانوں کا مالک ہے

یہاں سے سورۂ ابراہیم شروع ہے اول تو یہ فرمایا کہ یہ کتاب عظیم ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی، پھر فرمایا کہ کتاب کا نازل فرمانا اس لیئے ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں اور ساتھ ہی بِاِذْنِ رَبِّهِمْ بھی فرمایا کہ کتاب سنانا اور حق کی تبلیغ کرنا یہ آپ کا کام ہے جسے ہدایت ہوگی اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت ہی سے ہوگی۔

پھر نور کا مصدق بتایا اور فرمایا اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ کہ آپ جو لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتے ہیں یہ نور عزیز حمید یعنی اس ذات پاک کا راستہ ہے جو زبردست ہے اور غالب ہے اور ستودہ صفات ہے یعنی ہر اعتبار سے وہ مستحق حمد ہے، پھر عزیز حمید کا اسم ذات ذکر فرمایا کہ وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ ہے پھر اللہ تعالیٰ کی شان مالکیت کو بیان فرمایا اَلَّذِيْ لَهٗ مَا فِي

السموات وما فی الارض اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے وہی ان سب چیزوں کا مالک بھی ہے اور خالق بھی ہے سارا ملک بھی اسی کا ہے اور سب کچھ ملکیت اسی کی ہے، جو لوگ اللہ کی کتاب پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے وہ اپنے خالق و مالک سے منحرف ہیں ایسے لوگوں کے لیے وعید بیان فرمائی وویل للکفرین من عذاب شدید (کافروں کے لیے ہلاکت ہے یعنی سخت دردناک عذاب ہے)۔

کافروں کی صفات پھر کافروں کی تین صفات بیان فرمائیں اور وہ یہ کہ الذین یستحبون الحیوۃ الدنیا علی الاخرۃ (یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا والی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور آخرت کے مقابلہ میں اسے ترجیح دیتے ہیں) ان کا یہ دنیا سے محبت کرنا اور آخرت کو نظر انداز کرنا ان کے کفر پر جمے رہنے کا باعث بنا ہوا ہے، ان کی دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ویصدون عن سبیل اللہ (یعنی وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں) نہ خود ایمان لاتے ہیں نہ دوسروں کو ایمان لانے دیتے ہیں۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ویبغونھا عوجا (کہ اللہ کی راہ میں کجی تلاش کرتے ہیں) یعنی یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے دین میں کوئی عیب نکالیں اور اس پر اعتراض کریں۔

ان لوگوں کی یہ چار حرکتیں بیان فرما کر ارشاد فرمایا اولئک فی ضلال بعید کہ یہ لوگ دور کی گمراہی میں ہیں راہ حق کا انکار کر کے ہدایت سے دور پہنچ چکے ہیں قال صاحب الروح والمراد انھم قد ضلوا عن الحق و وقعوا عنہ بمراحل

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ

اور ہم نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے وہ اپنی قوم کی زبان بولنے والے تھے تاکہ وہ اپنی قوم کے لئے بیان کریں پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے

يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبان بولنے والے تھے

اس آیت میں ایک بہت اہم بات بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں وہ سب اپنی اپنی قوموں کی زبان میں ان سے بات کرتے تھے اور اپنی قوم کی زبان میں انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتے اور بیان فرماتے تھے، حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے ان کی بیوی حوا بھی تشریف لائیں اور ان دونوں سے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی بھاری تعداد میں مرد اور عورت پیدا فرما دیئے (وبث منھما رجالا کثیرا و نساء) حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت بڑھتی رہی پھیلتی رہی قبیلے بنتے چلے گئے مختلف زبانیں پیدا ہوتی چلی گئیں یہ زبانوں اور صورتوں کا مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں سورۂ روم میں فرمایا ومن ایاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذلک لایات للعلمین (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بے شک اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں)۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبوت اور رسالت کا سلسلہ بھی جاری فرمایا ہدایت دینے کے لیے انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم الصلوۃ والسلام

مبعوث فرمایا تعلیم و تبلیغ اور ادائیگی وہ واستفادہ کا سب سے بڑا ذریعہ زبان ہی ہے جب زبانیں مختلف ہیں اور لوگوں کو ایمان کی دعوت دینا اور باری تعالیٰ شانہٗ کے احکام بیان کرنا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنے پیغمبروں کے سپرد فرمایا تو ظاہر ہے کہ ہر نبی کو وہی زبان بولنا ضروری ہوا جو زبان ان کے مخاطبین کی تھی۔ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ میں اسی بات کو بیان فرمایا جو بھی نبی آیا اس نے اپنی قوم سے انہیں کی زبان میں باتیں کیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام آباد ہو گئے تھے ان کا وطن سابق بابل کے قریب تھا وہاں جو بھی زبان بولتے ہوں ہجرت کر کے جب شام میں تشریف لے آئے اور وہاں کے لوگوں میں شادی کر لی اور ان لوگوں کی زبان سیکھ لی تو نبوت سے سرفراز ہو کر انہی کی زبان میں تبلیغ فرماتے اور حق کی دعوت دیتے تھے، مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اپنی قوم کی زبان سے علاوہ دوسری زبان نہیں جانتے تھے، مطلب یہ ہے کہ جس قوم کی طرف بعثت ہوئی ان کی زبان جانتے تھے بعض لوگوں نے جو حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں اشکال کیا ہے کہ وہ دوسرے ملک سے آ کر آباد ہوئے تھے پھر آیت کے عموم میں کیسے داخل ہوئے یہ اشکال کوئی وزن نہیں رکھتا کیونکہ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے ان کی زبان جاننا دعوت و تبلیغ کے لئے کافی ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ اور عربی زبان میں قرآن نازل ہونے اور نماز و اذان مشروع ہونے کی حکمت

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے وہ کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے تمام انسانوں کی طرف ان کی بعثت نہیں ہوتی تھی کما قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ و بعثت الی الناس عامۃ (یعنی میرا نبیا علیہم السلام کی بعثت صرف اپنی قوم کے لیے ہوتی تھی جبکہ میری بعثت تمام انسانوں کے لیے ہے) (صحیح بخاری) آپ کی بعثت سارے زمانوں کے لیے، سارے جنات کے لیے اور سارے انسانوں کے لیے ہے۔ چونکہ آپ کے مخاطبین اولین اہل عرب ہی تھے اس لیے آپ بھی اپنی قوم کی زبان میں خطاب فرماتے تھے اور قرآن مجید بھی عربی زبان میں نازل ہوا پھر عربی زبان کی بلاغت اور لطافت ایسی ہے جو دوسری کسی زبان میں نہیں ہے اس میں الفاظ بھی ثقیل نہیں ہیں جیسا کہ انگریزی اور سنسکرت وغیرہ میں ہیں اور اس زبان کا سیکھنا بھی آسان ہے اور معجزہ کی جو شان عربی زبان میں ہے وہ دوسری زبانوں میں نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے محمد عربی ﷺ کو خاتم الانبیاء بنایا اور اپنی آخری کتاب بھی عربی زبان میں نازل فرمائی چونکہ سارے انسان خاتم الانبیاء ﷺ کی امت دعوت ہیں اس لیے امت کی وحدت قائم رکھنے کے لیے کسی ایک ہی زبان میں آخری کتاب کا نازل ہونا ضروری تھا اور اپنی لطافت اور فصاحت و بلاغت اور معجزہ ہونے کے اعتبار سے عربی زبان ہی کو برتری حاصل تھی اور اب بھی ہے اس لیے عربی ہی کو ساری امت کی مرکزی زبان قرار دیا گیا اگر ہر ہر علاقہ کے رہنے والوں کی زبان میں الگ کتاب اللہ ہوتی تو پوری امت کی مرکزیت اور وحدت کی صورت نہ بنتی جیسا کہ قرآن مجید کے معانی کا جاننا اور اس کے احکام پر عمل کرنا مطلوب ہے اسی طرح اس کے الفاظ کا یاد رکھنا پڑھنا پڑھانا تلاوت کرنا بھی مطلوب ہے جیسا کہ اس کے احکام پر عمل کرنے سے ثواب ملتا ہے ایسے ہی اس کے الفاظ کی تلاوت کرنے پر بھی اجر ملتا ہے زبان کی سلاست اور لطافت جو عربی زبان میں ہے وہ کسی دوسری زبان میں نہیں ہے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اسے حفظ کر لیتے ہیں اور بوڑھے لوگ بھی یاد کر لیتے ہیں اس کے حروف بھی ایسے ہیں جنہیں سب ادا کر سکتے ہیں (اگرچہ بعض حروف کی ادائیگی میں ذرا محنت اور مشق کرنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ادا سب ہو جاتے ہیں) برخلاف اس کے بعض زبانوں کے حروف ایسے ہیں کہ دیگر علاقوں کے باشندوں سے ادا نہیں ہوتے مثلاً "ڑ" اور

"ہٖ" اہل عرب اور انہیں کر سکتے اس لیے عربی زبان ہی کو اسلام عربی زبان قرار دیا گیا قرآن بھی اسی زبان میں نازل ہوا نماز بھی اسی زبان میں پڑھی جاتی ہے اور اذان بھی اسی زبان میں دی جاتی ہے۔

پھر چونکہ اہل استطاعت پر حج کرنا بھی فرض ہے اور اس کے لیے مکہ معظمہ آنا پڑتا ہے اور یہاں اہل عرب سے واسطہ پڑنا ضروری ہے اس لیے بھی مسلمانوں کے لیے مرکزی عالمی زبان عربی ہی ہونا ضروری ہوا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ذمہ داری حق پہنچانے اور حق سمجھانے کی تھی رہا ہدایت دینا تو اللہ جل شانہٗ کی قضاء وقدر اور ارادہ سے متعلق ہے اسی لیے فرمایا فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبان میں بیان فرماتے تھے اس کے بعد اللہ نے جس کو چاہا گمراہی پر باقی رکھا اور جس کو چاہا ہدایت دے دی۔ قال صاحب الروح (ص ۱۸۲ ج ۱۳) کانہ قیل فیوا لھم فاضل اللہ تعالی من شاء اضلالہ وھدی من شاء ھدایتہ حسب ماقتضتہ حکمتہ تعالی البالغۃ.

آیت کے ختم پر فرمایا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور وہ غالب ہے وہ جو چاہے وہی ہوگا اور وہ حکمت والا بھی ہے وہ اپنی حکمت کے موافق فیصلے فرماتا ہے اس کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ

اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لا اور انہیں یوم الہیہ یاد دلا

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

بے شک اس میں بہت سے شخص سے نشانیاں ہیں جو خوب صبر کرنے والے ہے خوب شکر کرنے والے ہے اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم پر جو اللہ کی نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو

اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

جبکہ اس نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی وہ تمہیں بری طرح تکلیف پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں

نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے لیے بڑا امتحان تھا۔ ع ۴

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مبعوث ہونا اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا

ان دو آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے زمانہ اقتدار میں جب اپنے والدین اور بھائیوں کو اور ان کی ازواج واولاد کو بلا لیا تھا تو یہ لوگ مصر میں مستقل طور پر بس گئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے چونکہ یہ لوگ مصری قوم یعنی قبطیوں کے نہ ہم وطن تھے نہ ہم مذہب تھے اس لیے انہوں نے ان کو اجنبی ہونے کی پاداش میں بہت بری طرح رگڑا۔ چار سو سال کی بدترین غلامی میں جکڑے رہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے جو بنی اسرائیل ہی میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو معجزات عطا فرمائے اور ان پر توریت شریف نازل فرمائی، چونکہ وہ پیدا ہونے کے بعد سے تیس سال کی عمر تک مصر ہی میں رہے اس

کے بعد دس سال مدین میں رہے اس لیے بنی اسرائیل کی زبان بھی جانتے تھے اور قبطیوں کی زبان سے بھی واقف تھے، آپ فرعون اور قوم فرعون کی طرف مبعوث ہوئے اور بنی اسرائیل کی طرف بھی، فرعون اور اس کی قوم تو کافر مشرک تھے ہی ان کی اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل بھی نہ صرف یہ کہ فسق و فجور میں مبتلا تھی بلکہ شرک کو بھی پسند کرنے لگی تھی اسی لیے جب سامری نے بچھڑا بنایا تو اس کی پرستش کرنے لگے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مشرکین پر گذرے تو کہنے لگے یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایسے ہی معبود تجویز کر دیجئے جیسے ان لوگوں کے لیے معبود ہیں) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم اپنی قوم کو اندھیروں سے نکالو اور نور کی طرف لے آؤ کفر و شرک اور فسق و فجور اور معاصی سے انہیں ہٹاؤ اور بچاؤ اور ہدایت کی روشنی کی طرف لے آؤ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ (اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ) دن تو سارے اللہ ہی کے ہیں کیونکہ سب دنوں کو اسی نے پیدا فرمایا ہے لیکن محاورہ کے اعتبار سے یہاں انقلابات جہاں اور دکھ تکلیف کے واقعات یاد دلانا مقصود ہے دنیا میں کیسے کیسے بادشاہ اور دبدبہ والے اصحاب اقتدار آئے انہوں نے کیا کیا بنایا اور کیا کیا کیا؟ خود صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ان کے لشکر بھی تباہ ہوئے، قومیں بھی ختم ہوئیں، محلات بھی برباد ہوئے، جن میں سے بعض کا کوئی نشان باقی ہے اور بعض کے نشان بھی ختم ہو گئے، انہیں میں فرعون بھی تھا جس کی سطوت اور شوکت بنی اسرائیل دیکھ چکے تھے اور چار سو سال سے دکھ تکلیف کو بھگت رہے تھے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ انہیں یہ واقعات اور قصے یاد دلاؤ دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں ان کا جو اچھا حال تھا اس کو بھی یاد کریں۔

بعض حضرات نے ایام اللہ سے نعماء اللہ مراد لی ہیں یعنی تم پر اللہ تعالیٰ کے جو انعامات ہوئے ہیں ان کو یاد کرو اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایسے بندہ کے لیے جو خوب صبر کرنے والا ہو خوب شکر کرنے والا ہو) صبر شکر والے بندے بصیرت والے ہوتے ہیں جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہو وہ گزشتہ انسانوں کی مصیبتیں یاد کرلے تو اس کی مصیبت ہلکی ہو جائے گی اور مصیبت پر صبر کرنا آسان ہو جائے گا اور جو نعمتیں اسے ملی ہیں ان پر زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوگا۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطاب کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالو اور انہیں پرانے زمانے یاد دلاؤ تو انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ نے جو تم پر انعام فرمایا اسے یاد کرو انعامات تو ان پر بہت تھے لیکن ان کے حالات کے اعتبار سے جو ان پر سب سے بڑا انعام تھا وہ یاد دلایا کہ دیکھو اللہ نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی فرعون اور اس کے متعلقین اور اس کے سپاہی بنی اسرائیل پر بری طرح مسلط تھے وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے یعنی ذبح نہ کرتے تھے مگر یہ ان کی کوئی مہربانی نہ تھی وہ سمجھتے تھے کہ کبھی کو قتل کر دیا جائے تو ہماری خدمت گزاری کون کرے گا؟ وہ بنی اسرائیل سے طرح طرح کی بیگاریں لیتے تھے انہیں سخت ترین کاموں میں استعمال کرتے تھے یہ سب کچھ بنی اسرائیل کو معلوم تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا اور فرمایا وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ کہ اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑا امتحان تھا عربی زبان میں آزمائش اور امتحان کو بلاء کہتے ہیں۔ اور بلاء کا دوسرا معنی "انعام" ہے اگر یہ معنی لیے جائیں تو ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا کہ ایسی تکلیفوں سے اور غلامی سے نجات دینے میں تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۝

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے تم کو مطلع فرما دیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝

اللہ تعالیٰ کا اعلان کہ شکر پر مزید نعمتیں دوں گا اور ناشکری سخت عذاب کا سبب ہے

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت واذ تاذن ربکم بھی حضرت موسیٰ کا مقولہ ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنو اللہ تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا ہے کہ نعمتوں کی شکر گزاری پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید انعامات ملیں گے اور جیسے کہ شکر نعمتوں سے زیادہ ہونے کا سبب ہے اسی طرح سے ناشکری اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہو جانے کا سبب ہے۔ بندہ زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے دل سے بھی اور اعضاء و جوارح سے بھی۔ اعضاء و جوارح کا شکر ادا کرنا یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگائے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مال ملے اس کو فضول خرچی سے بچائے اچھے کاموں میں خرچ کرنے سے بچے۔ شکر ان سب باتوں کو شامل ہے اور ان سب امور کے خلاف اختیار کرنا ناشکری ہے جس طرح شکر گزاری کی وجہ سے نعمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اسی طرح ناشکری کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں اور طرح طرح کے مصائب اور مشکلات اور سخت عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سورۂ نحل کی آیت وضرب اللہ مثلا قریۃ (الایۃ) میں ایک بستی پر نعمتوں کی فراوانی پھر ان کی ناشکری اور ناشکری کی وجہ سے ان کا تذکرہ فرمایا ہے سورۂ ابراہیم کے (رکوع ۴) میں قوم سبا پر جو نعمتیں تھیں ان نعمتوں کا تذکرہ ہے پھر قوم سبا کی ناشکری اور ناشکری کی وجہ سے ان پر جو عذاب آیا اس کا تذکرہ فرمایا ہے مزید فرمایا ہے کہ دیکھو اگر تم شکر کرو گے تو تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ غنی ہے بے نیاز ہے حمید ہے سب تعریفوں کا مستحق ہے اسے کسی کے شکر کی حاجت نہیں ہے تم سب اور زمین میں رہنے والے تمام افراد اگر اللہ کی ناشکری کریں تو اس بے نیاز ذات کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا شکر گزاری میں تمہارا اپنا نفع ہے ناشکری میں تمہارا اپنا نقصان ہے

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ

لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا

اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى

أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

تک تمہیں ڈھیل دے۔ ان قوموں نے جواب دیا کہ تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو تمہارے باپ دادا جس کی عبادت کرتے تھے تم ہمیں اس سے

اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ

روکتے ہو تو تم ہمارے پاس کوئی کھلی ہوئی دلیل لے آؤ۔ ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى

چاہتا ہے احسان فرماتا ہے اور تمہارے لیے کسی کی یہ بات نہیں کہ تم تمہارے سامنے کوئی معجزہ اللہ کے حکم کے بغیر لے آئیں اور ایمان

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ

والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اس نے ہمیں ہمارے راستے دکھائے ہیں اور ہم

عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝

تم جو ہمیں ایذا دے رہے ہو اس پر ضرور صبر کریں گے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

سابقہ امتوں کا عناد رسولوں کو تبلیغ سے روکنا اور جاہلانہ سوال جواب کرنا

قریش مکہ کفر و شرک سے باز نہیں آتے تھے جب ان کے سامنے حق بات پیش کی جاتی تھی تو الٹے الٹے جواب دیتے تھے ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ تم سے پہلے جو قومیں گزری ہیں مثلاً نوح کی قوم اور قوم عاد اور قوم ثمود اور ان کے بعد جو بہت سی اقوام ہیں جن کا علم صرف اللہ ہی کو ہے کیا ان کے احوال تمہیں معلوم نہیں ہیں۔ کچھ اجمالاً اور کچھ تفصیلاً ان لوگوں کے حالات تمہیں معلوم ہیں۔ قرآن مجید میں بھی ان کے احوال بتائے ہیں اور تم اپنے اسفار میں ہلاک شدہ قوموں کے نشانات دیکھ چکے ہو کچھ نہ کچھ یہود اور نصاریٰ سے بھی سنا ہے ان لوگوں کی بربادی سے تم سبق کیوں نہیں لیتے ان کی وہی حرکتیں تمہیں جو تمہاری حرکتیں ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم جو پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور جو کچھ ہمیں دعوت دیتے ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے ہم اسے نہیں مانتے ہمیں تمہاری باتوں میں شک ہے اور شک بھی معمولی نہیں ہے اس نے ہمارے دلوں کو تردد میں ڈال رکھا ہے، ان لوگوں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب انہیں حق کی دعوت دیتے تھے تو ان کے مونہوں میں اپنے ہاتھ دے دیتے تھے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی پہلی دعوت تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کو مانو، اس کی توحید کا اقرار کرو، اسے خالق اور مالک جانو، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، جب یہ دعوت ان حضرات نے اپنی اپنی اقوام کے سامنے رکھی تو ان لوگوں نے جھٹلا دیا اس پر ان حضرات نے فرمایا کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں کا اور زمینوں کا پیدا فرمانے والا ہے اس کی اتنی بڑی نشانیاں آسمان و زمین تمہارے سامنے ہیں اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ اس پر ایمان لاؤ اور اسی کی عبادت کرو ہم اس کے پیغمبر ہیں دعوت دینے والا وہی ہے تم اس کی دعوت قبول کر لو ایسا کرو گے تو وہ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور مقررہ وقت تک (جب اس کے علم میں ہے) تمہیں ڈھیل دے گا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ باتیں سن کر ان کی قومیں جب دلیل سے لاجواب ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ کی خالقیت و مالکیت کا انکار نہ ہو سکا تو کٹ حجتی پر اتر آئیں اور کہنے لگیں کہ ہم کیسے مان لیں کہ تم اللہ کے رسول ہو؟ تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو ہم نے جو معبود بنا رکھے ہیں اس میں ہم اپنے باپ دادوں کی اقتدا کرتے ہیں اور ان کی راہ پر چلتے ہیں اور اپنے خیال میں ہم ان کے طریقہ کو صحیح سمجھتے ہیں اب تم ہمیں باپ دادوں کے راستے سے روکنا چاہتے ہو لہٰذا کوئی واضح کھلی ہوئی دلیل یعنی معجزہ دکھاؤ تاکہ ہم اسے دیکھ کر تمہاری بات مان لیں اور اپنے باپ دادوں کا طریقہ چھوڑ دیں، ان کے جواب میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے فرمایا کہ بلاشبہ ہم تمہارے ہی جیسے انسان ہیں لیکن انسان ہونا نبی ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ جسے چاہے نبوت سے سرفراز فرما دیتا ہے اور اپنے اس احسان کے لیے منتخب فرما لیتا ہے وہ انسانوں میں ہی سے نبی بھیجتا ہے۔ لہٰذا انسان ہوتے ہوئے ہم نبی ہوئے تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں جہاں تک دلیل کا تعلق ہے وہ تو ہم نے پیش کر دی لیکن اب جو تم یہ کہتے ہو کہ تمہیں ایسا خاص معجزہ دکھایا جائے جو تمہاری فرمائش کے مطابق ہو تو یہ ہمارے بس میں نہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ہم کوئی معجزہ تمہارے سامنے نہیں لا سکتے ہم اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں اور مومن بندوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور زندگی کے جو طریقے اسے محبوب ہیں وہ ہمیں بتائے جب اس نے ہم پر یہ کرم فرمایا تو ہم اس پر بھروسہ کیوں نہ کریں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمیں تکلیفیں دے رہے ہو اور آئندہ بھی تمہاری طرف سے تکلیفیں پہنچ سکتی ہیں ہمیں ان تکلیفوں پر صبر ہی کرنا ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں جس پر بھروسہ کیا جائے۔ (معلوم ہوا کہ دعوت حق کا کام کرنے والوں کو مخاطبین سے تکلیفیں پہنچیں تو صبر سے کام لیں اور اللہ پر بھروسہ کر کے کام کرتے رہیں۔)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ضرور ضرور ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا یہ بات ہو کہ تم ہمارے دین میں واپس ہو جاؤ سو ان سے رب

اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ

نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ضرور بالضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور ان کے بعد تمہیں اس زمین میں آباد رکھیں گے یہ اس شخص کے لیے ہے جو میرے حضور

مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى

کھڑا ہونے سے خائف ہو اور میری وعید سے ڈرا، اور کافروں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوا، اس کے آگے دوزخ ہے اور اسے پانی پلایا

مِنْ مَّاۗءٍ صَدِيْدٍ ۝ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا

جائے گا جو پیپ ہوگا وہ اسے گھونٹ گھونٹ پئے گا اور گلے سے بآسانی نہ اتارے گا اور ہر جگہ سے اس پر موت کی

هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝

آمد ہوگی اور وہ نہیں مرے گا اور اس کے سامنے سخت عذاب ہوگا۔

سابقہ امتوں کا رسولوں کو دھمکی دینا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے کافروں کے سخت عذاب کا تذکرہ

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کو جو حق کی دعوت دیتے اور توحید کی طرف بلاتے اور اللہ جل شانہ وحدہٗ لاشریک کے بلا شرکت غیرہ عبادت کرنے کی دعوت دیتے تھے تو یہ بات ان لوگوں کو کھٹکتی تھی اور ناگوار ہوتی تھی، طرح طرح کی باتیں بناتے تھے اور بری طرح پیش آتے تھے ان کی انہیں باتوں میں سے یہ بھی تھا کہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے نہ تمہیں یہاں رہنے دیں گے اور نہ ان لوگوں کو جنہوں نے تمہارا دین قبول کیا ہاں اگر تم لوگ ہمارے دین میں واپس ہو جاؤ تو پھر ہم تم ایک ہو جائیں گے اور اس صورت میں ہماری مخالفت ختم ہو جائے گی، چونکہ وطن چھوٹ جانا اور بے گھر ہو جانا بھی انسان کے لیے ایک بڑی تکلیف دہ بات ہے اس لیے کافروں نے انہیں یہ تڑی دی (معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو اہل کفر زمانہ قدیم سے جلاوطن کرنے کی دھمکیاں دیتے رہے ہیں اور آج بھی اہل ایمان کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے) کافروں نے اپنی سرزمین سے نکالنے کی جو دھمکی دی اس پر اللہ جل شانہ نے اپنے رسولوں کو اور ان پر ایمان لانے والے بندوں کو تسلی دی اور یہ وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور تمہیں اس زمین پر آباد رکھیں گے۔

جب خاتم النبیین ﷺ نے اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی تو وہ انہیں بہت بری لگی آپ کو اور آپ کے صحابہ کو بہت تکلیفیں دیں بہت سے صحابہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ آنحضرت ﷺ کے بارے میں مشورہ لے کر بیٹھے کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے۔ سورہ انفال (رکوع ۳) میں ہے کہ کسی نے کہا کہ آپ کو قید میں ڈال دیں کسی نے کہا آپ کو قتل کر دیا جائے کسی نے کہا کہ آپ کو یہاں مکہ کی سرزمین سے نکال دیا جائے آپ مکہ معظمہ چھوڑ کر ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ ہجرت کے دوسرے سال غزوہ بدر پیش آیا جس میں کفر کے ستر (۷۰) سرغنے مقتول ہوئے، اور ستر (۷۰) سرغنے قید ہوئے۔ پھر چھ سال کے بعد مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔ کفر منہ کے بل گرا، شرک دفع ہوا اور اہل ایمان کو مکہ معظمہ میں رہنے اور اللہ کا نام بلند کرنے کے مواقع فراہم ہو گئے دیر تو لگی لیکن ظالم ہلاک ہوئے اور مسلمانوں کو مکہ معظمہ میں امن و امان کے ساتھ رہنا نصیب ہوا پہلی امتوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے کفر و ایمان کی جنگ چلتی رہی بالآخر اہل ایمان غالب ہوئے۔

فسق و فجور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا انتظار قرآن کی شرط کے خلاف ہے

ظالمین کو ہلاک کرنے کے بعد اہل ایمان کو ان کی سرزمین میں بسانے کا وعدہ جو فرمایا اس کے بعد ارشاد فرمایا ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَ خَافَ وَعِیْدِ اس میں یہ بتایا ہے کہ ظالموں کے ہلاک کرنے اور ان کی جگہ اہل ایمان کو بسانے کا جو وعدہ فرمایا ہے یہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جنہیں حساب کتاب کا ڈر ہے وہ یقین کرتے ہیں کہ قیامت کا دن آئے گا اور وہاں حاضر ہونا پڑے گا اور نیکی بدی کا حساب ہوگا اور یہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو اللہ کی وعیدوں سے ڈرتے رہے جو اس نے اپنے نبیوں اور کتابوں کے واسطہ سے بیان فرمائی اور ڈر تبھی ہوگا جب کہ ایمان اور یقین کی صفت سے متصف ہوں گے، جب قیامت کے دن کے حساب کتاب کا خوف ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی وعیدوں پر یقین ہوگا تو گناہوں سے بھی دور رہیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہوں لیکن گناہوں کو نہ چھوڑتے ہوں ان لوگوں سے مذکورہ یہ وعدہ نہیں ہے آج دنیا میں کروڑوں افراد آباد ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں ایمان والے ہیں لیکن فرائض واجبات کا اہتمام کرنے اور گناہوں کے چھوڑنے کو تیار نہیں متقی بہت کم ہیں عموماً فاسق ہیں نمازوں تک سے غافل ہیں کاروبار میں حلال حرام تک کی کوئی تمیز نہیں، سود کا لین دین بھی ہو رہا ہے، رشوتوں کا سلسلہ بھی جاری ہے، حقوق العباد بھی ادا نہیں کیے جاتے، اسلام کے

امیدواروں کا ناکامی میں مبتلا ہونے کے اعتبار سے برا حال ہے جب کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نہیں آتی تو اب کرتے ہیں اور بعض جاہل تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ وہ چوریں مدد کی شرط پوری کریں پھر مدد سے نوازیں ان کی خواہشوں کے مطابق چیزیں ملیں اور ناکامیوں میں غرق ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ پر اعتراض کریں یہ ان کی جہالت کی بات ہے سورہ آل عمران میں غزوہ احد (جس میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا ہوا تھا) کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا ولا تھنوا و لا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین (اور تم سست نہ پڑو اور رنج نہ کرو اور تم بلند ہو گے اگر تم مومن ہو) جو مدعی ایمان ہو وہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرے پھر نصرت الٰہی کا امیدوار ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اسی بات کو فرمایا تھا استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ یورثھا من یشآء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین (اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو بلاشک زمین اللہ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنا دے اور انجام کے اعتبار سے کامیابی متقیوں کے لیے ہوتی ہے۔)

سورہ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی اور نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے باسلامت کشتی سے اترنے کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا ان العاقبۃ للمتقین جس کا مطلب یہ ہے کہ اچھا انجام متقیوں ہی کے لیے ہوتا ہے۔

پھر فرمایا واستفتحوا و حاب کل جبار عنید (الایت الثلاث) اس میں حضرات مفسرین نے دو وجوہ بھی ہیں اول یہ ہے کہ واستفتحوا کی ضمیر مرفوع منتہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوموں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور فیصلہ چاہا، یہ معنی لینا بھی سیاق کلام کے موافق ہے اور اس کی نظیر حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی دعا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگی تھی جب ان کی قوم نے ان سے یوں کہا تھا کہ تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اس پر ان حضرات نے جو جواب دیا تھا وہ سورہ اعراف میں مذکور ہے ساتھ ہی وہاں ان کی یہ دعا بھی نقل فرمائی ہے ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین (اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں) اس صورت میں سورہ ابراہیم کی آیت با کا یہ مطلب ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور ان کے مقابلہ میں جو سرکش ضدی تھے وہ نامراد ہوئے، ناکام ہوئے، برباد ہوئے، دنیا و آخرت دونوں جگہ کے عذاب میں مبتلا ہونے اس کے بعد پھر آخرت کے عذاب کی تفصیل مذکور ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ واستفتحوا کی ضمیر امتوں کی طرف راجع ہو اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کو سمجھاتے رہے اور وہ لوگ انکار پر اصرار کرتے رہے تو اسی طرح شدہ شدہ وہ وقت آگیا کہ ان کی قوموں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کیا کہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ ہو جانا چاہئے اور اس بات سے ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ جو ہمیں وعید سناتے ہیں کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور تم پر عذاب آجائے گا تو ہمارے انکار کرنے پر اگر عذاب آنا ہے تو آجائے، یہ ایسی ہی ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصدقین اور جیسے شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا فاسقط علینا کسفا من السمآء ان کنت من الصدقین اور جیسا کہ قریش نے کہا عجل لنا قطنا قبل یوم الحساب اور یہ بھی کہا اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السمآء او ائتنا بعذاب الیم ان لوگوں کا اس طرح کی باتیں کرنا اور عذاب لانے کی درخواست کرنا استہزاء اور تمسخر کے طریقہ پر تھا چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی باتوں پر یقین نہیں

کرتے تھے اس لیے بطور تمسخر ایسی باتیں کرتے تھے یعنی عذاب کو دعوت دیتے ہیں سے ہیں بن گیا اور واقعی عذاب آ گیا، جب عذاب آیا تو قریش اور ضدی عذاب میں مبتلا ہوئے اور نبی سے مراد ہو کر چلے گئے، وہ سمجھتے تھے کہ حضرت نبی ہمیشہ ہماری بات نہ ماننے میں کامیابی ہے۔ حالانکہ ان کی بات نہ ماننے میں کامیابی تھی اور نہ ماننے میں ناکامی تھی یہ تو ان کی دنیا میں حالت ہے عذاب میں گئے تو وہاں ورجس عذاب کو مذاق میں طلب کرتے تھے اس نے سچ مچ آ گھیرا اور آخرت کا عذاب اس سے سوا ہوگا وہاں دوزخ میں داخل ہونا پڑے گا جہاں بہت سے عذابوں کے علاوہ کھانے پینے کا بھی عذاب ہوگا جب پانی پینے کے لیے طلب کریں گے تو وہ پانی سراپا پیپ ہوگا پینے کو دل نہ چاہے گا لیکن مجبوری میں پینا پڑے گا یہ پیپ کا پانی خود دوزخیوں کے جسموں سے نکل کر بہتا ہوگا کافر اسے مشکل سے گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا اور گلے سے اتار نہ سکے گا لیکن پھر بھی پئے گا اور پینا پڑے گا۔

ماء صدید کیا ہے؟..... حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ یَّتَجَرَّعُهٗ کے بارے میں فرمایا کہ ماء صدید (پیپ کا پانی) جب دوزخی کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو اس سے نفرت کرے گا پھر اور قریب کیا جائے گا تو چہرہ کو بھون ڈالے گا اور اس کے سر کی کھال گر پڑے گی پھر جب اسے پئے گا تو انتڑیاں کاٹ ڈالے گا اور پاخانے کے مقام سے باہر نکل جائے گا اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی آیات تلاوت فرمائیں اول سورۂ محمد کی آیت وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (دوسری سورۂ کہف کی آیت یعنی) وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ (مشکوٰۃ مصابیح ص ۵۰۳ ترمذی)

دوزخی کی مصیبت بتاتے ہوئے مزید فرمایا وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ اس کے پاس ہر جگہ سے یعنی ہر طرف سے موت آئے گی یعنی طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہوتا رہے گا جتنی بھی سخت تکلیف پہنچ جائے وہ یہ سمجھے گا کہ اب مرا اب مرا لیکن پھر بھی وہ مرے گا نہیں کیونکہ اس کو دائمی عذاب ہوگا وہاں کی زندگی نہ تو ایسی ہوگی جسے زندگی کہا جائے اور نہ تکلیف کی وجہ سے اسے موت آئے گی اسی کو سورۂ طٰہٰ اور سورۂ اعلیٰ میں لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی فرمایا ہے کہ وہ وہاں نہ مرے گا نہ زندہ رہے گا۔

مزید فرمایا وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِیْظٌ اور اس کے آگے سخت عذاب ہے جتنا بھی عذاب ہوگا آگے بڑھتا ہی رہے گا ختم نہ ہوگا اور ہمیشہ ہوگا عذاب کی شدت میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورۂ نحل میں فرمایا اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یُفْسِدُوْنَ (جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم ان کے لیے بدلہ میں فساد کرنے کے عذاب پر عذاب بڑھا دیں گے)۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ کَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ

جن لوگوں نے اپنے رب سے ساتھ کفر کیا ان کے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ ہو اسے تیز آندھی کے دن میں تیز ہوا اڑا کر لے جائے جو

لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا کَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کچھ انہوں نے کمایا اس میں سے ذرہ سے حصہ پر بھی وہ قادر نہیں ہوں گے یہ ہے دور کی گمراہی، اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ۝

کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور نئی مخلوق پیدا فرما دے اور یہ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا

اور وہ سب اللہ کے حضور میں پیش ہوں گے سو ضعیف لوگ ان لوگوں سے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہیں گے کہ ہم شبہ ہم تمہارے تابع تھے سو کیا تم ہم سے

مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا

اللہ کا عذاب کچھ بھی ہٹا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں رہنمائی کرتا تو ہم تمہیں بھی رہنمائی دیتے ہم سب کے حق میں برابر ہے کہ ہم بے چینی کا اظہار کریں یا صبر کریں

مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝

ہمارے لیے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔

ع ۱۵

کافروں کے اعمال باطل ہیں، قیامت کے دن دنیا والے سرداروں اور ان کے ماننے والوں کا سوال جواب

ان آیات میں اول تو کافروں کے ان اعمال کا باطل ہونا بیان فرمایا جنہیں دنیا میں نیکی سمجھ کر کرتے ہیں مثلاً صلہ رحمی کردی مہمانوں کو کھانا کھلا دیا مجبور و پریشان حال آدمیوں کی مدد کردی وغیرہ ذلک ارشاد فرمایا ان کے یہ اعمال آخرت میں بے حیثیت ہوں گے ان کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں ملے گا ان کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی راکھ پڑی ہوئی ہو جسے خوب تیز آندھی اڑا کر لے جائے اول تو راکھ یوں ہی بے حیثیت ہے پھر کسی جگہ اس کا ڈھیر بنا ہوا ہو پھر اسے آندھی نے اڑا ادھر ادھر منتشر کر دیا۔ نظروں کے سامنے جو اس کا ذرا سا وجود تھا وہ بھی نہ رہا اسی طرح کافروں کے ان اعمال کو سمجھ لیا جائے جو دنیا میں نیکیوں کے عنوان سے کرتے تھے یہ اعمال قیامت کے دن بیکار ہوں گے اور ان اعمال کا کوئی فائدہ نہ ملے گا نہ ثواب ملے گا نہ عذاب سے چھٹکارہ۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ سائل کے اس سوال کا جواب ہے کہ کافروں کا یہ حال کیوں ہوگا جو گزشتہ آیت میں مذکور ہوا جبکہ انہوں نے دنیا میں کچھ نیک اعمال بھی کئے تھے اس کا جواب دے دیا کہ ان کے ان اعمال کی قیامت کے دن کوئی حیثیت نہ ہوگی اور کوئی قیمت نہ اٹھے گی ان کا یہ سمجھنا کہ ان اعمال پر ہمیں کچھ ملے گا یہ ان اعمال کی وجہ سے ہم ہدایت پر ہیں یہ ضلال بعید ہے یعنی دور کی گمراہی ہے سورۂ فرقان میں فرمایا وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (اور ہم ان کے ان کاموں کی طرف جو کہ وہ کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار)

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ یعنی حکمت کے موافق پیدا فرمایا آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ ان میں ہے سب اسی کی ملکیت ہے جس کا بھی جو وجود ہے اسی کی مشیت سے ہے۔

نیز فرمایا اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ (اگر وہ چاہے تو تمہیں معدوم کر دے اور نئی مخلوق پیدا فرما دے) وما ذلك على الله بعزيز (اور یہ اللہ پر ذرا بھی مشکل نہیں ہے)

اس کے بعد میدان حشر کا ایک منظر بیان فرمایا اور وہ یہ کہ قیامت کے دن چھوٹے بڑے سب قبروں سے نکل کر ظاہر ہوں گے اس وقت جب عذاب سامنے آئے گا اور کفر و شرک کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور پہچانیں گے اس وقت چھوٹے لوگ جو دنیا میں کمزور تھے اپنے بڑوں سرداروں چودھریوں اور لیڈروں کے پیچھے چلتے تھے اور ان کی بات

ماننے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت رد کر دیتے تھے وہ اپنے قائدوں لیڈروں سرغنوں اور سرداروں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے تم جو کہتے تھے ہم اسے مانتے تھے اور تمہارے کہنے کے مطابق عمل کرتے تھے ہم نے تمہاری بات مانی اور اپنے خالق اور مالک کے رسولوں کی باتوں پر کان نہ دھرا تو اب بتاؤ کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے اگر عذاب سے چھوٹنے کا کوئی راستہ اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتا تو ہم تمہیں بھی بتا دیتے اب تو ہمارے لیے اور تمہارے لیے عذاب ہی عذاب ہے اور اب تم اور ہم یہاں پریشانی ظاہر کریں یا صبر کریں بہر حال چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں ہے، سورۂ مؤمن میں فرمایا کہ ان کے بڑے جواب میں یوں کہیں گے کہ اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ بلاشبہ ہم سب کو اسی میں رہنا ہے بلاشبہ اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا) سورۂ بقرہ رکوع ۲۰ میں ہے کہ متبوعین اپنے اتباع سے بیزاری ظاہر کر دیں گے اور سورۂ اعراف (رکوع ۴) میں گزر چکا ہے کہ اہل دوزخ آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے سورۂ سبا (رکوع ۴) میں بھی بڑوں اور چھوٹوں کا مکالمہ مذکور ہے۔

وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۫

اور جب فیصلے ہو چکیں گے تو شیطان کہے گا کہ بلاشبہ اللہ نے تم سے سچے وعدے کیے اور میں نے تم سے وعدے کیے وہ وعدے میں نے تم سے خلاف کے تھے

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۫

اور میرا تم پر اس سے زیادہ کچھ زور نہ تھا کہ میں نے تم کو دعوت دی سو تم نے میری بات مانی لہٰذا تم مجھے ملامت نہ کرو اور اپنی جانوں کو ملامت کرو

مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۫ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

نہ میں تمہارا مددگار ہوں نہ تم میرے مددگار ہو میں تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں کہ اس سے پہلے تم نے مجھے شریک بنایا بلاشبہ جو ظالمین ہیں ان کے لیے

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

دردناک عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ لوگ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اپنے رب کے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝

حکم سے ہمیشہ ان میں رہیں گے ان کا تحیہ ملاقات کے وقت سلام ہو گا۔

قیامت کے دن فیصلے ہو چکنے کے بعد شیطان کا اپنے ماننے والوں سے بیزار ہونا اور انہیں بے وقوف بنانا

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں اہل دوزخ کی ایک بہت بڑی بے وقوفی کا تذکرہ فرمایا ہے شیطان مردود لوگوں کی بے وقوفی ظاہر کرے گا اور اپنی صفائی پیش کرے گا دنیا میں تو اس نے اپنے ماننے والوں کو خوب بہکایا اور راہ حق سے ہٹا کر کفر و شرک کی دلدل میں پھنسایا لیکن قیامت کے دن اپنے ماننے والوں ہی کو الزام دے گا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر بھروسہ نہ کیا اس کے وعدے سچے تھے اور میرے

وعدوں پر کان دھرا اور ان کو مانا حالانکہ میرے سارے وعدے جھوٹے تھے اب دیکھو مجھے کچھ الزام نہ دو میرا تم پر کوئی زور تو چلتا نہ تھا میں نے اتنا ہی کیا کہ تمہیں کفر و شرک کی دعوت دی تم نے میری بات مان لی اب مجھے ملامت مت کرو۔ اپنی جانوں کو ملامت کرو تم خود مجرم ہو، پیغمبروں کی دعوت کو چھوڑ کر جو معجزہ اور حجت و دلیل پیش کرتے تھے تم نے میری باتوں پر کیوں کان دھرا میں نے کوئی زبردستی ہاتھ پکڑ کے تو تم سے کفر و شرک کے کام نہیں کرائے، ہم آپس میں یہاں ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے اب تو عذاب چکھنا ہی ہے دنیا میں جو تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ اس نے اسی دنیا میں بتا دیا کہ شیطان ایسی باتیں کرے گا ہر عقلمند کو فکر کرنا چاہیے کہ میں کس راہ پر ہوں اگر کفر و شرک میں مبتلا ہے تو غور کرے کہ مجھے اس راہ پر کس نے لگایا ظاہر ہے کہ شیطان نے لگایا ہے اور چودھریوں اور سرداروں اور لیڈروں نے لگایا ہے دوزخ کے عذاب سے چھڑانے کے لیے نہ سردار کام آئیں گے نہ شیطان کام آئے گا سب ایک دوسرے سے بیزار ہو جائیں گے۔ بہذا ہر شخص حق کا اتباع کرے جو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء ﷺ کے ذریعہ بھیجا ہے اور اپنی کتاب قرآن مجید میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

اہل ایمان کا ثواب دوسری آیت میں ان حضرات کے اجر و ثواب کا تذکرہ فرمایا جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب کے حکم سے ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صرف داخلہ ہی نہیں ہوگا خلود بھی ہوگا ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب آپس میں ملاقات کریں گے تو ایکدوسرے کو سلامتی کی دعا دیں گے آپس میں بھی ایکدوسرے کو سلام کریں گے اور فرشتے انکے پاس آئیں گے تو وہ بھی السلام علیکم کہیں گے انکی مزید تشریح سورۂ یونس کے پہلے رکوع کے ختم پر گزر چکی ہے وہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے تحیتھم فیھا سلام ۚ وآخر دعوھم ان الحمد للہ رب العلمین

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی وہ مثال کلمہ طیبہ کی ہے جو شجرہ طیبہ کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں بلندی

فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۔ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

میں ہیں وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا

نصیحت حاصل کریں اور کلمہ خبیثہ کی مثال ایسی ہے جیسے خبیث درخت ہو جو زمین سے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ دیا گیا ہو اس کے

مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ

لیے ثبات نہیں ہے، جو لوگ ایمان لائے اللہ انہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے اور اللہ

الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ ع ۱۲

ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال

یہ تین آیات ہیں جن میں پہلی آیت میں کلمہ طیبہ کو شجر طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور دوسری آیت میں کلمہ خبیثہ کو شجر خبیثہ سے تشبیہ دی ہے حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ کلمہ طیبہ سے کلمہ ایمان لا الٰہ الا اللہ مراد ہے اور کلمہ خبیثہ سے کلمہ کفر مراد ہے کلمہ طیبہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایسے پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ خوب مضبوطی کے ساتھ زمین میں جمی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں اوپر جا رہی ہوں اور وہ ہمیشہ پھل دیتا ہو جب بھی اس کی فصل آئے تو فصل ضائع نہ ہو، سنن ترمذی (تفسیر سورۂ ابراہیم) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ شجر طیبہ (پاکیزہ درخت) سے کھجور کا درخت مراد ہے جس سے کلمہ طیبہ کو تشبیہ دی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کی جڑ (یعنی مضبوط اعتقاد) مؤمن کے قلب میں استحکام اور مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہے اس کی شاخیں یعنی اعمال صالحہ جو بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوتے ہیں وہ آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں اور ان پر رضائے الٰہی کے ثمرات مرتب ہوتے ہیں کما فی سورۃ فاطر۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ کھجور کا درخت زمین میں مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہوتا ہے اپنی جڑوں میں اتنا کام اور پھلوں میں عمدگی اور شاخوں میں بلندی لیے ہوئے ہوتا ہے اس کے پھل بھی ہر فصل میں آتے رہتے ہیں اور لوگ اس سے برابر منتفع ہوتے رہتے ہیں اس کے پھل میں غذائیت بھی ہے اور قوت بھی ہے اور دیکھنے میں بھی نظروں میں خوب بھاتا ہے۔

کلمہ طیبہ کی مثال دینے کے بعد کلمہ خبیثہ کی مثال دی اور فرمایا کہ کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ کفر ایسے ہے جیسے کوئی خبیث درخت ہو جسے زمین کی اوپر ہی سے اکھاڑ دیا جائے اور اسے کوئی قرار اور ثبات نہ ہو، سنن ترمذی کی مذکورہ بالا روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شجرۂ خبیثہ سے حنظل مراد ہے جو بہت زیادہ کڑوا ہوتا ہے اس کا مزہ بھی برا ہے اور اس کی بو بھی بدترین ہے اور اس کے کھانے سے بہت سی مضرتیں پیدا ہوتی ہیں اس کا جما و بھی زمین میں نہیں ہوتا زمین سے بوں ہی ذرا تھوڑا سا تعلق ہوتا ہے جبکے سے ہاتھ کے اشارے سے اکھڑ آتا ہے، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ چونکہ پہلی مثال میں شجر کو طیبہ فرمایا ہے اس لیے حنظل وغیرہ کلمۂ خبیثہ شجر فرمایا اور نہ حنظل کا درخت نہیں ہوتا بلکہ نیل ہوتی ہے حنظل کی نہ جڑ مضبوط ہے نہ مزا اچھا ہے اور بدبو سے بھرا ہوا ہے اور نہ اس کی شاخیں اونچی ہیں اور مزید یہ کہ بدبودار ہوتا ہے، کفر کے کلمات کا یہی حال ہے حق کے سامنے انکا کوئی جما و نہیں کافر کو اس سے نقصان ہی نقصان ہے اور اس کے اعمال پر بھی رضائے الٰہی مرتب نہیں ہوتی اور چونکہ کافر کے اعمال کے قبول ہونے کا احتمال ہی نہیں اس لیے مشبہ بہ یعنی حنظل کے تذکرہ میں شاخوں کا ذکر ہی نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قول ثابت پر ثابت رکھتا ہے

تیسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قول ثابت (پکی بات یعنی کلمہ لا الٰہ الا اللہ) پر دنیا میں بھی ثابت رکھتا ہے اور آخرت میں بھی، دنیا میں کلمہ ایمان پر جمانے اور مضبوط رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین کے بہکانے اور گمراہ کرنے کا اہل ایمان پر اثر نہیں ہوتا مؤمن بندہ آخر دم تک ایمان پر جما ہوا رہتا ہے اور آخرت میں کلمہ ایمان پر جمانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ قبر میں منکر نکیر کے سوال پر مؤمنانہ جواب دلوا دیتا ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان آدمی سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے دیتا ہے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ میں اسی کو بیان فرمایا (رواہ البخاری) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کو دفن کر کے فارغ ہو جاتے تھے تو فرماتے تھے کہ اپنے بھائی کے لیے مغفرت کا سوال کرو۔ پھر اس کے لیے

ثابت قدم رہنے کا سوال کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔ (رواہ ابوداؤد)

اخیر میں فرمایا وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ظالمین سے کافرین مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے اللہ کی فطرت کو بدل دیا اور قول ثابت کی طرف راہ نہ پائی اور گمراہوں کی تقلید کر لی اور واضح دلائل کا اثر نہ لیا تو دنیا میں بھی اللہ نے انہیں راہ حق سے دور رکھا اور آخرت میں بھی وہ کلمہ ایمان زبان سے ادا نہ کر سکیں گے حدیث شریف میں ہے کہ جب منافق اور کافر سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے کہ ان کے بارے میں (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق) کیا کہتا ہے؟ تو جواب دیتا ہے لا ادری کنت اقول ما یقول الناس (میں نہیں جانتا میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے)

اور بعض روایات میں ہے کہ کافر سے جب سوال کیا جاتا ہے تو جواب میں کہتا ہے هاه هاه لا ادری (ہائے ہائے میں نہیں جانتا) پھر جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ هاه هاه لا ادری پھر جب سوال کیا جاتا ہے کہ تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ جو تم میں بھیجے گئے تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ هاه هاه لا ادری (رواہ ابوداؤد)

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے عذاب قبر کا ثبوت مؤمنین صالحین کا قبر میں اچھے حال میں رہنا اور کافروں اور بعض اہل ایمان گنہگاروں کو عذاب قبر میں مبتلا ہونا اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ ایمان کا زمانہ تھا قرآن مجید میں جو کچھ نازل ہوتا فوراً مان لیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے اس پر فوراً ایمان لے آتے تھے لیکن دور حاضر شکوک وشبہات کا زمانہ ہے دشمنوں کی کوششوں سے اور ملحدوں اور زندیقوں کی کتابوں سے اور اپنی کم عقلی پر اعتماد کرنے کی وجہ سے آج کل کے بہت سے کلمہ گو (جو نام کے مسلمان ہیں) ان میں بہت سے ایسے ہیں جو قبر کے عذاب اور وہاں کے آرام کے منکر ہیں اوپر جو آیت گزری يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الآیۃ) اور اس کی جو تفسیر صحیح بخاری سے معلوم ہوئی اس سے قبر میں سوال وجواب ہونا ثابت ہوا اور سورۂ مؤمن غافر میں آل فرعون کے بارے میں فرمایا اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (صبح وشام وہ آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس وقت حکم ہوگا کہ فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو)۔

اور سورۂ نوح میں فرمایا ہے مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کر دیئے گئے پھر آگ میں داخل کر دیئے گئے) ان آیات میں عذاب قبر کی تصریح ہے اور احادیث شریفہ بکثرت قبر میں سوال جواب اور عذاب کافرین اور راحت مؤمنین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں بہت سے جاہل جو نہ قرآن جانیں نہ حدیث پڑھیں کہتے ہیں کہ قبر کا عذاب نہ ہماری سمجھ میں آتا ہے نہ دیکھنے میں آتا ہے پھر کیسے مانیں نہ ماننے کی سزا قبر میں جانے کے بعد مل جائے گی تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات ماننے کے اپنی عقل سے سمجھنے اور نظر سے دیکھنے کو ضروری سمجھتے ہیں اور اہل سائنس اور ریسرچ کرنے والوں کی بات پر بے سمجھے ہی ایمان لے آتے ہیں۔ فَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں اتار دیا

يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا

وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ برے ٹھکانے کی رہنے کی جگہ ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے مقابل قرار دے دیئے تاکہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے گمراہ کردیں آپ فرما دیجئے کہ تم مزے

فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا

کی زندگی گزار لو پھر بالآخر تمہیں دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے، آپ میرے بندوں سے فرما دیجئے جو ایمان لائے کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝

نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ طریقے پر اور ظاہر طریقے پر خرچ کریں اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ تو کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی ہوگی

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ پھلوں سے تمہارے لیے رزق نکالا

لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ

اور تمہارے لیے کشتی کو مسخر فرما دیا تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور اس نے تمہارے لیے نہروں کو مسخر فرما دیا اور تمہارے لیے

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ

سورج اور چاند کو مسخر فرما دیا وہ برابر حرکت میں ہیں اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر فرما دیا اور تم نے اس سے جو چیز مانگی تم کو اس سب میں سے عطا فرما دیا

ع ۷ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝

اور اگر تم اللہ کی نعمت کو شمار کرو تو شمار نہیں کر سکتے بلاشبہ انسان بڑا ہی ظالم ہے بڑی ناشکری ہے۔

نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کی بدحالی

ان آیات میں اول تو ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری کو اختیار کیا، بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان سے مشرکین مکہ مراد ہیں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں امن وامان کے ساتھ ٹھہرایا دنیوی اعتبار سے بھی ان پر انعام فرمایا دنیا بھر سے ان کے پاس ضرورت کی چیزیں پہنچتی تھیں (اولم نمکن لھم حرما امنا یجبی الیہ ثمرات کل شیء رزقا من لدنا) نیز ان پر یہ احسان فرمایا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو انہیں میں سے مبعوث فرمایا اور انہیں کی زبان میں کتاب نازل فرمائی لیکن ان لوگوں نے نعمتوں کی قدردانی نہ کی شکر کے بجائے ناشکری کو اختیار کیا اور ناشکری میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت کے بھی منکر ہوئے اور اللہ کی کتاب کے بھی، ان میں جو بڑے لوگ تھے انہوں نے خود بھی اپنے لیے دار البوار یعنی جہنم کو اختیار کیا اور اپنی قوم کو بھی جو ان سرداروں کے ماننے والے تھے دوزخ میں داخل کر دیا یصلونھا و بئس القرار (وہ دوزخ میں داخل ہوں گے جو ٹھہرنے والوں کے لیے برا ٹھکانہ ہے۔)

پھر ان لوگوں کے شرک کرنے کا حال بیان فرمایا وجعلوا للہ اندادا لیضلوا عن سبیلہ کہ ان لوگوں نے اللہ کے لیے اندادیعنی

برابر والے تجویز کر لیے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک کر دیا اور باطل معبودوں کو صفت الوہیت میں اللہ کی طرح مان لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، جو انکا اقتداء کرتے تھے اور ان کی راہ چلتے تھے ان لوگوں کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَکُمْ اِلَی النَّارِ (یعنی تم اس دنیا میں نفع حاصل کرو دنیا کی چیزوں سے فائدہ اٹھا لو یہ چند دن کا چین اور نفع اٹھانا ہے کفر پر مرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے جو اہل کفر کے پہنچنے کی جگہ ہے)۔

قیامت کے دن نہ بیع ہوگی نہ دوستی اس کے بعد فرمایا قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الایۃ) کہ آپ میرے مومن بندوں سے فرما دیں کہ اس دن کے آنے سے پہلے جس میں کوئی خرید و فروخت اور دوستی نہ ہوگی نماز قائم کریں اور جو مال ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر خرچ کریں، اس میں نماز اور انفاق کا حکم دیا، پوشیدہ طور پر مال خرچ کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ نفس کو ریاکاری کا موقع نہیں ملتا اور ظاہر خرچ کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ دوسروں کو بھی عمل خیر کی توفیق ہو جاتی ہے، لوگوں کے سامنے نیک عمل کرنے کا نام ریاکاری نہیں، ریاکاری اس جذبے کا نام ہے کہ لوگ معتقد ہوں اور تعریف کریں، جس کسی کو اس جذبہ پر قابو ہو وہ لوگوں کے سامنے خرچ کرے۔ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ (جس دن نہ بیع ہوگی اور نہ دوستی ہوگی) اس سے قیامت کا دن مراد ہے وہاں مال دے کر کوئی مجرم نہیں چھوٹ سکتا اور جان کے بدلہ میں کچھ قبول نہیں کیا جا سکتا اور دنیا میں جو کسی کی کسی سے دوستی تھی اور اس دوستی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی تھی یہ دوستی وہاں کچھ کام نہ آئے گی نہ کوئی نیا دوست بنے گا نہ پرانی دوستی فائدہ دے گی اس لیے دنیا اور اہل دنیا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کریں ہاں جو لوگ متقی ہیں ان سے دوستی کریں ان کی دوستی آخرت میں بھی منقطع نہ ہوگی اور اس سے شفاعت کا فائدہ ہوگا کما قال تعالیٰ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (تمام دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے)

اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا بیان اور انسان کی ناشکری کا تذکرہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی صفت خالقیت اور مالکیت بیان فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا جو سب کی نظروں کے سامنے ہیں اور جن سے سب ہی مستفید ہوتے ہیں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوقات ہیں نظروں کے سامنے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خالق اور صانع ہونے پر دلالت کرتی ہیں دوم یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس کے ذریعہ پھل نکالے جو تمہارے لیے رزق ہیں پانی برسنا بھی اسی کے حکم سے اور پھلوں کا پیدا ہو جانا بھی اسی کے حکم سے ہے پھر ان پھلوں کا رزق بن جانا بھی اسی کے حکم سے ہے سوم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر فرما دیا جو سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہیں، کشتی بنانے کی سمجھ دینا، پھر ان کو سمندروں میں چلانے کی سمجھ دینا ان کی چلانے کے لیے ہوا اور ایندھن پیدا فرمانا اور ان کے استعمال کے طریقے بتانا یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے یہ چھوٹی بڑی کشتیاں بڑے بڑے جہاز انسانوں کو اور ان کے اموال تجارت وسینکڑوں میل منتقل کرتے ہیں اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم پہنچا دیتے ہیں چہارم یہ فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے نہروں کو مسخر کیا کشتیوں کے بارے میں لفظ فی البحر فرمایا کیونکہ بڑے بڑے جہاز ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچانے کے لیے شور پانی کے سمندر میں چلتے ہیں اور اس کے بعد نہروں کا ذکر فرمایا جن میں میٹھا پانی بہتا ہے بڑی نہروں سے چھوٹی نہریں نکلتی ہیں ان سب سے انسان اور مویشی پانی پیتے ہیں اور کھیتوں کی آب پاشی بھی ہوتی ہے اگر یہ میٹھے پانی کی نہریں نہ ہوتیں تو انسانوں کے لیے بڑی دشواری ہوتی اور کھیتوں کی آب پاشی کے لیے حیران و پریشان رہتے صرف بارش ہی کھیتوں کی آب پاشی کا ذریعہ بن سکتی تھی اب ہوتا یہ کہ بارش نہ ہوئی یا کم ہوئی تو میٹھے پانی کی نہروں سے آب پاشی کا کام ہو

جاتا ہے نیز ان نہروں میں بھی کشتیاں چلا کر ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں فراہم کر کے لے آتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر فرما دیا دونوں چل رہے ہیں اور برابر حرکت میں ہیں سورج کے طلوع سے دن کا وجود ہوتا ہے نیز سورج کی روشنی اور گرمی سے کھیتیاں پکتی ہیں اور اس سے بجلی حاصل کی جاتی ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں جو ریسرچ کرنے والوں نے معلوم کر لیے ہیں۔ چاند کے طلوع ہونے اور گردش کرنے میں بھی بڑے بڑے فائدے ہیں نئی ایجادات میں ان کا مظاہرہ ہوا ہے، رات کی اندھیری میں چاند کی روشنی سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں پر کیف ٹھنڈی اور ٹھنڈی روشنی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے اہل تحقیق کا کہنا ہے کہ چاندنی روشنی کی وجہ سے پھل رنگ پکڑتے ہیں اور بھی بہت سے منافع ہیں، ششماہیوں فرمایا کہ تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر فرما دیا رات جاتی ہے تو دن آ جاتا ہے اور دن جاتا ہے تو رات آ جاتی ہے رات میں آرام ہے اور دن میں کام ہے، کبھی دن بڑا ہے کبھی رات بڑی، ان دونوں کے آگے پیچھے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اگر ہمیشہ دن ہی ہوتا تو دشواری ہو جاتی اور ہمیشہ رات ہی ہوتی تو معیشت میں پڑ جاتے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے اوقات مقرر فرما دیے انہیں کے مطابق کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

مذکورہ بالا نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد اجمالاً دوسری نعمتوں کا بھی تذکرہ فرمایا اور فرمایا وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ (اور جو چیز تم نے اللہ سے مانگی اس سب میں سے تمہیں عطا فرما دیا) وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہیں کر سکتے) اللہ تعالیٰ شانہٗ کی بے شمار نعمتیں ہیں بہت سی نعمتوں کا تو انسان کو علم بھی نہیں جن سے منتفع ہوتا ہے سر سے پاؤں تک انسان کے جسم میں کیا کیا کتنی چیزیں ہیں، کتنے پٹھے ہیں ان سب کا پتہ عامۃ الناس کو تو ہے ہی نہیں جن لوگوں نے آلات کے ذریعے ریسرچ کی ہے وہ بھی اب تک پوری طرح جسم انسانی کی مشینری کو سمجھ نہیں پائے اور جس کسی نے پورا سمجھنے کا دعویٰ کیا اس کا دعویٰ غلط نکلا کیونکہ بعد میں اور بہت سی چیزیں خاص ہو گئیں، یہ تو انسان کے اپنے اندر کی نعمتوں کا اجمالی تذکرہ ہوا ان کے علاوہ جو اور نعمتیں اور کھانے پینے کی اور پہننے کی اشیاء اور رفع حاجت میں کام آنے والی چیزیں ہیں سمندری مخلوقات ہیں، جن سے انسان منتفع ہوتا ہے، اشجار ہیں، انہار ہیں، جبال ہیں، آبار ہیں، معدنیات ہیں، انعام ہیں اور کثیر تعداد میں اجناس اور اصناف ہیں ان سب کا شمار انسان کے بس سے باہر ہے نیز اپنے سانسوں کے گننے پر بھی قادر نہیں ہے جو اس کی حیات کا ذریعہ ہیں اور ذرا انسان اپنے جسم کے مسامات کو گن لے جن سے پسینہ نکلتا ہے۔ ایک بات ذہن میں آئی اور وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے سر کے بال بہت زیادہ محبوب ہیں ان بالوں سے حسن و جمال ہے کوئی شخص اپنے سارے بال گن کر بتا دے گنتے گنتے تھک جائے گا اور گن نہ سکے گا پھر ان بالوں سے فارغ ہو تو دوسری نعمتوں کے گننے میں لگے۔ لقد صدق اللہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی زیادہ نعمتیں عطا فرمائیں جن کا شمار کرنا اس کے بس سے باہر ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا شکر گزار بندہ بننے کے بجائے ظلوم اور کفار بن گیا جسے آیت کے ختم پر بیان فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ظلوم کا معنی ہے بہت زیادہ ظلم کرنے والا اور کفار کا معنی ہے بہت زیادہ ناشکرا۔ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی میں بھی خرچ کرتا ہے یہ سب اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، پھر نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا یہ بھی ظلم ہے، نعمتوں کا استعمال کرتا ہے اور انکار بھی کرتا ہے کہہ دیتا ہے کہ مجھے اللہ نے کیا دیا ہے؟ کبھی کہتا ہے کہ یہ سب کچھ میں نے اپنی محنت اور اپنی سمجھ سے حاصل کیا ہے نیز اپنے خالق اور مالک کا فرمانبردار نہیں بنتا کفر میں معصیتوں میں جان اور مال خرچ کرتا ہے یہ سب ظلم ہے اکثر افراد ناشکرے ہی ہیں سورہ سبا میں فرمایا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (اور میرے بندوں میں سے شکر گزار کم ہیں)۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝

اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا دیجئے اور مجھے اور میرے فرزندوں کو اس سے دور رکھیے کہ ہم بتوں کو پوجیں۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ

اے میرے رب! بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے سو جو شخص میری پیروی کرے بلاشبہ وہ مجھ سے ہے اور جو شخص میری نافرمانی کرے تو بلاشبہ آپ بخشنے والے

رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا

مہربان ہیں۔ اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو آپ کے محترم گھر کے نزدیک ایسی وادی میں ٹھہرایا ہے جو کھیتی (کے قابل) نہیں ہے اے ہمارے رب

الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝

تاکہ وہ نماز قائم کریں، سو آپ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دیجئے اور انہیں پھلوں میں سے روزی عطا فرمایئے تاکہ شکر ادا کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی اولاد کو بیت اللہ کے نزدیک ٹھہرانا اور ان کے لیے دعا کرنا کہ شرک سے بچیں اور نماز قائم کریں

حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد تھے ان کے علاقہ کے لوگ جو بابل کے قریب بت پرست تھے خود انکا باپ بھی بتوں کی پوجا کرتا تھا آپ نے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور اس بارے میں بہت تکلیفیں اٹھائیں یہاں تک کہ انہیں آگ تک میں ڈالا گیا پھر اپنے علاقہ سے ہجرت کر کے فلسطین میں تشریف لے آئے۔ ہجرت میں ان کی بیوی بھی ساتھ تھیں یہ چچا کی لڑکی تھیں جن کا نام سارہ تھا۔ پھر سفر ہجرت میں ایک بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلوایا بدنیتی سے ہاتھ ڈالا تو اس کے ہاتھ پاؤں اکڑ گئے۔ پھر ان کو چھوڑ دیا پھر ان کی خدمت کے لیے ایک عورت پیش کر دی جن کا نام ہاجرہ تھا حضرت سارہ سے اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ہاجرہ سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جاؤ اسمٰعیل اور اس کی والدہ کو سرزمین عرب مکہ معظمہ میں چھوڑ آؤ اور وہ اپنی بیوی کو لے کر مکہ معظمہ تشریف لے آئے اور کعبہ شریف کے قریب لا کر چھوڑ دیا اور یہ دعا کی کہ اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا دیجئے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھئے ان بتوں کے ذریعہ بہت سے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں میں ان لوگوں سے بیزار ہوں، جو شخص میرا اتباع کرے تو توحید کی راہ پر چلے وہ میرا ہے اور جو شخص میری نافرمانی کرے وہ میرا نہیں ہے، آپ اسے ہدایت دے کر مغفرت کے راستے پر ڈال سکتے ہیں اور اس پر رحم فرما سکتے ہیں، ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ میں آپ کے معظم گھر (کعبہ شریف) کے قریب اس وادی (میدان) میں اپنی بعض اولاد کو چھوڑ رہا ہوں یہ میدان کھیتی والا نہیں ہے حکم کی تعمیل میں یہاں قیام کرا رہا ہوں آپ میری اس ذریت کو اور اس کی نسل کو ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق دیجئے میں انہیں یہاں اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ نماز قائم کریں (نماز ایمان کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے اس لیے دعا میں اس کا خصوصی ذکر فرما دیا اس میں دیگر اعمال صالحہ کی بھی دعا آگئی) میری نسل کے یہ لوگ خود بھی دین پر چلنے والے بنیں اور دوسروں کے لیے بھی مقتدا بن جائے لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دیجئے تاکہ ان سے ایمان اور اعمال صالحہ سیکھ سکیں (یہ تو ان کی دینی زندگی کے لیے دعا کی اور ان کی دنیوی زندگی اور غذا کے لیے یوں دعا کی کہ اے ہمارے رب انہیں پھل عطا فرمانا تاکہ یہ شکر گزار ہوں گو

یہ جگہ ایسی ہے جہاں چٹیل میدان ہے اور ہر طرف سنسان ہے لیکن آپ اپنی قدرت کاملہ سے ان کو پھل نصیب فرمائیں، اللہ جل شانہٗ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جنہیں مکہ معظمہ میں چھوڑ گئے تھے اور ان کی نسل کو ایمان سے اور اعمال صالحہ سے مالا مال فرمایا اور انہیں مقتدا ہونے کی شان بھی عطا فرمائی ان کی طرف لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے نیز انہیں رزق بھی خوب عطا فرمایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ایسی قبول فرمائی کہ دنیا بھر سے مکہ معظمہ میں پھل آتے ہیں اور وہاں کے مقامی حضرات اور حجاج اور زائرین سب ہی کھاتے ہیں اور ان سے منتفع اور متمتع ہوتے ہیں سورۂ قصص میں فرمایا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس رزق کے طور پر ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے)

مکہ معظمہ کے قریب ہی شہر طائف آباد ہے اور وہ سرسبز وشاداب علاقہ ہے ہمیشہ وہاں سے طرح طرح کے پھل مکہ معظمہ پہنچتے رہے ہیں اور دنیا کے تمام اطراف واکناف سے مکہ معظمہ میں طرح طرح کے پھل آرہے ہیں شاید دنیا کا کوئی پھل ایسا نہ بچا ہو جو مکہ معظمہ نہ پہنچا ہو بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ثمرات کے عموم میں درختوں کے پھلوں کے علاوہ مشینوں کی پیداوار اور دستکاریوں سے حاصل ہونے والا سامان بھی داخل ہے مکہ کی سرزمین میں نہ کاشت ہے نہ شجر کاری ہے اور نہ صنعت کاری لیکن پھر بھی اس میں دنیا بھر کے ثمرات اور طرح طرح کی مصنوعات ملتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچہ کو مکہ معظمہ کی چٹیل زمین میں چھوڑ کر واپس فلسطین تشریف لے گئے اور ان کے گزارے کے لیے ایک تھیلے میں کچھ کھجوریں اور مشکیزے میں پانی رکھ دیا جب واپس ہونے لگے تو ان کی اہلیہ پیچھے ہولیں اور کہنے لگیں کہ ہمیں یہاں چھوڑ کر آپ کہاں جا رہے ہیں۔ یہاں نہ آدم ہے نہ آدم زاد، نہ اور کوئی چیز ہے، انہوں نے کئی بار یہ سوال کیا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے آخر میں اس مؤمنہ خاتون نے کہا کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں اس پر وہ کہنے لگیں کہ پھر تو اللہ ہمیں ضائع نہ فرمائے گا، جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو وہ پانی کی تلاش میں نکلیں سات مرتبہ صفا مروہ پر آنا جانا کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بچہ کے قریب فرشتے کے ایڑی مارنے سے چشمہ جاری فرما دیا دونوں ماں بیٹے وہیں رہتے رہے پھر قبیلہ بنی جرہم بھی وہاں آکر آباد ہو گیا یہ قبیلہ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ کی مقبولیت کا اولین مصداق تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی اپنی بیوی اور بچہ کی خبر لینے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے تو بنی جرہم میں ان کی شادی بھی ہو گئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کعبہ شریف تعمیر کیا جسے پہلے فرشتوں نے پھر آدم علیہ السلام نے بنایا تھا پھر عرصۂ دراز کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کی وجہ سے دیواریں مسمار ہو گئی تھیں اور عمارت کا ظاہری پتہ بھی نہ رہا تھا جس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا چونکہ اس جگہ کے قریب اپنی بیوی اور بچہ کو چھوڑا تھا اس لیے دعا میں یوں عرض کیا اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بچے سے رخصت ہو کر آگے بڑھے تو قبلہ رخ ہو کر ایسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں سے کعبہ شریف کی اٹھی ہوئی جگہ نظر آتی تھی جو ٹیہ کی شکل میں تھی اور بیوی بچہ نظر سے اوجھل تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ دعا کی جو آیت شریفہ میں مذکور ہے۔

یہ تو معلوم تھا کہ یہاں اللہ کا گھر ہے لیکن خصوصی طور پر متعین کر کے جگہ معلوم نہیں تھی، جب ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کعبہ شریف بنانے لگے تو انہیں متعین طور پر کعبہ شریف کی جگہ بتادی گئی جسے سورۂ حج کی آیت کریمہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ میں بیان فرمایا۔

جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل میں اہل ایمان رہے اور مکہ معظمہ میں بستے رہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اہل مکہ مشرک ہو گئے بتوں کی پوجا کرنے لگے اور کعبہ شریف تک میں بت رکھ دیئے حضرت خاتم النبیین ﷺ بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں سے تھے آپ نے توحید کی دعوت دی اور توحید کو پھیلانے اور شرک کو مٹانے کے لیے بڑی بڑی محنتیں کیں اور قربانیاں دیں جس کی وجہ سے اہل مکہ پھر توحید پر آ گئے اور دنیا بھر کے قلوب ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور کعبہ شریف بتوں سے پاک وصاف ہو گیا۔ فصلی اللہ تعالیٰ علی ابراھیم واسمعیل و محمد النبی العربی المکی المدنی صلوۃ دائمۃ علی ممر الدھور والاعصار۔

اولاد کے نمازی ہونے کے لیے فکر مند ہونا پیغمبرانہ شان ہے .....حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا کہ میں نے اپنی ذریت کو اس وادی میں آپ کے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہے اور ساتھ ہی لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ بھی کہا تا کہ وہ نماز قائم کریں اس سے نماز قائم کرنے کی اہمیت معلوم ہوئی جو ایمان کے بعد افضل الاعمال ہے نیز معلوم ہوا کہ اپنے اہل وعیال کی نماز کے لیے فکر مند رہنا کہ وہ نماز قائم کریں یہ بھی ایک ضروری بات ہے پھر رکوع کے ختم پر ان کی دعا کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ (کہ اے میرے رب مجھے نماز قائم رکھنے والا بنا دیجئے اور میری ذریت میں سے بھی نماز قائم کرنے والے پیدا فرمائیے) اس سے اقامت صلوٰۃ کی مزید اہمیت کا پتہ چلا بہت سے لوگ خود تو نمازی ہوتے ہیں لیکن اپنی اولاد کی نماز کے لیے فکر مند نہیں ہوتے بلکہ اولاد کو ایسی جگہوں میں تعلیم دلاتے ہیں جہاں نماز تو کیا ایمان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، اگر کوئی کہتا ہے کہ اپنے بچہ کو قرآن وحدیث کے مدرسہ میں پڑھائیے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں ملا تھوڑی ہی بنانا ہے، یہ نہیں سمجھتے کہ بچہ کو دین میں لگانے ہی میں خیریت ہے دین سے اور دین کے فرائض کے جاننے اور عمل کرنے سے محروم رکھنا یہ اس کا خون کر دینا ہے، عام طور پر لوگوں کی ساری شفقت دنیا ہی سے متعلق ہوتی ہے موت کے بعد اولاد کا کیا بنے گا اس کا پتہ بھی نہیں کرتے، ہماری اولاد دینی مقتدا ہو جائے اس کا فکر کرنا بھی پیغمبرانہ فکر کی بات ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے لیے یہ دعا بھی کی کہ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل ہو جائیں اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کو دینی مقتدا بنانا بھی ایک اہم مقصد ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔ اول تو نبی جرہم کو مکہ معظمہ میں بسا دیا انہیں میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی پھر ان کی نسل چلی اور بڑھی جن میں خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی ہیں آپ سارے عالم کے مقتدا ہیں آپ مکہ معظمہ ہی کی سرزمین میں پیدا ہوئے اور وہیں نبوت سے سرفراز ہوئے آپ کی دعوت توحید کا پہلا مرکز مکہ معظمہ ہی تھا آپ سے اور آپ کی اولاد واصحاب سے سارے عالم میں ایمان پہنچا جن کی طرف پورے عالم کے قلوب متوجہ ہو گئے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی مقبولیت کا مظاہرہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں یہ بھی ہے کہ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ کہ انہیں پھلوں میں سے رزق عطا فرما تا کہ وہ شکر ادا کریں اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے لیے معاش کا انتظام کرنا اور ان کے لیے رزق کی دعا کرنا یہ بزرگی اور دینداری کے منافی نہیں ہے، اولاد کے دین وایمان اور اعمال صالحہ کی فکر کرتے ہوئے ان کے معاشی حالات کی فکر کی جائے تو یہ توکل کے

خلاف نہیں ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے، خود بھی اللہ کے شکر گزار بنیں اور اولاد کو بھی شکر گزار بنانے کی فکر کریں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي
اے ہمارے رب بلاشبہ آپ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور زمین میں اور آسمان میں اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ
السَّمَاۗءِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ
نہیں ہے، سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے، بلاشبہ میرا رب دعا کا سننے
الدُّعَاۗءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ
والا ہے، اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا بنا دے اور میری اولاد میں سے بھی، اے ہمارے رب اور میری دعا قبول فرمائیے، اے ہمارے رب
وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝
میری مغفرت فرمائیے اور میرے والدین کی اور مومنین کی جس دن حساب قائم ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شکر ادا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں بیٹے عطا فرمائے، اور اپنے لیے اور آل واولاد کے لیے نماز قائم کرنے کی دعا کرنا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مزید دعاؤں کا تذکرہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ (الآیۃ) کہ اے ہمارے رب آپ جانتے ہیں جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں آپ ہماری نیتوں اور ارادوں سے ہمارے عزائم سے باخبر ہیں جیسا کہ آپ ہمارے خانہ ہی اعمال واحوال اور اقوال واشغال سے باخبر ہیں اور ایک ہمارے ہی اعمال واحوال کیا اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی چیز زمین میں اور آسمان میں پوشیدہ نہیں ہے وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں عرض کیا کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق دو بیٹے عطا فرمائے اور ساتھ ہی یوں بھی عرض کیا اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ (بے شک میرا رب دعا قبول فرمانے والا ہے) چونکہ انہوں نے دعا میں رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ عرض کیا تھا جس میں صالح اولاد طلب کی تھی اور وہ دعا قبول ہوگئی اس لئے اللہ تعالیٰ کا مزید شکر ادا کیا کہ اس نے میری دعا قبول فرمائی اور اولاد عطا فرمائی۔

پھر یوں دعا کی رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ (اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری ذریت میں سے بھی نماز قائم کرنے والے بنائیے اے ہمارے رب دعا کو قبول فرمائیے) اس کے بعد اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے اور تمام مؤمنین کے لئے دعا کی جس دن حساب قائم ہو اس دن ان سب کی مغفرت فرما۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تو کافر مشرک تھا اس کے لئے کیسے مغفرت کی دعا کی؟ جبکہ کافروں کی بخشش نہ ہوگی اس کا جواب سورۂ توبہ کی آیت وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے جس کا

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے وعدہ کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے استغفار کروں گا انہیں اپنے والد کے مسلمان ہونے کی امید تھی پھر جب انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس کی موت کفر پر ہوئی تو اس سے بیزار ہو گئے یہ دعا بیزار ہونے سے پہلے کی ہے جب تک والد کی موت علی الکفر کا علم نہ ہوا تھا اور مسلمان ہونے کی امید بندھی ہوئی تھی اس وقت تک بشرط ہدایت باپ کی مغفرت کی دعا کی، بعد میں چھوڑ دی۔

آیت بالا میں والدہ کے لیے دعائے مغفرت کرنے کا تذکرہ ہے اگر وہ ایمان لے آئی تھی تب تو کوئی اشکال نہیں اور اگر وہ ایمان نہیں لائی تھی تو اس کے بارے میں وہی بات کہی جائے گی جو والد کے بارے میں عرض کی گئی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝

اللہ کو ان کاموں سے بے خبر مت سمجھئے جو ظالم لوگ کرتے ہیں بات یہی ہے کہ وہ انہیں ایسے دن کیلئے مہلت دیتا ہے جس میں آنکھیں اوپر کو اٹھی رہ جائیں گی

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝ وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ

یہ لوگ دوڑتے ہوں گے سر اوپر اٹھے ہوئے ہوں گے ان کی نظریں ان کی طرف واپس نہ لوٹیں گی دل ان کے اڑے ہوئے ہوں گے اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن

يَّاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ

ان کے پاس عذاب آئے گا، سو جن لوگوں نے ظلم کیا وہ یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب تھوڑی سی مدت کیلئے ہمیں مہلت دیجئے ہم آپ کے بلانے کو

وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ

قبول کریں گے۔ اور رسولوں کا اتباع کریں گے۔ کیا تم نے اس سے پہلے قسم نہ کھائی کہ ہمیں کہیں جانا ہی نہیں ہے اور تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے تھے

ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوْا

جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور یہ بات تم پر ظاہر ہوئی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بیان کیں اور ان لوگوں نے

مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ

اپنا مکر کیا اور اللہ کے سامنے ان کا مکر ہے اور وہ تھی ان کا مکر ایسا تھا کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں۔ سو اے مخاطب تو اللہ کے بارے میں

اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

یہ نہیں سمجھ کہ وہ وعدہ خلافی کرنے والا ہے بلاشبہ اللہ غلبہ والا بدلہ لینے والا ہے۔

قیامت کے دن ایک منظر، عذاب آنے پر ظالموں کا درخواست کرنا کہ مہلت دے دی جائے

قرآن مجید نازل ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ سناتے تھے توحید کی دعوت دیتے تھے لیکن مشرکین مکہ عناد و تکذیب سے باز نہ آتے تھے اور اپنے احوال اور اموال میں مست تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوری طور پر عذاب نہ آنے کی وجہ سے یوں کہتے تھے کہ اگر ہم اللہ کے نزدیک

مجرم ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ ان کی اس جاہلانہ بات سے دوسرے لوگوں کے متاثر ہونے کا بھی احتمال تھا اللہ جل شانہٗ نے فرما دیا کہ آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے غافل ہے اسے سب خبر ہے ان کے حال اور انکار و تکذیب کا علم ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تکذیب کرنے والوں پر وہ دنیا ہی میں عذاب بھیج دے نیز عذاب آنے میں دیر لگنے کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ کفر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مؤاخذہ نہیں اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دے رہا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی اور نظر بھی الٹ کر واپس نہ آئے گی ایسی ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھتے ہوں گے، کہ پلک بھی نہ جھپک سکے گی تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے سر اوپر کو اٹھائے ہوں گے اور ان کے دل بالکل ہوا ہوں گے یعنی دہشت سے حواس باختہ ہو چکے ہوں گے مؤاخذے میں دیر لگنے کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ بس یہ دنیا ہے، نہ قیامت ہے، نہ حساب ہے، نہ عذاب ہے، ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں۔

صاحب روح المعانیؒ لکھتے ہیں کہ ولا تحسبنّ اللہ کا خطاب ہر اس شخص کی طرف ہے جس کے خیال میں یہ آسکتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے اعمال سے غافل ہے، پھر فرماتے ہیں کہ یہ خطاب نبی اکرم ﷺ کو بھی ہو سکتا ہے آپ سے ایسے گمان کا صادر ہونا تو محال ہے لہٰذا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے علیم اور خبیر ہونے کے بارے میں آپ یقین رکھتے ہیں اسی پر دائم و قائم رہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بظاہر خطاب آپ کو ہے لیکن اس سے مقصود دوسروں کو متنبہ کرنا ہے اور اس میں تنبیہ ہے اور تنبیہ شدید و تاکید ہے کہ جس ذات سے ایسا گمان ہو ہی نہیں سکتا جب اسے ایسے خیال کی ممانعت کر دی گئی تو جو شخص ایسا گمان کر سکتا ہو اسے تو ایسے گمان سے بہت زیادہ دور رہنا چاہئے۔ قیامت کا ہولناک منظر بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وانذر الناس یوم یاتیھم العذاب کہ آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آپہنچے گا۔ جب ان پر عذاب آئے گا تو کہیں گے کہ اے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دیجئے۔ آپ نے ہمیں جن کاموں کی دعوت دی تھی یعنی آپ کی طرف سے ہمیں جن کاموں کے کرنے کا بارہ پہنچا تھا ہم ان پر عمل کریں گے اور آپ کا حکم مانیں گے اور رسولوں کا اتباع کریں گے، ان لوگوں کے جواب میں کہا جائے گا کہ تم دنیا میں بستے رہے دنیا کو آباد کیا تمہیں جب حق کی دعوت دی جاتی تھی اور قیامت کے دن کے آنے کی خبر دی جاتی تھی اور اس پر ایمان لانے کو کہا جاتا تھا تو تم ساری سنی ان سنی کر دیتے تھے تم تو یوں قسم کھاتے تھے کہ ہمیں دنیا ہی میں رہنا ہے یہاں سے ٹلنا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے خوب سمجھایا (علیہم السلام) ان کا سمجھانا ایمان لانے کو فرمانا سمجھدار انسان کے لئے کافی تھا لیکن مزید تنبیہ و تذکرہ کے لیے یہ بات بھی کم نہ تھی کہ تم لوگ جن بستیوں میں سکونت پذیر تھے اور جن گھروں میں رہتے تھے تمہیں معلوم تھا کہ یہ ان لوگوں کی بستیاں ہیں اور ان لوگوں کے گھر ہیں جنہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ جو لوگ ان بستیوں میں رہتے تھے اور ان گھروں میں بستے تھے کفر و انکار کی وجہ سے ان پر عذاب آیا، اور مزید یہ کہ ہم نے تمہارے سامنے مثالیں بیان کیں اور پہلے لوگوں کی بربادی کے واقعات سنائے (جنہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے بیان فرمایا) اور تم بھی نسلاً بعد نسل سنتے چلے آرہے تھے یہ سب کچھ ہوتے ہوئے تم نے حق کو ٹھکرایا قیامت پر ایمان نہ لائے اب کہتے ہو کہ مہلت دی جائے اب مہلت کا کوئی موقع نہیں۔

وقد مکروا مکرھم (الایۃ) جو لوگ منکرین اور معاندین تھے جب انبیاء کرام علیہم السلام انہیں ایمان کی دعوت دیتے تھے تو نہ صرف یہ کہ جھٹلاتے تھے بلکہ ان کی دعوت کو دبانے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے راہ حق سے لوگوں کو روکتے تھے اور اس سلسلہ میں جان اور مال خرچ کرتے تھے ان کی یہ تدبیریں ایسی تھیں جن کی وجہ سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل سکتے تھے اللہ تعالیٰ کو ان کی تدبیروں کا پورا پورا علم تھا ان کی تدبیریں نیست و نابود ہوئیں اور مکذبین و معاندین ہلاک اور برباد ہوئے۔

(فلا تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ (سو اے مخاطب تو اللہ کے بارے میں یہ خیال نہ کرو کہ وہ وعدہ خلافی کرنے والا ہے) اللہ تعالیٰ نے جو اپنے نبیوں سے نصرت اور مدد کا وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا فرمائے گا کما فی سورۃ العافر انا لنصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشہاد (ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس میں بھی جس میں گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے) ان اللہ عزیز ذو انتقام (بلاشبہ اللہ غلبہ والا ہے بدلہ لینے والا ہے)

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ

جس روز زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب لوگ اللہ کیلئے ظاہر ہو جائیں گے جو واحد قہار ہے اور اے مخاطب تو مجرمین کو

یَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝

اس حال میں دیکھے گا کہ وہ باہم بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کے کرتے قطران کے ہوں گے اور ان کے چہروں پر آگ نے احاطہ کر رکھا ہوگا

لِیَجْزِیَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ

تاکہ اللہ ہر جان کو اس کے کئے ہوئے اعمال کی سزا دے (جو کچھ بھی اچھے یا برے اعمال کئے ہیں ان کا بدلہ پائے) بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے یہ لوگوں

وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِیَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ع ۷

اور تاکہ وہ اس کے ذریعہ ڈرائے جائیں اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہ ایک ہی معبود برحق ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

قیامت کے دن زمین اور آسمان میں تغیر اور تبدل سب لوگوں کی حاضری، مجرمین کی بدحالی حساب کتاب اور جزا سزا

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ قیامت کے دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے، بدلنے کا یہ مطلب ہے ان کی ذات بدل دی جائے گی یا صفات بدل دی جائیں گی اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ تبدیلی کی دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں اور آیت کریمہ کسی ایک معنی کے لیے نص صریح نہیں ہے پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ زمین اس طرح بدل دی جائے گی کہ کچھ بڑھا دی جائے گی کچھ کمی کر دی جائے گی اس کے ٹیلے اور پہاڑ اور ٹیلے اور درخت اور اس میں جو بھی کچھ ہے سب ختم ہو جائے گا اور زمین کو چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا جو بالکل برابر ہو جائے گی اور اس میں کوئی نشیب اور اٹھی ہوئی جگہ نظر نہ آئے گی اور آسمانوں کو اس طرح بدل دیا جائے گا کہ چاند سورج ستارے سب ختم ہو جائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے یہ قرآن مجید کی آیات اور بعض احادیث صحیحہ مرفوعہ کے موافق ہے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفھا ربی نسفا فیذرھا قاعا صفصفا لا ترٰی فیھا عوجا ولا امتا (اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا پھر زمین کو ایک ہموار میدان کر دے گا کہ جس میں تو نہ ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی دیکھے گا) اور سورۂ زمر میں فرمایا وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعا قبضتہ یوم القیامۃ والسموٰت مطویت بیمینہ سبحنہ وتعالی عما یشرکون (اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنا چاہیے

تھا حالانکہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں، وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کے شرک سے) اور سورۂ انبیاء میں فرمایا یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ (وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے ہم نے جس طرح شروع میں پیدا کیا اسی طرح لوٹا دیں گے۔

اور سورۂ حاقہ میں فرمایا فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَۃٌ وَّاحِدَۃٌ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُکَّتَا دَکَّۃً وَّاحِدَۃً فَیَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَھِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاھِیَۃٌ پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے پھر دونوں ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس روز بالکل بودا ہوگا۔

اور سورۂ معارج میں فرمایا یَوْمَ تَکُوْنُ السَّمَآءُ کَالْمُھْلِ وَ تَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ (جس دن آسمان تیل کی تچھٹ کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے)

اور سورۂ التکویر میں فرمایا وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ اور جب آسمان کھل جائے گا اور سورۂ الانشقاق میں فرمایا اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّھَا وَحُقَّتْ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِیْھَا وَتَخَلَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّھَا وَحُقَّتْ (جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے، اور زمین کھینچ کر بڑھا دی جائے گی اور اپنے اندر کی چیزیں باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ سفید زمین پر جمع کئے جائیں گے اس کے سفید رنگ میں کچھ میالے رنگ کی ملاوٹ ہوگی (اور) وہ میدے کی روٹی کی طرح ہوگی اس میں کسی قسم کی کوئی نشانی نہ ہوگی۔ (رواہ البخاری) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن زمین ایک روٹی بنی ہوئی ہوگی جبار جل مجدہٗ اسے اپنے دست قدرت سے اس طرح الٹ پلٹ فرمائے گا جس طرح تم اپنی روٹی کو سفر میں الٹ پلٹ کرتے ہو یہ زمین اہل جنت کو کھانے کے لیے ابتدائی مہمانی کے طور پر پیش کی جائے گی (رواہ البخاری) تاکہ وہ زمین کے سارے مزے مجموعی طور پر چکھ لیں اور اس کے بعد جنت کے مزے چکھیں تو لطف دوبالا ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ فرمایا ہے (جس سے آسمان اور زمین کا بدل جانا معلوم ہو رہا ہے) اس کے بارے میں ارشاد فرمایئے کہ اس روز لوگ کہاں ہوں گے آپ نے فرمایا کہ اس روز پل صراط پر ہوں گے۔

یہ متعدد آیات کریمہ اور احادیث شریفہ ہیں ان میں تبدیل صفت کا ذکر ہے البتہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے (جو سب سے آخر میں نقل کی گئی ہے) زمین کی ذات تبدیل ہونے کی طرف اشارہ مل رہا ہے، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے والظاھر من التبدیل تغییر الذات کما یدل علیہ السوال والجواب حیث قالت فاین یکون الناس یومئذ قال علی الصراط (یعنی آسمانوں اور زمینوں کی تبدیلی سے بظاہر ان کی ذات کی تبدیل ہونا مراد ہے جیسے کہ حضرت عائشہ اور حضور ﷺ کے سوال و جواب سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا تو لوگ اس دن کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا

پل صراط پر ہوں گے)۔

صاحب روح المعانیؒ نے ابن الانباریؒ کا قول نقل فرمایا ہے کہ آسمان کی تبدیلی بار بار ہوگی کبھی اس کو پیسا جائے گا اور کبھی تلچھٹ کی طرح اور کبھی وردۃ کالدھان ہو جائے گا۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ زمین کی تبدیلی اس طرح ہوگی کہ وہ سفید زمین ہوگی گویا کہ چاندی سے ڈھالی گئی ہے اس میں کسی کا خون نہ بہایا گیا ہوگا اور اس پر کوئی گناہ نہ کیا گیا ہوگا، پھر بعض حضرات سے یوں نقل کیا گیا ہے کہ اولاً زمین کی صفت بدل دی جائے گی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر اس کی ذات بدل دی جائے گی اور یہ ذات کا بدلنا اس کے بعد ہوگا جب وہ اپنی خبریں بتا چکی ہوگی (جس کا ذکر سورۂ الزلزال میں ہے) اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ولا مانع من ان یکون ھا تبدیلات علی انحاء شتّی۔

اس کے بعد فرمایا وبرزُوْا لِلّٰہِ الْواحدِ الْقھّار (کہ لوگ اللہ واحد قہار کے لیے ظاہر ہو جائیں گے) یعنی قبروں سے نکل کر محشر اور مجتمع ہوں گے، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فیصلے فرمائے، اللہ واحد یعنی تنہا ہے وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور قہار بھی ہے جو ہر چیز پر غالب ہے، جو کچھ چاہے کر سکتا ہے کوئی اس کے فیصلے کو ٹال نہیں سکتا۔

پھر مجرمین کی بدحالی کا تذکرہ فرمایا کہ اے مخاطب تو اس دن مجرمین کو اس حال میں دیکھے گا کہ وہ باہم آپس میں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے یعنی اپنے عقائد کفریہ کے اعتبار سے مختلف قسموں میں بنے ہوئے ہوں گے ایک ایک قسم کے لوگوں کو ملا کر بیڑیوں میں جکڑ دیا جائے گا دنیا میں کفر میں شریک تھے اور ایک دوسرے کے مددگار تھے اب وہاں سزا میں ساتھی ہوں گے صاحب روح المعانیؒ لکھتے ہیں والمراد قرن بعضھم مع بعض وضم کل لمشارکہ فی کفرہ عملہ ان کی مزید بدحالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سرابیلُھُمْ مِّنْ قطران، قطران عرب میں ایک درخت ہوتا تھا جس کا سیال مادہ نکال کر اور پکا کر کھجلی والے اونٹوں کے جسم پر ملتے تھے جس کی تیزی کی وجہ سے کھجلی جل جاتی تھی جیسا کہ بعض علاقوں میں کھجلی سے چھٹکارا پانے کے لیے گندھک کو سیال کر کے مل جاتا ہے۔ یہ قطران جو عرب میں ہوتا تھا آگ کو جلد پکڑتا تھا اور خوب زیادہ تیز ہوتا تھا مطلب یہ ہے کہ مجرمین کے جسموں پر قطران ملا جائے گا جو ان کے جسموں پر کرتے کی طرح ہوگا اسے دوزخ کی آگ بہت جلدی پکڑے گی جیسا کہ دنیا کی آگ دنیا والی قطران کو پکڑتی ہے، مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قطران پگھلے ہوئے تانبے کو کہتے ہیں دوزخیوں کے لباس تانبے کے ہوں گے۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میت پر چیخ و پکار کر رونے والی عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے گی تو قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس پر ایک کرتہ قطران کا ہوگا اور ایک کرتہ کھجلی کا ہوگا (رواہ مسلم) یعنی اس کے جسم پر خارش پیدا کر دی جائے گی اور اوپر سے قطران لپیٹ دیا جائے گا کہ اس سے اور زیادہ سوزش اور جلن ہو۔

وتغشٰی وُجُوْھَھُمُ النَّارُ (اور ان کے چہروں کو آگ نے ڈھانپ رکھا ہوگا) آگ تو سارے ہی جسم کو جلائے گی لیکن چہروں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے فرمایا کہ چہرہ اشرف الاعضاء ہے اور اس میں حواس ظاہرہ مجتمع ہیں اور سورۂ ہمزہ میں فرمایا تطّلعُ علی الْاَفْئدۃِ اس میں دلوں کا خصوصاً ذکر فرمایا کیونکہ قلب حواس باطنہ کا سردار ہے۔

لِیَجْزِیَ اللّٰہُ کُلَّ نفسٍ مَّا کسبتْ یعنی اللہ تعالیٰ مجرمین کے ساتھ مذکورہ معاملہ فرمائے گا تاکہ ہر جان کو اس کے کیے کا بدلہ دے دے اِنَّ اللّٰہ سریعُ الْحِسَابِ (بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے) ایک ساتھ جلدی سب کا حساب لے سکتا ہے ایک کا حساب لے اور

اس میں مشغول ہو جائے اور دوسرا یہ سمجھ کر کہ ابھی تو میرے حساب میں دیر ہے آرام پالے ایسا نہیں ہوگا۔

(از روح المعانی صفحہ ۳۵۸ ج ۳)

آخر میں فرمایا هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ (یہ قرآن لوگوں کو پہنچ جانے والی چیز ہے اس میں نصیحت اور موعظت ہے) وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ تاکہ لوگوں کو اس کے ذریعہ ڈرایا جائے وہ موت کے بعد کے لیے فکرمند ہوں کفر کو چھوڑیں اور ایمان قبول کرلیں وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (اور تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ معبود ہے تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں) وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں) اللہ کی صفت خالقیت اور مالکیت کے بارے میں تدبر کریں شرکیہ عقائد سے باز رہیں امم سابقہ کی بغاوت اور پھر ان کی ہلاکت سامنے رکھیں اور اس سے عبرت حاصل کریں اور یہ جان لیں کہ ہم ان برباد شدہ اقوام کے گھروں میں رہتے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بغاوت کی جس کا انجام ان کے سامنے آگیا غور و فکر کے ذریعہ عبرت حاصل کرنا لازم ہے۔

ولقد تم سورة ابراهيم عليه السلام في الليلة التاسعة والعشرين من شهر شعبان المعظم سنة الف واربع مائة وثلاثة عشر من الهجرة النبوية على صاحبها الصلوٰة والتحية والحمد لله الذي بيده ملكوت كل شيء اولا واخرا.

☆☆☆ ☆☆☆

(پارہ نمبر ۱۴)

مکی	سورۂ حجر	۹۹ آیتیں ۶ رکوع

اٰیاتُہا ۹۹ (۱۵) سُوْرَۃُ الْحِجْرِ مَکِّیَّۃٌ (۵۴) رُکُوْعَاتُہا ۶

سورۂ حجر مکہ میں نازل ہوئی جو ننانوے آیات اور چھ رکوع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ ۟ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ○ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ○

الجزء ۱۴

الٓرٰ یہ آیات ہیں کتاب کی اور قرآن مبین کی، جن لوگوں نے کفر کیا وہ بہت سی مرتبہ یہ آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے،

ذَرْہُمْ یَاْکُلُوْا وَ یَتَمَتَّعُوْا وَ یُلْہِہِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ○ وَ مَآ اَہْلَکْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا

آپ انہیں چھوڑیئے وہ کھالیں اور نفع اٹھالیں اور امید انہیں غفلت میں ڈالے رکھے، سو وہ عنقریب جان لیں گے، اور ہم نے جتنی بھی بستیوں کو ہلاک کیا

وَ لَہَا کِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ○ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّۃٍ اَجَلَہَا وَ مَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ○

ان کے لئے ایک وقت معین لکھا ہوا تھا، کوئی امت اپنی مقررہ اجل سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ وہ وقت پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔

کافر بار بار یہ تمنا کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے

یہاں سے سورۃ الحجر شروع ہو رہی ہے اس کے چھٹے رکوع میں اصحاب حجر کا تذکرہ ہے اس لئے یہ سورت اس نام سے موسوم ہوئی، اس کی ابتداء بھی الٓرٰ ہے جس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اس کے بعد فرمایا کہ یہ کتاب (کامل) کی آیات ہیں اور قرآن مبین کی آیات ہیں، مبین واضح اور خوب زیادہ ظاہر کے معنی میں آتا ہے قرآن مجید کی بعض دیگر آیات میں بھی قرآن مجید کو قرآن مبین فرمایا ہے، چونکہ قرآن اپنے مضامین کو خوب واضح کر کے بیان کرتا ہے اس لئے اسے قرآن مبین فرمایا، صاحب معالم التنزیل اس کا معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں ای بیّن الحلال من الحرام والحق من الباطل یعنی قرآن نے حلال حرام کی تفصیلات خوب واضح کر کے بیان فرمائیں اور حق کو باطل سے جدا کر کے واضح طور پر بیان فرمایا، الکتاب سے بھی قرآن مبین مراد ہے لفظ "الکتاب" میں یہ بتایا کہ یہ لکھی ہوئی چیز ہے اور لفظ قرآن میں یہ بتایا کہ یہ پڑھی جانے والی کتاب ہے آیات الکتاب کا تذکرہ فرمانے کے بعد منکرین کی آرزوؤں کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ بہت سی مرتبہ کافر یہ آرزو کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے، دنیا میں تو مسلمانوں کو بے وقوف بناتے ہیں اور احمق

ہوتے تھے یعنی جب آخرت میں عذاب میں مبتلا ہوں گے اور مسلمانوں کو کامیاب اور بامراد دیکھیں گے تو انہیں بڑا رنج ہوگا کہ ہائے کاش ہم مسلمان ہوتے۔ صاحب معالم التنزیل نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو دوزخ میں انہیں بعض مسلمان بھی نظر آئیں گے وہ ان سے پوچھیں گے کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ کہیں گے ہاں ہم مسلمان تھے اس پر کافر کہیں گے پھر تو تمہیں تمہارے اسلام نے کچھ فائدہ نہ دیا تم تو ہمارے ساتھ دوزخ میں ہو۔ اس پر مسلمان جواب دیں گے کہ ہم لوگوں نے گناہ کئے تھے ان کی وجہ سے ہمارا مواخذہ ہوا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے مسلمانوں کی مغفرت کر دی جائے گی اور حکم ہوگا کہ مسلمانوں میں سے جو بھی کوئی دوزخ میں ہے اسے نکال دیا جائے لہٰذا مسلمانوں کو دوزخ سے نکال دیا جائے گا اور یہ سب کچھ اللہ کی رحمت اور فضل سے ہوگا یہ منظر دیکھ کر کافر یہ آرزو کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ صاحب روح المعانی (ص ۶ ج ۱۴) نے یہ روایت حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی نقل کی ہے اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ مذکورہ بات بیان کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔

پھر فرمایا ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا کہ آپ ان کو چھوڑیئے یعنی ان کی طرف سے رنجیدہ نہ ہوئیے انہیں اسلام قبول نہیں کرنا، وہ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والے نہیں ہیں، یہ دو کام دنیا میں مشغول ہیں، کھانا پینا اور دوسری چیزوں سے متمتع ہونا یہی ان کی زندگی ہے، موت کے بعد کی حالت کی طرف سے غافل ہیں اور بڑی بڑی آرزوؤں میں پھنسے ہوئے ہیں ان آرزوؤں نے انہیں آخرت سے غافل کر رکھا ہے، ان حالات میں جس قدر بھی آگے بڑھیں گے مزید عذاب و عذاب کے مستحق ہوتے چلے جائیں گے اسی کو فرمایا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ کہ یہ لوگ عنقریب جان لیں گے ان کے اعمال اور افعال کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

جو بستیاں ہلاک کی گئیں ان کی ہلاکت کا وقت مقرر تھا

اس کے بعد فرمایا وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ (الآیۃ) (اور ہم نے جتنی بھی بستیوں کو ہلاک کیا ہے ان کے لئے ایک اجل معین ہے جو ہمارے علم میں ہے جس قوم کی ہلاکت کے لئے جو بھی اجل ہم نے مقرر کر رکھی تھی اسی کے مطابق ان کی ہلاکت ہوئی اس مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان فرمایا مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ (کوئی امت اپنی مقررہ اجل سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے ہیں) اس آیت کے جو الفاظ ہیں ان کے عموم نے یہ بتا دیا کہ آئندہ بھی اگر کوئی قوم ہلاک ہو گی تو اس کی ہلاکت کا جو وقت مقرر اور متعین ہے وہ بھی اس وقت سے آگے پیچھے نہ ہو سکے گی۔

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ

اور (بعض) لوگوں نے کہا اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے بیشک تو دیوانہ ہے تو فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لاتا

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ اِنَّا

تو سچوں میں سے ہے، فرشتوں کو ہم نہیں نازل کرتے مگر حق کے ساتھ اور اس وقت لوگوں کو مہلت بھی نہیں دی جاتی، بیشک ہم

نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

نے اتارا ہے قرآن اور بیشک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا محافظ ہے

یہ چار آیات ہیں ان میں سے پہلی آیت میں منکرین رسالت کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ اے وہ شخص جس پر ذکر یعنی قرآن نازل کیا گیا ہے ہمیں تیرے دیوانہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ان کا اصل مقصود دیوانہ بتانا تھا آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی بتانے کی بجائے جو انہوں نے اَلَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ (جس پر ذکر نازل کیا گیا) کہا ان کا یہ کہنا بطور تمسخر کے تھا کیونکہ وہ اس بات کو مانتے ہی نہیں تھے کہ اللہ کی طرف سے آپ پر وحی آتی ہے، دوسری آیت میں منکرین اور معاندین کی کٹ حجتی بیان فرمائی ہے اور تیسری آیت میں ان کی کٹ حجتی کا جواب دیا ہے ان لوگوں نے کٹ حجتی کے طور پر یوں کہا کہ اگر تم اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو لے آؤ، تم فرشتے کیوں نہیں لاتے جو اس بات کی گواہی دیں کہ تم اللہ کے رسول ہو، اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ ہم فرشتوں کو فیصلے کے ساتھ ہی بھیجتے ہیں یعنی جب لوگوں کی درخواست پر فرشتے آجائیں تو ان کا آنا فیصلہ ہی کے لئے ہوتا ہے فرشتوں کے آنے پر بھی لوگ ایمان نہیں لاتے تو لازمی طور پر عذاب آجاتا ہے اور اس وقت منکرین کو مہلت بھی نہیں دی جاتی، قرآن مجید کے مخاطب جو یوں کہہ رہے ہیں کہ فرشتے نازل ہو کر آپ کی رسالت کی گواہی دے دیں ان کی اس بات کا یہ مطلب بنتا ہے کہ ان کی ہلاکت جلدی ہو جائے کیونکہ انہیں فرشتوں کی آمد پر بھی ماننا نہیں ہے۔

چوتھی آیت میں قرآن مجید کی حفاظت کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا اور بلاشبہ ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں)۔ منکرین رسالت محمدیہ (علی صاحبها الصلوة والتحية) جو منکرین قرآن بھی تھے انہوں نے بطور تمسخر انکار کیا اللہ جل شانہٗ نے ان کی تردید فرمائی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ اور فرمایا کہ ہم نے قرآن نازل کیا تمہارے نہ ماننے سے حقیقت واقعہ نہیں بدلے گی، منکرین یہ بھی کہتے تھے کہ اس کو یہ اللہ کی کتاب بتاتے ہیں اگر یہ اللہ کی طرف سے ہی ہے تب بھی چند دن کی بات ہے نہ جانے یہ کتنے دن زندہ رہتے ہیں اور کتنے دن ان کی دعوت کا کام چلتا ہے، اور یہ جو کتاب ان کے دعوے کے مطابق ان پر نازل ہو رہی ہے نہ جانے محفوظ بھی رہے گی یا نہیں، اور اس کے پڑھنے والے اور اس کو یاد رکھنے والے آگے بڑھیں گے یا نہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ بلاشبہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خود قرآن مجید کی حفاظت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس کی حفاظت کا ذمہ دار انسانوں کو نہیں بنایا جیسا کہ توریت شریف کی حفاظت ان کے علماء اور مشائخ کے ذمے ڈالی گئی تھی سورۂ مائدہ میں جو بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ فرمایا ہے اس میں ان کی اسی ذمہ داری کو بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید ہر طرح کی تغییر اور تبدیل اور تحریف اور کمی بیشی سے محفوظ ہے، اس کی تمام قراءات اور روایات کے جاننے والے پڑھنے پڑھانے والے اور حفظ کرنے والے ہمیشہ سے موجود ہیں اور جب تک اللہ کی مشیت ہوگی ہمیشہ موجود رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو قرآن شریف چھوڑا تھا وہ آج تک مسلمانوں کے پاس اسی طرح محفوظ ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی نہ کوئی شخص کر سکتا ہے اگر کوئی شخص غلط پڑھے گا یا غلط چھاپ دے گا تو فوراً پکڑا جائے گا۔ ایک ۸ سال کا قاری یا حافظ کسی جگہ اگر غلطی کر دے تو نو سال کا بچہ جس نے قرآن حفظ کر رکھا ہو اسی وقت ٹوک دے گا سینکڑوں سال پہلے کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے دیکھو جو مسلسل یکے بعد دیگرے لکھے گئے ہیں وہ سب ابتداء سے انتہا تک الفاظ اور حروف اور کلمات اور ترتیب آیات کے اعتبار سے بالکل پوری طرح متفق ہیں کوئی فرق نہیں اور کوئی اختلاف نہیں اس کو دوست اور دشمن سب مانتے ہیں۔ بعض جاہل اختلاف قراءات کو بہانہ بنا کر اعتراض کرتے ہیں لیکن ان کا یہ اعتراض ساقط ہے کیونکہ یہ قراءات بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور یہ قراءات ہمیشہ سے محفوظ ہیں اور موجود ہیں، اگر کوئی شخص بعض

آیت کے منسوخ ہونے پر اشکال کرے تو اس کا یہ اشکال بے وزن ہے اور غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نسخ نہیں ہوا یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے شیاطین سے بھی محفوظ ہے ملحدین سے بھی منکرین سے بھی مجرمین سے بھی، لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے)

روافض قرآن کی تحریف کے قائل ہیں، اللہ کے وعدۂ حفاظت پر ان کا ایمان نہیں

قرآن مجید کئی اعتبار سے معجزہ ہے، وجوہ اعجاز میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تغییر اور تحریف اور کمی بیشی سے محفوظ ہے چونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت قیامت تک کے لئے ہے اس لئے کسی ایسے معجزہ کی ضرورت تھی جو آخری زمانہ تک موجود رہے، یہ معجزہ قرآن مجید ہے جو ہمیشہ کے لئے باقی ہے حق کا اعلان کرنے والا ہے، توحید کی دعوت دینے والا ہے اور اس کا یہ چیلنج ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے کہ میری جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ آج تک نہ کوئی لا سکا اور نہ کوئی لا سکے گا۔ بعض فرقے جو اسلام کے مدعی ہیں یعنی روافض وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے یہ لوگ آیت بالا کے منکر ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے ان لوگوں پر لازم ہے کہ جب قرآن موجود میں تحریف کا دعویٰ کرتے ہیں تو کسی بھی سورت کے مقابلہ میں کوئی سورت بنا کر لے آئیں، اگر نہیں لا سکتے تو قرآن کا وہی اعلان سن لیں جو سورۂ بقرہ میں مذکور فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (سو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہے وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے)۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے گزشتہ لوگوں کے گروہوں میں پیغمبر بھیجے اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو،

كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا

ہم اس طرح اس استہزاء کو مجرمین کے دلوں میں چلاتے ہیں، یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے، اور اگر ہم ان پر

عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ

آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ لوگ دن کے وقت اس میں چڑھ جائیں تب بھی یوں کہیں گے کہ بس بات یہ ہے کہ ہماری آنکھوں کی نظر بندی کر دی گئی ہے،

نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ۝ ع

بلکہ ہم ایسے لوگ ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔

سابقہ امتوں نے بھی اپنے رسولوں کا استہزاء کیا معاندین اگر آسمان پر چڑھ جائیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشرکین مکہ استہزاء اور تمسخر کا معاملہ کرتے تھے آپ کو اس سے تکلیف ہوتی تھی اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے جو رسول آئے ان کی قوموں نے ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا رسولوں کی تکذیب بھی کی اور

انکا تمسخر بھی کیا جو حال ان لوگوں کا تھا وہی ان لوگوں کا حال ہے جیسے ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں تکذیب داخل کی اسی طرح ان مجرمین یعنی کفار مکہ کے قلوب میں بھی داخل کر دی، یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت رہی ہے کہ لوگوں نے اپنے اپنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی پھر انہیں عذاب میں مبتلا فرمایا یہ لوگ بھی تکذیب کر رہے ہیں اور مستحق عذاب ہو رہے ہیں۔

مزید فرمایا کہ ان لوگوں کو ماننا ہی نہیں ہے (قرآن کا معجزہ سامنے ہے دوسرے معجزے بھی دیکھتے رہتے ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے) فرشتوں کے آنے کی فرمائش کر رہے ہیں اگر فرشتے آجائیں تب بھی انہیں ماننا نہیں ہے، یہ لوگ عناد پر تلے ہوئے ہیں ان کی ضد کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اس دروازے میں چڑھ جائیں (جبکہ اونگھ یا نیند کا وقت بھی نہیں ہوتا) تب بھی یہ نہ مانیں گے بلکہ آسمان کا دروازہ کھلنے اور آسمان پر خود سے چڑھنے کے باوجود (وہ بھی دن دہاڑے) یوں کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے جس کی وجہ سے ہم اپنے کو آسمان پر چڑھتا ہوا دیکھ رہے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے اس جادو کی وجہ سے یہ سب کچھ ہمیں نظر آرہا ہے اور حقیقت میں کچھ نہیں ہے، جب کسی قوم کا یہ حال ہو کہ کھلے آنکھوں معجزات دیکھے اور انہیں جادو بتادے اس قوم سے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہئے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝

اور بے شک ہم نے آسمان میں ستارے پیدا کئے اور اسے دیکھنے والوں کے لئے زینت والا بنایا اور ہر شیطان مردود سے ہم نے اسے محفوظ کر دیا

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

سوائے اس کے جو چوری سے سن لے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے، اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور ہم نے اس میں بھاری بھاری پہاڑ

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ

ڈال دیئے اور ہم نے اس میں ایک معین مقدار سے ہر قسم کی چیز اگائی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں زندگی کے سامان پیدا کر دیئے، اور جنہیں تم رزق دینے والے نہیں ہو

لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۡ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝

انہیں بھی ہم نے رزق دیا اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اس کو صرف مقدار معلوم ہی کے بقدر نازل کرتے ہیں،

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝

اور ہم نے ہواؤں کو بھیجا، یا جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے تمہیں وہ پانی پلایا تم اتنا پانی جمع کرنے والے نہیں ہو

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ

اور بلاشبہ ہم زندہ کرتے ہیں اور موت دیتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں، اور بلاشبہ ہمیں معلوم ہیں جو تم سے پہلے تھے اور بلاشبہ ہمیں وہ لوگ

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ ع ۲

معلوم ہیں جو تمہارے بعد آنے والے ہیں، اور بلاشبہ آپ کا رب ان سب کو جمع فرمائے گا، بے شک وہ حکیم ہے علیم ہے۔

ستارے آسمان کے لئے زینت ہیں اور ان کے ذریعہ شیاطین کو مارا جاتا ہے

اللہ جل شانہٗ نے ان آیات میں آیات تکوینیہ بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے آسمان میں برج یعنی ستارے بنائے اور آسمان کو زینت والا پر رونق بنا دیا، رات کو جب دیکھنے والے آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو ستاروں کی جگمگاہٹ سے نہایت عمدہ پُر رونق منظر نظر آتا ہے، سورۂ ملک میں فرمایا وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ (اور ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے شیاطین کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کیا ہے)

ستاروں کو مصابیح یعنی چراغوں سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا ہے، مزید توضیح کے لئے سورۂ صافات کی آیات ذیل اور ان کا ترجمہ پڑھئے اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (بلاشبہ ہم نے آسمانوں کو آراستہ کر دیا ایک زینت کے ساتھ جو ستاروں کی زینت ہے اور ہم نے محفوظ کر دیا ہر سرکش شیطان سے، شیاطین عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ہر جانب سے ان کو مار کر دھکے دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے ہمیشگی والا عذاب ہے، سوائے اس شیطان کے جو کوئی بات اُچک لے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ جاتا ہے)

سورہ حجر اور سورۂ صافات اور سورۂ ملک کی مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ آسمان میں جو ستارے ہیں ان سے آسمان کی زینت بھی ہے اور شیاطین سے حفاظت بھی ہے، اور سورۂ نحل میں فرمایا ہے وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (اور ستارہ کے ذریعہ وہ لوگ راہ پاتے ہیں) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین باتوں کے لئے پیدا فرمایا۔ اول تو انہیں آسمان کی زینت بنایا دوم شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا سوم ان کو علامات بنایا جن کے ذریعہ راہ یاب ہوتے ہیں (یعنی راتوں کو سفر کرنے والے ان کے ذریعہ اپنے سفر کے رخ کا پتہ چلا لیتے ہیں) سو جس شخص نے ان تین باتوں کے علاوہ کوئی اور بات کہی اس نے خطا کی اور اپنا نصیب ضائع کیا اور جس بات کو نہیں جانتا خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑا حضرت قتادہ نے منجمین کی تردید کی وہ اپنی عمر بھی ضائع کرتے ہیں اور وہ بات کرتے ہیں جس کا انہیں علم نہیں اور ان لوگوں کو بھی تنبیہ فرمادی جو ان کی بات مانتے ہیں اور ان کے پیچھے پھرتے ہیں۔

بُروج سے کیا مراد ہے؟ ہم نے بُروج کا ترجمہ ستارے کیا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ سورۂ ملک میں ستاروں ہی کو زینت بتایا ہے اور ستاروں ہی کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بتایا ہے معلوم ہوا جو چیز آسمان کی زینت ہے وہی شیاطین کے مارنے کا سبب ہے۔ بعض مفسرین نے جو بُروج کا ترجمہ بُروج ہی کیا ہے اور اس سے آسمان کے وہ بارہ بُرج مراد لئے ہیں جنہیں ہیئت والے بیان کرتے ہیں ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے یہ بارہ بُرج فرضی ہیں ان کے نام فلاسفہ نے خود رکھ لئے ہیں اور خود ہی تجویز کر لئے ہیں یہ بُرج شیاطین کو نہیں مارتے پھر آیت کریمہ میں ان سے بُروج فلاسفہ کیسے مراد لئے جا سکتے ہیں۔

تفسیر جلالین نے یہاں سورۂ حجر میں اور سورۂ فرقان میں بُروج سے وہی فلاسفہ والے بارہ بُرج مراد لئے ہیں اور ان کے نام بھی لکھے ہیں اور صاحب معالم التنزیلؒ نے اولاً تو یوں لکھا ہے کہ والبروج هی النجوم الكبار پھر وہی فلاسفہ والے بارہ برج اور ان کے نام ذکر کر دیئے ہیں صاحب کماہین نے مفسر جلال الدین سیوطی کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے ولا يليق بمثل المصنف ان يذكر تلك الامور المبتنى على الامور الوهمية فى التفسير مع انه انكر فى كثير من المواضع فى حاشية الانوار علم الهيئة

فضلا عن الحوم لكنه اقتفى الشيخ المحلى حيث ذكر هاهنا سورة الفرقان كذلك سورۂ حجر کی آیت بالا میں فرمایا کہ ہم نے آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ کر دیا جو کوئی شیطان چوری سے کوئی بات سننے لگے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ لگ جاتا ہے، سورۂ صافات میں اس کو اور زیادہ واضح کر کے بیان فرمایا کہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے وہاں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہر جانب سے ان کو مار دیا جاتا ہے اور دور بھگا دیا جاتا ہے، یہ ان کا دنیا میں حال ہے اور آخرت میں ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ ہاں اگر کوئی شیطان اوپر پہنچ کر چوری کے طور پر جلدی سے کوئی کلمہ لے بھاگے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ لگ جاتا ہے، بات کے چرانے والے شیطان کو مارنے کے لئے جو چیز پیچھے لگتی ہے اسے سورۂ حجر میں شہاب" مبین" سے اور سورہ صافات میں شہاب ثاقب سے تعبیر فرمایا۔ شہاب انگارہ کو اور شعلہ کو کہتے ہے اس شعلے اور انگارے کی کیا حقیقت ہے اس کے سمجھنے کے لئے سورۂ ملک کی آیت کو بھی سامنے رکھ لیں، سورۂ ملک میں ستاروں کو چراغ بتایا اور آسمان کی زینت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ستارے شیاطین کے مارنے کے لئے ہیں دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ بدون اس سبب کے شہاب پیدا نہیں ہوتا بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ استراق کے وقت شہاب سے شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے پس ممکن ہے کہ شہاب کبھی محض طبعی طور پر ہوتا ہو اور کبھی اس غرض کے لئے ہوتا ہو اور اس میں کوکب (ستارہ) کو یہ دخل ہو کہ نحوست کوکب (ستارہ کی گرمی) سے خود مادہ شیاطین میں یا مادہ بخارات میں بوسطہ فعل ملائکہ کے نار پیدا ہو جاتی ہو جس سے شیاطین کو بداست یا فساد عقل کا صدمہ پہنچتا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کاہن جو طور پیشین گوئی کچھ بتا دیتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں ہیں، عرض کیا یا رسول اللہ! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاہن جو بات بیان کرتا ہے ٹھیک نکل جاتی ہے، آپ نے فرمایا وہ ایک صحیح بات ہوتی ہے جسے جن اچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کڑکڑ کرتی ہے پھر وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۳ از بخاری و مسلم) اس سلسلہ میں مزید توضیح اور تشریح کے لئے سورۂ جن کے پہلے رکوع کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔

زمین کا پھیلاؤ اور اس کے پہاڑ اور درخت معرفت اللہ کی نشانیاں ہیں

آسمان کے بروج اور آسمان کی زینت اور شیاطین سے اس کی حفاظت کا ذکر فرمانے کے بعد زمین کے پھیلانے کا اور اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دینے کا تذکرہ فرمایا، زمین بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہے زمین پر لوگ بستے ہیں اور آسمان کی طرف بار بار دیکھتے ہیں دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ پر دلالت کرتے ہیں سورہ لقمان میں فرمایا ہے وَالْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (اور اللہ نے زمین میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے تاکہ وہ تمہیں لے کر حرکت نہ کرنے لگے)۔

تفسیر روح المعانی (ص ۲۹ ج ۱۴) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر پھیلا دیا تو وہ کشتی کی طرح ڈگمگانے لگی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس میں بھاری پہاڑ پیدا فرما دیئے تاکہ وہ حرکت نہ کرے ان پہاڑوں کے بارے میں سورۂ نبا میں فرمایا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا (کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا) یہ استفہام تقریری ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے پہاڑوں کو زمین کی میخیں یعنی کیلیں بنا دیا یعنی پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا جس سے وہ ٹھہر گئی لیکن یہ ایک سبب ظاہری کے طور پر ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو پہاڑ بھی پھٹ جاتے ہیں اور زمین بھی دہل جاتی ہے اور پہاڑ اور زمین دونوں حرکت

کرنے لگتے ہیں پھر فرمایا وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ (اور ہم نے زمین میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اگائی) موزون کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ای مقدر بمقدار معین تقتضیه الحکمة فهو مجاز مستعمل فی لازم معناه۔

اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسانوں کی زندگی کے سامان پیدا فرمائے

پھر فرمایا وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ (اور ہم نے زمین میں تمہارے لئے زندگی کے سامان پیدا کر دیئے) یعنی کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں پیدا کر دیں یہ چیزیں تمہاری بقاء اور معیشت اور زندگی کا سبب ہیں وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ (اور ہم نے تمہارے لئے وہ چیزیں پیدا کیں جنہیں تم رزق دینے والے نہیں ہو) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ معایش پر معطوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے لئے معیشت کی چیزیں پیدا فرمائیں جنہیں تم استعمال کرتے ہو اور جن سے تم خدمت لیتے ہو ان کو بھی پیدا فرمایا یعنی اہل و عیال اور باندی غلام نوکر چاکر اور چوپائے وغیرہ پیدا فرمائے تم ان چیزوں سے کام لیتے ہو اور رزق اللہ تعالیٰ دیتا ہے وہ تمہارا بھی رازق ہے اور ان چیزوں کا بھی رازق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں۔ پھر فرمایا وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ (اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں) وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (اور ہم اس کو صرف بقدر معلوم ہی نازل کرتے ہیں) اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے جو کچھ پیدا ہوتا ہے اس کی مشیت سے پیدا ہوتا رہتا ہے اس کی حکمت کے مطابق ہے، اس کی قدرت غیر متناہی ہے مخلوق کو رزق دینے اور کھلانے پلانے کے لئے اسے میزانیہ بنانے کی ضرورت نہیں اس کے قبضۂ قدرت میں بے انتہا خزانے ہیں جب چاہے جتنا چاہے صرف ایک کلمہ کُن سے پیدا فرما سکتا ہے۔

ہوائیں بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔ پھر فرمایا وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ (اور ہم نے ہواؤں کو بھیجا جو بادل کو پانی سے بھرنے والی ہیں) فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (پھر ہم نے آسمان سے پانی اتارا) فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ (پھر ہم نے وہ پانی تمہیں پلا دیا) اس میں بارش برسانے کا انعام بتایا ہے، ہوائیں چلتی ہیں پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو لے آتی ہیں پھر جہاں اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے وہاں بادل پانی برسا دیتا ہے اس سے انسان مویشی باغ اور کھیت سیراب ہوتے ہیں وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ (اور تم اس پانی کو جمع کرنے والے نہیں ہو) تمہیں کوئی قدرت نہیں کہ پانی کو پیدا کر دیا ہواؤں سے کام لو یا بادل پر قابو کرو۔ پانی پیدا فرمانا ہواؤں کے ذریعے بادلوں کو بھیجنا پھر بادلوں کا برسانا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت اور حکمت سے ہے اس نے اپنے خزانوں میں سے پانی بھیجا اور بار بار بھیجتا ہے اور اس کے برسائے ہوئے پانی میں سے اگر جمع کر لو تو بقدر ضرورت جمع نہیں کر سکتے اگر جمع کر بھی لیا تو وہ تھوڑے ہی دن چلے گا پھر اسی سے مانگو گے اور دعاؤں کے لئے ہاتھ پھیلاؤ گے۔

اللہ ہی وارث ہے۔ پھر فرمایا وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ (اور بلاشبہ ہم زندہ کرتے ہیں اور موت دیتے ہیں) وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ (اور ہم باقی رہنے والے ہیں) ساری مخلوق ختم ہو جائے گی سب مر جائیں گے اللہ تعالیٰ ہی کی ذات باقی رہے گی صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ وارث کا جو ترجمہ باقی کیا گیا یہ حضرت سفیان وغیرہ سے مروی ہے اور دعا میں جو واجعله الوارث منا وارد ہوا ہے اس میں بھی وارث باقی کے معنی میں ہے۔ سورۂ مریم میں فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ (بلاشبہ زمین اور جو کچھ زمین پر ہے ہم اس کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے) جتنے بھی مجازی مالک ہیں سب ختم ہو جائیں گے اور مالک حقیقی ہی باقی رہے گا۔ سورۂ مؤمن میں فرمایا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج کس کے لئے ملک ہے؟ اللہ ہی

کے لئے ہے جو تنہا ہے، غالب ہے)

مستقدمین اور متاخرین کی تفسیر پھر فرمایا وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ (اور بلاشبہ ہمیں وہ لوگ معلوم ہیں جو تم سے پہلے تھے اور بلاشبہ ہمیں وہ لوگ معلوم ہیں جو تمہارے بعد آنے والے ہیں) اس آیت میں لفظ المستقدمین اور المستاخرین وارد ہوا ہے۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۴۸ ج ۳) نے اس کی تفسیر میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مستقدمین سے اموات اور متاخرین سے احیاء یعنی زندہ لوگ مراد ہیں۔ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ مستقدمین سے قرون اولیٰ اور متاخرین سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ مراد ہے، حضرت حسن نے فرمایا کہ مستقدمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اطاعت اور خیر میں آگے بڑھنے والے ہیں اور متاخرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اطاعت اور خیر میں دیر لگانے والے ہیں، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ نماز میں اگلی صفوں میں جگہ لینے والے مستقدمین ہیں اور اگلی صفوں سے پیچھے رہ جانے والے متاخرین ہیں، آیت کا عموم ان تمام معانی کو شامل ہے، زمانہ کے اعتبار سے اگلے پچھلے اور اعمال خیر کے اعتبار سے اعمال میں آگے بڑھنے والے اور پیچھے رہ جانے والے اللہ تعالیٰ ان سب کا علم ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے علم کے موافق جزا دے گا۔

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (اور بلاشبہ آپ کا رب ان سب کو جمع فرمائے گا بے شک وہ حکیم ہے علیم ہے) تمام اولین و آخرین اپنے اپنے اعمال لے کر میدان حشر میں حاضر ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا علم سب کو محیط ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص دوبارہ زندہ ہونے سے رہ جائے یا بچ کر نکل جائے، حشر میں جو دیر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق ہے اور جب حشر ہوگا اس وقت سب اس کے علم میں ہوں گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ

اور بلاشبہ ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے بنی تھی، اور ہم نے جن کو اس سے پہلے آگ سے پیدا کیا جو ایک

السَّمُوْمِ ۝ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝

گرم ہوا تھی، اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بلاشبہ میں بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے ہوگی،

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝

سو جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا سو تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝

مگر ابلیس نے نہیں کیا، اس نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے اس بات پر کس نے آمادہ کیا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ

ہوا؟ ابلیس نے کہا میں ایسے بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں ہوں جسے آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے بنی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو تو اس سے نکل جا

رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝

کیونکہ تو مردود ہے اور قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت رہے گی، ابلیس نے کہا کہ اے رب! سو آپ مجھے اس دن تک کی مہلت دے دیجئے جس دن تک وگ اٹھائے جائیں گے۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو بلاشبہ تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی۔ شیطان نے کہا کہ اے رب! اس سبب سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ان کے

لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ

لئے زمین میں ضرور ضرور مزین کروں گا اور ضرور ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے آپ کے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سیدھا

عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝

رستہ ہے جو مجھ تک پہنچنے والا ہے بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا بس نہ چلے گا سوائے گمراہوں کے جو تیرا اتباع کریں گے۔

ع ۲ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝

اور بلاشبہ سب سے جہنم کا وعدہ ہے اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لئے ان میں سے ایک ایک حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے۔

انسان اور جنات کی تخلیق، ابلیس کو سجدہ کرنے کا حکم اور اس کی نافرمانی اور ملعونیت، بنی آدم کو ورغلانے کے لئے اس کا قسم کھانا اور لمبی عمر کی درخواست کرنا، مخلصین کے بہکانے سے عاجزی کا اقرار، ابلیس کا اتباع کرنے والوں کے لئے داخلۂ دوزخ کا اعلان

ان آیات میں انسان اور جنات کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک بشر کو پیدا فرمانے والا ہوں جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا، چنانچہ جب اس بشر کی تخلیق ہوگئی اور روح پھونک دی گئی جس کے پیدا فرمانے کا پہلے سے اعلان فرما دیا تھا تو تمام فرشتے اس بشر کو سجدہ کرنے کے لئے گر پڑے یہ نئی مخلوق جسے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تھا یہاں اسے انسان اور بشر فرمایا ہے اور سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف اور سورۂ بنی اسرائیل وغیرہ میں اس کا نام لیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان تھے ان کی ساری اولاد دینی نوع انسان ہے یہ لفظ اُنس سے لیا گیا ہے چونکہ بنی آدم کو اُنس کی ضرورت ہے تنہائی ناگوار ہے ایک دوسرے کے ساتھ مل جُل کر رہتے اور مانوس ہوتے ہیں اس لئے انسان کا نام انسان ہی رکھا گیا انسان جنس کے لئے بولا جاتا ہے تمام بنی آدم مرد و عورت انسان ہیں، بنی آدم کے لئے دوسرا لفظ بشر استعمال فرمایا ہے انسان کے سر پر تو اچھی طرح بال ہوتے ہیں لیکن اس کا باقی بشرہ یعنی کھال کا ظاہر حصہ بالوں سے اس طرح بھرا ہوا نہیں ہوتا جیسے چوپاؤں کے جسم پر بڑے بڑے بال ہوتے ہیں اور کھال ان بالوں میں چھپی رہتی ہے اس بے بال والے جسم کی مناسبت سے انسان کو بشر کہا جاتا ہے۔

صَلصال اور حمامسنون کا مصداق۔ انسانی تخلیق کا ذکر فرماتے ہوئے سورۂ مؤمن میں فرمایا کہ تراب (مٹی) سے پیدا

فرمایا اور سورۂ ص میں فرمایا کہ طین (کیچڑ) سے پیدا فرمایا اور یہاں سورۂ حجر میں فرمایا کہ صلصال بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور ساتھ ہی مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ بھی فرمایا حما کالے رنگ کی کیچڑ اور مسنون سڑی ہوئی چیز جس میں پڑے پڑے تغیر آ گیا ہو اور بدبو پیدا ہو گئی ہو اور سورۂ رحمٰن میں فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (اللہ نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا) پانی ملانے سے پہلے یہ تراب تھی پانی ملا دیا گیا تو کیچڑ ہو گئی یہ کیچڑ ایک زمانہ تک پڑی رہی تو سڑ گئی اور کالی ہو گئی پھر اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا وہ پتلا سوکھ گیا تو وہ ٹھیکرہ کی طرح بجنے والی چیز بن گیا روح پھونکنے سے پہلے جو مختلف احوال وادوار گزرے ان کو آیات قرآنیہ میں بیان فرمایا ہے کوئی ایک حالت دوسری حالت کے معارض نہیں ہے جنات کی تخلیق کے بارے میں فرمایا وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (اور ہم نے جن کو اس سے پہلے آگ سے پیدا کیا جو ایک گرم ہوا تھی) اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ جنات کی تخلیق انسان سے پہلے ہوئی آیت کریمہ میں لفظ الجان فرمایا ہے اس سے جنس جنات کا باپ مراد ہے جو سب سے پہلے پیدا ہوا حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں اور الجان ابوالجن ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے ابلیس مراد ہے وہ تمام جنات کا باپ ہے لیکن یہ بات کسی سند سے منقول نہیں ہے۔ احکام المرجان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جنات کا باپ (جو سب سے پہلے پیدا کیا گیا) اس کا نام سوی تھا پھر اسی سے جنات کی نسل چلی، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے جنات زمین میں رہتے تھے اور ان کی پیدائش سے پہلے جنات کی آبادی کو زمین میں دو ہزار سال گزر چکے تھے (اور ایک قول یہ ہے کہ چالیس سال گزرے تھے) یہ زمین میں فساد کرتے تھے خون بہاتے تھے حتی کہ انہوں نے یوسف کو قتل کر دیا جو ان کا بادشاہ تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کا پیغمبر تھا۔

فرشتوں نے جب اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان سنا کہ زمین میں ایک خلیفہ پیدا فرمانے والا ہوں تو وہ جنات پر قیاس کر کے بول اُٹھے کیا آپ ایسی مخلوق کو پیدا فرمائیں گے جو دنیا میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے جس کا تذکرہ سورۂ بقرہ کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے۔ لفظ جان اور جن کا مادہ جنن ہے جو مضاعف ہے آخر میں دونوں ہیں یہ مادہ چھپانے اور پوشیدہ کرنے پر دلالت کرتا ہے چونکہ جنات انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہتے ہیں اس لئے انہیں جنات کہا جاتا ہے۔

یہاں سورۂ حجر میں جنات کی پیدائش نار سموم سے بتائی ہے اور سورۂ رحمٰن میں وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ فرمایا ہے مارج وہ آگ جس میں دھواں نہ ہو، دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ جنات کی تخلیق ایسی آگ سے ہے جو گرم ہوا کی طرح سے تھی دھوئیں کے اجزاء شامل نہ ہونے کی وجہ سے نظر نہ آتی تھی۔ لفظ سموم سم سے لیا گیا ہے سم عربی میں زہر کو کہتے ہیں۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ الریح الحارۃ التی تقتل یعنی وہ گرم ہوا جو قتل کر دیتی ہے، پھر لکھا ہے وسمیت سموما لانها بلطفها تنفذ فی مسام البدن ومه السم القاتل (یعنی اس کا نام سموم اس لئے رکھا گیا ہے کہ اپنی لطافت کی وجہ سے بدن کے مسامات میں نفوذ کر لیتی ہے اور زہر کو اسی لئے قاتل کہا جاتا ہے) اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والمراد من النار المفرطة الحرارة (یعنی نار سموم سے وہ آگ مراد ہے جو بہت زیادہ گرم ہو) چونکہ ابلیس جن کی جنس سے ہے جیسا کہ سورۂ کہف میں كَانَ مِنَ الْجِنِّ فرمایا ہے اس لئے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور یوں کہا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (آپ نے مجھے آگ سے اور اس کو کیچڑ سے پیدا کیا) اپنے خیال میں اس نے اپنے کو برتر سمجھا اور اپنے مادۂ تخلیق یعنی آگ کو افضل اور حضرت آدم علیہ السلام کے مادۂ تخلیق یعنی مٹی کو کمتر سمجھا یہ اس کی بہت بڑی غلطی تھی۔ مادۂ نار میں فساد ہے اور مادۂ تراب میں تعمیر ہے اس لئے آگ مٹی سے افضل نہیں ہو سکتی۔

ابلیس کا سجدہ کرنے سے انکاری ہونا انسان اور جن کی تخلیق کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے تخلیق آدم سے پہلے ہی فرشتوں سے فرمادیا تھا کہ میں ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں جو بجتی ہوئی کالی سڑی ہوئی مٹی سے بنایا جائے گا اور اس میں روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ ریز ہو جانا یعنی اسے تعظیمی سجدہ کرنا چنانچہ سب فرشتوں نے حکم ماننا فرماں برداری کا مظاہرہ کیا اور سب نے بیک وقت مجتمع ہو کر آدم علیہ السلام کو سجدہ کر دیا یہ سجدہ تعظیمی تھا سجدۂ عبادت نہیں تھا عبادت تو غیر اللہ کے لئے کبھی بھی جائز نہیں تھی البتہ سجدہ تعظیمی بعض شرائع سابقہ میں جائز رہا جبکہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں سجدہ تعظیمی بھی منسوخ کر دیا گیا، اب سجدہ تعظیمی غیر اللہ کے لئے حرام ہے۔

تمام فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا وہ تھا تو جنات میں سے لیکن فرشتوں کے ساتھ عالم بالا میں رہتا تھا اس کو بھی سجدہ کا حکم دیا گیا جیسا کہ سورۂ اعراف میں اس کی تصریح ہے، ابلیس نے کہا کہ میں اس کو سجدہ نہیں کرتا اللہ جل شانہٗ نے فرمایا **مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ** اس کا کیا باعث ہے کہ تو اس کو سجدہ نہ کرے جبکہ میں نے تجھے حکم دیا اس پر اس نے تکبر کے ساتھ جواب دیا اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی جو حکم عدولی کی تھی اسے صحیح ثابت کرنے کے لیے کہنے لگا **اَلَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ** (میں ایسا نہیں ہوں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جسے آپ نے کالی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا) سورۂ کہف میں ہے کہ ابلیس نے یوں کہا۔ **ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا** (کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے آپ نے مٹی سے بنایا ہے؟) ابلیس نے اول تو نافرمانی کی پھر اوپر سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو حکمت کے خلاف بتایا اور جس مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تھا اسے اس نے اپنے سے کم تر ظاہر کیا یہ سب تکبر کی وجہ سے ہوا، ابلیس کو تکبر کھا گیا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تو یہاں سے یعنی آسمان سے نکل جا قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت ہے (جو شخص قیامت کا صور پھونکنے تک ملعون ہو گیا اس کے بعد بھی ملعون ہی رہے گا کیونکہ کفر پر مرنا ابدالآباد لعنت میں رہنے کا سبب ہے)

ابلیس کی ملعونیت۔ ابلیس نے اب بھی توبہ نہ کی ہمیشہ کے لئے ملعون ہونا منظور کر لیا لیکن یوں نہ کہا کہ مجھے معاف کر دیا جائے اب سجدہ کر لیتا ہوں، اس وقت سے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت کو بہکانے، ورغلانے گمراہ کرنے کی ٹھان لی، جس کا مقصد یہ تھا کہ جس کی وجہ سے ملعون ہوا ہوں اس سے بدلہ لیا جائے لیکن اس بات کو ظاہر کرنے سے پہلے اس نے اللہ جل شانہٗ سے قیامت کے دن تک زندہ رہنے کی مہلت مانگی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کو مہلت دیدی اور فرمایا **فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ** (بے شک تو ان لوگوں میں سے ہے جنہیں وقت معلوم تک مہلت دی گئی) صاحب روح المعانی **الوقت المعلوم** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے قیامت کے دن کا نفخۂ اولیٰ یعنی پہلی بار صور کا پھونکا جانا مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی مروی ہے اور جمہور نے یہی فرمایا ہے قیامت کے آنے کا وقت اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی کو معلوم ہے اس لئے اسے **الوقت المعلوم** سے تعبیر فرمایا۔

روح المعانی میں کعب بن احبارؒ سے نقل کیا ہے کہ **نفخۂ اولیٰ** کے بعد حضرت ملک الموت سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کا خطاب ہوگا کہ ابلیس کی روح قبض کر لو ابلیس حضرت ملک الموت علیہ السلام کو دیکھ کر مشرق کی طرف بھاگے گا پھر مغرب کی طرف، ہر طرف ملک الموت سامنے نظر آئیں گے پھر سمندروں میں گھسنا چاہے گا سمندر بھی قبول نہ کریں گے، اسی طرح زمین میں بھی بھاگا بھاگا پھرے گا لیکن اسے کسی جگہ پناہ نہ ملے گی حضرات ملائکہ جو حضرت ملک الموت علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے اسے سنڈاسیوں کے ساتھ پکڑ لیں گے اس کی نزع کی کیفیت شروع ہو جائے گی اور الی ماشاء اللہ نزع کے عذاب میں رہے گا پھر اس کی روح قبض کر لی جائے گی۔

ابلیس کا مہلت مانگنا بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لئے تھا۔ ..... کعب احبار کا بیان ہم نے مختصر کر کے لکھا ہے جس کی حیثیت

سزا یا ہلاکت سے زیادہ نہیں ہے البتہ قرآن کی یہ تصریح کہ اسے وقت معلوم تک مہلت دی گئی اس سے قطعی طور پر یہ معلوم ہوا کہ ابلیس کے سوال پر اللہ تعالیٰ نے اسے بہت زیادہ عمر دی جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، ابلیس کا مہلت مانگنا توبہ اور انابت اور طاعات اور عبادت کے لئے نہیں تھا بلکہ شرارت کے لئے اور اولاد آدم سے بدلہ لینے کے لئے تھا جب اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے دی تو وہ اب کھلے طور پر کہنے لگا کہ اے رب اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے اس شخص کی اولاد کو تیرے راستہ سے بہکاؤں گا اور گمراہ کروں گا اور گمراہ کرنے کے طریقے بھی اس نے بتا دیئے ان میں سے ایک طریقہ یہاں سورۂ حجر میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ کہ ان لوگوں کے لئے میں ان کاموں کو اچھا کر کے دکھاؤں گا جن سے آپ ناراض ہوں گے لَاُزَیِّنَنَّ کا مفعول محذوف ہے یعنی لازینن لھم المعاصی اور فی الارض اس لئے کہا کہ یہ نئی مخلوق زمین میں رہنے کے لئے پیدا کی گئی ہے گمراہ کرنے کی بعض صورتیں سورۂ نساء کی آیت اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا میں اور سورۂ اعراف کی آیت قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَھُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ میں بیان کی گئی ہیں مراجعت کر لی جائے۔

مخلصین کے بہکانے سے شیطان کا عاجز ہونا ابلیس نے کہا تھا کہ ان سب کو گمراہ کروں گا لیکن ساتھ ہی یوں بھی کہا اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (مگر آپ کے جو منتخب بندے ہوں گے انہیں گمراہ نہ کر سکوں گا) چونکہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ شانہٗ کا یہ اعلان سن لیا تھا کہ یہ جو نئی مخلوق ہے زمین کی خلافت کے لئے پیدا کی جا رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خلافت کا کام وہی بندے انجام دے سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرمایا اور جن کو اس نے سمجھ لیا کہ ایسے بندے ضرور ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ منتخب فرما لیں گے اور جن پر میرا داؤ نہ چلے گا۔

قَالَ ھٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے) جو اس راہ پر چلے گا وہ مجھ تک پہنچے گا یعنی اس راہ پر چلنے والے میری رضا حاصل ہوگی۔ ھذا کا اشارہ مؤمن بندوں کے منتخب ہونے اور شیطان کے بہکانے سے بچ جانے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو اختیار کرنے کی طرف ہے جو اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ سے مفہوم ہو رہا ہے۔

گمراہ لوگوں پر شیطان کا بس چلتا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ (بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا بس نہ چلے گا مگر جو گمراہ لوگ تیری راہ پر چلیں گے) یعنی گمراہ لوگوں پر تیرا بس چل سکے گا جو تیرا اتباع کریں گے گمراہوں نے شیطان کو شش تو کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سارے ہی بندے اس کا اتباع کرنے لگیں لیکن منتخب بندے اس کے قابو میں نہیں آتے وہ اس کے حیلوں کو اور اس کے بہکانے کے طریقوں کو سمجھتے ہیں، وہ جو معاصی کو مزین کرتا ہے اس سے متاثر نہیں ہوتے، ہاں جو لوگ بہکنے کا مزاج رکھتے ہیں ہدایت کو پسند نہیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور کتابوں میں جو ہدایات ہیں ان کو اپنانے سے گریز کرتے ہیں ایسے لوگوں پر شیطان کا قابو چل جاتا ہے ایسا تسلط تو شیطان پر کسی کا نہیں ہے کہ زبردستی گناہ کرا لے اس کا کام تو وسوسے ڈالنا گناہوں کی ترغیب دینا اور گناہوں کو مزین کر کے پیش کرنا ہے آگے بندے اپنے اختیار سے کفر و شرک کرتے ہیں اور گناہوں کے کام میں لگتے ہیں۔

سورۂ نحل میں فرمایا اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِہٖ مُشْرِکُوْنَ (بلاشبہ اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اس کا قابو انہیں لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر ہے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں) جن لوگوں نے شیطان کے بہکانے اور ورغلانے اور گناہوں کو اچھا کر کے دکھانے کی طرف توجہ نہ کی اللہ ہی پر بھروسہ رکھا شیطان کا ان پر قابو نہیں چلتا اس کا قابو انہی لوگوں پر

ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں یعنی اس سے محبت کرتے ہیں اس کی بات مانتے ہیں اور اس کی دعوت قبول کرتے ہیں۔

شیطان اور اس کا اتباع کرنے والے دوزخ میں ہوں گے۔ آخر میں فرمایا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ (اور بلاشبہ ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے) یعنی جو لوگ تیرا اتباع کریں گے وہ سب دوزخ میں داخل ہوں گے۔ سورہ ص میں ہے کہ جب ابلیس نے کہا کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (میں تجھ سے اور جو لوگ تیرا اتباع کریں گے ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا) ابلیس تو اپنے تکبر کی وجہ سے جہنم میں جانے کو تیار ہی ہے لیکن بنی آدم پر افسوس ہے کہ وہ اپنے اس دشمن کی باتوں پر چلتے ہیں جس نے انہیں گمراہ کرنے کی قسم کھائی تھی، ابلیس تو اپنی قسم پر جما ہوا ہے لیکن بنی آدم جو اس کے ہاتھ لگے ہوئے ہیں اور اس کے پیروکار بنے ہوئے ہیں وہ وہ اسی لذت کی وجہ سے جو گناہوں میں محسوس ہوتی ہے اپنی جانوں کو دوزخ میں گھسیٹ دیتے ہیں، دشمن کی بات مانتے ہیں اور خالق و مالک جل مجدہٗ کی نصیحت پر عمل کرنے کو تیار نہیں، عجیب بات ہے کہ بنی آدم میں سے جو شخص دشمن ہو جانے اسے دشمن سمجھتے ہیں اور ابلیس کے ساتھ دشمن والا معاملہ نہیں کرتے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بار بار عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (کھلا ہوا دشمن) فرمایا ہے۔

دوزخ کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے حصہ مقسوم ہے لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ (دوزخ کے سات دروازے ہیں) بعض حضرات نے سات دروازوں سے سات دروازے ہی مراد لئے ہیں چونکہ دوزخ میں داخل ہونے والے بہت بھاری تعداد میں ہوں گے ان سب کے لئے ایک دروازہ کافی نہ ہوگا اس لئے سات دروازے رکھے گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہنم کے سات دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ ان لوگوں کے لئے ہے جو میری امت کو قتل کرنے کے لئے (نیام سے) تلوار نکالے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۶ از ترمذی)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ سات دروازوں سے سات طبقات مراد ہیں چونکہ ہر طبقہ کا علیحدہ علیحدہ دروازہ ہوگا اس لئے سات دروازوں سے تعبیر فرمایا، طبقے عذاب کے اعتبار سے مختلف ہوں گے جو شخص جیسے عذاب کا مستحق ہوگا اسی کے اعتبار سے اپنے متعلقہ طبقہ میں داخل ہوگا۔

لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ (ہر دروازہ کے لئے ان میں سے ایک ایک حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے) اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت سے عذاب کے مرتبوں کے اعتبار سے جہنم میں داخل ہونے والے اپنے اپنے مقررہ دروازہ سے داخل ہوں گے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں (ص ۵۳ ج ۱۴) کہ ایک دروازہ ان مسلمانوں کے لئے ہے جو گناہوں کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے اور ایک دروازہ یہودیوں کے لئے ہے اور ایک نصاریٰ کے لئے اور ایک صابئین کے لئے اور ایک مجوس کے لئے اور ایک مشرکین کے لئے اور ایک منافقین کے لئے ہے، علامہ قرطبی نے بھی یہ بات ذکر کی ہے اور اسے ضحاک (مفسر) کی طرف منسوب کیا ہے لیکن حدیث مرفوع سے ثابت نہیں ہے، کوئی فرد یا کوئی جماعت کسی بھی دروازے سے داخل ہو بہر حال جہنم کا عذاب بہت سخت ہے گو فرق مراتب ہوگا لیکن جہنم سے بچنے کے لئے اتنا فکر کرنا ہی کافی ہے کہ وہاں آگ کا عذاب ہے اور آگ بھی وہ ہے جو دنیا والی آگ سے انہتر (۶۹) درجہ زیادہ گرم ہے۔ (کما فی الحدیث)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ

بلاشبہ متقی اختیار کرنے والے باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے، ان میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ امن کی حالت میں، اور نکال دیں گے ہم جو کینہ ان کے

مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝

جو ان کے سینوں میں تھا، بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے، انہیں وہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے،

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝

آپ میرے بندوں کو خبر دیدیجئے کہ میں بخشنے والا رحم فرمانے والا ہوں اور یہ بھی کہ میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے۔

متقی باغوں اور چشموں میں ہوں گے، سلامتی کے ساتھ رہیں گے آپس میں کوئی کینہ نہ ہوگا

گزشتہ آیت میں دوزخ کا اور اس کے دروازوں کا ذکر تھا اور یہ فرمایا تھا کہ دوزخ میں ابلیس کا اتباع کرنے والے داخل ہوں گے، اب یہاں ان آیات میں اہل جنت اور ان کی بعض نعمتوں کا ذکر ہے، جنت والے کون ہیں؟ یہ متقی حضرات ہیں تقویٰ کے بہت سے درجات ہیں کفر و شرک سے بچنا سب سے بڑا تقویٰ ہے، کبیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ ہے، صغیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ میں شامل ہے، مکروہات سے بچنا اور مشتبہات سے بچنا یہ بھی تقویٰ ہے، جنت میں کوئی کافر و مشرک تو جا ہی نہیں سکتا مسلمان اپنے اپنے تقویٰ کے اعتبار سے جنت کے درجات میں داخل ہوں گے۔ دار النعیم جس میں اہل ایمان داخل ہوں گے اس کا نام جنت ہے اور اسے بہشت بھی کہا جاتا ہے پھر اس میں بہت سے باغیچے ہوں گے اس لئے بہت سی جگہ لفظ جَنّٰتٍ جمع کے ساتھ وارد ہوا ہے یہاں بھی لفظ جَنّٰتٍ آیا ہے اور اس کے ساتھ لفظ عُيُوْنٍ بھی ہے جو عین کی جمع ہے، عین عربی میں چشمہ کو کہتے ہیں، جنت میں باغ بھی ہوں گے اور چشمے بھی ہوں گے اور متعدد آیات میں جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وارد ہوا ہے یعنی ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہرے بھرے باغ درختوں پر پھل ہوں گے اہل جنت کے قریب لٹکے ہوئے ہوں گے چشمے اور نہریں جاری ہوں گی اور ان کے سوا کثیر تعداد میں دیگر انمول اور بے مثال نعمتیں ہوں گی اور ان سب سے زیادہ بڑھ کر اللہ کی رضا حاصل ہوگی اس میں داخل ہوں گے۔ سلامتی کے ساتھ رہیں گے اور پر امن بے خوف ہوں گے نہ کوئی خوف ہوگا نہ نعمتیں چھینے جانے کا اندیشہ ہوگا، آپس میں نہ بغض، نہ حسد، نہ دشمنی، نہ مخالفت نہ مخاصمت، سب بھائیوں کی طرح ایک دل ہو کر رہیں گے، دنیا میں جو آپس میں کسی وجہ سے کوئی کھوٹ کینہ اور دشمنی تھی وہ سب جنت میں داخل ہونے سے پہلے نکال دی جائے گی صحیح بخاری میں ہے کہ قلوبهم على قلب رجل واحد لا اختلاف بينهم ولا تباغض یعنی ان سب کے دل ایسے ہوں گے جیسے ایک ہی شخص کا دل ہو نہ آپس میں کوئی اختلاف ہوگا اور نہ بغض ہوگا، مفسر ابن کثیر نے (ص ۵۵ ج ۲) حضرت ابو امامہ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جنت میں کوئی مؤمن اس وقت تک داخل نہ ہوگا جب تک اس کے سینہ سے کھوٹ کپٹ کو نہ نکال دیا جائے جیسے حملہ کرنے والا درندہ بنایا جاتا ہے اسی طریقے سے مؤمن کے دل سے کینہ نکال دیا جائے گا۔

اہل جنت تکیہ لگائے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے

عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ جو فرمایا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہ جنت میں اس طرح رہیں گے کہ ایک دوسرے کی پشت نہ دیکھیں گے ان کے تخت گھومنے والے ہوں گے وہ جس حالت میں بھی ہوں گے آپس میں آمنے سامنے ہی ہوں گے اور ان کے تخت ان کو لے کر اس طرح گھوم رہے ہوں گے کہ جب بھی مجتمع ہوں گے متقابل ہی رہیں گے یعنی آمنا سامنا ہی رہے گا۔

جنت میں کوئی تکلیف نہ ہوگی نہ وہاں سے نکالے جائیں گے

سورۂ واقعہ میں فرمایا عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ایسے تختوں پر ہوں گے جو سونے کے تاروں سے بنے ہوں گے ان پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ پھر فرمایا لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ یعنی اہل جنت کو جنت میں کسی طرح کی کوئی تکلیف جسمانی روحانی ظاہری باطنی نہ پہنچے گی ہر طرح کی دکھن تھکن، رنج وغم سے محفوظ ہوں گے ہر چیز خواہش کے مطابق ہوگی وہاں ہمیشہ رہیں گے کبھی وہاں سے نکالے نہ جائیں گے بھرپور نعمتوں میں ہوں گے نعمتوں کے چھن جانے کا یا وہاں سے نکالے جانے کا کبھی کوئی خطرہ نہ ہوگا۔

سورۂ فاطر میں فرمایا وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۨ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ (اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہم سے غم دور فرما دیا، بلاشبہ ہمارا رب بخشنے والا ہے قدر دان ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے رہنے کے مقام میں اتارا اس میں ہمیں نہ کوئی تھکن پہنچے گی اور نہ ہمیں کوئی خستگی پہنچے گی)۔

اہل دوزخ کے عذاب اور اہل جنت کی نعمتیں بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ بلاشبہ میں غفور ہوں رحیم ہوں۔

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (اور بلاشبہ میرا عذاب وہ دردناک عذاب ہے) صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اوپر جنت میں جانے والے جن متقیوں کا ذکر ہے ان سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو بالکل ہی گناہوں سے پاک صاف ہوں، متقیوں سے بھی گناہ ہو جاتے ہیں لہٰذا اس آیت میں یہ بتا دیا ہے کہ متقی تو جنت میں ہوں گے ہی مؤمن گناہ گار بھی جنت میں جائیں گے اگرچہ توبہ کئے بغیر ہی مر گئے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (البتہ گناہوں سے بچتے رہیں اور مغفرت کا بھروسہ کر کے گناہوں میں ترقی نہ کریں اور توبہ میں دیر نہ لگائیں کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان تو ہے ہی گناہوں پر عذاب دینے کا بھی اسے اختیار ہے اور اس کا عذاب دردناک ہے) بہت سے اہل ایمان اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں سزا بھگتیں گے اس کے بعد جنت میں جائیں گے جیسا کہ احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے لہٰذا گناہوں سے بچتے رہیں گناہ ہو جائے تو جلدی توبہ کر لیا کریں۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ

اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کی بھی اطلاع دے دیجئے جب وہ ان پر داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کیا، ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ ہم تو تم سے ڈر رہے ہیں

وَجِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ

انہوں نے کہا ڈرو مت بے شک ہم تمہیں ایک بیٹے کی بشارت دے رہے ہیں جو صاحب علم ہوگا، ابراہیم نے کہا کیا تم مجھے اس حالت میں بشارت دے رہے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا

مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝

ہے سو تم کس چیز کی بشارت دیتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہیں امر واقعی کی بشارت دی ہے سو تم ناامیدوں میں سے مت ہو جاؤ۔

الجزء ۱۴

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

ابراہیم نے کہا اور اپنے رب کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر گمراہ لوگ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ، ان سے خوفزدہ ہونا اور ان کا بیٹے کی بشارت دینا

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا ذکر ہے، یہ مہمان اللہ جل شانہٗ کے بھیجے ہوئے فرشتے تھے جو اس لئے بھیجے گئے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دیں اور اس پر بھی مامور تھے کہ حضرت [illegible] کی قوم کو ہلاک کر دیں، اس کا مفصل تذکرہ سورہ ذاریات میں بھی مذکور ہے اور سورہ عنکبوت (رکوع ۴) میں بھی ہے جب یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور اندر داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا (جیسا کہ سورہ ہود اور سورہ ذاریات میں تصریح ہے) یہ فرشتے چونکہ انسانوں کی صورتوں میں تھے اور اس سے پہلے ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی اس لئے اول تو یوں فرمایا کہ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ یعنی یہ حضرات ایسے ہیں جن سے دلی جان پہچان نہیں اور چونکہ انہیں انسان سمجھتا تھا اس لئے ایک معمولی تازہ پکڑا ہوا بچھڑا بطور ضیافت کے ان کے سامنے لا کر رکھا، یہ فرشتے تھے جو حاجت پیٹ نہیں ہیں اس لئے انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا جب یہ ماجرا دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام مزید خوش ہوئے اور اپنے دل میں ان کی طرف سے خوف محسوس کرنے لگے اور صرف دل میں ہی نہیں زبان سے بھی اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ (بے شک ہم تم سے ڈر رہے ہیں) فرمایا مہمانوں نے کہا آپ ڈریئے نہیں ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو صاحب علم ہوگا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت زیادہ ہو چکی تھی خود بھی بوڑھے تھے اور ان کی بیوی بھی بوڑھی تھی جیسا کہ سورہ ہود میں مذکور ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب ہوا اور فرشتوں سے فرمایا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں مجھے اس حالت میں بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہو یہ کیسی بشارت دے رہے ہو اس بشارت کا ظہور کس طرح ہوگا؟ چونکہ بات اس انداز سے فرمائی تھی جس میں مستبعد ہونے کا اظہار کی جھلک تھی اس لئے فرشتوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے آپ کو امر واقعی کی بشارت دی ہے (ظاہری اسباب عادیہ کے اعتبار سے اچنبھے کی سی بات ہے لیکن جس نے بشارت بھیجی ہے اس کے لئے کچھ مشکل نہیں) لہٰذا آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو امید نہیں رکھتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے ناامیدی کے طور پر میرا سوال نہیں ہے بلکہ اس اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے کچھ تعجب سا معلوم ہو رہا ہے اس نے یہ سوال زبان پر آ گیا کہ اب اس حالت میں اولاد کس طرح سے ہوگی یہ بشارت حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کے بعد ان کے بیٹے یعقوب کے بارے میں تھی جیسا کہ سورہ ہود میں مذکور ہے سورہ صافات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ جل شانہٗ سے دعا کی تھی کہ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (کہ اے میرے رب مجھے صالحین میں سے ایک فرزند عطا فرما) اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (کہ ہم نے انہیں حلم والے فرزند کی بشارت دی) مفسرین نے فرمایا کہ سورہ صافات کی مذکورہ آیت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی ہے اور سورہ ہود اور سورہ حجر اور سورہ ذاریات میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری ہے اس پر مزید بحث ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ صافات کی تفسیر میں آئے گی۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ

ابراہیم نے کہا پھر تم کیا کام لے کر آئے ہو اے بھیجے ہوئے (فرشتو) انہوں نے کہا ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں مگر

اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَا ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ

اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا

فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ وَ اَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ

وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّ امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ

ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ

يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ

سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

یہ مہمان فرشتے تھے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دے کر فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا

یہ فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر آئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد یہ کام بھی کیا تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیں ان کی ہلاکت کا قصہ سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں گزر چکا ہے ان لوگوں کو یہ عادت بد پڑی ہوئی تھی کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے سورۂ عنکبوت میں ہے کہ جب ان کو عذاب آنے کی وعید سنائی جاتی تھی تو اس پر یقین نہیں کرتے تھے اور نصیحت کا الٹا اثر لیتے تھے اور یوں بھی کہتے تھے اِئْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے) اب جب فرشتے عذاب لے کر آئے تو پہلے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے چونکہ ان کی صورتیں نئی نئی تھیں کبھی دیکھا نہیں تھا اس لئے انہوں نے بھی وہی بات کہی جو ابراہیم علیہ السلام کے منہ سے نکلی تھی کہ تم لوگ تو اجنبی معلوم ہوتے ہو، فرشتوں نے کہا کہ ہم آدمی نہیں ہیں بلکہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں عذاب لے کر آئے ہیں اور یہ وہی عذاب ہے جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے۔ عذاب لے کر آنا اور عذاب کا واقع ہونا یہ سب امر حقیقی ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ہماری بات اور ہماری خبر سچی ہے اور اس عذاب سے ہم تمہیں اور تمہارے سارے خاندان کو نجات دے دیں گے البتہ تمہاری بیوی ہلاکت سے اور عذاب سے نہ بچے گی اسے بھی وہی عذاب پہنچے گا جو اس کی قوم کو پہنچنے والا ہے اب آپ ایسا کریں کہ رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور آپ ان کے پیچھے ہو لیں (تاکہ کوئی رہ نہ جائے اور لوٹ کر واپس بھی نہ آئے) اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور تمہیں جس جگہ جانے کا حکم ہوا ہے اسی طرف چلے جاؤ، روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس سے شام کی سرزمین مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اردن کا علاقہ مراد ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی شرارت اور ہلاکت

یہ فرشتے جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے یہ خوبصورت انسانوں کی شکلوں میں تھے اور چونکہ وہ اس بستی کے رہنے والوں میں نہ تھے (اور بستی والے باہر سے آنے والے لوگوں کو اپنے برے مقصد کے لئے استعمال کرتے تھے) اس لئے بری نیت کے ساتھ خوش ہوتے ہوئے پہنچے تاکہ ان مہمانوں سے اپنا کام نکالیں، حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ میرے مہمان ہیں تم میری فضیحت نہ کرو اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو وہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے بنے ہوئے تھے کہنے لگے کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں کو مہمان بنانے سے منع نہیں کر چکے ہیں، ہمارے اور آنے والے لوگوں کے درمیان آڑے نہ آئیں آپ کو کیا ضرورت ہے کہ باہر کے آنے والوں کو مہمان بنائیں نہ آپ مہمان بناتے نہ آپ کے رسوا ہونے کی نوبت آتی، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا اور فرمایا کہ تمہیں اپنی شہوت کو پوری کرنے کے لئے ان بے ہودہ حرکتوں کی کیا ضرورت ہے یہ میری بیٹیاں (قوم کی لڑکیاں) ہیں تم ان سے حلال طریقے پر قضاء شہوت کا کام نکالو ان لوگوں نے کہا ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی مطلب نہیں تمہیں معلوم ہے ہم کیا چاہتے ہیں (کما مر فی سورۃ ھود علیہ السلام) فرشتوں نے کہا کہ آپ تھوڑا سا صبر کریں صبح ہوتے ہی یہ لوگ ہلاک کر دیئے جائیں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے رات کے وقت نکل گئے بیوی وہیں رہ گئی۔ جب سورج نکلا تو ایک سخت آواز آئی جو بہت کرخت تھی پھر اوپر سے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمین کو اوپر اٹھایا اور زمین کا تختہ الٹ دیا، زمین کے اوپر کا حصہ نیچے ہو گیا اور نیچے کا حصہ اوپر ہو گیا جس سے لوگ دب گئے اور مزید یہ ہوا کہ لگاتار مسلسل پتھر برسا دیئے گئے یہ پتھر سجیل کے

تھے سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ فرمایا اور سورۂ ذاریات میں حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ فرمایا ہے دونوں جگہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں پر پتھر برسائے گئے تھے وہ یہ عام پتھر یعنی پہاڑوں کے ٹکڑے نہیں تھے بلکہ ایسے پتھر تھے جو مٹی سے پکا کر بنائے جاتے ہوں جس کا ترجمہ "کنکر" کیا گیا ہے۔

یہ لفظ سنگ اور گل سے مرکب ہے سنگ پتھر اور گل مٹی کو کہتے ہیں مٹی کو گارا پکایا جائے تو اس سے پتھر کی طرح ایک چیز بن جاتی ہے سورۂ ہود میں سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ فرمایا ہے یعنی ان پتھروں کی جو بارش کی گئی جو لگاتار برسے تھے آیات قرآنیہ کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا چیخ نے بھی پکڑا ان کی زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا اور ان پر پتھر بھی برسا دیئے گئے ان بستیوں کو سورۂ براۃ میں الْمُؤْتَفِكٰتُ (یعنی الٹی ہوئی بستیاں) اور سورۂ نجم میں فرمایا ہے وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝ فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى (اور الٹی ہوئی بستیوں کو مارا پھر ان بستیوں پر وہ چیز چھا گئی جو چھا گئی) یعنی اوپر سے پتھر برسنے شروع ہوئے۔

حضرت لوط علیہ السلام مومنین کو لے کر راتوں رات بستیوں سے نکل چکے تھے جو مذاب آیا وہ کافروں پر آیا ان کی بیوی کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں یا تو ان کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی یا ساتھ تو نکلی تھی لیکن پیچھے مڑ کر دیکھا اور ہلاکت والوں میں شریک ہوگئی ایک پتھر آیا اور اسے وہیں قتل کر دیا۔

یہاں بظاہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زمین الٹ دی گئی تو وہ اسی سے مر گئے ہوں گے پھر پتھر کیوں برسائے گئے؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ بستیوں سے باہر تھے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی گئی۔

یہ بستیاں نہر اردن کے قریب تھیں ان کو الٹ دیا گیا اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے بحر میت پیدا فرما دیا جو آج بھی موجود ہے یہ پانی بدبودار ہے اس سے انسانوں کو یا جانوروں کو یا کھیتوں کو نفع نہیں ہوتا اور پانی انہیں بستیوں کی حدود میں ہے کسی دوسری جگہ سے نہیں آتا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں جن کی الٹی ہوئی بستیوں پر گزرتے ہیں

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (بلاشبہ اس میں بصیرت والوں کے لئے نشانیاں ہیں، بلاشبہ یہ بستیاں شاہراہ عام پر پڑتی ہیں، بے شک اس میں اہل ایمان کے لئے نشانی ہے)

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ یہ جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوئی اس میں بصیرت والوں کے لئے نشانیاں ہیں کہ کفر اور فعل بد کا برا نتیجہ ہے اور ایمان اور طاعت باعث نجات ہے، پھر فرمایا کہ یہ بستیاں ایک عام شاہراہ پر پڑتی ہیں، اہل عرب جب شام کو جاتے ہیں تو ان الٹی ہوئی بستیوں کے پاس سے گزرتے ہیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہ کرنا بہت بڑی حماقت اور شقاوت ہے، اس کے بعد مزید توجہ دلائی اور عبرت کی طرف متوجہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان بستیوں میں اہل ایمان کے لئے بڑی نشانی ہے، جس نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی وہ عبرت کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتا اہل ایمان ہی نصیحت قبول کرتے ہیں اور مانتے ہیں۔ اور عبرت حاصل کرتے ہیں،

سورۂ صافات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (اور تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرا کرتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں رکھتے) اہل عرب تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے راستے میں یہ بستیاں بھی پڑتی تھیں جن کا تختہ الٹ دیا گیا تھا کبھی صبح کے وقت اور کبھی رات کے وقت وہاں سے گزر ہوتا تھا ان لوگوں کو یاد دلایا کہ دیکھو کافروں اور بدکاروں کا کیا انجام ہوا تم وہاں سے گزرتے ہو اور الٹی ہوئی بستیاں دیکھتے ہو پھر کیوں عبرت

حاصل نہیں کرتے کیا بالکل ہی سمجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے ہو قرآن مجید کا بیان سامنے ہے۔ تاریخوں میں بھی واقعہ موجود ہے لیکن عبرت کا نام نہیں، کفر کی وجہ سے اور مردوں سے قضاء شہوت کرنے کی وجہ سے یہ عذاب آیا تھا، اب یورپ کی اقوام کو دیکھ لو جو مہذب سمجھی جاتی ہیں ہلاکت کے دھارے پر ہیں کافر تو ہیں ہی زنا کاری ان میں عام تھی ہی اب مردوں سے قضاء حاجت کرنے کا رواج بھی عام ہو گیا ہے اور حکومتوں نے قانونی طور پر اس کو جائز قرار دے دیا ہے۔ فانتظروا انا منتظرون

رحمۃ للعالمین ﷺ کا بہت بڑا اعزاز، اللہ جل شانہٗ نے آپ کی جان کی قسم کھائی ہے

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ جو فرمایا ہے اس میں اپنے حبیب مصطفیٰ ﷺ کی جان کی قسم کھائی ہے۔ صاحب روح المعانی (ص ۷۲ ج ۱۴) نے امام بیہقی کی دلائل النبوۃ سے حضرت ابن عباس ؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی جان سے بڑھ کر کوئی معزز و مکرم جان پیدا نہیں فرمائی اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات کے علاوہ کسی کی بھی حیات کی قسم نہیں کھائی، یہاں سرسری طور پر جو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا تو ممنوع ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی جان کی قسم کیوں کھائی؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ تو مخلوق کے لئے منع ہے وہ غیر اللہ کی قسم کھائیں گے تو شرک ہوگا اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے اس پر کسی بات کی کوئی پابندی نہیں ہے اس کو اختیار ہے جس کی چاہے قسم کھائے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اگر وہ کسی کی قسم کھائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر عظمت والی ہو گئی یا اللہ تعالیٰ کے برابر ہو گئی یہاں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی جان کی قسم کھائی اور قرآن مجید میں بہت سے مواقع میں دوسری چیزوں کی قسمیں بھی مذکور ہیں جیسے وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ اور وَالذّٰرِيٰتِ اور وَالْعٰدِيٰتِ اور وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ وغیر ذٰلِكَ حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسم کھائی ان میں وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے میں بہت زیادہ واضح ہیں یا ان کا نفع خوب زیادہ ہے یا جن میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ذہن جلدی پہنچتا ہے اگر غور کیا جائے تو یہ امر واضح طور پر سمجھ میں آجائے گا۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور بلاشبہ بیکہ والے ظلم کرنے والوں میں سے تھے سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا اور بلاشبہ یہ دونوں بستیاں شاہراہ پر پڑتی ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام اور اصحاب الایکہ کی بستیاں شاہراہ عام پر واقع ہیں، اصحاب الایکہ ظالم تھے اپنی حرکتوں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے

حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کی ہلاکت اور بربادی کا تذکرہ کرنے کے بعد اس آیت میں اصحاب الایکہ کے ظلم اور ان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ایکہ اس جنگل کو کہتے ہیں جس میں درخت آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں۔ اصحاب الایکہ جس علاقہ میں رہتے تھے وہاں درخت ہی درخت تھے اسی لئے بعض حضرات نے اصحاب الایکہ کا ترجمہ بن والوں سے فرمایا ہے۔ ان بن والوں کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے جیسا کہ اصحاب مدین کی طرف بھی ان کی بعثت ہوئی تھی یہ دونوں قومیں ناپ تول میں کمی کرتی تھیں، حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں کو سمجھایا دونوں قومیں ایمان نہ لائیں اور عذاب میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئیں اصحاب مدین کی ہلاکت اور عذاب کا تذکرہ سورۂ اعراف (رکوع ۹) اور سورۂ ہود (رکوع ۹) میں گزر چکا ہے اور سورۂ شعراء (رکوع ۱۰) میں اصحاب

ع ۳ ۰ وقف لازم

ایکہ کا جواب اور عذاب کی فرمائش مذکور ہے، ان کی ہلاکت اور عذاب کا ذکر فرماتے ہوئے سورۂ شعراء میں فرمایا فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (سو انہوں نے شعیب کو جھٹلایا پھر ان کو سائبان کے دن کے عذاب نے پکڑ لیا، بلاشبہ وہ بڑے دن کا عذاب تھا) جب ان لوگوں پر عذاب آنے والا تھا تو یہ لوگ سخت گرمی میں مبتلا ہوئے دور سے ایک بادل نظر آیا جس کی وجہ سے نیچے سایہ معلوم ہوا جلدی جلدی دوڑے ہوئے اس کے سایہ میں پہنچ گئے۔ علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات دن تک ان لوگوں پر گرمی کو مسلط فرمایا پھر ایک بادل بھیجا ان لوگوں نے اس کے سایہ میں راحت تلاش کرنے کے لئے پناہ لی جب وہاں جمع ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ایک آگ بھیجی جس نے انہیں جلا کر راکھ کر دیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والی بستیاں اور اصحاب الایکہ شاہراہ عام پر واقع ہیں

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ (اور بلاشبہ یہ دونوں قومیں یعنی قوم لوط علیہ السلام اور اصحاب الایکہ ایک آباد واضح شاہراہ پر ہیں یہ وہی شاہراہ ہے جس پر قافلے چلتے تھے اور اہل مکہ ان قافلوں میں شامل ہو کر شام کو جایا کرتے ہیں راستہ میں یہ بستیاں پڑتی ہیں۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اصحاب الایکہ کا زمانہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے بعد ہی تھا زمانہ بھی قریب تھا اور علاقہ بھی، جہاں یہ لوگ رہتے تھے وہ علاقہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کے مقابل تھا اس طرح سے شاہراہ عام کے دوسری طرف اصحاب الایکہ کا بن تھا، جو لوگ ان کی ہلاکت کے بعد سے اس شاہراہ پر گزرتے رہے ہیں اور اب بھی سفر کرتے ہیں ان کے لئے جائے عبرت ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝

اور بلاشبہ حجر والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں نشانیاں دیں سو وہ ان سے روگردانی کرنے والے ہو گئے

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝

اور وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے تھے، امن کے ساتھ رہتے تھے، سو ان کو صبح چیخ نے پکڑ لیا

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

سو ان کو وہ چیز کام نہ آئی جو وہ کماتے تھے۔

اصحاب الحجر کی تکذیب اور ہلاکت وتعذیب

ان آیات میں اصحاب الحجر کی تکذیب پھر ان کی تعذیب کا ذکر ہے اصحاب الحجر سے قوم ثمود مراد ہے یہ لوگ وادی حجر میں رہتے تھے قوم عاد کی بربادی کے بعد یہ لوگ زمین میں بسے اور پھلے پھولے طاقت ور بھی بہت تھے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے تھے، سورۃ الفجر میں فرمایا وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (اور قوم ثمود کے ساتھ تیرے رب نے کیا معاملہ کیا جنہوں نے وادی میں پتھروں کو کاٹا) اس بات کو یہاں سورۂ حجر میں یوں نقل فرمایا ہے وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ (اور وہ لوگ پہاڑوں سے تراش کر گھر بنا لیتے تھے امن وامان سے رہتے تھے) ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا اور چونکہ ایک نبی کا جھٹلانا سارے نبیوں کے جھٹلانے کے مترادف ہے (کیونکہ تمام پیغمبروں کی دعوت ایک ہی ہے) اس لئے یوں فرمایا کہ اصحاب الحجر نے

پیغمبروں کو جھٹلایا، ان کے سامنے حضرت صالح علیہ السلام نے توحید کے دلائل پیش کئے اور ان کا منہ مانگا معجزہ بھی ظاہر ہو گیا (یعنی پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی جسے ان لوگوں نے مار ڈالا) لہٰذا ایک دن صبح صبح ان پر عذاب آ گیا، یہاں سورۂ حجر میں فرمایا ہے کہ ان کو چیخ نے پکڑ لیا اور سورۂ ہود میں بھی یہی فرمایا ہے اور سورۂ اعراف میں فرمایا ہے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ (ان کو سخت زلزلہ نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے) اور سورۂ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا ہے۔ فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ (سو انہیں ایسی سخت آواز نے پکڑ لیا جو اوپر سے سنائی دی جاتی ہے وہ سراپا ذلت کا عذاب تھی) تینوں جگہ کی آیات ملانے سے معلوم ہوا کہ رجفة (زلزلہ) صیحة (سخت چیخ) صاعقة (وہ سخت آواز جو اوپر سے سنائی دے) قوم ثمود پر تینوں طرح کا عذاب آیا، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صاعقة سے مطلق عذاب مراد ہے اگر یہ معنی لیا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ صیحہ کو صاعقہ سے تعبیر فرما دیا اور بمعنی عذاب مراد لے لیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یہ لوگ بڑے غور و فکر سے رہتے تھے دنیا پر دل دیئے ہوئے تھے اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اس لئے آخر میں فرمایا فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (سو ان کے کچھ کام نہ آیا وہ جو کچھ کسب کرتے تھے) قوم ثمود کا مفصل واقعہ سورۂ اعراف (رکوع ۸) کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ، اور بلاشبہ قیامت ضرور آنے

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

والی ہے، سو آپ خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے، بلاشبہ آپ کا رب بڑا خالق ہے اور بڑا عالم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حکمت کے موافق پیدا فرمایا ہے

آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے صرف حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، حق کے ساتھ پیدا فرمانے کا یہ مطلب ہے کہ ان کی پیدائش حکمت کے موافق ہے عبرت کے لئے ہے ان کی تخلیق میں خالق تعالیٰ شانہ کی توحید پر دلائل ہیں اور ان کا وجود معرفت حاصل کرنے کے لئے ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں فرمایا رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (عقل والے کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے یہ سب بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا) صاحب روح المعانی نے (ص ۷۷ ج ۱۴) آیت کا مطلب بتاتے ہوئے اس انداز سے بات کی ہے کہ ماسبق سے بھی ارتباط ہو جاتا ہے وہ لکھتے ہیں ای الا خلقا متلبسا بالحق والحکمة بحیث لا یلائم استمرار الفساد و استقرار الشرور، وقد اقتضت الحکمة اهلاک امثال هؤلاء دفعا لفسادهم و ارشادا لمن بقی الی الصلاح مطلب یہ ہے کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حق اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے حکمت کا تقاضا ہے کہ دنیا میں شر اور فساد جگہ نہ پکڑ لیں اور فساد ہمیشہ نہ ہوتا رہے، حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جن لوگوں کا پہلے ذکر ہوا ہے ان جیسوں کو ہلاک کر کے فساد کو دفع کر دیا جائے اور بعد میں آنے والوں کے لئے ہدایت ہو جائے جو ان سے عبرت حاصل کریں اور اصلاح کی راہ پر چلیں۔

صاحب روح المعانی نے بعض حضرات سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ الحق سے عدل مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسی لئے پیدا کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عدل اور انصاف کے ساتھ جزا دے، لوگ آسمان اور زمین کے درمیان رہیں گے اور اچھے برے اعمال کریں گے تو قیامت کے دن اس کی جزا پالیں گے۔

وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ (اور بلاشبہ قیامت ضرور آنے والی ہے) جو لوگ کفر پر مر گئے خواہ عذاب سے ہلاک ہوئے ہوں خواہ بلا عذاب موت آئی ہو ان سب کو اور ہر نیک و بد کو قیامت کے دن حاضر ہونا ہے، جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی وہ وہاں بھی سزا پالیں گے، اس میں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی ہے کہ قیامت کے دن ان سے بدلہ لے لیا جائے گا۔

مزید فرمایا فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ (کہ آپ خوبی کے ساتھ درگذر کیجئے) علماء نے فرمایا ہے کہ صفح جمیل ایسے درگزر کرنے کو کہتے ہیں جس میں ملامت اور عتاب نہ ہو، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے قتال کا حکم آنے سے پہلے درگزر کرنے کا حکم تھا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حسن خلق اور بردباری اور مدارات کے ساتھ ان کو دعوت دیتے ہیں حکمت و موعظت حسنہ، حلم اور خوش خلقی کے ساتھ دعوت دیتے رہنا اپنی جگہ محمود چیز ہے لہٰذا منسوخ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں پھر فرمایا اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (بلاشبہ آپ کا رب بڑا خالق ہے بڑا عالم ہے) اسے سب کا حال معلوم ہے تکذیب کرنے والوں کا جھٹلانا اور آپ کا صبر کرنا اسے اس سب کا علم ہے وہ مخالفین کو مخالفت کی سزا دے گا اور آپ کو اجر و ثواب اور رفع درجات سے نوازے گا آپ تمام امور اسی کے سپرد کیجئے اور غمگین نہ ہوئیے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا

اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا، آپ اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف نہ بڑھایئے جو ہم نے مختلف

مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ

قسم کے کافروں کو فائدہ حاصل کرنے کے لئے دی ہیں، اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور ایمان والوں کے لئے اپنے بازوؤں کو جھکائے رہئے اور آپ فرما

اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾

دیجئے کہ بلاشبہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کو خطاب کہ ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا فرمایا

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے وہ دنیا دار تھے اور مالدار تھے کھاتے پیتے لوگ تھے اللہ جل شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کو اول تو اپنی ایک بہت بڑی نعمت کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے آپ کو سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ عطا کیں اور قرآن عظیم عطا کیا، سبع سات کو کہتے ہیں اور مثانی جمع ہے مثنیٰ کی جو چیز بار بار مذکور ہو اسے مثنیٰ کہتے ہیں یہاں سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ سے سورۂ فاتحہ مراد ہے اس میں سات آیات ہیں جو بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہیں اور اَلْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ سے سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی قرآن مجید مراد ہے اللہ جل شانہٗ نے بطور امتنان فرمایا کہ ہم نے آپ کو سورۂ فاتحہ دی اور اس کے سوا باقی قرآن عطا کیا آپ لوگوں کی تکذیب پر نظر نہ کریں ہم نے جو نعمت دی ہے اور آپ پر جو مہربانی کی ہے اس کے سامنے منکرین کی تکذیب کی کچھ بھی حیثیت نہیں ہے، آپ نعمت عظیمہ پر خوش ہوں، ان کے عناد اور بے التفاتی کی طرف

التفات نہ کریں۔

اہل دنیا کے اموال وازواج کی طرف نظریں نہ پھیلائیں

پھر فرمایا لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (آپ اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف نہ بڑھایئے جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو فائدہ حاصل کرنے کے لئے دی ہیں) یعنی آپ کو جو کتاب اللہ کی نعمت دی گئی ہے وہ بہت بڑی نعمت ہے اس کے سامنے منکرین کے اموال اور زیب وزینت کی کوئی حیثیت نہیں، آپ ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں بظاہر نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے لیکن حقیقت میں آپ کی امت کو خطاب فرمایا ہے کہ آپ کے توسط سے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم عطا فرمایا ہے اس نعمت کے سامنے دنیوی اموال اور زیب وزینت ہیچ ہے، ان منکرین کی دنیا اور دنیاوی سامان کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (اور آپ ہرگز ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو متمتع کرنے کے لئے دی ہیں جو دنیاوی زندگی کی رونق ہیں تاکہ ہم انہیں آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے) جو چیز فتنہ میں ڈالنے کے لئے ہے وہ نعمت نہیں ہو سکتی لہٰذا کافروں کے اموال کو دیکھنا اور ان کی طرف آنکھیں پھیلانا اہل ایمان کا شیوہ نہیں، مزید فرمایا وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (اور آپ ان پر غم نہ کیجئے) آپ کا کام پہنچا دینا ہے منکرین انکار کریں عناد پر کمر باندھے رہیں تو انہیں اس کی سزا مل جانے کی آپ اس غم میں نہ پڑیں کہ یہ ایمان قبول نہیں کرتے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (اور ایمان والوں کے لئے اپنے بازوؤں کو جھکائے رہیے) بازوؤں کو جھکا کر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیجئے جن لوگوں نے ایمان قبول کر لیا وہ رحمت اور شفقت کے مستحق ہیں کافروں پر غم کھانے کی بجائے اہل ایمان پر توجہ دی جائے تاکہ وہ اور زیادہ ایمان کے قدردان ہوں اور مزید بشاشت کے ساتھ اعمال ایمان کو انجام دیں۔

وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ (اور آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں) میرا کام اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچانا اور حکم کی مخالفت پر جو عذاب آئے گا اس سے ڈرانا ہے، میرا ڈرانا واضح ہے، کھلم کھلا ہے، جو نہ مانے گا اپنا ہی برا کرے گا قال صاحب الروح ای المنذر الکاشف نزول عذاب اللہ تعالیٰ ونقمۃ المخوفۃ ممن لم یؤمن.

كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ

جیسا کہ ہم نے ان لوگوں پر نازل کیا۔ جنہوں نے قرآن کے مختلف حصے بنا لئے تھے۔ سو آپ کے رب کی قسم ہے

اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

ہم ان سب سے ان کاموں کی ضرور باز پرس کریں گے۔ جس چیز کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اسے خوب صاف طریقے پر بیان کر دیجئے۔ اور مشرکین سے اعراض کیجئے

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

بلاشبہ ہم ان مذاق اڑانے والوں کے لئے کافی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود تجویز کرتے ہیں سو ان کی طرف سے ہم آپ کے لئے کافی ہیں سو وہ عنقریب جان لیں گے۔

سابقہ امتوں نے اپنی کتابوں کے اجزاء بنا رکھے تھے

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آسمانی کتابیں نازل فرمائی تھیں ان لوگوں نے ان کے مختلف اجزاء کر لئے تھے یعنی بعض پر ایمان لاتے تھے بعض کے منکر ہو جاتے تھے اور ان میں تحریف وتبدیل بھی کرتے تھے ان تقسیم کرنے والوں کو اَلْمُقْتَسِمِیْنَ سے تعبیر فرمایا اور جو کتابیں ان پر نازل ہوئی تھیں ان کو قرآن سے تعبیر کیا لفظ قرآن فعلان کا وزن ہے جو قرء یقرء سے ماخوذ ہے ہر وہ چیز جو پڑھی جائے وہ قرآن ہے یہ اس کا لغوی معنی ہے اور امت حاضر کی اصطلاح میں لفظ قرآن اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کا علم ہے یعنی مخصوص نام ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی، آیت کا مطلب مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ جس طرح ہم نے گزشتہ زمانہ میں ان لوگوں پر مذاب نازل کیا جنہوں نے احکام الٰہیہ کے حصے کر رکھے تھے یعنی آسمانی کتابوں کے مختلف اجزاء قرار دیئے تھے، اسی طرح سے اس زمانے کے مکذبین پر بھی مذاب نازل ہو سکتا ہے، قال صاحب معالم التنزیل (ص ۵۸ ج ۳) **جزؤہ فجعلوہ جزء فاموا ببعضہ و کفروا ببعضہ وقال مجاھد ھم الیھود والنصاری قسموا کتابھم ففرقوہ وبدلوہ اھ** (صحیح بخاری ص ۶۸۴ ج ۲) میں حضرت ابن عباس ؓ سے مذکورہ بالا تفسیر یوں نقل کی ہے **قال اٰمنوا ببعض و کفروا ببعض الیھود والنصاریٰ۔**

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں سولہ مشرکین نے یہ مشورہ کیا کہ حج کے دنوں میں مکہ معظمہ کے راستوں پر بیٹھ جائیں اور مکہ معظمہ کی گھاٹیوں اور راستوں کی تقسیم کر لیں جس شخص کی طرف سے بھی آنے والے گزریں وہ ان سے یوں کہے کہ اہل مکہ میں سے جو شخص مدعی نبوت نکلا ہے اس کے دھوکہ میں نہ آنا کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شخص دیوانہ ہے اور کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شخص کاہن ہے اور کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شاعر ہے۔ (العیاذ باللہ) چنانچہ ان لوگوں نے ایسا کیا اس قول کہ بناء پر اسزلسا جو ماضی کا صیغہ ہے مضارع کے معنی میں ہوگا اور مطلب یہ ہے کہ مکہ کے راستے کی گھاٹیاں تقسیم کرنے والے اور ان پر بیٹھنے والے ہلاک ہوں گے چنانچہ یہ لوگ غزوۂ بدر میں مقتول ہو گئے اس تفسیر کی بنا پر اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کریم کو اس طرح بانٹ دیا کہ اسکے بارے میں بطور تکذیب مختلف قسم کی باتیں کہتے تھے کوئی کہتا تھا کہ یہ سحر ہے اور کسی کا کہنا تھا کہ یہ شعر ہے اور بعض نے یوں کہا کہ یہ کذب ہے اور بعض نے اسے اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ بتایا اس صورت میں قرآن سے قرآن مجید ہی مراد ہوگا اور کتب سابقہ مراد لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔

قولہ تعالیٰ عضین جمع عضۃ واصلھا عضوۃ بکسر العین و فتح الضاد بمعنی جزء فھو معتل اللام من عصاہ بالتشدید جعلہ اعضاء واجزاء۔ (کذا فی الروح ص ۸۴ ج ۱۴)

اس کے بعد فرمایا فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ (سو آپ کے رب کی قسم ہے ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کر لیں گے) اس میں یہ فرمایا کہ اولین وآخرین سب سے ان کے اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور کتابوں کو جھٹلاتے رہے اور جھٹلا رہے ہیں ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا، سورۂ اعراف میں فرمایا فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ (سو ہم ضرور ضرور ان سے یہ دریافت کر لیں گے جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے اور ہم ضرور ضرور پیغمبروں سے پوچھ لیں گے) یہاں بعض لوگوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ سورۂ رحمٰن میں یوں فرمایا ہے فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال نہیں ہوگا اور سورۂ حجر اور سورۂ اعراف سے معلوم ہوا کہ سوال ہوگا، بظاہر جو تعارض معلوم ہو رہا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ سوال کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ جاننے کے لئے ان

سے یہ سوال نہیں فرمائیں گے کہ تم نے کیا ہے یا نہیں یا یہ کہ تم نے کیا کیا ہے۔

اور جہاں سوال کا ذکر ہے اس سے زجر و توبیخ کا سوال مراد ہے جیسے مجرم کو ڈانٹنے کے لئے کہا جاتا ہے کیا تو نے یہ کیا ہے؟ کیا تو نے یہ کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ قیامت کا دن طویل ہوگا اس میں مختلف مواقف ہوں گے بعض مواقف میں سوال ہوگا اور بعض میں سوال نہیں ہوگا لہٰذا نفی اثبات میں کوئی تعارض نہیں۔ سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الحجر) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کے بارے میں سوال ہوگا یعنی جن لوگوں کے سامنے لا الہ الا اللہ پیش کیا گیا انہوں نے اس کو مانا نہیں اور جن لوگوں نے مان لیا انہوں نے اپنے اقرار اور عہد کے مطابق کیا عمل کیا؟ بات یہ ہے کہ کلمہ اسلام پڑھنے یعنی اس کا اقرار کرنے کے بعد اس کے مطابق زندگی گزارنا لازم ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا وہ جنت میں داخل ہوگا عرض کیا گیا کہ اس کا اخلاص کیا ہے فرمایا کہ اس کا اخلاص یہ ہے کہ پڑھنے والے کو حرام کاموں سے روک دے۔ (صحیح مسلم ص ۴۸ ج ۱)

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اسلام کے بارے میں ایک ایسی بات بتا دیجئے کہ مجھے آپ کے بعد اور کسی سے پوچھنا نہ پڑے آپ نے فرمایا قل امنت باللہ ثم استقم تو امنت باللہ کہہ دے پھر اس پر جما ہوا رہ (مطلب یہ ہے کہ ایمان کے تقاضوں کو پابندی کے ساتھ پورا کرتا رہ)

خوب واضح طور پر کھول کر بیان کرنے کا حکم..... پھر فرمایا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ط سو آپ خوب کھول کر واضح طور پر وہ باتیں صاف صاف واضح فرما دیں جن چیزوں کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ اور مشرکین سے اعراض کیجئے یعنی ان کے انکار اور عدم قبول کی وجہ سے مغموم نہ ہوں اس بات کی فکر نہ کریں کہ وہ لوگ نہیں مانتے آپ کا کام کھل کر واضح طور پر بیان کر دینا ہے آپ اسے انجام دیتے رہیں۔

یہاں پہنچ کر روافض کی جاہلانہ بات بھی سن لیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے آپ کو حکم تھا کہ خوب کھل کر واضح طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کا اعلان کر دیں لیکن آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ڈرتے تھے اس لئے اعلان نہیں کرتے تھے، ان لوگوں کی جہالت دیکھو اپنے تراشیدہ دین کے لئے کیسی کیسی ظالمانہ باتیں کہہ جاتے ہیں جب اللہ کا رسول ہی مخلوق سے ڈرے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان نہ پہنچائے تو پھر آگے اور کون ہے جو حق کو واضح کرے گا اعاذنا اللہ تعالیٰ من جھلھم وضلالھم

ہنسی کرنے والوں کے لئے ہم کافی ہیں اس کے بعد فرمایا اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (بلاشبہ جو لوگ ہنسی کرنے والے ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کرتے ہیں ان کی جانب سے ہم آپ کے لئے کافی ہیں سو عنقریب وہ جان لیں گے) ہنسی کرنے والے یوں تو سب ہی مشرکین تھے لیکن خصوصی طور پر علمائے تفسیر نے ولید بن مغیرہ اور اس کے چار ساتھیوں کا نام لیا ہے یہ لوگ ہنسی کرنے اور مذاق اڑانے میں بہت آگے آگے تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے مختلف اعضاء کی طرف اشارہ فرمایا کسی کے پیٹ کی طرف کسی کی آنکھوں کی طرف کسی کے سر کی طرف اور یہ بتا دیا کہ ان اعضاء میں تکلیف پیدا ہو جائے سے ہلاک ہوں گے۔ علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ ان مسخرہ کرنے والوں سے وہ سات افراد مراد ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی کمر مبارک پر گندگی ڈال دی تھی جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے یہ لوگ بدر میں مقتول ہوئے۔ (رائع روح المعانی ص ۸۶ ج ۱۴) معالم التنزیل (ص ۵۹ ج ۳) میں لکھا ہے کہ مستہزئین مذاق بنانے والے (پانچ افراد تھے اول ولید بن مغیرہ جو ان سب کا سردار تھا، دوسرا عاص بن وائل، تیسرا اسود

بن عبدالمطلب، چوتھا اسود بن عبد یغوث، پانچواں حارث بن قیس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو استہزاء کی سزا دی اور یہ لوگ بری موت مرے ایک دن یہ لوگ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے (زمانہ جاہلیت میں بھی کعبہ شریف کا طواف کیا جاتا تھا) رسول اللہ ﷺ اس موقعہ پر وہاں موجود تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی تشریف لے آئے جب ولید بن مغیرہ کا گزر ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمد! آپ اس شخص کو کیسا پاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ برا بندہ ہے حضرت جبرئیل نے فرمایا اس کی طرف سے آپ کی حفاظت کر دی گئی اور یہ فرماتے ہوئے وہید کی پنڈلی کی طرف اشارہ فرمایا اس کے بعد ولید وہاں سے چلا گیا، یمانی چادریں پہنے ہوئے تھا تہمد گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا راستہ میں بنی خزاعہ کا ایک شخص کھڑا ہوا تھا جس کے تیروں کے پر نکھرے ہوئے تھے ان تیروں کا دھاردار حصہ ولید کے پاؤں میں چبھ گیا اس نے تکبر کی وجہ سے جھکنا گوارا نہیں کیا تاکہ اسے اپنے پاؤں سے نکال دے بالآخر وہ دھاردار حصہ آگے بڑھتا رہا جس نے اس کی پنڈلی کو زخمی کر دیا جس سے وہ مریض ہو گیا اور اس مرض میں مر گیا، پھر عاص بن وائل وہاں سے گزرا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد یہ کیسا شخص ہے؟ آپ نے فرمایا یہ برا بندہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے قدموں کے تلووں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ آپ کی اس سے حفاظت ہو گئی اس کے بعد عاص بن وائل اپنے دو لڑکوں کے ساتھ تفریح کرنے کے لئے نکلا ایک گھاٹی پر پہنچا تو اس کا پاؤں ایک خاردار درخت پر پڑ گیا اس کا ایک کانٹا اس کے پاؤں کے تلوے میں گھس گیا جس سے اس کا پاؤں پھول کر اونٹ کی گردن کے برابر ہو گیا اور وہی اس کی موت کا سبب بن گیا تھوڑی دیر میں اسود بن عبدالمطلب کا گزر ہوا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد! یہ کیسا شخص ہے؟ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہ برا شخص ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ آپ اس سے محفوظ ہو گئے چنانچہ وہ اندھا ہو گیا اور برابر دیوار میں سر مارتا رہا اور یہ کہتے ہوئے مر گیا قتلنی رب محمد (مجھے رب محمد نے قتل کر دیا)، پھر اسود بن عبد یغوث گزرا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمد! آپ اسے کیسا شخص پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ برا بندہ ہے حالانکہ میرے ماموں کا لڑکا ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس کی طرف سے آپ کی حفاظت کر دی گئی، یہ کہہ کر اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا بہذا اس کو استسقاء کا مرض لگ گیا اس کے بعد حارث بن قیس کا گزر ہوا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد آپ اسے کیسا پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ برا بندہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اس سے آپ کی حفاظت کر دی گئی اس کے بعد اس کی ناک سے مسلسل پیپ نکلنے لگی جو اس کی موت کا ذریعہ بنی۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ

اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ باتیں کرتے ہیں اس سے آپ تنگدل ہوتے ہیں سو آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے اس کے ساتھ تحمید بھی ہو اور آپ ساجدین میں سے

السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

ہو جایئے اور اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (یعنی موت) آ جائے۔

ع ۶

تسبیح و تحمید میں مشغول رہنے اور موت آنے تک عبادت میں لگے رہنے کا حکم

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہم جانتے ہیں کہ مشرکین معاندانہ باتیں کرتے ہیں (جو استہزاء کو بھی شامل ہے) اور اس کی وجہ سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں یہ تنگ دل ہونا طبعی طور پر تھا اس کے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے رب کی تسبیح و تحمید

میں لگے رہیں اور نمازوں میں مشغول رہیں اور دیگر عبادات میں بھی مشغولیت رکھیں اور زندگی بھر آخری دم تک ان کاموں میں مشغول رہیں، یہ چیزیں طبعی رنج کو دفع کرنے کا ذریعہ بنیں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی رنج وغم کی صورت پیش آئے تو خالق کائنات جل مجدہٗ کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے حضرت حذیفہ ؓ نے بیان فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی فکرمندی والی بات پیش آتی تھی تو نماز پڑھنے لگتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ مال جمع نہیں فرماتے تھے جو آتا تھا خرچ فرما دیتے تھے، حضرت جبیر بن نفیر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف یہ وحی نہیں بھیجی گئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں لیکن میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ (اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے جو حمد کے ساتھ ہی ہوئی ہو اور نماز پڑھنے والوں میں سے ہو جایئے اور موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کیجئے) (مشکوۃ المصابیح ۴۴۴)

ولقد تم تفسير سورة الحجر بفضل الله تعالىٰ وانعامه والحمد لله تعالى على تمامه و حسن ختامه

☆☆☆ ☆☆☆

مکی	سورۃ النحل	۱۲۸ آیتیں ۱۶ رکوع

پارہ ۱۴ | ۱۶ | سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ | ۱۲۸ | رکوع نمبر ۱۶

سورۂ نحل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو اٹھائیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يُنَزِّلُ

آ پہنچا اللہ کا حکم سو تم اس میں جلدی نہ کرو وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شریک تجویز کرتے ہیں ۲ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے

الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ

فرشتوں کو وحی یعنی یہ حکم دے کر نازل فرماتا ہے کہ اس بات سے باخبر کر دو کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود

اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ خَلَقَ

نہیں سو تم مجھ سے ڈرو ۳ اس نے آسمانوں کو اور زمین کو برحق پیدا فرمایا وہ اس سے برتر ہے جو وہ شریک بناتے ہیں ۴ اس نے انسان

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝

کو نطفہ سے پیدا فرمایا ۵ وہ یکایک صریح طور پر جھگڑا کرنے والا ہو گیا

قیامت کا آنا یقینی ہے، انسان بڑا جھگڑالو ہے

یہاں سے سورۂ نحل شروع ہے اس میں عموماً اللہ کی توحید بیان کی گئی ہے اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں اور مشرکین کی تردید فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائی ہیں، اس میں ایک جگہ شہد کی مکھی کے گھر بنانے اور پھولوں کو چوسنے اور اس سے شہد پیدا ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے، شہد کی مکھی کو عربی میں نحل کہتے ہیں اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ النحل رکھا گیا۔

مذکورہ بالا آیات میں معاد یعنی قیامت اور توحید و رسالت اور آسمان و زمین کی تخلیق اور انسانوں کی پیدائش کا تذکرہ فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (اللہ کا حکم آپہنچا لہٰذا تم اس کے بارے میں جلدی نہ مچاؤ) جب مشرکین کے سامنے ایمان نہ لانے پر اور شرک اختیار کرنے پر عذاب آنے کا تذکرہ ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ عذاب آنے والا نہیں یہ تو خالی دھمکیاں ہیں ہمیں تو عذاب آتا ہوا نظر نہیں آتا، اور جب قیامت کی بات سامنے آتی تھی تو اس کا بھی انکار کرتے تھے اور عذاب کے بارے میں کہتے تھے کہ عذاب آتا ہے تو

کیوں نہیں آجاتا آجائے (رجعد آجانے) کی تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا حکم آپہنچا پس اس کا آنا یقینی ہے اور اس کے نہ آنے کا آنا یقینی ہوا ویسے ہی ہے جیسے والی چیز آچکی ہو اس کی چیز آنے میں یہ بات کی دلیل نہیں کہ وہ نہیں آسکتی اس کے اعتبار سے اب قیامت کے آنے میں قابل ذکر دیر نہیں رہی، یہ امت آخر امم ہے اس کے بعد کوئی امت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے بعثت انا والساعة کھاتین (یعنی میں اور قیامت دونوں اس طرح سے بھیجے گئے ہیں جیسے آپس میں یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں اور ان میں بیچ کی انگلی اشارہ والی انگلی سے ذرا سی آگے بڑھی ہوئی ہے) یعنی بات سے میں اس سے پہلے آگیا۔ (رواہ البخاری)

بعض مفسرین نے امر اللہ سے تکذیب کرنے والوں کا عذاب مراد لیا ہے صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۶۱ ج ۲) لکھتے ہیں کہ نضر بن حارث نے یوں کہا تھا اللّٰھُمَّ ان کان ھذا ھو الحق من عندك فامطر علینا حجارة من السماء (اے اللہ اگر یہ (یعنی دین اسلام) حق ہے آپ کی طرف سے ہے (تو اس کے قبول نہ کرنے پر) ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے) اس نے عذاب جلدی آنے کا مطالبہ کیا لہٰذا عذاب آگیا اور وہ (اور اس کے ساتھی) غزوۂ بدر کے موقع پر مقتول ہوگئے۔

پھر فرمایا سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں) مشرکین اللہ تعالیٰ کے شریک قرار دیتے تھے اور غیر اللہ کو بھی عبادت کا مستحق جانتے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ مخلوقوں میں سے کوئی اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو اور اس سے برتر ہے کہ کوئی اس سے برابر ہو اور مستحق عبادت ہو یہ مضمون جملہ قرآن مجید میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ (وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح یعنی اپنی وحی نازل فرماتا ہے کہ اس بات سے باخبر کردو کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو مجھ ہی سے ڈرو) مفسرین نے روح سے وحی مراد لی ہے اور من امرہ سے اس کا بیان قرار دیا ہے اور ملائکہ سے جنس کے طور پر حضرت جبرئیل کو مراد لیا ہے آیت شریفہ میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ پر چاہتے وحی بھیج دیتا ہے اور وحی بھیجنا اس لئے ہے کہ وحی لانے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو یہ خبر پہنچا دیں کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی پہنچا دیں کہ ارتم نے توحید کی دعوت دی قبول نہ کیا تو عذاب میں مبتلا ہوگے لہٰذا تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

اس کے بعد آسمان اور زمین کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا (اس آیت کے پہلے صفحات پہلے سورۂ حجر کے آخری رکوع میں گزر چکی ہے) پھر بطور تاکید مضمون سابق کا اعادہ فرمایا تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے جو وہ شریک تجویز کرتے ہیں)۔

پھر انسان کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ (اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا پھر یکایک وہ جھگڑالو ہو گیا واضح طور پر) انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی کے نطفہ سے پیدا فرمایا جو انسان کے نزدیک خود ایک گندی اور ذلیل چیز ہے یہ تین انسان اپنی اصل کو تو دیکھتا نہیں اور جھگڑے بازی کرتا ہے اس کا یہ جھگڑا صرف مخلوق ہی کے ساتھ نہیں خالق تعالیٰ جل مجدہ کی خبر اور احکام میں بھی جھگڑے بازی کرتا ہے سورۂ یٰسین میں فرمایا اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ (کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے نطفہ سے

پیدا کیا سو یکا یک وہ واضح طور پر جھگڑا لو ہو گیا اور اس نے ہمارے بارے میں مثل بیان کر دی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا وہ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا اس حال میں کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی) معالم التنزیل ص ۶۲ ج ۳ میں لکھا ہے کہ ابی بن خلف مشرک ایک دن ایک بوسیدہ ہڈی لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کیا تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے بوسیدہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کر دے گا؟ اس پر آیت بالا نازل ہوئی، سبب نزول جو بھی ہو آیت بالا میں انسان کا جھگڑالو ہونا بیان فرمایا ہے مشرکین اور کافرین کے جھگڑے جگہ جگہ قرآن حکیم میں نقل فرمائے ہیں اور ان کے سوالات اور کٹ حجتی کے جوابات بھی دیئے ہیں، کافر تو کافر ہیں جو لوگ نام کے مسلمان ہیں وہ بھی حجت بازی کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ شیطان کو ہمارے پیچھے کیوں لگا دیا؟ کبھی کہتے ہیں کہ جب پہلے سے تقدیر میں لکھ دیا ہے تو ہمارا مواخذہ کیوں ہے؟ کبھی کہتے ہیں کہ ہم نے کون سا تار بھیجا تھا کہ ہمیں پیدا کر دے؟ کبھی کہتے ہیں اور کون شریعت پر چل رہا ہے جو ہم چلیں؟ بعض لوگوں کو یوں بھی کہتے ہوئے سنا کہ سب نیک ہو جائیں تو دوزخ کس سے بھرے گی بعض لوگوں سے یہ بات بھی سنی گئی ہے کہ اللہ کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں ہے ہم نے عبادت نہ کی تو کیا حرج ہے؟ ایسا کہنے والے وہ لوگ ہیں جو اسلام کے بھی دعوے دار ہیں اور اللہ تعالیٰ پر بھی اعتراض کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے سے کفر عائد ہوتا ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ

اور اس نے چوپایوں کو پیدا فرمایا ان میں تمہارے لئے سردی سے بچنے کا سامان ہے اور فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو، اور تمہارے لئے ان میں رونق ہے

حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ

جب تم شام کو لاتے ہو اور صبح کو چھوڑتے ہو، اور وہ تمہارے بوجھوں کو ایسے شہروں کی طرف اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم اپنی جانوں کی مشقت کے

الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ

بغیر پہنچ نہیں سکتے تھے، بلاشبہ تمہارا رب رؤف ہے رحیم ہے، اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا فرمائے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے طور پر،

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور وہ پیدا فرماتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

چوپائے اللہ تعالیٰ کے انعام ہیں ان سے متعدد قسم کے منافع متعلق ہیں

اپنے بندوں پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کے بے انتہا انعام ہیں، طرح طرح کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں جن سے انسان منتفع اور متمتع ہوتے ہیں، ان چیزوں میں حیوانات یعنی چوپائے بھی ہے ان چوپایوں سے کئی طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں، آیات بالا میں جن منافع کا خصوصی طور پر تذکرہ فرمایا ان میں سے ایک تو سردی کا انتظام ہے یعنی ان کے جسم سے بال اور اون کاٹتے ہیں پھر ان سے کپڑے بناتے ہیں، کمبل وغیرہ تیار کرتے ہیں، کھالوں کے بھی کپڑے بنا لیتے ہیں اور ان سے بستر بھی تیار کرتے ہیں نیز کھالوں سے خیمے بھی تیار ہوتے ہیں جس کا اسی سورت کے گیارہویں رکوع میں تذکرہ فرمایا ہے، چوپایوں کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

چوپایوں کا دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ اس میں تمہارے لئے رونق ہے جبکہ تم انہیں شام کو چراگاہوں سے واپس لاتے ہو اور صبح کو چراگاہوں

کی طرف لے جانے کے لئے چھوڑتے ہو یہ رفق جو جانوروں سے حاصل ہوتی ہے اس کو جانور والے ہی جانتے ہیں جس کسی کے پاس بہت سے مویشی ہوں، جب وہ صبح شام اپنے جانوروں کو آتا جاتا دیکھتا ہے تو خوشی میں پھولا نہیں سماتا گاؤں کا چودھری چارپائی پر بیٹھے ہوئے جب اپنے جانوروں پر نظر ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ احاطہ جانوروں سے بھرا ہوا ہے اور جانور بول رہے ہیں ان کے بچے پیدا ہو رہے ہیں اس وقت جو اس کی کیفیت ہوتی ہے اس کا پوچھنا ہی کیا ہے، جب شام کو جانور پیٹ بھرے ہوئے واپس آتے ہیں جن کے تھن بھی دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور پھر نوکر چاکر دودھ دوہنے لگتے ہیں اس وقت جو چودھری صاحبان کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور وہ خوشی میں مست و مگن ہوتے ہیں اسے دیکھنے والے ہی جانتے اور سمجھتے ہیں۔

چوپایوں کا تیسرا فائدہ یہ بتایا کہ وہ تمہارے بوجھ والے سامان کو اٹھاتے ہیں دور شہروں میں پہنچاتے ہیں اگر یہ جانور نہ ہوتے تو تمہیں یہ بوجھ خود اٹھانے اور لے جانے پڑتے اور اس وقت تم مصیبت میں پڑ جاتے، بڑی محنت اور تکلیف کے ساتھ سامان پہنچاتے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جانور پیدا فرما دیئے جو تمہارے بوجھ اٹھانے کی خدمت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بڑی شفقت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

اس کے بعد سواری کے جانوروں کا تذکرہ فرمایا وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً اللہ تعالیٰ نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا فرما دیئے تاکہ تم ان پر سوار ہو، اور ان میں تمہارے لئے زینت بھی ہے، ان تینوں قسم کے جانوروں پر سواری بھی کرتے ہیں اور خچر اور گدھے تو اپنے سوار کے ساتھ بہت سا بوجھ بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں، یہ جانور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے اور انسانوں کے لئے مسخر بھی فرمائے اسی کو سورۂ زخرف میں فرمایا لِتَسْتَوُوا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ (تاکہ تم ان کی پشتوں پر بیٹھ جاؤ پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب ان پر بیٹھ چکو اور یوں کہو کہ وہ ذات پاک ہے جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا اور ہم اسے قابو میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) یہ جانور اللہ تعالیٰ نے مسخر فرما دیئے اگر جانور بنی ہو جائے اور قابو نہ دے نہ بیار سے مانے نہ چکار سے تب انسان کو اللہ تعالیٰ کی تسخیر کا پتہ چلتا ہے کہ اس نے محض اپنے کرم سے ان جانوروں پر قابو دے دیا سورۂ یٰسٓ میں یوں ارشاد فرمایا وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝ (اور ہم نے جانوروں کو ان کا فرمانبردار بنا دیا سو ان میں سے بعض سواری کے جانور ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، گھوڑوں، خچروں اور گدھوں سے پہلے جن جانوروں کا ذکر تھا ان کے بارے میں وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ فرمایا اور یہاں وَزِينَةً فرمایا جس طرح مذکورہ مویشیوں کے آتے جاتے وقت صبح شام مالکوں کی شان و شوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے اسی طرح سواری کے جانوروں سے بھی مالکوں کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے

فائدہ آیت بالا میں اجمالی طور پر چوپایوں کے منافع کا تذکرہ فرمایا پھر تفصیلاً بھی بعض منافع ذکر فرما دیئے اور سورۂ یٰسٓ میں منافع کے ساتھ مشارب کا ذکر بھی فرمایا سورۂ نحل کے نویں رکوع میں دودھ کا ذکر بھی فرمایا ہے، یہ دودھ گوبر اور خون کے درمیان سے صاف ستھرا نکل آتا ہے جسے گلے سے باآسانی اتار لیتے ہیں، جن منافع کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا ان میں کھالیں بھی ہیں اور ہڈیاں بھی ہیں ان سے بھی انسان نفع اٹھاتے ہیں اور اب تو انسانی اعضاء کا مبادلہ بھی شروع ہو گیا ہے مثلاً کسی کا کوئی عضو خراب ہو جائے تو اسے بنا کر جانوروں کے اعضاء لگا دیئے جاتے ہیں۔

فائدہ ثانیہ سواریوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ بھی فرمایا (اللہ تعالیٰ وہ چیزیں پیدا فرماتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے) اس کے عموم میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو نزول قرآن کے وقت دنیا میں موجود نہ تھیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بعد میں پیدا فرمائیں

اور آئندہ کیا کیا پیدا ہوگا اس کا علم بندوں کو نہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ کو ان کا بھی علم ہے چونکہ اس بات کو سواریوں کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے اس لئے بعض اکابر نے نو ایجاد سواریوں کے بارے میں فرمایا کہ ہوائی جہاز اور ریل اور موٹر کار وغیرہ ان سب کے وجود میں آنے کی طرف آیت شریفہ میں اشارہ ملتا ہے بلکہ قیامت تک جتنی بھی سواریاں ایجاد ہوں گی عموم الفاظ میں ان سب کی خبر دے دی گئی ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ع ۷

اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اس سے ہٹے ہوئے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔

اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہت سے لوگ ہٹے ہوئے ہیں

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک سیدھا راستہ پہنچتا ہے، صراط مستقیم یعنی دین اسلام پر جو شخص چلے گا وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا یعنی اللہ کی رضا اس کو حاصل ہو جائے گی اور دوسرے راستے ٹیڑھے ہیں وہ طریق حق سے ہٹے ہوئے ہیں جو شخص ان پر چلے گا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل نہ ہوگی، آخرت میں مبتلائے عذاب ہوگا۔

ولو شآء لھدٰکم اجمعین ہ (اور اگر چاہے تو تم سب کو ہدایت دے) جو لوگ ہدایت کے طالب ہوتے ہیں دلائل میں غور و فکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے دیتا ہے طریق حق تو اس نے واضح طور سب کے لئے بیان فرما دیا اب جو شخص ہدایت کے لئے فکر مند ہوگا دلائل میں غور کرے گا اسے ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب بھی حاصل ہو جائے گی۔

بعض حضرات نے وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو مجبور کر کے سب کو صراط مستقیم پر ڈال دیتا، لیکن حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جبر نہ کیا جائے دونوں راستے بیان کر دیئے جائیں اب جو چاہے اپنے اختیار سے صراط مستقیم کو اختیار کر کے جنت میں چلا جائے اور جو چاہے کجی والا راستہ اختیار کر کے دوزخ میں چلا جائے۔

وعلی اللہ قصد السبیل کا ترجمہ ایک تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ اللہ صحیح راہ بتاتا ہے یہ اس نے اپنے ذمہ لیا ہے، اس نے دلائل بیان کر دیئے اپنے نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ حق پہنچا دیا ہے وہ کسی کو حق کی راہ بتائے بغیر عذاب نہ دے گا اور بہت سے لوگ حق کو جانتے ہوئے اس سے ہٹے ہوئے ہیں۔ (معالم التنزیل ص ۶۳ ج ۳)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا اس میں پینے کا پانی ہے اور اس کے ذریعے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم چراتے ہو،

لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اس کے ذریعہ کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ

جو غور کرتے ہیں، اور اس نے تمہارے لئے رات کو اور دن کو اور چاند کو اور سورج کو مسخر فرمایا اور ستارے اس

مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا

اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا

مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ

فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ

بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝

گزشتہ آیات میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور درمیان میں بطور جملہ معترضہ سیدھے راستے کی تشریح فرمادی اگر کوئی شخص دلائل میں غور کرے گا تو وہ راہ مستقیم پر چلے گا اور راہ حق پالے گا مذکورہ آیت میں بھی چند دلائل توحید بیان فرمائے ہیں۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے اس پانی سے ایک تو یہ فائدہ ہے کہ اس میں بہت سا حصہ پینے کے کام آتا ہے آسمان سے برسے ہوئے میٹھے پانی سے مخلوق سیراب ہوتی ہے اور اس پانی سے درخت بھی پیدا ہوتے ہیں ان درختوں کے بہت سے فوائد ہیں جن میں ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ درخت جانوروں کی خوراک بنتے ہیں ان جانوروں کو درختوں میں چھوڑ دیتے ہیں جہاں وہ چارہ کھاتے ہیں نیز اس پانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اگاتا ہے اور ان کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے پھل پیدا فرماتا ہے ان درخت بارش کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور پھلتے پھولتے ہیں بارش کے پانی کے مذکورہ فوائد و منافع بیان فرمانے کے بعد فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں)

دوم لیل و نہار (رات دن) کی تسخیر بیان فرمائی، اللہ تعالیٰ رات کو پیدا فرماتا ہے جس میں آرام کرتے ہیں اور دن کو پیدا فرماتا ہے جس میں معاش کی طلب میں نکلتے ہیں۔

سوم شمس و قمر کی تسخیر کا تذکرہ فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے آفتاب اپنی حرارت اور روشنی کے ساتھ طلوع ہوتا ہے پھر غروب ہو جاتا ہے اس عرصہ میں اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں روشنی اور گرمی کا فائدہ تو سبھی کو معلوم ہے اس کی حرارت کی وجہ سے کھیتیاں بھی پکتی ہیں اور پھل تیار ہوتے ہیں اور آفتاب سے بجلی بھی حاصل کرتے ہیں اور چاند کو بھی مسخر فرمایا جس کی جیسی جیسی روشنی میں ایک خاص کیف ہوتا ہے سفر و حضر میں چلنے والوں کو چاند کے ذریعے راستے معلوم ہوتے ہیں۔

چہارم ستاروں کی تسخیر کا تذکرہ فرمایا، یہ سب ستارے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اس کی مشیت اور ارادہ کے پابند ہیں ہزاروں

سال نکالنے جو قدرتیں ان کی مقرر فرمائی ہیں نہیں کے مطابق چلتے ہیں کسی آلہ یا انجن کے بغیر محض امر الٰہی سے رواں دواں ہیں، ان سب کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں)

پنجم زمین سے پیدا ہونے والی مختلف اقسام کی چیزوں کا تذکرہ فرمایا، اور فرمایا کہ اللہ نے یہ چیزیں تمہارے لئے زمین میں پیدا فرمائی ہیں، ان کی جمع ہے عربی میں ان رنگ کہتے ہیں بعض مفسرین نے الوان کا ترجمہ اقسام کیا ہے الفاظ کا عموم زمین پر پیدا ہونے والی اور رہنے والی اور رہنے والی سب چیزوں کو شامل ہے جتنی بھی چیزیں زمین میں پائی جاتی ہیں حیوانات معدنیات نباتات جمادات وغیرہ مذکورہ بالا آیت میں اجمالی طور پر ان کا تذکرہ آگیا، یہ چیزیں رنگ برنگ کی ہیں، ان کی مختلف صورتیں ہیں اور طرح طرح کے انواع و اقسام ہیں ان سب میں انسانوں کے لئے منافع ہیں، یہ چیزیں غذاؤں میں بھی کام آتی ہیں، اور مکانات کی تعمیر میں بھی اور امراض کے علاج میں بھی ان چیزوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ ۝ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں)۔

ششم سمندر کی تسخیر کا تذکرہ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے سمندر پیدا فرمائے اور بندوں کے لئے ان میں منافع رکھ دیئے ان میں سے چار انعامات کا تذکرہ فرمایا اول تو یہ فرمایا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اس سے مچھلیاں مراد ہیں سمندر سے مچھلیاں نکالتے ہیں اور تازہ بھون کر یا پکا کر کھا لیتے ہیں، دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ تم سمندر سے زیور نکالتے ہو، اس سے موتی مراد ہیں جو سمندر سے نکالے جاتے ہیں جس کا سورہ رحمٰن میں ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ تیسرے کشتیوں کا تذکرہ فرمایا کشتیاں چھوٹی ہوں یا بڑی، بادبانی کشتیاں ہوں یا پیٹرول سے چلنے والے بڑے جہاز ہوں یہ سب پانی کو پھاڑتے ہوئے سمندر میں سے گزر جاتے ہیں ان کشتیوں کے ذریعہ سفر بھی طے ہوتا ہے ایک براعظم سے دوسرے براعظم پہنچ جاتے ہیں، یہ اسفار تجارت کے لئے بھی ہوتے ہیں اور تعلیم کے لئے بھی، کشتیوں کے ذریعے مال کی آمد و رفت بھی ہوتی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے کا ذریعہ ہے ایک براعظم کے لوگ دوسرے براعظم کی پیداوار کھاتے ہیں اور بھی دوسری استعمالی چیزیں برآمد کی جاتی ہیں اسکو وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ میں بیان فرمایا اور ساتھ ہی وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ بھی فرمادیا (اور تاکہ تم شکر ادا کرو) انسانوں میں شکر گزار کم ہوتے ہیں خالق کائنات جل مجدہٗ کی پیدا کی ہوئی نعمتیں تو استعمال کر لیتے ہیں لیکن شکر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس لئے بار بار شکر کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ہفتم زمین پر بھاری پہاڑ پیدا فرمانے کی نعمت یاد دلائی ہے اور فرمایا وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ (اور زمین میں بھاری پہاڑ ڈال دیئے تاکہ زمین تم کو لے کر ہلنے نہ لگے) زمین پر انسانوں کو بسایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ انسان ضعیف ہے اگر زمین حرکت کرتی اور ڈگمگاتی رہتی تو انسان کا جینا دشوار ہو جاتا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ڈگمگانے سے محفوظ فرمانے کے لئے اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے ان پہاڑوں کے بوجھ کی وجہ سے وہ حرکت نہیں کرتی، انسان اس پر چلتے پھرتے ہیں کام کاج کرتے ہیں وہ ہلنے اور ڈگمگانے سے محفوظ ہے، یہ انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے، جب بھی اللہ کی مشیت ہوتی ہے اور زمین حرکت میں آجاتی ہے تو تباہیاں فنا ہو جاتی ہیں جس کو زلزلہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں زمین گردش کرتی ہے یا نہیں اس کے بارے میں قرآن مجید میں نفیا و اثباتاً کوئی بات نہیں مذکور اگر زمین گردش کرتی ہو تو وہ ان تَمِیْدَ بِكُمْ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ آیت شریفہ میں زمین کے کانپنے اور ڈگمگانے کی نفی فرمائی ہے اگر وہ معتدل انداز میں چلتی رہے جیسا کہ دور حاضر کے اہل سائنس کہتے ہیں تو یہ ممکن ہے، قرآن میں اس کی نفی نہیں ہے۔

ہشتم نہروں کا تذکرہ فرمایا نہریں سمندروں سے چھوٹی ہوتی ہیں، میٹھے پانی کی ہوتی ہیں اور ان سے انسان اور حیوان، کھیتیاں اور باغات سیراب ہوتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں، نیل، فرات، دجلہ، جیحون، سیحون، گنگا، جمنا، راوی، چناب، جہلم، دریائے سندھ ان سے خلق کثیر منتفع اور مستفید ہوتی ہے۔

نہم یہ فرمایا کہ تمہارے لئے راستے بنائے، یہ راستے نرم زمین میں بھی ہیں اور پہاڑوں میں بھی، جنگلوں میں بھی اور آبادیوں میں بھی، سمندروں میں بھی اور فضاؤں میں بھی، ان راستوں کے ذریعہ پیدل چل کر یا سواریوں پر بیٹھ کر منزل مقصود پر پہنچتے ہیں سورۂ نوح میں فرمایا واللّٰہ جعل لکم الارض بساطا ۵ لتسلکوا منھا سبلا فجاجا۔ (اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو) اگر راستے بنے ہوئے نہ ہوتے اور انکل پچو سفر کرتے تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتے اس بات کو بیان فرمانے کے لئے سُبُلًا کے ساتھ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ بھی فرمایا راستوں کے ذکر کے ساتھ وعلمت بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں راستے بھی ہیں راستوں کی نشانیاں بھی ہیں درخت پہاڑ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے مسافر اندازہ کر کے چلتا رہتا ہے اور علی وجہ البصیرۃ اپنا سفر قطع کرلیتا ہے قال ابن کثیر قولہ علمٰت ای دلائل من جبال کبار واکام صغار و نحو ذٰلک یستدل بھا المسافرون برًا وبحرًا اذا ضلوا الطریق (ص ۵۲۵ ج ۲)

دہم ستاروں کے ذریعہ راستے معلوم کرنے کا تذکرہ فرمایا، ارشاد ہے وبالنجم ھم یھتدون (اور ستاروں کے ذریعہ لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں) جنگلوں میں پہاڑوں میں سمندروں میں جب رات کو راستہ خطا کر جاتے ہیں تو ستاروں کو دیکھ کر مشرق و مغرب و شمال جنوب کا پتہ چلا لیتے ہیں اگر ستارے نہ ہوں یا ستاروں کی پہچان نہ ہو تو حیران کھڑے رہ جائیں یا غلط راستے پر چل کر منزل مقصود کے علاوہ کسی دوسری جگہ جا پہنچیں فسبحان الذی خلق کل شیء۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

سو کیا جو پیدا کرتا ہو وہ اس کی طرح ہوگا جو پیدا نہیں کرتا، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے،

اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے، اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو، اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا

غیروں کو پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں، بے جان ہیں زندہ نہیں ہیں، اور نہیں

يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ ع ۸

خبر کہیں ہے کب اٹھائے جائیں گے۔

مخلوق اور خالق برابر نہیں ہو سکتے، تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہیں گن سکتے، اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ بے جان ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے؟

گزشتہ آیات میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور مخلوقات کی انواع واقسام بیان فرمائیں اور ان کے فوائد بھی بتائے، یہ تمام چیزیں اور ان کے علاوہ ہر چیز جو کبھی موجود تھی یا موجود ہے یا موجود ہوگی سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو جو بلوں نے دوسروں کی عبادت شروع کر دی ان کے وہ معبود اللہ کی مخلوق ہیں مخلوق خالق کے برابر نہیں ہو سکتی پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ مخلوق کو خالق کا ساجھی بنا دیا کچھ تو سمجھ کی بات کرتے اور دلائل توحید سے نصیحت لیتے، سورہ عنکبوت میں فرمایا هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (یہ اللہ کی مخلوق ہے سو مجھے دکھاؤ ان لوگوں نے کیا پیدا کیا جو اس کے سوا ہیں، بلکہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں) درحقیقت یہ بہت بڑی ہٹ دھرمی اور بے عقلی کی بات ہے کہ خالق و مخلوق کے برابر کر دیا جائے اور مخلوق کو معبود بنا لیا جائے، پھر فرمایا کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے پہلی نعمت تو یہ ہے کہ اس نے وجود بخشا اعضاء دیئے آنکھ ناک دیئے، سمجھنے کی قوت دی، اچھے برے کی تمیز عطا فرمائی، اور اس کے علاوہ بے انتہا نعمتیں ہیں، ان نعمتوں کی قدر دانی کا تقاضا یہ تھا کہ موحد بنتے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے لیکن اس کے برخلاف مشرکین نے شرک اختیار کر لیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت بیان فرمائی کفر و شرک بہت بڑا جرم ہے۔ لیکن اگر کوئی مشرک یا کافر توبہ کر لے اور ایمان والا بن جائے تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اگر کوئی شخص ایمان قبول نہ کرے تب بھی دنیا میں کچھ نہ کچھ نعمتیں ملتی رہتی ہیں، یہ شان رحمت کا مظاہرہ ہے، بعض حضرات نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے اگر اللہ تعالیٰ ہر نعمت کے مقابلہ میں شکر کا مطالبہ فرماتا تو اس سے عاجز رہ جاتے لیکن وہ غفور رحیم ہے گناہوں اور کوتاہیوں کو معاف کرتا ہے اور تھوڑے عمل پر بھی جزا دیتا ہے (ذکرہ ابن کثیر) پھر فرمایا وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝

(اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو) اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں جو اللہ کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری عقیدہ اور عمل سے کرتے ہیں یوں نہ سمجھیں جیسے دنیا گزر رہی ہے اس میں عام طور سے سزا نہیں دی جاتی، اسی طرح موت کے بعد بھی عذاب سے بچ جائیں گے اللہ تعالیٰ کو سب کے باطنی احوال معلوم ہیں اور ظاہری اعمال بھی، وہ اپنے علم کے مطابق شکر گزاروں کو ان کے شکر کا ثواب عطا فرمائے گا اور ناشکروں کا مواخذہ فرمائے گا، پھر فرمایا وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ۝ (اور یہ لوگ جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں یعنی ان کی عبادت کرتے ہیں اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ تو خود ہی مخلوق ہیں) جو چیز مخلوق ہے اس کا یہ مقام نہیں کہ معبود بن جائے یا اسے معبود مان لیا جائے عبادت کے لائق صرف خالق ہی ہے جل مجدہ وثناؤہ پھر فرمایا اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ (یعنی یہ بت جنہیں تم نے معبود بنا رکھا ہے بے جان ہیں زندہ نہیں ہیں) تم ان کی عبادت کیسے کرنے لگے؟ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ (اور ان باطل معبودوں کو خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے) ایمان اور عبادت کا سب سے بڑا انعام داخلہ جنت کی صورت میں موت کے بعد نصیب ہوگا اور یہ قیامت آنے پر موقوف ہے ان بے جان بتوں کو کچھ بھی خبر نہیں کہ مردے کب اٹھائے جائیں گے اگر ان سے موت کے بعد کسی طرح کا کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید رکھتے ہو تو یہ تمہاری غلطی ہے، جسے اعمال کا بدلہ دینا ہے وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ ہے اسے معلوم ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی تمہارے معبود جاہل محض ہیں، انہیں نہ کچھ علم ہے نہ قیامت کا پتہ ہے نہ قیامت کے آنے کی خبر ہے یہ موت کے بعد تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے قال ابن کثیر ص ۵۶۵ ج ۱۲ ای لا یدرون متی تکون الساعة فکیف یرتجی عندهٗ هذه نفع او ثواب او جزاء انما یرجی ذلک من الذی یعلم

کل شیء وھو خالق کل شیء

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ
مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾
لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ
اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

ع ۳

تمہارا معبود ایک ہی ہے وہ ظاہر اور پوشیدہ سب کو جانتا ہے گمراہ کرنے والے دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوں گے

مشرکین کی تردید اور ان کے معبودان باطلہ کی حالت بیان فرمانے کے بعد (کہ وہ مخلوق ہیں بے جان ہیں بے علم ہیں) اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان فرمائی اور فرمایا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (کہ تمہارا معبود اللہ ایک ہی ہے) اس کے بعد آخرت کے منکرین کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل حق سے انکار کرنے والے ہیں یہ تکبر انہیں حق قبول کرنے سے روکتا ہے لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں) یہ ان کے تکبر اور انکار آخرت پر دھمکی ہے اللہ تعالیٰ کو ان کی سزا دینے کا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (بلاشبہ وہ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) پھر فرمایا وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ (الآیۃ) (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں) صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ان لوگوں نے موسم حج میں مختلف گھاٹیوں پر مختلف لوگ بیٹھ گئے تھے جو لوگ حج کے لئے آتے تھے انہیں بہکاتے اور روکتے تھے تاکہ مسلمان نہ ہو جائیں جو لوگ آنے والے حجاج ان سے دریافت کرتے تھے کہ تمہارے رب کی طرف سے کیا نازل ہوا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں میں سے کون سی چیز کا تذکرہ فرمایا اور اللہ کی طرف سے جو ان پر نازل ہوا انہوں نے کیا بتایا اس پر یہ لوگ کہہ دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ نازل نہیں ہوا وہ تو پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں انہوں نے بھی سن رکھی ہیں انہیں کو بیان کر دیتے ہیں اس سے ان کا مقصد یہ تھا

کہ خود تو منکر ہیں ہی نبوت و رسالت کے بارے میں دریافت کرنے والوں کو بھی ایمان نہ لانے دیں انہوں نے اپنے کفر و اعمال بد کا بوجھ اپنے اوپر اٹھایا اور ساتھ ہی ان لوگوں کا بوجھ بھی اٹھایا جنہیں اپنی جہالت سے گمراہ کرتے ہیں اور اپنے شہر میں آنے والوں کو ایمان لانے سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں اسی کو فرمایا لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (کہ ان کی حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اپنے کفر و شرک اور گناہوں کے پورے پورے بوجھ اپنے اوپر اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے بھی بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے جنہیں گمراہ کیا تھا پھر فرمایا اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ (خبردار یہ برا بوجھ ہے جسے اپنے اوپر لاد رہے ہیں) اپنے کئے کی بھی سزا بھگتیں گے اور ان لوگوں کے گناہ بھی ان کے سر پڑیں گے جن کو بہکایا اور ورغلایا ان کے گناہوں کی بھی سزا ملے گی (وہ بھی عذاب سے نہ بچیں گے کیونکہ انہوں نے جانتے بوجھتے کفر اختیار کیا اور لوگوں کو ورغلانے میں آئے) سورۂ عنکبوت میں فرمایا وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (اور یہ لوگ ضرور ضرور اپنے بوجھوں کو اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اور البتہ قیامت کے دن ان سے ان باتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی جو جھوٹ موٹ بنایا کرتے تھے)

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ

بلاشبہ جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے مکر کیا سو اللہ نے ان کا بنایا ہوا گھر بنیادوں سے ڈھا دیا، پھر اوپر سے ان پر چھت آ پڑی،

فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ

اور ان پر اس طرح عذاب آ گیا کہ انہیں خیال بھی نہ تھا، پھر وہ انہیں قیامت کے دن رسوا کرے گا، اور فرمائے گا کہ

شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ

کہاں ہیں میرے شرکاء جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے؟ جن کو علم دیا گیا وہ کہیں گے کہ بلاشبہ آج رسوائی اور

وَالسُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ

بدحالی ہے کافروں پر، جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، سو وہ لوگ صلح کا

مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ

پیغام ڈالیں گے کہ ہم کوئی برا کام نہ کرتے تھے، ہاں! بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ سو جہنم کے دروازوں میں

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہو گے، سو تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے۔

معاندین سابقین کے عذاب کا تذکرہ قیامت کے دن کافروں کی رسوائی اور بدحالی، متکبرین کا برا ٹھکانہ ہے

مشرکین مکہ جو قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے اسلام اور داعی اسلام ﷺ کے خلاف طرح طرح کی تدبیریں سوچتے تھے اور آپس میں

مشورے کرتے تھے قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں ان لوگوں کی مکاری کا تذکرہ فرمایا جو پہلی امتوں میں گزرے ہیں، یہ لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کا کیا کرایا سب برباد کر دیا جیسے کوئی شخص عمارت بنائے اور پھر اس کی بنیادیں اور ستون گر پڑیں اور پھر اوپر سے چھت گر جائے، ان کی بنائی ہوئی تعمیر بھی برباد ہوئی اور خود بھی اس میں دب کر رہ گئے اپنے مقاصد میں ناکام ہوئے اور اس طرح پر عذاب آ گیا جس کا انہیں خیال بھی نہ تھا، آیت کریمہ سے عام اقوام مراد لی جائیں تو کسی خاص قوم یا کسی خاص شخص کی تعیین کی ضرورت نہیں رہتی کثیر تعداد میں ایسی قومیں گزری ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی اور ان کی تدبیریں ناکام ہوئیں اور ان پر عذاب آیا اور برباد و ہلاک ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں واختار جماعة بناء ه على التمثيل حسبما سمعتُ عليه فالمراد على المختار من الذين كفروا من قبل ما يشمل جميع الماكرين الذين هدم عليهم بنيانهم وسقط فى ايديهم (ص ۱۳۲ ج ۱۴)

اور حافظ ابن کثیر نے بھی (ص ۵۶۶ ج ۲) یہ بات لکھی ہے حيث قال هذا من باب المثل لابطال ما صنعته هؤلاء الذين كفروا بالله واشركوا فى عادته غيره

لیکن خود صاحب روح المعانیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ اور علامہ بغویؒ نے معالم التنزیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے نمرود بن کنعان مراد ہے جس نے شہر بابل میں ایک محل بنایا تھا جس کی اونچائی پانچ ہزار ہاتھ اور چوڑائی تین ہزار ہاتھ تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ آسمان پر چڑھے اور وہاں کے حالات معلوم کر کے آسمان والوں سے قتال کرے، اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیج دی جس نے اس محل کو گرا دیا اور اس کی چھت نمرود پر اور اس کے اتباع پر گر پڑی جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ صاحب روح المعانیؒ نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ خود نمرود اس وقت ہلاک نہیں ہوا تھا بلکہ محل کی بربادی کے بعد زندہ رہا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایک مچھر کے ذریعے ہلاک فرما دیا جو اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے بخت نصر مراد ہے اس نے بھی مکاری کی تھی اور اونچا محل بنایا تھا پھر وہ محل برباد ہو گیا یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اگر محل بنانے والی بات درست ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے فرعون نے اپنے وزیر سے کہا تھا يَا هَامَانُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا (اے ہامان بنا دے میرے لئے ایک عمارت شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں پھر موسیٰ کے معبود کو دیکھوں اور میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں) فرعون کی تدبیریں بھی فیل ہوئیں، قارون بھی اپنے گھر سمیت زمین میں دھنسایا گیا عاد و ثمود بھی برباد ہوئے اور دنیا میں عذاب چکھ لیا۔

فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ (سو تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا) مکذبین اور معاندین کو دنیا میں تو عذاب پہنچا ہی ہے آخرت میں بھی ذلیل ہوں گے اور عذاب میں ڈالے جائیں گے اس کو فرمایا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ (پھر اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن رسوا کرے گا اور سوال فرمائے گا کہ وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑے کیا کرتے تھے، اس موقع پر علم والے حضرات بول اٹھیں گے اور یوں کہیں گے اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (بلاشبہ آج رسوائی اور بدحالی کافروں پر ہے) الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (یہ وہ لوگ ہیں جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کیں کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے) کفر ہی پر جئے اور کفر ہی پر مرے لہٰذا آج کفر کی سزا ملے گی فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ (پھر کافر لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم کوئی برا کام نہ کرتے تھے) جب وہاں عذاب میں مبتلا ہوں گے تو اس کے چھٹکارے کے لئے

تدبیریں سوچیں گے، ان تدبیروں میں سے ایک تدبیر یہ ہوگی کہ سفارشی تلاش کریں گے اور یوں کہیں گے کہ کوئی ہماری سفارش کر دیتا، کبھی کہیں گے کہ یہاں سے نکال دیئے جاتے تو دوبارہ دنیا میں جا کر اچھے عمل کرتے اور کبھی اس بات کے منکر ہی ہو جائیں گے کہ ہم مشرک یا کافر تھے، اس آیت میں ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ہم تو کوئی برا کام نہ کرتے تھے، اس میں کفر سے بھی انکاری ہو گئے اور شرک سے بھی اور ہر قسم کی معصیت سے انکار کو وہ اپنی نجات کا ذریعہ بنائیں گے چونکہ صلح کرنے سے بعض مرتبہ مصیبت ٹل جاتی ہے اس لئے اسے صلح سے تعبیر فرمایا، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ بَلٰی ہاں! تم نے برے کام کئے ہیں اور بہت بڑے جرم کئے ہیں کفر کیا شرک کیا پھر کہتے ہو کہ ہم نے کوئی بھی برا کام نہیں کیا (یہ انکار اور دھاندلی قیامت کے دن چلنے والی نہیں ہے) اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جانتا ہے جو تم کیا کرتے تھے)

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (سو تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو گے) فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (سو تکبر والوں کا برا ٹھکانہ ہے) تکبر نے ان کو حق قبول کرنے نہ دیا لہٰذا دوزخ ہی ان کے مناسب حال ہے۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ

اور جو لوگ کفر و شرک سے بچتے ہیں ان سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ بڑی خیر نازل فرمائی، جن لوگوں نے اس دنیا میں

الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا

اچھے کام کئے ان کے لئے بھلائی ہے اور بلاشبہ دار آخرت بہتر ہے، اور البتہ متقیوں کا گھر اچھا ہے، ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں ان میں وہ داخل ہوں گے،

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ

ان باغوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کیلئے اس میں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، اسی طرح اللہ ان کو بدلہ دیتا ہے، جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں جن کی روحیں

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو تم اپنے اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اہل تقویٰ کا اچھا انجام، انہیں جنت کے باغوں میں وہ سب کچھ نصیب ہوگا جو ان کی خواہش ہوگی

گزشتہ آیات میں کافروں کے مکر اور آخرت میں جو انہیں عذاب ہوگا اور رسوائی ہوگی اس کا ذکر تھا اور اس بات کا بھی ذکر تھا کہ فرشتے ایسی حالت میں ان کی جانیں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، ان آیات میں اہل ایمان کے اچھے اعمال اور اچھے اقوال کا تذکرہ فرمایا اور انہیں بشارت دی کہ وہ ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور ان باغیچوں میں ان کی خواہش کے مطابق سب کچھ موجود ہوگا جو بھی چاہیں گے وہ سب ملے گا، سورۂ زخرف میں فرمایا وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ (اور وہاں وہ چیزیں موجود ہوں گی جن کی ان کے نفسوں کو خواہش ہوگی اور جن سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو اسی طرح بدلہ عطا فرماتا ہے، تقویٰ میں ہر چیز آ گئی شرک و کفر سے بچنا اور تمام گناہوں سے بچنا لفظ

تقویٰ ان سب کو شامل ہے متقی حضرات کی موت کے وقت کی حالت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ فرشتے ان کی روحیں اس حال میں قبض کریں گے کہ یہ لوگ پاکیزہ ہوں گے جس کا دل کفر و شرک سے پاک ہو اور دل میں ایمان کی نورانیت ہو اور اس کا ظاہر اعمال صالحہ سے مزین ہو ظاہر ہے کہ موت کے وقت بھی اس کی حالت اچھی ہوگی، فرشتے بھی ان سے اچھا معاملہ کرتے ہیں اور انہیں اس وقت سلام پیش کرتے ہیں اور جنت کی بھی بشارت دے دیتے ہیں، دنیا سے ایمان پر رخصت ہونا اور اچھے اعمال لے کر جانا یہ جنت میں جانے کا سبب ہے، جنت کا حقیقی داخلہ تو قیامت کے دن ہوگا لیکن موت کے وقت اس کی خوشخبری بھی بہت بڑی نعمت ہے فی معالم التنزیل ص ۶۶ ج ۳ طیبین مؤمنین طاهرین من الشرک. قال مجاهد زکیة افعالهم و اقوالهم وقیل معاد ان وفاتهم تقع طیبة سهلة)

فائدہ چند آیات پہلے فرمایا تھا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اور یہاں ان آیات میں فرمایا وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان دونوں آیتوں کا سبب نزول ایک ہی ہے جس کا تذکرہ آیت كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور وہ یہ کہ مکہ معظمہ کے مشرکین نے یہ مشورہ کیا کہ اس شہر میں آنے والوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور رکھنے کے لئے مختلف راستوں پر بیٹھ جاؤ جب اس پر عمل کیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس کسی قبیلے کا کوئی نمائندہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھتا تو جھوٹی باتیں کر کے اسے وہیں سے برگشتہ کرتے تھے جب وہ لوگ اپنی قوم میں واپس ہوتے اور ان کی قوم کے لوگ دریافت کرتے کہ کیا معلوم کر کے آئے ہو تو یہ نمائندہ انہیں راستوں پر بیٹھنے والوں کا قول نقل کر دیتا تھا اور کہہ دیتا تھا۔ اساطیر الاولین (کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں) اور ان نمائندوں میں سے جو شخص یہ طے کر رہی لیتا کہ مجھے اصل بات کا پتہ چلانا ہی ہے تو وہ ان لوگوں کی باتوں میں نہ آتا تھا اور حضور اقدس ﷺ تک پہنچ ہی جاتا تھا یہ شخص مکہ معظمہ میں داخل ہو جاتا اور مؤمنین سے ملاقات کرتا اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کے بارے میں دریافت کرتا تو اہل ایمان جواب میں کہتے تھے کہ آپ کی دعوت حق ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ پر خیر نازل فرمائی ہے مؤمنین کا جواب سن کر یہ نمائندہ مطمئن ہو جاتا اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو مطمئن کر دیتا تھا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ

یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا آپ کے رب کا حکم آ جائے، اسی طرح ان لوگوں نے کیا

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ

جو ان سے پہلے تھے، اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے، سو انہوں نے جو برے کام کئے ان

مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ع

کی سزا میں انہیں مل گئیں اور جس چیز کا وہ مذاق بناتے تھے اس نے انہیں آ گھیرا۔

منکرین اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں

اہل کفر دعوت حق کو قبول نہ کرتے تھے اور انہیں برابر کفر پر اصرار تھا، واضح دلائل سامنے آنے پر بھی ہدایت سے اعراض کرتے تھے ان کے بارے میں فرمایا کہ جب دلائل واضحہ ظاہرہ کو نہیں مانتے تو کس بات کا انتظار ہے؟ ان کا طریقہ کار تو یہ بتاتا ہے کہ وہ اس بات کے منتظر

ہیں کہ فرشتے آ جائیں یا آپ کے رب کا حکم یعنی موت آ جائے لیکن اس وقت ایمان قبول نہ ہوگا، جیسے کہ انہیں اپنے کفر پر اصرار ہے ان سے پہلے لوگ ایسی ہی حرکتیں کرتے رہے پھر ان پر عذاب آ گیا، عذاب کی باتیں سامنے آتی تھیں تو مذاق بناتے تھے پھر جب عذاب نے گھیر لیا تو بچاؤ کا کوئی بھی راستہ نہ پا سکے، ان پر جو عذاب آیا وہ ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ تھا جیسا کہ ویب بھر اپنی جانوں پر خود ظلم کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا یہ مضمون سورہ بقرہ کی آیت هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ اور سورۂ انعام کی آیت هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ میں بھی گزر چکا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا

اور جن لوگوں نے شرک کیا انہوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم کسی چیز کی عبادت نہ کرتے نہ ہم نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے

مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ

فیصلہ کی چیز کو حرام قرار دیتے، ان لوگوں نے یہی کیا جو ان سے پہلے تھے سو رسولوں کے ذمہ صرف واضح طور پر

الْمُبِينُ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ

پہنچا دینا ہے، ہر بستی میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچتے رہو،

فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض ایسے تھے جن پر گمراہی ثابت ہو گئی، سو تم زمین میں چلو پھرو

فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾ إِن تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ

پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ اگر آپ ان کی ہدایت پر حرص کریں سو بلاشبہ اللہ ایسے ہدایت

لَا يَهْدِي مَن يُضِلُّ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٣٧﴾

نہیں دیتا جسے گمراہ کرتا ہے اور ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔

مشرکین کی ہٹ دھرمی، اور ہر امت کے لئے رسول کی بعثت کا تذکرہ

مشرکین شرک کرتے ہی تھے اللہ نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا انہیں بھی حرام قرار دیتے تھے، جب توحید کی دعوت دی جاتی تھی تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو یوں جواب دیتے تھے کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے رسول ہو اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو ہمیں اس بات کا جواب دو کہ ہم جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں بقول تمہارے اللہ تعالیٰ ہمارے ان اعمال سے ناراض ہے اگر وہ ناراض ہے تو ہمیں ایسا کیوں کرنے دیتا ہے، جب وہ ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی کام اس کی مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتا تو ظاہر ہے کہ ہمارے باپ دادوں نے جو یہ کام کئے اور ہم بھی کر رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہیں، اس کی مشیت نہ ہوتی تو نہ باپ دادے ایسا کرتے نہ ہم کرتے ہم ایسا کرتے ہیں اور اس کے علم میں ہے اور اس کی مشیت سے کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ ان کاموں سے

راضی ہے، مشرکین کا یہ قول سورۂ انعام کے (رکوع نمبر ۱۹) میں بھی گزرا ہے وہاں فرمایا ہے كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا

(اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا) سورۂ انعام میں مزید فرمایا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا (آپ فرما دیجئے کہ تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے تم ہمارے لئے ظاہر کرو اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ (تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور تم صرف اٹکل پچو باتیں بناتے ہو) سورہ انعام کی آیت میں ان لوگوں کی بات کی تردید فرما دی کہ تم صرف جاہلانہ باتیں کرتے ہو اور اٹکل پچو حجت بازی کرتے ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق بھی ہے اور اس کی مشیت کے بغیر کچھ ہو بھی نہیں سکتا لیکن کسی کام کو ہونے دینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام سے راضی بھی ہے، مشیت کی وجہ سے کسی کام کا وجود میں آجانا اور بات ہے اور کسی کام سے راضی ہونا یہ دوسری بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انسانوں کو ابتلاء اور امتحان کے لئے دنیا میں بھیجا ہے اور موت اور حیات کو آزمائش کے لئے پیدا فرمایا ہے (كَمَا قَالَ تَعَالٰى لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور ان کو سمجھ دے دی اور عقل عطا فرما دیا اور اعمال کا اختیار دے دیا بندے خیر کے کام بھی کر سکتے ہیں اور شر کے کام بھی، ایمان بھی قبول کر سکتے ہیں اور کفر بھی كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (ایسے ہی ان لوگوں نے کیا جو ان سے پہلے تھے سو رسولوں کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے)

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا انہوں نے خیر اور شر کو سمجھایا ایمان کے منافع بتائے اور موت کے بعد جو اس کا فائدہ ہوگا یعنی نجات اور جنت کی نعمتیں، ان سے باخبر فرمایا ان کے ذمہ اتنا ہی تھا کہ خوب کھول کر واضح طریقے پر بیان فرما دیں، انہوں نے بیان فرمایا لیکن جسے نہ ماننا تھا اس نے نہ مانا، اپنے اختیار سے لوگ کفر اختیار کرتے ہیں اور شرک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حلال فرمودہ چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں پھر کٹ حجتی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار نہ دیا جاتا اور جبراً ایمان پر اور اعمال صالحہ پر لا دیئے جاتے تو ابتلاء اور امتحان کا کوئی موقع ہی نہ رہتا، امتحان تو اسی صورت میں ہے جب کہ خیر و شر دونوں جانب کا اختیار دے دیا گیا ہے یعنی یہ قدرت دے دی ہے کہ اگر چاہیں خیر پر چلیں اور اگر چاہیں تو شر پر چلیں، مشرکین نے اس بات کو سامنے نہ رکھا کہ دار ابتلاء امتحان میں خیر اور شر دونوں کی قدرت و استطاعت ہونا ہی ذریعہ امتحان ہو سکتا ہے جبراً جو کام لیا جائے وہ تو ذریعہ امتحان بن ہی نہیں سکتا، بہر معلوم ہوا کہ بہ مشیت خداوندی کسی چیز کا وجود میں آجانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی بھی ہے کٹ حجتی کرنے والے کفر و شرک کو نہیں چھوڑتے اور محض اٹکل اور گمان سے غلط اور الٹے الٹے جواب دیتے ہیں، "بر رسولاں بلاغ باشد" پس رسولوں نے بتا دیا اور سمجھا دیا اب جو عذاب میں جائے گا اپنے اختیار سے جائے گا۔

پھر فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے اور رسولوں کا یہ پیغام تھا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان کے اتباع سے دور رہو) مخاطبین میں دونوں طرح کے لوگ ہوئے جنہوں کو تو اللہ نے ہدایت دی۔ جنہوں نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بات مانی اور ان پر ایمان لائے اس کو فرمایا فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو کفر پر اڑے رہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پر کان نہ دھرا اور ان پر ایمان نہ لائے اسی کو فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ جن لوگوں سے قرآن نے خطاب فرمایا ان کے سامنے حق کی دعوت رکھ دی اور پرانی امتوں میں جنہوں نے حق کو ماننے سے انکار کیا تھا ان پر جو عذاب آئے ان کو بیان فرما دیا یہاں بھی منکرین و مکذبین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا فَسِيْرُوْا فِي

الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین (کہ زمین میں چل پھر دیکھو جنہوں نے جھٹلایا ان کا کیسا انجام ہوا؟)

رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں اس بات کا بہت زیادہ تقاضا تھا کہ جن لوگوں کے سامنے حق کی دعوت پیش کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلا رہا ہوں یہ لوگ ایمان قبول کر لیں، لیکن سارے انسانوں کا اسلام قبول کر لینا اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر میں نہیں ہے اس لئے ارشاد فرمایا ان تحرص علی ھدٰھم فان اللہ لا یھدی من یضل (اگر آپ حرص کریں تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ فرماتا ہے)

آپ اپنا کام کرتے رہیں جسے ایمان نہیں لانا وہ ایمان نہ لائے گا وما لھم من ناصرین (اور جو لوگ گمراہی اختیار کریں گے اور اس کی وجہ سے آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے ان کے لئے کوئی مددگار اور حمایتی نہ ہوگا، اگر یہ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ ہم اللہ کے علاوہ جن لوگوں کی پرستش کرتے ہیں وہ ہمیں اللہ کے عذاب سے بچا لیں گے یہ ان کی جہالت اور حماقت ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّ

اور ان لوگوں نے خوب زور دار طریقے پر اللہ کی قسم کھائی کہ جو شخص مر جاتا ہے اللہ اسے نہ اٹھائے گا، کیوں نہ اٹھائے گا، یہ پکا وعدہ ہے جسے اللہ نے اپنے ذمہ لازم کیا ہے لیکن

لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ

اکثر لوگ نہیں جانتے تاکہ اللہ ان لوگوں کے لئے ان باتوں کو بیان فرما دے جن کے بارے میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں، اور تاکہ کافر لوگ

كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے، ہم جس کسی چیز کو پیدا کرنا چاہیں اس کے بارے میں ہمارا یہ کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے۔

منکرین کا قسم کھانا کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد زندہ کر کے نہ اٹھائے گا، ان کی اس بات کی تردید اور اس کا اثبات کہ اللہ تعالیٰ کے ''کُنْ'' فرما دینے سے ہر چیز وجود میں آجاتی ہے

گزشتہ آیات میں مشرکین کا ذکر تھا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو بھی عبادت میں شریک کرتے تھے اور توحید کے منکر تھے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ان کو سمجھایا لیکن وہ نہ مانے پھر تکذیب کے نتیجہ میں ہلاک ہوئے۔ ان آیات میں منکرین بعث کا ذکر ہے مشرکین اور دوسرے کفار بعث اور حشر یعنی قیامت کا انکار کرتے تھے اور انکار بھی عجیب انداز میں نہیں بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی زوردار قسم کھا کر یوں کہا کہ جو لوگ مر جاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ نہ فرمائے گا، ان کے جواب میں فرمایا بلی جس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا انکار کرنا اور قسم کھانا یہ سب جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ وہ بندوں کو ضرور زندہ فرمائے گا، یہ اس کا پختہ وعدہ ہے اس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے، نہ جاننا اور ان کا نہ ماننا اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا نہ ہو، قیامت ضرور قائم ہوگی قبروں سے ضرور اٹھیں گے فیصلے ہوں گے، اللہ تعالیٰ شانہٗ واضح طور پر ان چیزوں کو بیان فرما دیں گے جن کے بارے میں لوگ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بات بتاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے سناتے تھے ان کو نہیں مانتے تھے، نیز اس دن کافروں کو بھی اپنے جھوٹا ہونے کا یقین ہو جائے گا، کفر اختیار کر کے

جو یہ کہتے تھے کہ اللہ ہم سے ناراض ہے تو ہمیں جبراً روک کیوں نہیں دیتا اور یوں کہتے تھے کہ قیامت قائم نہ ہوگی اور رسولوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ اللہ کے رسول نہیں ہیں ان سب باتوں میں ان کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو جائے گا۔

لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوتا تھا کہ مرنے کے بعد لوگ کیسے زندہ کئے جائیں گے؟ اللہ جل شانہٗ نے ان کا استبعاد دور فرمایا اور اپنی قدرت کاملہ بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ کہ جب ہم کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کریں تو ہمارا یہ فرما دینا کافی ہے کہ ہو جا لہٰذا وہ چیز وجود میں آجاتی ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کے پیدا فرمانے پر قدرت ہے، کسی بھی چیز کا پیدا کرنا اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے جس نے پہلے سب کو پیدا فرمایا وہ اس بات پر کیسے قادر نہ ہوگا کہ دوبارہ پیدا فرما دے، قیامت اور بعث وحشر کا انکار کرنے والے یہ تو مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا ہے لیکن یہ بات نہیں مانتے کہ موت کے بعد دوبارہ پیدا ہوں گے سورۂ ق میں ان کے استبعاد کو رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ (کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے) اور سورۂ یٰسٓ میں فرمایا قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُ ۝ (آپ فرما دیجئے کہ ان گلی ہوئی ہڈیوں کو وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) جس کے لئے کُنْ (ہو جا) فرمانے سے ہر چیز کا وجود ہو جاتا ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ دوبارہ کیسے پیدا فرمائے گا جہالت ہے اور حماقت ہے۔

کُنْ فرمانے کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں ضروری بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے (انوار البیان ج)

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ

اور جن لوگوں نے مظلوم ہونے کے بعد اللہ کے بارے میں ہجرت کی ہم انہیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے اور یہ بات یقینی ہے

الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۙ۝ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝

کہ آخرت کا ثواب بدرجہا بڑا ہے، کاش یہ لوگ جان لیں، وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں سے دنیا و آخرت کی خیر و خوبی کا وعدہ

مکہ معظمہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے توحید کی دعوت دینا شروع کی تو مشرکین مکہ کو بہت زیادہ ناگوار ہوا یہ لوگ آپ کے بھی دشمن ہو گئے اور جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے ان سے بھی دشمنی کرتے، شروع میں عموماً ایسے لوگوں نے اسلام قبول کیا جو دنیوی اعتبار سے بڑے نہیں سمجھے جاتے تھے یہ لوگ پردیسی تھے مالی اعتبار سے کمزور تھے اور ان میں بعض غلام تھے مکہ کے مشرک انہیں مارتے پیٹتے تھے اور بہت تکلیف پہنچاتے تھے لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو حبشہ جانے کی اجازت دے دی، حبشہ میں نصرانی حکومت تھی یہ حضرات وہاں پہنچے آرام سے رہنے لگے لیکن مکہ معظمہ کے مشرکوں نے وہاں بھی پیچھا کیا وہاں جا کر بادشاہ کو بہکایا اور ورغلایا اور کہا کہ ہمارے وطن کے کچھ لوگ جو نوعمر ہیں اور بے وقوف ہیں انہوں نے نیا دین اختیار کر لیا ہے اور وہ تمہارے ملک میں آگئے ہیں ان کو واپس کیا جائے، بادشاہ کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ نے سورۂ مریم سنائی اور پوری کیفیت بتائی کہ ہم لوگ دینی اعتبار سے ایسے ایسے بدحال تھے اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول بھیجا ہم نے ان کا اتباع کر لیا، یہ لوگ دشمنی کرتے ہیں اور ہمیں تکلیف پہنچاتے ہیں اسی لئے ہم تمہارے ملک میں آگئے ہیں، یہ سن کر بادشاہ اور اس کے متعلقین مطمئن ہو گئے اور ان حضرات کو حبشہ میں اطمینان سے رہنے کا موقع مل گیا پھر ان

میں سے بعض حضرات واپس مکہ مکرمہ آ گئے اور بعض حضرات وہیں رہتے رہے اور ۸ ہجری میں دوسری ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے، ان سے پہلے وہ حضرات مکہ معظمہ سے آ چکے تھے جنہوں نے براہ راست مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی بعض حضرات نے دو ہجرتیں کیں حبشہ بھی پہنچے اور وہاں سے مکہ معظمہ کو واپس پہنچے اور وہاں سے مدینہ منورہ چلے آئے اور بعض حضرات نے ایک ہی مرتبہ ہجرت کی، یہ ہجرتیں مشرکین کے ظلم کی وجہ سے تھیں، آیت بالا میں ہجرت کرنے والوں سے ایک تو وعدہ فرمایا ہے کہ ہم انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے دوسرے انہیں آخرت کے اجر سے باخبر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق حبشہ میں بھی ان کو اچھا ٹھکانہ دیا اور مدینہ میں بھی، اپنے وطن اور اعزہ واقربا، مال جائیداد وغیرہ کو چھوڑ دینا جہاں پیدا ہوئے پلے بڑھے آسان نہیں ہے لیکن حضرات صحابہؓ نے سب کچھ قربان کر دیا تکلیفیں برداشت کیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی انہیں اچھا ٹھکانہ دیا اور آخرت کے ثواب کی بھی خوشخبری دی اور فرمایا وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ کہ آخرت کا ثواب اس دنیاوی آرام وراحت اور مال ودولت سے بدرجہا بڑا ہے۔

ساتھ ہی لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ بھی فرمایا، اس کی ضمیر کس طرف راجع ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بطور جملہ معترضہ کافروں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے کا اور ہجرت کا آخرت والا ثواب جان لیتے تو یہ بھی مسلمان ہو جاتے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کی ضمیر مہاجرین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کو عین الیقین کے درجہ میں اپنی ہجرت کا ثواب معلوم ہو جاتا تو اور زیادہ دینی کاموں میں مشقت برداشت کرتے اور ہجرت کرنے میں جو سختیاں اور دشواریاں برداشت کیں ان پر اور زیادہ خوش ہوتے۔ (روح المعانی ص ۱۴۶ ج ۱۴)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ

اور آپ سے پہلے ہم نے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، سو تم اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں

لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

جانتے، ان رسولوں کو دلائل اور کتب کے ساتھ بھیجا، اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے بیان کریں جو آپ کی طرف اتارا گیا

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور تاکہ وہ لوگ فکر کریں۔

ہم نے آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے بیان کریں۔

ان آیات میں اول تو یہ بیان فرمایا کہ ہم نے پہلے جن کو رسول بنا کر بھیجا وہ انسان ہی تھے مشرکین مکہ کو یہ بات مستبعد معلوم ہو رہی ہے کہ ان کے پاس جو رسول آیا وہ انسان ہے حالانکہ رسول اور بشر ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے بلکہ انسانوں کی طرف انسان ہی کا مبعوث ہونا حکمت اور مصلحت کے مطابق ہے پھر فرمایا فَاسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ مفسرینؒ نے فرمایا ہے کہ اہل الذکر سے اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ مراد ہیں مشرکین مکہ تجارت کے لئے سال میں دو مرتبہ شام جایا کرتے تھے اور مدینہ منورہ میں یہودیوں پر ان کا گزر ہوتا تھا اور راستے میں نصرانیوں کے راہبوں سے بھی ملاقات ہوتی تھی جو جنگلوں میں رہتے تھے اور شام میں نصرانیوں کی حکومت تھی وہاں نصرانی بہت تھے ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں مشرکین مکہ جانتے تھے کہ یہودی اور نصرانی دین سماوی کے مدعی ہیں اسی

لئے انہوں نے مدینے کے یہودیوں سے معلوم کیا تھا کہ ہم صحیح راہ پر ہیں یا محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی ہدایت پر ہیں، جس کا ذکر سورۂ نساء (رکوع ۸) میں گذر چکا ہے، اہل مکہ انہیں صاحب علم سمجھتے تھے اس لئے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ سے معلوم کرو جو تمہیں انبیائے کرام علیہم السلام انسان تھے یا فرشتہ تھے یا اور کسی جنس سے تھے ان سے پوچھو گے تو یہی بتائیں گے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے جو نبی اور رسول آتے تھے وہ سب بشر تھے اور آدمی ہی تھے، مشرکین اور یہود و نصاریٰ کا مذہب ایک نہیں تھا لیکن مشرکین چونکہ انہیں اہل علم سمجھتے تھے اس لئے ارشاد فرمایا کہ ان سے پوچھ لو۔ بالبینات والزبر جار مجرور کس سے متعلق ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ ما ارسلنا سے متعلق ہے یعنی وما ارسلنا الا رجالا بالبینات والزبر کہ ہم نے آپ کو کھلے ہوئے دلائل کے ساتھ اور ان مضامین کے ساتھ بھیجا جو کتب سابقہ میں بیان کئے گئے۔ ہم نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے اس صورت میں وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ مقدر پر معطوف ہوگا۔

منکرین حدیث کی تردید

وانزلنا الیک الذکر میں قرآن کو ذکر بتایا کیونکہ وہ عبرتوں اور موعظتوں پر مشتمل ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا لتبین للناس ما نزل الیھم (تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس ذکر کو بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا) اس میں یہ بتایا کہ آپ کا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی کتاب بندوں تک پہنچا دیں بلکہ اس کا بیان کرنا بھی آپ سے متعلق تھا، اس میں ان ملحدوں اور زندیقوں کی تردید ہے جو یوں کہتے ہیں کہ رسول کی حیثیت (العیاذ باللہ) ایک ڈاکیے کی سی ہے انہوں نے قرآن لا کر دے دیا اب ہم اس کو خود سمجھ لیں گے یہ ملحد خود تو زندیق بن چکے ہیں اب چاہتے ہیں کہ امت کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبیں، جب رسول اللہ ﷺ کو درمیان سے نکال دیں گے تو عمل کرنے کے لئے پاس رہے گا کیا؟ قرآن مجید میں تو مجمل طریقے پر احکام بیان کئے گئے ہیں اس اجمال کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے، قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، سورۂ نساء میں رسول کی اطاعت کو اللہ ہی کی اطاعت بتایا ہے اور سورہ آل عمران میں آپ کے اتباع کا حکم دیا ہے (قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ) اور سورہ احزاب میں آپ کو مقتدیٰ بتایا ہے اور آپ کی ذات گرامی کو عمدہ نمونہ فرمایا ہے (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) جو شخص قرآن حکیم والد کی کتاب مانتا ہے اس پر واجب ہے کہ احادیث شریفہ میں وارد شدہ تفصیلات کے مطابق قرآن پر عمل کرے۔ حدیث کے بغیر کوئی شخص قرآن مجید پر چل ہی نہیں سکتا قرآن مجید میں حکم ہے کہ جب نماز کو کھڑے ہو تو ہاتھ منہ دھو اور سر کا مسح کرو جس کو سب عوام و خواص وضو کہتے ہیں لیکن یہ بات کتنی مرتبہ دھوے قرآن مجید میں نہیں ہے اور پھر اس وضو کو توڑنے والی کیا چیزیں ہیں" یہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ نماز پڑھنے کا حکم ہے لیکن رکعتوں کی تعداد نہیں بتائی، نماز میں نظر کہاں رہے، ہاتھ کہاں رہیں، ہر رکعت میں کتنے رکوع ہیں کتنے سجدے ہیں قرآن مجید نے یہ نہیں بتایا، قرآن مجید میں حج و عمرہ پورا کرنے کا حکم ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ دونوں کس طرح ادا ہوتے ہیں حج کس تاریخ میں ہوتا ہے؟ طواف میں کتنے چکر ہیں؟ کہاں سے شروع ہوتا ہے کہاں ختم ہوتا ہے" صفا و مروہ کے درمیان کتنی مرتبہ آنا جانا ہے، احرام کس طرح باندھا جاتا ہے، عمرہ میں کیا افعال ہیں یہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے میت کو غسل دیا جانا اور کفن دفن کا طریقہ بھی قرآن مجید میں ذکر نہیں فرمایا۔

نکاح انسانی زندگی کی اہم ضرورت ہے اس کا انعقاد کس طرح ہوتا ہے اور دیت (خون بہا) میں کیا دینا پڑتا ہے ایک جان کی دیت کتنی ہے اور مختلف اعضاء کی دیت میں کیا دیا جائے سب چیزیں بھی قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں، قرآن مجید میں حکم ہے کہ چوری کرنے والے

مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ کہاں سے کاٹا جائے اور کتنا مال چرانے پر کاٹا جائے کیا ایک چنا اور ایک اٹھروپے چرانے کا ایک ہی حکم ہے، پھر اگر دوسری بار چوری کرلے تو کیا کیا جائے، قرآن مجید میں زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے اس میں تفصیل ہے متفرق کر کے مارے جائیں یا متواتر، ان سب چیزوں کا جواب قرآن مجید میں نہیں ہے، مذکورہ بالا چیزیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائیں آپ کے بیان فرمانے کے مطابق ہی عمل کیا جائے تب قرآن مجید پر عمل ہوگا۔

قرآن مجید کا اعلان ہے کہ دین کامل ہے اور سب شرائع احکام ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں اور جو احکام قرآن میں مذکور ہیں وہ مجمل ہیں بیان اور تشریح کے بغیر قرآن مجید پر عمل نہیں ہوسکتا اور یہ بیان وتشریح کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے سپرد فرمایا ہے جیسے کہ اوپر آیت شریفہ میں واضح طور پر مذکور ہے منکرین حدیث کی یہ کیسی جاہلانہ بات ہے کہ جس پر قرآن مجید نازل ہوا اس کا بیان اور اس کی تشریح وتفہیم معتبر نہ ہو اور ان جاہلوں کی تفہیم اور تشریح معتبر ہو جائے، یہ لوگ انکار حدیث کا فتنہ لے کر اٹھے ہیں نہ صرف ونحو سے واقف ہیں نہ بلاغت وفصاحت سے، نہ انہیں صیغوں کی پہچان ہے، نہ حروف اصلیہ وزائدہ کی، نہ مواد واشتقاق سے باخبر ہیں لیکن قرآن دانی کا دعویٰ کر کے خود گمراہ ہو چکے ہیں اور امت مسلمہ کو گمراہ کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کو حجت نہ مانے وہ درحقیقت قرآن کا بھی منکر ہے جو شخص قرآن کو ماننے کا دعوے دار ہے وہ قرآن کی ان آیات کو کیوں نہیں مانتا جن میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اقتداء اور اتباع کو فرض قرار دیا گیا ہے اور آپ کے اتباع کو اللہ کا محبوب بننے کا ذریعہ بتایا ہے۔

بات یہی ہے کہ جن لوگوں نے فتنۂ انکار حدیث کا شوشہ نکالا ہے یہ لوگ خود سے سوچنے اور کرنے والے نہیں ہے ان کو یہود ونصاریٰ نے اور مشرکین نے اس کام پر لگایا ہے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر دشمنوں کا کھلونا بن گئے ہیں اعاد اللہ تعالی الامۃ المسلمۃ اما طلبھم

آیت کے ختم پر فرمایا وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (تاکہ یہ لوگ فکر کریں) قرآن مجید میں جو عبرت وموعظت اور جو واضح بیانات ہیں اور جو آیات تکوینیہ مذکور ہیں ان میں فکر کرنے سے ہدایت تک پہنچ سکتے ہیں اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ

جو لوگ بری تدبیریں کرتے ہیں یہ اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان کے پاس کسی جگہ سے عذاب آجائے

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ أَوْ يَأْخُذَهُمْ

جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہو یا اللہ ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے سو یہ لوگ عاجز کرنے والے نہیں ہیں یا ان کو کم کرتے کرتے

عَلَىٰ تَخَوُّفٍ ۚ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝

پکڑ لے سو بلاشبہ تمہارا رب بڑا مہربان ہے بڑا رحیم ہے۔

معاندین اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف نہ ہوں

ان آیات میں معاندین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اپنے عناد اور سرکشی کی وجہ سے جو حق کو آگے بڑھنے سے روکنے کی تدبیریں کرتے ہیں اور یہ

چاہتے ہیں کہ حق کو نہ خود مانیں نہ دوسروں کو قبول کرنے دیں یہ لوگ دنیا کی تھوڑی سی کھانے پینے والی اور آرام و راحت والی زندگی سے دھوکہ نہ کھائیں یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر ہیں، یہ لوگ اس بات سے نڈر ہیں کہ انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آجائے، انہیں خبر بھی نہ ہو یا اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں چلتے پھرتے پکڑ لے یا ان کی اس طرح گرفت فرمادے کہ ان کی جانوں کی تعداد کم ہوتی چلی جائے اور ان کے اموال گھٹتے چلے جائیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اگر اللہ تعالیٰ گرفت فرمائے چلنے پھرنے کی حالت میں پکڑ لے اور عذاب میں مبتلا فرمادے تو یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے چھوٹ نہیں سکتے اور بھاگ کر اسے عاجز نہیں کر سکتے وہ جس طرح عذاب دینا چاہے اور جس طرح گرفت فرمانا چاہے اسے پوری قدرت ہے فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اس میں یہ بتایا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ گرفت فرمانے پر قدرت رکھتا ہے اور جس طرح چاہے اور جب چاہے گرفت فرمالے اسے اختیار ہے لیکن وہ مہلت دیتا ہے رحم فرماتا ہے حق کی طرف رجوع کرنے کی مہلت دیتا ہے۔

قولہ تعالیٰ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ای محافة وحذر من الهلاك والعذاب بان ملك قوما او يحدث حالات يخاف منها غير ذلك كالرياح الشديدة والصواعق والزلازل فيتحوفوا بها فياخذهم بالعذاب وهم متخوفون ويروى نحوه عن الضحاك وقال غير واحد من الاجلة على ان يقصهم شيئا فشيئا فى انفسهم واموالهم حتى هلكوا من تخوفه اذا تنقص وروى تفسيره بذالك عن ابن عباس و مجاهد والضحاك ايضا

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ

کیا ان لوگوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں ان کے سائے دائیں طرف اور بائیں طرف کو اس طرح جھکتے ہیں کہ وہ اللہ کے

وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ

فرمانبردار ہیں اور عاجز ہیں اور جو چلنے والے آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے حیوانات اور فرشتے یہ سب اللہ کے حکم کے فرمانبردار ہیں اور وہ

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ ع ۶ السجدة ۳

تکبر نہیں کرتے وہ اپنے رب کی شان قہریت سے ڈرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

ہر مخلوق فرشتے وغیرہ اللہ تعالیٰ کے فرمان بردار ہیں

ان آیات میں بندوں کو اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور اپنی شان خالقیت اور مالکیت بیان فرمائی ہے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا فرمائی ہیں ان کو کیوں نہیں دیکھتے؟ ان میں غور کرو اور دیکھو کہ ان کا سایہ دائیں طرف اور بائیں طرف جو زمین پر پڑتا ہے اس سائے میں بھی اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت ظاہر ہو رہی ہے یہ سائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتے ہیں یہ سائے اسی طرف جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں اور اس کے حکم کے سامنے عاجز محض ہیں، اور یہ صرف سایوں پر اور سایہ والی چیزوں پر منحصر نہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار ہیں، ان میں حیوانات بھی ہیں اور فرشتے بھی اور یہ فرشتے تکبر نہیں کرتے فرماں برداری اور اطاعت ہی ان کا شعار ہے، فرشتے اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ پوری طرح قدرت رکھتا ہے اور قاہر اور غالب ہے اور اس سے ڈرتے ہیں کہ اس کی طرف سے کوئی گرفت نہ ہو جائے،

قال صاحب الروح (ص ۵۸ ج ۴) اومعنی کونه سبحانه فوقهم قهره وغلبته لان الفوقیة المکانیة مستحیلة بالنسبة الیه تعالی (وقال ابن) و حوف ربهم کنایة عن خوف عذابه (اور علامہ بغوی معالم التنزیل میں لکھتے ہیں) (هو) کقوله تعالی وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ.

سایوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتا ہے اسی طرف سایہ پڑتا ہے اور سایہ زیادہ بھی ہوتا ہے و رگھٹتا بھی ہے ہر طرح کا تصرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور سب تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کے منقاد اور فرماں بردار ہیں اس لئے سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دَاخِرُوْنَ ۝ فرمایا ہے سورۂ فرقان میں فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا (کیا تو نے اپنے رب کو نہیں دیکھا اس نے سایہ کو کس طرح پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا) جب آفتاب نکلتا ہے تو ہر چیز کا سایہ لمبا ہوتا ہے پھر جیسے جیسے آفتاب بلند ہوتا ہے سایہ کم ہوتا جاتا ہے بظاہر سایہ کا وجود آفتاب کے چڑھنے اور اس کے سامنے اجسام کثیف آنے کی وجہ سے ہے لیکن خود آفتاب کی حرکت ہی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے اور پھر سایوں کا وجود میں آنا اور گھٹنا بڑھنا یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو ذرا سا بھی سایہ نہ ہو، سایہ کا ایک مثل دو مثل ہونا سایہ کے بڑھنے ہی کی وجہ سے ہے اللہ چاہتا تو سایہ ایک ہی جگہ پر ٹھہرا رہتا جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے نہ آفتاب خود کوئی حیثیت رکھتا ہے اور نہ سایہ، سب اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔

سایوں کی فرماں برداری بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا جو بھی چیزیں آسمان اور زمین میں ہیں سب اللہ کی فرماں بردار ہیں، تکوینی طور پر ان کا وجود اور ان کی کیفیات اسی طرح سے ہیں جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے ان میں شمس و قمر ستارے درخت پہاڑ اور چوپائے بھی ہیں (جیسا کہ سورۂ حج کے دوسرے رکوع میں ان چیزوں کا خصوصی تذکرہ ہے یہاں سورۂ نحل میں مِنْ دَآبَّةٍ یعنی زمین پر جو چیزیں چلتی پھرتی ہیں وہ سب اللہ کی فرماں بردار ہیں، پھر خاص طور سے فرشتوں کا تذکرہ فرمایا کہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اور اس کے قہر اور غلبہ کے سامنے اپنے اندر کوئی بڑائی محسوس نہیں کرتے، سورۂ نساء میں فرمایا لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (مسیح اللہ کا بندہ ہونے سے ہرگز عار نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے) جتنی جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اسی قدر اس کی شان بندگی بڑھ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو جانتا اور مانتا ہے، فرشتوں کو تو بہت زیادہ معرفت حاصل ہے وہ کیوں کر عبادت سے عار اور فرماں بردار نہ ہوں گے، نہ صرف یہ کہ وہ عبادت سے عار اور سجدہ ریز ہیں بلکہ وہ اللہ کے عذاب سے بھی ڈرتے ہیں اور اس کے ہر حکم کی فرماں برداری کرتے ہیں۔

فائدہ: آیت شریفہ میں وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ فرمایا اس سجدہ سے مفسرین نے مطیع اور فرماں بردار ہونا مراد لیا ہے کیونکہ ظاہری حال میں ہر چیز سے سجدہ کا مظاہرہ نہیں ہو سکتا لیکن مخلوقات میں جو جماعتیں ذوی العقول ہیں (فرشتے اور انسان اور جن) ان کا سجدہ حقیقی بھی مراد ہو سکتا ہے اور یہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے طور پر نہیں بلکہ اس طرح سے کہ جو سجدہ ریز ہیں وہ فرمان برداری کے ذیل میں سجدہ کرتے ہیں، جن لوگوں کو اختیار دیا گیا ہے ان لوگوں کا مؤمن ہونا اور پھر اپنے اختیار سے سجدہ کرنا یہ انقیاد کا اعلیٰ درجہ ہے اہل ایمان تکوینی طور پر بھی منقاد ہیں اور تشریعی طور پر بھی، ہاں جو لوگ اہل ایمان نہیں ہیں وہ تکوینی طور پر منقاد ہیں اس لئے سورۂ حج میں وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فرمایا۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَلَهٗ مَا فِي

اور اللہ نے فرمایا کہ دو معبود مت بناؤ، وہ صرف ایک ہی معبود ہے، سو تم مجھ ہی سے ڈرو اور ہر کسی کے لئے ہے جو

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ

آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور دین اسی کا حق ہے، پھر کیا تم اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے ہو؟ اور تمہارے پاس جو بھی کوئی نعمت ہے وہ

اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ

اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو، پھر جب وہ تم سے اس تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں سے ایک جماعت

بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے تاکہ ہماری دی ہوئی نعمت کی ناشکری کریں، سو تم فائدہ حاصل کرو، پھر تم عنقریب جان لو گے۔

معبود صرف ایک ہی ہے ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے اسی سے ڈرو

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ دو معبود مت بناؤ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ تنہا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں، آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اسی کی مخلوق اور مملوک ہے (مخلوق اور مملوک اپنے خالق اور مالک کے برابر نہیں ہو سکتے لہٰذا معبود بھی نہیں ہو سکتے) جب سب کچھ اسی کی ملکیت ہے تو ہمیشہ ایسی فرماں برداری کرنا لازم ہے لازمی طور پر ہمیشہ اسی کی عبادت کرو جب اس کی اطاعت لازم ہے تو اس کے علاوہ کسی دوسرے سے ڈرنے کا کوئی موقع نہیں اس کو فرمایا اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ اس میں مشرکین کو تنبیہ ہے جو ادھر ادھر کے مارے ہوتوں کو پوجتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انکی پوجا نہ کی تو ہمیں تکلیف پہنچائیں گے قولہ تعالیٰ واصبا فسر بثلاثۃ معان (اول) دائما (والثانی) واجبا (والثالث) تاعبا ای تجب طاعۃ اللہ تعالیٰ ان تعب العبد فیھا قالہ القرطبی وما بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (اور جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں) ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔرُوْنَ کچھ جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اسی کی طرف متوجہ ہو کر گڑگڑاتے ہو اور فریاد کرتے ہو) جب ساری نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں اور دفع تکلیف بھی اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں تو شرک کیوں کرتے ہو؟ اس کے علاوہ دوسروں کی پوجا کر کے ہلاکت میں مبتلا نہ ہوں۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ (پھر جب اللہ تعالیٰ مصیبت کو دور فرما دیتا ہے تو تمہیں میں سے ایک جماعت کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں جس میں یہ بھی ہے کہ اس کی عطا فرمودہ نعمتوں کو گناہوں میں استعمال کرتے ہیں شرک کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور بتوں کے لئے حصے مقرر کرتے ہیں، جس کی کچھ تفسیر سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے، ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اپنی ذات کو عذاب میں دھکیلنے کا کام کرتے ہیں، اسی لئے فرمایا فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ یعنی نفع اٹھا لو مزے اڑا لو عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ان حرکتوں کا انجام کیا ہے؟ مرتے وقت اور دم نکلتے ہی جب عذاب میں مبتلا ہوں گے پھر قیامت کے دن دوزخ میں داخل ہوں گے اس وقت شرکیہ کرتوتوں کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝

اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان کیلئے حصہ مقرر کرتے ہیں جنہیں کچھ بھی نہیں جانتے۔ اللہ کی قسم تم سے اس بارے میں ضرور پرسش ہوگی جو تم افترا پردازی کرتے ہو۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ

اور اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لئے اپنی چاہت کی چیز، اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ

وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوٰرٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ

سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی دل میں گھٹتا رہتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے جو بشارت دی گئی اس کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپا ہوا رہتا ہے آیا اسے ذلت

عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

پر رکھے یا اسے مٹی میں گاڑ دے، خبردار بہت برے فیصلے ہیں، جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے

بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ان کی بری حالت ہے، اور اللہ کے لئے بلند صفات ہیں اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

مشرکین کی بھونڈی تجویز، اللہ کے لئے بیٹیاں اور اپنے لئے بیٹے تجویز کرتے ہیں خود ان کے یہاں بیٹی پیدا ہونے کی خبر مل جائے تو چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے

مشرکین جو شرک کرتے ہیں اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مال کا کچھ حصہ باطل معبودوں کے لئے مقرر کر دیتے ہیں جس کی تفسیر سورۂ انعام میں گزر چکی ہے (وجعلوا للّٰہ مما ذرا من الحرث والانعام الی الخ) مال تو دیا اللہ نے اور اس میں شریک کر دیا باطل معبودوں کو اور اوپر سے یوں کہتے ہیں کہ ایسا کرنا درست ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے، اس لئے فرمایا تاللّٰہ لتسئلن عما کنتم تفترون کہ اللہ کی قسم تم سے افتراء پردازیوں کے بارے میں ضرور بضرور سوال ہوگا اور سورۂ انعام میں فرمایا سیجزیھم بما کانوا یفترون (وہ عنقریب ان کی افتراء پردازیوں کا بدلہ دے گا)

اس کے بعد مشرکین کا ایک اور شرکیہ عقیدہ بیان فرمایا اور وہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (العیاذ باللہ) نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتایا اور یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکین مکہ نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اول تو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنا ہی شرک ہے وہ اس سے بالا اور برتر ہے کہ اس کی اولاد ہو، سورہ مریم میں فرمایا وما ینبغی للرحمٰن ان یتخذ ولدا (یہ اللہ تعالیٰ کی شایان شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے) صحیح بخاری (ص ۴۴۷ ج ۲) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نے مجھے گالی دی اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے حالانکہ میں بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ میں جنا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے، مشرکین کی بھونڈی عقل تو دیکھو کہ اول تو اللہ تعالیٰ کو صاحب اولاد بتا کر مشرک ہوئے پھر جو اولاد تجویز کی وہ بھی لڑکی، جبکہ اپنے ہاں لڑکی کا پیدا ہونا برا سمجھتے ہیں اور اپنے لئے لڑکوں کو پسند کرتے ہیں، سورۂ زخرف میں فرمایا وجعلوا الملٰئکۃ الذین ھم عباد الرحمٰن اناثا (اور انہوں نے فرشتوں کو

جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے) اپنے لئے لڑکیاں پسند نہیں کرتے اور اللہ کے لئے تجویز کرنے بیٹھے تو لڑکیاں تجویز کریں۔ سورہ زخرف میں فرمایا اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ (کیا اللہ نے اپنی اولاد بنانے کیلئے لڑکی کو پسند فرمایا جو زیور میں نشوونما پائے اور جو جھگڑے میں قوت بیانیہ نہ رکھتی ہو) صنف ضعیف کو اللہ کی بیٹیاں بتا رہے ہیں، بے وقوفی کی انتہا ہے۔ اللہ کیلئے تو بیٹیاں تجویز کردیں اور اپنا حال یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کو خبر ملے کہ اس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اس خبر سے اس کا چہرہ سیاہ یعنی بے رونق ہو جاتا ہے اور دل میں گھٹا گھٹا پھرتا رہتا ہے، لوگوں کے سامنے آنے میں عار محسوس کرتا ہے اور چھپا چھپا پھرتا ہے کہ وہ یہ عیب نہ کہا جائے کہ تیرے گھر بیٹی پیدا ہوئی ہے اور ساتھ ہی اس فکر میں پڑ جاتا ہے کہ ذلت برداشت کرتے ہوئے اسے روکے رکھوں یا عار سے بچنے کے لئے زمین میں گاڑ دوں، پھر ہوتا یہ تھا کہ بچی کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور رواج کی وجہ سے لوگوں کے سامنے کر اپنے کو باعزت قرار دے دیتے تھے گویا انہوں نے بہت بڑا عزت کا کارنامہ انجام دیا ہے کہ اپنی لڑکی کو زندہ دفن کر دیا سورۂ تکویر میں فرمایا وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (اور جب زندہ دفن کی ہوئی بچی کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی) عرب جن جہالتوں میں مبتلا تھے ان میں سے ایک یہ جہالت بھی تھی رواج نے انہیں سخت دل بنا دیا اپنی زندہ بچی کو دفن کرتے ہوئے ذرا رحم نہیں آتا تھا۔ عورت اسلام سے پہلے بالکل بے حیثیت تھی، اس سے بڑی بے آبروئی کیا ہوگی کہ بچی پیدا ہوتے ہی دفن کر دی جاتی تھی اور ہندوستان میں تو یہ حال تھا کہ شوہر مرجاتا تھا تو عورت کو اس کے ساتھ زندہ جلنا پڑتا تھا اسلام نے عورت کو مرتبہ عطا فرمایا ہے اس کے حقوق بتائے، بچیوں کی پرورش کا ثواب بتایا اسے عزت کے ساتھ گھر میں رہنے کا حکم دیا پھر بھی عورتوں کی ناسمجھی پر افسوس ہے کہ دور حاضر کے مفسدوں اور زندیقوں کی باتوں سے متاثر ہو کر اپنی ذات کو بے آبرو کر رہی ہیں بے پردہ پھرنے میں اور گندی زندگی گزارنے میں عزت سمجھتی ہیں شوہروں کے بجائے دوست تلاش کرتی پھرتی ہیں آخر میں فرمایا اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ (خبردار ان کے فیصلے برے ہیں) اول تو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرنا ہی بہت بڑی حماقت اور سفاہت ہے پھر اولاد بھی تجویز کی تو ایسی چیز تجویز کی جسے اپنے لئے سبب ذلت اور موجب عار سمجھتے ہیں۔

لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ (جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری حالت ہے) (کہ دنیا میں جہالت اور حماقت میں مبتلا ہیں اور آخرت میں عذاب اور ذلت میں مبتلا ہوں گے) وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ ہیں) اس کا وجود ذاتی ہے اس کی قدرت کاملہ ہے، خالقیت اور مالکیت میں اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اولاد اس کے لئے شایان شان نہیں۔

وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ اور وہ عزت والا اور غلبہ والا ہے حکمت والا ہے، جو کچھ وجود میں ہے سب کا سب اس کی حکمت کے مطابق ہے۔

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤی

اور اگر اللہ لوگوں سے ان کے ظلم کی وجہ سے ان کا مواخذہ فرماتے تو زمین پر کسی بھی چلنے والے کو نہ چھوڑتے، لیکن وہ انہیں ایک مقررہ مدت تک

اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ وَیَجْعَلُوْنَ

مہلت دیتا ہے سو جب ان کا وقت معین آجائے گا تو ایک گھڑی نہ مؤخر ہوں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے اور اللہ کے لئے وہ

لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ

اللہ کے لیے تجویز کرتے ہیں جسے خود ناپسند کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے، یہ بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے

وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

اور وہ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے، اللہ کی قسم ہم نے امتوں کی طرف آپ سے پہلے رسول بھیجے سو شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال اچھے کر کے

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ

دکھلائے سو وہ آج ان کا رفیق ہے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اور ہم نے آپ پر کتاب اسی لئے نازل کی کہ آپ ان کے لئے وہ بات بیان فرما

لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، اور یہ کتاب ان لوگوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں، اور اللہ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا سو اس کے ذریعہ

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ ع ۱۴

زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ فرما دیا، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سنتے ہیں۔

لوگوں کے ظلم کی وجہ سے اللہ رفت فرماتا تو زمین پر چلنے والوں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑتا

مشرک اور کافر اپنے عقائد اور اعمال کی وجہ سے جو سراپا ظلم ہے عذاب کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ اگر چاہتا تو فوراً عذاب دیتا اور ہلاک فرما دیتا لیکن اس کی عادت اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ مہلت عطا فرماتا ہے اور جس قوم کی ہلاکت ہوتی ہے وہ میعاد مقرر تک پہنچ جاتی ہے جب میعاد معین آجاتی ہے یعنی آنے کے قریب ہوتی ہے تو اس وقت نہ آگے بڑھ سکتے ہیں نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ لوگوں کے مظالم کی وجہ سے فوری مؤاخذہ نہیں فرماتا، اگر وہ فوری مؤاخذہ فرماتا تو زمین پر کسی بھی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا مذکورہ بالا مضمون بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے لئے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جسے اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں (یعنی بیٹیاں جنہیں اپنے لئے گوارا نہیں کرتے، بیچ میں جملہ معترضہ تھا آگے مضمون سابق کا تتمہ ہے)

وتصف السنتھم الکذب ان لھم الحسنی اور ان کی زبانیں جھوٹ دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے (یعنی وہ شرک بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے اور وہ ہمیں ہمیشہ اچھے حال میں رکھے گا) ایسا کہنے والوں میں وہ لوگ بھی تھے جو کافر تھے لیکن فی الجملہ قیامت قائم ہونے کے بھی قائل تھے جیسا کہ ہندوستان کے ہندو نرگ سرگ کا عقیدہ رکھتے ہیں ایسے لوگوں کا خیال رکھتے ہوئے بعض حضرات نے الحسنی سے جنت بھی مراد لی ہے اور منکرین کا کلام بر سبیل فرض بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کافروں کہتے ہیں کہ بالفرض قیامت موت کے بعد اگر جنت و دوزخ کا معاملہ ہوگا جیسا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں تو ہمیں جنت ہی ملے گی، جھوٹے دعوے کرنے والوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا لا جرم ان لھم النار (یہ بات لازمی ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے اور یہ بات بھی لازمی ہے کہ انہیں دوزخ میں دوسرے لوگوں سے پہلے جلدی بھیج دیا جائے گا)

پھر فرمایا تاللہ لقد ارسلنا الی امم من قبلک (الایۃ) اللہ کی قسم ہم نے امتوں کی طرف آپ سے پہلے رسول بھیجے جنہوں نے

حق کی دعوت دی، شیطان نے ان کے لئے عمل دمزین کر کے پیش کیا اور ان کے دلوں میں غرور شرک وانچا کرا دیا (لہذا انہوں نے شیطان ہی کی بات مانی اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بری طرح پیش آئے، جس طرح ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں اور یہ جان لیں کہ اللہ کے رسولوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ جب شیطان کی بات مانی تو وہ ہی دنیا میں ان کا ولی بنا اور آخرت میں بھی وہی ولی ہوگا اور اس کی دوستی انہیں لے ڈوبے گی اور اس کے ساتھ دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا وما انزلنا علیک الکتاب (الایۃ) اور ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل کیا کہ جن چیزوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں آپ ان کے سامنے واضح طور پر حق واضح فرما دیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے لوگوں میں بھی تھا کہ مردے زندہ ہوں گے یا نہیں اور فلاں چیز اللہ کے نزدیک حلال ہے یا حرام۔ اور توحید میں بھی اختلاف تھا بعض لوگ توحید کے قائل تھے اور اکثر شرک میں مبتلا تھے، شرک والے بھی اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو واضح طور پر حق بیان فرما دیا اب جو شخص حق کو نہ مانے گا وہ اپنا برا کرے گا۔

وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون (اور یہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں) حقیقت میں تو قرآن سبھی کے لئے ہدایت ہے لیکن چونکہ سب لوگ اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور صرف اہل ایمان ہی قبول کرتے ہیں اس لئے نتیجہ کے طور پر ان ہی کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اس قرآن مجید جو ایمانی اور روحانی غذا ہے اس کے نازل فرمانے کا ذکر کر کے جسمانی غذا کا تذکرہ فرمایا واللہ انزل من السماء ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا (اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد پانی کے ذریعے زندہ فرما دیا) جب زمین ہری بھری ہوگئی اور اس میں سے طرح طرح کے پھل، میوے، سبزیاں، ترکاریاں حاصل ہوئیں تو انسانوں کے لئے اور ان کے جانوروں کے لئے غذا بن کر زندگی کا سہارا ہوئی اللہ تعالیٰ نے زندگی بھی دی روحانی غذا بھی دی یعنی قرآن مجید عطا فرمایا اور اپنے رسول ﷺ کو ہادی بنا کر مبعوث فرمایا اور جسمانی غذا بھی دی یہ سب اس کا فضل ہے۔

ان فی ذلک لایۃ لقوم یسمعون (اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سنتے ہیں) یعنی دلائل سے مستفید ہوتے ہیں اور قادر اور خالق و مالک پر ایمان لاتے ہیں جس کی رحمت سے ہدایت کا بھی انتظام ہوا اور کھانے پینے کو بھی ملا۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا

اور بلاشبہ تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت ہے، ہم تمہیں اس چیز میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوبر اور خون کے درمیان سے یا ایسا دودھ جو خالص ہے

سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا

پینے والوں کے حلق میں آسانی سے اترنے والا، اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے ہم تمہیں رزق دیتے ہیں ان سے تم نشہ کی چیز بھی بناتے ہو

حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ

بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں، اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی جی میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ

اور درختوں میں اور ان چھتریوں میں جو لوگ اونچے گھر بناتے ہیں، ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا پھر تو اپنے رب کے راستوں میں

سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۗ اِنَّ فِيْ

[illegible]

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۞ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى

[illegible]

اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۞ ع

چوپایوں میں اور شہد کی مکھی میں تمہارے لئے عبرت ہے

ان آیات سے پہلے بارش کی نعمت کا تذکرہ تھا کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ فرما دیتا ہے اور اس سے طرح طرح کی غذائیں نکلتی ہیں ان آیات میں اولاً دودھ کا اور ثانیاً شکر کا اور اس کے ساتھ رزق حسن کا اور ثالثاً شہد کا تذکرہ فرمایا۔

دودھ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دیکھو چوپایوں میں تمہارے لئے عبرت ہے چوپایوں سے دودھ نکلتا ہے جو غور کرو اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے پیٹوں سے دودھ نکال کر پلاتا ہے یہ جانور چارہ اور گھاس پھونس کھاتے ہیں اس سے خون بھی بنتا ہے اور فضلہ یعنی گوبر بھی اور دودھ بھی۔ یہ دودھ خون اور گوبر کے درمیان سے صاف ستھرا خالص نکلتا ہے اس میں ایک ذرہ بھی گوبر یا خون کا نہیں ہوتا اور اس دودھ کا پینا نہایت سہل ہے آسانی سے گلے میں اتر جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے جانوروں نے کھایا گھاس پھونس اور اس سے پیدا ہوا دودھ، یہ دودھ پیدا ہوا تو چھوٹوں اور بڑوں کے لئے غذا بن گیا۔ معالم التنزیل (ص ۷۳ ج ۳) میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جانور جب چارہ کھاتا ہے اور اس کے معدہ میں جگہ پکڑ لیتا ہے اور معدہ اسے پکاتا ہے تو نیچے گوبر اور درمیان میں دودھ اور اوپر خون بن جاتا ہے، پھر باذن اللہ تعالیٰ جگر اپنا کام کرتا ہے خون رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں آ جاتا ہے اور فضلہ یعنی گوبر اپنی جگہ رہ جاتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو یوں دعا کرے اللّٰھم بارک لنا فیه واطعمنا خیرا منه (اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور ہمیں اس سے بہتر کھلا) اور جب دودھ پیئے تو یوں کہے اللّٰھم بارک لنا فیه وزدنا منه (اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور اس میں سے اور زیادہ دے) کھانے کی دعا میں واطعمنا خیرا منه فرمایا اور دودھ پینے میں وزدنا منه فرمایا اس کا سبب آنحضرت ﷺ نے خود ہی بتا دیا فانه لیس شیء یجزی من الطعام والشراب الا اللبن (کہ دودھ کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہو۔) (رواہ .... ص ۲۶۹ ج ۲)

دودھ کا تذکرہ فرمانے کے بعد نخیل اور اعناب کے پھلوں کا تذکرہ فرمایا یعنی ہم نے تمہیں کھجور اور انگور کے پھل عطا کئے جن سے تم نشہ اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، کھجوروں اور انگوروں کی مٹھاس اور غذائیت کو لوگ عام طور پر جانتے ہیں ان دونوں سے عمدہ چیزیں بناتے ہیں اچھے رزق تیار کر کے کھاتے ہیں، اس میں جو لفظ سکر وارد ہوا ہے بعض حضرات نے اس کا ترجمہ نشہ والی چیز کیا ہے اور یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نشہ تو حرام ہے جو چیز حرام ہے اور اس کا استعمال کرنا ممنوع ہے اس کو مقام امتنان میں یعنی احسان کرنے کے بیان میں کیسے ذکر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ نحل مکی ہے اس وقت تک نشہ والی چیزیں حرام نہ ہوئی تھیں لوگ شراب سے منتفع ہوتے تھے لہٰذا اس کا

تذکرہ فرمادیا یہ تین چونکہ بعد میں حرام ہونے والی تھی اس لئے خوبی پر دلالت کرنے والا کوئی کلمہ ذکر نہیں فرمایا اور اس کے ملوہ انگور اور کھجور سے جو دوسری عمدہ چیزیں تیار کر لیتے ہیں انہیں رزق حسن سے تعبیر فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک قول یوں مروی ہے کہ اہل حبشہ کے لغت میں سرکہ کو سکر کہتے ہیں (گویا لفظ سکر یہاں اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے) اور صاحب معالم التنزیل نے ابو عبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ سکراً سے طعم مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہیں ایسی کھانے کی چیزیں دیں جن میں مزہ ہے اور لذت ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں)۔

اس کے بعد شہد کا اور شہد کی مکھی کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی عمارتوں میں گھر بنا یعنی شہد کے لئے چھتہ تیار کر لے اور شہد کی مکھی سے فرمایا کہ تو پھلوں میں سے کھا لے یعنی چوس لے اور اس کام کے لئے اللہ کے بنائے ہوئے راستوں میں آنا جانا کر، یہ راستے شہد کی مکھی کے لئے آسان فرما دیئے جب وہ پھلوں سے چوس کر آتی ہے تو چوسا ہوا مواد ان چھتوں میں جمع کرتی ہے جو پہلے سے بنا رکھے تھے، یہ جمع شدہ مواد جسے شہد کی مکھیاں چوس چوس کر لاتی ہیں مسہل یعنی شہد ہے اس کو پیتے ہیں یہ میٹھی ہے اور مقوی چیز ہے اور اس کا رنگ بھی مختلف ہوتا ہے شہد ایک میٹھی غذا ہی نہیں دوا اور دارو کے لئے بھی اس کا استعمال بہت مفید ہے اس لئے فرمایا کہ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (کہ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے علیکم بالشفائین العسل والقرآن (کہ تم ایسی دو چیزوں کو لازم کر لو جو سراپا شفا ہیں، ایک شہد دوسرے قرآن (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۱) مطلب یہ ہے کہ اپنے امراض کے علاجوں کے لئے شہد کو استعمال کرو اور قرآن مجید پڑھ کر مریض پر دم کرو، اطباء نے شہد کے بہت سے منافع لکھے ہیں اور امراض کے لئے استعمال کرنے کے بہت سے طریقے بتائے ہیں، قرآن مجید سراپا شفا ہے تجربہ ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی سورت پڑھ کر دم کیا جاتا ہے تو شفا ہو جاتی ہے حضرات صحابہ ایک جگہ تشریف لے گئے وہاں ایک شخص کو زہریلے جانور نے ڈس لیا تھا جو اس علاقہ کا سردار تھا، وہ لوگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور اپنی پریشانی ظاہر کی، ان میں سے ایک صحابی نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا جس کے اثر سے وہ ڈسا ہوا شخص بالکل ٹھیک ہو گیا جیسے کوئی شخص رسی میں باندھا ہو پھر اسے چھوڑ دیا جائے۔ (صحیح بخاری ص ۳۰۴ ج ۱)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (بلاشبہ اس میں لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں)۔

پھر فرمایا وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ (اور اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا پھر وہ تمہیں اٹھا لے گا یعنی موت دے گا) وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا (اور تم میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جو نکمی عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ بھی نہیں جانتے) سمجھ اور حافظہ کی جو قوت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی جس سے جوانی میں اور بڑھاپے میں خوب کام لیا یہ جاتی رہتی ہے جب خوب زیادہ بڑھاپا آجاتا ہے تو آدمی نکما ہو جاتا ہے جو چیزیں جانتا تھا اب انہیں نہیں جانتا اور ایک چیز کے بارے میں بار بار پوچھتا ہے حتیٰ کہ بتانے والے بھی زچ ہو جاتے ہیں، زندگی بھر کھایا کمایا وقت و ہمت کے ساتھ محنت کی چیزوں کو جانا اور پہچانا زیادہ بڑھاپا آگیا تو اس نے بالکل ہی نکما کر دیا، اللہ تعالیٰ شانہٗ جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اور جس حال میں رکھنا چاہتا ہے مخلوق کو اسی حال میں رہنا پڑتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے بڑی قدرت والا ہے)۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی، سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو اس طرح دینے والے

مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ

نہیں ہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں، کیا پھر بھی اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔ اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لئے بیویاں بنا دیں، اور تمہاری ان

اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ

بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا فرمائے، اور تمہیں عمدہ چیزیں کھانے کے لئے

الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

عطا فرمائیں، کیا پھر بھی وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں، اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں، اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت

اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ فَلَا تَضْرِبُوْا

کرتے ہیں جو آسمانوں میں سے اور زمین میں سے انہیں رزق دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ انہیں قدرت ہے، سو تم

لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اللہ کے لئے مثالیں تجویز نہ کرو، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اللہ نے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، اس نے تمہارے لئے بیویاں پیدا کیں، پھر ان سے بیٹے پوتے عطا فرمائے اور تمہیں عمدہ چیزیں کھانے کو دیں

ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا توحید کی دعوت دی ہے اور شرک سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اول ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تم میں بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے اس میں رزق سے وہ چیزیں مراد ہیں جو بندوں کی ملکیت میں آتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کو جو کچھ بھی عطا فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے پھر اس انعام میں تفصیل فرمائی یعنی بعض کو بعض پر فضیلت دے دی کسی کے پاس مال زیادہ ہے اور کسی کے پاس کم ہے اس کی بیشی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اگر سبھی مالدار یا تنگدستی میں برابر ہو جائیں تو دنیا کا نظام ٹھیک طرح سے نہیں چل سکتا جب سبھی برابر ہوں تو کسی سے کیسے کام لے اور کوئی کسی کا کام کیوں کرے، محنت اور مزدوری کی جگہ سے جو بہت سے کام ہو جاتے ہیں اور بہت سوں کو رزق مل جاتا ہے یہ سب ختم ہو جائے کارخانے ٹھپ ہو جائیں فیکٹریاں بند ہو جائیں ایک شخص کا کام جینے کی حاجت ہے تاکہ اس کا کارخانہ چلے اور دوسرے شخص کو پیسے کی ضرورت ہے تاکہ اس کی حاجتیں پوری ہوں، پہلا شخص کام لیتا ہے پیسے دیتا ہے دوسرا شخص کام کرتا ہے اور پیسے لیتا ہے اس طرح سے انسانوں کی مختلف انواع کی ضرورتیں بھی پوری ہو رہی ہیں اور منڈیوں میں مال بھی آ رہا ہے بازار بھی چالو ہیں فیکٹریوں میں بھی مال تیار ہو رہے ہیں اور کارخانے پروڈکشن کے لئے مصروف عمل ہیں۔

یہ جو اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال دیا ہے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اس میں یہ بات بھی ہے کہ جن کے پاس مال ہے وہ اپنے غلاموں کو مال دے کر اپنے برابر، جیسے تیسے تیار نہیں ہیں اس کو فرمایا فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ اس میں مشرکین کی تردید فرمائی کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر نہیں دیکھ سکتے اور برابر کا درجہ نہیں دے سکتے تو تمہیں یہ کیسے گوارا ہوا کہ اللہ کی مخلوق اور مملوک کو اللہ کے برابر کر دیا اور غیر اللہ کو اللہ کی عبادت میں شریک کر دیا، تم بھی مخلوق ہو اور تمہارے غلام بھی مخلوق ہیں مخلوق کو گوارا نہیں کہ دوسری مخلوق کو اپنے برابر دیکھ لے، پھر خالق جل مجدہ کے ساتھ اس کی مخلوق کو کیسے برابر بنا دیا، اور مستحق عبادت سمجھ لیا۔

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (کیا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں) انعام تو دیا اللہ نے اور عبادت میں شریک کر دیا دوسروں کو، اس کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ کی نعمت کے انکاری ہو گئے جب نعمت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے تو غیر اللہ کو معبود بنا کر جو یہ سمجھ لیا کہ ان سے بھی کچھ مل سکتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے انعام کا انکار لازم آتا ہے۔

اس کے بعد ازواج اور اولاد کی نعمت کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لئے تمہیں میں سے بیویاں بنا دیں (تمہیں میں سے یعنی تمہاری جنس سے وہ بھی انسان ہیں اور تم بھی انسان ہو ہم جنس ہونے کی وجہ سے آپس میں استمتاع اور انتفاع بہت سہل ہے لذیذ ہے اور نفع بخش ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے ان بیویوں سے بیٹے پیدا فرمائے پھر ان بیٹوں کے بیٹے پیدا کئے جو تمہارے پوتے بن گئے۔ اس طرح سے تمہاری نسلیں آگے چل رہی ہیں بڑھ رہی ہیں اور ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور محض اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ بیویاں عنایت فرما دیں اور بیٹے پوتے دے دیئے ان انعامات کے ساتھ کھانے کے لئے پاکیزہ چیزیں عنایت فرمائیں اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ (کیا باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں) انعام فرمایا اللہ نے جو معبود حقیقی ہے اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بنا کر اس کی نعمت کی ناشکری کرنے لگے یہ بڑی بھونڈی اور بے عقلی کی بات ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (اور وہ لوگ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں میں سے اور زمین میں سے انہیں رزق دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ انہیں قدرت ہے) اللہ تعالیٰ شانہٗ سب کو رزق دیتا ہے اور اللہ کے سوا کوئی بھی کسی کو رزق نہیں دیتا پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ رزق دینے والے کے علاوہ ان چیزوں کی عبادت کریں جنہیں رزق دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں اور وہ کچھ بھی طاقت اور قدرت نہیں رکھتے، اس کے عموم میں تمام معبودان باطلہ کی تردید ہو گئی جن کی عبادت کرنے کو سابقہ آیت میں باطل پر ایمان لانے سے تعبیر فرمایا۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اس کا مطلب بعض مفسرین نے یوں لکھا ہے کہ اللہ کے لئے مثالیں مت گھڑو اور اپنی طرف سے باتیں بنا کر قیاس دوڑا کر اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی مثالیں بیان نہ کرو جس سے اپنے شرکیہ اعمال پر دلیل لاؤ اور بعض حضرات نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ کسی کو اللہ کا مثیل نہ بناؤ یعنی کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ تجویز نہ کرو اور کسی کو معبود نہ بناؤ اس معنی کے اعتبار سے مذکورہ بالا جملہ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا کے ہم معنی ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (بلاشبہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے) یہ تمہاری جہالت ہے کہ خالق و مخلوق پر قیاس کر کے شرکیہ باتیں کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات و صفات کا پورا علم ہے اور تم جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہو اسے اس کا بھی علم ہے وہ اس پر مؤاخذہ فرمائے گا اور سزا دے گا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ

سے ایک مثال بیان فرمائی ایک غلام مملوک ہے جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور ایک شخص ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے اچھا رزق عطا فرمایا سو وہ اس میں

يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ

سے پوشیدہ طور پر اور لوگوں کے سامنے خرچ کرتا ہے کیا یہ برابر ہو سکتے ہیں؟ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے اور اللہ نے ایک مثال

اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰي مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا

بیان فرمائی یہ مثال دو آدمیوں کے بارے میں ہے ان میں سے ایک گونگا ہے جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اپنے اوپر مصیبت بنا ہوا ہے وہ جہاں بھی

يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ع ۱۶

بھیجتا ہے کوئی خیر لے کر نہیں آتا کیا یہ شخص اور ایسا شخص آپس میں برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہو اور وہ سیدھے راستہ پر ہو۔

دو مثالیں پیش فرما کر مشرکین کی تردید فرمائی

ان آیات میں بھی مشرکین کی تردید فرمائی اور اس بارے میں دو مثالیں بیان فرمائیں ایک مثال یہ ہے کہ جیسے ایک غلام ہے وہ کسی کی ملکیت میں ہے خود کسی چیز کا مالک نہیں ہذا کسی مال میں بھی کسی قسم کا تصرف کرلے کا ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں رکھتا اور دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خوب روزی عطا فرمائی اسے اپنے مال پر پورا اختیار ہے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر کسی روک ٹوک کے بغیر جس طرح چاہتا ہے اور جہاں چاہتا ہے خرچ کرتا ہے دونوں شخصوں کا حال سامنے رکھ کر یہ مشرکین بتائیں کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ تھوڑے سے علم و فہم والا بھی جواب دینے کا ارادہ کرے گا تو یہی کہے گا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو اللہ تعالیٰ کے برابر کون ہو سکتا ہے؟ معلوم ہو گیا کہ اللہ ہی سب تعریفوں کا مستحق ہے کیونکہ وہ اپنی ذات و صفات میں کامل ہے کوئی اس کے برابر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کا کوئی عقلی اور نقلی جواز نہیں، جو لوگ شرک میں لگے ہوئے ہیں ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کیا ہیں اور یہ کہ اس کی ذات و صفات میں کوئی اس کا ہم سر نہیں، اور اس کے علاوہ عبادت کا مستحق بھی کوئی نہیں، ان میں اکثر کا یہ حال ہے کہ جاننے نہیں بلکہ جاننا چاہتے بھی نہیں، اگر جاننا چاہتے تو غور و فکر کرتے اور حق کے طالب ہوتے تو ان کا یہ غور و فکر ان سے شرک چھڑا کر انہیں توحید پر ڈال دیتا، اب رہے وہ لوگ جو جانتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے وہ کچھ رواج سے دبے ہوئے ہیں جو آبائی دین کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور کچھ ایسے ہیں جو دنیوی منافع کی وجہ سے شرک اور مشرکین سے جدا ہونا نہیں چاہتے قال الروح (ص ۱۹۶ ج ۱۴) ونفی العلم عن اکثرھم لانا شعاربان بعضھم یعلمون ذلک وانمالم یعملوا بموجبہ عنادا

دوسری مثال یوں بیان فرمائی کہ جیسے دو آدمی ہوں ان میں سے ایک پیدائشی طور پر گونگا ہو (جو بہرا بھی ہوتا ہے وہ نہ کچھ سنتا ہے نہ کچھ سمجھتا ہے، اور اپنی اس حالت کی وجہ سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا) کسی کے گھر ایسا بچہ پیدا ہو گیا یہ بچہ اس لائق ہوتا ہی نہیں کہ وہ کسی کی خدمت کرے بلکہ جو لوگ اس کی پرورش اور پرداخت کرتے ہیں ان کے لئے بھی مصیبت بنا ہوا ہوتا ہے نہ اپنی خدمت خود کر سکے نہ دوسروں کی

خدمت کے لائق، اور دوسرے اس کی خدمت کریں تو ان کے لئے بھی وبال، اس کو جہاں کہیں بھی بھیجا جائے کسی قسم کی کوئی بھلائی لے کر واپس نہیں آتا اول تو یہی پتہ نہیں ہوتا کہ جو بات کہی گئی ہے وہ سمجھ گیا ہے پھر جب کہیں جائے گا تو جس سے کوئی چیز لینی ہے یا کچھ کام لینا ہے ان کو سمجھانے سے عاجز رہے گا، اب تم سمجھ لو ایک طرف تو یہ شخص ہے جو گونگا ہے، بہرا ہے نہ بیٹی طور پر بات سمجھتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے خدمت بھی نہیں کر سکتا جو لوگ اس کی خدمت کریں ان کے لئے بھی وبال جان ہے کہیں بھیجا جائے تو خیر لے کر واپس نہ آئے اور اس کے برعکس دوسرا شخص وہ ہے جو سنتا بھی ہے جانتا بھی ہے سمجھتا بھی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی قوت بھی عطا فرمائی ہے وہ خود بھی ٹھیک کام کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور عملی طور پر صراط مستقیم پر ہے جس مطلب اور مقصد کے لئے جاتا ہے اپنے علم و عمل کو کام میں لا کر جلد ہی مفید کام کر کے واپس آ جاتا ہے یہ دو قسم کے آدمی ہیں اب بتاؤ کہ یہ دونوں آدمی برابر ہو سکتے ہیں؟ ہر سمجھ دار یہ جواب دے گا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو گونگے بت اور وہ سب باطل معبود جو کسی نفع وضرر کے مالک نہیں کیسے اللہ جل شانہٗ کے برابر ہو سکتے ہیں جن کی مشرکین عبادت کرتے ہیں؟

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ

اور اللہ ہی کے لئے ہیں آسمانوں کی اور زمین کی پوشیدہ باتیں، اور قیامت کا معاملہ بس ایسا ہی ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا یا اس سے بھی زیادہ قریب،

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کو غیب کا علم ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

توحید کے دلائل بیان فرمانے کے بعد یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو آسمانوں کی اور زمین کی ان سب چیزوں کا علم ہے جو مخلوقات کے علم اور فہم اور عقل وادراک سے باہر ہیں، وقوع قیامت کی جو خبر آرہی ہے اس میں اس کی تمہید ہے، مذکورہ بالا علوم غیبیہ کا تذکرہ فرما کر جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے یوں فرمایا کہ جب قیامت کے آنے کا وقت ہوگا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے اس وقت اچانک آجائے گی اور ایسی جلدی اس کا وقوع ہوگا جیسے پلک جھپک جائے، پلک جھپکنے میں کچھ دیر بھی لگتی ہے اس سے بھی کم وقت میں آپہنچے گی، ان اللہ علی کل شیء قدیر (بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس میں منکرین بعث کی تردید فرمائی کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس نے جو قیامت کا وقت مقرر کیا ہے اس کے مطابق آئے گی اس وقت جلدی سے آجائے گی مردوں کو زندہ کرنا اور گلی سڑی ریزہ ریزہ ہڈیوں میں جان ڈالنا یہ سب کچھ اس کی قدرت میں ہے سب کے احوال اور اعمال بھی اسے معلوم ہیں وہ زندہ فرما کر اپنے علم کے مطابق حساب لے گا اور جزا دے گا، موحد ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ معاد اور بعث ونشور پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اس لئے توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد وقوع قیامت کا بھی تذکرہ فرمایا۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

اور اللہ نے تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تم کچھ بھی نہ جانتے تھے، اور اس نے تمہارے لئے کان اور آنکھ اور دل

وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ

پیدا فرمائے تاکہ تم شکر ادا کرو کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں مسخر ہیں اللہ کے سوا انہیں کوئی

اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ

نہیں روکتا، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے

لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ

لئے جانوروں کی کھالوں سے گھر بنائے جن کو تم ہلکا پاتے ہو کوچ کرنے کے دن اور قیام کرنے کے دن اور ان کی اون اور ان کے بالوں

اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ

سے گھر کا سامان اور دوسری چیزیں بنائیں جو ایک مدت تک کام دیتی ہیں اور اللہ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو سایہ دار ہیں

ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ

اور اس نے تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے ایسے کپڑے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کپڑے بنائے جو لڑائی میں تمہاری حفاظت

بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ

کرتے ہیں اللہ تم پر ایسے ہی اپنی نعمت پوری فرماتا ہے تاکہ تم فرمانبردار ہو جائو سو اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کے ذمہ واضح طور پر

الْمُبِيْنُ ۝ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

پہنچا دینا ہے یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کے منکر ہوتے ہیں ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔

ع ۱۱ ۱۷

اللہ تعالیٰ کے متعدد انعامات، انسانوں کی تخلیق جانوروں کا اڑنا، لباس کا سامان پیدا فرمانا، پہاڑوں میں رہنے کی جگہیں بنانا

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اپنے متعدد انعامات ذکر فرمائے ہیں جن میں بندوں پر امتنان بھی ہے اور دعوت توحید بھی ہے۔

۱) اول بندوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تم تصحیح سالم باہر آگئے تم بالکل ہی انجان تھے اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا اور علم کے ذرائع پیدا فرمائے، سننے کی قوت دی، دیکھنے کے لئے آنکھیں دیں، جاننے کے لئے دل عطا فرمائے یہ اللہ کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں بندوں کو چاہئے کہ شکر گزار ہوں شکر گزاری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور کسی کو اس کے لئے شریک نہ ٹھہرائیں۔

۲) پھر ارشاد فرمایا کہ پرندوں کو نہیں دیکھتے جو آسمانی فضا میں مسخر ہیں ان کو نیچے گرنے سے کوئی چیز روکنے والی نہیں صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت سے رکے ہوئے ہیں اڑ رہے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں حالانکہ بوجھ والے ہیں زمین کی کشش انہیں اپنی طرف نہیں کھینچ پاتی اگر کوئی شخص یوں کہے کہ پروں کی حرکت کی وجہ سے ہوا میں تموج اور تحریک ہے جس کی وجہ سے نہیں گرتے اس کا جواب یہ

ہے کہ پروں میں یہ قوت اور ہوا میں یہ تحرک اور تموج کہاں سے آیا؟ یہ بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا فرمایا ہوا ہے، ذرا انسان تو اڑ کے دکھا لے اپنے ہاتھوں کو حرکت دے پھر دیکھے فضا میں ٹھہر سکتا ہے یا نہیں، اسی سے ہوائی جہاز کو بھی سمجھ لیں ہزاروں سال انسان کو پتہ ہی نہ تھا کہ کوئی فضاء میں چلنے والی سواری وجود میں آسکتی ہے جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے دماغ میں ڈالا اور طریقہ بتایا تو اس کی مشین اور باڈی بنانے کے لائق ہو گئے، یہ تسخیر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب اس کی تسخیر نہیں رہتی تو سارے آلات دھرے رہ جاتے ہیں ہوشمند پائلٹ بے قابو ہو جاتا ہے اور جہاز گر پڑتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں)۔

۳) پھر انسانوں کے گھروں کا تذکرہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے گھر بنائے جن میں وہ رہتے ہیں اور سکون پاتے ہیں، یہ گھر مٹی سے بھی بنا لیتے ہیں اور اینٹ پتھر سے بھی اور چھتیں پختہ بھی بنا لیتے ہیں اور گھاس پھونس کے چھپر بھی ڈال لیتے ہیں، یہ سب چیزیں اللہ جل شانہٗ نے پیدا فرمائیں اور دلوں میں ڈالا کہ ان کے ذریعہ گھر بنائے جا سکتے ہیں کچھ گھر ایسے ہیں جو جانوروں کی کھالوں سے تیار کئے جاتے ہیں ان کھالوں کو رنگ کر اور سکھا کر خیمے بنائے جاتے ہیں یہ خیمے ہلکے ہوتے ہیں جو عموماً سفر میں استعمال کئے جاتے ہیں سفر میں کہیں پڑاؤ ڈالتے ہیں، ان خیموں کو لگا کر قیام اور آرام کرتے ہیں۔

۴) چوتھے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے اون سے اور اونٹوں کے بالوں سے اور دوسرے جانوروں کے بالوں سے تمہارے لئے گھر کا سامان بنا دیا جسے تم ایک مدت تک استعمال کرتے ہو اور کام میں لاتے ہو، اللہ تعالیٰ کی مشیت سے تو جانور پیدا ہوئے اور اگر وہ نہ چاہتا تو ان کی کھالیں الگ نہ ہوتیں جنہیں علیحدہ کر کے اوڑھنے بچھانے، پہننے اور خیمے بنانے میں استعمال کرتے ہیں پھر اگر اللہ کی مشیت نہ ہوتی تو جانوروں کے جسم پر نہ اون ہوتا نہ بال ہوتے بالکل چکنی سپاٹ کھال ہوتی، یہ اون سے اور بالوں سے جو فائدے حاصل کرتے ہیں ان سے بالکل محروم رہ جاتے۔

۵) پانچویں یوں فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لئے بعض ایسی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں جن سے تمہیں سایہ حاصل کرنے کا فائدہ ہوتا ہے اس میں درخت مکانات بڑے بڑے پہاڑ اور وہ سب چیزیں داخل ہیں جن سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے۔

۶) چھٹے نمبر پر یوں فرمایا کہ اللہ نے پہاڑوں میں تمہارے لئے پناہ لینے اور سر چھپانے کی جگہ بنائی، اس سے پہاڑوں کے غار مراد ہیں اور پہاڑوں کو کاٹ کر جو گھر بنا لیتے ہیں وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہیں۔

۷) ساتویں نمبر پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کرتے بنائے یعنی وہ چیزیں پیدا فرمائیں جس سے کرتے بنائے جاتے ہیں اس میں اون روئی اور وہ سب چیزیں داخل ہیں جن سے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں، دور حاضر میں پلاسٹک اور نائیلون وغیرہ سے طرح طرح کے کپڑے بننے لگے ہیں اور دیکھتے آگے اللہ تعالیٰ کی کیا کیا تخلیق ہوتی ہے وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کی پیشین گوئی ہے، کپڑوں کا فائدہ یہ بتایا ہے کہ یہ کپڑے تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں، یہاں صرف گرمی کا فرمایا حالانکہ یہ سردی سے بھی بچاتے ہیں، علماء نے فرمایا ہے کہ یہ برعکس التفات ہے ایک چیز کو ذکر کیا جن سے اس کی مقابل دوسری چیز بھی سمجھ میں آگئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں گرم کپڑوں کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ شروع سورت میں وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ میں ان کا تذکرہ آ چکا ہے اور ایسے کرتوں کا بھی ذکر فرمایا جو لڑائی میں حفاظت کرتے ہیں اس سے وہ زرہیں مراد ہیں جن سے مقابلہ کے وقت دشمنوں کے حملہ سے بچاؤ ہوتا ہے۔

پھر فرمایا كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ (اللہ تم پر اس طرح اپنی نعمتیں پوری فرماتا ہے تاکہ تم فرماں بردار ہو جاؤ)۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ (سو اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے) یہ نہیں مانتے اور ایمان نہیں لاتے تو غمگین نہ ہوں آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا (یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کے منکر ہوتے ہیں) وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ (اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں) سب سے بڑی ناشکری کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا اور بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائیں پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ

اور جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ قائم کریں گے پھر ان لوگوں کو اجازت نہ دی جائے گی جنہوں نے کفر کیا، اور نہ ان سے اس بات کی فرمائش کی جائے گی

يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝

کہ اللہ کو راضی کر لیں، اور جن لوگوں نے ظلم کیا جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ مہلت انہیں دی جائے گی،

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا

اور جن لوگوں نے شرک کیا جب اپنے شرکاء کو دیکھیں گے تو یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہمارے وہ شرکاء ہیں آپ کو چھوڑ کر ہم جن کی

مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ

عبادت کرتے تھے، سو وہ ان کی طرف بات ڈالتے ہوئے کہیں گے کہ بلاشبہ تم جھوٹے ہو، اور اس دن اللہ کے حضور میں فرماں برداری کی

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ

باتیں کرنے لگیں گے اور جو کچھ افترا پردازی کرتے تھے وہ سب گم ہو جائے گی، جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا ہم عذاب پر ان کا

عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

عذاب بڑھا دیں گے اس سبب سے کہ وہ فساد کرتے تھے، اور جس دن ہم ہر امت میں ایک گواہ قائم کریں

عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

گے جو انہیں میں سے ہوگا وہ ان کے خلاف گواہی دے گا، اور ہم آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے

ع ۱۸ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝

جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے اور فرماں برداروں کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے اور خوشخبری ہے۔

قیامت کے دن کے چند مناظر، کافروں اور مشرکوں کے لئے عذاب کی وعید

ان آیات میں روز قیامت کے بعض مناظر ذکر فرمائے ہیں اول تو یہ فرمایا کہ قیامت کے دن ہر امت میں سے ہم ایک گواہ قائم کریں گے یہ گواہ ان کا پیغمبر ہوگا جو ان کے کفر کے بارے میں گواہی دے گا، جب کفار قیامت کے دن جمع ہوں گے تو انہیں کسی قسم کے عذر اور معذرت کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان سے یوں کہا جائے گا کہ اللہ کو راضی کرلو اور راضی کر کے عذاب سے چھوٹ جاؤ کیونکہ راضی کرنے کا موقعہ صرف دنیا ہی میں تھا وہاں کفر سے توبہ کر لیتے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ راضی ہو جاتا لیکن جب کفر پر موت آگئی تو اب اپنے رب کو راضی کرنے کا کوئی راستہ نہ رہا اب تو عذاب میں جانا ہی ہوگا۔

کفر کی سزا میں جب انہیں عذاب نظر آئے گا اور عذاب میں داخل ہونے لگیں گے تو خلاصی کا یا تخفیف عذاب کا یا مہلت کا کوئی راستہ نہ پائیں گے اس موقعہ پر کفر اور شرکین اپنے شرکا یعنی اپنے معبودوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہمارے شرکاء ہیں یعنی یہ وہ معبود ہیں جنہیں ہم نے آپ کی عبادت میں شریک کر لیا تھا ان کے شرکاء یعنی باطل معبودان کی طرف متوجہ ہو کر کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی ظاہر کر دیں گے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر (ص ۱۶۳ ج ۱۰) میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو بولنے کی قوت عطا فرمائے گا اور وہ یوں کہیں گے کہ تم نے جو ہمارے بارے میں معبود ہونے کا عقیدہ بنایا اس میں تم جھوٹے ہو ہم معبود نہیں تھے ہم تو معبود حقیقی کی مخلوق تھے اور جڑ محض تھے ہم نے تمہیں اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا، کافروں کو رسوا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ بتوں کو زبان دے دے گا جب یہ کفار عذاب دیکھیں گے اور عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نہ پائیں گے تو فرماں برداری کی باتیں کرنے لگیں گے اور یوں کہیں گے اے رب جو چھ حکم ہو ہم کرنے کے لئے تیار ہیں ہمیں عذاب سے محفوظ کر دیا جائے، دنیا میں جب انہیں توحید کی دعوت دی جاتی تھی تو کفر و شرک کی باتیں کرتے تھے اور انہیں ضد تھی کہ حق قبول نہ کریں، حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی جھٹلاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے تھے جن سے وہ پاک ہے، ساری باتیں اس دن گم ہو جائیں گی اور توبہ کا بھی موقع نہ دیا جائے گا قبول ایمان اور توبہ کا موقع دنیا میں تھا جسے پیچھے چھوڑ آئے۔

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا وہ بڑھائے عذاب ہوں گے اور ان کے فساد پھیلانے کی وجہ سے ان کو عذاب دیا جائے گا ایک عذاب کفر پر دوسرا عذاب فساد کرنے پر

قال صاحب الروح ای ردناهم عذابا فوق العذاب الذی یستحقونه بکفرهم بسبب استمرارهم علی الافساد وهو الصدعن السبیل (ص ۲۱۳ ج ۱۴)

آخر میں فرمایا ہم ہر جماعت میں سے ایک گواہ قائم کریں گے جو انہیں میں سے ہوگا اور ان پر گواہی دے گا، یہ ہر امت کا نبی ہوگا اور نبی اکرم ﷺ کو بھی اپنی امت پر گواہ بنایا جائے گا، آپ ان کا تزکیہ فرمائیں گے، یہ امت دوسری امتوں کے بارے میں گواہی دے گی، اس وقت آپ فرمائیں گے کہ میری امت گواہی دینے کے لائق ہے، شاہد عدل ہے (کما مر فی البقرۃ) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ هٰٓؤُلَآءِ سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں وہ حضرات اپنی اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے اور آنحضرت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں گواہی دیں گے کہ ان حضرات کی گواہی حق ہے۔

پھر فرمایا وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (اور ہم نے آپ پر کتاب

نازل کی ہے جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے اور فرماں برداروں کے لیے ہدایت ہے اور رحمت اور خوشخبری ہے)

اس میں قرآن مجید کی صفات بیان فرمائی ہیں اول تو تبیانا لکل شیء فرمایا یعنی ہر چیز کا بیان کرنے والا (اس سے امور متعلقہ بالدین مراد ہیں) قرآن مجید میں بہت سے احکام اصول وفروع بیان فرما دیئے ہیں اور بہت سے احکام ومسائل جو انسانی معاشرہ کی حاجات وضروریات پر حاوی ہیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے، آپ کا بیان فرمانا بھی قرآن ہی کا بیان فرمانا ہے کیونکہ قرآن نے جو احکام بالتصریح نہیں بتائے ان کا بتانا اللہ تعالیٰ نے آپ پر محمول فرما دیا اور قرآن نے حکم دے دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری کرو اور آپ کا اتباع کرو واطیعوا الرسول بھی فرمایا اور من یطع الرسول فقد اطاع اللہ بھی فرمایا اور وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا بھی فرمایا نیز سبیل المومنین کے اتباع کا بھی حکم دیا جو سورۂ نساء کے رکوع (نمبر ۱۴) میں مذکور ہے۔ لہٰذا اجماع بھی حجت ہوا اور حوادث ونوازل میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن وحدیث کے بیان فرمودہ اصول وفروع پر قیاس کر کے بہت سے مسائل بتائے اسی لئے محققین کے نزدیک قیاس بھی حجت ہے لیکن اسے حجت مثبتہ نہیں کہتے حجت مظہرہ کہتے ہیں حدیث اجماع اور قیاس کو حجت نہ مانا جائے تو قرآن مجید کے بارے میں جو تبیانا لکل شیء فرمایا ہے اس کو سامنے رکھ کر ملحدین گمراہ کر دیں گے خوب سمجھ لیا جائے، حوادث ونوازل کے بارے میں مقیس اور مقیس علیہ کو دیکھ کر احکام شرعیہ مستنبط کرنے واجتہاد کرنے کا نام ہے البتہ احکام منصوصہ میں قیاس کرنا جائز نہیں، جب حضرات صحابہؓ نے غیر منصوص مسائل میں استنباط واجتہاد کیا جن کی تعریف قرآن مجید میں فرمائی ہے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ قیاس بھی حجت شرعیہ ہے، قرآن مجید نے جو فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون ہ فرمایا اس میں اہل علم کی طرف رجوع فرمانے کا ذکر ہے اہل علم میں محدثین بھی ہیں اور فقہاء بھی ہیں خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (ص ۲۱۵ ج ۱۴)۔ وقد رضی ﷺ لامتہ باتباع اصحابہ حیث قال علیہ الصلاۃ والسلام (علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی عضوا علیہا بالنواجذ) وقد اجتہدوا وقاسوا ووطنوا طرائق الاجتہاد فکانت السنۃ والاجماع والقیاس مستندۃ الی تبیان الکتاب (یعنی حضور ﷺ اس بات سے راضی ہیں کہ میری امت میرے صحابہ کے نقش قدم پر چلے چنانچہ ارشاد فرمایا "میری اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اس پر اس طرح مضبوطی سے عمل پیرا رہو جیسا کہ کسی چیز کو داڑھوں سے مضبوط پکڑا جاتا ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہاد کیا، قیاس کیا اور اجتہاد کے راستوں پر چلے۔ لہٰذا جو امور سنت، اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں وہ بھی کتاب اللہ کے بیان میں داخل ہیں)

پھر قرآن مجید کی مزید تین صفات بیان فرمائیں ھدی (ہدایت) اور رحمت اور بشارت، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ہدایت اور رحمت تو سبھی کے لئے ہے اور بشارت اہل اسلام کے لئے ہے کیونکہ وہ اسلام قبول کر کے اور اسلامی احکام پر عمل کر کے آخرت کی نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں اور قرآن مجید نے انہیں جگہ جگہ ان نعمتوں کی بشارت دی ہے اسی لئے بشریٰ کے ساتھ للمسلمین فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

بلاشبہ اللہ عدل کا اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش کاموں سے اور برائیوں سے اور ظلم کرنے

وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

سے منع کرتا ہے، وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

چند اوصاف حمیدہ کا حکم اور منکرات وفواحش سے بچنے کی تاکید

یہ آیت بہت جامع ہے تمام مامورات (فرائض واجبات، مندوبات ومستحبات) کے حکم کو اور تمام منکرات (منہیات اور معاصی) کی ممانعت کو شامل ہے۔ اول یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عدل کا حکم فرماتا ہے، عدل عربی میں انصاف کو کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں فرمایا۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى اپنے پرائے چھوٹے بڑے سب کے بارے میں انصاف کرنا لازم ہے جو شخص دشمنی کرے اس کی دشمنی کے جواب میں بھی عدل ہی کیا جائے دشمنی کی وجہ سے عدل کو ہاتھ سے جانے نہ دیں اگر کسی زیادتی کرنے والے سے بدلہ لینا ہو تو زیادتی کے بقدر ہی بدلہ لیا جا سکتا ہے اور معاف کر دینا افضل ہے، عدل کا دوسرا معنی توسط یعنی افراط وتفریط کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنا بھی ہے اسی لئے بعض اکابر نے عدل کا ترجمہ اعتدال سے کیا ہے اس اعتبار سے عدل کا وہی مصداق ہوگا جو سورۂ بقرہ کی آیت وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا کی تفسیر میں حضرات اکابر نے بیان فرمایا ہے اور وہاں ہم بھی اس کی تشریح لکھ چکے ہیں صاحب روح المعانی نے بھی عدل کی تفسیر کرتے ہوئے اولاً اسی معنی کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے ای بمراعاة التوسط بین طرفی الافراط والتفریط پھر کچھ تفصیل کے بعد ابن ابی حاتم سے محمد بن کعب قرظی کا بیان نقل کیا ہے کہ مجھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بلایا اور فرمایا کہ بتاؤ عدل کیا چیز ہے؟ میں نے کہا واہ کیا خوب آپ نے تو بہت بڑی بات پوچھی، اس کے بعد عدل کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا کہ تو چھوٹے کا باپ بن جا اور بڑے کا بیٹا بن جائے اور برابر والے کا بھائی بن جائے اور لوگوں کو ان کے گناہوں کے بقدر اور ان کے جسموں کی برداشت کے بقدر سزا دے اور اپنے غصے کی وجہ سے ایک کوڑا بھی نہ مار ورنہ ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائے گا۔ حضرت سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے ان العدل استواء السریرة والعلانیة فی العمل (یعنی عدل یہ ہے کہ تنہائی میں ہو یا سب کے سامنے ایک ہی طرح کا عمل ہو)

ثانیاً احسان کا حکم فرمایا لفظ احسان حسن سے ماخوذ ہے اور باب افعال کا مصدر ہے، حسن خوبی اور اچھائی کو کہتے ہیں اور کسی کام کو اچھے طریقے پر انجام دینے کو احسان کہا جاتا ہے، عبادات میں احسان کی صفت ہو اور معاملات میں بھی، رشتہ داروں کے ساتھ بھی اور دوسرے انسانوں کے ساتھ بھی، اس اجمال کی تفصیل کے لئے آیت کریمہ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔

ثالثاً اپنے رشتہ داروں اور دوسرے انسانوں پر مال خرچ کرنا، یہ بھی بڑے ثواب کی چیز ہے اور صفت احسان میں یہ بھی داخل ہے لیکن مستقل طریقے پر اس کو علیحدہ بھی ذکر فرمایا کیونکہ اس میں دوہرا ثواب ہے۔ صلہ رحمی کا بھی اور صدقہ کا بھی اور ان لوگوں کو بھی تنبیہ ہے جو دنیا بھر سے تعلق درست رکھتے ہیں لیکن اپنوں سے بگاڑ رکھتے ہیں اور اپنوں پر ایک پیسہ بھی خرچ کرنا گوارا نہیں کرتے، باپ کی طرف سے رشتہ داروں یا ماں کی طرف سے ہوں لفظ قربیٰ سب کو شامل ہے ماں باپ اولاد بہن بھائی چچا پھوپھی خالہ ماموں اور ان کی اولاد سب ذوی القربیٰ میں بعض حالات میں ذوی القربیٰ پر مال خرچ کرنا واجب ہوتا ہے اور بعض حالات میں مستحب ہوتا ہے، تفصیلات کے لئے کتب فقہ کی طرف مراجعت کی جائے۔

مامورات کے بعد منہیات کا ذکر فرمایا وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ اس میں بھی تین چیزوں کی ممانعت فرمائی اور یہ تین چیزیں تمام ممنوعات ومحظورات اور معاصی اور منکرات کو شامل ہیں شریعت کی اصطلاح میں ہر گناہ پر لفظ منکر کا اطلاق ہوتا ہے فحشاء اور بغی بھی اس کے عموم میں داخل ہیں لیکن الگ سے ان دونوں کو بھی ذکر فرمایا ایک مرتبہ عمومی طور پر اور ایک مرتبہ خصوصی طور پر ان کی ممانعت فرما دی فحشاء اس قول وفعل کو شامل ہے جس میں بے شرمی اور بے حیائی ہو اور تقاضائے شہوت کے لئے جو بھی ممنوع فعل کیا جائے اور ایسے افعال کے اسباب اور دواعی سب کو لفظ فحشاء شامل ہے، علامہ قرطبی لکھتے ہیں هو كل قبيح من قول او فعل اور بغی ظلم اور زیادتی کے معنی

میں آتا ہے ظلم کی جتنی بھی صورتیں ہیں آیت کریمہ نے ان سب کو ممنوع قرار دے دیا ہے امیر المؤمنین کی بغاوت کرنا، مال چھین لینا چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، جنکے حقوق واجب ہیں ان کو روک لینا، ماں باپ کو تکلیف دینا، ان کی نافرمانی کرنا یہ سب بغی میں داخل ہے۔

سورۂ حجرات میں فرمایا وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ (اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں سے زیادتی کرے ایک فریق دوسرے پر تو تم سب لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پھر اگر وہ رجوع کرے تو ان میں برابری کے ساتھ صلح کرا دو، اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جتنے بھی گناہ ہیں ان میں سے بغی ظلم و زیادتی اور قطع رحمی ایسی چیزیں ہیں جو سب سے زیادہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کے کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی جلدی ہی عذاب دے دے اور آخرت میں بھی اس کے لئے عذاب باقی رکھ لے۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد کذا فی المشکوٰۃ ص ۴۲۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت دیگر تمام آیات کی بنسبت خیر و شر کے تذکرہ کے لیے سب سے زیادہ جامع ہے کیونکہ اس میں ہر خیر کا حکم ہے اور ہر برائی سے روک دیا گیا ہے۔ ماموارت اور منہیات کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو) اس میں عمل کرنے کی طرف توجہ دلائی اور یہ فرمایا کہ بات سن کر اور پڑھ کر اپنے کو فارغ نہ سمجھ لو بلکہ عمل بھی کرو۔

خطبوں میں اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ پڑھنے کی ابتدا

عام طور سے جمعہ کے خطبوں میں خطیب حضرات آیت بالا کو پڑھتے ہیں اس کی ابتداء حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے پہلے امرائے بنو امیہ اپنے خطبوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے تھے جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو اس طریقہ کو ختم فرما دیا اپنے گورنروں کو بھی لکھ دیا کہ ایسا نہ کریں اور اس کی جگہ آیت بالا کو پڑھنا شروع فرما دیا اس وقت سے آج تک یہ طریقہ جاری ہے، تقریباً پورے عالم میں اس پر عمل کیا جاتا ہے، البتہ کبھی کبھی چھوڑ دینا چاہئے تاکہ عامۃ الناس اس کو خطبہ کا جزو لازم نہ سمجھ لیں۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ

اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم عہد کرو، اور اپنی قسموں کو مؤکد کرنے کے بعد مت توڑو، اور تم اللہ کو اپنے

عَلَیْكُمْ كَفِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ

اوپر گواہ بنا چکے ہو بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنے کاتے ہوئے کو محنت کرنے کے بعد ذرا ذرا کر کے توڑ ڈالا

قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ

تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بناتے ہو اس وجہ سے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھی ہوئی ہو بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ذریعے آزماتا ہے، اور یہ بات

اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

ضروری ہے کہ قیامت کے دن اللہ ان چیزوں کو بیان فرما دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے،

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے،

وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ

اور تم جو اعمال کرتے تھے ان کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی، اور اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد ڈالنے کا ذریعہ نہ بناؤ، کہ جمنے کے بعد قدم

ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا

پھسل جائے اور تم اللہ کی راہ سے روکنے کا عذاب چکھو، اور تمہارے لئے بڑا عذاب ہے اور

تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اللہ کے عہد کے عوض تھوڑی قیمت حاصل نہ کرو بلاشبہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

عہدوں اور قسموں کو پورا کرنے کا حکم

عدل واحسان کا حکم فرمانے کے بعد ایفائے عہد کا حکم فرمایا، گو ایفائے عہد بھی عدل واحسان میں داخل ہے لیکن خصوصی طور پر اس کا حکم فرمایا تاکہ لوگ اسے مہتم بالشان سمجھیں اور اپنی زندگی میں اس کا خاص خیال رکھیں، آپس میں جو عہد ہوتے ہیں چونکہ ان میں قسمیں بھی کھائی جاتی ہیں اور آپس میں ان کے ذریعہ فساد بھی ڈال دیا جاتا ہے اس لئے قسموں کے بارے میں بھی تنبیہ فرمائی کہ ان کی پاسداری کرو اور قسم کھانے کو یا قسم توڑنے کو آپس میں فساد کرنے کا ذریعہ مت بناؤ۔ اولاً یوں فرمایا وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ .

(اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم عہد کرلو) اللہ سے جو عہد کیا تھا کہ میں فرمانبرداری کروں گا اور اطاعت کروں گا اس عہد کو پورا کرنے کا حکم فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ سے فرمانبرداری کا عہد کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسول ﷺ کی زبانی جو احکام دیئے ہیں ان کا پابند ہونا لازم ہے ان احکام میں حقوق اللہ بھی ہیں اور حقوق العباد بھی۔

پھر فرمایا وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (اور اپنی قسموں کو مؤکد کرنے کے بعد مت توڑو) جو عہد بغیر قسم کے ہو اس کا پورا کرنا تو لازم ہے ہی لیکن جس عہد و پیمان میں قسم بھی کھالی اللہ کے نام کو درمیان میں لے آئے اس کا پورا کرنا اور بھی زیادہ لازم ہوگیا لہٰذا قسم والے عہد کے پورا کرنے کا اور زیادہ شدت کے ساتھ اہتمام کرنا لازم ہے۔

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا (اور تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو) جب تم نے قسم کھا کر اللہ کو گواہ بھی بنالیا تو عہد کا پورا کرنا اور زیادہ لازم ہوگیا اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے تم گواہ نہ بناتے تو وہ تب بھی گواہ تھا لیکن خود سے جو اللہ کو گواہ بنایا اس کا خیال رکھنا اور زیادہ ضروری ہوگیا۔

مفسرین کرام نے کفیلاً کا ترجمہ شاہد آیا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر لکھ دیا ہے اور بعض حضرات نے کفیلاً کو اپنے اصلی معنی میں لیا ہے جو ذمہ دار کے معنی میں آتا ہے ان حضرات نے مذکورہ جملہ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ تم نے اللہ کو کفیل یعنی ضامن بنالیا ہے کہ وہ تمہیں عہد پورا کرنے پر عذاب سے محفوظ رکھے گا سو جب تم نے عہد کو توڑ دیا تو اللہ کی جو ذمہ داری تھی وہ بھی نہیں رہی اب وہ چاہے تو تمہیں عذاب دے اور عہد توڑنے پر سزا دے (وھذا کقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلوٰۃ الصبح فھو فی ذمۃ اللہ فلا یطلبنکم اللہ من ذمتہ بشیء (الحدیث) (رواہ مسلم)

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا

(اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنے کاتے ہوئے کو محنت کرنے کے بعد ذرا ذرا کر کے توڑ ڈالا) اس جملہ میں یہ بتایا کہ تم عہد توڑ کر ایسی عورت کی طرح مت بن جاؤ جس نے سوت کاتا پھر اس کو مضبوطی کے ساتھ بٹا اور پھر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا پہلے تو سوت کے کاتنے میں محنت کی پھر بٹنے میں محنت کی پھر جو کیا دھرا تھا اس کے ٹکڑے کر کے ڈال دیئے اگر کسی عورت کا یہ حال تمہیں معلوم ہو تو اسے بے وقوف اور احمق بتاؤ گے لہٰذا تم عہد کر کے اس عہد کو توڑنے کی حرکت نہ کرو ورنہ تم بھی حماقت کرنے والوں میں شمار ہو جاؤ گے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ بطور تمثیل ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر عہد توڑو گے تو اسی عورت کی طرح ہو جاؤ گے، جو کہ مذکورہ عمل کر گزرے لیکن بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک عورت تھی جس کا نام ریطہ تھا وہ ایسی حرکت کیا کرتی تھی۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۷۱ ج ۱۰) جو بھی صورت ہو اس میں نقض عہد کی قباحت اور شناعت بیان فرمائی ہے۔

احقر کے نزدیک الفاظ کا عموم بہت سے مسائل کو شامل ہے نماز شروع کر کے توڑ دینا روزہ توڑ دینا حج و عمرہ کا احرام باندھ کر فاسد کر دینا اور جہاد میں جا کر پشت پھیر لینا اور قسم کھا کر توڑ دینا یہ سب باتیں اور اس طرح کی بہت سی چیزیں آیت کے عموم میں آتی ہیں نیز اعمال کو حبط کرنے والے اعمال کو بھی آیت کریمہ کا عموم شامل ہے۔

احقر نے تفسیر کی کتابوں میں تلاش کیا کہ میرے ذہن میں جو یہ باتیں آئی ہیں ان کی تصریح مل جائے لیکن کہیں کچھ نہ ملا مواہب الہیہ میں سے سمجھ کر لکھ دیا واللہ العلم عند اللہ الکریم. تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ (تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بناتے ہو اس وجہ سے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھی ہوئی ہو) اہل عرب کا یہ طریقہ تھا کہ قبائل میں آپس میں دشمنیاں چلتی رہتی تھیں جن کی وجہ سے اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لئے ایک قبیلہ دوسرے کسی قبیلہ سے معاہدہ کر لیتا تھا کہ جب کوئی قبیلہ ہم میں سے کسی پر حملہ کرے گا تو دونوں قبیلے مل کر دفاع کریں گے۔ اور حملہ آور قبیلہ سے جنگ کریں گے جب معاہدہ کرنے کے بعد محسوس کرتے تھے کہ جس قبیلہ سے ہم نے معاہدہ کیا ہے وہ مال اور عدد کے اعتبار سے کمزور ہے تو اس سے معاہدہ توڑ کر کسی دوسرے قبیلہ سے معاہدہ کر لیتے تھے اللہ جل شانہٗ نے اس سے منع فرمایا اور پہلے قبیلہ سے جو قسم کھا کر معاہدہ کیا تھا اس معاہدہ کے توڑنے کو دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ سے تعبیر فرمایا کہ یہ چیز آپس میں فساد لانے والی ہے۔

اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ (بات یہی ہے کہ اللہ تمہیں اس کے ذریعے آزماتا ہے)

یعنی جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش ہے تاکہ فرمانبردار اور نافرمان کا کردار ظاہر ہو جائے، بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کسی جماعت سے معاہدہ کرنے کے بعد زیادہ تعداد والی دوسری جماعت سامنے آجانے پر پہلی جماعت کے معاہدہ کو توڑ کر دوسری بڑی جماعت تعداد والی جماعت سے معاہدہ کرتے ہو یا پرانے معاہدے پر جمے رہتے

ہو اس میں تمہاری آزمائش ہوتی ہے۔

فائدہ: ... اگر کسی جماعت سے معاہدہ کرنے کے بعد یہ اندیشہ ہو کہ دوسرا فریق دھوکہ دینے والا ہے اور شدید خطرہ ہے کہ وہ لوگ نقض عہد کر دیں گے اور ان کے ساتھ معاہدہ باقی رکھنا خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے تو اس کا طریقہ سورۂ انفال کی آیت کریمہ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (اور یہ بات ضروری ہے کہ قیامت کے دن اللہ ان چیزوں کو بیان فرما دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے)

جو مختلف راہیں اختیار کر رکھی تھیں ان سب کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اہل حق کو بہترین جزاء اور اہل باطل کو بدترین سزا دے گا یہ سزا ملنا اس بات کی دلیل ہوگا کہ تم جو کچھ عقیدہ رکھتے تھے اور جو کچھ کہتے اور عمل کرتے تھے وہ سب غلط تھا اسی کی وجہ سے آج مبتلائے عذاب ہو رہے ہو۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ اختلاف نہ ہونے دیتا اور سب کو ایک ہی راہ پر چلاتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ لوگوں میں اختلاف رہے، اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، سب کچھ اس کی حکمت اور مشیت کے مطابق ہے (رہی یہ بات کہ جب گمراہ کرنا اور ہدایت دینا اللہ کی طرف سے ہے تو بندے کیوں ماخوذ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں کو عقل اور سمجھ دی ہے اور اختیار دیا ہے وہ اپنے اختیار سے برائی کو اختیار کرتے ہیں جس شخص کو فالج ہو اس کا ہاتھ ہلانے میں اور جو صحیح تندرست ہو اس کے ہاتھ ہلانے میں جو فرق ہے وہ سب جانتے ہیں ایک میں اختیار ہے اور دوسرے میں اختیار نہیں ہے۔

وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (اور تم جو اعمال کرتے تھے ان کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی) عہدوں کو پورا کرنے کا حکم دینے اور قسموں کو توڑنے اور قسموں کو فساد کا ذریعہ بنانے کی ممانعت کے بعد ارشاد فرمایا کہ ماموارت پر عمل کرتے رہو اور جو چیزیں منع ہیں ان سے بچتے رہو یہ نہ سمجھنا کہ جو کچھ کر لیا وہ یوں ہی گزر گیا جو بھی کچھ کرتے تھے قیامت کے دن سامنے آئے گا اور تم سے اعمال کی ضرور ضرور باز پرس ہوگی۔

پھر فرمایا وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ (الآیۃ) کہ اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد کا ذریعہ نہ بناؤ اس مضمون کو بطور تاکید دوبارہ ذکر فرمایا اور ساتھ ہی قسموں کو فساد کا ذریعہ بنانے کا نتیجہ بھی بیان فرمایا اور نتیجہ کے نتیجہ سے بھی باخبر فرما دیا، نتیجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا (کہ اس کی وجہ سے قدم جمنے کے بعد پھسل جائے گا) اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کو توڑا تو یہ تو کفر ہے، ایمان کے بعد کوئی شخص کفر کے گڑھے میں جا پڑے اس سے زیادہ لغزش والا کون ہو سکتا ہے عہد توڑا ایمان چھوڑا کفر کے گڑھے میں جا پڑا اس سے بڑی لغزش کوئی نہیں، اور اگر بندوں کے عہد کو توڑا ان کو دھوکہ دیا اگرچہ حد درجہ کفر میں داخل نہ ہوا بد عہدی کی وجہ سے جو مستحق عقاب و عذاب ہوئے یہ بھی بہت بری لغزش ہے اہل ایمان پر لازم ہے کہ ایمان پر پختگی کے ساتھ جمیں جب قدم راسخ ہو گیا تو اسے جمائے رہیں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہیں پھر نتیجے کا نتیجہ بیان فرمایا یعنی قدم پھسلنے کے بعد یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے دنیا میں بھی برا عذاب چکھو گے اور آخرت میں بھی برے عذاب میں گرفتار ہو گے قال صاحب الروح والمراد من

السوء العذاب الدنیوی من القتل والاسر والنهب والجلاء وغیر ذلک مما یسوء (یعنی سوء سے مراد دنیوی عذاب یعنی قتل، قید، لوٹ مار اور جلاوطنی وغیرہ تکالیف ہیں) اور اللہ کی راہ سے روکنے کے مطلب بتاتے ہوئے صاحب معالم التنزیل (ص ۸۴ ج ۳) بعض اکابر سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں معناه مثلتم طریقة نقض العهد علی الناس بنقضکم العهد یعنی جب تم عہد توڑ دو گے تو لوگوں کے لئے مثال بن جاؤ گے ان کو بھی اس کا راستہ مل جائے گا نقض عہد کر کے دوسروں کے لئے نقض عہد کا راستہ ہموار کرنا یہ اللہ کے راستہ سے روکنا ہے، اور بعض اکابر نے فرمایا ہے فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ قسمیں کھا کر دھوکہ دینا اور اپنے درمیان فساد دلانے کا ذریعہ بنانا ایسی چیز ہے جس سے سلب ایمان کا خطرہ ہے بہت سے لوگ اللہ کی قسم کھا کر وعدہ کر لیتے ہیں یا کسی گذشتہ واقعہ پر جھوٹی قسم کھا جاتے ہیں کہ ہم نے ایسا کیا ہے فلاں نے ایسا کیا ہے اور مخاطب کو فریب دینا مقصود ہوتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام مکر و فریب کے لئے استعمال کیا اس کی پاداش میں سلب ایمان کی سزا مل سکتی ہے۔

پھر فرمایا وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا (اور اللہ کے عہد کے ذریعہ تھوڑی قیمت نہ حاصل کرو) اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بلاشبہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو)

فائدہ:..... آیات بالا میں کئی طرح سے عہد پورا کرنے کا حکم فرمایا ہے اور نقض عہد کی مذمت کی ہے قرآن مجید میں دیگر مواقع میں عہد پورا کرنے کا حکم فرمایا ہے سورۂ مائدہ کے شروع میں ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سورۃ الانعام میں فرمایا ہے کہ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا اور سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (اور عہد کو پورا کرو بلاشبہ عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی) درحقیقت عہد پورا کرنا بہت بڑی ایمانی ذمہ داری ہے اس میں لوب دنیاوی مفاد اور منافع کے لئے کچے پڑ جاتے ہیں۔

یہ جو فرمایا ہے کہ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا (اور اللہ کے عہد کے عوض تھوڑی قیمت حاصل نہ کرو) اس میں عہد کو توڑ کر دنیاوی منافع حاصل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، خواہ وہ منافع مال کی صورت میں ہوں یا جاہ کی صورت میں ہوں، علامہ قرطبی لکھتے ہیں نهی عن الرشی واخذ الاموال علی نقض العهد ای لا تنقضوا عهودکم لعرض قلیل من الدنیا انفرادی یا اجتماعی طور پر جو عہد کئے گئے ہیں جن میں حلف اٹھایا جاتا ہے اور اللہ کا نام لیا جاتا ہے پھر ان کو مال یا منصب اور عہدہ کے لئے توڑ دیا جاتا ہے ان لوگوں کے لئے اس میں خصوصی تنبیہ فرمائی ہے، دنیا جتنی بھی زیادہ ہو آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہے اور حقیر ہے اور ملتی بھی ہے تھوڑے سے دن کے لئے اس لئے ثمن قلیل یعنی تھوڑی قیمت فرمایا، الفاظ کے عموم میں ہر طرح کی رشوت لینے کی ممانعت آ گئی، یہ ضروری نہیں ہے کہ رشوت میں مال ہی کا لین دین ہو دنیا کا نفع رشوت کے طور پر حاصل کیا جا سکتا ہے اور عام طور پر لوگ اسی میں مبتلا ہوتے ہیں رسول اللہ کا ارشاد ہے لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش یعنی الذی یمشی بینهما اللہ کی لعنت ہو رشوت لینے والے پر اور رشوت دینے والے پر اور ان کے درمیان واسطہ بننے والے پر جو لوگ حکومت کے کسی جائز شعبہ میں کام کرنے پر مقرر ہیں اور ملازم ہیں یہ لوگ رشوت میں جو مال لیتے ہیں اگرچہ ہدیہ اور تحفہ ہی نام رکھ لیا جائے اس کا حرام ہونا تو ظاہر ہی ہے ان کی تنخواہ بھی حلال نہیں ہوتی کیونکہ انہیں جس کام کے لئے دفتر میں بٹھایا گیا ہے وہ کام نہیں کرتے اگر قانون کے مطابق کام کرتے ہیں تو کوئی رشوت نہیں دے گا اور اصول و قواعد کے خلاف کام کرنے سے مقررہ ذمہ داری پوری نہیں ہوتی اور اسی پر رشوت ملتی ہے جس کام کی تنخواہ لیتے ہیں وہ نہیں کرتے اور رشوت لے کر وہ کرتے ہیں جس کی اجازت نہیں ہے۔

آج کل عہد کو توڑ دینا معمولی سی بات بن کر رہ گئی ہے سیاست کی دنیا میں تو عہد کرنا پھر مال اور کرسی کے لئے عہد توڑ دینا کوئی بات ہی

نہیں ہے جدھر جاہ و مال کا فائدہ دیکھا ادھر ڈھل گئے الیکشنوں سے پہلے اور اس کے بعد جو عہد ہوتے ہیں پھر جو ان کی مٹی خراب ہوتی ہے اخبارات کے مطالعہ کرنے والے ان سے ناواقف نہیں ہیں رؤسا اور وزراء جو اللہ کا نام لے کر حلف اٹھاتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے لئے اور مسلمانوں ملک کے لئے ہمدردانہ طور پر کام کریں گے وہ اپنے حلف میں کس قدر پورے اترتے ہیں جاننے والے جانتے ہیں، ملک اور قوم کے مفاد کی بجائے صرف اپنی کرسی سنبھالنے کی فکر میں رہنا اور اپنی جماعت اور اپنے رشتے داروں کا نواز نا ہی مقصد بن کر رہ جاتا ہے یہ ان لوگوں کا حال ہے جو اسلام کے دعویدار ہیں ذرا اپنے حالات کو قرآن مجید کے احکام کے سامنے رکھ کر پرکھ لیں۔

عہد کا پورا کرنے کی شریعت اسلامیہ میں بہت بڑی اہمیت ہے اور جس کی جتنی بڑی ذمہ داری ہے اور جتنا بڑا عہدہ ہے اس سے اسی قدر آخرت میں اس کی باز پرس ہوگی اور رسوائی کا سامنا ہوگا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کا ایک جھنڈا ہوگا اور جتنا بڑا امیر تھا اسی قدر اونچا ہوگا جو اس کے پاخانہ کرنے کے مقام پر کھڑا کیا جائے گا مزید فرمایا کہ جو شخص عامۃ الناس کا امیر بنا، کسی کا امیر اس کے امیر سے بڑھ کر نہیں ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو بھی کوئی شخص مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کا والی بنا (یعنی ان کی دیکھ بھال اس کے ذمہ کی گئی) پھر وہ اس حال میں مر گیا کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس پر جنت حرام فرما دے گا۔ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ جس کسی بندہ کو اللہ نے چند افراد کا نگہبان بنایا پھر اس نے ان لوگوں کی اچھی طرح خیر خواہی نہ کی تو جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۱)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ

تمہارے پاس جو کچھ ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے، اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم انہیں ضرور ان سے اچھے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً

کاموں کے عوض دے دیں گے، جس کسی مرد یا عورت نے نیک عمل کیا اس حال میں کہ وہ مؤمن ہے تو ہم اسے ضرور

طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اچھی زندگی دیں گے، اور ان کے اچھے کام کے عوض ہم انہیں ان کا اجر ضرور دیں گے۔

آخرت کی نعمتیں باقی رہنے والی ہیں، صبر کرنے والے مردوں اور عورتوں کو حیات طیبہ نصیب ہوگی اور ان کے اعمال کا اچھا اجر ملے گا

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں یہ بتایا کہ جتنی دنیا بھی کما لو گے وہ سب ختم ہو جائے گی اور اعمال صالحہ پر (جس میں گناہوں سے بچنا اور نقض عہد سے بچنا بھی شامل ہے) جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت میں انعام ملے گا اور وہاں جو اکرام ہوگا وہ سب باقی رہنے والا ہے (اس میں ان لوگوں کو خاص تنبیہ ہے جو عہد توڑ کر اس کے عوض مال لے لیتے ہیں یا دنیاوی اعزاز حاصل کر لیتے ہیں)

جب دنیا سامنے آنے لگتی ہے اور جاہ و مال کے منافع نفس کو متاثر کرنے لگتے ہیں اور آدمی کو ابھارتے ہیں کہ قسم توڑ دے یا ایسا گناہ کرے جس سے مال اور جاہ کا نفع ہوتا ہو تو اس وقت دنیاوی منافع کو نہ دیکھے، شیطان کے ورغلانے سے بچ جانا اور نفس کے وسوسے کو ٹھکرا

ہر حکم شرعی پر جمے رہنا بڑی بات ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ میں یہ بتایا کہ دنیاوی منافع کے لئے عہد اور قسموں کو جو توڑتے ہو اور حرام ذریعوں سے جو پیسہ حاصل کرتے ہیں اس کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بناؤ۔ دنیا میں جو کماؤ گے وہ ختم ہو جائے گا اس کی وجہ سے آخرت کی نعمت سے محروم نہ ہو، وہاں جو کچھ ہے ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والا ہے فانی دنیا کے لئے باقی رہنے والی نعمتوں سے محروم رہنا سمجھداری کی بات نہیں ہے، باقی رہنے والی نعمتوں کی طرف دوڑو اور انہی کے لئے عمل کرو۔ چونکہ رشوت سے بچنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے اور حرام چھوڑ کر صبر کرنا پڑتا ہے اس لئے ساتھ ہی یوں بھی فرمایا وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ .

اس میں جو اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا فرمایا اس میں ان کی استقامت اور ثبات قدمی کی طرف اشارہ فرمادیا کہ وہ دنیوی منافع سامنے آنے پر بھی ایمانی تقاضوں پر جمے رہے اور دنیا کی وجہ سے کسی عہد کو نہیں توڑا، پیچھے سے نقض عہد کا ذکر ہے لیکن الفاظ کے عموم نے بتادیا کہ جو صبر کرے گا راہ حق پر جمے گا اسے ضرور اچھے سے اچھا اجر ملے گا۔

فرمایا مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (الایۃ) کہ جو بھی کوئی مرد ہو یا عورت اچھا عمل کرے گا ہم اسے حیات طیبہ (اچھی زندگی) دیں گے، اس میں ایک قانون بتادیا جس میں ہر نیک عمل پر ہر مؤمن مرد و عورت کے لئے حیات طیبہ کا اور اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ حیات طیبہ "اچھی زندگی" سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں علامہ قرطبیؒ نے پانچ اقوال نقل کئے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے قناعت مراد ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے طاعات کی توفیق دینا مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ذریعہ بنتی ہے، اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے جنت مراد ہے، پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقعد صدق نصیب ہونا مراد ہے، ان اقوال کے بعد دو قول اور لکھے ہیں ایک یہ کہ بندہ مخلوق سے بے نیاز ہو جائے اور ہر حال میں اپنے کو حق تعالیٰ شانہٗ ہی کا محتاج بنائے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے رضا بالقضاء مراد ہے۔

ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے بات یہ ہے کہ مؤمن بندوں کی دنیا والی زندگی بھی اچھی ہوتی ہے سکون و اطمینان سے رہتے ہیں اگر کوئی پریشانی اور تنگدستی بھی ہو تو اس کی وجہ سے انہیں گھبراہٹ نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں منہمک رہتے ہیں بلکہ فقر و فاقہ اور بیماری سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور کفار و فجار کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان پر دنیاوی مصائب آتے ہیں تو بلبلا اٹھتے ہیں مال کی حرص میں رات دن تگ و دو میں لگے رہتے ہیں باطن کو سکون نہیں ہوتا مؤمن بندوں کو حیات طیبہ دنیا میں حاصل ہے اور آخرت میں جب جنت میں جائیں گے اور اللہ کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے جو دائمی ہوگی ان کا تو ذکر ہی کیا ہے ان کی تو کوئی مثال ہی نہیں۔ اس میں جو وَهُوَ مُؤْمِنٌ فرمایا اس میں یہ بتادیا کہ حیات طیبہ دنیاوی اور اخروی انہی مؤمن بندوں کے لئے ہے جو حالت ایمان میں عمل صالح کرتے ہوں حالت کفر کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔ اور مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى فرما کر یہ بتادیا کہ اعمال صالحہ کا اجر و ثواب مردوں کو بھی ملے گا اور عورتوں کو بھی۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ

سو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں بلاشبہ بات یہ ہے کہ شیطان کا زور ان لوگوں پر

عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ

نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں، اس کا زور انہیں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ

هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝

شریک ٹھہراتے ہیں۔

جب قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں، شیطان کا تسلط ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں

شیطان مردود انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اس کی کوشش یہ رہتی ہے کہ انسان چین سے نہ بیٹھے اس کے دل میں برے برے وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور عبادت کے کام میں لگنے نہیں دیتا اگر عبادت میں لگ جائے تو اس کے ذہن کو بٹانے اور دل ہٹانے کی کوشش شروع کر دیتا ہے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جب بندہ اس کی تلاوت کرتا ہے تو اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے اپنے رب کے کلام کو پڑھتا ہے تو اس کا کیف اور سرور محسوس کرتا ہے، بھلا شیطان کو یہ کہاں گوارا ہے کہ مؤمن بندے اپنے رب کے کلام سے محظوظ ہوں۔ اور اپنے رب جل مجدہٗ کے کلام کو دل جمعی کے ساتھ پڑھیں لہٰذا تلاوت شروع کرنے سے پہلے شیطان مردود سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کریں کہ اے اللہ مجھے شیطان مردود سے اس کے وسوسوں سے اس کی شرارتوں سے محفوظ فرما تلاوت شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنے کے ساتھ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنا بھی مسنون ہے اس کو اس طرح سمجھ لیا جائے کہ جب کوئی شخص کسی مکان میں رہنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے تکلیف دینے والی چیزوں سے صاف ستھرا کرتا ہے پھر اسے رنگ روغن وغیرہ کے ذریعے خوبصورت بناتا ہے اسی طرح جب قرآن مجید کی تلاوت شروع کرے تو پہلے اپنے دل کو شیطان مردود کے وسوسوں سے پاک کر لے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ لے پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر اپنے دل کو اللہ کے نام سے مزین کر لے اور اس کی صفت رحمت کا استحضار کرے "مسئلہ" تلاوت کے شروع میں ایک بار اعوذ باللہ پڑھنا کافی ہے البتہ اگر تلاوت کے بعد کوئی ایسی بات کرے جو تلاوت سے متعلق نہ ہو تو دوبارہ اعوذ باللہ پڑھے۔

سورۂ نحل میں لفظ فاستعذ فرمایا ہے جو باب استفعال سے امر کا صیغہ ہے، حضرات قراء کرام کے نزدیک لفظ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنا ہی راجح ہے، علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ "النشر" میں لکھتے ہیں ان المختار لجميع القراء من حيث الرواية بسم الله الرحمن الرحيم ه وقال الحافظ ابو عمر والدانی انه هو المستعمل عند الحذاق دون غيره وهو الماخوذ به عند عامة الفقهاء كالشافعي وابی حنيفة واحمد و غيرهم (حافظ ابو عمرو دانی نے فرمایا ہے کہ ماہرین کے نزدیک انہی الفاظ کو عمل میں لایا جاتا ہے جیسے امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت شروع کرتے وقت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کا حکم آیت بالا سے معلوم ہوا دیگر مواقع میں بھی شیطان سے پناہ مانگنا آیات اور احادیث میں وارد ہوا ہے سورۂ اعراف میں ارشاد ہے وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ لیجئے بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے) سورۂ مومنوں میں فرمایا وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے رب میں اس بات سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آئیں) غصہ آجائے تب بھی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھے اور گدھے کی آواز سنے تب بھی یہ

کلمات پڑھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۲۱۳ از بخاری و مسلم)

اور ایک حدیث میں ہے کہ جب تم کتوں کی اور گدھوں کی آواز سنو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو کیونکہ یہ وہ چیزیں دیکھتے ہیں جنہیں تم نہیں دیکھتے (مشکوٰۃ المصابیح ۲۰۳) کتوں اور گدھوں کو شیاطین نظر آتے ہیں جن کو دیکھ کر وہ بولتے ہیں لہٰذا شیطان سے اللہ کی پناہ مانگی جائے، بیت الخلاء میں جاتے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی جس کے الفاظ یہ ہیں اعوذ باللہ من الخبث والخبائث (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیاطین سے مذکر ہوں یا مؤنث)

اہل ایمان پر شیطان کا تسلط نہیں جو اللہ پر توکل کرتے ہیں

اس کے بعد یہ بتایا کہ شیطان کا کس پر تسلط ہے یعنی شیطان کن لوگوں پر قابو پا لیتا ہے ارشاد فرمایا۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (بلاشبہ بات یہ ہے کہ شیطان کا زور ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں)

یعنی جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر شیطان کا زور نہیں چلتا شیطان تو سبھی کو بہکانے اور ورغلانے کی کوشش کرتا ہے لیکن جو حضرات مضبوط ایمان والے ہیں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں ان پر شیطان کا بس نہیں چلتا اور وہ ان کو راہ حق سے ہٹانے کے لئے جو کوشش کرتا ہے اس میں کامیاب نہیں ہوتا، عام طور پر ایسا ہی ہے کبھی کبھار کوئی بندہ اپنے نفس کے تقاضوں کی وجہ سے کوئی گناہ کر بیٹھے تو یہ دوسری بات ہے قال القرطبی قد بینا ان ھذا عام یدخلہ التخصیص و قد اغوی آدم وحوا علیھما السلام بسلطنہ.

شیطان کا تسلط ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں

پھر فرمایا۔ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ (اس کا زور انہیں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہیں)

اس میں یہ بتایا ہے کہ شیطان کا زور انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو شیطان سے دوستی کرتے ہیں۔ دوستی رکھنے میں کفر و شرک بدرجہ اولیٰ داخل ہے اور جو لوگ کافر و مشرک نہیں لیکن شیطان کی بات مانتے ہیں اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ بھی اس کے دوست ہیں جب شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو اس وسوسے کو آگے نہ بڑھنے دے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ پڑھ کر اللہ کے ذکر میں لگ جائے یا کوئی دوسرا کام شروع کر دے، اگر شیطان کے وسوسہ کے ساتھ چلتا رہا تو وسوسوں میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا اور کبھی بھی جان نہ چھوٹے گی وضو میں وسوسے ڈالے گا، ایمان میں شک ڈالے گا، نماز خراب کرے گا۔

شیطان جب انسان کو مانوس کر لے گا تو ایمانیات اور اعتقادیات میں وسوسے ڈالے گا اور وسوسوں کی مصیبت سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا شیطان وسوسہ ڈالے تو اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائے کسی اور بات میں لگ جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس شیطان آئے گا وہ کہے گا کہ اس چیز کو کس نے پیدا کیا اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا۔ بات بڑھاتے بڑھاتے یوں کہے گا کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا سو جب یہاں پہنچ جائے تو اللہ کی پناہ مانگے اور وہیں رک جائے (صحیح بخاری ص ۴۶۳ ج ۱)

حضرت قاسم بن محمد سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ مجھے اپنی نماز میں وہم ہو جاتا ہے اور اکثر ہوتا ہے فرمایا تو نماز کو پڑھتا رہ اور تو جس

مشکل میں مبتلا ہے یہ اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک کہ تو ایسا نہ کرے کہ نماز سے فارغ ہو کر (شیطان سے) یوں کہہ دے کہ میری نماز نہیں ہوئی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹ (موطا مالک) مطلب یہ ہے کہ شرعی اصول کے مطابق سجدہ سہو کر و باقی شیطان کا ساتھ نہ دو۔ نماز پڑھتے رہو گے وہ تو یہی کہتا رہے گا کہ یہ بات رہ گئی، نماز سے فارغ ہو کر شیطان سے یہ کہہ دو کہ چل بھاگ تجھے میری نماز سے کیا مطلب ہزار آیا ہمدرد بن کر جا میری نماز نہیں ہوئی، جب ایسا کرو گے تو شیطان دفع ہو جائے گا ورنہ وہ جان کے پیچھے لگا ہی رہے گا، ایک بزرگ تھے وہ وضو کر کے فارغ ہو جاتے تو شیطان کہتا تھا کہ تم نے سر کا مسح نہیں کیا سر کا مسح نہ کرو گے تو وضو نہ ہوگا وضو نہ ہوگا تو نماز نہ ہوگی بلکہ بے وضو نماز پڑھنا کفر ہے، وہ بزرگ فرماتے تھے کہ کچھ دن تک تو وسوسہ دور کرنے کیلئے دوبارہ مسح کیا پھر ایک دن شیطان کو دھتکار دیا اور اس سے کہا کہ چل دفع ہو تو کہاں کا مسلمان ہے جو تجھے میرے ایمان کی فکر ہے ایسا کرنے پر پیچھا چھوٹا۔

جس نے شیطان سے دوستی کی یعنی اس کی بات مانی اور وسوسوں کے آگے بڑھانے میں اس کا ساتھ دیا تو شیطان اسے برباد کرے گا اسے خود اپنے ایمان کی تو فکر ہے نہیں البتہ اہل ایمان کو طرح طرح سے بہکانے ورغلانے کی فکر میں لگا رہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ میں ان دونوں اور بنی آدم کو بھی لے ڈوبوں نعوذ باللّٰہ من شرور الشیطان و نزغاتہ

قولہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ ای باللہ مشرکون وقیل الکنایۃ راجعۃ الی الشیطان ومعناہ الذین ھم من اجلہ مشرکون (معالم التنزیل)

وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ

اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدلتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ نازل فرماتا ہے تو مخالفین کہتے ہیں کہ تو تو اپنے جی سے

اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ

ہی میں سے ایک جعل ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ ان لوگوں کو

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ

مضبوط کریں جو ایمان لائے اور یہ کلام ہدایت ہے اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس

بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ

کو ایک آدمی سکھاتا ہے یہ وہ جس کی طرف نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ واضح طور پر صاف عربی زبان ہے ۔ بیشک جو لوگ

لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ اِنَّمَا یَفْتَرِی

اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ۔ افترا تو وہ لوگ

الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

جھوٹ کا افترا کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ واقعی جھوٹے ہیں۔

قرآن مجید کی بعض آیات منسوخ ہونے پر معاندین کا اعتراض اور اس کا جواب

رسول اللہ کی موجودگی میں احکام میں نسخ ہوتا رہتا تھا اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک حکم دیا اس سے منع فرما دیا اور اس کے خلاف حکم دے دیا اس کو دیکھ کر مشرکین نے اعتراض کیا کہ محمد آج ایک بات کہتے ہیں اور کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں اگر واقعی یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں نسخ کیوں ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ محمد اپنے پاس سے بدل دیتے ہیں۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں، سورۂ بقرہ میں مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا کے تحت میں ان لوگوں کا اعتراض اور اس کا جواب مذکور ہو چکا ہے یہاں وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ (الآیۃ) فرما کر ان کا اعتراض اور اعتراض کا جواب ذکر فرمایا ان کا اعتراض جہالت پر مبنی تھا اللہ تعالیٰ کے سب کام حکمت پر مبنی ہیں جب اللہ تعالیٰ نے کسی حکم کو منسوخ فرمایا تو اس کی جگہ دوسرا حکم دے دیا دوسرا حکم کبھی بندوں کے حق میں زیادہ نفع مند تھا اور کبھی مکمل ہوتا تھا لیکن اعتراض کرنے والے کو اعتراض ہی آتا ہے ان میں اکثر جاہل ہوتے ہیں اسی لئے قُلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ فرمایا۔ اور بعض لوگ علم تو رکھتے ہیں لیکن ضد اور عناد کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں، درمیان میں بطور جملہ معترضہ فرمایا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ نازل فرماتا ہے اسے خوب جانتا ہے جو حکم پہلے نازل فرمایا وہ بھی اسے معلوم ہے اور بعد میں جو حکم نازل فرمایا وہ اسے بھی جانتا ہے جسے سب کچھ معلوم ہے اور جس کے ہاں بھول نہیں ہے اس نے حکمت کے مطابق پہلے ایک حکم بھیجا پھر دوسرا حکم نازل فرمایا وہ بھی حکمت کے مطابق ہے اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں۔

پھر فرمایا قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ (الآیۃ) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے یوں کہا کہ آپ اپنی طرف سے بات کہتے ہیں اور اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ کلام میرا بنایا ہوا نہیں اور احکام میں جو نسخ ہے وہ میری طرف سے نہیں حضرت روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام نے اسے اللہ کی طرف سے نازل فرمایا ہے یہ بالکل حق ہے جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا ہے اہل ایمان کے ایمان میں مضبوطی اور پختگی آتی ہے اور قرآن کے ذریعہ انہیں ہدایت بھی ملتی ہے اور قرآن پر عمل کرنے پر جو احکام ہیں گے ان کی خوشخبری بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

مشرکین کے اس قول کی تردید کہ آپ کو کوئی شخص سکھاتا ہے

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ (الآیۃ) اس آیت میں مشرکین مکہ کے ایک بہتان کا تذکرہ ہے اور ساتھ ہی اس بہتان کا رد بھی مذکور ہے، جب کوئی شخص مخالفت پر ہی کمر باندھ لے تو اسے یہ ہوش ہی نہیں رہتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ رسول اللہ جو قرآن مجید سناتے تھے تو مشرکین کبھی تو یوں کہہ دیتے تھے کہ یہ اساطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ یعنی پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں اور کبھی کہتے تھے کہ یہ باتیں انہیں فلاں شخص سکھاتا ہے فلاں شخص سے کون مراد ہے؟ اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں ان میں ایک قول یہ ہے کہ ایک شخص پہلے نصرانی تھا عجمی تھا (عربی نہیں تھا) اس نے اسلام قبول کر لیا تھا رسول اللہ اس کے پاس سے گزرتے تو اسے اسلام کی باتیں سکھاتے تھے، اس شخص کا نام یعیش تھا، رسول اللہ ﷺ اس کو سکھانے کے لئے تشریف لے جاتے اور وہ آپ سے دین سیکھتا تھا لیکن مشرکین مکہ الٹی ہی بات کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ محمد جو گزشتہ زمانہ کی باتیں بتاتے ہیں یا آئندہ واقعات کی خبر دیتے ہیں یہ اس شخص سے سیکھ کر بتاتے ہیں جس کے پاس ان کا اٹھنا بیٹھنا ہے۔

صاحب معالم التنزیلؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ شخص ایسے تھے جو اہل مکہ میں سے نہیں تھے لیکن مکہ معظمہ میں رہتے تھے یہ تلواریں بنانے کا کام کرتے تھے اور توریت و انجیل پڑھتے تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ و اہل مکہ تکلیف پہنچاتے تھے تو آپ ان دونوں کے پاس بیٹھ جاتے

تھے اور ان کا کلام سن کر راحت محسوس فرماتے تھے مشرکین مکہ نے جو آپ کو ان کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ انہیں دونوں سے باتیں سن لیتے ہیں پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے قرآن نازل ہوا۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مشرکین مکہ کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جن کی طرف باتیں سیکھنے کی نسبت کرتے ہیں وہ تو نہ ہی ہیں نہ عرب ہیں نہ فصیح عربی جانتے ہیں انہوں نے ایسی واضح فصیح عربی زبان میں آپ کو کیسے تعلیم دے دی؟ یہ نبی جو خود عربی بول بھی نہیں سکتا وہ اتنی بڑی فصاحت و بلاغت والی عبارت کیسے تلقین کر سکتا ہے جس کا مقابلہ کرنے سے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء عاجز ہو گئے زمانہ نزول قرآن سے لے کر آج تک کسی کی ہمت نہ ہوئی اور نہ ہوگی کہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کا چیلنج قبول کرے۔

پھر فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے) اس میں یہ فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات وحی نہیں مانتے اور یہ جانتے ہیں کہ واقعی اللہ کی آیات ہیں پھر بھی ضد و عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نہیں دے گا (فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ) دنیا میں ان کی سزا یہ ہے کہ ایمان سے محروم رہیں گے اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

پھر فرمایا اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ (جھوٹ کے افترا کا کام وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ اپنے پاس سے بنا کر یا کسی سے سن کر اپنی بات کو اللہ کی طرف نسبت کر دیتے ہیں ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ افترا کرنے والے نہیں ہیں افترا کرنے والے وہی ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور یہ بات جانتے ہوئے کہ ایک اُمی شخص ایسی عبارت نہیں بنا سکتا اور جس کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ اس نے سکھا دیا وہ عجمی ہے پھر بھی ضد پر اڑے ہوئے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے افترا کر دیا ان کو کسی نے سکھا دیا یہ ان لوگوں کا افتراء ہے وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ اور یہ لوگ جھوٹ کی صفت سے متصف ہیں اور جھوٹ نے اس کے اندر جکڑ لیا ہے (قال القرطبی ص ۱۷۱ ج ۱۰ یقال کذب فلان ولا یقال انه کاذب لان الفعل قد یکون لا زما وقد لا یکون لا زما فلذا قیل کذب فلان فهو کاذب کان مبالغة فی الوصف بالکذب.

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَلٰكِنْ

جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا ما سوا اس شخص کے جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے لیکن

مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ

جس نے دل کھول کر کفر قبول کر لیا سو ان پر اللہ کا غصہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے یہ اس وجہ سے

اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ

کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھا اور بلاشبہ اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا یہ وہ لوگ ہیں

الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں ہیں

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

اس کی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ تباہ کاروں میں سے ہوں گے۔

ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جانے کی سزا، جس سے زبردستی کلمہ کفر کہلوایا جائے اس کا حکم

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ معظمہ میں توحید کی دعوت دینا شروع کیا تو اہل مکہ کو بہت ناگوار ہوا وہ اس کو بری بات سمجھتے تھے، رسول اللہ ﷺ کو پہلے تو محبوب جانتے تھے لیکن توحید کی دعوت دینے کی وجہ سے آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو طرح طرح سے ستاتے تھے آپ کی دعوت جو لوگ قبول کر لیتے تھے ان کے ستانے میں تو بہت ہی زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے۔ ابتداء جن حضرات نے اسلام قبول کیا ان میں عموماً وہ لوگ تھے جو دنیاوی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے ان میں وہ حضرات بھی تھے جو غلام تھے یا باہر سے آئے ہوئے تھے ان کے مارنے پیٹنے میں مشرکین مکہ ذرا سی سر بھی اٹھا کر نہیں رکھتے تھے، حضرت بلال، حضرت خبابؓ، حضرت عمارؓ اور ان کے والد یاسرؓ اور ان کی والدہ سمیہؓ انہی تکلیف اٹھانے والے حضرات میں سے تھے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ سب سے پہلے سات افراد نے اپنا اسلام ظاہر کیا رسول اللہ اور ابوبکرؓ اور عمارؓ اور ان کی والدہ سمیہ اور صہیب اور بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا (ابوطالب) کے ذریعہ فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ کی حفاظت کا ذریعہ ان کی قوم کو بنا دیا باقی حضرات کو مشرکین مکہ نے لوہے کی زرہیں پہنا پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا۔ مشرکین ان سے کہتے تھے کہ ایمان سے پھر جاؤ اور کفر کا کلمہ کہہ دو ورنہ اسی عذاب میں رہو گے، حضرت بلالؓ نے علاوہ باقی سب نے صرف زبانی طور پر مشرکین کے کہنے کے مطابق بعض کلمات کہہ دیئے لیکن حضرت بلالؓ نے زبان سے بھی کوئی کفریہ کلمہ نہیں کہا انہوں نے اپنی جان کو اللہ کی راہ میں بالکل ہی بے حقیقت بنا دیا، پھر حضرت بلالؓ کو حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا، اور حضرت عمارؓ کے والدین کو مشرکین نے شہید کر دیا ان کی والدہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی شہیدہ ہیں۔ (البدایہ النہایہ ص ۵۹۵ ج ۳)

مذکورہ بالا آیت اسی موقع پر نازل ہوئی جبکہ بعض صحابہؓ نے دل سے ایمان پر مطمئن ہوتے ہوئے کافروں کی مار سے بچنے کی وجہ سے ظاہری طور پر صرف زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دیا تھا۔ تفسیر درمنثور ص ۱۳۲ ج ۴) میں ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو پکڑ لیا اور ان کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ انہوں نے نبی اکرم کی شان اقدس کے بارے میں برے کلمات نہ کہہ دیئے اور مشرکین کے معبودوں کے بارے میں خیر کے کلمات نہ کہہ دیئے۔ اسکے بعد حضرت عمارؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کیا خبر ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ بری بات ہے پھر بیان کیا کہ آج میں اس وقت چھوٹا ہوں جبکہ آپ کے بارے میں غلط کلمات استعمال کئے اور ان کے معبودوں کو خیر کے ساتھ یاد کیا، آپ نے فرمایا تمہارے دل کا کیا حال ہے؟ عرض کیا دل تو ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔ فرمایا اگر وہ لوگ پھر ایسی ہی تکلیف دینے لگیں تو پھر ایسے کلمات کہہ دینا اس پر آیت کریمہ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ نازل ہوئی۔

تفسیر درمنثور میں یہ بھی لکھا ہے عبداللہ بن ابی سرح نے اسلام قبول کر لیا تھا پھر مرتد ہو کر کافروں سے جا ملا اس کے بارے میں وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا نازل ہوئی۔

آیت بالا میں یہ بتا دیا کہ جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے پھر مرتد ہو جائے اور یہ مرتد ہونا دل سے ہو شرح صدر کے ساتھ ہو ایسے شخص پر

اللہ کا غصہ ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔

دوسری بات یہ بتائی کہ جس شخص کو مجبور کیا گیا کہ کفر اختیار کرلے اور اس نے جان بچانے کے لئے کفر کا کلمہ کہہ دیا تو اس کی گنجائش ہے اور اجازت ہے (لیکن اگر تکلیف کو جھیل جائے جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کیا یا شہید ہو جائے جیسے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والدین نے اختیار کیا تو یہ افضل ہے) تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب کے آدمیوں نے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا اور انہیں مسیلمہ کے پاس لے آئے مسیلمہ نے ایک سے پوچھا کیا تم محمد کے بارے میں یہ گواہی دیتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں! پھر اس نے پوچھا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس پر انہوں نے کانوں پر ہاتھ دھر کر اشارہ کر دیا کہ میں بہرا ہوں اس پر مسیلمہ نے ان کو قتل کروا دیا، پھر دوسرے مسلمان سے اسی طرح کا سوال کیا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں انہوں نے کہا کہ ہاں پھر کہا کہ تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے اس پر بھی ہاں کر لیا، لہٰذا ان کو چھوڑ دیا، وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا آپ نے فرمایا تیرا ساتھی (جو مقتول ہو گیا) وہ تو ایمان پر گذر گیا (یعنی دل سے بھی مؤمن رہا اور زبان سے بھی کوئی کلمہ ایمان کے خلاف نہیں کہا) اور تو نے رخصت یعنی شرعی اجازت پر عمل کر لیا واضح رہے کہ محض یوں ہی ڈرانے دھمکانے کا نام اکراہ نہیں ہے۔

اگر کوئی فرد یا جماعت یوں کہے کہ اتار دیں گے کہ کوئی نہ کوئی عضو تلف کر دیں گے یا قتل کر دیں گے اور وہ واقعی اس پر قدرت بھی رکھتا ہو ایسی صورت بھی صرف زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دینے کی اجازت ہے، دل ہر حال میں ایمان سے سرشار اور لبریز رہنا لازم ہے۔

عبداللہ بن ابی سرح جن کا ذکر اوپر ہوا یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کاتب تھے پھر ان کو شیطان نے بہکایا تو مرتد ہو کر کافروں سے جا ملے، فتح مکہ کے دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں خدمت عالی میں لے کر حاضر ہوئے تو انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا، وہ وہ بعد میں مسلمان ہو گئے لیکن آیت شریفہ میں جو ولٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فرمایا ہے اس کا مضمون اور اس کا حکم تا ابد باقی ہے جو شخص پہلے ہی سے دل سے کافر ہو یا اسلام قبول کرنے کے بعد دل سے کفر اختیار کر لے اس پر اللہ تعالیٰ کا غصہ ہے اور آخرت میں اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔

مسئلہ اگر کسی صاحب اقتدار نے مردار، خنزیر کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا اور یوں کہا کہ بات نہ ماننے کا تو مار ڈالوں گا یا کوئی عضو کاٹ دوں گا اور اندازہ ہے کہ مذاق میں یا محض دھمکی کے طور پر نہیں کہہ رہا ہے۔ تو اس صورت میں حرام چیز کھانے پینے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ ایسے موقعہ پر حرام کا کھانا پینا فرض ہے۔ اگر حرام نہ کھایا اور زبردستی کرنے والے نے قتل کر دیا تو دونوں گناہ گار ہوں گے۔

مسئلہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں مسلمان کو قتل کر دو ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے تو اس کی وجہ سے کسی مسلمان کو قتل کرنا حلال نہیں ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ (اللہ تعالیٰ کا یہ غصہ اس لئے ہے کہ انہوں نے دنیا والی زندگی کو آخرت والی زندگی پر ترجیح دی) اصل بات یہ ہے کہ اسلام کو سچا جاننے کے باوجود اسلام قبول نہ کرنا یا اسلام قبول کر کے دوبارہ کفر میں چلا جانا یہ دنیا کی محبت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، عہد اول کے مسلمانوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا تو ہمارے مال چھن جائیں گے یا عہدے جاتے رہیں گے یا زمین و جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑے گا یا عزیز قریب چھوٹ جائیں گے یا ہم پر مار پڑے گی یا قتل کر دیئے جائیں گے، جب ان پر حق واضح ہو گیا تو دنیا اور دنیا کی زندگی اور اہل دنیا اور دنیا کے منافع ٹھکرا دیئے اس زمانہ میں جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا اور اس کے بعد بھی جو لوگ اسلام سے بچتے رہے ان سب کے سامنے دنیاوی جاہ و مال اعزہ و اقارب آتے رہے اور ان کی وجہ سے اسلام سے

منہ موڑے رہے، اور اب اس زمانہ میں بھی جبکہ اسلام کی حقانیت واضح طور پر سب کے سامنے آچکی ہے اور اس کے حق ہونے کے اقراری بھی ہیں پھر بھی قبول نہیں کرتے اس میں بھی وہی جاہ و مال کی محبت کام کر رہی ہے جو ان کے دلوں میں پیوست ہے، جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں وہ اپنی آخرت کو ترجیح دیتے ہیں ان کا ضمیر انہیں بتاتا ہے کہ حقیر دنیا جو چند روزہ ہے اگر تھوڑا سا مال اور ذرا سا اقتدار جاتا رہا تو آخرت کی بے نہایت نعمتوں کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں، ہندوستان جیسے ملک میں ہندو مسلمان ہوتے رہے ہیں انہیں خاندان کے لوگ اور پولیس والے اور شہر والے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے وہ پھر بھی اسلام پر جمے رہتے ہیں۔

جو لوگ اسلام قبول کر کے کافر ہو جاتے ہیں وہ بھی مال یا عورت یا عہدہ کی وجہ سے ایمان کو چھوڑتے ہیں حقیر دنیا نے اپنی آخرت کو تباہ کر لیتے ہیں بعض جماعتیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں جن میں ختم نبوت کے منکر بھی شامل ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی شخص کو نبی ماننے کی وجہ سے کافر ہیں یہ لوگ ایران کے استاد یعنی نصاریٰ (جن سے انہوں نے اہل ایمان کے دلوں سے ایمان کھرچنے کا طریقہ سیکھا ہے) یہ سب مال و جاہ اور عورتوں کی پیش کش کرتے رہتے ہیں اور دنیا سے محبت کرنے والوں کو اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں یہ دنیا وہ بلائے عظیم ہے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا)

جب دنیا کی محبت سے کفر اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہدایت نہ ہوگی، مزید فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ (یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی) کفر پر اصرار کرتے رہے ہدایت سے دور ہوتے چلے گئے تو ان کے دلوں کانوں اور آنکھوں پر مہر لگ گئی وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (اور یہ وہ لوگ ہیں جو بالکل ہی غافل ہیں) ان کی غفلت نے ان کو ذوبدو دنیا میں ایمان سے اور آخرت میں ابدی نعمتوں سے محروم ہونے۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (یہ بات لازمی ہے کہ یہ لوگ آخرت میں بالکل ہی تباہ ہوں گے) نہ صرف یہ کہ جنت سے محروم ہوں گے جس کا ایمان والوں سے وعدہ ہے بلکہ دوزخ کے دائمی عذاب میں داخل کر دیئے جائیں گے ظاہر ہے کہ یہ سب بڑی تباہ کاری ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ

پھر بے شک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے فتنہ میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور ثابت قدم رہے تو بلاشبہ آپ کا رب ان

مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا ع

چیزوں کے بعد بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے، جس دن ہر شخص اپنے نفس کی طرف سے جدال کرے گا

وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

اور ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ہجرت کر کے ثابت قدم رہنے والوں کا اجر و ثواب، قیامت کے دن کی پیشی کا ایک منظر

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت کے بارے میں علامہ بغوی معالم التنزیل (ص ۷۸ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ عیاش بن ابی ربیعہ اور ابو جندبؓ اور ولید ابن ولیدؓ اور سلمہ بن ہشامؓ اور عبداللہ ابن ابی اسیدؓ کے بارے میں نازل ہوئی ان حضرات کو مشرکین نے اسلام قبول کرنے پر تکلیفیں

دیں تو انہوں نے ان کے شر سے محفوظ ہونے کے لئے بعض ایسے کلمات کہہ دیئے جو مشرکین کی خواہش کے مطابق تھے پھر ان حضرات نے ہجرت کی اور جہادوں میں حصہ لیا اور استقامت کے ساتھ ایمان پر جمے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان پر مہربانی فرمائے گا۔ صاحب معالم التنزیل نے حضرت حسن اور حضرت عکرمہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جنہوں نے اسلام کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا پھر فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے اور اچھے مسلمان ہو گئے ہجرت بھی کی اور جہادوں میں بھی حصہ لیا۔

آیت کا سبب نزول جو بھی ہو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے یہ اعلان عام ہے کہ کفر کے بعد جو بھی شخص ایمان قبول کرے گا اور ایمان پر ثابت قدم رہے گا دار الاسلام کو ہجرت کرے گا جہاد میں حصہ لے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مغفرت فرما دے گا اسلام کی وجہ سے وہ سب معاصی ختم ہو جاتے ہیں جو زمانہ کفر میں کئے تھے ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ فتنہ میں ڈالنے والے ہوں یا فتنہ میں ڈالے جانے والے ہوں اخلاص کیساتھ اسلام قبول کرنے پر پچھلا سب کچھ معاف ہے۔ قد قرا ابن عامر فتنوا علی صیغۃ الماضی المعلوم

دوسری آیت میں قیامت کا منظر بیان فرمایا کہ اس دن ہر شخص اپنے نفس کی جان سے جدال کرے گا یعنی دفاع کرے گا جواب دہی کی کوشش کرے گا مجرمین انکاری ہوں گے، کبھی اقراری ہوں گے وہاں اعمال کا ذرہ ذرہ موجود پائیں گے۔ خیر اور شر جو بھی کوئی عمل کیا تھا سب سامنے ہوگا اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ

اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی، یہ بستی امن والی تھی اطمینان والی تھی اس کا رزق ہر جگہ سے بڑی فراغت کے ساتھ اس کے

مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

پاس آتا تھا پس اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اللہ نے ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھا دیا

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

اور البتہ ان کے پاس انہیں میں سے رسول آیا۔ سو اس کو انہوں نے جھٹلا دیا پس انہیں عذاب نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے۔

ایک ایسی بستی کا تذکرہ جسے اللہ تعالیٰ نے خوب نعمتیں دیں پھر ناشکری کی وجہ سے ان کی نعمتیں چھین لی گئیں

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت بالا میں کسی خاص بستی کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عمومی مثال بیان فرمائی ہے اور اس سے اہل مکہ کو متنبہ کرنا اور ڈرانا مقصود ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ بہت سی بستیاں ایسی گذر چکی ہیں جو امن اور اطمینان سے رہتی تھیں اس کے رہنے والوں کی زندگی خوب اچھے طریقے پر گذرتی تھی ہر جگہ سے ان کے پاس رزق پہنچتا تھا۔ لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ نعمتوں کی ناشکری کی کفر پر جمے رہے۔ ان کے پاس جو رسول آیا اس کو جھٹلا دیا ان کی سب حرکتوں کی وجہ سے انہیں عذاب نے پکڑ لیا۔ یہ عذاب بھوک کا بھی تھا خوف کا بھی۔ جن بستیوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہے ان میں سے کسی بھی بستی کا حال سامنے رکھ لو اور اس سے

عبرت حاصل کرو۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ "بستی" سے خود مکہ معظمہ ہی مراد ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا آپ انہی میں سے تھے نسب کے اعتبار سے آپ قریشی اور ہاشمی تھے۔

جن کی مکہ معظمہ میں بات چلتی تھی اور آپ مکہ معظمہ کے رہنے والوں میں سے بھی تھے مکہ والوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام تھا کہ امن چین سے اطمینان سے رہتے اور زندگی گزارتے تھے۔ عرب کے قبائل آپس میں لڑتے رہتے تھے لیکن حرم سمجھنے کی وجہ سے اہل مکہ پر کوئی حملہ آور نہیں ہوتا تھا۔ اس بات کو سورۂ عنکبوت میں یوں فرمایا ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش سے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے) اہل مکہ کے لئے کھانے پینے کی فراوانی بھی خوب تھی۔ ہر طرف سے ان کے پاس رزق آتا تھا۔ خوب کھاتے پیتے اور پہنتے تھے۔ اس کو سورۂ قصص میں یوں بیان فرمایا۔

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

(کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے)

رسول اللہ نے اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا آپ کی نبوت کے ماننے سے انکاری ہوئے۔ اور آپ کو طرح طرح سے ستانے اور دکھ دینے لگے اور آپ کو مکہ معظمہ چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اللہ کے نبی کو ستایا اور اس شہر سے نکلنے پر مجبور کیا جو آپ کا وطن اصلی اور وطن عزیز تھا۔ بلکہ آپ کے اجداد حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا آباد کیا ہوا تھا۔ جب آپ مکہ معظمہ چھوڑ کر تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے تب بھی اہل مکہ نے اپنی دشمنی جاری رکھی۔ آپ نے ان کے لئے بددعا کر دی اور عرب قبائل جو مسلمان ہو گئے ان سے فرما دیا کہ اہل مکہ کو غلہ نہ دیں سات سال تک بھوک کی تکلیف میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ مردار چیزیں مرے ہوئے کتے اور جلی ہوئی ہڈیاں تک کھانے پر مجبور ہوئے۔ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو بھوک کی وجہ سے ایسا نظر آتا تھا جیسے آسمان تک دھواں ہی دھواں ہے۔ یہ ان کی بھوک کا عالم تھا اور کیونکہ اہل ایمان سے دشمنی تھی اس لئے مسلمانوں کی طرف سے خوف زدہ بھی رہتے تھے۔ اہل مکہ نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ صلہ رحمی والے ہیں مردوں سے دشمنی ہے عورتوں اور بچوں کو کیوں تکلیف میں مبتلا کیا جا رہا ہے؟ اس پر آپ نے ان لوگوں کو اجازت دے دی کہ اہل مکہ کو غلہ پہنچائیں اور خود بھی اپنے پاس سے ان کے لئے غلہ بھیجا۔ اہل مکہ نے عمومی طور پر اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن آپ نے ان کی تکلیف کو دور کرنے کی راہ استوار فرما دی۔ صاحب معالم التنزیل نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ آیت بالا میں قریہ (بستی) سے مکہ معظمہ ہی مراد ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی یہ بات لکھی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کو بطور مثال پیش فرما کر دوسرے شہروں کو متنبہ فرمایا کہ دیکھو جب نعمتوں کی ناشکری اور رسول اللہ کی تکذیب کی وجہ سے اہل مکہ کا ایسا ایسا حال ہوا جو بیت اللہ کے پاس رہتے تھے اور مسجد حرام کی خدمت کرنے والے تھے تو تم پر بھی عذاب آ سکتا ہے کفر سے اور کفران نعمت سے توبہ کرو۔ اور ایمان لا کر اللہ کے سچے پکے بندے بن جاؤ۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نعمتوں کی ناشکری نعمتوں کے زوال کا سبب بن جاتی ہے اور سورۂ ابراہیم میں فرمایا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ (اگر تم شکر کرو گے تو اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب

سخت ہے)۔

فائدہ جوع اور خوف و لباس فرمایا اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لوگ پہلے نعمتوں میں ڈوبے ہوئے تھے نعمتوں نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا۔ اب جو بھوک کی وجہ سے دبلے ہو گئے اور ان کا حال بدل گیا رنگ متغیر ہو گیا تو گویا پہلے لباس کے بعد انہوں نے دوسرا لباس اوڑھ لیا اس لئے بھوک اور خوف کو لباس سے تعبیر فرمایا اور چونکہ اپنی خوشی سے نہیں اوڑھا تھا اس لئے اذاقھا اللہ فرمایا کہ اللہ نے انہیں یہ لباس پہنا دیا۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ لباس پہنانے کو چکھنے سے کیوں تعبیر کیا۔ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (ص ۲۴۳ ج ۱۴) لکھتے ہیں کہ ان کی بدحالی کو کڑوی چیز سے تشبیہ دے کر اصابھا اور کساھا کے بجائے اذاقھا فرمایا یعنی نہیں بھوک اور خوف کے ذریعہ برا مزہ چکھا دیا اپنی بدحالی کو ایسی محسوس کر رہے تھے جیسے کوئی بہت کڑوی چیز کھا رہے ہوں (شبہ اثر الجوع والخوف وصرر هما العاشی بالباس بجامع الاحاطة والاشتمال فاستعیر اللہ اسمه واوقع علیه الاذاقة المستعارة لاصابة واوثرت للدلالة علی شدة التاثیر التی تفوت لو استعملت الاصابة ونبوا العلاقة بان المدرک من اثر الضرر شبه بالمدرک من طعم المر البشع من باب استعارة محسوس لمعقول) (روح المعانی ص ۲۴۳ ج ۱۴)

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ
س میں سے کھاؤ جو تمہیں اللہ نے روزی حلال پاک عطا فرمائی اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم
تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ
اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا ہے جس پر ذبح کے وقت غیر
اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
اللہ کا نام پکارا گیا سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا جائے اس حال میں کہ باغی نہ ہو اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو سو بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے

اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ، اور اس کا شکر ادا کرو، حرام چیزوں سے بچو

یہ دو آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں حلال اور پاکیزہ رزق کے کھانے کی اجازت دی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ کیونکہ شکر بھی عبادت ہے اور کامل عبادت شکر کے بغیر نہیں ہو سکتی دوسری آیت میں بعض ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کا کھانا حرام ہے اور ساتھ ہی مضطر کا حکم بھی بیان فرمایا جو شخص مجبور اور مضطر ہو رہا ہو اور بھوک کی وجہ سے اس کی جان پر بن رہی ہو اور کھانے کے لئے حلال چیزوں میں سے کچھ بھی نہ ہو تو جان بچانے کے لئے اتنا سا کھا لے جس سے جان بچ جائے اس سے آگے نہ بڑھے اور لذت کا طالب نہ ہو جو شخص باغی یعنی طالب لذت ہو گا یا عادی یعنی حد سے بڑھ جانے والا ہو گا یعنی جو ضرورت کی مقدار سے زیادہ کھا جائے گا وہ گناہگار ہو گا۔ مجبوری کے درجہ میں جو تھوڑا سا کھا لیا اس پر گناہ نہیں ہے یہ آیت ذرا سے فرق کے ساتھ سورہ بقرہ (رکوع نمبر ۲۱) میں بھی گذری ہے اور سورہ مائدہ کے پہلے رکوع میں بھی محرمات بیان کر دی گئی ہیں جن کو ہم نے وہاں تفصیل سے لکھ دیا ہے اس کا مراجعہ کر لیا جائے آیت بالا میں جو لفظ انما سے حصر معلوم ہو رہا ہے یہ حصر اضافی ہے یہاں جو چیزیں مذکور ہیں ان کے علاوہ بھی حرام چیزیں ہیں جن کا ذکر دیگر آیات میں اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا

اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں جھوٹا حکم لگتی ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝

جھوٹا افتراء کرو بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا

تھوڑا سا نفع ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ہم نے یہودیوں پر وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم پہلے

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

آپ سے کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

تحلیل اور تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے

مشرکین مکہ کا طریقہ تھا کہ انہوں نے اپنے پاس سے اشیاء کی حلت و حرمت تجویز کر رکھی تھی جانوروں کی تحلیل و تحریم کے بارے میں بہت سی باتیں ان کی خود ساختہ تھیں جس کا ذکر سورۂ انعام کے (رکوع نمبر ۱۶) میں اور سورہ مائدہ (رکوع نمبر ۱۴) میں بیان فرمایا ہے یہاں اس پر تنبیہ فرمائی کہ جن چیزوں کو تم نے خود سے حلال قرار دے رکھا ہے ان کے بارے میں اپنے پاس سے حلال و حرام مت کہو حلال و حرام قرار دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس کے اختیار کو اپنے لئے استعمال کرو گے تو یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہوگا کسی شرعی دلیل ہی سے اللہ کی پیدا فرمودہ اشیاء کو حلال یا حرام کہا جا سکتا ہے اپنی طرف سے خود تجویز نہیں کر سکتے۔

جب شرعی دلیل نہیں ہے تو اپنی طرف سے حرام و حلال تجویز کرنا حرام ہے، اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے والے کامیاب نہ ہوں گے دنیا و آخرت میں سزا کے مستحق ہوں گے، یہ جو دنیاوی زندگی گذار رہے ہیں جس میں طرح طرح سے اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور ان میں بعض نافرمانیوں کی وجہ سے جو کوئی لذت یا دنیاوی نفع پہنچ جاتا ہے یہ چند روزہ ہے تھوڑا سا عیش ہے ذرا سی زندگی ہے اس کے بعد آخرت میں ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ پر تہمت باندھتے ہیں اس کی پیدا کردہ چیزوں کو اپنی طرف سے حلال و حرام قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا وعلى الذين هادوا حرمنا ما قصصنا عليك من قبل (اور ہم نے یہودیوں پر وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم پہلے آپ سے کر چکے ہیں) سورۂ انعام کے رکوع نمبر ۱۸ میں اس کا ذکر ہے آیت شریفہ وعلى الذين هادوا حرمنا كل ذي ظفر کا مطالعہ کر لیا جائے، چونکہ ان کی شرارتیں اور معصیتیں بہت زیادہ تھیں اور ظلم کرتے تھے اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور سود کھاتے تھے اس لئے چیزیں ان پر حرام کر دی گئی تھیں جس کا ذکر سورۂ مائدہ (رکوع نمبر ۲۲) میں فرمایا ہے آیت کریمہ فبظلم من الذين هادوا کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے چونکہ یہ سزا ان کے مذکورہ جرائم کی وجہ سے دی گئی تھی اس لئے فرمایا وما ظلمناهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ

پھر بلاشبہ آپ کا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کرلی

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع

بلاشبہ آپ کا رب اس کے بعد معاف فرمانے والا ہے مہربان ہے

اللہ توبہ قبول فرماتا ہے اور مغفرت فرماتا ہے

گذشتہ چند رکوع میں متعدد احکام مذکور ہیں اور احکام کی خلاف ورزیوں پر آخرت کے عذاب کی وعید اور توبہ کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت کا وعدہ بھی مذکور ہے۔ اس رکوع کے ختم پر بھی ان لوگوں کے لئے مغفرت اور رحمت کا وعدہ فرمایا جنہوں نے جہالت یعنی حماقت سے گناہ کر لئے پھر توبہ کر لی۔ اور احوال و اعمال درست کر لئے اگر کوئی کافر و مشرک بھی توبہ کرے اور ایمان لے آئے اس کا بھی سب کچھ معاف کر دیا جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا

بلاشبہ ابراہیم ایک بڑے مقتدا تھے اللہ کے فرمانبردار تھے سب کو چھوڑ کر ایک ہی طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے

لِّاَنْعُمِهِ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ

نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے اللہ نے انہیں چن لیا اور انہیں سیدھے رستے کی ہدایت دی اور ہم نے انہیں دنیا میں خوبیاں دیں اور وہ

فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ

آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کیجئے جو سب سے ہو کر ایک ہی طرف کے ہو رہے تھے

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَي الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ

اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ہفتہ کے دن کی تعظیم انہیں دنوں پر لازم کی گئی تھی جن میں یہ اختلاف کیا

رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

اور بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں کے بارے میں فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف عالیہ اور ان کی ملت کے اتباع کا حکم

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرآن مجید میں جگہ جگہ ذکر ہے انہوں نے اللہ کے راہ میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں توحید کی دعوت اور شرک کی تردید کرنے کی وجہ سے انہیں آگ تک میں ڈالا گیا اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کو نوازا دیا۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہے واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما (اور جب ابراہیم کو

ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ آزمایا تو انہوں نے ان کو پورا کر دیا، ان کے رب نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کو پیشوا بنانے والا ہوں) اللہ تعالیٰ نے انہیں جن کلمات یعنی جن احکام کا حکم دیا انہیں پورا کیا اللہ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا ان پر صحیفے نازل فرمائے پھر ان کی نسل اور ذریت میں امامت و جاری فرمایا یعنی ان کے بعد جتنے بھی نبی آئے وہ سب انہیں کی نسل میں سے تھے اور ان کی شریعت کا اتباع کرتے تھے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آخر انبیاء ﷺ کو مبعوث فرمایا آپ بھی سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جیسا کہ آیت بالا میں مذکور ہے چونکہ حضرت ابراہیم کے بعد تشریف لانے والے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سب ان کی شریعت کا اتباع کرنے والے تھے اور ان کی امتیں اپنے نبیوں کا اتباع کرتی تھیں۔ اس لئے ابراہیم اپنے بعد کے تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے امام اور مقتدی ہوئے ان کو آیت بالا میں مقتدی اور سورۂ بقرہ میں لوگوں کا امام بتایا چونکہ حضرت ابراہیم کی ملت توحید ہی تو حید ہے اور فرمانبرداری ہی فرمانبرداری ہے اس لئے سورۂ بقرہ میں اس شخص کو بے وقوف بتایا جو ملت ابراہیمی سے بچے، ارشاد ہے وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (اور ملت ابراہیمی سے وہی روگردانی کرے گا جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا، اور بیشک ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کر لیا اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں جب فرمایا ان کے رب نے فرمانبردار ہو جاؤ، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں)

ملت ابراہیمی اس وقت ملت محمدیہ میں منحصر ہے اور آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی اس کے داعی ہیں، جو لوگ اس سے بیزار ہیں وہ لوگ مشرک، بت پرست بے حیا، بے شرم، بداخلاق، بداعمال دھوکے بازاور زمین میں فساد کرنے والے اور قوموں کو لڑانے والے ہیں، اور جس قدر بھی دنیا میں قبیح اور برے کام ہیں سب انہیں لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو ملت ابراہیمی سے بچے ہوئے ہیں گو کمزور ایمان والے مسلمانوں میں بھی معاصی ہیں لیکن اول تو انہیں گناہ سمجھتے ہوئے کرتے ہیں دوسرے توبہ کرتے رہتے ہیں اور ہر حال میں گناہ حماقت ہی سے ہوتا ہے۔

حج کرنا، حج میں صفا مروہ کی سعی کرنا منیٰ میں قربانیاں کرنا، اور عید الاضحیٰ میں پورے عالم میں قربانیاں ہونا اور ختنہ کرنا یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں سے ہیں جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں آئی ہیں۔

آیت بالا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قانت بھی بتایا ہے، یہ کلمہ غلط "قنوت" سے ماخوذ ہے جو فرمانبرداری اور عبادت گزاری کے معنی میں آتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمانبردار بھی تھے اور عبادت گزار بھی، سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی لیکن وہ حنیف تھے اور فرمانبردار تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآن مجید میں "حنیف" فرمایا ہے۔ اس کا مادہ ح۔ن۔ف ہے امام راغب لکھتے ہیں الحنف هو الميل عن الضلال الى الاستقامة والحنيف هو المائل الى ذلك (ص ۱۳۳) یعنی حنف یہ ہے گمراہی سے ہٹتے ہوئے حق پر استقامت ہو، اور حنیف وہ ہے جس میں یہ صفت پائی جائے، تفسیر درمنثور ص ۱۴۰ ج ۱ میں مسند احمد اور ادب المفرد (بخاری) سے نقل کیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ کو کون سا دین پسند ہے؟

آپ نے فرمایا الحنيفية السمحة یعنی وہ دین اللہ کو محبوب ہے جس میں باطل سے بچتے ہوئے حق اپنایا گیا ہو اور جس پر عمل کرنے

میں دشواری نہیں ہے (اس سے دین اسلام مراد ہے)

یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں حالانکہ مشرک بھی ہیں، قرآن پاک میں جگہ جگہ ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران میں فرمایا وما کان من المشرکین ۵ اور یہاں سورہ نحل میں وما کان من المشرکین بھی فرمایا ولم یک من المشرکین بھی فرمایا۔ مشرکین مکہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا انتساب رکھتے تھے اس میں ان کی بھی تردید ہے کہ تم مشرک ہو اور وہ موحد تھے تمہارا ان کا کیا جوڑ ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت بیان کرتے ہوئے شاکرا لانعمہ بھی فرمایا یعنی وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر عامہ خاص سب ہی بندے کرتے ہیں خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بدرجہ اولیٰ شکر گزار تھے اس میں اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ دیکھو تمہیں نعمتوں کا شکر گزار ہونا لازم ہے، تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے مکہ بسایا ہے اور مکہ میں بسنے والوں کے لئے ہر طرح کے پھلوں کے لئے دعا کی وہ موحد تھے تم بھی موحد ہو جاؤ۔ شرک چھوڑو تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام نعمتوں کے شکر گزار بھی تھے تم نعمتوں کی قدر دانی بھی نہیں کرتے (ناشکری کا وبال بھوک اور خوف کی صورت میں جلد ہی آگیا جواب تو ناشکری چھوڑو اور ایمان قبول کرو)

پھر فرمایا اجتبٰہ وھدٰہ الی صراط مستقیم ۵ اس میں یہ بتایا کہ اللہ نے انہیں چن لیا اور صراط مستقیم کی ہدایت دی جس کسی پر جو بھی کوئی اللہ کا انعام ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو خیر کا امام بنایا اور مقتدیٰ بنا کر انعام عطا فرمایا یہ سب فضل ہی فضل ہے، وہ جسے چاہے اپنا بنا لے ہدایت دینا بھی اسی کی طرف سے ہے وہ جس پر فضل فرماتا ہے ہدایت دیتا ہے سورہ حج میں فرمایا اللہ یصطفی من الملٰئکۃ رسلا ومن الناس (اللہ منتخب فرماتا ہے فرشتوں میں سے احکام پہنچانے والے اور انسانوں میں سے بھی) حضرت آدم علیہ السلام کے لئے فرمایا ثم اجتبٰہ فتاب علیہ وھدی (پھر ان کے رب نے ان کو چن لیا سو ان کی توبہ قبول فرمائی اور ہدایت پر قائم رکھا) حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا وکذلک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث (اور اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے فرمایا یموسیٰ انی اصطفیتک علی الناس برسالتی وبکلامی (اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں کے مقابلہ میں اپنی پیغمبری اور ہم کلامی کے ساتھ چن لیا)

امت محمدیہ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ھو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج (اور اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے اس نے تمہیں چن لیا اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی)۔

اللہ تعالیٰ پر کسی کا کچھ واجب نہیں جس کو جو کچھ عطا فرمایا یہ سب اس کا کرم ہے کسی کو دینی مقتدیٰ بنایا ہو یا کوئی دنیاوی عہدہ عنایت فرمایا ہو یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

پھر فرمایا واتینٰہ فی الدنیا حسنۃ (اور ہم نے ان کو دنیا میں حسنہ سے نوازا) حسنہ اچھی حالت اچھی خصلت کو کہا جاتا ہے بعض حضرات نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوبیاں عطا فرمائی، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اچھی اولاد مراد ہے اور بعض حضرت نے فرمایا کہ نبوت سے سرفراز فرمانا مراد ہے، اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے ان کی دعا کی مقبولیت مراد ہے، انہوں نے یوں دعا کی تھی واجعل لی لسان صدق فی الاٰخرین (اور میرے لئے آئندہ آنے والوں میں اچھا ذکر جاری رکھئے) دنیا میں جتنے بھی ادیان ہیں سب کے ماننے والے حضرات ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں اور اچھا کہتے ہیں، ہر نماز میں رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے ہوئے جو درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جمیل ہے اور ثنا حسن بھی جو اسلام کے باقی رہنے تک باقی

ہے وانہ فی الاخرۃ لمن الصلحین (اور بلاشبہ آخرت میں وہ صالحین میں سے ہوں گے) سورۂ بقرہ (رکوع نمبر ۱۶) میں بھی یہ الفاظ گزرے ہیں، اللہ جل شانہٗ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں گواہی دی کہ وہ قیامت کے دن بھی صالحین میں سے ہوں گے، ثابت قدم صاحب استقامت اور خیر وصلاح سے متصف ہونے والوں میں شمار ہوں گے وہاں بھی ان کی رفعت عیاں ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لوگ قبروں سے ننگے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۳) اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے ابراہیم کو کپڑے پہنائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ میرے خلیل کو کپڑے پہناؤ چنانچہ جنت کے دو سفید کپڑے لائے جائیں گے وہ انہیں پہنائے جائیں گے پھر اس کے بعد مجھے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۳ از دارمی)

سنیچر کے دن کی تعظیم یہودیوں پر لازم تھی

دنیا میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور آخرت میں جو ان کا مرتبہ ہوگا اس کا ذکر کرنے کے بعد انما جعل السبت علی الذین اختلفوا فیہ فرمایا سبت سنیچر کے دن کو کہتے ہیں بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کریں اس دن انہیں مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت تھی۔ انہوں نے خلاف ورزی کی اور مچھلیوں کا شکار کیا اور مچھلیے تراش لئے جس پر وہ بندر بنا دیئے گئے جس کا ذکر سورۂ بقرہ (رکوع ۸ میں) اور سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے (انوار البیان ج ۱ ص ۲۰) یہودیوں کو یہ جہالت سوار تھی کہ وہ جس دین پر چلتے تھے اس کو ابراہیم علیہ السلام کا دین بتا دیتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور جو چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں ان کے بارے میں کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں، اللہ جل شانہٗ نے ان کی تردید فرمائی کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کا جو یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں نہ تھا ان کے بعد یہودیوں پر جیسے بعض چیزیں حرام کر دی گئیں تھیں اسی طرح سنیچر کی تعظیم کا حکم بھی دیا گیا تھا اسے ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی طرف منسوب نہ کرو قال صاحب الروح (ص ۲۵۲ ج ۱۴) فان الیھود کانوا یزعمون السبت من شعائر الاسلام وان ابراھیم علیہ السلام کان محافظا علیہ ای لیس السبت من شرائع ابراھیم وشعائر ملۃ ابراھیم علیہ السلام التی امرت باتباعھا حتی یکون بینہ وبین بعض المشرکین علاقۃ فی الجملۃ (کیونکہ یہود یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ہفتہ کے دن کی تعظیم منجملہ شعائر اسلام کے ہے اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی تعظیم پر کاربند تھے۔ انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہفتہ کے دن کی تعظیم نہ تو ابراہیم کے شعائر میں سے ہے اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے شعائر میں سے ہے کہ ان کے اور بعض مشرکین کے درمیان کسی قسم کا تعلق ثابت ہو)

الذین اختلفوا کے بارے میں صاحب معالم التنزیل حضرت قتادہ سے نقل کرتے ہیں ھم الیھود استحلوا بعضھم و حرموا بعضھم یعنی یہ اختلاف کرنے والے یہودی تھے جب ان کو سنیچر کے دن کی تعظیم کا حکم دیا گیا تو ان میں سے بعض لوگوں نے اس کی تحریم کی خلاف ورزی کی اور لوگوں نے حکم کے مطابق عمل کر کے اس کو باقی رکھا)

یہ تفسیر زیادہ اقرب ہے جو سورۂ اعراف کی تصریح کے مطابق ہے وہاں بیان فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں نے سنیچر کے دن کی بے حرمتی کی اور مچھلیاں پکڑیں اور کچھ لوگ ایسے تھے جو انہیں منع کرتے تھے۔

جمعہ کا دن آخر الانبیاء ﷺ کی امت کے لئے رکھا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ دن اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ اور یوم الفطر کے دن سے بھی بڑا ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۰) اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ بندہ جو بھی سوال کرے اللہ تعالیٰ عطا

فرما دیتا ہے (مشکوۃ المصابیح ص ۱۱۹) اس دن میں اجتماع بھی رکھا گیا ہے خطبہ بھی ہے نماز جمعہ بھی ہے جمعہ میں حاضر ہونے کی بڑی بڑی فضیلتیں اور جمعہ چھوڑنے کی بڑی بڑی وعیدیں احادیث شریفہ میں مذکور ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم بعد میں آئے ہیں اور قیامت کے دن ہم سب سے آگے ہوں گے (ہمارے فیصلے بھی جلد ہوں گے اور جنت میں داخلہ بھی پہلی امتوں سے پہلے ہوگا) ہاں اتنی بات ہے کہ ان لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر یہ دن ہے جو ان پر فرض کیا گیا تھا انہوں نے اس میں اختلاف کیا پھر اللہ نے ہمیں راہ بتا دی (یعنی ہمارے لئے یوم جمعہ مقرر فرمایا) سو لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں یہود نے کل کا دن لے لیا اور نصاریٰ نے پرسوں کا دن لے لیا (صحیح بخاری ۱۲۰ ج ۱) یہ جو فرمایا کہ اہل کتاب پر یہ دن فرض کیا گیا تھا حدیث کی شرح لکھنے والوں نے اس کا یہ مطلب لکھا ہے کہ ان کے نبیوں کے ذریعہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ایک دن اپنی سمجھ سے متعین کر لیں لہٰذا یہودیوں نے سنیچر کا دن لے لیا اور نصاریٰ نے اتوار کا دن لے لیا ان کے دونوں دن بعد میں آتے ہیں پہلے ہمارا دن آتا ہے اس لئے فرمایا کہ وہ ہمارے تابع ہیں اپنے اپنے وقت میں جو یہود و نصاریٰ مسلمان تھے اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے اب تو سب کافر ہی ہیں۔ پھر فرمایا وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ (الآیۃ) (بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن اس کے بارے میں فیصلہ دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے) یہودیوں پر سنیچر کی تعظیم لازم کی گئی تھی اور ان پر اس دن شکار کرنا حرام کر دیا گیا تھا، وہ اس میں مختلف رہے بعض شکار کرنے سے بچتے رہے اور بعض شکار کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس طرح فیصلہ فرما دے گا کہ حکم پر عمل کرنے والوں کو ثواب عطا فرمائے گا اور خلاف ورزی کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا فرما دے گا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ

اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ بلائیے، اور ان سے ایسے طریقے پر بحث کیجئے جو اچھا طریقہ ہو،

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۲۵

بلاشبہ آپ کا رب ان کو خوب جاننے والا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے اور وہ ان کو خوب جانتا ہے جو ہدایت کی راہ پر چلنے والے ہیں۔

دعوت و ارشاد اور اس کے آداب

اس آیت میں دعوت الی اللہ کا طریقہ بتایا ہے ارشاد فرمایا اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (آپ اپنے رب کی طرف حکمت کے ذریعہ بلائیے) وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ) وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (اور ان سے ایسے طریقے پر بحث کیجئے جو بہت اچھا طریقہ ہو) اس میں تین چیزوں کی رعایت رکھنے کا حکم فرمایا اول حکمت دوسرے موعظہ حسنہ تیسرے اچھے طریقے پر بحث کرنا حکم تو رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن آپ کے توسط سے ساری امت کو اس کا حکم فرما دیا ہے حکمت، موعظہ، حسنہ مجادلہ بطریق احسن یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ذریعہ دعوت دی جائے تو عموماً منصف مزاج بات مان لیتے ہیں اور دعوت حق قبول کر لیتے ہیں دعوت الی الایمان ہو یا اعمال صالحہ کی دعوت ہو سب میں مذکورہ بالا چیزیں اختیار کرنا ضروری ہے۔

حکمت سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں صاحب روح المعانیؒ نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے انها الكلام الصواب الواقع من النفس اجمل موقع یعنی حکمت وہ صحیح بات ہے جو نفس انسانی میں خوبصورت طریقہ پر واقع ہو جائے۔ حکمت کی دوسری تعریفیں بھی کی گئی ہیں لیکن ان سب کا مآل یہی ہے کہ ایسے طریقے پر بات کی جائے جسے مخاطب قبول کر لے، یہ اس کے لئے تدبیریں

سوچتا ہے، واسطوں کو استعمال کرتا ہے نرمی سے کام لیتا ہے، ثواب بتاتا ہے اور عذاب سے بھی ڈراتا ہے، موقعہ دیکھ کر بات کرتا ہے جو لوگ مشغول ہوں ان سے بات کرنے کے لئے فرصت کا انتظار کرتا ہے اور اتنی دیر بات کرتا ہے جس سے وہ تنگدل اور ملول نہ ہو جائے، اگر پہلی بار مخاطبین نے اثر نہ لیا تو پھر موقع کا منتظر رہتا ہے، پھر جب موقعہ پاتا ہے پھر بات کہہ دیتا ہے اور اس میں زیادہ تر نرمی ہی کام دیتی ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو فرمایا **فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى** (سو تم دونوں اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا ممکن ہے کہ وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈر جائے)

البتہ اپنے لوگوں کو موقعہ کے مناسب کبھی سختی سے خطاب کرنا بھی مناسب ہوتا ہے، جیسا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو سختی سے مخاطب فرمایا جبکہ انہوں نے عشاء کی نماز میں لمبی قرأت کر دی تھی، صاحب حکمت اپنے نفس کے ابھار اور کسی بغض وحسد کی وجہ سے مخاطب کو نہیں ڈانٹتا، داعی کے لئے ضروری ہے کہ ناصح یعنی خیر خواہ بھی ہو۔ اور امین یعنی امانت دار بھی ہو جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا **وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ** (اور میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں امین ہوں) حکمت کا یہ بھی تقاضا ہے جو بہت ہی اہم ہے کہ دین کو آسان کر کے پیش کرے اور نفرت پیدا ہونے کا سبب نہ بنے، حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **یسروا و لا تعسروا وبشروا و لا تنفروا** (آسانی کے ساتھ بات کرو اور سختی سے پیش نہ آؤ اور بشارت دو نفرت نہ دلاؤ۔) صحیح بخاری ص ۱۴ ج ۱)

بہت سے لوگوں میں حق کہنے کا جذبہ تو ہوتا ہے لیکن وہ موقع نہیں دیکھتے، ہتھوڑا مار کر یا الا بنا تار کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے تو بات کہہ دی اپنا کام کر دیا لیکن اس سے مخاطب کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ بعض مرتبہ ضد وعناد پیدا ہو جاتا ہے، ہاں جہاں پر حق دب رہا ہو وہاں زبان سے کہہ دینا بھی بڑی بات ہے ایسے موقع پر حکمت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ حق کلمہ کہہ دیا جائے اسی کو فرمایا ہے **افضل الجهاد من قال كلمة حق عند سلطان جائر** (رواہ البغوی فی شرح السنۃ) سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد اس شخص کا جہاد ہے جس نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق کلمہ کہہ دیا)

حکمت کی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بات کہنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ سننے والے ملول اور تنگدل نہ ہوں، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ہر جمعرات کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ روزانہ بیان فرمایا کرتے تو اچھا ہوتا حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا کہ میں روزانہ اس لئے بیان نہیں کرتا کہ تمہیں ملول اور تنگدل کرنا گوارا نہیں ہے، میں تمہیں رغبت کیساتھ موقع دیتا ہوں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے موقع کا دھیان رکھتے تھے کہ ہم تنگدل نہ ہو جائیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۴ ج ۱)

حکمت کے تقاضوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسی باتیں نہ کرے، جو ان کو سمجھ سے بالاتر ہوں اور ایسی باتیں بھی نہ کرے جو لوگوں کے لئے عجوبہ بن جائیں، اگرچہ باتیں صحیح ہوں لوگوں کو قریب کرتے رہیں تھوڑا تھوڑا علم ان کے دلوں میں داخل کرتے رہیں لوگ جب بات کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں اس وقت وہ بات کہیں حضرت علی ؓ نے بیان فرمایا **حدثوا الناس بما يعرفون اتحبون ان يكذب الله ورسوله.** (صحیح بخاری ص ۲۴، ج ۱) یعنی لوگوں کے سامنے وہ باتیں بیان کرو جنہیں وہ پہچانتے ہوں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے (مطلب یہ ہے کہ بات تو تم صحیح پیش کرو گے لیکن مخاطبین کی سمجھ سے بالاتر ہوگی تو وہ کہیں گے ایسا نہیں ہے یا یوں کہیں گے ایسا نہیں ہو سکتا) اس وجہ سے حضرات علماء کرامؒ نے فرمایا کہ جس علاقہ میں جو قرآن اور جو روایت رائج ہو عوام کے مجمع میں اسی کو پڑھا جائے جیسے ہمارے ملکوں میں حضرت امام عاصمؒ کی قرأت اور حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہما کی روایت رواج پذیر ہے

کوئی کلمہ کسی دوسری قرات کا پڑھ دیا جائے تو حاضرین کہیں گے کہ اس نے قرآن کو غلط پڑھ دیا اور اس تکذیب کا سبب وہ قاری ہی بنے گا جس نے کسی دوسری قرأت کے مطابق تلاوت کر دی۔

نیز حکمت کے تقاضوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اجتماعی خطاب میں سخت ہو اور انفرادی گفتگو میں نرمی ہو اور حکمت کے طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو کسی غیر شرعی کاموں میں مبتلا دیکھے تو بجائے اس سے خطاب کرنے کے محفل عام میں یوں کہہ دے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں، فلاں فلاں گناہ کی یہ وعید ہے اس طرح سے ہر وہ شخص متنبہ ہو جائے گا، جو اس گناہ میں مبتلا ہو کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض مرتبہ یوں بھی خطاب فرماتے تھے کہ **ما بال اقوام یفعلون کذا کما قال صلی اللہ علیہ وسلم ما بال اقوام یصلون معنا لایحسنون الطھور و انما یلبس علینا القران اولئک.**

(مشکوۃ المصابیح ص ۳۹)

لفظ حکمت بہت جامع لفظ ہے اس کی جتنی بھی تشریح کی جائے کم ہے، اجمالی طور پر یہ سمجھ لیا جائے، کہ جس فرد یا جس جماعت سے خطاب کرنا ہے ان سے اس طرح بات کی جائے کہ بات قبول کر لینا اقرب ہو اور ایسا انداز اختیار کیا جائے، جس سے وہ متوحش نہ ہوں داعی کے طریقہ کار کی وجہ سے نہ چڑ جائیں نہ عناد پر کمر باندھ لیں مقصود حق قبول کرنا ہو نفرت دلانا نہ ہو، جب کوئی شخص نیک نیتی سے اس مقصود کو لے کر آگے بڑھے گا تو خیر پہنچانے کے وہ طریقے اس کے ذہن میں آئیں گے جو اسے کسی نے نہیں بتائے اور جو اس نے کتابوں میں نہیں پائے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور واضح رہے کہ کسی فرد یا جماعت کو راہ حق پر لانے کے لئے خود گناہ کرنا حلال نہیں بعض لوگ دوسروں کو ہدایت دینے کے لئے بدعتوں میں شریک ہو جاتے ہیں یا جانتے بوجھتے ہوئے مال حرام سے دعوت کھا لیتے ہیں یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے، ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ دوسرے کو خیر پر لگانے کے لئے خود گناہگار ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے دعوت دینے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہوئے مزید فرمایا **وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ** کہ موعظہ حسنہ کے ذریعہ دعوت دو یہ لفظ بھی بہت جامع ہے ترغیب و ترہیب والی آیات اور احادیث بیان کرنا اور ایسی روایات سنانا جس سے دل نرم ہو اور ایسے واقعات سامنے لانا، جن سے آخرت کی فکر ذہنوں میں بیٹھ جائے اور گناہ چھوڑنے اور نیک اعمال اختیار کرنے کے جذبات قلوب میں بیدار ہو جائیں یہ سب چیزیں موعظہ حسنہ میں آجاتی ہیں، مخاطبین کو ایسے انداز سے خطاب نہ کرے، جس سے وہ اپنی اہانت محسوس کریں اور دل خراش طریقہ اختیار نہ کرے جب اللہ کی راہ پر لگانا ہے تو پھر ایسے طریقے اختیار کرنا جس سے کہ لوگ مزید دور ہو جائیں اس کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کا عمل موعظہ حسنہ کے خلاف ہوگا۔

تیسری بات یوں فرمائی **وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ** (کہ ان سے اچھے طریقے سے جدال کرو) جدال سے جھگڑا کرنا مراد نہیں ہے بلکہ سوال و جواب مراد ہے، جس کا ترجمہ مباحثہ سے کیا گیا ہے جن لوگوں سے خطاب ہو ان میں بہت سے لوگ باوجود، باطل پر ہونے اور اسلام کی تقلید جامد ہونے کی وجہ سے حق کو دبانے کے لئے الٹے الٹے سوال کرتے ہیں ان کو جواب دینے کے لئے ایسا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے، جس سے ان کا منہ بند ہو جائے اور ان کے لاجواب ہونے کو دیکھ کر ان کے ماننے والے گمراہی سے منحرف ہو جائیں اور حق کو قبول کر لیں، جب کسی شخص میں اخلاص ہوتا ہے اور اللہ کے بندوں کی ہمدردی پیش نظر ہوتی ہے تو اللہ کی توفیق سے سوال جواب اور مباحثہ میں عمدگی اور نرمی اور مؤثر طریقے سے گفتگو کی توفیق ہو جاتی ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیوانہ، جادوگر، گمراہ، احمق کہا گیا

اور بے تکے سوالات کئے گئے ان حضرات نے صبر و تحمل سے کام لیا جس کے واقعات سورۂ اعراف اور سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں مذکور ہیں، اگر کوئی شخص برے طریقے پر پیش آئے تو اس سے اچھے طریقے پر پیش آنا لازمی ہے، سورۂ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۔ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ اور اس سے اچھی کس کی بات ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یوں کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں اور نہیں برابر ہوتی، اچھی خصلت اور بری خصلت، تو اس طریقے پر دفع کر جو طریقہ اچھا ہو، پھر اچانک وہ شخص جس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا خالص دوست ہوتا ہے اور یہ خصلت انہی لوگوں کو دی جاتی ہے جنہوں نے صبر کیا اور انہی کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔

سورۂ قصص میں فرمایا وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ اور وہ لوگ جو لغو بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں تم پر سلام ہو ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

جاہلوں اور معاندوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹنا پڑتا ہے، اگر داعی حق نے بھی جاہل اور معاند کے مقابلہ میں آستین چڑھالیں، آنکھیں سرخ کر لیں، لہجہ تیز کر دیا، ناشائستہ الفاظ زبان سے نکال دیئے تو پھر داعی اور مدعو اور صاحب حق اور صاحب باطل میں فرق کیا رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک بادشاہ نے (جس کا نام نمرود بتایا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں بحث کی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے) اس پر اس نے جیل خانے سے دو قیدی بلائے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو رہا کر دیا اور کہنے لگا کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں اس نے اپنی جہالت سے یا عمداً سے ایسا کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زندہ کرنے اور موت دینے کے بارے میں بحث کرنے کے بجائے بات کا انداز بدل دیا اور فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے لے کر آتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ، یہ سن کر وہ کافر حیران رہ گیا، اور کوئی جواب بن نہ پڑا، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ کرنے اور موت دینے کا مفہوم متعین کرنے اور سمجھانے اور منوانے میں لگتے تو ممکن تھا کہ وہ جاہل کافر غلط مفہوم پر ہی اڑا رہتا، اور خواہ مخواہ جھک جھک کرتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بات کا انداز ایسا اختیار فرمالیا جس سے وہ کافر جدھی خاموش ہو گیا۔

یہ واقعہ سورۂ بقرہ رکوع (۳۵) میں مذکور ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اور واقعہ بھی ہے جو سورۂ انبیاء میں مذکور ہے ان کی قوم بت پرست تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن ان بتوں کو توڑ ڈالا۔ وہ لوگ کہیں گئے ہوئے تھے واپس آئے تو دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں۔ کہنے لگے کہ اے ابراہیم کیا تم نے یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ ان کے بڑے نے کیا ہے اور اگر بولتے ہیں تو انہیں سے پوچھ لو اس پر وہ لوگ کہنے لگے یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ یہ تو بولتے نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام گفتگو کرتے کرتے انہیں یہاں تک لے آئے اور ان سے کہلوا دیا کہ یہ بولتے نہیں، تو اب تبلیغ فرمائی اور توحید کی دعوت دی۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ سو

کیا تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے سکے اور نہ ضرر پہنچا سکے۔ تم پر افسوس کیا تم سمجھتے نہیں رکھتے۔ یہ ترکیب سے بات کرنا اور تدبیر سوچنا سب موعظہ حسنہ میں داخل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کبھی اصلاح کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ کسی کی غلطی پر متنبہ فرمانے کے لئے بعض مرتبہ سلام کا جواب نہیں دیا۔ حضرت عمرو بن یثربی نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ سفر سے آیا، میرے ہاتھ پھٹے ہوئے تھے میرے گھر والوں نے ان پر زعفران کا دیا، ان کے بعد میں صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا، اور فرمایا جاؤ اس کو دھو لو۔

(مشکوٰۃ مصابیح ص ۵۸۱ از ابوداؤد)

ایک مرتبہ آپ باہر تشریف لے گئے وہاں دیکھا ایک اونچا قبہ بنا ہوا ہے۔ آپ نے صحابہ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ یہ فلاں انصاری کا ہے، آپ خاموش ہو گئے اور اس بات کو اپنے دل میں رکھا جب قبہ والے صاحب خدمت ہوئے تو انہوں نے سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا کئی بار ایسا ہی ہوا جس کی وجہ سے قبہ والے صاحب نے یہ سمجھا کہ آپ ناراض ہیں۔ حاضرین سے انہوں نے دریافت کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا رخ بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں، صحابہ رضہ نے بتایا کہ آپ ایک دن باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے قبہ کو دیکھ لیا تھا۔ یہ معلوم کر کے وہ صاحب واپس لوٹے اور اپنے قبہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا، اب حضرات صحابہ رضہ کا اب دیکھو کہ واپس آ کر یوں نہیں کہا کہ میں گرا آیا ہوں، پھر آپ کسی دن اس طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ نہیں ہے دریافت فرمایا کہ وہ قبہ کا کیا ہوا؟ صحابہ رضہ نے عرض کیا کہ قبہ والے صاحب نے آپ کی بے رخی کی شکایت کی تو ہم نے یہ بتا دیا کہ تمہارے قبے پر آپ کی نظر پڑتی تھی لہٰذا انہوں نے اس کو گرا دیا اور آپ نے فرمایا کہ خبردار ہر عمارت صاحب عمارت کے لئے وبال ہے سوائے اس عمارت کے جس کی ضرورت ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۱)

ان روایت سے معلوم ہوا کہ ڈانٹنا، ڈپٹنا جھڑکنا سختی کرنا ہی تعلیم و تبلیغ نہیں ہے زیادہ تر نرمی سے اور حکمت و تدبیر سے کام چلنا چاہئے، کہیں ضرورت پڑ گئی تو سختی بھی کر لینی چاہئے لیکن ہمیشہ نہیں، بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے تو نرمی و تواضع سے پیش آتے ہیں، لیکن اپنے آل اولاد کے ساتھ صرف سختی اور مار پٹائی ہی کا معاملہ کرتے ہیں جس سے بعض بچوں کو ضد ہو جاتی ہے جب تک کم عمر رہتے ہیں پٹتے رہتے ہے پھر جب بڑے ہو جاتے ہے تو بڑھ چڑھ کر نافرمانی کرتے ہیں، اس وقت ان کو دین پر ڈالنا مشکل ہو جاتا ہے، ایک مرتبہ آپ نے حضرت عائشہ رضہ سے فرمایا:

علیک بالرفق وایاک العنف ، ان الرفق لا یکون فی شیئ الا زانہ ولا تنزع من شیئ الاشانہ

اے عائشہ نرمی کو لازم پکڑ لو اور سختی سے اور بدکلامی سے بچو بلاشبہ جس کسی چیز میں نرمی ہوگی وہ اسے زینت دے دے گی اور جس چیز سے نرمی ہٹا لی جائے گی تو وہ اسے عیب دار بنا دے گی۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **من یحرم الرفق یحرم الخیر** جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا خیر سے محروم کر دیا گیا۔

اصلاح کا طریقہ یہ بھی ہے کہ گناہ کرنے والے سے قطع تعلق کر لیا جائے، لیکن یہ اس وقت مفید ہے جب وہ شخص اثر لے جس سے تعلق قطع کیا گیا ہے، آج کل تو یہ زمانہ ہے کہ گناہوں میں جو لوگ مبتلا ہیں اگر ان سے تعلق توڑ دیا جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا ہوا تم روٹھے اور ہم چھوٹے، لہٰذا کسی نیک آدمی کے ناراض ہونے کا کچھ اثر نہیں لیتے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ معاشرہ میں شرور معاصی کا اٹھنا زیادہ ہے، دینداروں کو حاجت ہے کہ اہل معاصی سے ملیں جلیں ان سے مال خریدیں، گناہ گاروں کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ

دینداروں سے پاس آئیں، اس نے قبیح تعلق اور برائی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

سل متصور اصلاح ہونی چاہیے، داعی اور مبلغ ہمدردانہ طور پر یہ سوچے کہ فلاں فرد اور فلاں جماعت میں یہ طریقہ کار مناسب ہوگا، پھر اس کے مطابق عمل کرے، بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دعوت و اصلاح کے کام میں اگر مردم شناسی اور موقعہ شناسی کو پیش نظر رکھا جائے تو بات ضائع نہیں ہوتی۔

یہ بھی سمجھنا چاہئے جہاں دعوت تبلیغ میں اخلاص ہوگا، اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہوگی، وہاں نفس اور نفسانیت کا دخل نہ ہوگا، بعض لوگ کسی کو نہ پڑوتے ہیں تو اصلاح مقصود نہیں ہوتی، دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے کوستے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں جس شخص سے ان بن ہوگئی اسے ذلیل کرنے کے لئے مجمع میں ٹوک دیا، مقصود اصلاح نہیں ہوتی بلکہ بدلہ لینا اور ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے جب بات کرنے والے ہی کی نیت اصلاح کی نہیں ہے تو مخاطب پر کیا اثر ہوگا، بہر حال مبلغ و داعی کو خیر خواہ ہونا لازم ہے۔

آخر میں فرمایا اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (بلاشبہ آپ کا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے، اور وہ ہدایت والوں کو خوب زیادہ جانتا ہے) آپ اپنی محنت کرتے رہیں ہدایت قبول کرنے والوں اور نہ ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، وہ اپنے علم کے مطابق جزا دے گا۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝

اور اگر تم بدلہ لینے ہو تو اسی جیسا بدلہ لو جیسا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝

اور آپ صبر کیجئے، آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے، اور ان پر غم نہ کیجئے جو چالیں چلتے ہیں اس کے بارے میں تنگ دل نہ ہو جائیے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ ع ۱۳

بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو خوبی کا طریقہ برتنے والے ہیں۔

بدلہ لینے کا اصول اور صبر کرنے کی فضیلت

ان آیات میں بدلہ لینے کا اصول بتایا ہے اور صبر کی فضیلت بتائی ہے اور متقین و محسنین کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہٗ ان کے ساتھ ہے صاحب معالم التنزیل تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیات شہداء احد کے بارے میں نازل ہوئیں غزوۂ احد میں جو مسلمان شہید ہوئے کافروں نے ان کے ناک کان کاٹ دیئے تھے اور پیٹ پھاڑ دیئے تھے جب مسلمانوں نے یہ حال دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آئندہ ہمیں ان پر غلبہ دے دیا تو ہم بھی ان کے مقتولین کے ساتھ ناک کان کاٹنے کا معاملہ کریں گے اور وہ معاملہ کریں گے جو اہل عرب میں سے کسی نے بھی کسی کے ساتھ نہ کیا ہو۔ انہی شہداء میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے بھی ناک کان کاٹے گئے تھے آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ اگر آئندہ اللہ نے مجھے کامیابی دی یعنی کافروں پر غلبہ دیا تو حمزہ کا بدلہ ان کے ستر آدمیوں کے ناک کان کاٹ دیں گے، اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ میں ارشاد فرمایا کہ اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی جیسا بدلہ لے سکتے ہو جیسا کہ تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی ہے بدلہ میں زیادتی کرنا جائز نہیں، اور فرمایا وَلَىِٕنْ

صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ○ (اور اگر تم صبر کرلو تو البتہ وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بس ہم صبر کریں گے اور بدلہ لینے کا ارادہ ترک فرمادیا۔

پھر فرمایا وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ (اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا صرف اللہ ہی کی توفیق سے ہے) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (اور مخالفت کرنے والوں پر غم نہ کیجئے) وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ (اور یہ لوگ جو تدبیریں کرتے ہیں ان کے بارے میں تنگ دل نہ ہو جایئے)۔ آپ اپنا کام جاری رکھیں ان کی تدبیریں دھری رہ جائیں گی۔ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ (بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اچھے کام کرتے ہیں) جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تقویٰ اور احسان کی صفت سے نواز دیا تو اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی دشمن اپنی تدبیر میں کامیاب نہ ہوں گے چنانچہ الحمد للہ ایسا ہوا کہ کافر اپنی تدبیریں کرتے رہے اور اسلام آگے بڑھتا رہا۔

فالحمد لله على انعامه واحسانه ولقد تم تفسير سورة النحل بفضل الله تعالى و حوله و قوته فى الليلة العشرين من جمادى الاولى سنه ۱۴۱۴ ھ والحمد لله اولاً واخرا و ظاهرا و باطنا

☆☆☆.. ... .☆☆☆

(پارہ نمبر ۱۵)

مکی	سورۃ الاسراء	۱۱۱ آیتیں ۱۲ رکوع

اٰیاتُھا ۱۱۱ (۱۷) سُوْرَۃُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّۃٌ (۵۰) رُکُوْعُھَا ۱۲

سورۃ الاسراء مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کرایا جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○

تاکہ ہم اسے اپنی آیات دکھائیں بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے ملاء اعلیٰ کا سفر کرایا

یہاں سے سورۃ الاسراء شروع ہو رہی ہے اسراء کا معنی ہے رات کو سفر کرانا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایک رات میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی اس سورت کی پہلی آیت میں اس کا ذکر ہے اس مناسبت سے یہ سورت سورۃ الاسراء کے نام سے معروف ہے۔

آیت مذکورہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی اور سورۃ والنجم کی آیات عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ○ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى میں اس کی تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عالم بالا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی آیات ملاحظہ فرمائیں آیت بالا میں چونکہ اسریٰ بِعَبْدِهٖ فرمایا ہے اور احادیث شریف میں مسجد اقصیٰ سے آسمانوں پر تشریف لے جانے کا بھی ذکر ہے اور اس تذکرہ میں ثم عرج بی فرمایا ہے اس لئے اس مقدس واقعہ کو اسراء اور معراج دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

آیت کریمہ کو لفظ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سے جو شروع فرمایا ہے اس میں ان کم فہموں کے خیال و گمان کی تردید ہے جو اس واقعہ کو محال اور ممتنع

سمجھتے تھے اور اب بھی بعض جاہل ایسا خیال کرتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ میں شک کرتے ہیں، ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو سب کچھ قدرت ہے وہ کسی بھی چیز سے عاجز نہیں ہے وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے وہ ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے اس کی قدرت کاملہ سے کوئی چیز خارج نہیں۔

اور انہی سعبدہ جو فرمایا اس میں رسول اللہ ﷺ کی شان عبدیت کو بیان فرمایا ہے۔ عبدیت بہت بڑا مقام ہے اللہ کا بندہ ہونا بہت بڑی بات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ بنالیا اور یہ اعلان فرمادیا کہ وہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑا کوئی شرف نہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ احب الاسماء الی اللہ عبداللہ و عبدالرحمن کہ اللہ کو سب سے زیادہ پیارے نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۹)

ایک مرتبہ ایک فرشتہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ آپ کے رب نے سلام فرمایا ہے اور فرمایا یہ کہ اگر تم چاہو تو عبدیت والے نبی بن جاؤ اور اگر چاہو تو بادشاہت والے نبی بن جاؤ، آپ نے مشورہ لینے کے لیے جبریل کی طرف دیکھا انہوں نے تواضع اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے جواب دے دیا کہ عبدیت والا نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (جو حدیث کی راویہ ہیں انہوں) نے بیان کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے آپ فرماتے تھے کہ میں ایسے کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۱ از شرح السنۃ)

واقعہ معراء کو بیان کرتے ہوئے لفظ عبدہ لانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ واقعہ کی تفصیل سن کر کسی کو یہ وہم نہ ہو جائے کہ آپ ﷺ کی حیثیت عبدیت سے آگے بڑھ گئی اور آپ کی شان میں کوئی ایسا اعتقاد نہ کر لے کہ مقام عبدیت سے آگے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت میں شریک قرار دے دے، اور جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کر کے گمراہ ہوئے اس طرح کی کوئی گمراہی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں نہ آجائے۔

قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک رات مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی، مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے اور بعض مرتبہ حرم مکہ پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے (کما قال تعالیٰ اَلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) اور مسجد اقصیٰ مسجد بیت المقدس کا نام ہے جو شام میں ہے لفظ اقصیٰ ابعد یعنی زیادہ دور والی چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے، مسجد اقصیٰ کو اقصیٰ کیوں کہا جاتا ہے اس کے بارے میں کئی قول ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں چونکہ وہ حجاز میں رہنے والوں سے دور ہے اس لئے اس کی صفت اقصیٰ لائی گئی اور ایک قول یہ ہے کہ جن مساجد کی زیارت کی جاتی ہے ان میں وہ سب سے زیادہ دور ہے (کوئی شخص مسجد حرام سے روانہ ہو تو پہلے مدینہ منورہ سے گزرے گا پھر بہت دن کے بعد مسجد اقصیٰ پہنچے گا (جب اونٹوں پر سفر ہوتے تھے تو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آنے جانے کا تقریباً چالیس دن کا سفر تھا) اور ایک قول یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ اس لئے کہا گیا کہ وہ گندی اور خبیث چیزوں سے پاک ہے۔ (روح المعانی ص ۹ ج ۱۵)

مسجد اقصیٰ کے بارے میں اَلَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ فرمایا یعنی جس کے چاروں طرف ہم نے برکت دی ہے، یہ برکت دینی اعتبار سے بھی ہے اور دنیاوی اعتبار سے بھی، دینی اعتبار سے تو یوں ہے کہ بیت المقدس حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عبادت گاہ ہے اور ان حضرات کا قبلہ رہا ہے اور وہ ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس کے چاروں طرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مدفون ہیں، اور دنیاوی اعتبار سے اس لئے بابرکت ہے کہ وہاں پر انہار اور اشجار بہت ہیں۔ لِنُرِیَهٗ

مِنْ اٰیٰتِنَا (تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی آیات یعنی عجائب قدرت دکھائیں) ایک رات میں اتنا لمبا سفر ہو جانا، اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقاتیں ہونا، ان کی امامت کرنا، اور راستہ میں بہت سی چیزیں دیکھنا یہ سب عجائب قدرت میں سے تھا۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بلاشبہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ السمیع فرما کر یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کا سننے والا ہے اور البصیر فرما کر یہ ظاہر فرما دیا کہ وہ سب کچھ دیکھنے والا ہے اور رات کی تاریکی میں حفاظت کرنے والا ہے۔

سورۃ الاسراء میں مسجد اقصیٰ تک سفر کرانے کا ذکر ہے اور احادیث شریفہ میں آسمانوں پر جانے بلکہ سدرۃ المنتھیٰ بلکہ اس سے بھی اوپر تک تشریف لے جانے کا ذکر ہے، اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان سے اوپر تک سیر کرائی پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ پہنچا دیا اور یہ آنا جانا سب حالت بیداری میں تھا اور جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھا۔

واقعۂ معراج کا مفصل تذکرہ

ہم پہلے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت نقل کرتے ہیں، پہلے صحیح مسلم کی روایت لی ہے کیونکہ اس میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا اور پھر عالم بالا میں تشریف لے جانے کا ذکر ہے صحیح بخاری کی کسی روایت میں ہمیں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا ذکر نہیں ملا اس لئے بخاری کی روایت کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

براق پر سوار ہو کر بیت المقدس کا سفر کرنا اور وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت کرنا

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایک براق لایا جو لمبا سفید رنگ کا چوپایہ تھا اس کا قد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی، میں اس پر سوار ہوا یہاں تک کہ میں بیت المقدس تک پہنچ گیا میں نے اس براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام باندھا کرتے تھے پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعتیں پڑھیں پھر میں مسجد سے باہر آیا تو جبرئیل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آئے میں نے دودھ کو لے لیا اس پر جبرئیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کر لیا، پھر ہمیں آسمان کی طرف لے جایا گیا اور پہلے آسمان میں حضرت آدم اور دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ اور یحییٰ اور تیسرے آسمان میں حضرت یوسف اور چوتھے آسمان میں حضرت ادریس اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہم السلام اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور سب نے مرحبا کہا اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے بارے میں آپ نے بتایا کہ وہ البیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے اور یہ بھی بتایا کہ البیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتے۔

پھر مجھے سدرۃ المنتھیٰ تک لے جایا گیا، اچانک دیکھتا ہوں کہ اس کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے ہاتھی کے کان ہوں اور اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے ہوں، جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیزوں نے ڈھانک لیا تو اس کا حال بدل گیا اللہ کی کسی مخلوق میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے حسن کو بیان کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو سونے کے پروانوں نے ڈھانک رکھا تھا۔ (مسلم ص ۹۷ ج ۱)

اس وقت مجھ پر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی وحی فرمائی جن کی وحی اس وقت فرمانا منظور تھا اور مجھ پر رات دن میں روزانہ پچاس نمازیں پڑھنا فرض کیا گیا میں واپس اترا اور موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں فرض فرمائی ہیں، انہوں نے کہا کہ واپس جایئے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی، میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف واپس لوٹا اور عرض کیا کہ اے رب! میری امت پر تخفیف فرما دیجئے چنانچہ پانچ نمازیں کم فرما دیں میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا، اور میں نے بتایا کہ پانچ نمازیں کم کر دی گئی ہیں انہوں نے کہا کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی آپ نے اپنے رب کی طرف رجوع کیجئے اور تخفیف کا سوال کیجئے، آپ نے فرمایا کہ میں بار بار واپس ہو رہا (کبھی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا کبھی بارگاہ الٰہی میں حاضری دیتا) یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ یہ روزانہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں ہر نماز کے بدلہ میں دس نمازوں کا ثواب ملے گا بہذا یہ (ثواب میں) پچاس ہی ہیں، جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے گا پھر اسے نہ کرے گا تو اس کے لئے (محض ارادہ کی وجہ سے) ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور جس شخص نے ارادہ کرنے کے بعد عمل بھی کر لیا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص نے کسی برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اپنے ارادے کے مطابق عمل کر لیا تو ایک گناہ لکھا جائے گا، آپ نے فرمایا کہ میں نیچے واپس آیا تو موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اور انہیں بات بتا دی انہوں نے کہا کہ واپس جاؤ اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرو میں نے کہا میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ میں مراجعت کرتا رہا ہوں یہاں تک اب مجھے شرم آتی ہے۔ (مسلم ص ۹۱، ج ۱)

صحیح مسلم ص ۹۶ ج ۱ میں بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں دیکھا، اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کی امامت کی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا کہ اے محمد یہ دوزخ کا داروغہ ہے اس کو سلام کیجئے میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے خود سلام کیا (یہ بیت المقدس میں امامت فرمانا، آسمانوں پر تشریف لے جانے سے پہلے واقع ہوا)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (ص ۶ ج ۳) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت جو بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کی ہے اس میں یوں ہے (ابھی بیت المقدس ہی میں تھے) کہ بہت سے لوگ جمع ہوئے پھر ایک اذان دینے والے نے اذان دی اس کے بعد ہم صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے انتظار میں تھے کہ کون امام بنے گا؟ جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور میں نے حاضرین کو نماز پڑھا دی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرئیل نے کہا اے محمد ﷺ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کن حضرات نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں (جن حضرات انبیاء علیہم السلام سے پہلے ملاقات ہو چکی تھی ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی اور سب سے تعارف نہیں ہوا تھا اس لئے یوں فرما دیا کہ میں ان سب کو نہیں جانتا) حضرت جبرئیل نے کہا کہ جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے (اس کے بعد آسمانوں پر جانے کا تذکرہ ہے)

صحیح بخاری میں واقعہ معراج کی تفصیل

صحیح بخاری میں واقعہ معراج بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متعدد جگہ مروی ہے کہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بواسطہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور کہیں بواسطہ حضرت مالک بن صعصعہ انصاری نقل کیا ہے۔

(۲) فی مجمع الزوائد (ص ۴۷ ج ۱) فربطت الدابة بالحلقة التی تربط بها الانبیاء ثم دخلنا المسجد فشرت لی الانبیاء سمی الله ومن لم یسم فصلیت بهم (دیکھو ص ۱۵۰ اور ۱۵۵ اور ۱۷۱ اور ۵۴۸ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے قریب اس حالت میں تھا جیسے کچھ جاگ رہا ہوں کچھ سو رہا ہوں، میرے پاس تین آدمی آئے میرے پاس سونے کا طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے پر تھا میرا سینہ چاک کیا گیا پھر اسے زم زم کے پانی سے دھویا گیا پھر اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا اس کے بعد اس کو درست کر دیا گیا اور میرے پاس ایک سفید چوپایہ لایا گیا وہ قد میں خچر سے کم تھا اور گدھے سے اونچا تھا یہ چوپایہ براق تھا۔

آسمانوں میں تشریف لے جانا اور آپ کے لئے دروازہ کھولا جانا

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات فرمانا اور ان کا مرحبا کہنا

میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوا یہاں تک کہ قریب والے آسمانوں تک پہنچ گیا حضرت جبریل نے آسمان کے خازن سے کہا کہ کھولئے اس نے سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے جواب دیا کہ محمد ﷺ ہیں اس نے دریافت کیا، کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے! اس پر مرحبا کہا گیا اور دروازہ کھول دیا گیا اور کہا گیا ان کا آنا بہت اچھا آنا ہے، ہم اوپر پہنچے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے فرمایا مرحبا بک من ابن ونبی بیٹے اور نبی کے لئے مرحبا ہے، پھر ہم دوسرے آسمان تک پہنچے وہاں بھی جبرئیل سے اسی طرح کا سوال جواب ہوا جو پہلے آسمان میں داخل ہونے سے قبل کیا گیا تھا جب دروازہ کھول دیا گیا اور اوپر پہنچے تو وہاں عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کو پایا انہوں نے بھی مرحبا کہا انکے الفاظ یوں تھے مرحبا بک من اخ و نبی (مرحبا ہو بھائی کے لئے اور نبی کے لئے) پھر ہم تیسرے آسمان پر پہنچے وہاں جبرئیل سے وہی سوال ہوا جو پہلے آسمان میں داخل ہونے سے قبل ہوا تھا پھر دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں یوسف علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے مرحبا بک من اخ و نبی کہا پھر ہم چوتھے آسمان تک پہنچے وہاں بھی جبریل سے حسب سابق سوال جواب ہوا، دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں ادریس علیہ السلام کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی وہی کہا مرحبا بک من اخ و نبی، پھر ہم پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی جبریل سے حسب سابق سوال جواب ہوا۔ دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچے وہاں ہارون علیہ السلام کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی مرحبا بک من اخ و نبی کہا پھر ہم چھٹے آسمان تک پہنچے وہاں بھی حسب سابق حضرت جبریل سے وہی سوال جواب ہوئے، جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے بھی مرحبا بک من اخ و نبی کہا جب میں آگے بڑھ گیا تو وہ رونے لگے ان سے سوال کیا گیا کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا میرے بعد مبعوث ہوا اس کی امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جو میری امت کے داخل ہونے والوں سے افضل ہوں گے (دوسری روایت میں ہے کہ اس کی امت کے جنت میں داخل ہونے والے میری امت سے زیادہ ہوں گے) پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے وہاں بھی جبرئیل علیہ السلام سے حسب سابق سوال جواب ہوا جب دروازہ کھل گیا تو ہم اوپر پہنچے وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے فرمایا مرحبا بک من ابن و نبی حضرت آدم اور حضرت ابراہیم نے مرحبا بک من ابن و نبی فرمایا کیونکہ آپ اُن کی نسل میں سے تھے۔ باقی حضرات نے مرحبا بک من اخ و نبی فرمایا۔

البیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا ملاحظہ فرمانا

اس کے بعد "البیت المعمور" میرے سامنے کر دیا گیا میں نے جبرئیل سے سوال کیا یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ "بیت المعمور" ہے اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں جب نکل کر چلے جاتے ہیں تو کبھی بھی واپس نہیں ہوتے پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کو لایا گیا دیکھتا ہوں کہ اس کے بیر ہجر کے مٹکوں کے برابر ہیں اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر ہیں۔

"سدرۃ المنتہیٰ" کی جڑ میں چار نہریں خفیہ آئیں دو باطنی نہریں اور دو ظاہری نہریں میں نے جبرئیل سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ باطنی دو نہریں جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری دو نہریں فرات اور نیل ہیں (فرات عراق میں اور نیل مصر میں ہے)

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی جتنی بھی نسل چلی ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام سے ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ادریس علیہ السلام کی اولاد میں ہوئے نہیں بھی مرحبا بک من ابن و نبی کہنا چاہتے تھا اگر اہل تاریخ کی یہ بات صحیح ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اخوت کا ذکر نہ سب جانا یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام معہدہ نبوت کے اعتبار سے بھائی بھائی ہیں او تلطفا و نادا ان ذکر نہ سب نہ جانا۔ (مذکورہ حاشیہ تفسیر ابن کثیر ص ۱۱ ج ۳)

(۲) عرب میں ہجر نامی ایک بستی تھی جہاں کے بڑے بڑے مٹکے مشہور تھے۔

(۳) دو نہریں جو اندر کو جا رہی تھیں یہ کوثر اور نہر رحمت معلوم ہوتی ہیں کہ دونوں سلسبیل کی شاخیں ہیں ممکن ہے کہ یہ سلسبیل اس کا وہ موقع جہاں سے کوثر و نہر رحمت کا اس سے انشعاب ہوا ہے یہ سب سدرۃ کی دوسری جڑ میں ہوں اور نیل اور فرات کا آسمان پر ہونا اس طرح ممکن ہے کہ دنیا میں جو نیل و فرات ہیں ظاہر ہے کہ بارش کا پانی جذب ہو کر پتھر سے جاری ہوتا ہے اور بارش آسمان سے ہے جو حصہ بارش کا نیل و فرات کا مادہ ہے ممکن ہے کہ وہ آسمان سے آتا ہو پس اس طور پر نیل و فرات کی اصل آسمان پر ہوئی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (مراجع تفسیر ابن کثیر ص ۱۲ ج ۳)

پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر بار بار درخواست کرنے پر پانچ نمازیں رہ جانا

اس کے بعد مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں میں واپس آیا حتی کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا انہوں نے دریافت کیا (کہ اپنی امت کے لیے) آپ نے کیا کیا؟ میں نے کہا مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں لوگوں کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔ بنی اسرائیل کے ساتھ میں نے بڑی محنت کی ہے (وہ لوگ مفروضہ نمازوں کا اہتمام نہ کر سکے) بلاشبہ آپ کی امت (اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہ ہوگی، جائیے اپنے رب سے (تخفیف کا) سوال کیجئے میں واپس لوٹا اور اللہ جل شانہ سے تخفیف کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے چالیس نمازیں باقی رکھیں موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی بات کہی میں نے پھر اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا تو تیس (۳۰) نمازیں باقی رہ گئیں موسیٰ علیہ السلام نے پھر توجہ دلائی تو تخفیف کا سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیس (۲۰) نمازیں کر دی گئیں پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کی بات کہی تو درخواست کرنے پر اللہ کی طرف سے دس نمازیں کر دی گئیں میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی میرے درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں باقی رہنے دیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات جی میں

نے کہا میں نے تعلیم کر دیا (اب درخواست نہیں کرتا) اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا دی گئی کہ میں نے اپنے فریضہ کا حکم باقی رکھا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی اور میں نیکی کا بدلہ دس گنا کر دیتا ہوں (بندہ ادا کرنے میں پانچ رہیں اور ثواب میں پچاس رہیں)

یہ روایت صحیح بخاری میں ص ۵۵۱ سے اور صحیح بخاری میں ص ۴۶۶ سے بواسطہ ابوذر رضی اللہ عنہ جو معراج کا واقعہ نقل کیا ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کے بعد ہیں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پھر مجھے جبرئیل اور اوپر لے کر چڑھے یہاں تک میں ایسی جگہ پہنچا جہاں قلموں کے چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں اس کے بعد پچاس نمازیں فرض ہونے اور اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے بار بار کا اس میں بار بار سوال کرنے پر پانچ نمازیں باقی رہ جانے کا ذکر ہے اور اس کے اخیر میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا یبدل القول لدی کہ میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی (پچاس نمازیں فرض کر دیں تو پچاس ہی کا ثواب ملے گا) اور سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں فرمایا کہ اسے ایسے رنگوں سے ڈھانپ رکھا تھا جنہیں میں نہیں جانتا تھا پھر میں جنت میں داخل کر دیا گیا وہاں دیکھتا ہوں کہ موتیوں کے گنبد ہیں اور اس کی مٹی مشک ہے۔

ص ۵۹۸ ج ۱ پر بھی حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث معراج ذکر کی ہے وہاں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بتوسط حضرت مالک بن صعصعہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس میں اہیت المعمور کے ذکر کے بعد یوں ہے کہ پھر میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد لایا گیا میں نے دودھ لے لیا جس پر جبرئیل نے کہا یہی وہ فطرت یعنی دین اسلام ہے جس پر آپ ہیں اور آپ کی امت ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید تخفیف کرانے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا سالت ربی حتی استحییت ولکنی ارضی واسلم (میں نے اپنے رب سے یہاں تک سوال کیا کہ شرما گیا اب تو میں راضی ہوتا ہوں تسلیم کرتا ہوں۔ (انتہت روایۃ البخاری)

نمازوں کے علاوہ دیگر احکام

معراج کی رات میں جو نمازوں کا انعام ملا اور پانچ نمازیں پڑھنے پر بھی پچاس نمازوں کا ثواب دینے کا اللہ جل شانہٗ نے جو وعدہ فرمایا اس کے ساتھ یہ بھی انعام فرمایا کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات (امن الرسول سے لے کر آخر تک عنایت فرمائیں اور ساتھ ہی اس قانون کا بھی اعلان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے بڑے بڑے گناہ بخش دیئے جائیں گے جو شرک نہ کرتے ہوں (مسلم ص ۹۷ ج ۱) مطلب یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں نہ رہیں گے بلکہ توبہ سے معاف ہو جائیں گے یا عذاب بھگت کر چھٹکارا ہو جائے گا (قالہ النووی) کافر اور مشرک ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

معراج میں دیدار الٰہی

اس میں اختلاف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اور اگر رؤیت ہوئی تو وہ رؤیت بصری تھی یا رؤیت قلبی تھی یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیدار کیا۔

جمہور سلف اور ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور محققین کے نزدیک یہی قول راجح اور حق ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رؤیت کا انکار کرتی تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رؤیت کو ثابت کرتے تھے اور مانتے تھے، جمہور علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں والاصل فی الباب حدیث ابن عباس حبر الامۃ والمرجوع

الیہ فی المعضلات وقد ارجعہ ابن عمر فی ھذہ المسئلۃ ھل رای محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربہ فاخبرہ انہ راہ ولا یقدح فی ھذا حدیث عائشۃ فان عائشۃ لم تخبرانھا سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لم ار ربی وانما ذکرت ما ذکرت متاولۃ لقول اللہ تعالیٰ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًا ولقول اللہ تعالیٰ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ والصحابی اذا قال قولا وخالفہ غیرہ منھم لم یکن قولہ حجۃ واذا صحت الروایات عن ابن عباس فی اثبات الرؤیۃ وجب المصیر الی اثباتھا فانھا لیست مما یدرک بالعقل ویؤخذ بالظن وانما یتلقی بالسماع والا یستجیز احد ان یظن بابن عباس انہ تکلم فی ھذہ المسئلۃ بالظن والاجتھاد اھ قلت لم اجد التصریح من ابن عباس انہ رای ربہ تعالیٰ بعینی راسہ وروی مسلم عنہ انہ راہ بقلبہ وفی روایۃ راہ بفوادہ مرتین والعلم عند اللہ العلیم. (رؤیت باری کے باب میں اصل الاصول حبر الامت حضرت ابن عباس ؓ کی حدیث ہے۔ اور مشکل امور میں انہیں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر ؓ نے بھی اس مسئلہ میں انہیں سے مراجعت کی اور ان سے پوچھا کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضرت ابن عباس ؓ نے جواب دیا ہاں آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ رہی حدیث عائشہؓ تو وہ اس کے لیے قادح نہیں ہوسکتی کیونکہ حضرت عائشہ ؓ نے جو کہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی تاویل میں کہا ہے "وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا اومن وراء حجاب اویرسل رسولا اور لا تدرکہ الابصار۔ اور جب کوئی صحابی کوئی ایسی بات کہے جس کی دیگر صحابہ مخالفت کریں تو اس کا قول حجت نہ ہوگا۔ لہٰذا حضرت عائشہ ؓ کا یہ قول کہ "آپ ﷺ نے اپنے رب کو نہیں دیکھا" حجت نہ ہوگا۔ جبکہ دوسری طرف جو روایات اثبات رؤیت کے بارے میں حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہیں وہ پایہ صحت کو پہنچ چکی ہیں جس کی وجہ سے ثبوت رؤیت کا قول لابدی ہے۔ نیز یہ کوئی ایسا امر نہیں جس کا عقل وظن سے ادراک ہوسکتا ہو بلکہ اس کا علم تو آپ ﷺ سے سن کر ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ جائز نہیں کہ ابن عباس ؓ کے بارے میں یہ گمان کیا جائے کہ انہوں نے یہ بات اپنے ظن واجتہاد سے کہی ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ ابن عباس ؓ سے اس بات کی صراحت نہیں ملتی کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بلکہ مسلم شریف میں ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کو رؤیت قلبی ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کو دو مرتبہ قلبی رؤیت ہوئی)

سورۃ النجم میں جو ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ وارد ہے اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ ان میں جبرئیل کا دیکھنا مراد ہے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرئیل انسانی صورت میں آیا کرتے تھے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب آپ ﷺ نے ان کو اصل صورت میں اور اس حالت میں دیکھا کہ ان کے ۶۰۰ پر تھے انہوں نے افق کو بھر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ بھی یہی فرماتے تھے کہ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى اور لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قریب ہونا اور دیکھنا مراد ہے۔ (صحیح مسلم مع شرح للامام النووی ص ۹۷ ج ۱ ص ۹۸ ج ۱)

قریش کی تکذیب اور ان پر حجت قائم ہونا

بیت المقدس تک پہنچنا پھر وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے جانا اور مکہ معظمہ تک واپس آجانا ایک ہی رات میں ہوا واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک تجارتی قافلہ سے ملاقات ہوئی جو قریش کا قافلہ تھا اور وہ شام سے واپس آرہا تھا صبح کو جب آپ ﷺ نے معراج کا واقعہ بیان کیا تو قریش تعجب کرنے لگے اور جھٹلانے لگے اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس پہنچے ان سے کہا کہ محمد ﷺ بیان کر رہے ہیں کہ رات کو انہوں نے اس اس طرح سفر کیا پھر صبح ہونے سے پہلے واپس آگئے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا ان کا قال فقد صدق کہ اگر انہوں نے یہ

بیان کیا ہے تو سچ فرمایا ہے حضرت ابوبکر سے وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا تم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہو انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آسمان سے آپ کے پاس خبر آتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کا لقب صدیق پڑ گیا (دلائل النبوۃ للبیھقی ص ۳۶۰ ج ۴ البدایہ والنہایۃ)

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ ﷺ کو سامنے پیش فرما دیا

قریش مکہ تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے بیت المقدس ان کا دیکھا ہوا تھا کہنے لگے اچھا اگر آپ رات بیت المقدس گئے تھے اس میں نماز پڑھی ہے تو بتائیے بیت المقدس میں فلاں فلاں چیزیں کیسی ہیں (یعنی اس کے ستونوں اور دروازوں اور دوسری چیزوں کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیا) اس وقت حطیم میں تشریف رکھتے تھے آپؐ نے فرمایا ان لوگوں کے سوال پر مجھے بڑی بے چینی ہوئی اس جیسی بے چینی کبھی نہیں ہوئی تھی میں نے بیت المقدس کو دیکھا تو تھا لیکن خوب اچھی طرح اس کی ہر چیز محفوظ نہیں کیا (اس کا کیا اندازہ تھا کہ ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا) اللہ جل شانہٗ نے بیت المقدس کو میری طرف اس طرح اٹھا دیا کہ مجھ سے قریش مکہ جو بھی کچھ پوچھتے رہے میں ان سب کا جواب دیتا رہا (صحیح مسلم ص ۹۶ ج ۱)

بعض روایات میں یوں ہے **فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن ایاتہ وانا انظر الیہ** (اللہ نے بیت المقدس کو میرے لئے واضح طریقے پر روشن فرما دیا میں اسے دیکھتا رہا اور اس کی جو نشانیوں پوچھ رہے تھے وہ میں انہیں بتاتا رہا۔ (صحیح بخاری ص ۴۸۵ ج ۱)

تفسیر ابن کثیر (ص ۱۵ ج ۲) میں ہے کہ جب آپؐ نے بیت المقدس کی علامات سب بتا دیں تو وہ لوگ جو آپؐ کی بات پر شک کرنے کی وجہ سے بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کر رہے تھے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم بیت المقدس کے بارے میں صحیح بیان دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کو یہ بھی بتایا کہ مجھے سفر میں فلاں وادی میں فلاں قبیلے کا قافلہ ملا تھا ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا میں نے انہیں بتایا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ پر ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب میں بیت المقدس کی طرف جا رہا تھا پھر جب میں واپس آ رہا تھا تو مقام صنعان میں پہنچا دیکھا کہ وہ لوگ سو رہے ہیں ایک برتن میں پانی تھا جسے انہوں نے کسی چیز سے ڈھانک رکھا تھا میں نے اس کا ڈھکن ہٹایا اور پانی پی کر اسی طرح ڈھانک دیا جس طرح سے ڈھکا ہوا تھا (اہل عرب پانی دودھ اور دیگر معمولی چیزوں کے بارے میں عام طور سے بے اجازت خرچ کرنے پر اعتراض نہیں کرتے تھے ایسی چیزیں بلا اجازت استعمال میں ان کے ہاں رواج عام پذیر تھا اجازت عامہ کی وجہ سے صریح اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے) آپ نے مزید فرمایا کہ دیکھو وہ قافلہ ابھی تنعیم کی گھاٹی سے ظاہر ہونے والا ہے ان کے آگے ایک چتکبرے رنگ کا اونٹ ہے اس کے اوپر سامان کے دو بورے ہیں ایک سیاہ رنگ کا اور دوسرا سفید رنگ کا ہے، یہ بات سن کر وہ لوگ جلدی جلدی تنعیم کی گھاٹی کی طرف چل دیئے وہاں دیکھا کہ واقعی مذکورہ قافلہ آ رہا ہے اور اس کے آگے آگے وہی اونٹ ہے جب قافلے پر گزرنے کی تصدیق ہو گئی تو ان لوگوں نے قافلے والوں سے پوچھا کہ تم نے کسی برتن میں پانی رکھا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے ایک برتن میں پانی ڈھانک دیا تھا پھر دیکھا کہ وہ برتن اسی طرح ڈھانکا ہوا ہے لیکن اس میں پانی نہیں ہے، پھر قافلہ والوں سے سوال کیا تمہارا کوئی اونٹ بدک گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ایک اونٹ بدک کر چلا گیا تھا ہم نے ایک آدمی کی آواز سنی جو ہمیں بلا رہا تھا کہ یہ تمہارا اونٹ ہے یہ آواز سن کر ہم نے اسے پکڑ لیا۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے قافلہ والوں کو سلام بھی کیا تھا اور ان میں بعض سننے والوں نے کہا کہ یہ محمد (ﷺ) کی آواز ہے۔

سفرِ معراج کے بعض دیگر مشاہدات

معراج کے سفر میں رسول اللہ ﷺ نے بہت سی چیزیں دیکھیں جو حدیث اور شروح حدیث میں جگہ جگہ منتشر ہیں، جن کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ جلد دوم میں اور حافظ نور الدین ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد اول میں اور علامہ محمد بن سلیمان المغربی الرودانی نے جمع الفوائد جلد سوم (طبع مدینہ منورہ) میں اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں جمع کیا ہے، بعض چیزیں اوپر ذکر ہو چکی ہیں بعض ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم ص ۲۶۸ ج ۲)

ایسے لوگوں پر گزرنا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی اس رات میں، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، میں نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو وہ باتیں کہتے ہیں جس پر خود عمل نہیں، اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۸)

کچھ لوگ اپنے سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات میں معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں (یعنی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں۔ (رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوٰۃ ص ۴۲۹)

سود خوروں کی بدحالی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے (جیسے انسانوں کے رہنے کے) گھر ہوتے ہیں ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے پیٹوں میں نظر آ رہے تھے میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ سود کھانے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۶)

کچھ لوگوں کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں۔ حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لئے زینت اختیار کرتے ہیں، پھر میں ایسے بدبودار گڑھے پر گزرا جس سے بہت سخت آوازیں آ رہی تھیں میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کاری کے لئے مٹی سنورتی ہیں اور وہ کام کرتی ہیں جو ان کے لئے حلال نہیں۔ (الترغیب والترہیب ص ۵۱۱ ج ۳)

ایک شیطان کا پیچھے لگنا مؤطا امام مالک میں بروایت یحییٰ بن سعید (مرسلاً) نقل کیا ہے کہ جس رات رسول اللہ ﷺ کو سیر کرائی گئی آپ نے جنات میں سے ایک عفریت کو دیکھا جو آگ کا شعلہ لئے ہوئے آپ کا پیچھا کر رہا تھا آپ جب بھی (دائیں بائیں) التفات فرماتے وہ نظر پڑ جاتا تھا جبرئیل نے عرض کیا کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتا دوں جنہیں آپ پڑھ لیں گے تو اس کا شعلہ بجھ جائے

اور یہ اپنے منہ کے بل گر پڑے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بتا دیں! اس پر جبرئیل نے کہا کہ آپ یہ کلمات پڑھیں۔

اعوذ بوجه الله الكريم وبكلمات الله التامات اللاتي لا يجاوزهن بر ولا فاجر من شر ما ينزل من السماء و شر ما يعرج فيها ، و شر ما ذرأ في الارض و شر ما يخرج منها ومن فتن الليل والنهار ، ومن طوارق الليل والنهار، الا طارقا يطرق بخير يا رحمن (مؤطا مالک کتاب الجامع)

فرشتوں کا پچھنے لگانے کے لئے تاکید کرنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کے سفر میں پیش آنے والی جو باتیں بیان فرمائیں ان میں یہ ایک بات بھی تھی کہ آپ فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گزرے انہوں نے کہا کہ آپ اپنی امت کو حجامت یعنی پچھنے لگانے کا حکم دیجئے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۳۹۹ ترمذی، ابن ماجہ)

مجاہدین کا ثواب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ شب معراج میں نبی اکرم ﷺ جبرئیل کے ساتھ چلے تو آپ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جو ایک ہی دن میں تخم ریزی بھی کر رہے ہیں اور اسی ایک دن میں کاٹ بھی لیتے ہیں اور کاٹنے کے بعد پھر ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے پہلے تھی، آپ نے جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں ان کی ایک نیکی سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتا ہے۔

کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے پھر آپ کا ایک اور قوم پر گزر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے، کچلے جانے کے بعد ویسے ہی ہو جاتے تھے جیسے پہلے تھے اسی طرح سلسلہ جاری ہے ختم نہیں ہوتا، آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ لوگ نماز کے بارے میں کاہلی کرنے والے ہیں سوتے ہوئے رہ جاتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے۔

زکوٰۃ دینے والوں کی بدحالی پھر ایک اور قوم پر گزر ہوا جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور وہ اونٹ اور بیل کی طرح چرتے ہیں اور ضریع اور زقوم یعنی کانٹے دار خبیث درخت اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

سڑا ہوا گوشت کھانے والے..... پھر آپ ﷺ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت ہے اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے یہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے، آپ نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے مگر وہ ایک زانیہ اور فاحشہ عورت کے ساتھ شب باشی کرتا ہے اور صبح تک اسی کے پاس رہتا ہے اور آپ کی امت کی وہ عورت ہے جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی زانی اور بدکار کے ساتھ رات گزارتی ہے۔

ضریع آگ کے کانٹے، اور زقوم دوزخ کا بدترین بدبودار درخت

لکڑیوں کا بڑا گٹھڑا اٹھانے والا پھر ایک ایسے شخص پر آپ ﷺ کا گزر ہوا جس کے پاس لکڑیوں کا بہت گٹھر ہے وہ اسے اٹھا نہیں سکتا (لیکن) اور زیادہ بڑھانا چاہتا ہے آپ نے دریافت فرمایا یہ کون شخص ہے؟ جبرئیل نے بتایا کہ وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں ان کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا اور مزید امانتوں کا بوجھ اپنے سر لینے کو تیار ہے۔

ایک بیل کا چھوٹے سے سوراخ میں داخل ہونے کی کوشش کرنا اس کے بعد ایسے سوراخ پر گزر ہوا جو چھوٹا سا تھا اس میں ایک بڑا بیل نکلا، وہ چاہتا ہے کہ جہاں سے نکلا ہے پھر اس میں داخل ہو جائے، آپ ﷺ نے سوال فرمایا یہ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا

کہ یہ وہ شخص ہے جو کوئی برا کلمہ کہہ دیتا ہے (جو گناہ کا کلمہ ہوتا ہے) اس پر وہ نادم ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو واپس کر دے پھر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا۔

جنت کی خوشبو۔ پھر آپ ﷺ ایک ایسی وادی پر پہنچے جہاں خوب اچھی خوشبو آ رہی تھی یہ مشک کی خوشبو تھی اور ساتھ ہی ایک آواز بھی آ رہی تھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ جنت کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے رب جو وعدے میرے اندر رہنے والے ہیں انہیں لائیے اور اپنا وعدہ پورا فرمائیے۔

دوزخ کی آواز سننا اس کے بعد ایک اور وادی پر گزر ہوا وہاں صوت منکر یعنی ایسی آواز سنی جو ناگوار تھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ جہنم ہے یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر رہی ہے کہ جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں ان کو لے آیئے اور اپنا وعدہ پورا فرمایئے (انتہت روایۃ ابی ھریرۃ من جمع الفوائد ص ۱۵۱ ج ۳ طبع مدینہ منورہ)

باب الحفظہ

پہلے آسمان کے دروازے کے بارے میں فرمایا کہ وہ باب الحفظہ ہے اور فرمایا کہ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا نام اسماعیل ہے اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں اور ہر فرشتے کے ماتحت بارہ ہزار ہیں جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی تو یہ آیت تلاوت کی وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (فتح الباری ص ۲۰۹ ج ۷ سیرت ابن ہشام)

پہلے آسمان پر داروغہ جہنم سے ملاقات ہونا اور جہنم کا ملاحظہ فرمانا

جب آپ سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں داخل ہوئے تو جو بھی فرشتہ ملتا تھا ہنستے ہوئے بشاشت اور خوشی کے ساتھ ملتا تھا اور خیر کی دعا دیتا تھا، انہیں میں ایک ایسے فرشتے سے ملاقات ہوئی جس نے ملاقات بھی کی اور دعا بھی دی لیکن وہ ہنسا نہیں، آپ نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون سا فرشتہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مالک ہے جو دوزخ کا داروغہ ہے یہ اگر آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی کے لئے ہنستا تو آپ کی ملاقات کے وقت (بھی) آپ کے سامنے اسے ہنسی آجاتی، یہ فرشتہ ہنستا ہی نہیں ہے آپ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ اس فرشتے سے کہئے کہ مجھے دوزخ دکھا دے، جبرئیل ﷺ نے اس سے کہا یا مالک محمد ان النار (اے مالک محمد کو دوزخ دکھا دو) اس پر اس فرشتہ نے دوزخ کا ڈھکن اٹھایا جس کی وجہ سے دوزخ جوش مارتی ہوئی اوپر اٹھ آئی آپ نے فرمایا کہ اے جبرئیل اس کو کہئے کہ دوزخ کو اپنی جگہ واپس کر دے، چنانچہ جبرئیل نے اس فرشتے سے کہا کہ اس کو واپس کر دو فرشتے نے اسے واپس ہونے کا حکم دیا جس پر وہ واپس چلی گئی جس پر اس نے ڈھکن ڈھک دیا۔ (سیرت ابن ہشام ۴۴۹ ملخص از ارض ف)

دودھ، شہد اور شراب کا پیش کیا جانا اور آپ ﷺ کا دودھ کو لے لینا

صحیح مسلم میں (ص ۹۱) جو نقل کی گئی ہے اس میں یوں ہے کہ بیت المقدس ہی میں ایک برتن میں شراب ایک برتن میں دودھ پیش کیا گیا ہے آپ نے دودھ لے لیا اس کے راوی حضرت انس بن مالک ﷺ ہیں صحیح مسلم کی دوسری روایت جو صفحہ ۹۵ پر مذکور ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرۃ ﷺ ہیں اس میں یوں ہے کہ عالم بالا میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب پینے کی چیزیں پیش کی گئیں اس میں بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دودھ لے لیا اور امام بخاریؒ کی روایت میں یہ ہے کہ بیت المعمور سامنے کئے جانے کے بعد ایک برتن میں شراب ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد پیش کیا گیا، بیت المقدس میں بھی پینے کے لئے چیزیں پیش کی گئی ہوں اور پھر عالم بالا میں بھی حاضر خدمت کی

گئیں ہوں اس میں کوئی منافات نہیں ہے دوبارہ پیش کئے جانے میں عقلاً ونقلاً کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا انکار کیا جائے صحیح بخاری میں ایک چیز یعنی شہد کا ذکر زیادہ ہے اس میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں بعض مرتبہ راویوں سے کوئی چیز رہ جاتی ہے جسے دوسرا ذکر کر دیتا ہے (ومع ذالک المثبت مقدم علی من لم یحفظ) صحیح مسلم کی روایت (ص ۹۷ ج ۱) میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے دودھ لے لیا تو حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی، اس سے معلوم ہوا کہ قائد اور پیشوا کے اخلاق اور اعمال کا اثر اس کے ماننے والوں پر بھی پڑتا ہے (فتح الباری ص ۲۱۵ ج ۷) میں علامہ قرطبی سے نقل کیا ہے کہ دودھ کے بارے میں جو ھی الفطرۃ التی انت علیھا فرمایا، ممکن ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے پیٹ میں دودھ داخل ہوتا ہے اور وہی اس کی آنتوں کو پھیلا دیتا ہے (اور ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لہٰذا فطری طور پر فطرت اسلام اور بچہ کی ابتدائی غذا میں ایک مناسبت ہوئی اس لئے فطرت سے دین اسلام مراد لیا) حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ (جو برتن پیش کئے گئے وہ) چار تھے دودھ اور شہد اور خمر اور پانی، کسی نے دو کے ذکر پر اکتفا کیا، کسی نے تین کے ذکر پر، یا یہ کہ تین ہوں ایک پیالے میں پانی ہو کہ شیرینی میں شہد جیسا ہو، کبھی اس کو شہد کہہ دیا کبھی پانی اور ہر چند کہ شراب اس وقت حرام نہ تھی کیونکہ یہ مدینہ میں حرام ہوئی ہے مگر سامان نشاط ضرور ہے اس لئے مشابہ دنیا کے ہے، شہد بھی اکثر تلذذ کے لئے پیا جاتا ہے غذا کے لئے نہیں تو یہ بھی امر زائد اور اشارہ لذات دنیا کی طرف ہوا اور پانی بھی معین غذا ہے غذا نہیں جس طرح دنیا معین دین ہے مقصود نہیں اور دین خود غذائے روحانی مقصود ہے جیسے دودھ غذائے جسمانی مقصود ہے اور گو غذائیں اور بھی ہیں مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے (کذا فی نشر الطیب وراجع الفتح الباری ص ۲۱۵ ج ۷) تفسیر ابن کثیر (ص ۵ ج ۳) میں دلائل النبوت للبیہقی سے نقل کیا ہے کہ جب آپ نے پانی کو اور شراب کو چھوڑ دیا اور دودھ کو لے لیا تو جبرئیل نے کہا کہ اگر آپ پانی پی لیتے تو آپ اور آپ کی امت غرق ہو جاتی اور اگر شراب پی لیتے تو آپ اور آپ کی امت راہ صحیح سے ہٹ جاتی۔

سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟

روایات حدیث میں السدرۃ المنتہیٰ (صفت موصوف) اور سدرۃ المنتہیٰ (مضاف مضاف الیہ) دونوں طرح وارد ہوا ہے لفظ "سدرہ عربی زبان میں بیری کو کہتے ہیں اور "المنتہیٰ" کا معنی ہے انتہا ہونے کی جگہ اس درخت کا یہ نام کیوں رکھا گیا اس کے بارے میں صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اس پر منتہی ہو جاتے ہیں اور جو بندوں کے اعمال نیچے سے اوپر جاتے ہیں وہ وہاں پر ٹھہر جاتے ہیں (آنے والے احکام پہلے وہاں آتے ہیں پھر وہاں سے نازل ہوتے ہیں اور نیچے سے جانے والے جو اعمال ہیں وہ وہاں ٹھہر جاتے ہیں پھر اوپر اٹھائے جاتے ہیں)۔

پہلے گزر چکا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اس سدرہ پر جو چیزیں چھائی ہوئی تھیں ان کی وجہ سے جو اس کا حسن تھا اسے اللہ کی مخلوق میں کوئی بھی شخص بیان نہیں کر سکتا اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس پر سونے کے پروانے چھائے ہوئے تھے اس درخت کے بارے میں یہ بھی حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اس کی شاخوں کے سایہ میں ایک سوار سو سال تک چل سکتا ہے یا یوں فرمایا کہ اس کے سایہ میں سو سوار سایہ لے سکتے ہیں۔

قال النووی قال ابن عباس والمفسرون وغیرھم سمیت سدرۃ المنتھی لان علم الملکۃ ینتھی الیھا ولم یجاوزھا احد الا رسول اللہ ﷺ (امام نووی کہتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر مفسرین کا کہنا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو سدرۃ المنتہیٰ

اس لئے کہتے ہیں کہ فرشتوں کا علم اس تک منتہی ہو جاتا ہے اور اس سے حضور ﷺ کے ماوہ کوئی ذات متجاوز نہیں ہوئی)۔

جنت میں داخل ہونا اور نہر کوثر کا ملاحظہ فرمانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان میں کہ میں جنت میں چل رہا تھا اچانک دیکھتا ہوں کہ میں ایک ایسی نہر پر ہوں جس کے دونوں کناروں پر ایسے موتیوں کے قبے ہیں جو بیچ میں سے خالی ہیں (یعنی پورا قبہ ایک موتی کا ہے) میں نے کہا اے جبرئیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہر کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے میں نے جو دھیان کیا تو دیکھتا ہوں اس کی مٹی (جس کی سطح پر پانی ہے) خوب تیز خوشبو والا مشک ہے۔ (رواہ البخاری ص ۴۷۱)

فوائد و اسرار اور حکم متعلقہ واقعہ معراج شریف

براق کیا تھا اور کیسا تھا؟ "لفظ براق، برق سے مشتق ہے جو سفیدی کے معنی میں آتا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے یہ لفظ برق سے لیا گیا ہے برق بجلی کو کہتے ہیں برق کی تیز رفتاری تو معلوم ہی ہے اس تیز رفتاری کی وجہ سے براق کا نام براق رکھا گیا، روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس براق پر آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سوار ہوتے تھے امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (ص ۳۹۰ ج ۲) میں ارشاد نقل کیا ہے و کانت الانبیاء ترکبہ قبل (اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام) مجھ سے پہلے اس براق پر سوار ہوتے رہے ہیں)

براق کی شوخی اور اس کی وجہ سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الاسراء) میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میرے پاس براق لایا گیا جس کو لگام لگی ہوئی تھی اور زین کسی ہوئی تھی، براق شوخی کرنے لگا، جبرئیل نے کہا کہ تو محمد ﷺ کے ساتھ شوخی کرتا ہے تیرے اوپر کوئی بھی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ کے نزدیک محمد (ﷺ) سے زیادہ مکرم اور معزز ہو، یہ سنتے ہی براق پسینہ پسینہ ہو گیا (پھر اس نے اپنا فرمانی کا انداز چھوڑ دیا) (قال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب) دلائل النبوۃ میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب براق نے شوخی کی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کا کان پکڑ کر گھما دیا پھر مجھے اس پر سوار کر دیا۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۵۵)

بعض روایات میں ہے کہ جب بیت المقدس پہنچے تو حضرت جبرئیل نے اپنی انگلی سے پتھر میں سوراخ کر دیا پھر اس سوراخ سے آپ نے براق کو باندھ دیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۷)

براق نے شوخی کیوں کی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایک عرصہ دراز گزر چکا تھا اور زمانہ فترت میں (یعنی اس عرصہ دراز میں جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا تھا) براق پر کوئی سوار نہیں ہوا تھا وہ نئی سی بات دیکھ کر بھڑکنے لگا اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ براق کا چمکنا اور شوخی کرنا بطور خوشی اور فخر کے تھا کہ آج مجھ پر آخر انبیاء اور افضل الانبیاء ﷺ سوار ہو رہے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۷)

یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک مرتبہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان کے ساتھ ثبیر پہاڑ پر تھے وہ پہاڑ حرکت کرنے لگا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۵۴۲)

اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ بغیر براق کے سفر کرا دے لیکن آپ کو تشریف و تکریماً براق پر سوار کر کے لے جایا گیا اگر سواری نہ ہوتی تو گویا پیدال سفر ہوتا کیونکہ سوار بنسبت پیدل چلنے والے کے زیادہ معزز ہوتا ہے اس لئے سواری بھیجی گئی۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بیت المقدس تک آپ کے ساتھ براق پر سوار ہونا اور وہاں سے زینہ کے ذریعہ آسمانوں پر جانا

جب مکہ معظمہ سے بیت المقدس کے لئے روانگی ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ براق پر سوار ہو گئے اور آپ کو پیچھے بٹھایا اور خود بطور رہبر سوار ہوئے۔ (فتح الباری ص ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹ ج ۷)

دونوں حضرات براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے وہاں دونوں نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھائی جب آسمانوں کی طرف تشریف لے جانے لگے تو ایک زینہ لایا گیا جو بہت ہی زیادہ خوب صورت تھا اور بعض روایات میں ہے کہ ایک زینہ سونے اور ایک زینہ چاندی کا تھا اور روایت میں ہے کہ وہ موتیوں سے جڑا ہوا تھا عالم بالا کا سفر کرتے وقت دائیں بائیں فرشتے تھے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل دونوں زینہ کے ذریعہ آسمان تک پہنچے اور آسمان کا دروازہ کھلوایا۔ (فتح الباری ص ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹)

آسمانوں کے محافظین نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ سوال کیوں کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ کیا انہیں بلایا گیا ہے؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب کوئی دروازہ کھلوایا تو آسمانوں کے ذمہ داروں نے حضرت جبرئیل سے یہ سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اس پر سوال ہوا کیا انہیں بلایا گیا ہے حضرت جبرئیل جواب دیتے رہے کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے جواب ملنے پر دروازے کھولے جاتے رہے اور آپ اوپر پہنچتے رہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ کے حضرات نے یہ سوالات کیوں کئے کیا جبرئیل کے بارے میں انہیں یہ گمان تھا کہ وہ کسی ایسی شخصیت کو ساتھ لے آئے ہوں؟ جسے اوپر بلایا نہ گیا اس کا جواب یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ کے حضرات کو پہلے سے معلوم تھا کہ آج کسی کی آمد ہونے والی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف بڑھانے کے لئے اور خوشی ظاہر کرنے کے لئے یہ سوال جواب ہوا اور اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چل جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ملاء اعلیٰ میں معروف ہے جب یہ سوال کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون ہے؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ محمد ہیں اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی سے واقف نہ ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے متعارف نہ ہوتے تو یوں سوال کرتے کہ محمد کون ہیں؟ اسی سے پہلے سے دروازے نہ کھولنے کی حکمت بھی معلوم ہو گئی اور وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتانا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کے لئے اس طریقے پر آسمان کا دروازہ نہیں کھولا گیا کہ وفات سے پہلے دنیاوی زندگی میں ہوتے ہوئے قصد بھیج کر بلایا گیا ہو جہاں اکثر مہمان آتے ہوں اور بلائے بار آتے رہتے ہوں وہاں یہی بات ہے کہ پہلے سے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے اور چونکہ ہر مہمان کے لئے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اس لئے اس میں کسی خصوصیت اور امتیاز کا اظہار نہیں ہوتا لیکن معراج کا مہمان بے مثال مہمان ہے نہ اس سے پہلے کسی کو یہ مہمانی نصیب ہوئی نہ اس کے بعد، اور مہمانی بھی ایسی نہیں کہ امریکہ والا ایشیا چل آیا یا ایشیا والا افریقہ چلا گیا یعنی خاکی انسان خاک ہی پر گھومتا رہا بلکہ وہ ایسی مہمانی تھی کہ فرش خاک کا رہنے والا سبع سموت سے گزرتا ہوا ''سدرۃ المنتہیٰ'' تک پہنچ گیا جہاں اس محبوب مہمان کے سوا کوئی نہیں پہنچا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ بقدر کمالہ و جمالہ چونکہ انسانوں میں سے وہاں کوئی نہیں جاتا اور وہاں کی راہ متبذل نہیں ہے اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ہر ہر آسمان کا دروازہ آمد پر کھولا جائے تا کہ

وہاں کے شائقین اور مقیمین کو معزز مہمان کا مرتبہ معلوم ہوتا چلا جائے اور یہ جان لیں کہ یہ کوئی ایسی ہستی ہے جس کو بغیر درخواست کے بلایا گیا ہے اور جس کے لئے آج وہ دروازے کھولے جا رہے ہیں جو کبھی کسی کے لئے نہیں کھولے گئے درحقیقت یہ اعزاز اس اعزاز سے زیادہ ہے کہ پہلے سے دروازے کھلے رہیں جو دوسروں کے لئے بھی کھلے رہے ہوں (قال ابن المنیر حکمة التحقق ان السماء لم تفتح الامن اجله بخلاف مالو وجده مفتوحا) (فتح الباری ص ۴۶۱ ج ۷)

جوں ہی کوئی دروازہ کھٹکھٹایا گیا اس آسمان کے رہنے والے متوجہ ہوئے اور یہ سمجھ لیا کہ کسی اہم شخصیت کی آمد ہے اور پھر جبرئیل علیہ السلام سے سوال و جواب ہوا اس سے حاضرین کو مہمان کا تعارف اور تشخص حاصل ہو گیا پہلے سب نے مہمان کا نام سنا پھر زیارت کی مہمان کی آمد کے بعد جو تعارف حاضرین سے کرایا جاتا ہے وہ دروازہ کھٹکھٹانے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نام دریافت کرنے سے حاصل ہو گیا، ظاہر ہے کہ آمد کی عمومی اطلاع سے یہ بات حاصل نہ ہوتی اور چونکہ بارگاہ رب العٰلمین کی حاضری کے لئے یہ سفر تھا اور فرشتوں کی زیارت یا فرشتوں کو زیارت کرانا مقصد اعلیٰ نہ تھا اس لئے ہر جگہ قیام کرنے کا موقع نہ ملا تھا ملاء اعلیٰ متوجہ ہوتے رہے اور آپ کی زیارت کرتے رہے اور آپ آگے بڑھتے چلے گئے دنیا میں استقبال کے لئے استقبالیہ کمیٹی کے افراد کو پہلے سے جمع کرنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا کے وسائل کے پیش نظر اچانک سب کا حاضر ہونا مشکل ہوتا ہے لامحالہ پہلے سے آنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وقت نہ نکل جائے لیکن عالم بالا کے ساکنین کو وہ قوتیں حاصل ہیں کہ آن واحد میں ہزاروں میل کا سفر کر کے جمع ہو سکتے ہیں دروازہ کھٹکھٹایا گیا بھنک پڑی سب حاضر ہو گئے دروازہ کھولتے وقت سب موجود ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز کم کرانے کی ترغیب کیوں نہیں دی؟

ایک یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمازوں کی تخفیف کا سوال کرنے کی طرف کیوں توجہ نہیں دلائی؟ حضرات اکابر نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل ہیں مقام خلت کا تقاضا تسلیم و رضا ہے جو حکم ہو مان لیا آگے سوچنا کچھ نہیں اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کلیم اللہ ہیں مقام تکلم مقام ناز ہے اور موجب انبساط ہے جو کلیم جرأت کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اہل شرک و کفر سے زیادہ واسطہ پڑا تھا ان ہی لوگوں سے بحث و مناظرہ میں عمر مبارک صرف ہوئی آپ کے اتباع اور امت اجابت کے افراد زیادہ نہیں ہوئے اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ سچے فرمانبردار تھے نافرمانوں اور فاسقوں کے ڈھنگ چشم خود نہ دیکھے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت میں آزمائے تھے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذہن تخفیف کرانے کی طرف چلا گیا اور اپنے تجربہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا فانی قد بلوت بنی اسرائیل و خبرتهم (مسلم شریف) یعنی میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، اور اسی تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ اتنی نمازیں پڑھنا آپ کی امت کے لیے دشوار ہوگا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کی خیر خواہی سے غافل نہ تھے انہوں نے تکثیر حسنات کو پیش نظر رکھا پچاس نمازوں کی فرضیت کی خبر سن کر ان کا دل باغ باغ ہو گیا جب یہ خبر ملی کہ کعبہ شریف بناتے وقت میں نے ربنا وابعث فیهم رسولا منهم کے ذریعہ جس امت کے لئے دعا کی تھی وہ آج نوازی جا رہی ہے اور اسے رات دن میں پچاس مرتبہ بارگاہ خداوندی میں حاضری کا شرف دیا جا رہا ہے پھر بھلا وہ تخفیف صلوٰۃ کا مشورہ کیوں دیتے؟ چونکہ وہ تکثیر حسنات کی طرف متوجہ تھے اس لئے انہوں نے امت محمدیہ کو ایک پیغام بھیجا، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے سیر کرائی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا کہ اے محمد میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہہ دینا اور انہیں بتا دینا کہ

بلاشبہ جنت کی اچھی مٹی ہے میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر (مشکوۃ المصابیح ص ۲۰۲)

یہ جو فرمایا کہ جنت چٹیل میدان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس میں سب کچھ ہے لیکن اس کے لیے تو ہے جو دنیا میں ایسے کام کر کے جائے گا جن کے ذریعہ جنت میں داخلہ ہو سکے جنت اپنی محنت سے ملے گی اور اس کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کوئی بہت اچھی زمین ہو مٹی بھی عمدہ ہو پانی بھی میٹھا ہو جب کوئی شخص اس میں درخت لگائے گا اور اس عمدہ پانی سے سینچائی کرے گا تو اس کا پھل پالے گا بنداد دنیا میں نیک اعمال کرتے رہو اللہ کا ذکر کرو سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھا کرو ان کو پڑھو گے تو جنت میں ان کے عوض درخت پاؤ گے اسی لیے ایک حدیث میں فرمایا کہ جس نے سبحان اللہ العظیم و بحمدہ کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۰۱ از ترمذی)

سونے کے طشت میں زم زم سے قلب اطہر کا دھویا جانا

واقعہ معراج جن احادیث میں بیان کیا گیا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اطہر کو نکال کر زم زم کے پانی سے دھو کر واپس اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور پھر اسی طرح درست کر دیا گیا جیسا پہلے تھا آج کی دنیا میں جبکہ سرجری عام ہو چکی ہے اس میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے اور زم زم کے پانی سے جو دھویا گیا اس سے زم زم کے پانی کی فضیلت واضح طور پر معلوم ہو گئی روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ کے قلب اطہر کو سونے کے طشت میں دھویا گیا چونکہ اس کا استعمال کرنے والا فرشتہ تھا اور اس وقت تک احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے اور سونے کی حرمت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس لئے اس سے امت کے لئے سونے کے برتن استعمال کرنے کا جواز ثابت نہیں کیا جا سکتا اور ایمان و حکمت سے بھرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس سے آپ ﷺ کی قوت ایمانیہ میں اور قلب مبارک کے حکمت سے لبریز ہونے میں اور زیادہ ترقی ہو گئی اور عالم بالا میں جانے کی طاقت پیدا ہو گئی۔

نماز کا مرتبہ عظیمہ

نماز اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے دیگر عبادات اسی سرزمین میں رہتے ہوئے فرض کی گئیں لیکن نماز عالم بالا میں فرض کی گئی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب ﷺ کو عالم بالا کی سیر کرائی اور وہاں پچاس پھر پانچ نمازیں عطا کی گئیں اور ثواب پچاس ہی کا رکھا گیا رسول اللہ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر بار بار بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر نمازوں کی تخفیف کے لئے درخواست کرتے رہے۔

اور درخواست قبول ہوتی رہی عالم بالا میں بار بار آپ ﷺ کی حاضری ہوتی رہی، وہاں آنحضرت ﷺ کی مناجات ہوئی پھر اس دنیا میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہؓ کی اور صحابہؓ کے بعد پوری امت کی مناجات ہوتی رہی اور تاحیات یہ مناجات ہوتی رہے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چونکہ یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی دربار کی حاضری ہے اس لئے اس کے وہ آداب ہیں جو دوسری عبادات کے لئے لازم نہیں کئے گئے باوضو ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، نماز کی جگہ پاک ہونا، قبلہ رخ ہونا، ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا، اللہ کے کلام کو پڑھنا، رکوع کرنا، سجدے کرنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو مجموعی حیثیت سے کسی دوسری عبادت میں مشروط نہیں ہیں (گو ان میں سے بعض احکام بعض دیگر عبادات سے بھی متعلق ہیں) پھر نمازی ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھتا ہے جو التحیات للہ سے شروع ہوتا ہے، بعض شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ تشہد میں انہیں الفاظ کا اعادہ ہے جو شب معراج میں ادا کئے گئے تھے حاضری کے وقت آنحضرت ﷺ نے تحیہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا

التحیات للہ والصلوات والطیبات اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جواب ملا السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یہ سن کر آپ نے عرض کیا السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فوراً توحید و رسالت کی گواہی دی، اور اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ کے کلمات ادا کیے۔

نماز چونکہ دربار عالی کی حاضری ہے اس لئے پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی تعلیم دی گئی سترہ سامنے رکھنے کی ہدایت فرمائی تاکہ دل جمعی رہے ادھر ادھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے نماز پڑھتے ہوئے انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہے، کھانے کا تقاضہ ہوتے ہوئے اور پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ چیزیں توجہ ہٹانے والی ہیں ان کی وجہ سے خشوع خضوع باقی نہیں رہتا اور یہ دربار کی حاضری کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں ہوتو برابر اللہ تعالیٰ کی توجہ اس کی طرف رہتی ہے جب تک کہ بندہ خود اپنی توجہ نہ ہٹالے جب بندہ توجہ ہٹالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ نہیں رہتی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو کنکریوں کو نہ چھوئے کیونکہ اس کی طرف رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

منکرین وملحدین کے جاہلانہ اشکالات کا جواب

روایت حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بیداری میں روح جسم کے ساتھ معراج کرائی اہل السنۃ والجماعت کا یہی مذہب ہے ایک ہی رات میں آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہوکر بیت المقدس میں پہنچے وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کی پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا البیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا ایسی جگہ پر پہنچے جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں عالم بالا میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار توجہ دلانے پر آپ ﷺ تخفیف کرنے کی درخواست کرتے رہے اور خالق کائنات جل مجدہ نے پانچ نمازیں پڑھنے پر ہی پچاس نمازوں کے ثواب کا اعلان فرمایا پھر اسی رات میں آسمانوں سے نزول فرمایا اور واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے، راستے میں قریش کا ایک قافلہ ملا جب صبح کو قریش کے سامنے رات کا واقعہ بیان کیا تو وہ تکذیب کرنے لگے لیکن جب آپ نے بیت المقدس کے بارے میں ان کے سوالات کے شافی جوابات دے دیئے اور جس قافلہ سے ملاقات ہوئی تھی وہ بھی پہنچ گیا اور آپ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ سب کے سامنے صحیح ثابت ہوگیا تو قریشیوں کا منہ بند ہوگیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکے۔

لیکن اب دور حاضر کے ملحدین واقعۂ معراج کو ماننے میں تامل کرتے ہیں، اور بعض جاہل بالکل ہی جھٹلا دیتے ہیں اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ خواب کا واقعہ ہے، یہ لوگ یہ نہیں سوچتے اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکین مکہ اس کا انکار کیوں کرتے اور یوں کیوں کہتے کہ بیت المقدس تک ایک ماہ کی مسافت طے کرلی اور پھر انہیں بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سورۃ الاسراء کے شروع میں سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ فرمایا ہے اس میں بعبدہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ روح اور جسم دونوں کے ساتھ تشریف لے گئے نیز لفظ اسری جو سری یسری (مثل الملام) سے باب افعال سے ماضی کا صیغہ ہے یہ بھی رات کے سفر کرنے پر دلالت کرتا ہے خواب میں کوئی کہیں چلا جائے اس کو سری اور اسری سے تعبیر نہیں کیا جاتا لیکن جنہیں ماننا نہیں ہے وہ آیت قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کا انکار کرنے میں

ذرا نہیں سمجھتے ھداھم اللہ تعالیٰ۔

منکرین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ زمین سے اوپر جانے میں اتنی مسافت کے بعد ہوا موجود نہیں ہے اور فلک کرہ سے گزرنا لازم ہے اور انسان بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتا اور فلک کرہ سے زندہ نہیں گزر سکتا یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں اول تو ان باتوں کا یقین کیا ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں اور اگر ان کی کوئی بات صحیح بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کو پوری قدرت ہے کہ اپنے جس بندہ کو جس کرہ سے چاہے باسلامت گزار دے اور بغیر ہوا کے بھی زندہ رکھے، اور سانس لینے کو بھی تو اس نے زندگی کا ذریعہ بنایا ہے اگر وہ انسان کو تخلیق کی ابتداء ہی سے بغیر ہوا اور بغیر سانس کے زندہ رکھتا تو اسے اس پر بھی قدرت تھی اور کیا سکتہ کا مریض بغیر سانس کے زندہ نہیں رہتا؟ کیا جس دم مرنے والے سانس لئے بغیر گھنٹوں نہیں جیتے؟

بعض جاہل تو آسمانوں کے وجود کے ہی منکر ہیں ان کے انکار کی بنیاد صرف عدم العلم ہے اَنْ ھُمُ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ کسی چیز کا نہ جاننا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو محض اٹکلوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب جھٹلاتے ہیں قَاتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ۔

فلسفۂ قدیمہ ہو یا جدیدہ اس سے تعلق رکھنے والوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں خالق کائنات جل مجدہ نے اپنی کتاب میں سات آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا لیکن اصحاب فلسفہ قدیمہ کہتے تھے کہ نو آسمان ہیں اور اب نیا فلسفہ یا تو ایک آسمان کا وجود بھی تسلیم نہیں کرتے، اب بتاؤ ان اٹکل لگانے والوں کی بات ٹھیک ہے یا خالق کائنات جل مجدہ' کا فرمان صحیح ہے؟ سورۂ ملک میں فرمایا اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا فرمایا اور وہ لطیف ہے خبیر ہے)

فلسفہ قدیمہ والے آسمان کا وجود مانتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ کہتے کہ آسمانوں میں خرق والتیام نہیں ہو سکتا یعنی آسمان پھٹ نہیں سکتا یہ بھی ان کی اٹکل پچو والی بات تھی کبھی نہ گے نہ جا کر دیکھا زمین پر بیٹھے بیٹھے سب کچھ خود ہی طے کر لیا، جس ذات پاک نے آسمان زمین پیدا فرمائے اس نے تو آسمان کے دروازے بھی بتائے، سورۂ اعراف میں فرمایا لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ اور سورۂ نبا میں فرمایا وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ اَبْوَابًا اور آسمان کے پھٹنے کا بھی ذکر فرمایا جس کا قیامت کے دن ظہور ہوگا اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَھِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاھِیَۃٌ میں تذکرہ فرمایا ہے لہٰذا ان لوگوں کی بات بالکل جھوٹ ہے جنہوں نے یوں کہا کہ آسمان میں خرق والتیام نہیں ہو سکتا۔

کچھ لوگوں کو یہ اشکال تھا اور بعض ملحدوں کو ممکن ہے اب بھی یہ اشکال ہو کہ ایک رات میں اتنا بڑا سفر کیسے ہو سکتا ہے؟ کبھی پہلے زمانہ میں کوئی شخص اس طرح کی بات کرتا تو اس کی کچھ وجہ بھی تھی کی تیز رفتار سواریاں موجود نہ تھیں اور اب جو نئے آلات ایجاد ہو گئے انکا وجود نہ تھا اب تو جدہ سے ہوائی جہاز گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں دمشق پہنچ جاتا ہے جہاں سے بیت المقدس تھوڑی ہی دور ہے اگر اسی حساب کو دیکھا جائے تو بیت مقدس آنے جانے میں صرف دو تین گھنٹے خرچ ہو سکتے ہیں اور رات کے باقی گھنٹے آسمانوں پر پہنچنے اور وہاں مشاہدات فرمانے اور وہاں سے واپس آنے کے لئے تسلیم کر لئے جائیں تو اس میں کوئی بعد نہیں ہے، اب تو ایک رات میں لمبی مسافت قطع کرنے کا اشکال ختم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ختم نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ چاہے تو جو تیز رفتار سواریاں ہیں انہیں مزید مزید تیز رفتاری عطا فرما دے، اور نئی سواریاں پیدا فرما دے جو موجودہ سواریوں سے تیز تر ہوں، سورۂ نحل میں جو سواریوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرمایا ہے وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ فرمایا ہے اس میں موجودہ سواریوں اور ان سب سواریوں کی طرف اشارہ ہے جو قیامت تک وجود میں آئیں گی اب تو ایسے طیارے تیار ہو چکے ہیں جو آواز کی رفتار سے بھی زیادہ جلدی پہنچنے والے ہیں اور ابھی مزید تیز رفتار سواریاں بنانے کی کوششیں

جاری ہیں، یہی لوگ جو سفر معراج کے منکر ہیں یا اس کے وقوع میں متردد ہیں خود ہی بتائیں کہ رات ان کے پیچھے آنے میں (ان کے خیال میں) زمین جو اپنے محور پر گھومتی ہے چوبیس گھنٹے میں کتنی مسافت طے کر لیتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ آفتاب جو زمین سے کروڑوں میل دور ہے کرن خاص ہوتے ہی کتنے سیکنڈ میں اس کی روشنی زمین پر پہنچ جاتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ جب چاند پر گئے تھے تو کتنی مسافت کتنے وقت میں طے کی تھی؟ یہ سب چھ نظروں کے سامنے ہے پھر واقعہ معراج میں تردد کیوں ہے؟

صاحب معراج ﷺ جس براق پر تشریف لے گئے تھے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ حد نظر پر اپنا ایک قدم رکھتا تھا یعنی یہ بات ابہام میں ہے کہ اس کی نظر کہاں تک پہنچتی تھی۔ اگر سو میل پر نظر پڑتی ہو تو مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک صرف دس بارہ منٹ کی مسافت بنتی ہے اس طرح بیت المقدس تک آنے جانے میں کل بیس منٹ کے لگ بھگ خرچ ہونے کا حساب بنتا ہے اور باقی پوری رات عالم بالا کی سیر کے لئے بچ گئی۔

مؤمن کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اس کے رسول ﷺ کی بات سنے اور تصدیق کرے والمرتابون ھم الھالکون

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝ ذُرِّيَّةَ مَنْ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا کہ تم کوئی کارساز میرے علاوہ کسی کو نہ بناؤ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو

حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي

ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا بے شک وہ شکر گزار بندہ تھے، اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بتا دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں

الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ

گے اور بڑی بندی تک پہنچ جاؤ گے سو جب ان دونوں میں پہلی مرتبہ کی میعاد کا وقت آئے گا تو ہم تم پر اپنے ایسے بندے بھیجیں گے جو

شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ

سخت لڑنے والے ہوں گے پھر وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑیں گے، اور یہ وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا پھر ہم تمہارا غلبہ ان پر لوٹا دیں گے اور مالوں سے

وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۡ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ

اور جماعت کے اعتبار سے تمہیں خوب زیادہ بنا دیں گے، اور تم سے کہا تھا کہ اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنی جانوں کے لئے اچھا کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو

وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا

مرتبہ کی میعاد کا وقت آئے گا تاکہ وہ تمہارے منہوں کو کالا بنا دیں اور تاکہ وہ مسجد میں داخل ہوں جس طرح پہلی بار داخل ہوئے تھے اور تاکہ جس

مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا

جن کے قابو میں آجائے قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی معاملہ کریں گے جو پہلے تمہارے ساتھ کیا

وقف لازم

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝

اور ہم نے جہنم کو کافروں کا جیل خانہ بنا دیا ہے۔

بنی اسرائیل کا زمین میں دو بار فساد کرنا اور ان کو دشمنوں کا تباہ کرنا

ان آیات میں بنی اسرائیل کے اقتدار اور تسلط کا اور ان کی سرکوبی کے لئے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط فرمانے کا ذکر ہے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے یہ واقعات گزر چکے تھے قرآن مجید کا ان تفصیلات کو بتانا یہ بھی ایک عظیم معجزہ ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ اپنے پاس سے قرآن بنا لیتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے وحی نہیں آئی ہے ان تمام واقعات میں ان لوگوں کی تردید ہے، یہ سابقہ خبریں آپ کو کسی انسان نے نہیں بتائیں اور آپ اُمی بھی تھے لہٰذا پرانی کتابوں سے اخذ کرنے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے بتائیں، اور یہ سب کچھ یہود کے لئے تو خاص طور سے عبرت اور نصیحت ہے وہ جانتے تھے کہ یہ ہمارے آباؤ اجداد کی تاریخ ہے اور انہیں یہ واقعات معلوم تھے جو وقتاً فوقتاً ان کے بڑوں کے ساتھ پیش آئے، ایک امی شخص کے بتانے کے بعد (جس کے پاس وحی کے سوا معلوم ہونے کا کوئی راستہ نہ تھا) بھی ایمان نہ لائے۔ فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی یعنی توریت شریف عطا کی، اور اس کتاب کو ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنا دیا، اس میں توحید کا بھی حکم تھا اور تفصیلی احکام بھی تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا کہ تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز قرار مت دینا لیکن بنی اسرائیل توریت شریف کی مخالفت کرتے رہے جس کی وجہ سے دنیا میں سزا بھگتتے رہے، کبھی انہیں اقتدار مل جاتا تھا اور اونچے پیمانہ پر زوردار طریقہ سے زمین پر حکمرانی کرتے اور کبھی دشمن ان پر چڑھائی کر دیتے اور ان کا نام کھو دیتے تھے جس سے انہیں ذلت اور شکست کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔

ان واقعات کی تفصیل بتانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا ایک انعام یاد دلایا کہ تم لوگ نوح علیہ السلام کی ذریت ہو اور ان کی نسل سے ہو جب قوم کی سرکشی کی وجہ سے قوم پر عذاب آیا تھا تو ان کو اور ان کے خاندان کو (بیوی اور ایک بیٹے کے علاوہ) اور دیگر اہل ایمان کو (جو تھوڑے سے تھے) ان کے ساتھ کشتی میں سوار کر دیا تھا اس کشتی میں جو لوگ سوار تھے آگے انہیں لوگوں کی نسل چلی اور دنیا میں پھلی اور پھیلی، بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ دیکھو تو حید والوں کو کشتی میں سوار کر کے غرق ہونے سے نجات دی تھی تم انہیں کی نسل سے ہو اس وقت سے لے کر آج تک نسل در نسل تم زمین پر آ رہے ہو یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر انعام ہے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جیسے انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو کارساز نہ بنایا تم بھی اسی کو کارساز بناؤ اور اسی کی طرف متوجہ رہو۔ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا (بلاشبہ نوح شکر گزار بندہ تھے) جس شکر گزار کے ساتھ تمہارے آباء واجداد نے نجات پائی اس بندہ کی طرح تم بھی منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے رہو۔

اس کے بعد یہ بتایا کہ ہم نے پہلے ہی کتاب میں (یعنی توریت شریف میں یا انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں میں بطور پیش گوئی) یہ بات بتا دی تھی کہ تم (ملک شام کی) سرزمین میں دو بار فساد کرو گے اور بندوں پر خوب زیادہ زور چلانے لگو گے، اسکے بعد فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا سے ان کا فساد اوّل اور ان پر دشمنوں کی چڑھائی اور فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ میں دوسری مرتبہ ان کے فساد کے بعد دشمنوں کی طرف سے یلغار اور تباہی ہونے کا تذکرہ فرمایا، آگے بڑھنے سے پہلے بنی اسرائیل کے شر و فساد اور دشمنوں کی طرف سے ان کی تباہ کاری کی تفصیل معلوم کر لینی چاہئے جو تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہے، آیات بالا میں فرمایا ہے کہ ایک بار بنی

اسرائیل نے زمین میں فساد کیا اللہ تعالیٰ کی حکموں کی مخالفت کی حقوق اللہ ضائع کئے اور مخلوق پر بھی مظالم کئے اس وقت ان پر دشمن مسلط کر دیئے گئے تھے جو سخت جنگ جو تھے اس کے بعد بنی اسرائیل سنبھل گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر نعمت اور دولت سے سرفراز فرما دیا، مال بھی دیا، بیٹے بھی دیئے اور ان کی جماعت خوب زیادہ بڑھا دی لیکن پھر انہوں نے شرارت کی تو دوبارہ دشمن مسلط ہو گیا جس نے بری طرح ان کی بربادی کی اور دوبارہ بیت المقدس میں داخل ہو کر ان کا ناس کھو دیا۔

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے دو مرتبہ برباد ہونے اور بیچ میں آباد ہونے کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس میں کون سے واقعات مراد ہیں اور کون سے دشمنوں نے حملہ کیا تھا اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کوئی تعیین نہیں کی جا سکتی احادیث مرفوعہ میں ان کا کوئی ذکر نہیں اور جو کچھ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے وہ اسرائیلی روایات ہیں اور ان قصوں کی تفصیل جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (ص ۲۵/ج ۳) میں لکھتے ہیں وقد وردت فی ھذا آثار کثیرۃ اسرائیلیۃ لم ار تطویل الکتاب بذکرھا لان مھا ماھو موضوع من وضع بعض زنادقھم ومھا ما قد یحتمل ان یکون صحیحا ونحن فی عیۃ عنھا واللہ الحمد و فیما قص اللہ علینا فی کتابہ عیۃ عما سواہ من بقیۃ الکتب قبلہ ولم یحوجنا اللہ ولا رسولہ الیھم

بنی اسرائیل کو برباد کرنے والے کون تھے؟

تفسیر کی کتابوں میں بنی اسرائیل کو برباد کرنے والوں کے کئی نام لکھے ہیں (۱) بخت نصر (۲) جالوت (۳) خردوش (۴) سنجاریب، پھر ان میں پہلی بربادی کس کے ہاتھوں ہوئی اور دوسری بار کس نے ہلاک کیا اس میں بھی اختلاف ہے، صاحب معالم التنزیل بہت کچھ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ پہلی بربادی بخت نصر اور اس کے لشکروں کے ذریعہ اور دوسری بربادی خردوش اور اس کے لشکروں کے ذریعہ ہوئی یہ دوسری بربادی پہلی بربادی سے بڑی تھی اس کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت قائم نہ رہ سکی اور ان کے تمام معدقوں میں یونانیوں کی حکومت قائم ہو گئی، ہاں بنی اسرائیل تعداد میں زیادہ ہو گئے ان کی حکومت تو نہ تھی البتہ بیت المقدس پر ان کی ریاست قائم تھی۔

اللہ نے نعمتیں انہیں بہت دی تھی انہوں نے نعمتوں کو بدل دیا اور نئے نئے طریقے ایجاد کئے اللہ تعالیٰ نے ان پر طیطوس ابن اسطیانوس رومی کو مسلط کر دیا جس نے ان کے شہروں کو ویران کیا اور انہیں ادھر ادھر بھگا دیا اور اللہ نے ان سے حکومت اور ریاست سب چھین لی اور ان پر ذلت چھا دی اب ان میں کوئی باقی نہ رہا جو جزیہ نہ دیتا ہو اور ذلیل نہ ہو اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک بیت المقدس ویران رہا پھر اسے مسلمانوں نے آباد کیا۔

اس کے بعد حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر پہلی بار جالوت کو مسلط فرما دیا تھا اس نے انہیں قید کیا اور قتل کیا اور برباد کیا پھر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں انہیں قوت وطاقت عطا فرما دی جس کا ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ میں ذکر فرمایا ہے پھر دوسری بار جب شر وفساد میں منہمک ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو بھیج دیا جس نے ان کو قید کیا اور برباد کیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا جس کا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ میں تذکرہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ان پر رحمت فرمائی لیکن ان لوگوں نے برائی کو اختیار کیا اور نافرمانیوں میں لگ گئے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب بھیج دیا (یہ خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کے واقعات ہیں) پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اہل عرب کو مسلط فرما دیا سورۃ انفال میں ارشاد ہے وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (اور جب آپ کے رب نے یہ بات بتا دی کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو بھیجتا رہے گا جو انہیں بری تکلیف پہنچاتے رہیں گے) لہٰذا یہودی قیامت تک عذاب میں ہیں اس کا یہ معنی نہیں کہ ہر دن رات اور ہر سال تکلیف ہی میں رہیں گے مطلب یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ان پر دشمن مسلط ہوتے رہیں گے جرمنی میں نازیوں نے پچاس سال پہلے جو ان کا ناس کھو دیا تھا وہ

تو تاریخ دان جانتے ہی ہیں ولیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ میں بتایا کہ جو لوگ دوسرتہ یہودیوں کو قتل کر دیں گے دونوں مرتبہ مسجد بیت المقدس میں داخل ہوں گے (چنانچہ ایسا ہی ہوا) ولیتبروا ما علوا تتبیرا اس میں یہ بتایا ہے کہ وہ دوسری بار بھی بنی اسرائیل کی قوت وطاقت اور حکومت کو برباد کر کے چھوڑیں گے ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اساتم فلها اور وان عدتم عدنا میں یہ بتادیا کہ اچھے کام کرو گے تو اس کا اچھا پھل ملے گا اور سزا ملنے کے بعد پھر برے کاموں میں لگو گے تو پھر عذاب کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

صاحب بیان القرآن نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل پر جو پہلی بار تباہی آئی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت کی وجہ سے تھی اور دوسری بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے تھی پھر جب خاتم النبیین ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہودیوں نے آپ کی مخالفت کی آپ کی نبوت ورسالت کا انکار کیا لہذا جلاوطن ہوئے اور ذلیل وخوار ہوئے، مسلمانوں کے لئے بنی اسرائیل اور دیگر اقوام ماضیہ کے احوال سراپا عبرت ہیں گذشتہ قوموں نے مدعی اسلام ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں ان پر عذاب آئے اور دشمنوں نے بھی ان پر حملے کئے اور تباہ برباد کیا، امت محمدیہ بھی تکوینی قوانین سے مستثنیٰ نہیں ہے ان کے ملک بھی چھینے جاتے رہے ہیں اور دشمنوں کے ہاتھوں تباہی آتی رہی ہے اسپین کا واقعہ تو سب کو معلوم ہی ہے بغداد کی تباہی بھی تاریخ میں مذکور ہے کئی سو سال کی حکومت جو ہندوستان میں قائم تھی اس کا بھی علم ہے، دوسرے برا عظم کی کافر قوم یعنی فرنگیوں نے آکر ہندوستان پر قبضہ کر لیا، لال قلعہ اور دہلی میں کیا ہوا بادشاہ کا کیا حال بنا جاننے والے اس کو جانتے ہیں، بادشاہ کو گرفتار کیا گیا اور رنگون میں لے جا کر بند کر دیا گیا پھر وہیں اس کی موت ہوئی سب باتیں جانتے ہوئے مسلمان اب بھی ہوش میں نہیں، گن ہوں میں اور رنگ رلیوں میں اوقات گذارتے ہیں، اصحاب اقتدار دشمنوں کے سایوں میں جیتے ہیں نہ دین قائم کرتے ہیں نہ دین قائم ہونے دیتے ہیں ھدی اللہ تعالیٰ جمیع المسلمین۔

آخر میں فرمایا وجعلنا جهنم للكفرين حصيرا (اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے حصیر بنادیا) حصیر کا ترجمہ بعض حضرات نے سجن یعنی جیل خانہ کیا ہے کیونکہ یہ حصر یحصر سے ماخوذ ہے جو روکنے کے معنی میں آتا ہے اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اس سے فرش یعنی بچھونا مراد ہے حصیر چٹائی کو کہتے ہیں اسی نسبت سے انہوں نے اسکا یہ معنی لیا ہے آیت کریمہ لهم من جهنم مهاد ومن فوقهم غواش سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ

بے شک یہ قرآن ہے طریق کی ہدایت دیتا ہے جو بالکل سیدھا ہے، اور ایمان والوں کو بشارت دیتا ہے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے

لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ ع

لئے بڑا اجر ہے اور یہ بات بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

قرآن سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے اہل ایمان کو بشارت اور اہل کفر کو عذاب الیم کی خبر دیتا ہے

ان دونوں آیتوں میں اول تو یہ بتایا کہ قرآن جو راستہ بتاتا ہے وہ بالکل سیدھا راستہ ہے اس میں کوئی کجی نہیں، خیر ہی خیر ہے، دنیا میں

اور آخرت میں اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے انعامات ملتے ہیں، اہل ایمان جو اعمال صالحہ کرتے ہیں قرآن مجید انہیں خوشخبری دیتا ہے کہ موت کے بعد تمہارے لئے خیر ہی خیر ہے بہت بڑا اجر ہے نیز قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار فرمایا ہے، جو لوگ توحید اور رسالت کے قائل ہیں وہ آخرت کو بھی مانتے ہیں آخرت کا منکر بھی مؤمن نہیں ہے جیسا کہ توحید اور رسالت کے منکر بھی مؤمن نہیں ہیں ہر وہ شخص جو تینوں چیزوں میں سے کسی بھی چیز کا منکر ہو اس کے لئے دردناک عذاب ہے جس کی جگہ جگہ قرآن کریم نے خبر دی ہے۔

وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝

اور انسان برائی کے لئے ایسی دعا مانگتا ہے جیسے خیر کے لئے مانگتا ہے اور انسان جلد باز ہے۔

انسان اپنے لئے برائی کی بددعا کرتا ہے، اس کے مزاج میں جلد بازی ہے

اس آیت میں یہ بتایا کہ انسان اپنے لئے برائی کی دعا کرتا رہتا ہے اور جس طرح خیر کی دعا کرتا ہے اسی انداز میں شر کی دعا کر بیٹھتا ہے تفسیر درمنثور (ص ۱۶۶ ج ۴) میں حضرت حسنؒ سے آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ جب انسان کو غصہ آتا ہے تو اپنی جان کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے مال کو اور اپنی اولاد کو برے الفاظ میں یاد کرتا ہے پھر اگر اس کی بددعا کے مطابق اللہ تعالیٰ اس پر تکلیف بھیج دے تو ناگوار معلوم ہوتا ہے پھر خیر کی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے خیر عطا فرما دیتا ہے، حضرت مجاہدؒ سے بھی یہی بات نقل کی ہے، حقیقت میں انسان ذرا سی ناگواری کی وجہ سے بددعا کر بیٹھتا ہے حالانکہ دعا ہمیشہ خیر ہی کی مانگنی چاہئے اور عافیت ہی کا سوال کرنا چاہئے حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جانوں اور اپنی اولاد اور اپنے مالوں کے لئے بددعا نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی مقبولیت کی گھڑی میں اللہ جل شانہٗ سے سوال کر بیٹھو اور وہ تمہاری بددعا قبول فرما لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۴ از مسلم)

اس کے بعد انسان کا مزاج بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (اور انسان جلد باز ہے) دوسری آیت میں فرمایا خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے) انسان کا یہ مزاج ہے کہ اس کے اعمال اور اشغال میں عجلت ظاہر ہوتی رہتی ہے اور یہ عجلت بہت سی مصیبتوں کا سبب بن جاتی ہے بہت سے ایکسیڈنٹ جلد بازی ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں اور بہت سے فیصلہ کرنے میں جلدی کرتے ہیں طلاق دے بیٹھتے ہیں اور ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جس کی وجہ سے بعد میں پچھتاتے ہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ الاناۃ من اللہ والعجلۃ من الشیطان کہ بردباری اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۹ از ترمذی)

ہر کام سوچ سمجھ کر اطمینان سے کرنا چاہئے البتہ آخرت کے کاموں میں جلدی کرے یعنی ان کی طرف آگے بڑھنے میں دیر نہ لگائے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جلد بازی میں آخرت کا کام خراب کر لے، آخرت کے کام میں دیر نہ لگائے جیسے ہی موقع لگے انجام دے دے اور مشغول ہو جائے اسی کو سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ میں فرمایا ہے۔

آخرت کے اعمال میں جلدی کا یہ مطلب نہیں کہ ناقص اعمال ادا کرے، عمل تو پورا ہو لیکن اس کی طرف متوجہ ہونے میں جلدی کرے جب شروع کرے تو اچھی طرح انجام دے، بہت سے لوگ نماز شروع کرتے ہیں تو کھٹا کھٹ چل میں آیا کہ مطابق رکوع سجدہ ادا کرتے چلے جاتے ہیں ہر چیز ناقص ادا ہوتی ہے، جو شخص امام کے ساتھ نیت باندھے اور پھر امام سے پہلے سر اٹھائے اس کی اس جلد بازی

کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے، چونکہ حدیث قولی میں مشہور ہے اس نے یہ بات فرمائی جب امام کے سلام کے ساتھ ہی نماز سے نکلتا ہے تو اس سے پہلے رکوع اور سجدہ کرنا سبقت قولی نہیں ہے تو کیا ہے۔"

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا، سو ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور برسوں کی گنتی اور حساب کو جان لو اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

تفسیر اس آیت کریمہ میں رات اور دن کو دو نشانیاں بتایا ہے رات بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے اور دن بھی ان دونوں کا آگے پیچھے آنا مقرر فرمانا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے جاننے کے لئے بہت بڑی نشانیاں ہیں انسان عقل سے کام لے غور و فکر کرے ان دونوں سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے سورہ فرقان میں ارشاد ہے وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (اور وہی ہے جس نے بنا دیا رات دن کو آگے پیچھے آنے والا اس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ کرے یا شکر گزار ہونے کا ارادہ کرے)

رات اور دن کا وجود میں آنا کم و بیش ہونا کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں رات کا زیادہ ہونا اور کسی علاقہ کسی زمانہ میں دن کا زیادہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ نظام کے تحت ہے کسی کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں ہے سب اہل عقل اس کو جانتے اور مانتے ہیں رات کی نشانی کے بارے میں فرمایا فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ (ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا) یعنی اس کو روشنی والی چیز نہیں بنایا بلکہ تاریک رکھا تاکہ دنیا والے اس میں آرام کریں اسے سورہ قصص میں لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ فرما کر بیان فرمایا اور دن کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اس کی نشانی کو روشن بنا دیا، لوگ اس میں چلتے پھرتے ہیں روزی کماتے ہیں صنعت و حرفت کرتے ہیں اور تجارت کے مشاغل میں لگتے ہیں اس کو لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فرما کر بیان فرمایا، رات کی تاریکی اور دن کی روشنی دونوں میں حکمت ہے۔

رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے کا ایک اور فائدہ بھی بیان فرمایا اور وہ یہ کہ ان کے ذریعہ تم برسوں کی گنتی اور شمار سمجھ لو گے ان دونوں کے گذرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنے ہفتے گذرے اور کتنے مہینے ختم ہوئے اور کتنے سال گذر چکے ان کے گزرنے سے اپنی یا اپنے بچوں کی عمریں بھی معلوم ہوتی ہیں اور جو آپس میں معاہدے ہوتے ہیں ان کے بارے میں بھی معلوم ہوتا رہتا ہے کہ اتنی مدت گذر گئی اور اتنی مدت باقی رہ گئی، جب مدت معینہ ختم ہو جاتی ہے تو معاہدے بھی ختم ہو جاتے ہیں اور قرضوں کی ادائیگی کے اوقات بھی معلوم ہو جاتے ہیں، دینی امور جو اوقات سے متعلق ہیں مثلاً صبح شام اور رمضان ان کا علم بھی مہینوں کے گذرنے سے ہو جاتا ہے جو رات دن کے گذرنے سے آتے جاتے ہیں، تین سو چھپن دن گذرنے پر قمری سال پورا ہو جاتا ہے اور تین سو پینسٹھ دن گذرنے پر شمسی سال پورا ہو جاتا ہے، اگر رات ہی رات ہوتی یا دن ہی دن ہوتا تو مہینوں کا اور برسوں کا حساب نہ لگا پاتے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ

اور ہر انسان کی گردن میں اس کا عمل نامہ لٹکا دیا ہے اور ہم اس کے لئے کھلی ہوئی کتاب نکال دیں گے وہ اس کتاب کو کھلی ہوئی دیکھے گا، تو

كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا

اپنی کتاب پڑھ لے آج تو اپنا حساب کرنے کیلئے کافی ہے جس نے ہدایت پائی تو اس نے اپنے ہی نفع کے لئے ہدایت اختیار کی اور جو گمراہ ہوا تو اپنی ہی جان کے نقصان کیلئے

يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

گمراہ ہوتا ہے، اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والی نہیں، اور جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج دیں اس وقت تک عذاب نہیں دیتے۔

ان آیت میں بتایا ہے کہ انسان کا عمل ہی اسے نفع یا نقصان دے گا جیسے عمل کرے گا قیامت کے دن سامنے آجائیں گے فرشتے جو دنیا میں انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں انسان ان اعمال کو کتابی صورت میں دیکھ لے گا۔ اچھے عمل والوں کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے اور برے اعمال والوں کا اعمال نامہ پشت کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، چونکہ ہر ایک کے عمل کا بدلہ ملے گا اور انکار بھی کوئی فائدہ نہ دے گا اور ہر ایک کے اعمال کا نتیجہ لازمی طور پر سامنے آہی جائے گا اس لئے اس کو اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ سے تعبیر فرمایا۔ جس کا ترجمہ بعض اکابر نے یوں کیا ہے کہ ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے عمل کو طائر یعنی پرندہ سے کیوں تعبیر فرمایا؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اہل عرب جب کسی کام کے لئے جانا چاہتے تھے تو درخت کی ٹہنی ہلا دیتے تھے داہنی طرف کو پرندہ اڑ جاتا تھا تو سمجھتے تھے کہ کام ہو جائے گا اسے فال نیک کہتے تھے اور اگر پرندہ بائیں طرف کو اڑ جاتا تو کہتے تھے کہ کام نہیں ہوگا اس کو بدفالی کہتے تھے اور اس کی وجہ سے سفر میں جانے سے رک جاتے تھے، اپنے کام کے لئے جانے جانے نہ جانے کا مدار انہوں نے پرندہ کے اڑنے کو بنا رکھا تھا اور گویا پرندہ کا اڑنا ہی باعث عمل تھا اس لئے انسان کے اعمال کو آیت بالا میں طائر سے تعبیر فرمایا۔ پھر فرمایا وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا (اور اس کے لئے ہم کتاب نکال دیں گے وہ اس کتاب کو کھلی ہوئی دیکھ لے گا)

انسان سے کہا جائے گا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ (تو اپنی کتاب کو پڑھ لے) كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (آج تو ہی اپنا حساب جانچنے کے لئے کافی ہے) انسان کی ہوشمندی یہی ہے کہ اپنی جان کے لئے فکرمند ہو اور اپنا حساب کرتا رہے یوم آخرت میں حساب کرنے کے بعد اپنے حق میں نتیجہ اچھا نہ نکلا تو اس وقت حساب کرنے سے فائدہ نہ ہوگا اسی دنیا میں حساب کرتے رہیں تو نفس کو برائیوں سے بچا کر لے جانا آسان ہوگا نفس کا محاسبہ کرتے رہیں اور اسے تنبیہ کرتے رہیں کہ دیکھ گناہ کرے گا تو عذاب بھگتے گا اسی کو فرمایا ہے کہ حاسبوا قبل ان تحاسبوا کہ حساب کئے جانے سے پہلے اپنا حساب کرلو، جو شخص یہاں اپنا حساب کرتا رہا اس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ وہاں کامیاب ہوگا اور خوشی کے ساتھ یوں کہے گا هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝ اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (آؤ میری کتاب پڑھو بلاشبہ مجھے یقین تھا کہ میرا حساب سامنے آنے والا ہے) اور جس کے بائیں ہاتھ میں کتاب دی گئی وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ (ہائے کاش مجھے میرا اعمال نامہ دیا جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے)

اس کے بعد فرمایا مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ (جس نے ہدایت پائی تو اس نے اپنی ہی جان کے لئے راہ ہدایت اختیار کی)

کیونکہ اس کا نفع اسی کو پہنچے گا ومن ضل فانما یضل علیھا (اور جس نے گمراہی اختیار کی اس کی گمراہی کا ضرر اسی کو پہنچے گا) یعنی آخرت میں تباہ کار ہوگا اور عذاب میں ڈالا جائے گا پھر فرمایا ولا تزر وازرۃ وزر اخری (اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والی نہیں) یعنی دنیا میں بہت سے لوگ دوسروں کے کہنے سے کافر ہو جاتے ہیں اور گناہ کر لیتے ہیں اور بعض جاہل یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ تو میرے کہنے سے یہ گناہ کر لے تیرے گناہ کا بوجھ مجھ پر رہا اگر عذاب ہونے لگا تو میں تیری طرف سے بھگت لوں گا یہ سب باتیں اسی دنیا میں کہہ دی جاتی ہیں وہاں کوئی کسی کی طرف سے عذاب بھگتنے کو تیار نہ ہوگا اور نہ اللہ کی طرف سے یہ منظور ہوگا کہ ایک کے بدلے دوسرے کو عذاب دیا جائے۔

یہاں یہ ایک سوال ذہن میں آسکتا ہے کہ جو لوگ کفر و شرک و بدعات کے داعی ہیں ان کے کہنے پر جن لوگوں نے برائیاں اختیار کیں ان لوگوں کے اعمال بھی تو ان دعوت دینے والوں اور برائیاں جاری کرنے والوں کے حساب میں لکھے جائیں گے جیسا کہ آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے پھر ولا تزر وازرۃ وزر اخری کا مصداق کیا ہے؟

جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے گمراہی کی دعوت دی اور بدعتیں جاری کیں ان کے عمل ہی کی وجہ سے لوگ گمراہ ہوئے اور بدعتوں میں پڑے، برائی کا سبب بننے کی وجہ سے دوسروں کے اعمال کا وبال بھی پڑ گیا یہ سبب بننا اپنا ہی عمل ہے ان کی دعوت پر عمل کرنے والے جو ماخوذ ہوں گے وہ اپنے عمل کی وجہ سے پکڑے جائیں گے اور یہ اپنے گمراہ کرنے والے عمل کی وجہ سے ماخوذ ہوں گے۔ کما ورد فی الحدیث من دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل اوزار من تبعہ لا ینقص من اوزارھم شیئا

پھر فرمایا وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (اور جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں دیتے) اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قانون بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے خوب واضح طریقے پر ہدایت کا راستہ بیان فرمایا جنہوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا یہ لوگ دنیا میں بھی اچھے حال میں رہیں گے اور آخرت میں بھی ان کا اچھا انجام ہوگا اور جن لوگوں نے ان حضرات کی ہدایت کو قبول نہ کیا وہ دنیا میں بے راہ ہوئے اور آخرت میں بھی ان کے لئے عذاب ہے، یہ جو دنیا میں عذاب آجاتا ہے اور آخرت میں جو عذاب ہوگا اس میں اللہ جل شانہٗ پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے کتابیں نازل فرمائیں اور راہ حق واضح فرما دی جن لوگوں نے عناد سے کام لیا حق کو ٹھکرایا نبیوں کی باتوں کو نہ مانا وہ اپنے اعمال کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں مستحق عذاب ہوں گے ایسا نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے ہدایت نہ آئے اور لوگوں کی گرفت کر لی جائے اور ان پر عذاب بھیج دیا جائے، اتمام حجت کے بعد اللہ کی طرف سے عذاب بھیجنے کا فیصلہ ہوتا ہے، سورۂ فاطر میں فرمایا وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر (کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو) پچھلی امتوں میں یکے بعد دیگرے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہتے تھے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد کوئی رسول اور نبی آنے والا نہیں ہے آپ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان اور تمام جنات کے نبی ہیں آپ کی دعوت ہر گھر میں دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ چکی ہے جسے ہر صاحب ہوش جانتا ہے۔ گھر گھر قرآن مجید پہنچ رہا ہے دنیا کی مشہور زبانوں میں اس کے تراجم ہیں کوئی شخص یہ حجت نہیں نکال سکتا کہ ہمیں نبی کی دعوت نہیں پہنچی، خوب سمجھ لیا جائے، ہاں اگر کوئی شخص پہاڑوں اور غاروں میں پیدا ہوا وہیں پلا بڑھا اسے اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ شخص صرف اس بات کا مکلف ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانے اس کا اتنا ہی ایمان باعث نجات ہو جائے گا، اس کی عقل ہی اس کے لئے نذیر ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں سو اس بستی پر ہماری بات ثابت ہو جاتی ہے

فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ

پھر ہم اس بستی کو پوری طرح ہلاک کر دیتے ہیں، اور نوح کے بعد کتنی ہی قومیں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا، اور آپ کا رب بندوں کے گناہوں کے

عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝

جاننے دیکھنے کے لیے کافی ہے۔

ہلاک ہونے والی بستیوں کے سردار اور مال دار نافرمانی کرتے ہیں جس کی وجہ سے بربادی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے

گذشتہ آیت میں یہ قانون بتایا کہ جب کوئی رسول نہ آجائے اور جن کے پاس رسول آئے وہ اس کی نافرمانی نہ کرلیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب میں مبتلا نہیں کئے جاتے اور ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر کے موافق کسی بستی کی ہلاکت اور بربادی کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو یہ بھی اسی طرح نہیں ہوتا کہ بندے مؤمن ہوں اور اعمال صالحہ میں لگے ہوئے ہوں پھر بھی ہلاک کر دیئے جائیں، بلکہ وہی بات ہے جو گذشتہ آیت میں بتائی کہ بستی کے لوگوں کو اور خاص کر ان کے امراء اور رؤسا کو ایمان اور فرمانبرداری کا حکم دیا جاتا ہے یہ حکم حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یا ان کے نائبوں اور نمائندوں کے ذریعے دیا جاتا ہے اب ان کے بڑے لوگ جو خوشحال ہوتے ہیں سرکشی پر تل جاتے ہیں نافرمانی کرتے ہیں (ان کا حال دیکھ کر ان کے عوام بھی نافرمانی کی راہ پر چلتے رہتے ہیں) لہٰذا وہ اپنے کفر و شرک اور اعمال بد کی وجہ سے مستحق عذاب ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور وہ بستی اپنے رہنے والوں کے ساتھ ہلاک کر دی جاتی ہے، نافرمان تو سبھی ہوتے ہیں لیکن امراء اور رؤسا کا تذکرہ خاص طور سے اس لئے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی دنیا کی عیش و عشرت کی وجہ سے خود بھی بغاوت پر کمر باندھ لیتے ہیں اور اپنے عوام کو بھی راہ حق پر نہیں آنے دیتے کما قال تعالیٰ وکذلک جعلنا فی کل قریۃ اکابر مجرمیھا لیمکروا فیھا عوام چونکہ خود بھی عقل والے ہوتے ہیں اور دین کے اعتبار سے خود مختار ہوتے ہیں اور ایمان ایک قلبی چیز ہے مجبور کر کے کوئی بھی بادشاہ یا رئیس اس سے کسی کو نہیں روک سکتا اس لئے عوام بھی اپنے کفر کی وجہ سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ نوح علیہ السلام کے بعد بہت سی امتیں گذری ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہلاک فرما دیا یہ لوگ بھی اپنے کفر و شرک اور اعمال بد کی وجہ سے ہلاک کئے گئے آخر میں فرمایا وکفی بربک بذنوب عبادہ خبیرا بصیرا اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ دانا اور بینا ہے اسے اپنے بندوں کے گناہوں کا علم ہے کسی کے بتانے کی ضرورت نہیں وہ سب کچھ جانتا ہے گناہ گار قوموں کا اور فرمانبردار قوموں کا اسے علم ہے اپنے علم کے مطابق جزا سزا دیتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا

جو شخص دنیا ہی منافع کا ارادہ کرتا ہے ہم جس کیلئے چاہیں جتنا چاہیں اسی دنیا میں سے دے دیتے ہیں پھر ہم اس کیلئے دوزخ تجویز کر دیں گے وہ اس میں بدحال ہو کر

مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ

راندۂ درگاہ ہونے کی حالت میں داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کیلئے کوشش کرے جیسی کوشش ہونی چاہئے اور وہ مومن ہو سو یہ وہ لوگ ہیں

سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝

جن کی کوشش کی قدر دانی ہوگی، ہم آپ کے رب کی بخشش سے ہر ایک کو دیتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی، اور آپ کے رب کی بخشش روکی ہوئی نہیں ہے،

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ لَا تَجْعَلْ

آپ دیکھ لیجئے ہم نے بعض کو بعض پر کیسی فضیلت دی، اور بلاشبہ آخرت درجات کے اعتبار سے بڑی چیز ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی، اے مخاطب اللہ کے ساتھ

ع ۲ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝

کسی دوسرے کو معبود نہ بنانا، ورنہ تو مذمت کیا جائے گا اور بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہے گا۔

طالب دنیا کو تھوڑی سی دنیا دے دی جاتی ہے اور آخرت میں اس کے لئے جہنم ہے
اہل ایمان کے اعمال کی قدر دانی ہوگی

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی داد و دہش اور عطا نوازش کا تذکرہ فرمایا ہے جو دنیا اور آخرت میں بندوں پر ہوتی ہے اور اس بارے میں تکوینی قانون ہے اس کا تذکرہ فرمایا ہے، اول دنیا کے طلب گاروں کا تذکرہ فرمایا کہ جو شخص اپنے اعمال کے ذریعے دنیا ہی کو چاہتا ہے اس کو دنیا کا کچھ حصہ دے دیا جاتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر طالب دنیا کو اس کی مراد مل جائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو چاہتا ہے وہ سب مل جائے اسی کو فرمایا ہے عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ کہ ہم ایسے شخص کے لیے اسی دنیا میں جس کے لئے چاہیں گے جتنا چاہیں گے دے دیں گے۔

اور چونکہ یہ شخص محض طالب دنیا تھا، آخرت کا طالب نہ تھا اس لئے ایمان سے بھی غافل رہا۔ لہٰذا آخرت میں اسے کوئی نعمت نہ ملے گی بلکہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ اسی کو فرمایا ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ (پھر ہم اس کے لئے جہنم مقرر کر دیں گے) يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا (وہ اس میں اس حال میں داخل ہوگا کہ بدحال ہوگا اور اللہ کی رحمت سے بٹایا ہوا ہوگا) مذموم کا اصل معنی ہے مذمت کیا ہوا اور مدحور کا معنی ہے دور کیا ہوا مطلب یہ ہے کہ ذلیل بھی ہوگا، اللہ کی رحمت سے دور بھی ہوگا دوزخ میں داخل ہوگا، سورۂ شوریٰ میں فرمایا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دنیا دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں)

اس کے بعد آخرت کے طلب گاروں کا تذکرہ فرمایا ومن ارادالآخرۃ وسعی لھا سعیھا وھو مؤمن فاولئک کان سعیھم مشکورا (اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لئے کوشش کرے جیسی کوشش ہونی چاہیے اور وہ مؤمن ہو سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدردانی ہوگی)

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا کہ جو شخص آخرت کا طالب ہو اور اس کے لئے کوشش کرے تو اس کی یہ سعی مقبول ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی محنت اور کوشش کی قدر کی جائے گی یعنی اس کی محنت اور سعی کا ثواب دیا جائے گا اس میں تین شرطیں بیان ذکر فرمائیں اول یہ کہ آخرت کا طلب گار ہو یعنی نیت صحیح ہو خالص آخرت کے ثواب کا ارادہ ہو اور دوسری شرط یہ بتائی کہ آخرت کے لئے کوشش کرے اور یہ ایسی کوشش ہو جسے آخرت کی کوشش کہا جا سکے یعنی اس کے اعمال اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت کے موافق ہوں (اگر طالب آخرت ہو لیکن اعمال غیر شرعی ہوں جیسا اہل بدعت کے اعمال ہیں تو ایسے اعمال مقبول نہیں) اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مؤمن بھی ہو اگر مؤمن نہ ہوگا تو آخرت میں کوئی عمل فائدہ مند نہ ہوگا خواہ کیسا ہی طلب آخرت کا مدعی ہو اور اپنے خیال میں آخرت کے لئے محنت اور ریاضت کرتا ہو جیسا کہ سادھو اور راہب محنتیں کرتے ہیں فاولئک کان سعیھم مشکورا (اہل ایمان کی سعی کی قدردانی کی جائے گی) یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور انہیں جنت عطا فرمائے گا اور جتنا جتنا عمل کیا اس سے بہت زیادہ بڑھا کر عمل کو کئی گنا کر کے اجر عطا فرمائے گا۔ (کما قال تعالیٰ من کان یرید حرث الاخرۃ نزدلہ فی حرثہ وقال تعالیٰ من جآء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا) دنیا میں جو کافروں، فاجروں کو نعمتیں دی جاتی ہیں اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ مقبولان بارگاہ ہیں کیونکہ دنیا کی نعمتیں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جسے نعمت و دولت مل گئی اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے، یہ نعمتیں مؤمن اور کافر صالح اور طالح سب کو مل جاتی ہیں دنیا کی نعمتیں اہل ایمان کے لئے مخصوص نہیں، اسی کو فرمایا کلا نمد ھؤلآء وھؤلآء من عطآء ربک وما کان عطآء ربک محظورا (اور ہم آپ کے رب کی بخشش سے ہر ایک کو دیتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی، اور آپ کے رب کی بخشش روکی ہوئی نہیں ہے) مقبولین کو بھی نعمتیں دی جاتی ہیں اور غیر مقبولین کو بھی اور دنیا میں اللہ کی رحمت کسی سے روکی ہوئی نہیں ہے۔

پھر فرمایا انظر کیف فضلنا بعضھم علی بعض (آپ دیکھئے ہم نے بعض کو بعض پر کیسی فضیلت دی) یہ دنیاوی فضیلت ہے اس میں مؤمن اور کافر کی کوئی قید نہیں ہے، بہت سے کافروں کے پاس مال زیادہ ہے اور بہت سے مؤمنین کے پاس کم ہے ولللاخرۃ اکبر درجت واکبر تفضیلا (اور بلاشبہ آخرت درجات کے اعتبار سے بڑی چیز ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی) اس میں یہ بتایا ہے کہ آخرت کے لئے فکرمند ہونا چاہئے اور وہاں کے درجات حاصل ہونے کے لئے ایمان سے اور اعمال صالحہ سے متصف ہوں اہل دنیا کی دنیا پر نظر نہ کریں۔

آخر میں شرک اور اصحاب شرک کی مذمت فرمائی اور توحید اختیار کرنے اور توحید پر جمنے کا حکم فرمایا، ارشاد ہے لا تجعل مع اللہ الھا اخر (اے مخاطب تو اللہ کے ساتھ کسی کو بھی معبود مت بنا) فتقعد مذموما مخذولا (ورنہ تو اس حال میں بیٹھ رہے گا کہ تو مذموم ہوگا اور مخذول ہوگا) یعنی قیامت کے دن بدحال لوگوں میں شمار ہوگا اور وہاں کوئی یار و مددگار نہ ہوگا تو حید کو چھوڑنے کی وجہ سے وہاں کی عاجزی بے بسی اور بے کسی اور بدحالی سامنے آجائے گی۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ

اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ عبادت نہ کرو مگر اسی کی اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اے مخاطب اگر تیرے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں

اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا

تو انہیں اف بھی نہ کہنا، اور ان کو مت جھڑکنا، اور ان سے اچھے طریقے سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ

جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ

جھکے رہنا اور یوں عرض کرنا کہ اے رب ان پر رحم فرمائیے جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹا سا پالا ہے، تمہارا رب ان چیزوں کو خوب جاننے والا ہے جو

نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

تمہارے دلوں میں ہیں، بلاشبہ وہ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت کے ساتھ زندگی گذارنے کا حکم

اس آیت کریمہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اول تو یہ حکم فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تمام شرائع کا سب سے بڑا یہی حکم ہے اور اس حکم کی تعمیل کرانے کے لئے اللہ جل شانہٗ نے تمام نبیوں اور رسولوں کو بھیجا اور کتابیں نازل فرمائیں اور صحیفے اتارے اللہ جل شانہٗ کو عقیدہ سے ایک ماننا اور صرف اسی کی عبادت کرنا اور کسی بھی چیز کو اس کی ذات وصفات اور تعظیم وعبادت میں شریک نہ کرنا خداوند قدوس کا سب سے بڑا حکم ہے۔

دوم ... ... یہ فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو، اللہ جل شانہٗ خالق ہے، اسی نے سب کو وجود بخشا ہے اس کی عبادت اور شکر گذاری بہر حال فرض اور لازم ہے اور اس نے چونکہ انسانوں کو وجود بخشنے کا ذریعہ ان کے ماں باپ کو بنایا اور ماں باپ اولاد کی پرورش میں بہت کچھ دکھ تکلیف اٹھاتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے حکم کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا بھی حکم فرمایا جو قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ لفظ "حسن سلوک" میں سب باتیں آجاتی ہیں جس کو سورۂ بقرہ میں اور سورۂ انعام اور یہاں سورۃ الاسراء میں وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا سے تعبیر فرمایا ہے، ماں باپ کی فرمانبرداری، دلداری، راحت رسانی نرم گفتاری اور ہر طرح کی خدمت گذاری ان لفظوں کے عموم میں آجاتی ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں۔

سوم ... ... یہ کہ ماں باپ دونوں میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو جائے تو ان کو اف بھی نہ کہو، مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا کلمہ ان کی شان میں زبان سے نہ نکالو جس سے ان کی تعظیم میں فرق آتا ہو، یا جس کلمہ سے ان کے دل کو رنج پہنچتا ہو۔

لفظ اف بطور مثال کے فرمایا ہے، بیان القرآن میں اردو کے محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "ان کو ہوں بھی مت کہو" دوسری زبانوں میں ان کے مطابق ترجمہ ہوگا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کے علم میں کلمہ اف سے نیچے بھی کوئی درجہ ماں باپ کے تکلیف دینے کا ہوتا تو اللہ جل شانہٗ اس کو بھی ضرور حرام قرار دے دیتا۔ (درمنثور)

ماں باپ کی تعظیم وتکریم اور فرمانبرداری ہمیشہ واجب ہے بوڑھے ہوں یا جوان ہوں، جیسا کہ آیات اور احادیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے لیکن بڑھاپے کا ذکر خصوصیت سے اس لئے فرمایا کہ اس عمر میں جا کر ماں باپ بھی بعض مرتبہ چڑچڑے ہو جاتے ہیں اور ان کو بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اولاد کو ان کا اگالدان صاف کرنا پڑتا ہے، میلے اور ناپاک کپڑے دھونے پڑتے ہیں جس سے طبیعت بور ہونے

لگتی ہے اور بعض مرتبہ تنگ دل ہو کر زبان سے ایسے سیدھے الفاظ بھی نکلنے لگتے ہیں اس موقع پر صبر اور برداشت سے کام لینا اور ماں باپ کا دل خوش رکھنا اور رنج دینے والے ذرا سے الفاظ سے بھی پرہیز کرنا بہت بڑی سعادت ہوتی ہے۔

حضرت مجاہد نے فرمایا کہ تو جوان کے کپڑے وغیرہ سے گندگی اور پیشاب پاخانہ صاف کرتا ہے تو اس موقع پر اف بھی نہ کہہ جیسا کہ وہ بھی اف نہ کہتے تھے جب تیرے بچپن میں تیرا پیشاب پاخانہ وغیرہ دھوتے تھے۔ (درمنثور)

چہارم (اف کہنے کی ممانعت کے بعد) یہ بھی فرمایا کہ ان کو مت جھڑکو، جھڑکنا اف کہنے سے بھی زیادہ برا ہے، جب اف کہنا منع ہے تو جھڑکنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پھر بھی واضح فرمانے کے لئے خاص طور سے جھڑکنے کی صاف اور صریح لفظوں میں ممانعت فرمائی۔

پنجم حکم فرمایا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (ماں باپ سے خوب ادب سے بات کرنا) اچھی باتیں کرنا، لب و لہجہ میں نرمی اور الفاظ میں توقیر و تکریم کا خیال رکھنا یہ سب قَوْلًا كَرِيْمًا میں داخل ہے۔

حضرت سعید بن المسیبؒ نے فرمایا کہ خطا کار زر خرید غلام جس کا آقا بہت سخت مزاج ہو یہ غلام جس طرح اپنے آقا سے بات کرتا ہے اسی طرح ماں باپ سے بات کی جائے تو قولاً کریماً پر عمل ہو سکتا ہے۔

حضرت زبیر بن محمدؒ نے قولاً کریماً کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا اذا دعوک فقل لبیک و سعدیک (یعنی جب تجھے ماں باپ بلائیں تو کہنا کہ میں حاضر ہوں اور تعمیل ارشاد کے لئے موجود ہوں) ان اکابر کے یہ اقوال تفسیر درمنثور (ص ۱۷ ج ۴) میں مذکور ہیں۔

ششم ارشاد فرمایا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (یعنی ماں باپ کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا) اس کی تفسیر میں حضرت عروہؒ نے فرمایا کہ تو ان کے سامنے ایسی روش اختیار کر کہ ان کی جو دلی رغبت ہو اس کے پورا ہونے میں تیری وجہ سے فرق نہ آئے، اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ماں باپ سے بات کرتے وقت نیچے اور پر ہاتھ مت اٹھانا، (جیسے برابر والوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے اٹھاتے ہیں) اور حضرت زبیر بن محمدؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ماں باپ اگر تجھے گالیاں دیں اور برا بھلا کہیں تو تو جواب میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ (درمنثور)

ہفتم یہ نصیحت فرمائی کہ ماں باپ کے لئے یہ دعا کرتے رہا کرو رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا اور پرورش کیا) بات یہ ہے کہ کبھی اولاد حاجت مند تھی جو بالکل ناسمجھ اور ناتواں تھی، اس وقت ماں باپ نے ہر طرح کی تکلیف سہی اور دکھ سکھ میں خدمت کرکے اولاد کی پرورش کی، اب پچاس ساٹھ سال کی بعد صورت حال الٹ گئی کہ ماں باپ خرچ اور خدمت کے محتاج ہیں اور اولاد کمانے والی ہے، روپیہ پیسہ اور گھر بار اور کاروبار والی ہے، اولاد کو چاہئے کہ ماں باپ کی خدمت سے نہ گھبرائے اور ان پر خرچ کرنے سے تنگ دل نہ ہو، دل کھول کر جان و مال سے ان کی خدمت کرے اور اپنے چھوٹے پن کا وقت یاد کرے اس وقت انہوں نے مجھے چھوٹے پن میں پالا اور پرورش کیا۔

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو کمر پر اٹھائے ہوئے طواف کرا رہا تھا اس نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ کیا میں نے اس طرح خدمت کرکے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا ایک سانس کا حق بھی ادا نہیں ہوا (تفسیر ابن کثیر ص ۳۵ ج ۳ عن مسند البزار بسند فیہ ضعف، واخرجہ البخاری فی الادب المفرد موقوفا علی ابن عمر)

یہ جو فرمایا کہ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ (الایۃ) درمنثور میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت سعید بن جبیرؓ سے نقل کیا

ہے کہ اگر اولاد کی جانب سے ماں باپ کے حقوق میں غفلت سے کوتاہی ہو جائے اور دل سے فرماں بردار ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کرے اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں کو معاف فرمانے والا ہے۔

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں اور صرف اسی ظاہری توقیر و تعظیم پر اکتفا مت کرنا دل میں بھی ان کا ادب اور قصد اطاعت رکھنا، کیونکہ تمہارا رب تمہارے ما فی الضمیر کو خوب جانتا ہے اور اسی وجہ سے تمہارے لئے ایک تخفیف بھی سناتے ہیں کہ اگر تم (حقیقت میں دل سے) سعادت مند ہو اور غلطی یا تنگ مزاجی یا دل تنگی سے کوئی ظاہری فروگذاشت ہو جائے اور پھر نادم ہو کر معذرت کر لو تو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا مرتبہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ سب کاموں میں اللہ جل شانہٗ کو کون سا کام زیادہ پیارا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بروقت نماز پڑھنا (جو اس کا وقت مستحب ہے) میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا، میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ پیارا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۸ از بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہٗ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل بروقت نماز پڑھنا اور اس کے بعد سب سے زیادہ محبوب عمل یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ پھر تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ کو فرمایا معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

ماں باپ ذریعۂ جنت اور ذریعۂ دوزخ ہیں

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ والدین کا ان کی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دونوں تیری جنت یا تیری جہنم ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۱ از ابن ماجہ)

مطلب یہ کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرتے رہو، زندگی بھر ان کے آرام و راحت کا دھیان رکھو، جان و مال سے ان کی فرمانبرداری میں لگے رہو، تمہارا یہ عمل جنت میں جانے کا سبب بنے گا اور اگر تم نے ان کی نافرمانی کی ان کو ستایا دکھ دیا تو وہ تمہارے دوزخ کے داخلہ کا سبب بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹)

یعنی ماں باپ کو راضی رکھا تو اللہ پاک بھی راضی ہے اور ماں باپ کو ناراض کیا تو اللہ بھی ناراض ہوگا، کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے ماں باپ کو راضی رکھنے کا حکم فرمایا ہے جب ماں باپ کو ناراض رکھا تو اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوئی جو اللہ جل شانہٗ کی ناراضی کا باعث ہوئی۔

واضح رہے کہ یہ اسی صورت میں ہے جبکہ ماں باپ کسی ایسے کام کے نہ کرنے سے ناراض ہوں جو خلاف شرع نہ ہو، اگر خلاف شرع کسی کام کا حکم دیں تو ان کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے اس ناراضگی میں اللہ جل شانہٗ کی ناراضگی نہ ہوگی اس صورت میں اگر وہ ناراض بھی

ہو جائیں تو ناراضگی کی پرواہ نہ کرے، کیونکہ اللہ جل شانہٗ کی رضامندی اس کے احکام پر عمل کرنے میں ہے اس کے حکم کے خلاف کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔

والد جنت کے دروازوں میں سے بہتر دروازہ ہے

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ والد جنت کے دروازوں میں سے سب سے اچھا دروازہ ہے اب تو (اس کی فرمانبرداری کرکے) اس دروازہ کی حفاظت کر لے یا (نافرمانی کرکے) اس کو ضائع کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۰)

باپ کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین دعائیں مقبول ہیں ان (کی قبولیت) میں کوئی شک نہیں (۱) والد کی دعا اولاد کے لیے (۲) مسافر کی دعا (۳) مظلوم کی دعا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۵ از ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

اس حدیث سے والد کی دعا کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں، کہ گو اس میں والدہ کا ذکر نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ جب والد کی دعا ضرور قبول ہوگی تو والدہ کی دعا بھی بطریق اولیٰ ضرور قبول ہوگی، اولاد کو چاہیے کہ ماں باپ کی خدمت کرتی رہے اور دعا لیتی رہے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے ان کا دل دکھے اور ان میں سے کوئی دل سے یا زبان سے بددعا کر بیٹھے۔ کیونکہ جس طرح ان کی دعا قبول ہوتی ہے اسی طرح ان کے دکھے دل کی بددعا بھی لگ جاتی ہے، اگرچہ عموماً شفقت کی وجہ سے وہ بددعا سے بچتے ہیں، ان کی دعا سے دنیا و آخرت سدھر سکتی ہے اور بددعا سے دونوں جہانوں کی بربادی ہو سکتی ہے۔

ماں باپ کے اکرام و احترام کی چند مثالیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے ساتھ ایک بڑے میاں تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ تیرے ساتھ یہ کون ہیں؟ عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں، آپ نے فرمایا کہ باپ کے اکرام و احترام کا خیال رکھ ہرگز اس کے آگے مت چلنا اور اس سے پہلے مت بیٹھنا اور اس کا نام لے کر مت بلانا اور اس کی وجہ سے (کسی کو) گالی مت دینا۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۷۱، ج ۴)

ماں باپ کا احترام و اکرام دل سے بھی کرلے اور زبان سے بھی، عمل سے بھی اور برتاؤ سے بھی، اس حدیث پاک میں اکرام و احترام کی چند جزئیات ارشاد فرمائی ہیں۔

اول تو یہ کہ فرمایا کہ باپ کے آگے مت چلنا، دوسرے یہ فرمایا کہ جب کسی جگہ بیٹھنا ہو تو باپ سے پہلے مت بیٹھنا، تیسرے یہ فرمایا کہ باپ کا نام لے کر مت پکارنا، چوتھے یہ کہ باپ کی وجہ سے کسی کو گالی مت دینا، مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص تمہارے باپ کو کوئی ناروا بات کہہ دے تو اس کو یا اس کے باپ کو گالی مت دینا کیونکہ اس کے جواب میں وہ پھر تمہارے باپ کو گالی دے گا اور اس طرح سے تم اپنے باپ کو گالی دلانے کا سبب بن جاؤ گے۔ واضح رہے کہ یہ نصیحتیں باپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں والدہ کے حق میں بھی ان کا خیال رکھنا لازم ہے اور یہ جو فرمایا کہ باپ کے آگے مت چلنا اس سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جس میں باپ کی خدمت کی وجہ سے آگے چلنا پڑے مثلاً راستہ دکھانا ہو یا اور کوئی ضرورت درپیش ہو۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے رزق اور عمر دونوں بڑھتے ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے اور اس کا رزق بڑھائے اس کو چاہئے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ (درمنثور ص ۱۷۳ ج ۴ از بیہقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے اور ان کی خدمت میں لگے رہنے سے عمر دراز ہوتی ہے اور رزق بڑھتا ہے بلکہ ماں باپ کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے بھی عمر دراز ہوتی ہے اور وسیع رزق نصیب ہوتا ہے نئی نسل کے بہت سے نوخیز نوجوان دوست احباب بیوی بچوں پر تو بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں اور ماں باپ کے لئے پھوٹی کوڑی خرچ کرنے سے بھی ان کا دل دکھتا ہے یہ لوگ آخرت کے ثواب سے محروم ہوتے ہی ہیں دنیا میں بھی نقصان اٹھاتے ہیں ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت گذاری اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے جو عمر میں درازی اور رزق میں وسعت ہوتی ہے اس سے محروم ہوتے ہیں۔

ماں باپ کے اخراجات کے لئے محنت کرنے کا ثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک ایسے شخص کا (مجلس نبوی کے قریب) گذر ہوا جس کا جسم دبلا پتلا تھا اس کو دیکھ کر حاضرین نے کہا کہ کاش یہ جسم اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد میں دبلا ہوا) ہوتا یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید وہ اپنے بوڑھے ماں باپ پر محنت کرتا ہو (اور ان کی خدمت میں لگنے اور ان کے لئے روزی کمانے کی وجہ سے دبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو وہ فی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا کہ) شاید وہ چھوٹے بچوں پر محنت کرتا ہو (یعنی ان کی خدمت اور پرورش اور ان کے لئے رزق مہیا کرنے میں دبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو وہ فی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا کہ) شاید وہ اپنے نفس پر محنت کرتا ہو (اور اپنی جان کے لئے محنت کر کے روزی کماتا ہو) تاکہ اپنے نفس کو لوگوں سے بے نیاز کر دے (اور مخلوق سے سوال نہ کرنا پڑے) اگر ایسا ہے تو وہ فی سبیل اللہ ہے۔ (درمنثور ص ۱۷۰ ج ۴ از بیہقی)

معلوم ہوا کہ ماں باپ اور آل اولاد بلکہ اپنے نفس کے لئے حلال روزی کمانا بھی فی سبیل اللہ میں شمار ہے۔

ماں باپ کی خدمت نفلی جہاد سے افضل ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت مانگی آپ نے فرمایا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہیں آپ نے فرمایا انہیں میں جہاد کر (یعنی ان کی خدمت میں جو تو محنت اور کوشش اور مال خرچ کرے گا یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہوگا) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ واپس جا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا رہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۱ از بخاری و مسلم)

حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میرے والد حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے جہاد کرنے کا ارادہ کیا اور آپ سے مشورہ کرنے کے لئے حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہے آپ نے فرمایا بس تو اسی کی خدمت میں لگا رہ کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۱ از احمد، نسائی، بیہقی)

ان دنوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں (جبکہ جہاد فرض عین نہ ہو) جہاد کی شرکت کے لئے جانے سے ماں باپ کی خدمت کرنا زیادہ افضل ہے اگر دوسرا بھائی بہن ان کی خدمت کیلئے موجود نہ ہو تو ان کی خدمت میں رہنے کی اہمیت اور زیادہ ہو جائے گی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے آیا آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے سرزمین شرک سے تو ہجرت کر لی لیکن جہاد (باقی) ہے تو کیا یمن میں تمہارا کوئی (قریبی) عزیز ہے؟ عرض کیا کہ والدین موجود ہیں، آپ نے سوال فرمایا کہ انہوں نے تم کو اجازت دی ہے؟ عرض کیا نہیں فرمایا بس تم واپس جاؤ اور ان سے اجازت لو اگر اجازت دیں تو جہاد میں شرکت کر لینا ورنہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہنا۔ (در منثور ص ۱۷۵ ج ۴ عن احمد والحاکم، وقال صحیحہ الحاکم)

ہجرت کی بیعت کے لیے والدین کو روتا چھوڑنے والے کو نصیحت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہجرت پر بیعت کرنے کے لئے آیا اور عرض کیا کہ میں آپ سے ہجرت پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور میں نے اپنے والدین کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ دونوں (میری جدائی کی وجہ سے) رو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے پاس واپس جا اور ان کو ہنسا جیسا کہ تو نے ان کو رلایا۔ (مستدرک حاکم ص ۱۵۳، ج ۴ ابوداؤد وغیرہ)

یہ شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں نیک نیتی سے حاضر ہوا یعنی ہجرت پر بیعت ہونے کے لئے سفر کر کے آیا تھا اول ہجرت کی نیت پھر حضور اقدس ﷺ سے اس عمل پر بیعت ہونا یہ سب مبارک اور نیک عمل ہے جس میں کوئی شک نہیں لیکن ماں باپ اس کے سفر کرنے پر راضی نہ تھے وہ اس شخص کے سفر میں جانے سے بہت بے چین ہوئے اور جدائی کے صدمہ سے رونے لگے جب حضور اقدس ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا کہ واپس جا اور والدین کو ہنسا جیسا کہ تو نے ان کو رلایا ہے۔

اس سے ماں باپ کی دلداری کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ہجرت کرنا فرض نہ تھا اسلام خطہ عرب میں پھیل چکا تھا مسلمان ہر جگہ امن وامان کے ساتھ اسلام کے مطابق زندگی گذار سکتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسا کام کرنا جس سے ماں باپ رنجیدہ ہوں اور صدمہ کی وجہ سے روئیں گناہ ہے، اور ایسا کام کرنا جس سے ماں باپ خوش ہوں اور جس سے ان کو ہنسی آئے ثواب کا کام ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بکاء الوالدین من العقوق والکبائر (یعنی ماں باپ کا رونا عقوق اور کبائر میں سے ہے) جبکہ اولاد ایسا کام کرے جس سے ایذاء پہنچنے کی وجہ سے وہ روئیں۔ (الادب المفرد للبخاری)

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یمن کے رہنے والے تھے ان کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے خیر التابعین فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ان سے اپنے لئے دعائے مغفرت کرانا۔ انہوں نے عہد نبوت میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن والدہ کی خدمت کی وجہ سے بارگاہ رسالت میں حاضر نہ ہو سکے اور شرف صحابیت سے محروم ہو گئے آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ان کے اس عمل پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ قدردانی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ان سے دعا کرانا، والدین کی خدمت کا جو مرتبہ ہے وہ اس سے ظاہر ہے صحیح مسلم میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اویس قرنی کی والدہ ہے اس کے ساتھ انہوں نے حسن سلوک کیا اگر اویس (کسی باب میں) اللہ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم پوری فرمائے۔

ماں باپ کی خدمت نفلی حج اور عمرہ سے کم نہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اور اس پر قدر نہیں (ممکن ہے کہ یہ صاحب بہت کمزور ہوں یا بعض اعضاء صحیح سالم نہ ہوں جس کی وجہ سے یہ کہا کہ جہاد پر قدر نہیں ہوں) ان کی بات سن کر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے سوال فرمایا کیا تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ عرض کیا والدہ زندہ ہے، آپ نے فرمایا کہ بس تو اپنی والدہ (کی خدمت اور فرمانبرداری) کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جب تو اس پر عمل کرے گا تو حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا اور جہاد کرنے والا ہوگا بس جب تیری ماں تجھے بلائے تو (اس کی فرمانبرداری کے بارے میں) اللہ سے ڈرنا (یعنی نافرمانی مت کرنا) اور والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا۔ (درمنثور ص ۱۷۳ ج ۴ از بیہقی وغیرہ)

اس حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ والدہ تم کو بلائے تو اس کی اطاعت کرو، عام حالات میں جب بھی ماں باپ بلائیں ان کے پکارنے پر حاضر خدمت ہو جائے اور جو خدمت بتائیں انجام دے دے اگر نماز میں مشغول ہو اور اس وقت والدین میں کوئی آواز دے تو اس کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ ماں باپ اگر کسی مصیبت کی وجہ سے پکاریں مثلاً پائخانہ وغیرہ کی ضرورت سے آتے جاتے پاؤں پھسل جائے اور دونوں میں سے کوئی گر جائے یا گر جانے کا قوی اندیشہ ہے اور کوئی دوسرا اٹھانے والا اور سنبھالنے والا نہیں ہے تو ان کے اٹھانے اور سنبھالنے کے لئے فرض نماز کا توڑ دینا واجب ہے اور اگر انہوں نے کسی ایسی ضرورت کے لئے نہیں پکارا جس کا اوپر ذکر ہوا بلکہ یوں ہی پکار لیا تو فرض نماز توڑنا درست نہیں ہے اور اگر کسی نے سنت یا نفل نماز شروع کر رکھی ہے اور ماں باپ نے آواز دی لیکن ان کو معلوم نہیں ہے کہ فلاں لڑکا یا لڑکی نماز میں ہے تو اس صورت میں نماز توڑ کر جواب دینا واجب ہے خواہ کسی ضرورت سے پکاریں خواہ بلا ضرورت یوں ہی پکار لیں اس صورت میں اگر نماز نہ توڑی اور ان کا جواب نہ دیا تو گناہ ہوگا البتہ اگر ان کو معلوم ہے کہ نماز میں ہے اور یوں ہی بلا ضرورت پکارا ہے تو نماز نہ توڑے۔ (ذکرہ شامی فی باب ادراک الفریضہ)

والدین کے ستانے کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام گناہ ایسے ہیں کہ اللہ چاہتا ہے تو انہیں معاف فرما دیتا ہے مگر والدین کے ستانے کا گناہ ایسا ہے جس کی سزا دنیا ہی میں موت سے پہلے دے دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۲ از شعب الایمان للبیہقی)

والدین کی نافرمانی بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا (۳) کسی جان کو قتل کر دینا (جس کا قتل کرنا قاتل کے لئے شرعاً حلال نہ ہو) (۴) جھوٹی قسم کھانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۷ از بخاری)

کبیرہ گناہوں کی فہرست طویل ہے اس حدیث میں ان گناہوں کا ذکر ہے جو بہت بڑے ہیں ان میں شرک کے بعد ہی عقوق الوالدین کو ذکر فرمایا ہے، لفظ عقوق میں بہت عموم ہے ماں باپ کو کسی بھی طرح ستانا، قول یا فعل سے ان کو ایذاء دینا دل دکھانا، نافرمانی کرنا، حاجت ہوتے ہوئے ان پر خرچ نہ کرنا یہ سب عقوق میں شامل ہے پہلے حدیث ذکر کی جا چکی ہے جس میں محبوب ترین اعمال کا بیان ہے اس میں بروقت نماز پڑھنے کے بعد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا درجہ بتایا ہے بالکل اسی طرح بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کی

فہرست میں شرک کے بعد ماں باپ کے ستانے اور ان کی نافرمانی کرنے کو شمار فرمایا ہے ماں باپ کی نافرمانی اور ایذا رسانی کس درجہ کا گناہ ہے اس سے صاف ظاہر ہے۔

وہ شخص ذلیل ہے جسے ماں باپ نے جنت میں داخل نہ کرایا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے (ایک مرتبہ) ارشاد فرمایا کہ وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، عرض کیا گیا کون یا رسول اللہ؟ فرمایا جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں کسی ایک کو بڑھاپے کے وقت میں پایا پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۸ از مسلم)

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جنت میں داخل ہونے کا بہترین ذریعہ ہے اور عقوق الوالدین یعنی ماں باپ کی نافرمانی اور ایذا رسانی دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہے، زندگی میں خصوصاً نوجوانی میں انسان سے بہت سے صغیرہ، کبیرہ گناہ سرزد ہو جاتے ہیں اور ماں باپ کی نافرمانی بھی ہو جاتی ہے اگر کسی گناہ گار بندہ کو بوڑھے ماں باپ میسر آ جائیں یعنی اس کی موجودگی میں بوڑھے ہو جائیں تو گزشتہ گناہوں کے کفارہ کے لئے اور دوزخ سے آزاد ہو کر جنتی بننے کے لئے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ جس شخص نے ماں باپ کو بوڑھا پایا لیکن ان کی خدمت نہ کی ان کی دعائیں نہ لیں ان کا دل دکھاتا رہا اور جوش جوانی میں ان کی طرف سے غفلت برتتا رہا جس کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہو گیا ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے تین مرتبہ بددعا دی اور فرمایا کہ یہ شخص (دنیا آخرت میں ذلیل وخوار ہو) لا جعلنا اللہ منھم جس کے ماں باپ زندہ ہیں ان کی زندگی کی قدر کرے اور ان کو راضی رکھ کر جنت کما لے۔

ماں باپ کی طرف گھور کر دیکھنا بھی عقوق میں شامل ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص نے اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا جس نے والد کو تیز نظر سے دیکھا۔ (در منثور ص ۱۷۱ ج ۴ از بیہقی فی شعب الایمان)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کو تیز نظروں سے دیکھنا بھی ان کے ستانے میں داخل ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ عقوق یعنی ماں باپ کے ستانے کی کیا حد ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ان کو (خدمت اور مال سے) محروم کرنا اور ان سے ملنا جلنا چھوڑ دینا اور ان کے چہرے کی طرف تیز نظر سے دیکھنا یہ سب عقوق ہے۔ (در منثور از ابن ابی شیبہ)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ اگر ماں باپ تجھے ناراض کر دیں (یعنی ایسی بات کہہ دیں جس سے تجھے ناگواری ہو تو ان کی طرف ترچھی نظر سے مت دیکھنا کیونکہ انسان جب کسی پر غصہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے تیز نظر سے ہی اس کا پتہ چلتا ہے۔ (در منثور عن ابی حاتم)

معلوم ہوا کہ ماں باپ کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے اعضاء و جوارح سے بھی فرمانبرداری انکساری ظاہر کرنا چاہئے رفتار و گفتار اور نظر سے کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے ان کو تکلیف پہنچے۔

ماں باپ کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے، حاضرین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں (اس کی

صورت یہ ہے کہ) کسی دوسرے کے باپ کو گالی دے تو وہ پلٹ کر گالی دینے والے کے باپ کو گالی دے دے۔ اور کسی دوسرے شخص کی ماں کو گالی دے تو وہ پلٹ کر گالی دینے والے کی ماں کو گالی دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹ از بخاری و مسلم)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گالی دینے والے نے اپنی ماں یا باپ کو تو گالی نہ دی لیکن چونکہ دوسرے سے گالی دلوانے کا ذریعہ بن گیا اس لئے خود گالی دینے والوں میں شمار ہو گیا۔ اس کو حضور انور ﷺ نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ جو شخص اپنے ماں باپ کو خود اپنی زبان سے گالی دے گا ظاہر ہے کہ اس کا گناہ عام کبیرہ گناہوں سے بڑھ کر ہوگا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ماحول کے اعتبار سے یہ بات بڑے تعجب کی معلوم ہوئی کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے۔ ان کے تعجب پر حضور ﷺ نے گالی کا ذریعہ اور سبب بننے والی صورت بتائی جو اس زمانہ میں پیش آسکتی تھی، لیکن ہمارے اس دور میں تو ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنی زبان سے ماں باپ کو گالی دیتے ہیں اور برے الفاظ اور برے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ماں باپ کے لئے دعا اور استغفار کرنے کی وجہ سے نافرماں اولاد کو فرمانبردار لکھ دیا جاتا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ (ایسا بھی ہوتا ہے) کہ بندہ کے ماں باپ وفات پا جاتے ہیں یا دونوں میں سے ایک اس حال میں فوت ہو جاتا ہے کہ یہ شخص ان کی زندگی میں ان کی نافرمانی کرتا رہا اور ستاتا رہا۔ اب موت کے بعد ان کے لئے دعا کرتا رہتا ہے اور ان کے لئے استغفار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ جل شانہٗ اس کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں میں لکھ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۱)

ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ اللہ جل شانہٗ جنت میں نیک بندہ کا درجہ بلند فرما دیتا ہے وہ عرض کرتا ہے کہ اے رب یہ درجہ مجھے کہاں سے ملا ہے؟ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوتا ہے کہ تیری اولاد نے جو تیرے لئے مغفرت کی دعا کی یہ اس کی وجہ سے ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۵ از احمد)

معلوم ہوا کہ ماں باپ کے لئے دعا کرنا بہت بڑا حسن سلوک ہے اور یہ حسن سلوک ایسا ہے کہ جو موت کے بعد بھی جاری رکھا جا سکتا ہے، کم سے کم ہر فرض نماز کے بعد ماں باپ کے لئے دعا کر دیا کرے اس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا، اور ان کو بڑا فائدہ پہنچ جاتا ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا

اور رشتہ دار کو اور مسکین کو دو اور مسافر کو اس کا حق دے دو اور مال کو بے جا مت اڑاؤ، بلاشبہ مالوں کو بے جا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی

اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ

ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے، اور اگر تو اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تو امید رکھتا ہے، ان لوگوں کی طرف سے پہلو تہی

تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ

کرے تو ان سے نرم بات کہہ دینا، اور تو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کی طرف باندھا ہوا مت رکھ، اور نہ اسے بالکل ہی کھول

الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

(ورنہ تو ملامت کیا ہوا خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہے گا، بلاشبہ تیرا رب جس کیلئے چاہے رزق میں فراخی دیتا ہے اور وہ رزق میں تنگی بھی فرماتا ہے، وہ اپنے بندوں

خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾

سے باخبر ہے، دیکھنے والا ہے۔

رشتہ داروں، مسکینوں، مسافروں پر خرچ کرنے اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم، فضول خرچی کی ممانعت

گذشتہ آیات میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا اس حسن سلوک میں مال خرچ کرنا بھی آتا ہے اب ان آیات میں والدین کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور مسکین اور مسافر کو دینے کا حکم فرمایا، ذوی القربیٰ یعنی رشتہ داروں کو اصولی طور پر تو دینا ہی چاہئے۔ کبھی کبھی رشتہ داروں پر مال خرچ کرنا واجب بھی ہو جاتا ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرنے کی فضیلت سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں پر مال خرچ کرنے کا حکم فرمانے کے بعد فضول خرچی اور بے جا مال اڑانے سے منع فرمایا، سخاوت تو شریعت اسلامیہ میں محمود ہے لیکن مال کو ضائع کرنا بے جا اڑانا فضول خرچی کرنا ممنوع ہے، بہت سے لوگ گناہوں میں خرچ کر دیتے ہیں اور بیوی بچوں کی فرمائشوں میں بے جا مال صرف کرتے ہیں اور اس کے لئے اپنے سر قرضے تھوپتے رہتے ہیں جن میں بعض مرتبہ سود کا لین دین بھی کر بیٹھتے ہیں اور اپنی جان کو مصیبت میں ڈال دیتے ہیں ایسے لوگ آیت کریمہ کے مضمون پر غور کریں دیگر آیت میں فرمایا ہے وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اور اسراف نہ کرو بلاشبہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) اور یہاں فضول خرچ کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں (شیطان ہی ان سے فضول مال خرچ کرواتا ہے اور گناہوں میں لگواتا ہے اس کی بات ماننے والے اس کے بھائی ہیں یعنی اللہ کی نافرمانی میں شیطان کی طرح سے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر (ص ۳۶ ج ۳) میں حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ تبذیر یہ ہے کہ حق کے علاوہ دوسری چیزوں میں مال خرچ کیا جائے اور حضرت مجاہدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا سارا مال حق میں خرچ کر دے تو یہ تبذیر نہیں اور ایک مد بھی ناحق خرچ کر دے تو یہ تبذیر ہے۔

مزید فرمایا وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے)

جو لوگ شیطان کی راہ پر چلتے ہیں مال فضول اڑاتے ہیں وہ بھی ناشکرے ہی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا نعمتیں عطا فرمائیں ان کو سوچ سمجھ کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرنا لازم ہے، فرائض و واجبات میں خرچ کرے، نفلی صدقات دے اور گناہوں میں مال نہ لگائے، یہ کتنی بڑی بے وقوفی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو مال عطا فرمایا اسے گناہوں میں لگا دیا یا بیجا خرچ کر دیا، جس نے مال دیا اس کی نافرمانی کی اس سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدردانی یہ ہے کہ ان نعمتوں کو نعمت دینے والے کے حکم کے مطابق خرچ کیا جائے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ذوی القربیٰ اور مساکین اور مسافرین کو دینے کے لئے اپنے پاس مال نہیں ہوتا یا ذرا بہت ہوتا ہے ایسے موقع پر لوگ امیدوار ہوتے ہیں لیکن ان کی مالی خدمت کرنے سے معذوری اور مجبوری ہوتی ہے مگر ساتھ ہی خرچ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ سے یہ امید بھی بندھی ہوئی ہوتی ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ مال آجائے گا ایسے موقعہ پر ان لوگوں سے اچھے الفاظ میں اور نرم لہجے میں معذرت کر لی جائے ان کی سرزنش نہ کرے اور ایسے الفاظ نہ کہے جن سے انہیں دکھ پہنچے، مفسر ابن کثیر فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای عدهم وعدا بسهولة ولين .

لکھتے ہیں کہ حضرت بلالؓ اور خبابؓ (فقرائے صحابہؓ) کبھی کبھی اپنی ضرورت کے لئے آنحضرت ﷺ سے سوال کر لیا کرتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپؐ کے پاس ان کے دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا تھا آپؐ ان کی طرف سے شرم کے مارے اعراض فرما لیتے تھے زبانی طور پر کوئی جواب نہیں دیتے تھے اس پر آیت وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ (الآیۃ) نازل ہوئی۔

پھر فرمایا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ہ (اور تو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کی طرف باندھا ہوا مت رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے ورنہ تو ملامت کیا ہوا خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہے گا) اس آیت میں خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس میں سے مال خرچ کرتا رہے (لیکن گناہوں میں خرچ نہ کرے) اور بالکل ہی ہاتھ روک کر نہ بیٹھ جائے کہ خرچ ہی نہ کرے) اور جب خرچ کرنے لگے تو بالکل پوری طرح ہاتھ نہ کھول دے (کہ سارا مال ختم کر دے) کیونکہ ایسا کرنے سے ملوم بھی ہوگا اور محسور بھی ہوگا، ملوم کا معنی ہے ملامت کیا ہوا اور محسور کا معنی ہے رکا ہوا یعنی عاجز بنا ہوا، جب اپنے پاس کچھ بھی نہ رہے گا تو لوگ ملامت کریں گے جن لوگوں پر خرچ کیا ہے وہ بھی کہنے لگیں گے کہ ایسا بے تکا خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سوچ سمجھ کر خرچ کرنا چاہئے، مال حاجات پورا ہونے کا ذریعہ بھی ہے اور مال کمانے کا ذریعہ بھی جب کچھ نہ رہے گا تو حاجتیں بھی پوری نہ ہو سکیں گی اور آئندہ مال کمانے میں بھی بے بسی ہوگی، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ملوما کا تعلق پہلی بات سے ہے جس کا معنی یہ ہے کہ خرچ کرنے سے ہاتھ روک کر بالکل ہی نہ بیٹھ جائے ورنہ لوگ ملامت کریں گے اور محسورا کا تعلق دوسری بات سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ خرچ کرنے میں اتنی زیادتی نہ کر کہ خود تنگدست ہو کر عاجز ہو کر رہ جائے، آیت کریمہ میں میانہ روی کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور میانہ روی ہمیشہ کام دیتی ہے حدیث شریف میں ہے الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة کہ خرچ میں میانہ روی آدھی معیشت ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۰) یعنی معیشت کی پریشانیوں کا آدھا حل یہ ہے کہ خرچہ میں میانہ روی اختیار کی جائے اور آدھا حل باقی دوسری تدبیروں میں ہے جو فرد یا جماعت اس سے غافل ہے وہ یا تو کنجوسی کی وجہ سے ہمیشہ مصیبت میں رہے گی یا ذرا سی مدت میں سارا مال خرچ کر کے عاجز ہو کر بیٹھ رہے گی، پھر قرضوں پر نظر جائے گی قرضے چڑھ جائیں گے تو انکی ادائیگی کا کوئی راستہ نہ ہوگا، غیر قوموں کی طرف تکیں گے ان سے سودی قرضے لیں گے سود در سود چڑھتا چلا جائیگا جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔

فائدہ: آیت بالا سے پورا مال خرچ کر دینے کی ممانعت معلوم ہوئی یہ عام افراد کے لئے ہے جو خرچ کر کے پچھتانے لگیں اور پریشان ہوں اور پھر دوسروں سے مانگنے لگیں۔ حضرات مفسرین کرامؒ نے فرمایا ہے کہ اہل توکل جو خرچ کر کے نہ گھبرائیں نہ تلملائیں اور اللہ تعالیٰ پر ان کا پورا پورا بھروسہ ہو ایسے حضرات کو اجازت ہے کہ اپنا پورا مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کر دیں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا واقعہ تو مشہور ہی ہے کہ ایک مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ سارا ہی مال لے آئے آپ نے سوال فرمایا کہ تم نے گھر والوں کے لئے کیا باقی رکھا تو حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ ابقیت اللہ ورسولہ (کہ میں ان کے لئے اللہ

اور اس کے رسول کو باقی رکھا)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۶ از ترمذی و ابوداؤد)

آپؐ نے ان کا سارا مال قبول فرمالیا، اور بھی اس طرح دیگر اکابر کے واقعات ہیں، علامہ قرطبی ج ۱ ص ۲۵۰ میں فرماتے ہیں کہ وکان کثیر من الصحابة ینفقون فی سبیل الله جمیع اموالهم فلم یمنعهم النبی صلی الله علیه وسلم ولم ینکر علیهم لصحة یقینهم و شدة بصائرهم، وانما نهی الله سبحانهٗ تعالی عن الافراط فی الانفاق، واخراج ما حوته یداه من المال من خیف علیه الحسرة علی ما خرج من یده فاما من وثق بموعود الله عزوجل و حرمل ثوابه فیما انفقه فغیر مراد بالآیة والله اعلم (یعنی بہت سے صحابۂ کرامؓ اللہ کے راستے میں اپنے کل اموال خرچ کر دیتے تھے اور چونکہ ان کا یقین اللہ تعالیٰ پر مضبوط ہوتا تھا اس لئے حضور ﷺ ان پر نکیر نہیں فرماتے تھے۔ اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے ضرورت سے زیادہ مال خرچ کرنے سے منع کیا ہے وہ نہی اس شخص کے لیے ہے جو مال خرچ کرنے کے بعد کف افسوس ملنے لگے۔ لیکن جس شخص کو انفاق فی سبیل اللہ کے انعام اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر پختہ یقین ہو یہ آیت اس کے بارے میں نہیں ہے)۔

آخر میں فرمایا اِنَّ رَبَّكَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ۝ (بلاشبہ تیرا رب جس کے لئے چاہے رزق میں فراخی دیتا ہے، اور وہ رزق میں تنگی فرما دیتا ہے بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تکوینی نظام بتایا ہے سب اس کے بندے ہیں وہ اپنی حکمت کے مطابق کسی کا رزق زیادہ فرماتا ہے اور کسی کے رزق میں تنگی فرما دیتا ہے وہ خبیر بھی ہے اور بصیر بھی ہے سب کا حال اسے معلوم ہے اس کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے جس کو چاہے جتنا دے اور جس کو چاہے بالکل ہی نہ دے اسے پورا پورا اختیار ہے بندے اپنا کام کریں میانہ روی کے ساتھ اپنی جان پر اپنے اہل وعیال پر اور اقرباء پر اور فقراء و مساکین پر خرچ کریں تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی رہیں اور کچھ لوگوں کی حاجتیں رکی رہیں اور بندے احکام شرعیہ کے پابند ہیں ان کو حکم ہے کہ سارا مال خرچ کر کے اپنے کو پریشانی میں نہ ڈالیں صاحب روح المعانیؒ نے (ص ۲۶ ج ۱۵) میں آیت بالا کی ایک تفسیر بتاتے ہوئے لکھا ہے علی معنی ان البسط والقبض امران مختصان بالله تعالی واما انت فاقتصدوا ترک ماهو مختص به جل وعلا

وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا

اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، انہیں ہم رزق دیں گے، اور تمہیں بھی، بلاشبہ ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے، اور زنا کے پاس

الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ

نہ جاؤ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے، اور اس جان کو قتل نہ کرو، جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا مگر یہ کہ حق کے ساتھ ہو اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں قتل کیا گیا

مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ

تو ہم نے اس کے ولی کے لئے تسلط رکھا ہے سو وہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھے بلاشبہ اس کی مدد کی جائے گی اور تم یتیم کے مال کے

اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا

قریب نہ جاؤ مگر اس طریقہ پر جو بہتر ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے، اور عہد کو پورا کرو، بلاشبہ عہد کی پوچھ گچھ ہوگی اور جب تم

الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

ناپو تو پورا ناپو، اور صحیح ترازو سے تولو یہ بات بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھی ہے۔

اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، زنا کے قریب نہ جاؤ، کسی جان کو بلا شرعی حکم کے قتل نہ کرو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ

ان آیات میں متعدد احکام ذکر فرمائے ہیں، پہلا حکم یہ فرمایا اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ اہل عرب اولاد کو اس وجہ سے قتل کر دیتے تھے کہ ہم اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے؟ جو لوگ تنگدستی میں ایسا کرتے تھے ان کے بارے میں فرمایا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ یہ الفاظ سورہ انعام میں ہیں اور کچھ لوگ اس سے قتل کر دیتے تھے کہ ممکن ہے آئندہ تنگدست ہو جائیں گے ان کے لئے فرمایا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ تم تنگدستی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو۔ یہ سورۂ اسراء کے الفاظ ہیں نیز اہل عرب لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے تاکہ کسی کو داماد نہ بنانا پڑے یہ سب جاہلانہ رسمیں تھیں، زمانہ جاہلیت میں شیطان نے اہل عرب کو ان چیزوں پر ڈالا تھا اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرمایا اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ پرانی جاہلیت اب پھر عود کر آئی ہے دشمنان اسلام نے یہ بات اٹھائی ہے کہ اتنے سال کے بعد تک اگر بچوں کی پیداوار کی شرح اسی طرح رہی جو پورے عالم میں ہے تو زمین چھوٹی پڑ جائے گی اور کھانے پینے کی چیزوں کی کفایت نہ ہوگی لہٰذا ایسی کوششیں جاری کر دی گئی ہیں جو ان کے خیال میں بچوں کی پیدائش روکنے والی ہیں اس کے لئے کئی کئی طرح سے پروپیگنڈہ ہو رہا ہے بھاری بھاری قسمیں خرچ کی جا رہی ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ دشمنان اسلام جو کچھ کہہ دیتے ہیں مسلمان صاحب اقتدار اسے تسلیم کر لیتے ہیں قرآن و حدیث کی تصریحات کو بالکل نہیں دیکھتے قرآن نے اس جہالت کا پہلے ہی جواب دے دیا اور فرمایا نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور انہیں بھی رزق دیں گے) تمہیں کس نے روزی رساں بنایا ہے؟ اور کس نے اللہ کی مخلوق کو رزق دینے کا ٹھیکہ دیا ہے؟ درحقیقت جتنے بھی طریقے تحدید نسل اولاد کے لئے جاری کئے ہیں یہ سب اللہ کی قضا و قدر کے سامنے ناکام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ما من نسمة كائنة الى يوم القيمة الا وهى كائنة (یعنی اللہ کے علم میں قیامت کے دن تک جتنی بھی جانیں پیدا ہونے والی ہیں وہ ضرور پیدا ہو کر رہیں گی) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ما من كل الماء يكون الولد واذا اراد الله خلق شئ لم يمنعه شئ (ہر نطفے سے اولاد نہیں ہوتی اور جب اللہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے کوئی چیز روکنے والی نہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۵) دیکھا جاتا ہے کہ مرد و عورت وادت کو روکنے کے لئے کئی طرح کی چیزیں استعمال کرتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کی تخلیق منظور ہوتی ہے تو ان سب چیزوں کے باوجود استقرار ہو جاتا ہے اور اولاد پیدا ہو جاتی ہے۔

آنے والے انسانوں کے یہی خیر خواہ جو ان کی آمد اور پیدائش کے روکنے کے لئے زور لگا رہے ہیں انہیں وقت سے پہلے آنے والوں کی روزی کی تو فکر ہے لیکن موجودہ انسانوں کی جانوں کا فکر نہیں انہیں جگہ جگہ قتل کرتے ہیں اور قتل کرواتے ہیں اور ایسے ایسے آلات حرب تیار کر رکھے ہیں جو دو چار منٹ میں ہی پورے عالم کی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

دوسرا حکم یوں دیا وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ (اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے) اس میں زنا کی ممانعت فرمائی اور یوں فرمایا کہ اس کے پاس بھی مت پھٹکو اور اسے بے حیائی کا کام بتایا اور بری راہ سے تعبیر

فرمایا، زنا ایسا برا عمل ہے اور ایسی لعنت کی چیز ہے جو کبھی بھی کسی نبی کی شریعت میں حلال نہ تھی بلکہ اسلام کے علاوہ جو دوسرے ادیان ہیں مذہبی طور پر وہ بھی اسے ممنوع سمجھتے ہیں گو یا نفس و شیطان کے ابھارکی وجہ سے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آج جب کہ یورپ اور امریکہ بے حیائی کو بہنہ اور حیا کو عیب سمجھا جانے لگا ہے وہاں زنا کاری بہت عام ہو چکی ہے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں وہ تو حیا کی ہر حد پار کر چکے ہیں اور چونکہ ان کے پادری ہر اتوار کو حاضرین کے ہر گناہ کو معاف کر دیتے ہیں اس لئے خوب دھڑلے سے عوام و خواص زنا کرتے ہیں، جو مسلمان وہاں جا کر بستے ہیں وہ بھی ان بے حیائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہاں رواج کی وجہ سے اتنی زیادہ بے حیائی پھیل چکی ہے کہ بیویاں ہوتے ہوئے زنا کاری میں مبتلا ہوتے ہیں اور شوہر کی رضا مندی سے ایک شخص کی بیوی دوسرے شخص کے ساتھ رات گذارتی ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں۔ میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لئے زینت اختیار کرتے ہیں پھر میں ایسے بدبودار گڑھے پر گزرا جس میں بہت سخت آوازیں آ رہی تھیں میں نے کہا جبرائیل یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کاری کے لئے بنتی سنورتی ہیں اور وہ کام کرتی ہیں جو ان کے لئے حلال نہیں۔ (الترغیب والترہیب ص ۵۱۱ ج ۳)

اس گناہ سے بچانے کے لئے شریعت مطہرہ نے بدنظری تک سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں، اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں اور اس گناہ کی دنیاوی سزا یہ رکھی ہے کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرلے تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرلے تو اس کو سنگسار کیا جائے یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے دنیا میں جو مصیبتیں آ رہی ہیں ان کا بہت بڑا سبب بڑے گناہ بھی ہیں اور ان گناہوں میں زنا کاری کا عام ہونا بھی ہے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے گی قحط بھیج کر ان کی گرفت کی جائے گی اور جن لوگوں میں رشوت کا لین دین ہوگا رعب کے ذریعے ان کی گرفت ہوگی (یعنی دلوں پر رعب طاری ہو جائے گا اور دشمنوں سے ڈرتے رہیں گے) حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی قوم میں (ایک روایت میں ہے کہ جب کسی بستی میں) زنا اور سود کا ظہور ہو جائے تو ان لوگوں نے اپنے جانوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل کر لیا۔ (الترغیب والترہیب ص ۴۷۸ ج ۳)

جب زنا عام ہو جاتا ہے تو حرام کی اولاد بھی زیادہ ہو جاتی ہے نسب باقی نہیں رہتا کون کس کا بیٹا؟ اور کس کا بھتیجا یا بھانجا؟ ان سب باتوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ صلہ رحمی کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اور انسان حیوان محض بن کر رہ جاتا ہے۔ حلالی ہونے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ حرامی ہونے ہی کو مناسب سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں یورپ کے رہنے والوں پر یہ باتیں مخفی نہیں ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت برابر خیر پر رہے گی جب تک ان میں زنا کی اولاد کی کثرت نہ ہو جائے۔ سو جب ان میں زنا کی اولاد پھیل جائے گی تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو عام عذاب میں مبتلا فرما دے گا۔ اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جب زنا ظاہر ہو جائے گا تو تنگدستی اور ذلت کا ظہور ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ص ۴۷۷ ج ۳)

صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ایک خواب مروی ہے (حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب سچا ہوتا ہے) جس میں بہت سی چیزوں کا تذکرہ ہے ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ کا گذر ایک ایسے سوراخ پر ہوا جو تنور کی طرح تھا۔ اس میں جو جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں نظر آئیں ان کے نیچے سے آگ لپٹ آتی تھی جب وہ لپٹ اوپر آتی تھیں تو وہ

چیخنے چلاتے اور فریاد کرتے تھے آپؐ نے اپنے ساتھیوں سے دریافت فرمایا (جن میں ایک جبریل اور ایک میکائیل تھے) یہ کیا ماجرا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ زنا کار مرد اور زنا کار عورتیں ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۴۴۰ و حوفی المشوٰۃ ص ۳۹۵)

جب زنا کی عادت پڑ جاتی ہے تو بڑھاپے میں بھی زنا کرتے رہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ ان سے بات نہ کرے گا اور ان کو پاک نہ کرے گا اور ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا (۱) زنا کار بوڑھا (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) تنگدست متکبر اور ایک حدیث میں ہے کہ تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے، ان میں زنا کار بوڑھے کو بھی شمار فرمایا، اور ایک حدیث میں فرمایا کہ تین شخصوں سے اللہ کو بغض ہے ان میں سے ایک زنا کار بوڑھا بھی ہے۔ (الترغیب ص ۵۲۷ ج ۳)

حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر گھر پر نہیں ہے (اور اس کے غائب ہونے کو اس نے زنا کا ذریعہ بنالیا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر ایک اژدھا مسلط فرمائے گا (الترغیب والترہیب ص ۵۲۹ ج ۳) شوہر گھر پر نہ ہو عورت مرد کی ضرورت محسوس کرتی ہے زنا کاری کا مزاج رکھنے والے ایسی عورت سے جوڑ بٹھا لیتے ہیں ایسے لوگوں کو مذکورہ بالا وعید سنائی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ شوہر اگر گھر پر ہو اور دیوث ہو تو اس کی اجازت سے گناہ حلال ہو جائے گا زنا ہر حال میں حرام ہے۔

اسلام عفت اور عصمت والا دین ہے۔ اس میں فواحش اور منکرات اور زنا کاری اور اس کے اسباب اور دواعی، ناچ رنگ، عریانی وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یورپ کے شہوت پرست انسان نما حیوانوں میں زنا کاری عام ہے محرم عورتوں تک سے زنا کرتے ہیں قانوناً مردوں کو مردوں سے شہوت پوری کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ سے طرح طرح کے بدترین امراض میں مبتلا ہیں۔

ایک حدیث میں بربادی کے اسباب میں سے یہ بھی بتایا جاتا ہے اکتفی الرجال بالرجال والنساء بالنساء (کہ مرد مردوں سے شہوت پوری کرنے لگیں اور عورتیں عورتوں سے)۔ (الترغیب والترہیب ص ۲۶۷ ج ۳)

یورپ والوں کو دیکھا دیکھی مسلمان بھی ان کے کرتوتوں کے ساتھ بنتے جا رہے ہیں اور شہوت پرستوں کو ان کے مقاصد میں کامیاب بنا رہے ہیں سورہ نساء میں فرمایا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا (اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے، اور جو لوگ شہوتوں کا اتباع کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ)

بعض زنا کار عورتوں کی یہ بات سننے میں آئی ہے کہ میرا بدن ہے میں جس طرح چاہوں استعمال کروں۔ یہ تو کفر کی بات ہے قرآن کا مقابلہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے (العیاذ باللہ) زنا کاری سے قرآن کا منع فرمانا صحیح نہیں، درحقیقت بہت سے لوگوں نے یہ سمجھا ہی نہیں کہ ہم بندے ہیں اللہ تعالیٰ خالق ہے اور مالک ہے، سارے بندے اس کی مخلوق ہیں اور مملوک ہیں مملوک کو کیا حق ہے کہ اپنی ذات کو اپنے بارے میں اور اپنے جسم و جان کے بارے میں خود کو مختار سمجھے۔

بہت سے ملکوں میں یہ قانون نافذ ہے کہ زنا بالجبر تو منع ہے لیکن اگر رضامندی سے کوئی مرد عورت سے زنا کر لے تو اس پر نہ کوئی مؤاخذہ ہے اور نہ کوئی سزا۔ بہت سے وہ ممالک جن کے اصحاب اقتدار مسلمان ہونے کے دعوے دار ہیں ان کے ملک میں بھی یہ قانون نافذ ہے اور دشمنوں کے سمجھانے سے یہ قانون پاس کر دیا گیا ہے کہ بیک وقت نکاح میں صرف ایک عورت رہ سکتی ہے لیکن دوستیاں جتنی چاہے رکھ سکتا ہے۔ زنا کاری کو عام کر دینا انجام کے اعتبار سے کیا رنگ لائے گا اس کے بارے میں بالکل کوئی فکر نہیں، مسلمان کو کافر سے کیا جھینپنا؟ اسے تو قرآن و حدیث کے قوانین نافذ کرنا لازم ہے۔

آخر میں ایک حدیث کا ترجمہ لکھ کر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین کی جماعت پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اللہ کرے کہ تم ان چیزوں کو نہ پاؤ۔ (تو طرح طرح کی مصیبتوں اور بلاؤں میں ابتلاء ہوگا)

(۱) جس قوم میں کھلم کھلا طریقہ پر بے حیائی کا رواج ہو جائے گا ان لوگوں میں طاعون پھیلے گا اور ایسے ایسے امراض میں مبتلا ہوں گے جو ان کے اسلاف میں نہیں تھے۔

(۲) اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کو قحط کے ذریعہ پکڑا جانے گا اور سخت محنت اور بادشاہ کے ظلم میں مبتلا ہوں گے۔

(۳) اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ کو روک لیں گے ان سے بارش روک لی جائے گی اور اگر جانور نہ ہوں (بالکل ہی) بارش نہ ہو۔

(۴) اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اور اس کے رسول کے عہد کو توڑ دیں گے ان کے اوپر دشمن مسلط کر دیا جائے گا وہ ان کے بعض اموال لے لیگا۔

(۵) اور جس قوم کے اصحاب اقتدار اللہ کی کتاب کے ذریعے فیصلے نہ کریں گے اور اللہ نے جو چیز نازل فرمائی اس کو اختیار نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں ایسی مخالفت پیدا فرما دے جس کی وجہ سے آپس میں لڑتے رہیں گے۔

(رواہ ابن ماجہ فی باب العقوبات ص ۲۱۲)

تیسرا حکم یہ فرمایا کہ اللہ نے جس جان کو قتل کرنے سے منع فرمایا اسے قتل نہ کرو۔ جس کسی جان کا قتل کرنا شریعت اسلامیہ میں حلال نہیں ہے اس کا قتل کر دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اور اس بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں قتل کی بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت ہے اس کی تفصیلات سورۂ بقرہ کے اکیسویں رکوع میں۔ اور سورۂ نساء کے تیرہویں رکوع میں اور سورۂ مائدہ کے ساتویں رکوع میں گزر چکی ہیں۔

سورہ نساء میں قتل کی وعیدیں بھی مذکور ہیں۔ وہاں ہم نے متعدد احادیث کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے قتل نفس کی حرمت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اور جو شخص ظلماً قتل کیا گیا اس کے ولی کے لئے ہم نے اختیار رکھا ہے سو وہ قتل کرنے میں حد سے آگے نہ بڑھے) کسی کے قتل کر دینے پر جو مذاب ہے وہ آخرت سے متعلق ہے اور دنیا میں جو اس کے بارے میں شرعی احکام ہیں ان کے مطابق مقتول کے ولی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شرعی اصول کے مطابق قتل کا ثبوت ہو جانے پر انہیں حدود پر رہے جو حدود اس کے لئے مقرر کر دی گئی ہیں مثلاً قتل خطا میں دیت کے بجائے قاتل کو قتل نہ کرے اور قتل عمد میں جو شریعت نے قصاص لینے کا اختیار دیا ہے اسے قاتل تک ہی محدود رکھا جائے جوش انتقام میں قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو اس کے اعزہ واقربا میں سے قتل نہ کر دے۔ نیز قاتل کے قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے۔ مثلاً اس کے ہاتھ پاؤں، ناک کان نہ کاٹے، جسے مثلہ کرنا کہتے ہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (بلاشبہ مقتول کے ولی کی مدد ہوگی) یعنی ولی مقتول حد شرعی کے اندر رہتے ہوئے قصاص لے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مدد کی جائے گی۔ یعنی شریعت اسلامیہ اس کی مددگار ہوگی۔ اور اہل ایمان اصحاب اقتدار قصاص دلانے کے لئے راہ ہموار کریں گے اسے قصاص دلائیں گے۔ اس کا دوسرا رخ بھی سمجھ لینا چاہئے اور وہ یہ کہ اگر ولی مقتول حد سے بڑھ گیا تو اب یہ ظالم ہوگا اور

معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ اور اب شرعی قانون میں اس کا مؤاخذہ ہوگا۔

چوتھا حکم یہ فرمایا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے پر جو مستحسن ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اس بارے میں سورۂ نساء کی تفسیر میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

پانچواں حکم یہ دیا کہ عہد کو پورا کرو اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (یعنی عہد کی باز پرس ہوگی) بہت سے لوگ عہد تو کر لیتے ہیں لیکن اس کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اور قصداً عہد کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ دفع الوقتی کے طور پر وعدہ کر لیتے ہیں اور معاہدہ کرتے وقت بھی دل میں عہد توڑنے اور دغا دینے کا ارادہ کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ عہد کی باز پرس ہوگی۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا اور سورۂ مائدہ کی پہلی آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اور سورۂ نحل کی آیت وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ کے ذیل میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کا مراجعہ کر لیا جائے۔

چھٹا حکم:۔ یہ دیا کہ ناپ تول پوری کیا کرو اور ٹھیک ترازو سے تولا کرو۔

آخر میں فرمایا ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا کہ احکام پر عمل کرنا بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھی چیز ہے۔

آیت ہا میں جو احکام مذکور ہوئے سورۂ انعام کے رکوع نمبر ۱۴ میں بھی ذکر فرمائے گئے ہیں وہاں بھی ملاحظہ فرما لیں۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝

اور تو اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہ ہو، بلاشبہ کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال ہوگا،

وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ

اور تو زمین میں اترا تا ہوا مت چل، بے شک تو ہرگز زمین کو پھاڑ نہیں سکتا اور ہرگز پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ نہیں سکتا، یہ سب برے

كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝

کام تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔

جس بات کا پتہ نہیں جس کے پیچھے پڑنے اور زمین پر اتراتے ہوئے چلنے سے ممانعت

یہ تین آیات ہیں پہلی آیت میں اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، اس کی جامعیت بہت سے اعمال کو شامل ہے اس نصیحت پر دھیان نہ دینے کی وجہ سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں معاشرہ میں جو بدمزگی پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کی آبرو ریزی ہو جاتی ہے مختصر الفاظ میں ان سب کی ممانعت آ گئی۔ غلط حدیثیں بیان کرنا خود حدیثیں وضع کرنا جھوٹے راویوں سے حدیثیں لینا اور انہیں آگے بڑھانا کسی بھی شخص کے بارے میں محض اٹکل سے یا سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر کچھ کہہ دینا تہمت رکھ دینا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو دینی اعتبار سے گمراہی کا ذریعہ بنتی ہیں اور دنیاوی اعتبار سے آپس میں بغض اور دشمنی پھیلاتی ہیں صرف گمان سے اٹکل پچو کوئی بات ثابت نہیں ہوتی سورۂ نجم میں فرمایا اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) اور غیبت کرنا تو اس بات کا یقین ہوتے ہوئے بھی حلال نہیں ہے کہ فلاں شخص نے فلاں گناہ کبیرہ کیا یا فلاں شخص میں فلاں عیب ہے پھر بھلا محض اٹکل سے یا خود سے بنا

کسی کے بارے میں یوں کہہ دینا کہ اس نے یوں کیا ہے یا کہا ہے کیسے حلال ہوسکتا ہے؟ صاحب معالم التنزیل تحریر فرماتے ہیں قال قتادہ لا تقل رایت ولم تر سمعت ولم تسمعہ وعلمت ولم تعلمہٗ وقال مجاھد لاترم احدا بما لیس لک بہ علم قال القتبی لا تتبعہ بالحدس والظن وھو فی اللغۃ اتباع الاثر یقال قفوت فلانا اقفوہ وقفیتہ واقفیتہ اذااتبعت اثرہ۔

پھر ارشاد فرمایا اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں باز پرس ہوگی، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو یہ اعضاء دیئے ہیں یوں ہی نہیں دیئے کہ ان کو جیسے چاہیں اور جہاں چاہیں استعمال کریں جس ذات پاک نے عطا فرمائے ہیں اس نے ان سب کے استعمال کرنے کے مواقع بھی بتائے ہیں اور وہ اعمال بھی بتائے ہیں جن سے ان کو محفوظ رکھنا لازم ہے کہاں دیکھے اور کیا بات سنے اور اپنی قوت فکریہ کو کہاں خرچ کرے، ان سب کی تفصیلات احادیث شریفہ میں موجود ہیں، کسی نے چوری کرلی کسی کو ظلماً مارا، حساب غلط لکھ کر یا جھوٹا بل بنا کر خیانت کردی یا کسی ایسے مرد یا کسی عورت سے مصافحہ کرلیا جس سے مصافحہ کرنا جائز نہیں تو اس نے اپنے ہاتھ پاؤں کو غیر شرعی امور میں استعمال کیا، بائیں ہاتھ سے کھایا اور داہنے ہاتھ سے استنجا کیا یہ بھی ہاتھ کا غلط استعمال ہوا، کسی شخص نے گانا سنا یا جوں کی آواز کی طرف کان لگایا غیبتیں سنتا رہا یہ کان کا غلط استعمال ہوا، کسی شخص نے ایسی جگہ نظر ڈالی جہاں دیکھنا نظر ڈالنا ممنوع تھا، بدنظری سے کسی کو دیکھ لیا کسی کے ستر پر نظر ڈالی آنکھوں کو کسی بھی طرح گنہوں میں استعمال کیا تو یہ سب آنکھوں کا غیر جگہ استعمال کیا، حدیث شریف میں ہے کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا نظر کرنا ہے اور کان بھی زنا کرتے ہیں ان کا زنا سننا ہے اور زبان بھی زنا کرتی ہے اس کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور گناہوں کی آرزو کرتا ہے اور اس کی شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کردیتی ہے یعنی موقعہ لگ جاتا ہے تو شرمگاہ گناہوں میں استعمال ہوجاتی ہے ورنہ شرمگاہ کا زنا نہیں پاتا لیکن اس سے پہلے دوسرے اعضاء زنا کرچکے ہوتے ہیں اور ان کا گناہ صاحب اعضاء کے ذمہ پڑ جاتا ہے کیونکہ انہیں اسی نے استعمال کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے لئے چھ چیزوں کے ضامن بن جاؤ میں تمہارے لئے جنت کا ضامن بن جاتا ہوں (۱) جب بات کرو تو سچ بولو (۲) وعدہ کرو تو پورا کرو (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھ دی جائے تو اسے ادا کرو (۴) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو (۵) اپنی آنکھوں کو نیچی رکھو (۶) اپنے ہاتھوں کو (بے جا استعمال سے) روکے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

فُؤَاد ..... دل کو کہتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور بہت بڑا عطیہ ہے جو زندگی کا ذریعہ ہے سورۃ الملک میں فرمایا قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (آپ فرمادیجئے کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں بنائیں اور دل عطا فرمائے تم کم شکر ادا کرتے ہو) یہ دل ہی تو ہے جس کے ذریعے جسم میں خون رواں دواں ہے اور قوت فکریہ سوچ سمجھ ہوش گوش کا آلہ ہے، دل کی جو نعمت عظیمہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس کو بے جا استعمال کرنا غیر شرعی امور میں اس کی قوتوں کو صرف کرنا، گناہوں کے لئے تدبیریں کرنا، یہ سب دل و دماغ کا غلط استعمال ہے اپنی زندگی میں انسان آزاد نہیں ان سب اعضاء کے بارے میں قیامت کے دن باز پرس ہوگی کہ ان کو کہاں لگایا اور کن کاموں میں استعمال کیا یہ اعضاء یہاں دنیا میں تو فرمانبردار ہیں لیکن قیامت کے دن مخالفانہ گواہی دیں گے سورۂ نور میں فرمایا يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف اس عمل کی گواہی دیں گے

جو وہ کیا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو حفاظت اعضاء (از معاصی) کے لئے یہ دعا بتائی اللھم انی اعوذبک من شر سمعی و شر بصری وشر لسانی و شر قلبی وشری منیی (اے اللہ میں آپ سے اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں اور اپنی زبان اور اپنے دل اور اپنی منی کے شر سے پناہ مانگتا ہوں) کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ یہ میرے اعضاء ہیں جیسے چاہوں استعمال کروں تو خود اپنا نہیں ہے تو اور تیرے اعضاء سب اللہ جل شانہٗ کی مخلوق اور مملوک ہیں، میدان آخرت میں کٹ حجتی کام نہ دے گی، اعمال نامہ کھلا ہوا سامنے ہوگا لہٰذا اپنے نفس کو اپنے قلب کو اپنے اعضاء کو پاک اور صاف لے کر جاؤ یہ سب اعضاء اللہ تعالیٰ شانہٗ کا عطیہ ہیں انکے بارے میں باز پرس ہوگی۔

دوسری آیت میں اترا کر اور اکڑ کر چلنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا (کہ تو زمین میں اترا تا ہوا مت چل) اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بے شک تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کی لمبائی کو نہیں پہنچ سکتا) یعنی ایسی چال نہ چل جس سے تکبر اور غرور ظاہر ہوتا ہو کیونکہ یہ ایک احمقانہ فعل ہے تکبر کی چال چلنے والا سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں حالانکہ اللہ کی مخلوق میں اس سے بڑی بڑی چیزیں موجود ہیں زمین ہی کو دیکھ لو جس پر انسان چلتے ہیں انسان اسی کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کو دیکھ لو کہ وہ انسان کے قد سے بہت اونچے اونچے ہیں اترا کر چلنے والا ذرا اپنی ذات کو تو دیکھے پہاڑوں کی درازی تک تو پہنچ ہی نہیں سکتا پھر کیوں تکبر کرتا ہے اور کیا شان دکھاتا ہے اور اکڑ تا ہوا چلتا ہے، سورۂ لقمان میں فرمایا وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (بلاشبہ اللہ ہر اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو اپنے کو بڑا سمجھنے والا ہو فخر کرنے والا ہو) تکبر انسان کے لئے زیبا نہیں، جو ذلیل پانی سے پیدا ہوا جس نے ماں کے پیٹ میں حیض کے خون سے غذا پائی جو آخر میں مردہ نعش ہو کر رہ جائے گا اسے کیا مقام ہے کہ تکبر کرے اترا تا ہوا چلے اور اللہ کی مخلوق کو حقیر جانے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص دو چادریں پہنے ہوئے ناز کے انداز میں چل رہا تھا خود پسندی اختیار کئے ہوئے تھا اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ (صحیح البخاری ص ۴۹۰ ج ۱ ص ۸۶۱ کتاب اللباس مطبوعہ نور محمد)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب میری امت اترا کر چلنے لگے اور فارس روم کے شہزادے ان کی خدمت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ امت کے برے لوگوں کو ان کے اچھے لوگوں پر مسلط فرما دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۹) انسان کے لئے تو اضع ہی بہتر ہے تکبر حرام ہے اور تواضع محبوب چیز ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تواضع اختیار کرے گا اللہ اسے بلند فرما دے گا وہ اپنے نفس میں چھوٹا ہوگا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوگا اور جو شخص متکبر ہوگا اللہ اسے گرا دے گا وہ لوگوں کی آنکھیں میں چھوٹا ہوگا اور اپنے نفس میں بڑا ہوگا لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن اس حالت میں ہوگا کہ صورتیں انسانوں جیسی ہوں گی اور جسم چیونٹیوں کے برابر چھوٹے چھوٹے ہوں گے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی انہیں دوزخ کے جیل خانے کی طرف ہنکایا جائے گا جس کا نام بولس ہے ان لوگوں پر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوئی ہوگی انہیں دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ پلایا جائے گا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۳) حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ تواضع اختیار کرو تا کہ کوئی شخص کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے اور کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۷ از مسلم)

تیسری آیت میں مذکورہ بالا برائیوں کی شناعت اور قباحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ

مکروھًا (یہ سب برے کام تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں) صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ سے یہاں تک جو امور خیر مذکور ہوئے ان کو ترک کرنا اور جن امور سے بچنے کا حکم فرمایا ہے ان کا ارتکاب کرنا یہ سب بری باتیں ہیں تمہارے رب جل شانہٗ کے نزدیک مکروہ ہیں ناپسندیدہ ہیں جس نے وجود بخش پرورش کے اسباب پیدا فرمائے جو اعمال اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں ان کو اختیار کرنا عقلاً بھی قبیح ہے، جو رب جل شانہٗ کو رب نہیں مانتے وہی افعال شنیعہ اور اعمال سیئہ کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ
یہ (احکام) حکمت میں سے ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ ٹھہرائیں ورنہ آپ ملامت کیے ہوئے دھتکارے ہوئے
مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ
جہنم میں ڈالے جائیں گے کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا اور فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنایا بے شک تم
قَوْلًا عَظِيْمًا ۝
بڑی بات کہتے ہو۔

ع

اللہ کے ساتھ معبود ٹھہرانے والوں کے لئے جہنم ہے اور اس کے لئے اولاد تجویز کرنا بہت بڑی بات ہے

آیت سابقہ میں جو احکام بیان ہوئے اول تو ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ سب اس حکمت میں سے ہیں جو اللہ نے آپ پر وحی کے ذریعے بھیجی ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں هذه من الافعال المحكمة التي تقتضيها حكمة الله عز وجل في عباده وخلقها لهم من محاسن الاخلاق والحكمة وقوانين المعاني المحكمة والافعال الفاضلة (تفسیر قرطبی ص ۲۶۴ ج ۱۰)

یعنی یہ وہ محکم افعال ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ بندے انہیں اختیار کریں اور یہ وہ محاسن اخلاق ہیں اور محکم قوانین ہیں اور افعال فاضلہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے مشروع فرمایا ہے۔

اس کے بعد یوں فرمایا ہے اے مخاطب اللہ کے سوا کوئی معبود تجویز نہ کرو ورنہ ملامت کیا ہوا راندہ کیا ہوا دوزخ میں ڈالا جائے گا یہ خطاب ساری امت دعوت اور ساری امت اجابت کو ہے جو کوئی شخص بھی اللہ کے ساتھ شریک کرے گا مستحق مذمت ہوگا اور قیامت کے دن دوزخ میں ذلیل دیا جائے گا، مدحور لغت کے اعتبار سے وہ ہے جو ذلیل ہو اور اس پر پھٹکار پڑی ہو جس کی وجہ سے دور کر دیا گیا ہو چونکہ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا (فرمایا ہے اس لئے محاورہ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ مذمت کیا ہوا راندہ کیا ہوا دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

مشرکین عرب جو طرح طرح کے شرک میں مبتلا تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور اولاد بھی کیا تجویز کی؟ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا یہ سب کچھ انہوں نے شیطان کے سمجھانے سے عقیدہ بنایا جس کی کوئی دلیل ان کے پاس

نہیں تھی اول تو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنا ہی ظلم ہے وہ اولاد سے پاک ہے اولاد اس کی شایاں شان نہیں، پھر اولاد بھی تجویز کی تو بیٹیاں تجویز کیں اپنے لئے انہیں لڑکیاں وارا نہ تھیں بیٹی پیدا ہو جاتی تو اسے زندہ دفن کر دیتے تھے اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرنا جو خود انہیں بھی ناپسند ہیں انتہائی بے تکی کی بات ہے مذکورہ بالا آیتوں میں ان کی حماقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ نے تمہارے لئے بیٹوں کو مخصوص کر دیا اور فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنایا؟ انکم لتقولون قولاً عظیماً (بلاشبہ تم بڑی بات کہتے ہو) یعنی گناہ کے اعتبار سے یہ بہت بڑی بات ہے اور بہت ہی زیادہ بڑی ہے، اس کی شناعت اور قباحت بیان کرتے ہوئے سورۂ مریم میں فرمایا وقالوا اتخذ الرحمٰن ولداً ○ لقد جئتم شیئاً ادًّا ○ تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض و تخر الجبال ھدًّا ○ ان دعوا للرحمٰن ولداً ○ وما ینبغی للرحمٰن ان یتخذ ولداً (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو اولاد اختیار کر لی ہے تم نے یہ ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ○ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ

(ترجمہ) ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ سمجھیں اور یہ ان کی نفرت ہی میں اضافہ کرتا ہے آپ فرما دیجئے کہ اگر اس کے ساتھ اور معبود بھی

كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ○ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

(ترجمہ) ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو انہوں نے عرش والے کی طرف رستہ تلاش کر لیا ہوتا، وہ پاک ہے اور اس سے بہت برتر ہے جو یہ لوگ

كَبِيْرًا ○ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ

(ترجمہ) کہتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیزیں ان میں ہیں سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان

بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ○

(ترجمہ) نہیں کرتی ... ان کی حمد کو نہیں سمجھتے، بلاشبہ وہ حلیم ہے غفور ہے۔

اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے، شرک کرنے والوں کی باتوں سے پاک ہے،
ساتوں آسمان اور زمین اور ہر چیز اس کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہے

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے قرآن مجید میں جو باتیں بیان کی ہیں (جن میں توحید کی دعوت ہے اور اس کے دلائل ہیں شرک کی مذمت اور آخرت کی یقین دہانی ہے اور افعال خیر کی ترغیب ہے اور برے اعمال کی وعیدیں ہیں) ان کو طرح طرح سے بیان فرمایا تاکہ مخاطبین غور کریں سوچیں اور سمجھیں، پھر فرمایا وما یزیدھم الا نفورا اور حال یہ ہے کہ اس قرآن کے بیان سے متاثر نہیں ہوتے وہ تو اور زیادہ متنفر ہوتے جاتے ہیں، یہی قرآن جو غور و فکر اور تدبر والوں کے لئے ذریعہ ہدایت بن گیا معاندین کے لئے بعد اور نفرت کا ذریعہ بن رہا ہے، جن لوگوں کو حق سے بیر ہے وہ قرآن حکیم کو سنتے ہیں لیکن اس کے بیان سے اثر نہیں لیتے حالانکہ مختلف وجوہ سے ان کو سمجھایا جاتا اور طرح طرح سے راہ حق کی دعوت دی جاتی ہے۔

اس کے بعد مشرکین کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ تم جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود تجویز کرتے ہو اپنی اس احمقانہ بات کے بارے میں یوں سوچو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہوتے تو وہ بھی زوردار ہوتے اور اپنے زور کو استعمال کر لیتے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ جو عرش والا ہے اس تک پہنچنے کا انہوں نے کبھی کا راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا یعنی راستہ تلاش کر کے عرش والے تک پہنچ جاتے پھر آپس میں لڑائی ہوتی اور اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مخلوق کا نظام درہم برہم ہو جاتا سب دیکھ رہے ہیں کہ ہزاروں سال سے ایک خاص محکم نظام کے ساتھ سارے عالم کا نظام رواں اور دواں ہے اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو یہ سب بگڑ کر رہ جاتا جب کوئی بھی معارض اور مقابل نہیں ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوا کہ معبود حقیقی ایک ہی ہے اور وہ شرک سے بالاتر ہے وہ وحدہٗ لاشریک ہے لوگ جو شرکیہ باتیں کرتے ہیں وہ ان باتوں سے پاک ہے اور اہل باطل جو بھی کچھ کہتے ہیں اس سے بلند و بالا ہے پھر فرمایا تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ (الآیۃ) اس میں یہ بتایا کہ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے یہ سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں یعنی وہ اس بات کے اقراری ہیں کہ ان کا خالق و مالک ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے وہ اس سے بھی پاک ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو آسمان اور زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے سب اللہ کی مخلوق ہے ان کی تسبیح بتانے کے لئے ارشاد فرمایا وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (یعنی کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ پاک کی تسبیح بیان نہ کرتی ہو) اور ساتھ میں یوں بھی فرمایا کہ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (اور لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو)

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کچھ تو ایسی ہے جو ذی حیات ہے جسے زندہ کہا جاتا ہے ان میں فرشتے اور انسان و جنات ہیں یہ اصحاب فہم ہیں اللہ پاک نے ان کو سمجھ عطا فرمائی ہے، اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو زندہ بھی ہیں اور ان میں فہم بھی ہے لیکن فہم زیادہ نہیں ہے جیسے حیوانات اور چرند و پرند ان میں اتنی سمجھ ہے کہ ضرورت کے لئے کھانیں پئیں بچوں کی پرورش کریں حملہ آور سے بچ کر رہیں اپنے مجازی مالک کی ہدایت پر چلیں، درخت بھی زندہ چیزوں میں شمار کیا جاتا ہے ان میں زندگی تو ہے اور انداز سے معلوم ہوتا ہے سمجھ بھی ہے لیکن حیوانات کی بہ نسبت ان میں کم سمجھ ہے۔

اس تفصیل کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب سمجھنا چاہئے کہ ہر مخلوق کی زبانیں ہیں خود انسانوں کی سینکڑوں زبانیں ہیں ایک علاقہ کے لوگ دوسرے علاقہ کی زبان نہیں سمجھتے فرشتوں کی بھی زبان ہے جس سے آپس میں ہم کلام ہوتے ہیں اور انسانوں کی زبانوں میں سے جو زبانیں انہیں بتائی گئی ہوں الا ماشاء اللہ وہ اسے بھی جانتے ہے بظاہر جنات کی بھی کوئی زبان ہوگی اگرچہ وہ انسانوں کی بھی زبانیں سمجھتے ہیں۔

اسی طرح حیوانات کی زبانیں ہیں بیل اپنی زبان میں بولتا ہے اور اونٹ اپنی زبان میں شیر، گدھا، کتا، طوطا، چڑیا، کوا اور دریائی جانوروں کی اپنی زبانیں ہیں۔

فرشتے، انسان، جنات اپنی اپنی زبانوں میں اور دوسرے حیوانات اپنی اپنی زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں گو انسانوں کی سمجھ میں نہ آئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیوں میں سے ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹی کی پوری بستی کو جلانے کا حکم دیا اللہ جل شانہٗ نے وحی بھیجی کہ تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹا اور تم نے ایک ایسی امت کو جلایا جو تسبیح پڑھتی تھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۶۱)

تفسیر روح المعانی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کا بولنا اللہ کی تسبیح ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب صبح ہوتی ہے تو پرندے اپنے رب

کی تسبیح بیان کرتے ہیں اللہ سے اس دن کی روزی کا سوال کرتے ہیں۔ (روح المعانی ص ۸۴ ج ۱۵)

اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں بظاہر ہمارے دیکھنے میں حیات نہیں ہے لیکن حقیقت میں ان میں بھی ادراک ہے زمین اور پہاڑ اور وہ سب چیزیں جنہیں جمادات کہا جاتا ہے ان کے شعور و ادراک کو ہم نہیں سمجھتے کیونکہ وہ ہم سے بات نہیں کرتے لیکن ان کا اپنے خالق سے مخلوق اور مملوک ہونے کا تعلق ہے وہ اپنے رب تسبیح خواں ہیں سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (اور بلاشبہ بعض پتھر ایسے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں)

فرشتے اور مؤمن انسان اور مؤمن جنات تو اللہ کی تسبیح تو پڑھتے ہی ہیں اس میں کوئی شک نہیں اس کو سب جانتے اور مانتے ہیں اور انسان اور جنات میں جو کافر ہیں ان میں جو کسی بھی دین کے ماننے والے ہیں (یہودی، نصرانی، بدھسٹ، ہندو، آتش پرست وغیرہ) یہ سب بھی خالق جل مجدہٗ کی خالقیت کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے کو اس کا بندہ مانتے ہیں اور اللہ کے سوا جن چیزوں کی پرستش کرتے ہیں ان کو بھی اللہ کی مخلوق مانتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے سامنے عاجز محض ہیں اور اسی لئے جب مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو سب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگاتے ہیں اور صرف اسی سے مانگنے لگتے ہیں اس بات کو سورۂ لقمان میں یوں بیان فرمایا وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ یہ اللہ تعالیٰ کو واحد خالق ماننا اور ساری مخلوق پر اس کی قدرت کو تسلیم کرنا یہ اللہ کی تسبیح بھی ہے تحمید بھی ہے مسلمان ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہونا یہ دوسری بات ہے ابلیس لعین جو سارے کافروں کا سردار ہے اس نے مردود ہونے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیا ہے اور رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ کہا ہے۔ اب وہ لوگ رہ جاتے ہیں جو دہری اور مادہ پرست ہیں جو بظاہر خالق کائنات جل مجدہٗ کے وجود کو نہیں مانتے لیکن یہ ضرور مانتے ہیں کہ یہ عالم کے تصرفات اور چیزوں کا موجود اور معدوم ہونا اور متغیر ہونا کسی صاحب قدرت ذات کی وجہ سے ہے خواہ زبان سے اقرار نہ کریں۔

جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ زمین نرم کیوں ہے، پہاڑ سخت کیوں ہے اور فلاں پہاڑ فلاں جگہ ہی کیوں پیدا ہوا؟ اور فلاں عورت کے لڑکے ہی لڑکے پیدا کیوں ہوتے ہیں؟ فلاں عورت کے نرینہ اولاد کیوں نہیں ہوتی؟ اور فلاں عورت بانجھ کیوں ہے؟ اور مقناطیس صرف لوہے کو کیوں کھینچتا ہے؟ پیتل کو کیوں نہیں کھینچتا اور فلاں درخت کا پھل فلاں شکل و صورت کا کیوں ہے؟ یہ اپنی مذکورہ صورت سے مختلف کیوں نہ ہوا لمبا کیوں نہ ہوا؟ بھاری کیوں نہ ہوا؟ اس کا رنگ ہرا کیوں ہوا؟ کالا کیوں نہ ہوا؟ پھر ان سب چیزوں کے مزے الگ الگ کیوں ہیں؟ گاڑی پیٹرول سے کیوں چلتی ہے؟ اور دوسرے سیال مادہ سے کیوں نہیں چلتی، انسانوں کی صورتیں مختلف کیوں ہیں؟ بکری چھوٹی اور اونٹنی بڑے قد کی کیوں ہے؟ دودھ اور خون اندر آپس میں کیوں نہیں مل جاتے تھنوں سے دودھ ہی کیوں نکلتا ہے، بال مونڈنے کے بعد دوبارہ کہاں سے آجاتے ہیں، پانی سے بھی معدہ پر ہو جاتا ہے لیکن یہ روٹی چاول کا کام کیوں نہیں دیتا، اور اس طرح کے ہزاروں سوالات ہیں جن کا جواب دینے سے مادہ پرست دہریے اور ملحد عاجز ہیں ان کا یہ عاجز ہونا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خالق اور مالک جل مجدہٗ کی قدرت کو مانتے ہیں گو زبان سے نہیں مانتے اور اس عنوان سے نہیں مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے یہ عاجز ہونا ہی ماننا ہے اور یہ خالق و مالک کی تسبیح و تحمید ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تسبیح کی دو صورتیں ہیں ایک تسبیح حالی دوسری تسبیح مقالی تسبیح حالی کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کا اپنا مستقل وجود ہے اور اس کے اپنے ذاتی احوال ہیں جو اس پر گزرتے ہیں یہ اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ وہ اپنے وجود میں اپنے باقی رہنے میں اور اپنے احوال کے مقلب ہونے میں کسی صاحب قدرت ذات پاک کے تابع ہے وجود اور احوال کی شہادت خالق کائنات جل مجدہ کی

تسبیح ہے، اس عموم کے اعتبار سے کائنات کا ہر ذرہ ذرہ ذی روح ہو یا جماد ہو، شجر ہو یا حجر ہو، مؤمن ہو یا منکر سب کے وجود سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید ظاہر ہو رہی ہے، دوسری قسم یعنی تسبیح مقالی وہ ہے جو الفاظ و حروف و کلمات کے ذریعہ ہو، یہ وہ تسبیح ہے جس میں یہ ضروری نہیں کہ انسان بھی انہیں سمجھ جائے اور سن لے آپس کی زبانیں نہیں سمجھ پاتے تو جانوروں کی زبانیں کیا سمجھیں گے اور جمادات کی تسبیح کیا سنیں اور سمجھیں گے۔

سورۂ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ (ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی جو کہ جمع ہو جاتے تھے جن کی وجہ سے مشغول ذکر رہتے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تسبیح کرتے تھے صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۴ از بخاری و صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۵)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے میں اسے پہچانتا ہوں میری بعثت سے پہلے وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا مجمع الزوائد میں بحوالہ طبرانی حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر آواز دیتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ اے فلاں کیا تجھ پر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا ذکر کیا ہو؟ وہ دوسرا پہاڑ جواب دیتا ہے کہ ہاں ایک شخص اللہ کا ذکر کرنے والا میرے اوپر گزرا ہے اس پر وہ سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے **قال الهيثمي روى الطبراني ورجاله رجال الصحيح اھ وهو في حكم المرفوع كما في حاشية الحصن الحصين لانه لا يدرك بالراى**

سورۂ نور میں فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان اور زمین کے درمیان جو چیزیں ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں بلکہ دعا بھی کرتی ہیں اور ہر ایک کو اپنی اپنی تسبیح اور اپنی اپنی دعا کا طریقہ معلوم ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک عالم کے لئے آسمانوں والے اور زمین والے استغفار کرتے ہیں اور مچھلیاں بھی پانی میں اس کے لئے استغفار کرتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴)

صحیح بخاری (ص ۵۰۷) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم یہودیوں سے جنگ کرو گے اور تمہیں ان پر غلبہ دے دیا جائے گا پتھر بھی یوں کہیں گے کہ اے مسلمان یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے تو اسے قتل کر دے البتہ غرقد کا درخت ایسا نہ کرے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔

اور استوانہ حنانہ کا قصہ تو معروف ہی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ دینے کے لئے تشریف لے گئے تو وہ کھجور کا تنہ جس کے پاس کھڑے ہو کر آپ خطبہ دیا کرتے تھے بچے کی طرح رونے لگا آپ منبر سے اترے اور اسے چمٹایا تو وہ بچہ کی طرح روں روں کرنے لگا جیسے بچہ چپکایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس وجہ سے رویا کہ اس کے پاس جو اللہ کا ذکر کیا جاتا تھا اسے سنتا تھا (صحیح بخاری ص ۵۰۶)

ان آیات اور روایات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ہم جن چیزوں کو غیر ذی روح سمجھتے ہیں اللہ کی تسبیح میں اور دعا میں ان کی مشغولیت رہتی ہے، یہ چیزیں ذکر اللہ سے مانوس ہوتی ہیں اہل علم کے لئے استغفار کرتی ہیں اور دشمنان اسلام کے کسی جگہ چھپ جانے کی خبر دینا بھی ان کے اعمال میں شامل ہے۔

قال القرطبی فی تفسیرہ (ج ۱۰ ص ۲۶۸) فالصحیح ان الکل یسبح للاخبار الدالۃ علی ذلک ولو کان ذلک التسبیح تسبیح دلالۃ فای تخصیص لداودؑ وانما ذلک تسبیح المقال بحلق الحیاۃ والانطاق بالتسبیح کما ذکرنا وقد نصت السنۃ علی مادل علیہ ظاھر القرآن من تسبیح کل شئ فالقول بہ اولی واللہ اعلم قلت لکن بقی الاشکال ان الملحدین لا یسبحون باللسان فلا یوجد منھم التسبیح المقالی ووجہ الجواب اما بما ذکرنا من قبل واما تخصیصھم من العموم او تعمیم التسبیح فیشمل الحالی والمقالی ولعل الاولی فیہ ان یلتزم حمل التسبیح علی ماھو الاعم من الحالی والمقالی واجیب بان استثناء اولئک معلوم بقرینۃ السیاق واللحاق (یعنی صحیح یہی ہے کہ ہر شئ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے جیسا کہ اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہے۔ اور اگر یہ تسبیح دلالۃ نہ ہوتی تو اس میں داؤد علیہ السلام کی خصوصیت کیا ہے بلکہ اس سے مراد حیات ونطق کے ساتھ لسانی تسبیح ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور سنت نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے جس پر ظاہر قرآن کی دلالت ہو رہی ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ البتہ ایک اشکال باقی ہے وہ یہ کہ ملحدین زبان سے تسبیح نہیں کرتے لہٰذا ان کی طرف سے تو تسبیح بزبان قال کا وجود نہ ہوا۔ اس کا جواب تو وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا دوسرا جواب یہ ہے کہ من شئ کے عموم سے بعض افراد کو خاص کر لیا گیا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ تسبیح سے مراد عام ہے خواہ بزبان قال سے کی جائے یا بزبان حال سے سب کو شامل ہے)

آیت کے ختم پر فرمایا اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا (بلاشبہ وہ حلیم ہے غفور ہے) اس میں مشرکین کے اس سوال کا جواب ہے کہ ہم غلط راہ پر ہیں تو ہم کو سزا کیوں نہیں مل جاتی، اللہ تعالیٰ حلیم بردبار ہے وہ سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا حکمت کے مطابق جب چاہے گا دنیا میں بھی سزا دے گا اور آخرت کی سزا تو مشرکین کے لئے لازم ہی ہے، وہ غفور بھی ہے اگر شرک سے توبہ کر کے اس کا بھیجا ہوا دین قبول کر لو گے تو وہ سب معاف فرما دے گا۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۙ

اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں

وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ

اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں، اور ہم ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دیتے ہیں اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ پشت

وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَ

پھیر کر نفرت کرتے ہوئے چل دیتے ہیں جس وقت وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کس غرض سے کان لگاتے ہیں جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے

اِذْ هُمْ نَجْوٰۤی اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

ہیں جس کا بھی خوب علم ہے، جبکہ ظالم لوگ یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ اس شخص کا اتباع کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے، دیکھئے آپ کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

سو یہ لوگ گمراہ ہوگئے سو راہ یاب نہیں ہوں گے۔

جو لوگ آخرت کے منکر ہیں ان کے دلوں پر پردہ اور کانوں میں ڈاٹ ہے قرآن کو بدنیتی سے سنتے ہیں اور آپ ؐ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان پر جادہ کر دیا گیا ہے

مشرکین مکہ جو توحید و رسالت اور آخرت کے منکر تھے اور قرآن کو سن کر نہ تدبر کرتے تھے اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے تھے ان کے بارے میں فرمایا کہ جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ ؐ کے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیتے ہیں اس پردہ کی وجہ سے وہ آپ ؐ کی باتوں کو اور آپ ؐ کے مرتبہ کو سمجھ نہیں پاتے اور ہم ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھیں اور ہم ان کے کانوں میں بوجھ ڈال دیتے ہیں (جب کوئی شخص بہرے پن کی وجہ سے بات نہیں سن پاتا تو کہتے ہیں کہ یہ ثقل سماعت کا مریض ہے اس کا یہ محاورہ ترجمہ یہ لکھا گیا کہ ہم ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دیتے ہیں)

جب انسان بار بار کی یاد دہانی پر توجہ نہیں دیتا کھلی کھلی آیات اور واضح معجزات سامنے ہوتے ہوئے حق قبول نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق سننے اور سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق سے محروم کر دیا جاتا ہے اس کو سورۂ صف میں فرمایا فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (سو جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا ہی کر دیا) دنیا میں جو شخص اپنے لئے ہدایت کو اختیار کرے گا اس کو اسی پر مدد کی جائے گی اور اسی کے مطابق اس کے لئے اللہ کی طرف سے آسانی فراہم ہوتی رہے گی اور جو شخص اپنے لئے گمراہی کو اختیار کرے گا اس کے لئے گمراہی کے راستے کھلتے رہیں گے اور آخرت میں ہر شخص اپنے عقائد و اعمال کے اعتبار سے جنت یا دوزخ میں چلا جائے گا۔

قال صاحب الروح قوله تعالى مستورًا اى ذاستر وعن الا خفش انهٗ بمعنى ساترا ومستورا عن الحسن على طاهره ويكون بيانا لانه حجاب معنوى لا حسى و قوله تعالىٰ ان يفقهوه هو مفعول له اى كراهة ان يفقوا على كنهه ويعرفوا انه من عندالله تعالىٰ انتهى بحذف

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ پشت پھیر کر نفرت کرتے ہوئے چل دیتے ہیں) مشرکین کا طریقہ تھا کہ جب قسم کھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ بتوں کی قسم بھی کھا لیتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے تھے لیکن ساتھ ہی ان کے دل بتوں کی عظمت سے بھی لبریز تھے اور زیادہ تر بتوں ہی کا تذکرہ کرتے تھے۔ کبھی بڑی مصیبت میں گھر گئے تو اللہ تعالیٰ کو بھی یاد کر لیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے توحید کی دعوت رکھی تو انہیں یہ بہت ناگوار ہوا آپ ؐ جب قرآن مجید تلاوت فرماتے اور یہ لوگ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک وحدہٗ لاشریک کا ذکر سنتے تو نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے تھے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ (الآیۃ) اور جب قرآن سننے لگتے تھے تو اس کو سمجھنے کو اور اس کی دعوت پر کان دھرنے کے لئے اور قبول کرنے کے لئے نہیں سنتے تھے۔ بلکہ قرآن کی آواز کو دبانے کے لئے بیہودہ باتیں کرتے تھے اور قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کا مذاق بناتے تھے اور آپس میں چپکے چپکے تکذیب کرتے جاتے تھے یعنی قرآن کو جھٹلاتے تھے اور یوں کہتے تھے یہ کہ تم بس ایسے آدمی کا اتباع کرتے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے یعنی اگر تم نے ان کا اتباع کر لیا تو مسحور آدمی کا اتباع کرو گے۔

قال صاحب الروح اى ما تتبعون ان وجدمنكم الا تباع فرضا ان لوگوں کی یہ بات نقل کر کے کہ وہ آپ کو مسحور

بتاتے ہیں ارشاد فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ (آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کے لئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں کبھی ساحر کبھی شاعر کبھی مسحور کہتے ہیں اور کبھی مجنون بتاتے ہیں فَضَلُّوْا (لہٰذا وہ گمراہ ہو گئے راہ حق سے بھٹک گئے) فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (سو یہ لوگ راہ یاب نہیں ہوں گے) کیونکہ قبولیت کی استعداد ضائع کر چکے ہیں۔

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً
اور انہوں نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدائش کی صورت میں اٹھا جائیں گے آپ فرما دیجئے کہ تم پتھر ہو جاؤ
اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ
یا ہو جاؤ کوئی دوسری مخلوق اس مخلوق میں سے جو بن جاؤ جو تمہارے سینوں میں بڑی معلوم ہوتی ہو اس پر وہ کہیں گے کہ ہمیں کون لوٹائے گا آپ فرما دیجئے
الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى
وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا پس وہ آپ کی طرف اپنے سروں کو ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کب ہوگا آپ فرما دیجئے
اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ع
کہ وہ قریب ہو جائے ہی وہ ہے جس دن تمہیں وہ گا سو تم اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کرو گے اور یہ خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے۔

منکرین بعث کا تعجب کہ ریزہ ریزہ ہو کر کیسے زندہ ہوں گے، ان کے تعجب کا جواب کہ جس نے پہلی بار پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ فرمائے گا

گزشتہ آیات میں مشرکین کے انکار وحی کا تذکرہ تھا اور ان آیات میں ان کے انکار بعث کا تذکرہ ہے جب کفار کے سامنے قیامت قائم ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے اور قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہونے اور پیشی اور حساب قائم ہونے کی بات سامنے آئی تو اس کی تکذیب کرنے لگے اور طرح طرح سے حجتیں نکالنے لگے انہوں نے کٹ حجتی کرتے ہوئے یوں بھی کہا کہ جب قبروں میں صرف ہڈیاں ہی رہ جائیں گی اور چورا چورا ہو چکی ہوں گی تو کیا ہم دوبارہ نئے سرے سے زندہ ہوں گے اور قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی، ان کی یہ بات اوپر وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا میں ذکر فرمائی اور اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا بن جاؤ یا کوئی بھی ایسی چیز بن جاؤ جس میں تمہارے نزدیک زندگی آ جانا بہت ہی بعید ہو کچھ بھی بن جاؤ موت کے بعد ضرور اٹھائے جاؤ گے ہڈیاں تو پھر بھی پہلے باحیات تھیں جسے تسلیم کرتے ہو پتھر اور لوہے میں تو تمہارے نزدیک حیات بالکل ہی نہیں اور انہیں قابل حیات سمجھتے ہیں تم یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان سب چیزوں میں زندگی آ سکتی ہے فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا مذکورہ چیزوں کے زندہ ہونے کی قابلیت کی بات سن کر وہ کہیں گے کہ ہمیں دوبارہ کون زندہ کرے گا اس کے جواب میں فرمایا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (آپ فرما دیجئے کہ جس نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا تھا وہی دوبارہ زندہ فرما دے گا) اس نے تمہیں مٹی کے نطفہ سے پیدا فرمایا تھا جسے تم مانتے ہو تو اب اس کی قدرت کا کیوں انکار کرتے ہو جس نے پہلی دفعہ پیدا فرمایا وہ دوبارہ پیدا فرمانے پر بھی قادر ہے بلکہ انسانوں کی سمجھ کے اعتبار سے سوچا جائے تو دوبارہ پیدا فرمانا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے آسان ہونا چاہئے یہ کیسی بھونڈی سمجھ کی بات کرتے ہو کہ جس نے

پہلے پیدا فرمایا وہ دوبارہ پیدا نہ کر سکے قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (الروم ع ۳)

سورۂ یٰسٓ شریف میں فرمایا وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ (اور انسان نے ہماری شان میں مثال بیان کر دی اور اپنی شان مخلوقیت کو بھول گیا وہ کہنے لگا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی) اس کے جواب میں فرمایا قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ (آپ فرما دیجئے کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار زندہ فرمایا تھا اور وہ ہر طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے)

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ابتداءً پیدا کرنے پر بھی ہے اور دوبارہ پیدا کرنے پر بھی ہے جب یہ بات سامنے آ گئی تو امکان وقوع کے انکار کی کوئی وجہ نہ رہی تو اب دوسری طرح انکار کرنے لگے اسی کو فرمایا فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ (تو عنقریب وہ انکار کرتے ہوئے اپنے سروں کو ہلائیں گے اور تکذیب اور استہزاء کے طور پر کہیں گے کہ اس کا وقوع کب ہوگا یعنی قیامت کب آئے گی؟ مطلب یہ ہے کہ ہماری سمجھ میں تو یہ بات آتی نہیں کہ دوبارہ زندہ ہوں گے اور حشر نشر ہوگا اگر ہو بھی تو اب تک ہو چکا ہوتا یہ بھی انسان کی جہالت کی باتوں میں سے ہے کہ اگر کسی سچی خبر کے وقوع میں دیر لگ جائے تو اس دیر لگنے کو امتناع پر محمول کر لیتے اور یوں سمجھتے ہیں کہ اب تک اس کا وقوع نہیں ہوا تو آئندہ کبھی بھی نہیں ہوگا قرآن مجید میں کئی جگہ منکرین کا انکار نقل کیا ہے اور فرمایا ہے وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو) سورہ سبا میں ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے ایک دن کا وعدہ ہے کہ اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے بڑھ سکتے ہو) یعنی قیامت اپنے وقت پر آجانے کی دیر ہے یہ بات نہیں کہ وہ آتی ہی نہیں۔

یہاں سورہ اسراء میں فرمایا قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا (آپ فرما دیجئے کہ وہ عنقریب ہونے والی ہے) یعنی وقوع قیامت میں گو بظاہر دیر لگ رہی ہے لیکن چونکہ اس کو آنا ہی ہے اس لئے وہ قریب ہی ہے جو گزر گیا وہ بھی قریب ہی تھا اور جو آنے والا ہے وہ بھی قریب ہے، سورہ انعام میں فرمایا اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ (بلاشبہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور آنے والی ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی بھاگ کر نہیں جا سکتے)

آخر میں فرمایا یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ یعنی قیامت کا وقوع اس دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں بلائے گا تم اللہ کی حمد کہتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کرو گے (یعنی زندہ بھی ہو گے اور میدان حشر میں بھی حاضر ہونا ہی پڑے گا) اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کاملہ کا اقرار کرتے ہوئے اللہ کی تعریف بھی بیان کرو گے صاحب روح المعانی نے عبد بن حمید سے نقل کیا ہے کہ جب قبروں سے نکلیں گے تو سبحانک اللھم و بحمدک پڑھتے ہوئے نکلیں گے اور کافروں کے منہ سے بھی یہی کلمات نکلیں گے لیکن اس وقت ان کے پڑھنے سے ان کو کوئی نفع نہ ہوگا۔ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا (اور یوں خیال کرو گے کہ تم بہت ہی مختصر سے ہو) یعنی تم یہ خیال کرو گے کہ قبر میں اور دنیا میں زیادہ دن نہیں رہے قیامت کا دن جو ہولناک ہوگا وہ سابق زندگی کو بھلا دے گا اور یوں سمجھیں گے کہ بس اس سے پہلے تھوڑی سی ہی زندگی گزاری ہے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ

اور آپ میرے بندوں سے فرما دیجئے کہ وہ ایسی بات کہیں جو بہتر ہو بلاشبہ شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے بلاشبہ شیطان انسان کا

عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿٥٤﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ

کھلا ہوا دشمن ہے، تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے، اگر وہ چاہے تو تم پر رحم فرمائے یا اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے، اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار

وَكِيْلًا ﴿٥٥﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ

بنا کر نہیں بھیجا، اور آپ کا رب انہیں خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی،

وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿٥٥﴾

اور ہم نے داؤد کو زبور عنایت کی۔

بندوں کو اچھی باتیں کرنے کا حکم، بعض انبیاء بعض انبیاء سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی

ان آیات میں اول تو نبی اکرم ﷺ کو خطاب کر کے یہ حکم دیا کہ آپ میرے بندوں سے فرما دیں کہ وہی بات کہیں جو بہتر ہو، بہتر کے عموم میں نرمی سے بات کرنا اور خیر خواہی کا طریقہ اختیار کرنا اور حکمت موعظت کی وہ سب صورتیں داخل ہیں جن سے مخاطب متاثر ہو سکے اور حق قبول کر سکے چونکہ زمانہ نزول قرآن میں مشرکین اور کفار سے باتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان لوگوں کی طرف سے بے تکے سوال و جواب بھی ہوتے تھے، جن میں سے اوپر کی آیتوں میں بعض باتوں کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور اس سے مسلمانوں کو غصہ آجانے اور اس کی وجہ سے نامناسب صورتحال پیش آجانے کا احتمال تھا اس لئے حکم دیا کہ تبلیغ کرنے میں اچھا طریقہ اختیار کریں سختی بھی نہ ہو بدکلامی بھی نہ ہو۔

جسے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ سے تعبیر فرمایا ہے جو سورہ نحل کے آخری رکوع میں ہے وہاں ہم نے حکمت و موعظت کے طریقے بیان کر دیئے ہیں۔

پھر فرمایا اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ (بلاشبہ شیطان ان کے درمیان فساد ڈال دیتا ہے) یعنی وہ منتظر رہتا ہے کہ کب کسی بات کا بہانہ ملے اور اسے مؤمنین اور کافرین کے درمیان ایسے بگاڑ کا ذریعہ بنا دے جس سے کافرین اور زیادہ بددل ہو جائیں اور ایمان سے مزید دور ہوتے جائیں قال صاحب الروح ای یفسد ویهیج الشربین المؤمنین والمشرکین بالمخاشنة فلعل ذٰلک یؤدی الی تاکدالعنا دو تمادی الفساد

اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا (بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے) جب اس کا یہ حال ہے تو فساد ڈالنے سے کب چوکے گا۔

پھر فرمایا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ یعنی تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے اگر چاہے تم پر رحم فرمائے یا اگر چاہے تم کو عذاب دے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ مسلمان مشرکین سے یہ بات کہیں کہ ایمان کی توفیق دیکر رحم فرمانا یا کفر پر موت دے کر عذاب دینا یہ سب تمہارے رب کی مشیت کے تحت ہے یہ ایک عمومی بات کافروں اور مشرکوں سے کہی جائے تو وہ اس میں غور کریں گے اگر بالتصریح یوں کہو گے کہ تم دوزخی ہو تو ممکن ہے کہ وہ مزید دور کرنے کا ذریعہ بن جائے عام مضمون مؤمنین اور کافرین کے

لئے ہوس میں کوئی بعد نہیں۔

پھر فرمایا وما ارسلنٰک علیھم وکیلا (اور ہم نے آپ کو ان پر نگہ دار بنا کر نہیں بھیجا) صاحب روح المعانی اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کا کام بات پہنچا دینا ہے زبردستی بات منوانا اور اسلام قبول کروانا آپ کے ذمہ نہیں۔ آپ اور آپ کے ساتھی مدارات سے کام لیں اور ان سے جو تکلیفیں پہنچیں انہیں برداشت کریں ثم قال صاحب الروح ھذا قبل نزول اٰیۃ السیف اھ و ھذا لا یحتاج الیہ فی ھذا المقام لان اللین والمداراۃ مرغوب فی مقام الدعوۃ والارشاد اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں اہل ایمان کو خطاب ہے کہ آپس میں میل محبت اخوت اور نرم مزاجی کے ساتھ رہیں اور شیطان کو اپنے درمیان شر و فساد داخل کرنے کا موقعہ نہ دیں۔ (ذکرہ القرطبی ج ۱۰ ص ۲۷۷)

اس کے بعد فرمایا وربّک اعلم بمن فی السمٰوٰت والارض (اور آپ کا رب ان سب کو خوب جانتا ہے جو آسمان میں ہیں اور زمین میں ہیں) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں مشرکین کی اس بات کا جواب ہے کہ ابن ابی طالب کا یتیم تو نبی بن جائے جبکہ اس کے ساتھیوں کے بدن پر کپڑا بھی نہیں اور پیٹ میں روٹی نہیں اور روسا اور اکابر اور سردار (جن کے پاس دولت و ثروت ہے) وہ نبوت سے محروم رہ جائیں یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں سب ہماری مخلوق ہے ہمیں ان کے احوال ظاہرہ اور احوال باطنہ سب معلوم ہیں وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے نبوت سے سرفراز فرما دے اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ اس نے جسے چاہا نبی بنایا اور جسے نبی بنا دیا تم پر اس کی اطاعت فرض ہوگئی وھذا لقولہ تعالٰی فی سورۃ الانعام اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہٗ (اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام بھیجتا ہے) پھر فرمایا ولقد فضّلنا بعض النبیّن علٰی بعض نبوت بھی اللہ نے جس کو چاہی عطا فرمائی اور انبیاء کرام میں جس کو جس پر چاہی فضیلت دی فضیلتوں کی کچھ تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ تلک الرّسل فضّلنا بعضھم علٰی بعض کے ذیل میں گزر چکی ہے واٰتینا داوٗد زبورًا (ہم نے داؤد کو زبور عطا کی)

علامہ بغوی معالم التنزیل (ج ۳/۱۲۰) میں لکھتے ہیں کہ زبور ایک سو پچاس سورتوں پر مشتمل تھی جو دعا اور اللہ تعالیٰ کی ثنا اور تمجید پر مشتمل تھی اس میں فرائض و حدود اور حلال و حرام کے احکام نہیں تھے اصل زبور تو اب سامنے نہیں جس کا مطالعہ کر کے اس کے بارے میں یقینی طور پر کچھ کہا جا سکے ممکن ہے کہ اس میں کچھ احکام ہوں اور اکثر کتاب دعا و ثنا پر مشتمل ہو حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے اور حضرات انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام شریعت موسویہ کے پابند تھے حتی کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے سب سے آخری نبی ہیں انہوں نے بھی بنی اسرائیل سے یوں فرمایا و مصدّقًا لما بین یدیّ من التورٰۃ ولاُحلّ لکم بعض الّذی حُرّم علیکُم اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے بعض احکام میں بحکم الٰہی تغییر کی تھی اور عام احکام ان کی شریعت میں وہی تھے جو شریعت موسویہ میں تھے اس بات کو سامنے رکھا جائے تو اس بات کے سمجھنے میں کوئی بعد نہیں رہتا کہ زبور شریف میں احکام اور حدود فرائض نہ ہوں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ

آپ فرما دیجئے کہ تم انہیں بلاؤ جنہیں تم معبود خیال کرتے ہو سو وہ تمہاری تکلیف کو دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ اس کے بدلنے کا ہے

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ

وہ جنہیں مشرکین پکار رہے ہیں اپنے رب کی طرف ذریعہ تلاش کر رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب

عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود بنا رکھے ہیں وہ کوئی ذرا سی تکلیف بھی دور نہیں کر سکتے
کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا عذاب نہ دیں

مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی پرستش کرتے تھے اور کرتے ہیں ان میں سے بہت سے تو بتوں کے پرستار تھے انہوں نے شیاطین کی صورتیں دیکھ کر مجسمے بنا لئے تھے اور بہت سے لوگ فرشتوں کو اور جنات کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی والدہ کو معبود مانتے تھے جن کی عبادت کی جاتی ہے اسے نفع کے لئے اور دفع مضرت کے لئے پکارا جاتا ہے۔

آیت بالا میں فرمایا کہ تم جن کو اللہ کے علاوہ معبود سمجھتے ہو تمہاری کوئی تکلیف دکھ درد قحط دور نہیں کر سکتے اور یہ بھی نہیں کر سکتے کہ تم سے ہٹا کر کسی دوسرے کو اس میں مبتلا کر دیں اور یہ بھی نہیں کر سکتے کہ ایک تکلیف ہٹا کر دوسری تکلیف پہنچا دیں، جنات ہوں یا فرشتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا ان کی والدہ یا کوئی بھی دیوی دیوتا ہو انہیں کسی ضرر اور شر کے دفع کرنے اور کوئی بھی نفع پہنچانے کی کچھ بھی قدرت نہیں ہے۔ نفع و ضرر پہنچانے کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

جن لوگوں کو اللہ کے سوا نفع و ضرر اور حصول منفعت کے لئے پکارتے ہو وہ تو خود اللہ کے محتاج ہیں وہ اپنے رب کی طرف قریب ہونے کا ذریعہ تلاش کرتے ہیں طاعت و عبادت میں لگے رہتے ہیں اور انہیں یہ فکر رہتی ہے کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہو جائیں (اس سے قرب معنوی مراد ہے) وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں پھر جو لوگ خود ہی اپنے کو خالق جل مجدہٗ کا محتاج سمجھتے ہیں ان سے کیوں مانگتے ہیں؟ جس ذات پاک سے وہ مانگتے ہیں اسی سے تم بھی مانگو۔

صحیح بخاری (ج ۲ ص ۶۸۵) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو جنات کی عبادت کرتے تھے وہ جنات تو مسلمان ہو گئے لیکن ان کی عبادت کرنے والے برابر ان ہی کی عبادت میں لگے رہے اور اپنا دین باطل نہیں چھوڑا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بتوں کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ وہ غیر ذی روح ہیں وہ کسی کی کیا مدد کر سکتے ہیں جو بندے صاحب عقل و فہم ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہے وہ بھی کوئی دفع مضرت نہیں کر سکتے۔

اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ حتی کہ وہ اپنی جانوں کو بھی کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے کما قال اللہ تعالیٰ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (آپ فرما دیجئے میں اپنی جان کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے)

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا (بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ایسا ہے جس سے ڈرا جائے) کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتے (علیہم السلام) اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی راہ پر چلنے والے ان سب حضرات کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی

ہے اس لئے وہ اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اور یہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسا ہے جس سے ڈرنا چاہئے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ سے معلوم ہوا کہ عبادت وطاعت میں مشغول ہوتے ہوئے امید اور خوف دونوں برابر ساتھ رہنے چاہئیں پھر لکھا ہے کہ علماء نے فرمایا ہے کہ یہ صورتحال موت کے وقت سے پہلے ہونی چاہئے اور جب موت آنے لگے تو اپنی امید کو خوف پر غالب کرلے، نیز یہ بھی لکھا کہ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ عبادت کرتے ہوئے عذاب سے بچنے اور رحمت کی امید باندھنے کا جذبہ ہونا کمال عبادت کے خلاف نہیں ہے اور وہ جو بعض عابدین نے کہا ہے کہ میں جنت کی امید اور دوزخ کے خوف سے عبادت نہیں کرتا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں مستحق عبادت ہے اگر جنت اور دوزخ نہ ہوتے تب بھی اس کی عبادت کرنا لازم ہوتا والحق التفصیل وھو ان من قالہ اظھارا للاستعاء عن فضل اللہ تعالیٰ ورحمتہ فھو محطی کافر ومن قالہ لا عتقاد ان اللہ عروجل اھل للعبادۃ لذاتہ حتی لو لم یکن ھناک جنۃ ولا نار لکان اھلا لان یعبد فھو محقق عارف کما لا یخفی۔ (روح المعانی ص ۱۱۰ ج ۱۵)

اس کے بعد فرمایا وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا (اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اسے سخت عذاب نہ دیں) آیت کا مفہوم ظاہر ہے کہ قیامت سے پہلے بہت سی بستیاں ہلاک ہوں گی یعنی ان بستیوں کے رہنے والے اپنی اپنی موت مر جائیں گے اور بہت سی بستیاں اس طرح ہلاک ہوں گی کہ ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جیسے قتل وخون سے ہلاک ہوں اور خواہ مختلف قسم کی مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا ہو کر، قیامت کے دن صور پھونکے جانے سے جو ہلاکت ہوگی وہ بھی اسی ذیل میں آگئی لہٰذا یہ بات عمومی طور پر اور مجموعی حیثیت سے ثابت ہوئی کہ کوئی بھی بستی ایسی نہیں ہے جو ہلاکت عذاب کے یا عذاب کے ذریعے ہلاک نہ ہو كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ میں بھی یہ مضمون ہے کہ ہر جان دار موت آجانا لازم ہے موت تو سب کو آنی ہی ہے البتہ اہل کفر اہل معصیت کو بعض مرتبہ عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا جاتا ہے

ہلاک تو ساری ہی بستیاں ہوں گی البتہ بعض بستیوں کی ہلاکت کا خصوصی تذکرہ بھی احادیث شریفہ میں آیا ہے ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حبشہ والوں کو چھوڑے رکھو جب تک کہ وہ تمہیں چھوڑے رہیں کیونکہ کعبہ کا خزانہ حبشہ ہی کا ایک شخص نکالے گا جس کی چھوٹی چھوٹی پنڈلیاں ہوں گی۔ (رواہ ابوداؤد باب ذکر الحبشۃ کتاب الملاحم)

اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا گویا میں اس کالے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کی ٹانگیں بچی کی وجہ سے پھیلی ہوئی ہوں گی کہ وہ کعبہ شریف کا ایک ایک پتھر کر کے اکھاڑ رہا ہے نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بستیوں میں جو سب سے آخری بستی ویران ہوگی وہ مدینہ منورہ ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۴۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ لوگ مدینہ منورہ کو بہت اچھی حالت میں چھوڑ دیں گے (اس میں کوئی بھی نہ رہے گا) اور اس میں صرف جانور اور درندے رہ جائیں گے جو رزق کی تلاش کرتے پھرتے ہوں گے اور سب سے آخر میں بنی مزینہ کے دو چرواہے آئیں گے وہ اپنی بکریاں لے کر چیختے رہے ہوں گے ان کا یہ سفر مدینہ کے ارادہ سے ہوگا مدینہ میں آئیں گے تو اسے خالی میدان پائیں گے یہاں تک کہ جب ثنیۃ الوداع میں پہنچیں گے تو چہرے کے بل گر پڑیں گے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ اس میں درندوں کو پائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۲)

شارح مسلم علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ آخری زمانہ میں قرب قیامت میں ہوگا پھر فرمایا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا (یہ بات کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے) یعنی یہ امر طے شدہ امور میں سے ہے اس کا وقوع ہونا ہی ہونا ہے اور اس

میں تخلف نہیں ہو سکتا۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً

اور آیت بھیجنے سے ہمیں صرف یہی بات مانع ہے کہ پہلے لوگ اس کی تکذیب کر چکے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی جو بصیرت کا ذریعہ تھی

فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ﴿۵۹﴾

سو انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا اور ہم آیات کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں۔

فرمائشی معجزات ہم صرف اس لئے نہیں بھیجتے کہ سابقہ امتوں نے ان کی تکذیب کی

معالم التنزیل (ج ۳/۱۲۱) اور روح المعانی (ص ۱۰۳ ج ۱۵) بحوالہ حاکم و احمد و نسائی و طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیجئے اور مکہ میں جو پہاڑ ہیں ان کو ہٹا دیجئے تاکہ ہمیں کھیتی کرنے کا موقعہ مل جائے (اگر ایسا ہو جائے تو ہم آپ کی رسالت پر ایمان لے آئیں گے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی بھیجی کہ آپ چاہیں تو میں ان کو ڈھیل دے دوں اور اگر چاہیں تو ان کا سوال پورا کر دوں پھر اگر ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک کر دوں گا۔ جیسے ان سے پہلے (ایمان نہ لانے پر) معجزات خاصہ طلب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عرض کیا کہ اے اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ انہیں ڈھیل دے دیں۔ (ممکن ہے ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں اور ہلاکت سے بچ جائیں) اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت بالا نازل فرمائی اور یہ بتا دیا کہ یہ لوگ جو فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں ایسے معجزات ظاہر کرنے پر قدرت ہے لیکن اس لئے ظاہر نہیں کرتے کہ جیسے پہلے امتوں نے فرمائشی معجزات طلب کئے پھر وہ ظہور میں آ گئے تو اس پر بھی ایمان نہ لائے اور ہلاک کر دیئے گئے اگر اس امت کے سامنے بھی فرمائشی معجزات ظاہر کر دیئے جائیں پھر ایمان نہ لائیں تو تکوینی قانون کے مطابق یہ بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے جیسا کہ سابقہ امتوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے (جو معجزات اب تک ظاہر ہو چکے ہیں طالب حق کے لئے وہ کافی ہیں) اور یہ امت محمدیہ ﷺ پر مہربانی ہے کہ ان کو ڈھیل دی جا رہی ہے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں کئے جاتے تاکہ تکذیب کے جرم میں جلدی ہلاک نہ ہو جائیں۔

اس کے بعد بطور مثال قوم ثمود کی اونٹنی کا تذکرہ فرمایا وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا (اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو بصیرت کا ذریعہ تھی سو ان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا) قوم ثمود نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکل آئے تو ہم ایمان لے آئیں گے جب ان کی فرمائش کے مطابق پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی اور انہیں بتا دیا گیا کہ ایک دن یہ پانی پئے گی اور ایک دن تمہارے مویشی پانی پئیں گے تو ان لوگوں نے اس اونٹنی پر ظلم کیا اور اسے قتل کر ڈالا لہٰذا ان پر عذاب آ گیا اور ہلاک کر دیئے گئے حالانکہ ان پر لازم تھا کہ جب ان کی فرمائش پوری کر دی گئی اور پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی تو فوراً ایمان لے آتے؟ چونکہ ثمود عرب ہی سے تھے اور ان کے مکانات (جو انہوں نے پہاڑوں میں بنا رکھے تھے) ملک شام کو جاتے ہوئے قریش مکہ کی نظروں کے سامنے آتے رہتے تھے اس لئے فرمائشی معجزہ طلب کر کے ہلاک ہونے والوں کی مثال میں ان کا تذکرہ فرمایا۔

آخر میں فرمایا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا (اور ہم آیات کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں) یعنی فرمائشی معجزات جو پہلی امتوں میں ظاہر ہوئے ہیں ان کا مقصود ڈرانا تھا کہ دیکھو معجزہ ظاہر ہوگا اور فرمائش کرنے والے ایمان نہ لائیں گے تو ہلاک کر دیئے

جائیں گے چنانچہ وہ لوگ ایمان نہیں لاتے تھے اور ہلاک کر دیئے جاتے تھے اور چونکہ اس امت کے ساتھ ایسا نہیں کرتا اس لئے ان کی فرمائش کے مطابق معجزات خاصہ نہیں کئے جاتے قال صاحب الروح (ج ۱۰۴/۵) والمراد بها اما المقترحة فالتخويف بالاستئصال لاندارها به فی عادة الله تعالی ای مایرسلها الاتخویفا من العذاب المستاصل کالطبلعة فان لم یحافوا فعل بهم ما فعل

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس آخری جملہ سے یہ عام چیزیں مراد ہیں جو کبھی کبھی ظاہر ہوتی رہتی ہیں جیسے چاند اور سورج کا گرہن ہونا اور سرخ اور پیلی کا ظاہر ہونا اور آندھیوں کا آنا اور زلزلوں کا پیش آجانا وغیرہ وغیرہ ان حضرات کے قول کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ عام طور پر جو ہم نشانیاں بھیجتے ہیں ان کا مقصود ڈرانا ہی ہوتا ہے لوگ ان سے عبرت حاصل کریں اور حق قبول کریں اور حق پر جمے رہیں۔

وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

اور جب ہم نے آپ سے کہا بلاشبہ آپ کا رب سب لوگوں کو محیط ہے اور ہم نے جو نظارہ آپ کو دکھایا اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون بتایا ہے دونوں

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝

چیزیں صرف ان لوگوں کے لئے تھیں جو آزمائش میں ڈالے جائے اور ہم انہیں ڈراتے ہیں یہ ڈرانا ان کی سرکشی میں اضافہ ہی کرتا ہے۔

آپ کے رب کا علم سب کو محیط ہے، آپ کی رؤیا اور شجرۂ ملعونہ لوگوں کے لئے فتنہ میں پڑنے کا سبب ہیں

اس آیت میں اول تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے یوں فرمایا کہ آپ وہ وقت یاد کریں جب ہم نے آپ کو یہ بتایا کہ آپ کا رب اپنے علم کے اعتبار سے سب لوگوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے اسے سب احوال ظاہرہ باطنہ، گزشتہ موجودہ اور آئندہ سب کا علم ہے انہیں احوال میں سے یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ ایمان نہ لائیں گے اور بہت سے لوگ ایمان لا کر بعض آزمائش کی باتوں میں مبتلا ہو کر ایمان پر جمنے کی بجائے ایمان سے پھر جائیں گے۔

اس کے بعد یوں فرمایا کہ ہم نے جو کچھ آپ کو عجیب چیزیں دکھائیں اور قرآن میں جو ایک ملعون درخت کا ذکر کیا ہے یہ دونوں چیزیں لوگوں کی آزمائش کے لئے ہیں کہ ان کو سن کر کون ایمان قبول کرتا ہے اور کون کفر ہی پر جما رہتا ہے اور کون ایمان قبول کرنے کے بعد کفر میں واپس چلا جاتا ہے۔

لفظ رؤیا عربی زبان میں رؤی سے فعلیٰ کا وزن ہے یہ صیغہ عام طور سے خواب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور بعض مرتبہ بیداری میں دیکھنے کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے۔ آیت بالا میں جو لفظ رؤیا آیا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے اور الشجرة الملعونة سے زقوم کا درخت مراد ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲)

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں معراج ہوئی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچے وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی پھر آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقاتیں ہوئیں البیت المعمور

کو ملاحظہ فرمایا سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا وغیرہ وغیرہ پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے راستے میں قریش کا ایک قافلہ بھی ملا جب آپ نے صبح کو اپنے سفر کا تذکرہ فرمایا اور سفر کے مرئیات اور مشاہدات بیان فرمائے تو بعض وہ لوگ جو ایمان قبول کر چکے تھے مرتد ہو گئے اور قریش مکہ کو بڑا تعجب ہوا کہ ایک رات میں کوئی شخص اتنی دور جا کر کیسے واپس آ سکتا ہے لہٰذا انہوں نے تکذیب کر دی پھر بیت المقدس کی نشانیاں آپ سے معلوم کرنے اور شامی جواب ملنے اور تجارتی قافلہ کے واپس پہنچنے سے جس کے آنے کی آپ نے خبر دی تھی قریش کا منہ بند ہو گیا لیکن جن کی قسمت میں ایمان چھوڑنا تھا انہوں نے ایمان چھوڑ دیا۔ معراج کی رات کی جو باتیں آپ نے بیان فرمائیں باشبہ وہ فتنہ تھیں یعنی ان میں آزمائش تھی جو بعض لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب بھی بن گئی (بعض افراد نے فقط فتنہ کو یہاں گمراہی کے معنی میں لیا ہے)

اور الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ سے زقوم کا درخت مراد ہے جو دوزخیوں کی غذا ہوگی جس کا ذکر سورۂ صٰفّٰت میں بھی ہے اور سورۂ واقعہ میں بھی سورۂ صٰفّٰت میں فرمایا ہے کہ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ (بے شک ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے سبب امتحان بنایا) یہ درخت دوزخیوں کو کھانے کو ملے گا اور بھوک کی وجہ سے باوجود گوارى کے پیٹ بھر کے کھائیں گے پھر اوپر سے کھولتا ہوا گرم پانی پئیں گے جیسا کہ سورۂ واقعہ میں بیان فرمایا ہے یہ درخت صورت میں سانپوں کے پھنوں کی طرح ہوگا اور دوزخ کی تہہ سے نکلے گا (کما فی سورۃ الصّٰفّٰت) اور بدمزہ اس قدر ہوگا کہ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام دنیا والوں کی روزی بگاڑ کر رکھ دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۳)

جب رسول اللہ ﷺ نے اس درخت کا تذکرہ فرمایا تو قریش مکہ مذاق اڑانے لگے۔ ابوجہل نے کہا کہ ان کو دیکھو یہ کہتے ہیں کہ تم دوزخ میں ڈالے جاؤ گے اور کہتے ہیں کہ اس میں ایسی آگ ہوگی جو پتھروں کو جلا دے گی پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں سے درخت بھی نکلے گا درخت کو تو آگ جلا دیتی ہے وہاں درخت کیسے ہوگا؟ وہاں عبداللہ بن زبعری بھی تھا جو اس وقت مشرک تھا اس نے کہا کہ محمد (ﷺ) ہمیں زقوم سے ڈراتے ہیں ہمارے نزدیک تو زقوم یہی مکھن اور کھجور ہے، ابوجہل کہنے لگا کہ اے لونڈی ہمیں زقوم کھلا دے وہ مکھن اور کھجوریں لے آئی تو کہنے لگا آؤ ہو ہمیں زقوم کھلا جس سے محمد (ﷺ) تم کو ڈراتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زقوم کی کیفیت سورۂ صٰفّٰت میں بیان فرمائی۔ (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۲۲)

زقوم درخت کو جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے دوزخیوں کے عذاب کے ذیل میں فرمایا تھا اسے مشرکین نے کھجور اور مکھن پر محمول کر لیا اور مذاق بنا لی۔ جس سے مزید غرمیں ترقی کر گئے لہٰذا واقعہ معراج کی طرح زقوم کا تذکرہ بھی لوگوں کے لئے موجب فتنہ بن گیا۔

درخت زقوم کو جو ملعونہ فرمایا ہے اس کے بارے میں علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ اہل عرب کھانے کی ہر مکروہ چیز کو طعام ملعون کہتے تھے لہٰذا زقوم کو شجر ملعونہ فرما دیا۔

آخر میں فرمایا وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا (یعنی ہم ان کو ڈراتے ہیں آخرت کے عذاب کی خبریں سناتے ہیں لیکن وہ الٹا اثر لیتے ہیں اور ان کی سرکشی اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے)۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝

(اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے نہیں کیا، وہ کہنے لگا کہ میں اسے سجدہ کروں جسے آپ نے مٹی سے بنایا ہے)

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ

اس نے کہا کہ آپ ہی بتائیے یہ جسے آپ نے مجھ پر فوقیت دی ہے اگر آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دی تو میں تھوڑے سے افراد کے علاوہ اس کی پوری ذریت کو

اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ

اپنے قابو میں کرلوں گا۔ فرمایا جا ان میں سے جو کوئی شخص تیرے پیچھے چلے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے جو پوری سزا ہوگی، اور ان میں سے جس جس پر

اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ

تیرا قابو چلے اپنی پکار سے ان کے قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لانا اور ان کے اموال اور اولاد میں اپنا ساجھا کر لینا اور ان سے

وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۚ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝

وعدے کرنا اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے دھوکہ ہی ہوتے ہیں، (اے شیطان) میرے بندوں پر تیرا زور نہ چلے گا اور آپ کارساز ہونے کے لئے کافی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم سننے پر ابلیس کا جواب دینا کیا میں اسے سجدہ کروں جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے؟ پھر بنی آدم کو بہکانے کا عزم ظاہر کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ جن پر تیرا قابو چل سکے ان پر قابو کر لینا

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جنات کو انسانوں سے پہلے پیدا فرمایا تھا جنات کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی اور آدم کو (جو سارے انسانوں کے باپ ہیں) مٹی سے پیدا فرمایا ابلیس جنات میں سے تھا یہ عالم بالا میں فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور عبادت الٰہی اس کا شغل تھا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آدم علیہ السلام میں روح ڈالنے کے بعد تمام فرشتوں کو اور ابلیس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں (یہ سجدہ تعظیمی تھا جو سیدنا حضرت محمد ﷺ کی شریعت میں منسوخ ہے) یہ حکم سن کر سارے فرشتوں نے تو آدم کو سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سوال فرمایا ما منعك ان تسجد اذ امرتك (کہ تجھے سجدہ سے کیا چیز مانع تھی جب میں نے تجھے سجدہ کا حکم دیا) اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کو غلط بتا دیا اور اعتراض کر بیٹھا، کہنے لگا کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا میں اس سے افضل ہوں آپ نے اسے مجھ پر فضیلت دے دی اسے مسجود بنا دیا اور مجھے حکم دے دیا کہ میں اسے سجدہ کروں افضل اپنے سے کمتر کو سجدہ کیوں کرے؟ آپ کا یہ حکم دینا ہی حکمت کے خلاف ہے ابلیس کی حکم عدولی بے ادبی اور بدتمیزی کی وجہ سے اسے اللہ نے ملعون قرار دے دیا اور عالم بالا سے ذلت کے ساتھ نکالا گیا۔ (جس کی تفصیل سورۂ اعراف رکوع ۲ میں اور سورۂ ص رکوع ۵ میں مذکور ہے) جب شیطان مردود ہو گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے اول تو قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت طلب کی اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے ایک وقت معلوم کے دن تک مہلت دے دی اب تو وہ اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہوں (یہ تفصیل سورۂ ص میں ہے) یہاں سورۂ بنی اسرائیل میں یوں ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان و حکمت کے خلاف بتانے کے بعد یوں کہا۔ لئن اخرتن الی یوم القیمة لاحتنکن ذریته الا قلیلا (آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دی تو میں اس کی ساری ذریت کو بجز تھوڑے سے افراد کے اپنے قابو میں کر لوں گا) یہ وہی تھوڑے سے افراد ہیں جن کا استثناء سورۂ حجر اور سورۂ ص میں مذکور ہے ابلیس نے الا

عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ کہہ کر ان کا استثناء کر دیا تھا اس نے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور منتخب بندوں کو گمراہ کرنے سے اسی وقت ہار مان لی تھی جب اس نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ ابلیس کو یہ معلوم تھا کہ یہ نئی مخلوق جو پیدا کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں خلافت دینے کے لئے وجود بخشا ہے لہٰذا ان میں ایسے افراد ضرور ہوں گے جو کار خلافت سنبھالیں گے اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوں گے۔

جب شیطان نے بنی آدم کو بہکانے کی قسم کھالی تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ جا اپنی کوششیں کر لینا جو لوگ تیرے پیچھے لگیں گے وہ اور تو سب کو جہنم میں داخل کر دوں گا سورۂ صٓ میں فرمایا لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (یہ بات ضروری ہے کہ تو اور تیرے پیچھے چلنے والے سب کو دوزخ میں بھر دوں گا) اور یہاں سورۂ اسراء میں فرمایا فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا (تو اور جو لوگ تیرا اتباع کریں سب کی سزا جہنم ہے یہ جزا پوری اور بھرپور ہوگی)

اللہ جل شانہٗ نے مزید فرمایا وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ کہ تجھ سے جو کچھ ہو سکے اپنی کوشش کر لینا ان کے بہکانے اور ورغلانے کے لئے آواز لگانا ان پر سوار اور پیادے چڑھا کر لے آنا (یہ عرب کا محاورہ تھا جب کسی پر پوری قوت کے ساتھ کوئی شخص حملہ آور ہوتا تو کہا جاتا تھا کہ اس نے اپنے سوار اور پیادے لے کر چڑھائی کر دی) تفسیر قرطبی میں اول تو یہ معنی لکھا ہے اجمع عليهم كلما تقدر عليهم من مكائدك یعنی جتنے بھی فریب اور مکر تجھ سے ہو سکیں سب کو اختیار کر لینا اور پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو بھی گھوڑے اللہ کی معصیت میں چلیں اور جو بھی کوئی قدم اللہ کی نافرمانی میں اٹھے اور جو بھی حرام مال مل جائے اور جو بھی حرام کی اولاد ہو سب شیطانی چیزیں ہیں۔

قال الراغب فى مفرداته قوله تعالى (لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا) يجوز ان يكون من قولهم حنكت الدابة اصبت حنكها بالجام والرسن فيكون نحو قولك لا لجمن فلانا ولا رسننه ويجوز ان يكون من قولهم احتنك الجراد الارض اى استولى بحنكه عليها فاكلها واستاصلها فيكون معناه عليهم استيلائه على ذلك.

فى روح المعانى و استفززاى واستخف يقال استفره اذا استخفه فخدعه واوقعه فيما اراده منه اھ وفى تفسير القرطبى واستفززاى استزل واستخف واصله القطع والمعنى استزله بقطعك اياه عن الحق.

علامہ قرطبی اپنی تفسیر (ج ۱۰/۲۸۸) وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ کے ذیل میں لکھتے ہے کہ ہر وہ آواز جو اللہ کی نافرمانی کی طرف بلائے وہ سب شیطان کی آواز ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ گانا بجانا اور گانے بجانے کی آوازیں یہ سب شیطان کی آوازیں ہیں لوگوں کو بہکانے اور ورغلانے اور راہ حق سے ہٹانے اور نماز و ذکر سے غافل کرنے کے طریقے جو شیطان اختیار کرتا ہے ان میں گانا بجانا بھی ہے۔ جن لوگوں کو شیطانی کام پسند ہوتے ہیں ان کو گانے بجانے سے بہت محبت ہوتی ہے اور شیطانی کاموں میں ایسی چیزوں کی بہتات ہوتی ہے۔ ہندوؤں کے مندروں اور عیسائیوں کے گرجوں میں گانا بجانے کی چیزوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے جب کوئی مداری تماشا دکھاتا ہے تو گانے بجانے سے شروع کرتا ہے سینماؤں میں اور ٹی وی پر اور ریڈیو پر گانے بجانے کے پروگرام آتے رہتے ہیں لوگ ان سے بہت خوش ہیں۔ بچے بوڑھے جوان سب ہی گانے بجانے کے دلدادہ بن جاتے ہیں۔

بہت سے لوگ راتوں رات جاگتے ہیں اور قوالی سنتے ہیں جس میں ہارمونیم وغیرہ استعمال ہوتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ یوں

کہتے ہیں کہ قوالی کی محفل میں شریک ہونا ثواب ہے کیونکہ اس میں نعتیہ اشعار پڑھے جاتے ہیں خدارا انصاف کریں کہ یہ راتوں کا جاگنا (پھر صبح کو فجر کی نماز ضائع کرنا) نعت نبی سننے کے لئے ہے یا نفس کو ساز اور ہارمونیم کے ذریعے حرام غذا دینے کے لئے اور شیطان کو خوش کرنے کے لئے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا امر نی ربی بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلیب وامر الجاھلیۃ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۸) یعنی میرے رب نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ گانے بجانے کے آلات کو اور بتوں کو اور صلیب کو (جسے عیسائی پوجتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں۔

کیسی نادانی کی بات ہے کہ حضور اقدس ﷺ جن چیزوں کے مٹانے کے لئے تشریف لائے ان ہی چیزوں کو حضور اقدس ﷺ کی نعت سننے کے لئے استعمال کرتے ہیں پھر اوپر سے ثواب کی امید بھی رکھتے ہیں نفس و شیطان نے ایسا غلبہ پایا ہے کہ قرآن و حدیث بتانے والوں کی بات ناگوار معلوم ہوتی ہے۔

مزید فرمایا و شارکھم فی الاموال (اور ان کے اموال میں شریک ہو جا) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تو بنی آدم کو اس پر ابھار کہ وہ حرام مال کمائیں اور حرام مواقع میں یعنی اللہ کی نافرمانیوں میں مال خرچ کریں اور حرام حلال مال کما کر اللہ کی نافرمانی میں خرچ کردیں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ایسی باتیں سمجھا کہ وہ تیرے کہنے کے مطابق اپنے اموال میں تحریم اور تحلیل اختیار کریں جیسے مشرکین عرب نے مویشیوں میں بعض کو حلال اور بعض کو حرام قرار دے رکھا تھا اور بہت سے جانوروں کو اپنے باطل معبودوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ چونکہ شیطان کی تلقین اور تعلیم سے ایسا کرتے تھے اس لئے یہ سب مال شیطان کے حساب میں لگ گیا اور وہ ان مالوں میں ساجھی ہو گیا۔

والاولاد (یعنی تو ان کی اولاد میں شریک ہو جا) اولاد میں شریک ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دو باتیں منقول ہیں ایک تو یہ کہ وہ تیرے کہنے سے اپنی اولاد کو قتل کریں گے اور اولاد کے بارے میں ایسے ایسے اعمال کریں گے جو اللہ کی شریعت میں معاصی میں شمار ہوں گے دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے عبدالحارث عبدالعزیٰ عبدالعزیٰ عبدالشمس وغیرہ نام رکھنا مراد ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ تو بنی آدم کی اولاد کو شرک اور کفر پر ڈال دے یعنی ماں باپ ایسی باتیں سمجھائیں کہ وہ اپنی اولاد کو کفر سمجھائیں اور پڑھائیں اور اس پر جمائیں۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے یوں فرمایا کہ جب کوئی شخص عورت سے جماع کرنے لگے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو جن اس کے عضو خاص کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور اس کے ساتھ جماع کرتا ہے (اس سے جو اولاد پیدا ہوگی اس میں شیطان کی شرکت ہو جائے گی کیونکہ انسانی مرد کے نطفے کے ساتھ اس کا نطفہ بھی رحم میں چلا گیا) یہ اقوال علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں نقل کئے ہیں۔ (ج ۸۹/۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے سوال فرمایا کیا تمہارے اندر مغربون دیکھے گئے ہیں میں نے عرض کیا مغربون کون ہیں؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن میں جنات شریک ہو جاتے ہیں شریک ہونے کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں ایک اور مطلب بھی لکھا ہے کہ شیاطین انسانوں کو زنا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ پھر اس زنا سے جو اولاد ہوتی ہے وہ چونکہ حرامی ہوتی ہے اس کا وجود اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے یوں ہی ہوتا ہے کہ وہ زنا پر ابھارتا ہے اس لئے اس اولاد میں اس کی شرکت ہوگی۔ (مرقاۃ ج ۳۶۷/۸)

آکام المرجان ج ۱/۷۷ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مخنث (پیدائشی ہیجڑے) جنات کی اولاد ہوتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ یہ کس طرح ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حالت حیض میں جماع کرنے سے منع فرمایا ہے سو اگر کوئی شخص حالت حیض میں جماع کرلے تو اس سے پہلے شیطان جماع کر لیتا ہے پھر اس سے جو حمل ہو جاتا ہے اس سے مخنث پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس آنے کا ارادہ کرے (یعنی جماع کرنا چاہے) اور اس سے پہلے یہ پڑھے۔ بسم اللہ اللّٰھم جنبنا الشیطان و جنب الشیطان ما رزقتنا (میں اللہ کا نام لے کر یہ کام کرتا ہوں اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہم کو دے اس سے (بھی) شیطان کو دور رکھ) تو اس دعا کے پڑھ لینے کے بعد اس وقت کی ہم بستری سے جو اولاد پیدا ہوگی شیطان اسے کبھی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ (بخاری و مسلم)

یہ جو فرمایا کہ اگر مذکورہ بالا دعا پڑھ لی جائے اور اس وقت کا جماع حمل قرار ہونے کا ذریعہ بن جائے تو اس سے جو اولاد پیدا ہوگی اسے شیطان کبھی ضرر نہ دے سکے گا حدیث کی شرح لکھنے والوں نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں ان میں سے ایک مطلب یہ ہے کہ بچہ مرگی اور دیوانگی سے محفوظ رہے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شیطان اس نومولود کے دین پر حملہ نہ کر سکے گا اس کی زندگی مسلمانوں والی ہوگی اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح)

پھر فرمایا وَعِدْهُمْ یہ بھی ابلیس کو خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو بنی آدم سے وعدے کرنا مثلاً یہ بتانا کہ باطل معبود سفارش کر دیں گے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کئے بغیر نسب سے کام چل جائے گا اور یہ کہ کافر مشرک کا داخلہ دوزخ میں ہمیشہ کے لئے نہ ہوگا اور یہ کہ دنیا کی زندگی بہت بڑی ہے اس میں گناہ ہو بھی جائے میں اعمال صالحہ کو دیکھ جائے گا اور یہ کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا نہیں ہے (وغیرہ وغیرہ) ضروری نہیں کہ شیطان سب سے ایک ہی قسم کے وعدے کرتا ہو جس طرح موقعہ دیکھتا ہے الگ الگ وعدے کرتا ہے امیدیں دلاتا ہے اور راہ حق سے ہٹاتا ہے کافروں کے بہکانے اور غرور جمائے رکھنے کے طریقے اور ہیں اور اہل ایمان کو ایمان سے ہٹانے اور فرائض و واجبات سے غافل رکھنے اور اعمال صالحہ سے دور رکھنے کے طریقے دوسرے ہیں۔

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ابھی سلسلۂ خطاب جاری ہے یہ جملہ معترضہ ہے مطلب یہ کہ بنی آدم سے شیطان جو بھی وعدے کرتا ہے اس کے یہ سب وعدے صرف دھوکے کے وعدے ہیں بنی آدم اس کی طرف سے چوکنے رہیں۔

پھر فرمایا کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ یہ بھی ابلیس کو خطاب ہے مطلب یہ ہے کہ تو بنی آدم کو بہکانے ورغلانے اور راہ حق سے ہٹانے کی وہ سب تدبیریں کر لینا جو تو کر سکتا ہے لیکن تجھے ایسا کوئی اختیار نہیں دیا جا رہا ہے کہ تو انسانوں کو اپنی قوت سے مجبور کر کے کوئی کام کرالے تیری ساری تدبیروں اور شرارتوں کے باوجود وہ سب اپنے عمل میں مختار رہیں گے (اور اسی اختیار کی وجہ سے ان کا مؤاخذہ ہوگا) سورۂ حجر میں فرمایا ہے کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ (بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا تسلط نہیں ہوگا سوائے ان گمراہوں کے جو تیرا اتباع کریں) اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ شیطان کے پیچھے لگیں اور اپنے اختیار کو استعمال نہ کریں تو پھر ان پر شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ایسا حال بن جاتا ہے کہ شیطان کے پھندہ سے نہ نکلتے ہیں اور نہ نکلنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو سمجھ اور اختیار دیا تھا اسے اپنے نقصان ہی میں استعمال کرتے ہیں وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا (اور تیرا رب کافی ہے کارساز) جو لوگ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں اخلاص کے ساتھ اعمال کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں شیطان کے کید و مکر سے

محفوظ رکھتا ہے اور وہ ان کے لئے کافی ہے قال القرطبی ای عاصما من القول من ابلیس وحفظا من کیدہ و سوء مکرہ۔

فائدہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے یہ فرمایا کہ جو تو ایسا ایسا کرلینا یعنی جن چیزوں کی اباحت اور اجازت سے طور پر نہیں ہے جن کا یہاں ذکر ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ شانہٗ منکرات اور فواحش اور کفر و شرک کی اجازت نہیں دیتا ابلیس سے جو یہ خطاب فرمایا ہے یہ تہدید کے طور پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو جو یہ کہتا ہے کہ میں اس نئی مخلوق کی ذریت پر قابو پالوں گا تو اپنی شقاوت میں ترقی کرتے ہوئے جو چاہے کر لینا تو ان سب کا مزہ چکھ لے گا جیسا کہ سورہ ص میں فرمایا لاملئن جھنم منک ومما تبعک منھم اجمعین (تو اور تیرا اتباع کرنے والے سب سے جہنم کو بھر دوں گا)۔

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَاِذَا مَسَّكُمُ

تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لئے دریا میں کشتیوں کو چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو بیشک وہ تم پر مہربان ہے اور جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے

الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

دریا میں تو جن کو تم پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں مگر وہی (اللہ) جب تمہیں خشکی میں پہنچا کر بچا لیتا ہے تو تم اس سے منہ پھیر لیتے ہو اور انسان

كَفُوْرًا ۝ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ

بڑا ہی ناشکرا ہے۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب میں زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے پھر تم نہ

وَكِيْلًا ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ

کارساز پاؤ گے۔ یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ سمندر میں لوٹا دے پھر تم پر ہوا کا تند طوفان بھیج دے پھر تمہیں تمہارے

بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ۝ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي

کفر کے عوض غرق کر دے پھر تمہیں ہمارے خلاف کوئی مدد نہ پہنچا سکے جو ہمارا پیچھا کر سکے اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی میں

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ ع

سواریاں دیں اور ان کو پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں جاری فرماتا ہے، وہ چاہے تو تمہیں زمین میں
دھنسا دے یا سخت ہوا بھیج دے، بنی آدم کو ہم نے عزت دی، بحر و بر میں سفر کرایا،
پاکیزہ کھانے کے لیے چیزیں دیں اور ان کو بہت سی مخلوق پر فضیلت دی

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے بعض ان انعامات کا تذکرہ فرمایا جو بنی آدم پر ہیں اور انسانوں کی ناشکری کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

اول تو کشتیوں کا ذکر فرمایا کہ تمہارا رب دریا میں کشتیوں کو چلاتا ہے یعنی ایسی ہوائیں چلاتا ہے جو کشتیوں کو لے کر چلتی ہیں۔ اور ہوا اللہ

ہو تو تم خود بھی کشتیوں کو اپنی تدبیروں سے چلا لیتے ہو اللہ تعالیٰ نے اپنا مہربانی ہے کشتیوں کے ذریعے سمندر میں سفر کرکے اور سمندروں کو عبور کرکے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرتے ہو اور سمندر کے اندر بھی ایسی چیزیں ہیں جو تمہارے کام آتی ہیں۔

سمندر میں کھانے کی چیزیں بھی ہیں۔ اور ایسی چیزیں بھی ہیں جو دواؤں میں استعمال ہوتی ہیں اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو سمندروں سے نکال کر فروخت کرتے ہیں جو تحصیل مال کا ذریعہ ہیں نیز سمندر میں ایسی چیزیں بھی ہیں جن سے زیور بناتے ہیں لتبتغوا من فضلہ سے مراد میں یہ سب چیزیں آجاتی ہیں نیز سمندروں کو پار کرکے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ پہنچتے ہیں مال تجارت لے جاتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے کا ذریعہ ہے انہ کان بکم رحیما (با شبہ وہ تم پر مہربان ہے) اس نے خشکی میں اور سمندر میں تمہارے لئے رزق پیدا فرمایا پھر تمہیں اس کے حاصل کرنے پر قدرت دی۔

اس کے بعد انسانوں کے شرک اختیار کرنے اور آڑے وقت میں باطل معبودوں کو چھوڑ کر معبود حقیقی ہی کی طرف متوجہ ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ یہ انسان کا عجیب طریقہ کار ہے کہ کبھی حالت میں باطل معبودوں کی عبادت کرتا رہتا ہے اور پھر جب کسی بڑی مصیبت میں گھر گیا مثلاً دریا کے بیچ میں ہے وہاں کشتی ڈگمگانے لگی تو سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ہی سے مانگنے لگتا ہے اور اس کو بھی عجیب بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے سمندر کی مصیبت سے نجات دے دیتا ہے اور عافیت کے ساتھ با سلامت خشکی میں پہنچا دیتا ہے تو پھر وہی پرانی حرکت کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روگردانی کرتا ہے اور شرک کرنے لگتا ہے۔ وکان الانسان کفورا (اور انسان بڑا ناشکرا ہے) یہ کتنی بڑی ناشکری ہے کہ جس ذات پاک نے انعام فرمایا کشتی کو بھنور سے نکالا ہواؤں کے بھونچال سے نجات دی انسان اس نجات دینے والے کو بھول جاتا ہے۔ اور نجات پا کر پھر شرک کرنے لگتا ہے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ الزمر ثم اذا خولہ نعمۃ منہ نسی ما کان یدعوا الیہ من قبل وجعل للہ اندادا لیضل عن سبیلہ سورہ عنکبوت میں فرمایا فلما نجٰھم الی البر اذا ھم یشرکون لیکفروا بما اتیناھم

اس کے بعد انسانوں کو تنبیہ فرمائی کہ سمندری مصیبت سے نکل کر جو تم مطمئن ہو گئے اور باطل معبودوں کے پھر سے پجاری بن گئے ہو تو کیا تم بالکل مطمئن ہو گئے ہو کہ خشکی میں اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک نہیں کر سکتا۔ سمندر سے باسلامت نکل کر پھر شرکیہ کاموں میں لگ جانے سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ اب تم بالکل بے خوف ہو گئے تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ یہ تمہاری بے وقوفی ہے اللہ تعالیٰ کو جیسے سمندر میں غرق کر دینے کی قدرت ہے۔ ایسے ہی یہ بھی قدرت ہے کہ وہ تمہیں خشکی میں اسی زمین میں دھنسا دے۔ اور یہ بھی قدرت ہے کہ تم پر ایسی سخت ہوا بھیجے جو پتھر برسانے والی ہو اور اسے یہ بھی قدرت ہے کہ تمہیں دوبارہ سمندر میں واپس کر دے پھر وہ وہاں تمہارے اوپر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے تمہارے کفر کی وجہ سے تمہیں غرق کر دے۔ وہ تمہیں ہلاک کرے تو تم اس کے سوا کوئی کارساز نہیں پا سکتے۔ (ثم لا تجدوا لکم وکیلا) اور وہ ہلاک کر دے تو کوئی بھی ایسا نہیں جو اس کا پیچھا کرے یعنی اس کی گرفت کر سکے اور اس سے بدلہ لے سکے (ثم لا تجدوا لکم علینا بہ تبیعا) لہٰذا ہمیشہ کے لئے شرک کو چھوڑ دو اور اپنے خالق سے ڈرتے رہو اور دین توحید اختیار کرو۔

قولہ تعالیٰ ثم لا تجدوا لکم علینا بہ تبیعا (ای نصیرا کما روی عن ابن عباس او ثائرا یطلبنا بما فعلنا انتصارا لما او درکا او للثار من جھتنا فھو کقولہ تعالیٰ فسوّاھا ولا یخاف عقبٰھا کما روی عن مجاھد. (روح المعانی)

اس کے بعد تکریم بنی آدم کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد ہے ولقد کرمنا بنی آدم (اور ہم نے انسان کو عزت دی) وحملنٰھم فی البر والبحر (اور ہم نے انہیں خشکی میں اور سمندر میں سوار کیا) ورزقنٰھم من الطیبات اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں

وفضلنھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا (اور ہم نے انہیں اپنی مخلوقات میں سے بہت سی مخلوق پر فضیلت دی)

اس آیت میں اول تو اجمالی طور پر بنی آدم کی تکریم بیان فرمائی کہ وہ ان صفات سے متصف ہے جو اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ قوت گویائی عطا کیا جانا، فصیح بلیغ ہونا، مختلف اسالیب سے بات کرنا، کتابت کے ذریعہ مفہوم ادا کرنا، احسن تقویم سے زینت پانا، خوبصورت ہونا، قد کا مستقیم ہونا، قوت مدرکہ سے متصف ہونا، اس کے ذریعہ چیزوں کو پہچاننا، خبیث اور طیب میں امتیاز کرنا، بہت سی مخلوقات کا اس کے لئے مسخر ہونا، عقل وفہم کے ذریعہ ممتاز ہونا، زمین اور زمین کے اوپر جو کچھ ہے اسے آباد کرنا، زمین کو باغ وبہار بنانا، طرح طرح کی عمارات بنانا، اور نئی نئی مصنوعات ایجاد کرنا اور ان سے منتفع ہونا، سیارات میں سفر کرنا، طیارات میں اڑنا، بلندیوں میں جانے کے لئے راکٹ بنانا، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو انسان ہی کے ساتھ خاص ہیں اور ان سے انسان کا مکرم اور مشرف ہونا ظاہر ہے۔

اجمال کے بعد کچھ تفصیل بتائی اور ارشاد فرمایا۔ وحملنھم فی البر والبحر اور ہم نے انہیں خشکی اور سمندر میں سواری دی خشکی میں سواری کے جانور ہیں انسان ہاتھی جیسی مخلوق پر بھی سواری کرتا ہے اور اب تو طرح طرح کی سواریاں وجود میں آگئی ہیں اور سمندر میں بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں۔ جس میں انسان سفر بھی کرتے ہیں اور بار برداری میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ ایک بڑا عظیم کی چیز دوسرے براعظم میں پہنچنے کا ذریعہ ہیں ان سب چیزوں میں بھی انسان کی تکریم اور تشریف ہے اور یہ منافع اور فوائد انسان ہی کے ساتھ خاص ہیں۔

ورزقنھم من الطیبات اور ہم نے بنی آدم کو عمدہ چیزیں عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح بھی مشرف ومکرم فرمایا کہ اسے پاکیزہ عمدہ اور نفیس چیزیں عطا فرمائیں۔ ان میں اچھے اچھے کھانے اور نفیس لباس اور عمدہ مفروشات (بچھانے کی چیزیں) اور طرح طرح کی استعمالی چیزیں ہیں۔ لفظ الطیبات جمع ہے طیب کی اس کے معنی ہیں حلال ہونا، پاک ہونا، عمدہ ہونا، اچھا ہونا، نفیس ہونا سب کچھ آجاتا ہے اور یہاں چونکہ خاص کر مکولات کا ذکر نہیں ہے اس لئے دیگر نعمتوں کو بھی یہ لفظ الطیبات شامل ہے۔

وفضلنھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا (اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی) تکریم کے بعد تفضیل کا مستقل تذکرہ فرمایا۔ اس میں فضیلت جسمانی اور روحانی اخروی ودنیوی، اشتغال بعبادۃ اللہ والتقرب الیہ اور ہر خیر داخل ہے اور ایک بہت بڑی بات یہ ہے کہ انسانوں ہی میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے جن میں افضل انبیاء بھی ہیں اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ساری مخلوق سے افضل ہیں اور یہ انسان کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کی جنس میں افضل الخلائق وجود میں آئے۔

چونکہ آیت شریفہ میں یہ نہیں ہے کہ بنی آدم کے ہر ہر فرد کو دوسری مخلوق پر فضیلت دی گئی اس لئے یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ انسانوں میں کافر بھی ہیں وہ تو دوزخ میں جائیں گے انہیں کون سی فضیلت حاصل ہوئی، پھر چونکہ تفضیل عام ہے دنیاوی نعمتوں کو بھی شامل ہے اس لئے ان نعمتوں کے اعتبار سے تو سبھی انسان دوسری مخلوق کے مقابلہ میں فضیلت پائے ہوئے ہیں۔

یہ نہیں فرمایا کہ بنی آدم ساری مخلوق سے افضل ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت دی ہے لہٰذا فرشتے جو عامۃ المسلمین سے افضل ہیں اس پر بھی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

بنی آدم میں جو ایمان والے ہیں ان میں اور فرشتوں میں باہمی تفاضل ہے اس تفضیل کی تفصیل عقائد کی کتابوں میں مذکور ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ

جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے سو جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا سو یہ لوگ اپنا اعمال نامہ پڑھیں گے۔

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

ان پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور زیادہ گمراہ ہوگا۔

قیامت کے دن جن کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے وہ اپنے اعمال نامے پڑھ لیں گے جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے آخرت میں بھی اندھا ہوگا

اوپر دو آیتوں کا ترجمہ لکھا گیا ہے پہلی آیت میں اعمال ناموں کی تفصیل اور دوسری آیت میں راہ ہدایت سے منہ موڑنے والوں کا اور قصداً اندھا بننے والوں کا تذکرہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ قرآن مجید میں لفظ "امام" کئی معنی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مفسر قرطبی نے حضرت ابن عباس اور حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے یہاں بامامھم کی تفسیر "بکتابھم" نقل کی ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ والکتاب یسمی اماما لانہ یرجع الیہ فی تعرف اعمالھم، لفظ امام کا جو معنی اس جگہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مراد لیا ہے سیاق کلام کے موافق ہے کیونکہ بعد میں داہنے ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جانے کا ذکر ہے۔ قال القرطبی قولہ تعالی فمن اوتی کتابہ ھذا یقوی قول من قال امامھم بکتابھم

اسی سورت کے دوسرے رکوع میں گذر چکا ہے کہ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا جس میں بتایا ہے کہ ہر انسان کو اس کا اعمال نامہ ملے گا اور وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا اور یہاں فرمایا ہے جن کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیئے جائیں گے وہ ان کو پڑھیں گے۔ چونکہ داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ مل جانا اس بات کی دلیل ہوگا کہ یہ لوگ نجات والے ہیں اور جنت والے ہیں۔ اس لئے خوشی خوشی اپنے اعمال نامہ کو پڑھیں گے سورۂ حاقہ میں ہے کہ جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ لوگوں سے کہے گا هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (لو میرا اعمال نامہ پڑھ لو) یہ خوشی میں کہے گا۔ اپنا اعمال نامہ خود بھی پڑھے گا اور دوسروں کو بھی پڑھوائے گا اور وہ یوں بھی کہے گا۔ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (میں یقین رکھتا تھا کہ مجھے اپنے حساب سے ملاقات کرنا ہے) دنیا میں حساب کا یقین رکھنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتا رہا آج اس کا یہ پھل مل رہا ہے کہ اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں ہے اور آئندہ میرے لئے خیر ہی خیر ہے۔

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا کھجور کی گٹھلی کے گڑھے میں جو تاگہ ہوتا ہے اہل عرب اسے فتیل کہتے تھے اور ذرا سی چیز بتانے کے لئے اسے بطور مثال پیش کیا کرتے تھے۔ اسی معنی کو بیان کرتے ہوئے وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا فرمایا۔

سورہ حاقہ میں ہے کہ برے لوگوں کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ اور سورۂ انشقاق میں ہے کہ ان لوگوں کے اعمال نامے پشت کے پیچھے سے دیئے جائیں گے۔ مشکیں بندھی ہوئی ہونے کی صورت میں ہاتھ پیچھے ہوتے ہیں بندا بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملنا اور پشت کے پیچھے سے دیا جانا اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے۔ جن کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے یہ کافر ہوں گے اور کافروں کی کبھی نجات نہ ہوگی۔ ہمیشہ دائمی عذاب میں رہیں گے۔

لفظ بامامھم کے بارے میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے ہر امت کا نبی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم سب لوگوں کو ان کے انبیاء کے ساتھ بلائیں گے، ہر امت اپنے نبی کے ساتھ ہوگی سورۂ نساء کی آیت فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ سے

اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔

اور **باما مهم** کی ایک تفسیر یہ ہے (**ونقله القرطبی عن ابن زید**) کہ اس سے ہر امت کی کتاب مراد ہے۔ اہل توراۃ تورات کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ اور قرآن والے قرآن کے ساتھ بلائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی کتاب پر کیا عمل کیا؟ اسکے اوامر کو کتنا اپنایا اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا تھا اس سے کتنے بچے رہے؟

فائدہ بعض لوگوں نے **باما مهم** کا ترجمہ **بامهاتهم** سے کیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن لوگ، ماؤں کے نام سے بلائے جائیں گے۔ یہ بات صحیح نہیں اول تو امم کی جمع امام نہیں آتی، دوسرے احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ باپوں کے نام سے بلائے جائیں گے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم قیامت کے روز اپنے ناموں کے ساتھ اور اپنے باپوں کے ناموں کے ساتھ بلائے جاؤ گے، لہٰذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔ (رواہ ابوداؤد فی کتاب الادب)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع صحیح میں **باب ما یدعی الناس یوم القیامة بآبائهم** قائم کر کے صحیح حدیث سے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے روز باپوں کے نام سے بلاوا ہوگا۔ معالم التنزیل میں ماؤں کے ناموں کے ساتھ پکارنے کے تین سبب بتائے گئے ہیں۔ لیکن یہ سب خود ساختہ ہیں جو محض روایت کی شہرت کی وجہ سے تجویز کئے گئے ہیں۔ چنانچہ صاحب معالم التنزیل رحمہ اللہ نے تینوں اسباب ذکر کر کے فرمایا ہے کہ **والاحادیث الصحیحة بخلافه** یعنی صحیح احادیث اس مشہور قول کے خلاف ہیں۔

دوسری آیت میں فرمایا جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور زیادہ راہ گم کردہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مخلوق کو پیدا فرمایا جس میں آسمان بھی ہیں اور زمین بھی ہے چاند سورج بھی ہیں لیل و نہار بھی ہیں اور پہاڑ بھی بحر و انہار بھی ہیں اور اشجار و احجار بھی، ان سب چیزوں میں دلائل موجود ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ خالق و مالک ایک ہی ہے۔ یہ دلائل تکوینیہ ہیں ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا ان پر کتابیں نازل فرمائیں انہوں نے توحید کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نبوت اور رسالت کے اثبات کے لئے معجزات ظاہر فرمائے اور راہ حق کو خوب واضح فرما دیا۔ لیکن بہت سے لوگ قصداً اور ارادۃً دلائل تکوینیہ کو دیکھ کر ایمان نہ لائے اور معجزات سامنے ہونے پر بھی متاثر نہ ہوئے۔ جیسا کہ کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے تھے اسی طرح بدستور گمراہی میں رہنا پسند کیا اور اپنے آپ کو اندھا بنا لیا۔ جس نے دنیا میں اپنے لئے گمراہ ہونے کو پسند کیا وہ آخرت میں بھی نابینا ہوگا۔ یعنی اسے وہاں کوئی راستہ نجات کا نہیں ملے گا۔ دنیا میں تو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جب تک زندہ ہے توبہ کر لے اور ایمان قبول کر لے لیکن جب مر گیا تو توبہ کا راستہ بھی بند ہو گیا اور مزید گمراہ اور بے راہ ہو گیا کیونکہ اب نجات کا کوئی راستہ نہ رہا۔ لہٰذا جو دنیا میں اندھا بنا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور وہاں نجات کا راستہ پانے کی کوئی تدبیر نہ ہو سکے گی۔

سورۂ حج میں ارشاد فرمایا **اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ** (کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ ان کے ایسے دل ہوتے جن کے ذریعے سمجھتے یا ایسے کان ہوتے جن سے سنتے، سو بلاشبہ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں) یعنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن دلوں کی بصیرت سے کام نہیں لیتے قصداً اور ارادۃً اندھے بنے رہتے ہیں۔

کفار مشرکین دنیا میں دل کے اندھے ہیں اور آخرت میں بھی اس کے نتیجے میں اندھے ہوں گے اور نجات کی کوئی سبیل نہ پائیں گے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ آنکھوں سے نابینا ہونے کی حالت میں اٹھائے جائیں گے۔

اسی سورت کے گیارہویں رکوع میں فرمایا وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (اور قیامت کے دن ہم انہیں اس حالت میں محشور کریں گے کہ چہروں کے بل اندھے، گونگے اور بہرے ہونے کی حالت میں چل رہے ہوں گے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب وہ دھیمی ہو جائے گی تو ہم اسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے) معلوم ہوا کہ مشرکین و کفار جب محشور ہوں گے تو آنکھوں سے اندھے اور زبانوں سے گونگے اور کانوں سے بہرے ہوں گے البتہ بعد میں زبان کو گویائی دے دی جائے گی اور سمع بصر بھی واپس کر دی جائیں گی دل کے اندھے ہو کر تو دنیا ہی سے گئے تھے ابتداءً محشور ہوں گے تو اس وقت آنکھوں سے بھی اندھے ہوں گے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۡ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ

اور یہ لوگ آپ کو اس چیز سے بہکانے ہی لگے تھے جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی تاکہ آپ ہماری طرف اس کے علاوہ دوسری بات کی نسبت کر دیں اور اس صورت میں

خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـــًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ

وہ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑے سے مائل ہو جاتے۔ اس وقت ہم آپ کو زندگی میں اور موت کے بعد دوہرا

الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝

عذاب چکھاتے، پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔

مشرکین کی خواہش تھی کہ آپ کو اپنی طرف کر لیں اور اپنا دوست بنا لیں

ان آیات کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے مفسرینؒ نے کئی روایات لکھی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی قابل اعتماد نہیں صحت کے قریب جو روایت ہے جسے صاحب روح المعانیؒ نے بحوالہ ابن ابی حاتم جبیر بن نفیر سے نقل کیا ہے یہی ہے کہ قریش مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اگر ہماری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں تو آپ ان لوگوں کو بنا دیں جو گرے پڑے لوگ آپ کے تابع ہو گئے ہیں۔ تاکہ ہم آپ کے اصحاب میں شامل ہو جائیں۔ (اتنی بات آیت کریمہ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ کے سبب نزول سے مؤید ہوتی ہے جس کا سورۂ انعام میں ذکر گذر چکا ہے اس کے بعد صاحبؒ روح المعانی نے ایک قول بلا حوالہ نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ قریش مکہ نے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے آیت رحمت کو آیت عذاب بنا دیں اور آیات عذاب کو آیات رحمت بنا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

صحیح سند سے تو کوئی روایت ثابت نہیں البتہ (طرز کلام سے) اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین نے کوئی درخواست ایسی کی تھی جس کے قبول کرنے کا اسلام میں کوئی جواز نہ تھا۔ ان لوگوں نے تو کوشش کی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں سے ہٹا دیں جن کی آپؐ پر وحی آئی تھی۔ اور آپؐ سے ایسی باتیں منظور کرا لیں جو اللہ کی وحی کے خلاف ہیں۔ چونکہ یہ چیزیں ان کے مطلب کی تھیں اور وحی الٰہی ان کی خواہشوں کے خلاف تھی۔ اس لئے رسول اللہ سے دشمنی رکھتے تھے۔ اگر آپؐ ان کی باتیں مان لیتے تو وہ آپؐ کو دوست بنا لیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ثابت قدم رکھا اور آپؐ کی طرف ذرا بھی مائل نہ ہوئے۔

قال صاحب الروح ولا یخفی ان فی قولہ سبحانہ (الیھم) دون الی اجابتھم ما یقوی الدلالۃ علی انہ علیہ

الصلاة والسلام بمعزل عن الاحاطة فی اقصی الغایات ، وھذا الذی ذکر فی معنی الایة ھو الظاھر متبادر للافھام

آخر میں یوں فرمایا کہ اگر ہم آپ ﷺ کو ثابت قدم نہ رکھتے اور بالفرض آپ ان کی طرف جھک جاتے تو ہم آپ کو اس زندگی میں اور موت کے بعد دوہرا عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی بھی مددگار نہ پاتے اس میں آپ کو جو خطاب ہے فرض کے طور پر ہے اور اس میں امت کے لئے عبرت ہے جو بھی کوئی شخص کافروں کی طرف مائل ہوگا (اور میلان کے مختلف درجات ہیں) تو دونیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ قال اللغوی فی تفسیرہ یعنی اضعفنا لک العذاب فی الدنیا والأخرة وقیل الضعف ھو العذاب سمی ضعفا لتضاعف الالم فیہ قال صاحب الروح وینبغی للمؤمن اذا تلاھذہ الأیة ان یبحثوا عند ھا ویتدبر ھاوان یستشعر الخشیة وازدیاد التصلب فی دین اللہ تعالیٰ.

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا

اور یہ لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدم ہی اکھاڑنے کے تھے تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور ایسا ہو جاتا تو آپ کے بعد یہ بھی بہت تھوڑے

قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝ ع

رہتے۔ جیسا کہ ان لوگوں کے بارے میں ہمارا طریقہ رہا ہے جن کو آپ سے پہلے ہم نے رسول بنا کر بھیجا تھا اور آپ ہمارے طریقہ میں تغیر نہ پائیں گے۔

مشرکین چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کو زبردستی مکہ مکرمہ سے نکال دیں

حضرت مجاہد اور قتادہ نے فرمایا کہ مشرکین نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے جلاوطن کرنے اور وہاں سے زبردستی نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے سے باز رکھا اور آپ باذن الٰہی خود ہی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ تشریف لے آئے مشرکین اپنے ارادوں میں ناکام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریب تھا کہ یہ لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدموں کو اکھاڑ دیتے (لیکن وہ ایسا نہ کر سکے) اور اگر وہ ایسا کر لیتے اور آپ کو نکال کر خود بھی رہنا چاہتے تو خود بھی وہاں نہ رہ پاتے اور وہاں ان کا ٹھہرنا بس ذرا سا ہی ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی اور ان لوگوں کو اس کا موقع نہ دیا کہ زبردستی آپ کو نکال دیتے بلکہ وہ مکہ ہی میں رہتے رہے پھر انہیں اسلام کی بھی توفیق ہوئی۔ قال صاحب الروح وھذا ھو التفسیر المروی عن مجاھد قال ارادت قریش ذالک ولم تفعل لانہ سبحانہ اراد استقانھا وعدم استیصالھا لیسلم منھا اعقابھا من یسلم فاذن لرسولہ علیہ الصلاة والسلام بالھجرة فخرج باذنہ لا باخراج قریش و قھرھم

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا یہ مصدریت کی بنا پر منصوب ہے یعنی سنۃ من قد ارسلنا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ آپ کو نکال دیتے تو ہم انہیں ہلاک کر دیتے آپ ﷺ سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے تھے ان کے بارے میں ہمارا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب ان کی امتوں نے نکال دیا تو پھر امتیں بھی زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہیں تھوڑے سے وقفے کے بعد ہی ہلاک کر دی گئیں ولا تجد لسنتنا تحویلا (اور آپ ہمارے طریقہ میں تغیر نہ پائیں گے) اپنی مخلوق کے بارے میں جو طریقے ہم نے جاری کئے ہیں انہیں کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات اندھیرا ہونے تک نمازیں قائم کیجئے اور فجر کی نماز بھی ، بلاشبہ فجر کی نماز حاضر ہونے کا وقت ہے،

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾

اور رات کے حصہ میں نماز تہجد پڑھا کیجئے جو آپ کے لئے زائد چیز ہے عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے کافروں کے مکر و فریب کو بیان فرمانے اور آپ کو تسلی دینے کے بعد حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر متوجہ رہیں آپ ﷺ کو نمازیں قائم کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی آپ ﷺ سے یہ وعدہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود عطا فرمائے گا یہ ایسا مقام ہے کہ جس پر اولین و آخرین سب رشک کریں گے پس جبکہ آپ کو اتنا بڑا مقام ملنے والا ہے تو اہل دنیا کے ایذاؤں پر صبر کیجئے ان کی طرف توجہ نہ فرمائیے۔

آیت شریفہ میں دُلُوْكِ الشَّمْسِ سے لے کر غَسَقِ الَّيْلِ تک نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے دلوک لفظ مشترک ہے اس کا اصل معنی مائل ہونے کا ہے، مجمع البحار میں ہے الدلوک برادہ روالها عن وسط السماء و غروبها ایضا و اصله المیل حضرت عمر اور ابن عمر اور انس اور حضرت ابو برزہ اسلمی اور حسن اور شعبی اور عطاء اور مجاہد رضی اللہ عنہم نے دُلُوْكِ الشَّمْسِ سے زوال شمس مراد لیا ہے اور حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس سے غروب شمس مراد ہے، اور لفظ غسق کے بارے میں صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ ظلمة اول اللیل اور امام راغب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں غسق اللیل شدة ظلمته ان دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ غسق اللیل سے رات کی ابتدائی اندھیری بھی مراد لی جا سکتی ہے اور اس کے بعد جو خوب زیادہ تاریکی آجاتی ہے وہ بھی مراد لی جا سکتی ہے دلوک سے زوال مراد لینے کی صورت میں آیت کریمہ میں پانچوں نمازوں کا تذکرہ آجاتا ہے۔ کیونکہ زوال آفتاب سے لے کر رات کی خوب زیادہ تاریکی آنے تک نمازیں پڑھنے میں ظہر، عصر اور مغرب وعشاء سب کا حکم آگیا اور فجر کی نماز کا ذکر مستقل قرآن الفجر میں فرما دیا کیونکہ یہ وقت نیند سے اٹھنے کا ہوتا ہے اس لئے اس کو مستقل طریقے پر ذکر فرمایا ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل (ص ۱۲۸ ج ۳) والحمل (ای حمل الدلوک) علی الزوال اولی القولین لکثرة القائلین به ، لانا اذا حملنا ه علیه کانت الایة جامعة لمواقیت الصلاة کلها فدلوک الشمس یتناول صلاة الظهر والعصر والی غسق الیل یتناول المغرب و العشاء وقران الفجر هو صلاة الصبح

لفظ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ منصوب ہے اور الصلوۃ پر معطوف ہے اور قران الفجر سے نماز فجر مراد ہے نماز فجر میں سب نمازوں سے زیادہ لمبی قرأت پڑھی جاتی ہے اور جہر سے ہوتی ہے اس لئے اسے قرآن الفجر فرمایا هذا من تسمیة الشئی باسم جزئه لان القراءة جزء منها.

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (بلاشبہ فجر کی نماز حاضر ہونے کا وقت ہے) سنن ترمذی (کتاب التفسیر) میں ہے کہ رسول اللہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ تشهده ملائکة الیل و ملائکة النهار یعنی قرآن الفجر کو مشہود اس لئے فرمایا کہ اس میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے رہتے

ہیں۔اور نماز فجر اور نماز عصر میں جمع ہو جاتے ہیں پھر وہ فرشتے جو رات کو تمہارے ساتھ رہے وہ اوپر جاتے ہیں تو ان کا رب ان سے دریافت فرماتا ہے حالانکہ اپنے بندوں کو وہ ان سے زیادہ جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے انہیں اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز میں مشغول تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز میں مشغول تھے۔(صحیح بخاری ص ۷۹ ج ۱)

فرشتے عصر اور فجر دونوں ہی نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں لیکن آیت کریمہ میں خاص طور پر فجر کے وقت کی حاضری کا ذکر اس لئے فرمایا کہ نماز فجر میں نیند چھوڑ کر حاضر ہونا نفسوں پر شاق ہوتا ہے بندوں کو بتا دیا کہ نیند کو چھوڑ و اور وہاں حاضر ہو جاؤ جہاں فرشتے بھی حاضر ہیں۔قال صاحب الروح (ص ۱۳۷ ج ۱۵) ولا یخفی ما فی هذه الجملة من الترغیب والحث علی الاعتناء بامر صلاة الفجر لان العبد فی ذالک الوقت مشیع کراما ملتق کراما فیبغی ان یکون علی احسن حال یتحدث به الراحل و یرتاح له النازل ۵

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۔اور رات کے حصہ میں نماز پڑھا کیجئے جو آپ کے لئے زائد چیز ہے۔

لفظ تہجد ہجود سے لیا گیا ہے، ہجود سونے کو کہتے ہیں اور تہجد ترک النوم یعنی سونے کے بعد اٹھنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔(لان التفعل للسلب مثل التاثم والتحنث) وقال بعضهم ان الهجود من الاضداد والمراد بالتهجد تکلف الهجود بمعنی الیقظة ذکره صاحب الروح)

رات عبادت کے لئے مناسب ترین وقت ہے، اس میں جتنی بھی نماز پڑھی جائے ذکر و تسبیح و تلاوت میں وقت گزارا جائے بہت مبارک ہے اور بہت بڑی فضیلت کی بات ہے اگر سونے سے پہلے نفل نماز پڑھ لے، یہ بھی بہت بڑے ثواب کی چیز ہے۔حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ یہ بیداری مشقت کی چیز ہے اور نفسوں پر بھاری ہے سو جب تم میں سے کوئی شخص اول رات میں وتر پڑھ لے تو اس کے بعد دو رکعتیں (نفل) پڑھ لے اس کے بعد اگر رات کو کھڑا ہو گیا (اور نماز پڑھ لی تو یہ اس کے لئے بہتر ہوگا) ورنہ وہ دو رکعت (جو سونے سے پہلے پڑھی) رات کے قیام کے حساب میں لگ جائے گی۔(رواہ الدارمی کما فی مشکوٰۃ ص ۱۰۳)

لیکن تہجد وہی ہے جو سو کر اٹھنے کے بعد نفلیں پڑھی جائیں۔کیونکہ اس میں تکلیف زیادہ ہے۔رسول اللہ ﷺ کا عمومی عمل تھا۔بعض راتیں آپ نے ایسی گذاریں کہ بار بار سو جاتے تھے۔اور درمیان میں بار بار اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔

بظاہر آیت کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے اور "نافلہ" کے معنی زائدہ کے ہیں۔بعض علماء کی رائے تو یہ ہے کہ نماز تہجد خاص کر آنحضرت ﷺ پر فرض فرمائی تھی۔

اور چونکہ یہ پانچوں نمازوں سے زیادہ تھی اس لئے اسے نافلہ فرمایا۔نافلہ اپنے معروف معنی میں نہیں ہے۔پھر آگے اس میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ پر اس کی فرضیت باقی رہی یا آپ ﷺ کے لئے بھی بعد میں نماز تہجد نفل قرار دے دی گئی۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب بظاہر آنحضرت ﷺ کو ہے لیکن تبعاً آپ ﷺ کی امت کو بھی خطاب ہے جیسا کہ اور دیگر مواقع میں بھی ایسا ہی ہے ان حضرات کا فرمانا ہے کہ ابتداءً رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کی امت کو نماز تہجد کا حکم دیا گیا تھا اور یہ سب پر فرض تھی پھر امت کے حق میں فرضیت منسوخ ہو گئی۔اور آپ پر برابر فرض رہی۔

آنحضرت ﷺ پر نماز تہجد فرض ہوئی۔پھر فرضیت اخیر تک باقی رہی یا فرضیت آپ کے حق میں بھی منسوخ ہو گئی۔جو بھی صورت ہو

بہر حال آپ ہمیشہ اہتمام کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی اس میں مشغول رہتے تھے۔ اور آپ نے اس کی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔ انبیاء سابقین علیہم السلام اور ان کی امتوں کے صالحین اس نماز کو پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم رات کے قیام کرنے کو لازم پکڑ لو۔ کیونکہ تم سے پہلے جو صالحین گذرے ہیں یہ ان کی عبادت رہی ہے اور وہ تمہارے رب کی نزدیکی کا سبب ہے اور تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔ (رواہ الترمذی)

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور روزوں میں سب سے زیادہ محبوب حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔ وہ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز میں کھڑے ہوتے تھے پھر باقی رات کا جو چھٹا حصہ رہ گیا اس میں سو جاتے تھے اور ایک دن (نفل) روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے۔ (رواہ البخاری)

حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ حضور نے نمازوں میں اتنا قیام فرمایا کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے کسی نے عرض کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ کا گذشتہ اور آئندہ سب کچھ بخش دیا گیا ہے آپ نے فرمایا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۲)

حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جس وقت پچھلی رات کا درمیانہ حصہ ہو۔ سو اگر تجھ سے یہ ہو سکے کہ اس وقت میں اللہ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو جائے تو اس پر عمل کر لینا۔ (رواہ الترمذی قال ہذا حدیث حسن صحیح)

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ مقبول ہونے والی دعا کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا جو پچھلی رات کے درمیان ہو اور فرض نمازوں کے بعد (رواہ الترمذی) اور حضرت ابوہریرہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرض نماز کے بعد سب سے زیادہ افضل وہ نماز ہے جو رات کے درمیان ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۱)

حضرت ابومالک اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا باہر کا حصہ اندر سے اور اندر کا حصہ باہر سے نظر آتا ہے۔ یہ بالاخانے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کئے ہیں جو نرمی سے بات کریں اور کھانا کھلایا کریں اور لگاتار روزے رکھا کریں اور رات کو نماز پڑھیں جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے ان میں وتر بھی تھے اور فجر کی دو سنتیں بھی تھیں۔ (رواہ مسلم)

احادیث بالا سے نماز تہجد کی فضیلت معلوم ہوئی۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت بالا کے علاوہ دیگر آیات میں بھی اس کی فضیلت آئی ہے۔ سورۃ الذاریات میں ہے اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ۝ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ (بلاشبہ متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے جو کچھ ان کے رب نے ان کو دیا اسے لینے والے ہوں گے بلاشبہ وہ اس سے پہلے نیک کام کرنے والے تھے، وہ رات کو بہت کم سوتے تھے اور رات کے آخری حصوں میں استغفار کرتے تھے) سورۂ الٓمٓ سجدہ میں فرمایا تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

خوفا و طمعا ومما رزقنٰھم ینفقون (ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں)

فائدہ رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد نیند کے غلبہ یا کسی دکھ تکلیف کی وجہ سے رہ جاتی تھی تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص سے رات کو کوئی ورد نیند کی وجہ سے رہ گیا یا پڑھنے کی کوئی چیز چھوٹ گئی پھر اسے فجر اور ظہر کی نماز کے درمیان پڑھ لیا تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے رات کو پڑھا ہو۔ (دونوں روایتیں صحیح مسلم میں مروی ہیں)

فائدہ جس شخص کو تہجد پڑھنے کی عادت ہو اور اسے مضبوط امید ہو کہ رات کو ضرور اٹھے گا وہ نماز وتر کو تہجد کی نماز کے بعد پڑھے یہ افضل ہے اور اگر تہجد کو اٹھنے کی پکی امید نہ ہو تو شروع رات ہی میں وتر پڑھ کر سو جائے۔ شیطان بہت شریر ہے اس کو قابو نہ دیں وہ شروع رات میں یہ سمجھا دیتا ہے کہ تہجد میں وتر پڑھ لینا اور نفس بھی اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ پھر رات کو نہ نفس اٹھنے کی ہمت کرتا ہے اور نہ شیطان اٹھنے دیتا ہے۔ بعض تہجد گزاروں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا رہتا ہے لہٰذا ہوشمندی کے ساتھ نیک بنیں۔

فائدہ بعض مفسرین نے نافلۃ لک کا یہ معنی بھی لیا ہے کہ نماز تہجد کے ذریعے آپ کو جو خاص فضیلت حاصل ہوگی وہ صرف آپ کے لئے ہے، چونکہ آپ معصوم ہیں۔ اس لئے اس نماز کے ذریعہ آپ کے درجات رفیعہ میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا اور مزید در مزید قرب الٰہی کا ذریعہ ہوگا۔ رہا امت کا معاملہ تو چونکہ وہ معصوم نہیں ہیں اس لئے اس کے ذریعے ان کا کفارہ سیئات بھی ہوگا اور فرائض میں جو کوتاہی ہے اس کی بھی تلافی ہوگا۔ (روح المعانی)

عسٰی ان یبعثک ربک مقاما محمودا (آپ کا رب آپ کو عنقریب مقام محمود میں اٹھائے گا) اس میں آپ کے لئے تسلی ہے کہ چند روزہ دنیا میں وہ بھی چند دن آپ کے دشمن جو آپ کو تکلیف دے رہے ہیں یہ اس بلند مرتبہ کے سامنے بے حقیقت ہے جو مرتبہ آپ کو قیامت کے دن عطا کیا جائے گا یعنی مقام محمود پر پہنچایا جائے گا۔ اس مقام پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام اولین و آخرین آپ کی تعریف کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب لوگ مختلف جماعتوں میں بٹے ہوں گے ہر امت اپنے اپنے نبی کے پیچھے ہوگی۔ وہ عرض کریں گے کہ ہماری سفارش کیجئے حتی کہ ہمارے نبی ﷺ تک شفاعت کی نوبت پہنچ جائے گی (جب دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سفارش کرنے سے انکار کر دیں گے تو نبی کریم ﷺ ساری مخلوق کے لئے سفارش کریں گے) یہ وہ مقام محمود جس پر اللہ تعالیٰ آپ کو پہنچا دے گا۔ (صحیح بخاری ص ۱۱۸۶)

اس حدیث میں بہت اجمال ہے۔ دوسری روایات میں تفصیل کے ساتھ شفاعت کا مضمون وارد ہوا ہے اور وہ یہ کہ قیامت کے دن جب لوگ بہت ہی زیادہ تکلیف میں ہوں گے اور سورج قریب ہو جائے گا اس بے چینی کے عالم میں کہیں گے کہ کسی سے سفارش کے لئے عرض کرو۔ پہلے آدم علیہ السلام کے پاس پھر نوح علیہ السلام کے پاس پھر ابراہیم علیہ السلام کے پاس پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سفارش کرنے کی درخواست کریں گے یہ سب حضرات انکار کر دیں گے تو سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے آپ عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ میں گر جائیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی ایسی ایسی تعریفیں الہام فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کے قلب میں نہیں ڈالی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اے محمد سر اٹھاؤ اور سوال کرو۔ سوال پورا

کیا جائے گا۔ اور سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے شفاعت مراد ہے (رواہ الترمذی فی التفسیر، وفی حاشیۃ قولہ مقاما محمودا الذی یحمدہ فیہ جمیع الخلق لتعجیل الحساب ولا راحۃ من طول الوقوف ۱۲) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آپ کو مقام محمود عطا فرمائے گا لیکن امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مقام محمود کی دعا کرنے کا شرف عطا کیا ہے جو اذان کا جواب دینے کے بعد کی جاتی ہے۔

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ

اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب مجھے ایسی جگہ میں داخل کیجئے جو خوبی کی جگہ ہو۔ اور مجھے خوبی کے ساتھ نکالئے اور میرے لئے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا

سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ وَ نُنَزِّلُ

فرمیے جس کے ساتھ مدد ہو، اور آپ یوں کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل چلا گیا بلاشبہ باطل جانے ہی والا ہے اور ہم ایسی چیز

مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَ اِذَاۤ اَنْعَمْنَا

یعنی قرآن نازل کرتے ہیں جو شفاء ہے اور رحمت ہے مؤمنین کے لئے اور وہ ظالموں کے نقصان ہی میں اضافہ کرتا ہے، اور جب ہم انسان پر انعام

عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَـُٔوْسًا ۝ قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰى

کرتے ہیں تو وہ اعراض کر لیتا ہے اور رخ بدل کر دور ہو جاتا ہے۔ اور جب اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص اپنے

شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِیْلًا ۝ ع

طریقے پر کام میں لگا ہوا ہے سو تمہارا رب خوب جانتا ہے جو زیادہ ٹھیک راستہ پر ہے۔

قرآن مؤمنین کے لئے شفاء ہے اور رحمت ہے ظالموں کے نقصان ہی میں اضافہ کرتا ہے

یہ پانچ آیات ہیں جن کا اوپر ترجمہ کیا گیا ہے پہلی آیت سفر ہجرت کے بارے میں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں مقیم تھے، پھر جب آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا اس وقت آیت کریمہ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ آخر تک نازل ہوئی (جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تلقین فرمائی کہ آپ یوں دعا کریں کہ مجھے بہترین داخل ہونے کی جگہ میں داخل فرمایئے اور میرا اپنے شہر سے نکلنا بھی میرے لئے اچھا بنا دیجئے (جس کا انجام مبارک ہو) اور میرے لئے اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجئے جس میں آپ کی مدد بھی ہو (رواہ الترمذی فی التفسیر) مدخل صدق سے جائے ہجرت اور مخرج صدق سے مکہ معظمہ مراد ہے مطلب یہ کہ مکہ معظمہ سے اطمینان کے ساتھ نکل جاؤں دشمن کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے اور دار الھجرۃ میں بھی خوبی کے ساتھ داخلہ ہو جائے اور پھر یہ داخلہ مبارک ہو جس کے بعد آپ کی طرف سے غلبہ بھی ہو اور نصرت بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہ دعا قبول فرمائی پھر اس کو قبول فرمایا۔ پھر چند سال کے بعد آپ مکہ معظمہ میں فتح غلبہ اور نصرت الٰہی کے ساتھ داخل ہو گئے۔

دوسری آیت میں فتح مکہ کا ذکر ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ انہیں اپنے ہاتھ کی ایک ٹہنی سے گراتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے جَآءَ الْحَقُّ وزهق الْبَاطِلُ انَّ الْبَاطِلَ كان زَهُوْقًا اور یہ بھی پڑھتے جاتے تھے جَآءَ الْحَقُّ وما يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وما يُعِيْدُ. (رواہ البخاری ص ۶۸۶)

آیت شریفہ جَآءَ الْحَقُّ وما يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وما يُعِيْدُ سورۂ سبا کی آیت ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ حق کے آنے اور باطل کے چلے جانے کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ آپ نے بتوں کو گراتے ہوئے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت پر بھی عمل کیا اور سورۂ سبا کی آیت پر بھی۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ ہم جو قرآن میں نازل کرتے ہیں یہ مؤمنین کے لئے سراپا شفا اور رحمت ہے، اور رہے ظالم جو حق پر بھی ظلم کرتے ہیں (اسے قبول نہیں کرتے) اور اپنی جانوں پر بھی ظلم کرتے ہیں تو یہ لوگ حق سے منہ موڑنے کی وجہ سے اپنے کو عذاب آخرت کے لئے تیار کرتے ہیں ان کا جو طریقہ ہے وہ خود ان کے حق میں بربادی اور خسارے کا سبب ہے۔ یہی قرآن جو اہل ایمان کے لئے شفاء اور رحمت ہے جو لوگ انکار کرتے ہیں ان کے لئے یہی قرآن خسارہ اور بربادی کا سبب بن جاتا ہے اور جیسے جیسے کوئی آیت نازل ہوئی ہے اس کی تکذیب کرتے ہیں اور اپنے خسارہ میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ قال صاحب الروح واسناد الزيادة المذكورة الى القران مع انهم المزادون في ذلك لسوء صنيعهم با عتبار كونه سببا لذلك.

چوتھی آیت میں انسان کے ناشکری کے مزاج کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہم جب اس پر انعام فرماتے ہیں اور نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور اعراض بھی تھوڑا سا نہیں خوب زیادہ اعراض کرتا ہے اور وہ یہ کہ رخ پھیر کر دوسری طرف مڑ جاتا ہے۔

یہ تو اس کی حالت اس وقت ہوتی ہے جب اس کو نعمت مل جائے، اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو بس ناامید ہو کر رہ جاتا ہے۔

سورۂ ہود میں فرمایا وَلَئِنْ اذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

(اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزا چکھا دیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا وہ اترانے لگتا ہے شیخی بگھارنے لگتا ہے مگر جو لوگ مستقل مزاج ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے لئے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

پانچویں آیت میں فرمایا قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (آپ فرما دیجئے کہ ہر وہ شخص اپنے طریقہ پر کام میں لگا ہوا ہے) لفظ شاکلۃ کا ترجمہ کئی طرح سے کیا گیا ہے علامہ قرطبی نے متعدد اقوال نقل کر کے اخیر میں لکھا ہے والمعنى ان كل احد يعمل على ما يشا كل اصله واخلاقه التى الفها (یعنی ہر شخص اپنی اپنی طبیعت کے موافق اور ان اخلاق کے مطابق عمل کرتا ہے جن سے وہ مالوف ہے) پھر لکھتے ہیں وهذا ذم للكافر و مدح للمؤمن یعنی اس میں کافروں کی برائی (جو برے اخلاق اور برے دین سے مالوف ہیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں) اور مؤمن بندوں کی تعریف ہے وہ سچے دین سے مالوف ہیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں، دنیا میں خیر کا طریقہ اختیار کرنے والے بھی ہیں اور شر سے الفت رکھنے والے بھی، آخرت میں اپنا اپنا عمل ہر ایک کے سامنے آجائے گا۔ اللہ

تعالیٰ کو سب کا علم ہے جو ہدایت پر ہیں وہ انہیں بھی خوب جانتا ہے اور جو گمراہی اختیار کئے ہوئے ہیں انہیں بھی جانتا ہے وہ سب کو اپنے علم کے مطابق جزا دے گا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

روح کے بارے میں یہودیوں کا سوال اور رسول اکرم ﷺ کا جواب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھیتوں کے درمیان سے گذر رہا تھا اس وقت آپ کھجور کی ٹہنی پر ٹیک لگا کر تشریف لے جا رہے تھے وہاں سے یہودیوں کا گذر ہوا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ان سے روح کے بارے میں دریافت کرو۔ پھر آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ دریافت کریں یا نہ کریں ممکن یہ کوئی ایسی بات کہہ دیں جو تمہیں ناگوار ہو۔ پھر کہنے لگے اچھا دریافت کر لو۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے روح کے بارے میں دریافت کیا آپ ٹھہر گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اس وقت جب وحی نازل ہو چکی تو آپ نے آیت پڑھ کر سنائی جو اوپر مذکور ہے۔ (صحیح بخاری)

سنن ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان یوں نقل کیا کہ قریش نے یہودیوں سے کہا کہ ہمیں کوئی بات بتا دو جو ہم ان سے پوچھیں (جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) یہودیوں نے کہا کہ روح کے بارے میں دریافت کرو۔ لہٰذا انہوں نے آپ سے روح کے بارے میں سوال کر لیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (آخر تک) نازل فرمائی دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں نے اور ان کے سمجھانے سے مکہ معظمہ میں قریش نے آنحضرت ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا تھا کہ روح کیا چیز ہے جس سے انسان کی زندگی برقرار رہتی ہے اور جس کے نکل جانے سے انسان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔

قال القرطبی وذهب اكثر اهل التاويل الى انهم سالوه عن الروح الذى يكون به حياة الجسد وقال اهل النظر منهم انما سالوه عن كيفية الروح ومسلكه فى بدن الانسان و كيفية امتزاجه بالجسم اتصال الحياة به وهٰذا الشئ لا يعلمه الا الله عزوجل .

آیت کریمہ اور احادیث شریفہ میں روح انسانی کے بارے میں بہت سی باتیں مذکور ہیں عالم ارواح میں روحوں کا مجتمع ہونا وہاں تعارف یا تناکر ہونا (کما رواہ البخاری) حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہو جانے کے بعد اس میں روح کا پھونکا جانا فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ پھر بطن مادر میں ہر انسان میں روح کا پھونکا جانا (کما رواہ الشیخان) اور اسی روح کے ذریعہ زندہ رہنا پھر موت کے وقت اس روح کا نکل جانا حضرت ملک الموت علیہ السلام کا روح کو قبض کرنا پھر ان کے ہاتھ سے لے کر فرشتوں کا آسمان کی طرف جانا پھر قبر میں روح کا لوٹایا جانا اور سوال و جواب ہونا اور دنیا سے جانے والی روح کا پہلے سے برزخ میں پہنچی ہوئی روحوں کے پاس جمع ہونا (مشکوۃ المصابیح ص ۱۴۱ تا ۱۴۳) اور قبر میں آرام یا عذاب میں رہنا پھر صور پھونکے جانے پر روحوں کا جسموں میں داخل ہونا یہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں اہل ایمان جانتے ہیں اور مانتے ہیں، یہودیوں نے اور مشرکین نے روح کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کے حکم سے ہے اس کی حقیقت ظاہر نہیں فرمائی اور یہ بتا دیا کہ یہ بھی اللہ کی ایک مخلوق ہے، اس سے

فلاسفہ کے اس خیال کی تردید ہوئی جو روح کو قدیم کہتے ہیں، چونکہ احکام شرعیہ میں سے بندوں سے متعلق کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو روح کی حقیقت جاننے پر موقوف ہو اس لئے اس کی حقیقت جاننے کے درپے ہونے کی شرعاً کوئی ضرورت بھی نہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ روح کی حقیقت اس سے نہیں بتائی گئی کہ انسان کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ تو اپنی ذات کی حقیقت جاننے سے بھی عاجز ہے خالق کائنات تبارک وتعالیٰ کی پوری معرفت سے بطریقہ اولیٰ عاجز ہوگا۔ علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں روح کے بارے میں مختلف اقوال لکھے ہیں۔ پھر اخیر میں لکھا ہے واولی الاقاویل ان یوکل علمه الی الله عروجل وهو قول اهل السنة (سب سے بہتر بات یہ ہے کہ اس کا علم اللہ کے ہی سپرد کیا جائے اہل سنت کا یہی قول ہے) وما اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (اور تمہیں صرف تھوڑا سا علم دیا گیا ہے) یہ خطاب سارے انسانوں کو ہے جن کے عموم میں سوال کرنے والے یعنی یہود بھی آ گئے۔ (درمنثور ص ۲۰۰ ج ۴) میں حضرت ابن جریج سے وما اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا کے بارے میں نقل کیا ہے محمد والناس اجمعین یعنی اے محمد آپ اور آپ کے علاوہ جو لوگ ہیں سب کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا علم تو بہت زیادہ ہے اور ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں تھوڑا ہی سا ہے۔ تفسیر درمنثور میں یہ بھی ہے کہ جب یہودیوں نے آیت شریفہ کا یہ حصہ وما اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا سنا تو کہنے لگے کہ ہم تو تورات پڑھے ہوئے ہیں اس میں ہر چیز کا بیان ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہی ہے اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ لقمان کی آیت ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام (آخر تک) نازل فرمائی۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ۝

اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے اسے سلب کر لیں پھر آپ ہمارے مقابلے میں اپنے لئے اس بارے میں کوئی حمایتی نہ پائیں

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ۝ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ

مگر یہ کہ رب کی طرف سے رحمت ہو جائے۔ بلاشبہ آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن اس بات پر

عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝

جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا لے آئیں تو اس جیسا نہیں لا سکیں گے۔ اگرچہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰٓی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

اور بیشک ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے اچھے مضامین طرح طرح سے بیان فرمائے ہیں۔ پھر بھی لوگوں نے ان کے ماننے سے انکار ہی کیا۔

اگر تمام انسان اور جنات بھی جمع ہو جائیں تو قرآن جیسی کوئی چیز بنا کر نہیں لا سکتے

پہلی آیت میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر اپنے کرم وانعام کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ جو وحی ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے اپنی قدرت اور اختیار سے بھیجی ہے۔ اور آپ کے پاس اس کا باقی رکھنا بھی ہماری قدرت سے ہے ہم اگر چاہیں تو اسے سب کر میں یعنی آپ کو بھلا دیں۔ جیسے ہمیں وحی بھیجنے پر قدرت ہے ایسے ہی بھلا دینے پر بھی قدرت ہے اگر ہم آپ کو بھلا دیں تو اس کے واپس لانے کے لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی آپ کی حمایت کرنے والا نہ ملے گا۔ ہاں اگر اللہ اپنی رحمت سے پھر واپس فرما دے یہ سرے سے

واپس ہی نہ لے تو یہ اس کا فضل وانعام ہے (قال البغوی ص ۱۳۵ ج ۳) استثناء مقطع معناه ولكن لا نشاء ذلك الا رحمة من ربك ان فضله كان عليك كبيرا ہ (بلاشبہ آپ پر اس کا بڑا فضل ہے) آپ کو سید الخلائق بنایا مقام محمود بھی عطا کیا۔ کتاب کا معجزہ بھی عطا فرمایا، جو کلام اللہ بھی اور کتاب اللہ بھی آپ کو آخر الانبیاء بنایا، رہتی دنیا تک آپ کی شریعت باقی رکھی، بے شمار علوم عطا فرمائے اور بہت بڑی امت عطا فرمائی، آپ کی اتنی زیادہ فضیلتیں ہیں جو مخلوق کے شمار سے باہر ہیں۔ سورۂ نساء میں فرمایا وانزل الله عليك الكتاب والحكمة وعلمك ما لم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما (اور اللہ نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اور حکمت، اور آپ کو وہ علوم عطا فرمائے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے)

اس کے بعد فرمایا قل لئن اجتمعت الانس والجن اس میں قرآن مجید کا اعجاز بیان فرمایا ہے اور فرمایا کہ سارے انسان اور سارے جنات آپس میں مل کر ایک دوسرے کے مددگار بن کر اگر یہ کوشش کریں کہ قرآن جیسی کوئی چیز بنا کر لے آئیں تو ہرگز نہیں لا سکیں گے۔ قرآن مجید معجزہ ہے اور سراپا معجزہ ہے، اس کی تالیف ونظم میں بلاغت کا وہ کمال ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا قرآن کے عہد اول سے تمام فصحاء وبلغاء کو یہ چیلنج ہے کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لے آؤ مگر آج تک عاجز ہیں اور عاجز رہیں گے۔ یہ بلاغت وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ ہے اس کے علاوہ اور بھی وجوہ اعجاز ہیں۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ آخر الانبیاء ہیں اور آپ کی امت آخر الامم ہے اور قیامت تک آپ ﷺ کی دعوت سارے انسانوں کے لئے ہے اس لئے آپ کو بہت سے معجزات جو آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں کثیر تعداد میں دیئے گئے ان کے علاوہ ایک ایسا معجزہ بھی دے دیا جو ہمیشہ کے لئے معجزہ ہے اور وہ قرآن کریم ہے افلا يتدبرون القرآن ام على قلوب اقفالها قرآن حکیم کے طرز بیان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین مختلف طریقوں سے بیان کئے ہیں اس میں عبرتیں بھی ہیں مواعظ بھی ہیں احکام بھی ہیں۔ وعدے بھی ہیں وعیدیں بھی ہیں۔ قصص بھی ہیں ترغیب وترہیب بھی ہے اور امر ونواہی بھی ہیں، معاشرت کا طریقہ بھی بتایا ہے اور اخلاق وآداب کا بیان بھی ہے ما بعد الموت کی خبریں بھی ہیں، حشر ونشر کی تفصیلات بھی، اور مضامین کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اکثر لوگ اس کے انکار پر بھی تلے ہوئے ہیں۔ قوله تعالى من كل مثل قال صاحب الروح من كل معنى بديع هو فى الحسن والغرابة واستجلاب النفوس كالمثل.

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ

اور ان لوگوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں۔ یا خاص کر آپ کیلئے کھجوروں اور انگوروں

نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا

کا باغ ہو پھر آپ اس باغ کے درمیان بہت سی نہریں جاری کر دیں یا آپ ہمارے اوپر آسمان کو ٹکڑوں کی صورت میں گرا دیں جیسا کہ آپ کا بیان

كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ

ہے یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں یا آپ کا گھر ہو جو خوب زینت والا ہو یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر ہرگز یقین نہ کریں

نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ ع ۱۰

گے یہاں تک کہ آپ ہمارے اوپر ایک لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیں جسے ہم پڑھ لیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر ہوں پیغمبر ہوں۔

قریش مکہ کی ہٹ دھرمی اور فرمائشی معجزات کا مطالبہ

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا کام شروع کیا اور مشرکین مکہ کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کے لئے فرمایا تو وہ دشمن ہو گئے، حق قبول کرنے سے دور بھاگتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح سے ستاتے تھے ٹٹ حجتی پر تلے ہوئے تھے۔ الٹے الٹے سوال کرتے اور بے تکی فرمائشیں آیت بالا میں مذکور ہیں صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ قریش مکہ کے چند افراد جمع ہوئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ جو آپ نے نئی باتیں شروع کی ہیں اگر ان کے ذریعہ آپ کو مال طلب کرنا مقصود ہے تو بتائیے ہم آپ کو مال دے دیں گے آپ ہم میں سب سے بڑے مالدار ہو جائیں گے اور اگر بڑا بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی جنون ہو گیا ہے تو وہ بتائیے ہم اپنے اموال خرچ کر کے آپ کا علاج کرا دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے مجھے اللہ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کے قبول کرنے پر بشارتیں سناؤں، اور مخالفت کے انجام سے ڈراؤں، میں نے تمہیں پہنچا دیا اور خیر خواہی کے ساتھ سمجھا دیا اگر تم اس کو قبول کرتے ہو تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارا نصیب ہوگا اور اگر اس کو نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں یہاں تک کہ اللہ پاک میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں۔

وہ لوگ کہنے لگے تو پھر ایسا کرو کہ اپنے رب سے سوال کرو کہ یہ پہاڑ مکہ کی سرزمین سے ہٹ جائیں جن کی وجہ سے ہماری جگہ تنگ ہو رہی ہے اور ہمارے شہروں میں وسعت ہو جائے۔ جیسے شام و عراق میں نہریں ہیں اس طرح کی نہریں ہمارے شہر میں جاری ہو جائیں۔ اور ہمارے مردہ باپ دادوں کو قبروں سے اٹھاؤ جن میں سے قصی بن کلاب بھی ہو۔ یہ لوگ قبروں سے اٹھ کر آپ کی تصدیق کر دیں تو ہم مان لیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا کام نہیں، میں ایسا کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا، مانتے ہو تو مان لو، اور نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ ہوگا ہو جائے گا۔

وہ کہنے لگے اگر ایسا نہیں کرتے تو اپنے رب سے یہ سوال کیجئے کہ آپ کی تصدیق کے لئے ایک فرشتہ بھیج دے۔ اور یہ سوال کرو کہ آپ کو باغات اور محلات دے دے اور سونے چاندی کے خزانے دے دے۔ جن کی وجہ سے آپ غنی ہو جائیں اور یہ آپ کی ظاہری حالت (جو مال کی کمی کی وجہ سے ہے) نہ رہے آپ تو ہماری طرح بازاروں میں کھڑے ہوتے ہیں اور ہماری طرح معاش تلاش کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرا یہ کام نہیں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، کہنے لگے اچھا تم ایسا کرو کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ کو اس پر قدرت ہے اگر قدرت ہے تو اس کا مظاہرہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اللہ چاہے تو وہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتا ہے، اس پر ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ ہم آپ پر اس وقت ایمان لائیں گے جب آپ اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیں۔ ان باتوں کے بعد آپ وہاں سے کھڑے ہو گئے، انہیں میں آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھا۔ وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا اے محمد آپ کی قوم نے کئی باتیں پیش کیں آپ نے کسی کو قبول نہ کیا۔ اب آپ ایسا کریں کہ ایک سیڑھی لیں اور میرے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور ایک نوشتہ لکھی ہوئی کتاب بھی لائیں اور آپ کے ساتھ فرشتے بھی آئیں جو آپ کی تصدیق کریں۔ آپ نے ایسا کر دیا تو میں آپ کی تصدیق کروں گا۔

یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ غمگین ہوئے اور اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور آپ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو جواب میں فرما دیں سبحان ربی (کہ میرا رب پاک ہے تمہارے طلب کردہ معجزات سے عاجز نہیں ہے) اللہ چاہے تو فرمائشی معجزات ظاہر فرما دے لیکن وہ کسی کا پابند نہیں ہے جو لوگوں کے لئے فرمائشی معجزات ظاہر فرمائے۔

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (میں تو ایک بشر ہی ہوں ایک انسان ہوں ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے) اگر میں دوسرے انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہوں اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں تو یہ بشریت کے تقاضوں کے موافق ہے اور جو توحید و رسالت کی باتیں کرتا ہوں یہ رسول ہونے کی حیثیت سے ہیں اور رسول ہونے کے لوازم میں یہ باتیں نہیں ہیں جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے، جو مجھ پر ایمان لائے گا اس کا یہ ایمان اسے نفع دے گا اور جو منکر ہوگا۔ اپنا برا کرے گا رسول کے ذمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ واضح طور پر حق بیان کر دے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دے۔

فائدہ ایک ایسی جماعت بھی پائی جاتی ہے جسے سید الاولین ﷺ کی محبت کا بہت بڑا دعویٰ ہے اور اپنے اس دعویٰ کی وجہ سے حضرت رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ایسے ایسے عقائد اختیار کر لئے ہیں جو قرآن و حدیث کی تصریحات کے سراسر خلاف ہیں انہیں میں سے ان کا ایک یہ عقیدہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر نہیں تھے۔ اور ان میں سے بعض مدعیان علم نے تو غضب کر دیا سورۂ کہف کے آخر میں جو فرمایا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اس کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ مانافیہ ہے ان جاہلوں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ اِنَّ حرف تحقیق ہے جملہ منفیہ پر داخل نہیں ہوتا۔ پھر قرآن شریف میں آنحضرت ﷺ کی بشریت ثابت کرنے کے لئے صرف یہی تو ایک آیت نہیں ہے جس میں انما آیا ہے مذکورہ بالا آیت بھی تو ہے جس میں قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا فرمایا ہے اس میں تو مانافیہ نہیں ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

اور لوگوں کو ایمان قبول کرنے سے صرف اس بات نے روکا کہ جب ان کے پاس ہدایت آئی تو صرف یہی بات کہنے لگے کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا

قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

آپ فرما دیجئے اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو اطمینان سے چلتے پھرتے تو ضروری بات ہوتی کہ ہم ان پر فرشتہ کو رسول بنا کر اتار دیتے،

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

آپ فرما دیجئے کہ میرے تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے۔

لوگ اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ نبوت اور بشریت میں تضاد سمجھتے ہیں، اگر زمین میں فرشتے رہتے ہوتے تو ان کے لئے فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا

لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب دین حق کی دعوت دیتے اور یہ بتاتے کہ ہم اللہ کے رسول ہیں تو یوں کہہ دیتے تھے کہ انسان کا رسول ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ سورۂ ابراہیم میں ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کی امتوں نے اپنے رسولوں کی رسالت کا انکار کرنے کے لئے یوں کہا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کہ تم تو ہماری طرح کے آدمی ہو، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی مشرکین نے اسی طرح کی بات کہی تھی۔ نبیوں اور رسولوں کا انسان ہونا جو حکمت کے بالکل موافق ہے لوگوں کے لئے ہدایت سے گریز کرنے اور ایمان قبول کرنے کا سبب بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جواب میں فرمایا کہ زمین میں انسان بستے ہیں لہٰذا ان کے لئے انسانوں کو مبعوث کیا گیا اگر زمین میں فرشتے بسے ہوئے ہوتے اور سکون و اطمینان کے ساتھ یہیں رہتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو

ہم آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔ زمین میں بسنے والے انسان ہیں ان کی طرف جو رسول بھیجے گئے وہ بھی انسان ہیں کیونکہ ہم جنس سے استفادہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ انسانوں کی طرف انسانوں کا مبعوث ہونا یہ تو عین حکمت ہے اور سمجھ میں آنے والی بات ہے لیکن لوگوں نے اسی کو ایمان سے دور رہنے کا ذریعہ بنالیا۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے) تمہارے ماننے نہ ماننے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے وہ گواہ ہے کہ میں اس کا رسول ہوں تم مانو یا نہ مانو۔ نہ مانو گے تو سزا بھگتو گے۔ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا اللہ تعالیٰ کو سب بندوں کے احوال و افعال کا علم ہے وہ باخبر ہے دانا بینا ہے اپنے علم و حکمت کے موافق سزا دے گا۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ

اور جسے اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے، اور وہ جسے گمراہ کر دے سو آپ اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ اور ہم انہیں

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝

قیامت کے دن چہروں کے بل اس حال میں چلائیں گے کہ وہ اندھے اور گونگے اور بہرے ہوں گے اور ٹھکانا دوزخ ہے جب بھی بجھنے لگے گی ہم ان کے لئے بھڑکتی ہوئی زیادہ کر دیں گے

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

یہ ان کی سزا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور یوں کہا کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا

جَدِيْدًا ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

کر کے اٹھائے جائیں گے کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا کیا نہیں معلوم انہیں کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا وہ اس پر قادر ہے کہ ان

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

جیسے پیدا فرمادے اور اس نے ان کیلئے ایک اجل مقرر کر رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں، سو ظالموں نے کفر کے سوا کچھ نہیں کیا۔

قیامت کے دن گمراہ لوگ گونگے، اندھے اور بہرے اٹھائے جائیں گے پھر دوزخ کی آگ میں داخل کئے جائیں گے یہ سزا اس لئے دی جائے گی کہ انہوں نے حشر و نشر کی تکذیب کی

گذشتہ آیات میں منکرین کے عناد اور کٹ حجتی کا تذکرہ تھا ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کیسے تسلی بھی ہے اور منکرین کیلئے وعید بھی، جو لوگ رسالت کے منکر تھے وہ بعث بعد الموت اور حشر و نشر کے بھی منکر تھے، ان کا ایک اعتراض نقل فرمایا ہے اور اسکا جواب بھی دیا ہے۔

ارشاد فرمایا اللہ جسے ہدایت دے وہی ہدایت یاب ہو سکتا ہے اور اللہ جسے گمراہ کر دے تو وہ گمراہ ہی رہے گا۔ اللہ کی طرف سے جب تک ہدایت نہ ہو تو کوئی ہدایت یاب نہیں ہو سکتا اور اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا کہ ان منکروں کو قیامت کے دن ہم چہروں کے بل چلائیں گے۔ اس وقت اندھے بھی ہوں گے اور بہرے بھی اور گونگے بھی۔ یعنی عین حشر کے وقت ان کی یہ حالت ہوگی گو بعد میں دیکھنے اور بولنے اور سننے کی قوتیں دے دی جائیں گی۔ دوسری آیات سے ان کا دیکھنا اور سننا اور بولنا ثابت ہے ان لوگوں کے حق میں

دوزخ میں داخل ہونے کا فیصلہ ہوگا اس فیصلہ کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور وہی ان کا ٹھکانہ ہوگا۔ وہاں سے کبھی نکلنا نہ ہوگا۔ اور عذاب دائمی کا یہ حال ہوگا جب دوزخ کی آگ بجھنے لگے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ بھڑکا دے گا۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ (الایۃ) ان لوگوں کی یہ سزا اس لئے ہوگی کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور حشر ونشر کی بات سن کر اعتراض اور تکذیب کے پیرائے میں یوں کہا کہ ہم قبروں میں گل جائیں گے صرف ہڈیاں رہ جائیں گی اور ان کا بھی چورا بن جائے گا تو اس وقت کیا پھر نئے سرے سے پیدا ہوں گے یہ تو سمجھ میں آنے والی بات نہیں! ان کے جواب میں فرمایا کہ ان لوگوں کا انکار اور استہزاء بے محل ہے اس بات کا تو انہیں اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا جس نے اتنی بڑی مخلوق پیدا کر دی وہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے ارواح تو باقی رہتی ہے اجسام کا دوبارہ پیدا فرما دینا اس میں کوئی بات نہیں جو عقل یا فہم کے خلاف ہو ہاں اتنی بات ہے کہ قیامت کے دن کے لئے ایک میعاد مقرر فرما رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے جب وقت موعود آجائے گا تو قیامت آجائے گی مردے زندہ ہو جائیں گے اور قبروں سے اٹھ کر محشر کی طرف جمع ہوں گے۔ لوگوں کی تکذیب اور اعتراض وانکار کی وجہ سے مقررہ اجل سے پہلے قیامت واقع نہیں ہوگی اس بات کو نہ دیکھیں کہ عرصہ دراز ہو گیا قیامت نہیں آئی جو دلائل پیش کئے جا رہے ہیں ان میں غور کریں، دلائل میں تو غور کرتے نہیں حق کو ماننے نہیں کفر ہی پر اڑے ہوئے اور اسی کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا (سو ظالموں نے بس انکار ہی کیا)

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ ع

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس صورت میں خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیتے اور انسان بڑا تنگ دل ہے۔

اگر تمہارے پاس میرے رب کی رحمت کے خزانے ہوتے تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیتے، انسان بڑا تنگ دل ہے

مطلب یہ ہے کہ اگر تم میرے رب کے خزانوں کے مالک ہوتے اور تمہیں اختیار ہوتا کہ جسے چاہو دو اور جسے چاہو نہ دو۔ تو تم ہاتھ روک لیتے کسی کو نہ دیتے اللہ تعالیٰ رازق ہے اور خالق ہے۔ اپنی مخلوق کو رزق عطا فرماتا ہے جس کا جتنا رزق مقدر اور مقسوم فرمایا ہے پورے کئے بغیر موت نہ آئے گی۔ جب سے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ رزق دیتا ہے اور جس قدر اس کی مخلوق بڑھتی چلی جائے اس کی نعمتوں اور رحمتوں میں کوئی کمی نہیں، مخلوق بھی بڑھ رہی ہے اور ارزاق بھی بڑھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو عطا فرماتا ہے اور حاجتیں پوری فرماتا ہے، دوست اور دشمن سب کو دیتا ہے ایک حدیث میں ہے ارایتم ما انفق منذ خلق السمٰوات والارض فانه لم ینقص ما فی یدہ (تم ہی بتاؤ اس نے جب سے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے کتنا خرچ فرما دیا اس سب کے باوجود اس کے قبضہ قدرت سے کچھ بھی کم نہیں ہوا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱)

یہ جو اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت ہے بھرپور انفاق ہے حاجت روائی ہے یہ سب اس کی رحمت کے خزانوں میں سے ہے اگر اس کے خزانے مخلوق کے اختیار میں ہوتے اور وہ خرچ کرنے والے ہوتے تو وہ اس ڈر سے کہ یہ سب خرچ ہو گیا تو تنگ دستی آجائے گی خرچ کرنے سے ہاتھ ہی روک لیتے وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا اور انسان طبعی طور پر قتور واقع ہوا ہے جو خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ کنجوس ہے اور تنگ دل ہے، علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں مشرکین کی اس بات کا جواب ہے جو انہوں نے کہا تھا کہ ہماری سرزمین میں چشمے جاری کروا دیجئے

تا کہ ہماری تنگ دستی جاتی رہے اور معیشت میں وسعت ہو جائے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمہیں وسعت نصیب ہو جائے تب بھی کنجوسی کرو گے کیونکہ انسان مزاج اور طبیعت کے طور پر بخیل، کم دلا اور نخ چاواقع ہوا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کھلی ہوئی نو نشانیاں عطا کیں سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا

اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

کہ موسیٰ بلاشبہ میں تیرے بارے میں یہ گمان کرتا ہوں کہ کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے۔ موسیٰ نے جواب میں کہا کہ تو ضرور جانتا ہے کہ یہ چیزیں آسمانوں

وَالْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ

اور زمین کے پروردگار ہی نے نازل فرمائی ہیں جو بصیرت کا ذریعہ ہیں اور اے فرعون میں تیرے بارے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہو جانے والا ہے، پھر اس نے چاہا

الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ

کہ انہیں زمین سے اکھاڑ دے سو ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو سب کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ زمین میں رہو سہو

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝

اور پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تمہیں جمع کر کے حاضر کر دیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کھلی ہوئی نو نشانیاں دیں فرعون اپنے ساتھیوں کے ساتھ غرق کر دیا گیا اور بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ زمین میں رہو سہو

ابتدائے سورت میں واقعہ معراج کے بعد بنی اسرائیل کے بعض واقعات بیان فرمائے اور ان سے فرمایا اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا اس کے بعد مشرکین کے اعمال واقوال اور عقیدہ شرک کی تردید فرمائی درمیان میں بعض مامورات اور منہیات بھی ذکر فرما دیئے پھر مشرکین کے عناد اور تکذیب کا تذکرہ فرمایا۔ اب سورت کے ختم ہونے کے قریب بھی بنی اسرائیل اور ان کے دشمن فرعون کا تذکرہ فرمایا جس میں بنی اسرائیل یعنی یہود کے لئے اور تمام ہی منکرین اور معاندین کے لئے عبرت ہے، اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلی کھلی واضح نو نشانیاں عطا کیں، ان نشانیوں سے کیا مراد ہے؟ یہ بات ہم عنقریب ذکر کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے اور بنی اسرائیل کئی سو سال سے مصر میں رہتے آرہے تھے جن پر فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے بڑے بڑے مظالم ہوتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ فرعون کو نصیحت کرو اسے اور اس کی قوم کو توحید کی دعوت دو اور رب کائنات جل مجدہٗ کی عبادت کی طرف بلاؤ اور بنی اسرائیل کو اسکے چنگل سے چھڑا کر مصر سے لے جاؤ، فرعون بہت بڑا جابر تھا اپنے آپ کو معبود کہلواتا اور منواتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس سے بات کی اور راہ حق کی دعوت دی اور بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا کہ انہیں چھوڑ دے میں ساتھ لے جاتا ہوں تو فرعون نے بڑی جاہلانہ باتیں کیں اور حضرت موسیٰ کو جادوگر بتایا پھر جادو گر بلائے اور مقابلہ کرایا جادوگر ہار گئے اور مسلمان ہو گئے جس کا تفصیلی واقعہ سورۂ انعام کے (رکوع ۱۳) اور سورۂ طٰہٰ کے دوسرے تیسرے رکوع میں مذکور ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے ساحر یعنی جادوگر تو بتایا ہی تھا مسحور بھی بتایا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے اسی جادو کی وجہ سے تو ایسی باتیں کر رہا ہے معالم التنزیل میں محمد بن جریر سے مسحور کا ایک ترجمہ معطی علم السحر نقل کیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ تجھے جادو کا فن دے دیا گیا ہے اس کے ذریعے یہ عجائب تیرے ہاتھوں سے ظاہر ہو رہے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑی جرأت سے جواب دیا کہ تیرا دل جانتا ہے کہ یہ چیزیں جو سامنے آ رہی ہیں اور میرے ہاتھوں ظاہر ہو رہی ہیں یہ صرف اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں اور یہ بصیرت کی چیزیں ہیں تو عناد کرتا ہے حق سے بھاگتا ہے اس کا برا انجام تیرے سامنے آنے والا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اب تیری شامت ہی آ گئی اب تو ہلاک ہی ہو کر رہے گا فرعون نے ساری سنی ان سنی کر دی اور سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا تھا وہ صحیح ثابت ہوا بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ فرعون پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقاضے پر ہی بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طاقت بڑھ رہی ہے اور بنی اسرائیل ان کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں تو اندیشہ محسوس کیا کہ ان کی جماعت زور پکڑ کر کہیں مصری قوم کی بربادی کا سبب نہ بن جائے لہٰذا اس نے بنی اسرائیل کو مصر کی سرزمین سے نکال دینے کا پروگرام بنایا اس بات کو فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ میں بیان فرمایا ہے اور روح المعانی میں من الارض کی تفسیر میں ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر دیا جائے یہ بھی زمین سے بنا دینے کی ایک صورت ہے۔ سورۂ اعراف میں فرمایا ہے کہ فرعون نے کہا سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ (کہ ہم ان کے مردوں کو خوب کثرت کے ساتھ قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیں گے اور ہمیں ان پر غلبہ حاصل ہے) اس کے پیش نظر یہ دوسرا معنی اظہر ہے، فرعون اگر بنی اسرائیل کو جلاوطن کرنے پر راضی ہوتا تو بنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے راہ فرار اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی، علامہ قرطبی نے بھی اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کے دو معنی لکھے ہیں دونوں میں سے جو معنی بھی لیا جائے بہر حال فرعون کے ارادہ اور مکر و تدبیر سب کا الٹ ہوا اللہ جل شانہٗ نے فرعون کو اور اس کے ساتھیوں کو سمندر میں ڈبو دیا اور بنی اسرائیل پار ہو کر دوسرے کنارہ پر پہنچ گئے جس کا واقعہ سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔

فرعون مصر سے بھی نکلا حکومت بھی ہاتھ سے گئی اور زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا اور غرق ہونے کی ذلت میں مبتلا ہوا اس کو فرمایا فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا (سو ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو سب کو غرق کر دیا) وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ (اور ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اس کے بعد زمین میں رہو سہو) علامہ قرطبی لکھتے ہیں ای ارض الشام و مصر یعنی مصر اور شام کی زمین میں رہو جس کا مطلب یہ ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کی بربادی کے بعد بنی اسرائیل کو اختیار دے دیا گیا خواہ مصر میں رہو اور خواہ اپنے آبائی وطن یعنی شام (فلسطین) میں جا کر آباد ہو جاؤ لیکن انہوں نے شام میں رہنا پسند کیا، پسند تو کر لیا لیکن اپنی حرکتوں کی وجہ سے میدان تیہ میں گھومتے رہے اور چالیس سال کے بعد فلسطین میں داخل ہو سکے (کما مر فی سورۃ المائدہ) فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا (پھر جب آخرت یعنی قیامت کا وعدہ آ پہنچے گا اور قیامت قائم ہو گی تو ہم تم کو اس حالت میں اٹھالیں گے کہ سب لفیف ہوں گے) یعنی قبور سے اس حالت میں اٹھیں گے کہ سب ملے جلے ہوں گے اور مختلف جہات سے اٹھ کر آئیں گے اور میدان میں جمع کر لئے جائیں گے بعض حضرات نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کافر قبروں سے اٹھ کر جب بدحالی دیکھیں گے تو مومنوں کی جماعتوں میں گھس جائیں گے تاکہ ان کی لپیٹ میں بچ جائیں جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو گا وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (کہ اے مجرمو! آج کے دن علیحدہ ہو جاؤ) پھر کافروں کی جماعتیں بن بن کر دوزخ میں جائیں گی اور مؤمنین کی جماعتیں جنت میں چلی جائیں گی۔

فائدہ.....اس رکوع کے شروع میں جو یہ فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کھلی ہوئی نو نشانیاں عطا کیں، ان نشانیوں سے کون سی نشانیاں مراد ہیں؟ مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان سے یہ معجزات مراد ہیں (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) سمندر سے بنی اسرائیل کو لے کر پار ہو جانا (۴) فرعون اور اس کی قوم کا قحط میں مبتلا ہو جانا (۵) اور پھلوں کا کم ہو جانا (۶، ۷) اور قوم فرعون پر مینڈکوں کا اور جوؤں کا عذاب آجانا (۸) اور مینڈکوں کے عذاب میں مبتلا ہونا (۹) اور ان کے برتنوں اور پینے کے پانی میں خون کا موجود ہو جانا۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور بھی ہیں اس لئے بعض حضرات نے ان کو بھی اس ذیل میں ذکر فرمایا ہے مثلاً پتھر سے چشموں کا جاری ہو جانا اور من وسلویٰ نازل ہونا جو حضرات دوسرے معجزات کو ان نو معجزات میں شمار کرتے ہیں جن کا ذکر آیت بالا میں ذکر ہے وہ مذکورہ معجزات میں سے بعض کو نو معجزات والی گنتی میں نہیں لاتے ان کی جگہ دوسرے معجزات کو شمار میں لے لیتے ہیں۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ

اور ہم نے حق کیساتھ اتارا اور وہ حق کے ساتھ اترا اور ہم نے آپ کو صرف خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا اور ہم نے قرآن میں جا بجا فصل کیا ہے

لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے، آپ فرما دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ، بلاشبہ جن لوگوں

اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ

کو اس سے پہلے علم دیا گیا ان کے سامنے جب یہ آیات پڑھی جاتی ہیں تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے

اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝

بلاشبہ رب کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے اور وہ رونے کی حالت میں ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کا خشوع بڑھا دیتا ہے۔

وقف لازم

السجدة ۴

ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں سابقین اہل علم اس کو سنتے ہیں تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں

ان آیات میں کتاب اللہ کی اور رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان فرمائی ہیں اور قرآن کی تلاوت سے متاثر ہونے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور یہ فرمایا کہ ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے بھیجنے والے نے حق کے ساتھ بھیجا جس کے پاس آیا حق ہی کے ساتھ پہنچا درمیان میں کسی طرح کا تغیر اور تبدل نہیں ہوا، پھر نبی اکرم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ کو صرف مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اہل ایمان کو جنت کی بشارت دینا اور اہل کفر کو دوزخ کی وعید سنانا آپ کا اتنا ہی کام ہے جو نہ مانے گا وہ اپنا ہی برا کرے گا آپ کو غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔

پھر فرمایا وقرآنا فرقنٰہ لتقرأہ علی الناس علی مکث (یعنی ہم نے قرآن کو اس طرح نازل کیا کہ اس میں جا بجا فصل ہے ایک آیت ختم ہونے کے بعد دوسری آیت شروع ہوتی ہے اور ایک سورت کے بعد دوسری سورت شروع ہو جاتی ہے اس میں آیت اور وقف، فواصل اور سورتوں اور مضامین کا تنوع رکھا گیا ہے تاکہ آپ ﷺ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں تاکہ سننے والے سمجھ سکیں اور حفظ

کرنے والے یاد کر سکیں، مسلسل بیان کرنے میں جو بعض مرتبہ سننے والوں سے بعض باتیں رہ جاتی ہیں ان کے سمجھنے میں اور یاد کرنے میں جو دقت ہوتی ہے اس کا سامنا نہ ہو **علی مُکْثٍ** کا یہ معنی لیا جائے تو اس میں ترتیل اور تجوید کے ساتھ اس طرح پڑھنا بھی آجاتا ہے کہ تلاوت میں قرآن مجید کے حروف نہ کٹیں اور کسی طرح کی کمی بیشی نہ ہو۔

فَرَقْنٰهُ کا یہ معنی جو بعض مفسرین نے اختیار کیا ہے، صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی یوں نقل کیا ہے کہ **بینا حلالہ و حرامہ** کہ ہم نے اس میں واضح طور پر حلال اور حرام بیان کر دیا ہے اور بعض حضرات نے اس کا یہ معنی لیا ہے کہ **فرقنا فیہ بین الحق والباطل** (یعنی ہم نے اس میں حق اور باطل کو جدا جدا کر کے علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا اور اوامر اور نواہی اور مواعظ اور امثال اور قصص کو واضح کر دیا ہے۔ (ھذا یرجع الی ما ذکرناہ اولا)

وَنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا، روح المعانی (ص ۱۸۸ ج ۱۵) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قرآن مجید لوح محفوظ سے ماہ رمضان میں شب قدر میں آسمان دنیا پر پورا نازل کر دیا گیا اور وہاں بیت العزت میں رکھ دیا گیا پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے حسب مصالح العباد بواسطہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تیئیس (۲۳) سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے سید اولین و آخرین ﷺ پر نازل ہوا، لفظ تنزیل تفعیل کا وزن ہے اور یہ وزن اپنی بعض خاصیات کے اعتبار سے کسی کام کے تھوڑا تھوڑا کرنے پر دلالت کرتا ہے اسی لئے مفسرین کرام **نَزَّلْنٰهُ** کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا قال فی الجلالین و نزلنا تنزیلا شیئا بعد شیئ علی حسب المصالح.

اس کے بعد فرمایا **قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا** (الآیۃ) اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ مخاطبین سے فرما دیجئے کہ تم اس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، ایمان کا فائدہ تمہیں پہنچے گا اور انکار کا نقصان بھی تمہیں پہنچے گا اور تمہارے ایمان نہ لانے سے میرا کوئی ضرر نہیں اور یہ بھی سمجھ لو کہ قرآن کا بقاء اور اس کا دنیا جہاں میں آگے بڑھنا اور پھیلنا کوئی تم پر موقوف نہیں، جن لوگوں کو نزول قرآن سے پہلے علم دے دیا گیا تھا انہوں نے اسلام قبول کر لیا جب قرآن مجید ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے وہ وعدہ خلافی نہیں کر سکتا اس نے جو وعدہ فرمایا ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

یہ لوگ ٹھوڑیوں کے بل جو سجدہ میں گر پڑتے ہیں روتے ہوئے گرتے ہیں اور قرآن کا سننا ان کے خشوع کو اور زیادہ کر دیتا ہے، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ **اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ** سے مؤمنین اہل کتاب مراد ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے دین حق کی تلاش میں تھے اور آپ کی بعثت کے منتظر تھے جب آپ کی بعثت کا علم ہو گیا تو آپ پر ایمان لے آئے اور قرآن کو سنا اور پڑھا اس قرآن کو سنتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان سے اور قرآن سے نوازا ہے وہ روتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں اور یہ قرآن ان کے اندر اور زیادہ خشوع بڑھنے کا سبب بن جاتا ہے، بطور مثال علامہ بغوی نے زید بن عمرو بن نفیل اور سلمان فارسی اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہم کا نام لکھا ہے اور علامہ قرطبی نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہو گئے، احقر کے نزدیک اس سے نجاشی اور اس کے حاضرین بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں **وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ** فرمایا ہے، لفظ اذقان ذقن کی جمع ہے جس کا ترجمہ ٹھوڑی کیا گیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے چہرے مراد ہیں سجدہ صحیح طریقے پر کیا جائے تو ٹھوڑی زمین سے لگنے کے قریب ہو جاتی ہے اس لئے ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرنے سے تعبیر فرمایا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو صفت علم سے متصف ہو اسے اس مرتبے تک پہنچنا چاہئے کہ قرآن کریم سننے کے وقت اس کے دل میں خشوع ہو اور متواضع ہو کر بیٹھے اور عاجزانہ ہیبت اختیار کرے، مسند دارمی میں ابو محمد تمیمی کا قول نقل کیا ہے کہ جسے علم دیا گیا لیکن اس علم نے اسے رلایا نہیں تو وہ اس لائق ہے کہ اسے علم نہ دیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے علماء کی یہ صفت بیان فرمائی کہ چہروں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اس کے بعد انہوں نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔

اس کے بعد علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ کے خوف سے اگر نماز میں روئے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی سنن ابوداؤد ص ۱۳۰ ج ۱ میں ہے کہ مطرف بن عبداللہ نے اپنے والد عبداللہ بن شخیر کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے سینہ مبارک سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے چکی چلنے کی آواز ہوتی ہے، یہ حدیث سنن نسائی میں بھی ہے اس میں یوں ہے کہ آپ کے اندر سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے ہانڈی پکنے کی آواز ہوتی ہے۔ (ص ۱۷۹ ج ۱)

اللہ کے خوف سے رونا اہل ایمان کی خاص صفات میں سے ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی مومن بندہ کی آنکھوں سے آنسو نکل جائیں اگرچہ مکھی کے سر کے برابر ہوں اور یہ آنسوؤں کا نکلنا اللہ کے خوف سے ہو پھر یہ آنسو اس کے چہرہ پر گر جائیں تو اللہ اس کو آگ پر حرام فرما دے گا۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں کہ ان کو آگ نہیں چھوئے گی ایک تو وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں نگرانی کی یعنی جہاد کے موقع پر رات کو جاگتا رہا کہ کوئی دشمن تو نہیں آرہا ہے (رواہ الترمذی) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ نجات کس چیز میں ہے آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو (بری باتوں سے) روکے رکھو اور اپنے گھر میں اپنی جگہ بنائے رکھ (یعنی گھر میں ہی رہو ضرورت باہر نہ نکل) اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۳ از احمد و ترمذی)

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ

آپ فرما دیجئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو سو اس کے لئے اچھے اچھے نام ہیں اور اپنی نماز میں نہ تو بہت

وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝

آواز سے پڑھئے اور نہ چپکے چپکے پڑھئے اور دونوں کے درمیان اختیار کیجئے۔

اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو اس کے اچھے اچھے نام ہیں
آپ ﷺ نماز میں قرات کرتے وقت درمیانی آواز سے پڑھئے

درمنثور (ص ۶۰۶ ج ۴) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں یا اللہ اور یا رحمٰن کہا تو مشرکین مکہ نے کہا کہ اس نئے دین والے کو دیکھو ہمیں وہ معبودوں کی عبادت سے منع کرتا ہے اور خود دو معبودوں کو پکار رہا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رحمٰن کہہ کر پکارنا دو معبودوں کو پکارنا نہیں ہے معبود تو ایک ہی ہے جو وحدہ لا شریک لہ ہے یہ دونوں اس کے نام ہیں اس کے جس نام سے بھی پکارو کوئی شرک لازم نہیں آیا اور تم تو کئی معبودوں کو مانتے ہو تمہارے معبود ایسے نہیں ہیں کہ ذات ایک ہو اور نام کئی عدد ہوں تمہارے عقیدہ میں

معبودوں کی ذاتیں متعدد ہیں اور میرا جو معبود ہے ایک ہی ہے وہ معبود حقیقی ہے جس کا نام اللہ بھی ہے رحمٰن بھی ہے ان دونوں ناموں کے علاوہ اور بھی اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں ان ناموں میں سے جو نام لے کر بھی اسے پکارا جائے صحیح ہوگا شرک نہ ہوگا کیونکہ یہ سب ایک ذات پاک کے نام ہیں سنن ترمذی میں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام مروی ہیں جو مشکوٰۃ المصابیح میں (ص ۱۹۹) پر منقول ہیں۔

ولا تجهر بصلاتك (الاية) صحیح بخاری (ص ۲۹۲ ج ۲) میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں (ابتدائے اسلام میں) چھپ کر اپنے صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے جس میں قرأت زور سے پڑھتے تھے جب اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ نماز میں زور سے قرأت نہ پڑھیں جسے سن کر مشرکین برے الفاظ میں ذکر کرنے کا موقع پائیں اور آپ نماز میں قرأت کو آہستہ بھی نہ پڑھیں جس کی وجہ آپ کے صحابہ نہ سن سکیں آپ دونوں کے درمیان راستہ اختیار کریں، اس سے معلوم ہوا کہ جن نمازوں میں قرأت جہر سے پڑھی جاتی ہے ان میں اتنا جہر کافی ہے کہ اپنے مقتدی سن سکیں اتنے زور سے جہر نہ کیا جائے کہ کافروں تک بھی آواز پہنچے اور وہ متاثر ہونے کے بجائے قرآن مجید کو اور اس کے اتارنے والے اور لانے والے کو برے لفظوں میں یاد کریں، اور یوں بھی جہر مفرط کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام آوازوں کو سنتا ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ سفر میں رسول اللہ ﷺ ایک پہاڑی وادی میں چڑھ رہے تھے اس وقت ایک شخص نے بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو بہرے اور غائب نہیں پکار رہے ہو پھر آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ جنت کے خزانوں میں سے ہے۔ (صحیح بخاری ص ۹۰۹)

رسول اللہ ﷺ ایک دن رات کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر گزرے پھر صبح کو فرمایا کہ ابوبکر میں تمہارے قریب سے گزرا تو معلوم ہوا کہ تم پست آواز میں قرآن شریف پڑھ رہے ہو انہوں نے عرض کیا کہ جس ذات پاک سے مناجات کر رہا تھا اس کو میں نے سنا دیا آپ نے فرمایا کہ تھوڑی سی آواز اونچی کر کے پڑھا کرو پھر حضرت عمر سے فرمایا کہ میں تمہارے قریب سے گزرا تم اونچی آواز سے قرأت پڑھ رہے تھے انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنی بلند آواز سے اونگھنے والے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو تھوڑا سا پست کرو۔ (رواہ الترمذی باب ماجاء فی القراءۃ باللیل)

اس کو فرمایا **وابتغ بين ذٰلك سبيلا** (اور آپ اس کے درمیان راستہ اختیار کیجئے)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ

اور آپ یوں کہئے کہ ساری تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے لئے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ملک میں کوئی شریک ہے، اور نہ ایسی بات ہے

لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝

کہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی ولی ہو، اور خوب اچھی طرح سے اس کی بڑائی بیان کیجئے۔

ع ۱۲

اللہ کی حمد بیان کیجئے جس کا کوئی شریک اور معاون نہیں ہے اور اس کی بڑائی بیان کیجئے

در منثور (ص ۲۰۸) میں حضرت محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور مشرکین عرب اللہ کے لئے یوں شریک تجویز کرتے تھے حج میں جو تلبیہ پڑھا جاتا ہے اس میں **لا شریک لک** کے ساتھ **الا شریکا ھو**

لک تملکه وما ملک بھی جوڑ دیتے تھے اور صابئین اور مجوس یوں کہتے تھے کہ اگر اللہ کی مدد کرنے والے نہ ہوتے تو وہ عاجز ہو کر رہ جاتا ان سب کی تردید میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت بالا وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا (آخر تک) نازل فرمائی جس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا نہ اس کی اولاد ہے نہ اولاد ہو سکتی ہے کیونکہ اولاد ہونا اس بے عیب کے لئے عیب ہے حدیث قدسی میں ہے وسبحانی ان صاحبة او ولدا (اور میں اس سے پاک ہوں کہ میرے کوئی بیوی ہو یا اولاد ہو)

نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے اور نہ ملک میں اس کا کوئی شریک ہے سارا ملک اسی کا ہے وہ ملک الملوک ہے اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اسے کسی شریک کی ضرورت ہے اور نہ کسی مددگار کی جسے امور مملکت پر پوری قدرت نہیں ہوتی اسے ولی یعنی مددگار کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، قوی عزیز ہے وہ کسی چیز سے عاجز نہیں لہٰذا اسے کسی ولی یعنی مددگار کی ضرورت نہیں نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہے۔ سورۂ سبا میں فرمایا قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ ۝ (آپ فرما دیجئے کہ ان لوگوں کو بلا لو جن کو تم خدا کے سوا نافع اور معبود سمجھ رہے ہو، وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے، اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی حمد بیان کرنے کا بھی حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں تکبیر یعنی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان فرمانے کا بھی حکم دیا۔ تفسیر ابن کثیر میں مرسلاً روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ آیت اپنے گھر کے ہر چھوٹے بڑے فرد کو سکھایا کرتے تھے نیز بعض آثار سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جس کسی رات کو کسی گھر میں یہ آیت پڑھ لی جائے تو چوری کا یا دوسری کسی مصیبت کا حادثہ پیش نہ آئے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا افضل الذکر لا الہ الا اللّٰہ وافضل الدعاء الحمد للّٰہ (سب سے زیادہ افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے افضل دعا الحمد للہ ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کی طرف وہ لوگ بلائے جائیں گے جو خوشی میں اور دکھ تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حمد اصل شکر ہے اس بندہ نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا جو اسکی حمد بیان نہیں کرتا۔ (رواھما البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں ایک مرتبہ سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر کہہ دوں تو یہ مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج نکلتا ہے۔ (رواہ مسلم)

وھذا آخر سورۃ الاسرآء بفضل اللّٰہ ذی المجد والکبریآء والحمد للّٰہ خالق الارض والسمآء والصلوٰۃ علیٰ صفوۃ الانبیآء وعلیٰ آلہ وصحبہ البررۃ الاتقیآء

☆☆☆.....☆☆☆

مکی	سورۂ کہف	۱۱۰ آیتیں ۱۲ رکوع

اٰیاتہا ۱۱۰ (۱۸) سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ (۶۹) رُكُوعَاتُهَا ۱۲

سورۂ کہف مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۱۰ آیات، ۱۲ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ○ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔ اس کتاب کو مستقیم و سیدھا رکھا تاکہ وہ اللہ کی طرف سے

شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ○

سخت عذاب سے ڈرائے اور مومنین کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لئے اچھا اجر ہے

مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ○ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ○ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے کہا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے، انہیں اس کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہے اور نہ

لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ○

ان کے باپ دادوں کو، بڑی بات ہے جو ان کے منہوں سے نکل رہی ہے یہ لوگ نہیں جھوٹ ہی بول رہے ہیں۔

سورۂ کہف مکہ معظمہ میں نازل ہوئی جس میں ۱۱۰ آیات ہیں اور ۱۲ رکوع ہیں آیت کریمہ واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم کا مدینہ منورہ میں نزول ہوا اور بعض مفسرین نے آخری چار آیات ان الذين امنوا وعملوا الصالحات سے ختم سورت تک کو بھی مدنی بتایا ہے۔

وجہ تسمیہ چونکہ اس سورت میں اصحاب کہف کا قصہ بیان فرمایا ہے اس لیے سورۂ کہف کے نام سے موسوم اور مشہور ہے۔ کہف غار کو کہتے ہیں کچھ اہل ایمان اپنے زمانہ کے اہل کفر کے خوف سے غار میں چھپ گئے تھے اس لئے انہیں اصحاب کہف کہا جاتا ہے اس سورت میں ایک قصہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات کا اور دوسرا قصہ ذوالقرنین کے مشرق اور مغرب کی طرف سفر کرنے اور یاجوج ماجوج کے فساد سے لوگوں کو محفوظ کرنے کے لیے ایک مضبوط دیوار بنانے کا قصہ بھی مذکور ہے۔

سبب نزول بعض علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے مشرکین سے کہا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزیں معلوم کرو

اول یہ کہ روح کیا ہے، دوم یہ کہ اصحاب کہف کا کیا واقعہ ہے، سوم یہ کہ ذوالقرنین کا قصہ کیا ہے؟ پہلی بات کا جواب تو سورۃ الاسراء میں گزر چکا ہے اور باقی دو سوالوں کا جواب اس سورت میں مذکور ہے مشرکین کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کا امتحان کریں لیکن جواب مل جانے پر نہ مشرکین مکہ ایمان لائے اور نہ یہود مدینہ۔

سورۂ کہف پڑھنے کے دنیاوی واخروی منافع حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس نے سورۂ کہف کی شروع کی دس آیات یاد کرلیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۷۱ ج ۱) اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یوں ہے کہ تم میں سے جو شخص دجال کو پالے تو اس پر سورۂ کہف کی شروع کی آیات پڑھ دے (اسکی وجہ سے) وہ دجال سے محفوظ رہے گا۔ (صفحہ ۴۰۱ ج ۲) اور بعض روایات میں ہے کہ سورۂ کہف کی آخری آیات یاد کرنے سے دجال سے حفاظت رہے گی۔ (صحیح مسلم ۲۷۱) آخری آیات علامہ نووی نے شرح مسلم میں افحسب الذین کفروا ان یتخذوا سے بتائی ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لی دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لیے نور روشن رہے گا۔ (کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۹ عن البیہقی فی الدعوات الکبیر) دونوں جمعوں کے درمیان نور روشن رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل روشن رہے گا اور بعض شراح حدیث نے فرمایا کہ جمعہ کے دن اس کے پڑھنے کی وجہ سے ایک ہفتہ کے بقدر اس کی قبر میں روشنی رہے گی۔

مفسر ابن کثیر نے امام بیہقی کی سنن کبریٰ سے حدیث نقل کی ہے کہ جس شخص نے سورۂ کہف اسی طرح پڑھی جیسے کہ نازل ہوئی ہے وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگی اور ضیاء الدین مقدسی کی کتاب المختارہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لی وہ آٹھ دن تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا اس عرصہ میں اگر دجال نکل آیا تو اس سے بھی حفاظت ہوگی۔

تفسیر.....سورۂ کہف کو اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ فاتحہ، سورۂ انعام، سورۂ سبا اور سورۂ فاطر بھی اسی سے شروع فرمائی ہیں چونکہ یہود نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی تکذیب کرنے کے لیے مشرکین کو یہ سوال سمجھایا تھا کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ معلوم کرو اور رسالت کی تکذیب قرآن مجید کی تکذیب کو مستلزم ہے اس لیے سورت کی ابتداء میں یوں فرمایا **الحمدللہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجا** کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی اور نہ اس کے لفظوں میں کوئی خلل ہے اور نہ فصاحت بلاغت میں کمی اور نہ معنی میں تناقض ہے کجی کی نفی فرما کر **قیما** فرمایا چونکہ یہ **لم یجعل لہ** کا مفعول نہیں ہے اس لیے عوجا پر سکتہ یا وقف ہونا چاہئے تاکہ قیما نفی کے تحت داخل نہ ہو جائے۔ صاحب روایت حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہ سے جن چار مواقع میں سکتہ مروی ہے ان میں سے ایک جگہ یہ بھی ہے حضرات قراء کرام نے نقل کیا ہے کہ حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے جا رہے تھے کسی اعرابی نے سنا کہ اس نے عوجا کے بجائے **قیما** پر وقف کر دیا حضرت موصوف نے فرمایا کیف یکون العوج قیما کہ ٹیڑھی چیز کیسے سیدھی ہوگی؟ اس کے بعد سے انہوں نے عوجا پر سکتہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ قال الامام الجزری فی النشر باب السکت علی الساکن قبل الھمز وغیرہ ووجہ السکت فی عوجا قصد بیان ان قیما بعدہ لیس متصلا بما قبلہ فی اعراب فیکون منصوبا بفعل مضمر تقدیرہ انزلہ قیما فیکون حالا من الھاء فی انزلہ۔

قیما مستقیما کے معنی میں ہے جس کا معنی یہ ہے بالکل ٹھیک صحیح بعض حضرات نے تو اس کا وہی ترجمہ کر دیا جو پہلے جملہ کا تھا یعنی **لا خلل فی لفظہ ولا فی معناہ** اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے احکام میں افراط اور تفریط نہیں ہے صاحب

روح المعانی نے دو قول اور لکھے ہیں فراء کا قول ہے کہ قَیِّمًا سے یہ مراد ہے کہ اس نے اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتب سماویہ کی تصدیق کی ہے اور ان کی صحت کی گواہی دی ہے اور ابو مسلم نے نقل کیا ہے کہ قیم کا معنی یہ ہے کہ وہ بندوں کی مصالح کا کفیل ہے اور وہ سب باتیں بتاتا ہے جن سے بندوں کی معاش و معاد دونوں درست ہو جائیں۔

پھر فرمایا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ تاکہ وہ قرآن کافروں کو ایک سخت عذاب سے ڈرائے جو اللہ کی طرف سے ہوگا وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا (اور تاکہ ایمان والوں کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ انہیں اچھا اجر ملے گا) مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا (یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

اَجْرًا حَسَنًا سے جنت مراد ہے جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (اور تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے کہا کہ اللہ نے اپنے لیے اولاد بنالی ہے) پہلے تمام کافروں کو ڈرانے کا تذکرہ فرمایا پھر مستقل طور پر ان لوگوں کے ڈرانے کا ذکر فرمایا جو اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے تھے اہل عرب کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتاتے تھے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں، یہ بہت بڑا شرک ہے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ (ان لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ علم نہیں اور نہ ان کے آباء و اجداد کو کوئی علم ہے) جو کچھ کہتے ہیں علم کی بنیاد پر نہیں اگلے پچھلے باتیں کرتے ہیں باپ دادوں سے سنتے چلے آرہے ہیں انہیں اصل حقیقت کا پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ہونا محال ہے كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (یہ بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکل رہا ہے) یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کر کے بے جا جسارت کی ہے ان کا یہ بات کہنا افتراء کے اعتبار سے اور کلمہ کفر ہونے کے اعتبار سے بڑا کلمہ ہے اور بہت ہی بڑا جرم ہے کسی بھی درجہ میں زبان سے نکالنے کے لائق ہی نہیں ہے اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (یہ لوگ بس جھوٹ ہی بولتے ہیں) سورۂ مریم میں فرمایا وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ (اور انہوں نے کہا رحمٰن نے اولاد اختیار کر لی ہے بلاشبہ تم نے بہت سخت حرکت کی ہے کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے رحمٰن کے لئے اولاد تجویز کی اور رحمٰن کی شان کے لئے لائق نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے)۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا

سو یہ تو ہیں کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان کو غم کی وجہ سے ہلاک کر دینے والے ہیں اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائیں بلاشبہ زمین پر جو کچھ ہے

مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا

ہم نے اس کے لیے زینت بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے اور زمین پر جو کچھ ہے بلاشبہ ہم

عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا ۝

اسے بالکل صاف میدان بنا دینے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

ان آیات کے بعد اصحاب کہف کا قصہ شروع ہونے والا ہے مشرکین اور یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کے سوال کیا کرتے تھے صحیح جواب پاتے تھے، معجزات بھی دیکھتے تھے لیکن ایمان پھر بھی نہیں لاتے تھے اصحاب کہف کا قصہ تو معلوم کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ ایمان پھر بھی نہ لائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے رنج ہونا ظاہر تھا اس لیے قصہ سنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دے دی کہ آپ ان کی گمراہی پر جمے رہنے کی وجہ سے اپنی جان کو غمگین کر کے ہلاک نہ کریں آپ کا ذمہ پہنچانا ہے، منوانا آپ کے ذمہ نہیں ہے اس لیے پہلے ہی فرما دیا کہ شاید آپ ان کے پیچھے اپنی جان ہی کو ہلاک کر دیں گے یعنی آپ ایسا نہ کریں یہ استفہام انکاری کے طور پر ہے مطلب یہ کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان کو ہلاک نہ کریں، اس میں لفظ شاید شک کے لیے نہیں ہے بلکہ محاورات میں جس طرح مخاطب کو قریب کرنے کے لیے بات کی جاتی تھی یہ اسی انداز کی بات ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جانتا ہے اسے کسی بات میں شک نہیں ہے۔

آپ کو تسلی دینے کے بعد یہ بتایا کہ ہم نے دنیا میں جو کچھ پیدا فرمایا ہے یہ صرف زینت ہے اور ہم نے اسے اس لیے پیدا کیا کہ لوگوں کو آزمائیں اس زندگی میں کون اچھے اعمال کرتا ہے، اگر دنیا میں کشش نہ ہوتی تو امتحان ہی کیا ہوتا؟ دنیا میں لگ کر اپنے خالق کو بھول گئے اور خالق کا جو پیغام اس کے رسولوں نے پہنچایا اس کی طرف بڑھنے میں چونکہ دنیا کا نقصان محسوس کرتے ہیں اس لیے حق جانتے ہوئے حق کو قبول نہیں کرتے حالانکہ یہ دنیا تھوڑی سی ہے تھوڑے دن کی ہے اور حق کی جو دعوت دی جا رہی ہے اس کے قبول کرنے پر ہمیشہ کی نعمتوں والی جاودانی زندگی ملے گی، اس عارضی دنیا پر جان نہ دیں، یہ تو لہلہاتی ہوئی کھیتی کی طرح ہے آج ہری بھری ہے اور کل کو کچھ بھی نہیں، کھیتوں کا انجام تو ہمیشہ دیکھتے ہیں ایک دن وہ آنے والا ہے کہ زمین پر جو کچھ ہے کچھ بھی نہ رہے گا اور صاف میدان ہو جائے گا۔ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا ہے وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ (اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا پھر زمین کو ایک ہموار میدان کر دے گا کہ جس میں تو نہ ہمواری دیکھے گا اور نہ تو کوئی بلندی دیکھے گا)۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى

کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ کہف اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب چیز تھے، جب جوانوں نے غار میں ٹھکانہ پکڑ

الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝

تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما، اور ہمارے لیے ہمارے کام میں اچھی صورت حال مہیا کر دیجئے

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ

سو ہم نے ان کے کانوں پر سالہا سال تک پردہ ڈال دیا پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہوں میں سے کون سا

ع ۱۲ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝

ان کے ٹھہرنے کی مدت کو ٹھیک طرح شمار کرنے والا ہے۔

اصحابِ کہف اور اصحابِ رقیم کون تھے

یہاں سے اصحاب کہف کا قصہ شروع ہو رہا ہے کہف غار کو کہتے ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، چند نوجوان اپنے زمانہ کے بادشاہ اور دیگر کافرین سے اپنی جان اور دین وایمان بچانے کے لیے ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے تھے اس لیے انہیں اصحاب کہف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان کا واقعہ انشاء اللہ آئندہ آنے والے دو رکوع میں بیان کیا جائے گا لیکن چونکہ مذکورہ بالا آیت میں اصحاب الکھف والرقیم فرمایا ہے اس لیے رقیم کے معنی بھی جاننا چاہئے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اصحاب کہف کے کتے کا نام ہے یہ حضرت اس صحابی رضی اللہ عنہ اور حضرت شعبی تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایک تختی تھی جو پتھروں سے تراشی ہوئی تھی اس میں اصحاب کہف کا قصہ لکھا ہوا تھا جو غار کے دروازے پر رکھی ہوئی تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب تھی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی باتیں لکھی ہوئی تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایلہ اور فلسطین کے درمیان وادی کا نام ہے اور اسی وادی میں وہ غار تھا جس میں اصحاب کہف نے پناہ لی تھی، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ جب ان سے رقیم کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں پھر فرمایا میں نے کعب سے پوچھا (جو یہودیوں کے عالم تھے انہوں نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں اسلام قبول کیا) کہ رقیم اس بستی کا نام ہے جس میں یہ حضرات نکلے تھے صاحب روح المعانی (صفحہ ۲۰۹ ج ۱۵) فرماتے ہیں کہ ان سب اقوال کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ اصحاب الکہف والرقیم کا مصداق ایک ہی جماعت ہے پھر ایک قول نقل کیا ہے کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم کے بارے میں احادیث صحیحہ ملتی بھی نہیں ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اصحاب کہف کا زمانہ..... اصحاب کہف کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (صفحہ ۷۰ ج ۲) میں لکھا ہے کہ یہ لوگ دقیانوس بادشاہ کے زمانہ میں تھے اور بادشاہوں کی اولاد سے تھے ایک دن ایسا ہوا کہ عید کے موقع پر اپنی قوم کے ساتھ جمع ہونے کا اتفاق پڑ گیا انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم بتوں کو سجدہ کر رہی ہے اور بتوں کی تعظیم میں مشغول ہے ان کا یہ حال دیکھ کے ان سے نفرت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کے پردے اٹھا دیئے اور ان کے دلوں میں ہدایت ڈال دی انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ صحیح دین پر نہیں ہیں لہٰذا انہیں چھوڑ کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنا دین بنا لیا چونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم ان لوگوں میں رہیں گے تو یہ ہمیں دین توحید پر نہیں رہنے دیں گے۔ اس لیے انہوں نے غار میں پناہ لے لی، ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا وہ ان کے دروازے پر بیٹھ رہتا تھا۔

اللہ جل شانہ نے پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعجب دور فرمایا اور فرمایا کیا آپ (۱۵) نے یہ خیال کیا ہے کہ کہف اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب چیز تھے یہ کوئی عجیب چیز نہیں ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر دوسری عجائبات اور آیات موجود ہیں مثلاً آسمان و زمین کو پیدا فرمانا وغیرذٰلک یہ چیزیں بالکل معدوم تھیں ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا اصحاب کہف کے قصہ میں اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مدت دراز تک سلا دیا اور ان کے جسم نہیں گلے مخالفین ان کے واقعہ کو تو تعجب کی چیز سمجھتے ہیں اور اسی لیے آپ سے سوال کر رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر جو تعجب کی چیزیں ہیں ان میں غور نہیں کرتے اللہ تعالیٰ شانہ نے اَمْ حَسِبْتَ فرما کر آپ کو مخاطب فرمایا اور اسی کے ذیل میں دوسروں سے بھی خطاب ہو گیا اور ان کو بھی بتا دیا کہ یہ قصہ گو عجیب ہے لیکن اس سے بڑھ کر جو عجیب چیزیں ہیں ان کے مقابلے میں یہ کچھ بھی عجیب نہیں ہے۔

اصحاب کہف کا غار میں داخل ہونا اس کے بعد اصحاب کہف کے واقعہ کا بیان شروع فرمایا ارشاد فرمایا کہ اس وقت کو

یا گروہ جن نوجوانوں کی جماعت نے غار میں ٹھکانہ پکڑا اور ٹھکانہ پکڑتے ہوئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض میں یوں دعا کی (رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (اور ہمارے لیے ہمارے کام میں اچھی صورت حال مہیا کر دیجئے) سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اور وہ جس پر فضل فرمانا چاہیں ہر جگہ فضل فرما سکتا ہے کوئی شخص جہاں بھی ہو جس حال میں ہو تنہا ہو یا جماعت ہو آبادی میں ہو یا جنگل میں پہاڑ میں ہو یا غار میں اللہ تعالیٰ اسے دشمنوں سے بھی محفوظ رکھ سکتا ہے اس کے دین ایمان کو بھی سالم رکھ سکتا ہے اور اس کے تمام حالات کو بھی درست فرما سکتا ہے چونکہ اصحاب کہف اپنی قوم کو کفر و شرک میں مبتلا دیکھ کر فرار ہوئے تھے اور اس حالت میں غلبہ کفر کا خوف ہی کا تھا اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رحمت کی اور خیر و خوبی کی اور اچھی صورت حال کی دعا کی اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی دعا قبول فرمائی کافروں سے محفوظ فرما دیا اور اس غار میں انہیں سلا دیا جس میں انہوں نے پناہ لی تھی اور وہ اس میں اتنی مدت دراز تک سوئے اور سو کر اٹھنے کے بعد آپس میں یوں سوال کرنے لگے کہ جتنی اس غار میں آپ لوگ سوئے ہیں ٹھہرے ہیں (اسی کو فرمایا ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا (پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہ میں سے کون سا گروہ ان کے ٹھہرنے کی مدت کو ٹھیک طرح شمار کرنے والا ہے)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلے گروہ سے انہیں میں کی وہ جماعت مراد ہے جنہوں نے سوال کیا تھا کہ کتنی مدت رہے اور دوسرے گروہ سے ان کی وہ جماعت مراد ہے جنہوں نے جواب میں یوں کہا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ (تمہارا رب ہی جانتا ہے کہ تم کتنی مدت رہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک گروہ سے اصحاب کہف اور دوسرے گروہ سے وہ بادشاہ مراد ہیں جو اس تبدیلی مدت میں (جس میں یہ حضرات سوتے رہے) یکے بعد دیگرے بادشاہ بنے۔ (ذکرہ صاحب الروح ص ۲۲ ج ۱۵)

اللہ جل شانہ نے اصحاب کہف پر جو نیند مسلط فرمادی تھی اسے فَضَرَبْنَا عَلٰۤی اٰذَانِهِمْ سے تعبیر فرمایا انسان سوتا ہے تو آنکھوں سے لیکن گہری نیند وہ ہوتی ہے جس سونے والا آواز سن کر بھی بیدار نہ ہو سکے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والمراد انمناهم انامة ثقيلة لا تنبههم فيها الاصوات بان يجعل الضرب على الاذان كناية عن الانامة الثقيلة

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾

ہم آپ سے ان کا واقعہ بالکل ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی

وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا

اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا جب وہ کھڑے ہوئے سو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اسکے علاوہ کسی کو

مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ

معبود نہیں بنائیں گے اس صورت میں تو ہم نے بڑی بے جا بات کہی یہ ہماری قوم ہے جس نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں

لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَ اِذِ

یہ لوگ ان پر کوئی کھلی ہوئی دلیل کیوں نہیں لاتے پس اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور جب

اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ

(جب تم ان لوگوں سے اور ان سے جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں الگ ہو گئے تو غار میں جا پڑو تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے

لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝

مقصد میں آسانی مہیا فرمائے گا۔)

اصحاب کہف کا تفصیلی واقعہ

جیسا کہ دو تین صفحے قبل ہم نے ذکر کیا کہ یہ چند نوجوان اپنی بت پرست قوم سے بھاگ نکلے تھے ان کا مقصود اپنا ایمان بچانا تھا اور جان بچانا بھی پیش نظر تھا کیونکہ وہاں جو بادشاہ تھا وہ اہل ایمان کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور جو شخص انکار کر دے اسے قتل کر دیتا تھا۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ نوجوان رومے بادشاہ اور سرداروں کی اولاد میں سے تھے۔ اس زمانہ کا بادشاہ جس کا نام دقیانوس تھا ظالم آدمی تھا اور وہ لوگوں کو بت پرستی کی دعوت دیتا تھا جب یہ نوجوان تہوار کے موقع پر اپنے اپنے خاندان کے ساتھ نکلے تو بت پرستی کا ماحول اور ماجرا دیکھ کر ان کے قلوب میں بہت زیادہ ناگواری کی شان پیدا ہو گئی اور وہاں سے بھاگ نکلے یہ شخص علیحدہ علیحدہ فرار ہوا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ سب ایک جگہ اکٹھے ہو گئے پہلے ایک شخص ایک درخت کے سایہ میں آ کر بیٹھا اور پھر دوسرا اور تیسرا آیا اور آتے چلے گئے قلوب کی وحدت ایمانیہ نے بہ مصداق الجنس یمیل الی الجنس سب کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

اصحاب کہف کا ایک جگہ جمع ہونا اور آپس میں متعارف ہو کر باہم گفتگو کرنا

جمع تو ہو گئے یقین ایک دوسرے سے ڈر بھی رہے تھے کیونکہ ہر ایک کو ایک دوسرے کے عقیدہ کا پتہ نہ تھا ایسے ہی بیٹھے بٹھائے ان میں سے ایک نے کہا کہ شخص یہ بتائے کہ وہ اپنی قوم سے کیوں جدا ہوا اور تنہا کیا ہو جانا اس نے کیوں گوارا کیا، اس پر ایک شخص بولا کہ میں تو اس لیے قوم سے جدا ہوا ہوں کہ میرے نزدیک میری قوم باطل پر ہے جو غیر اللہ کو سجدہ کر رہی ہے عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمانوں زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب کچھ پیدا کیا، یکے بعد دیگرے دوسرے افراد نے بھی یہی جواب دیا اس پر وہ آپس میں سچے ایمانی بھائی اور ایک دوسرے کے ہمدرد بن گئے اور انہوں نے مل کر ایک عبادت خانہ تجویز کر لیا جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے جب ان کی قوم کو صورت حال کا علم ہوا تو بادشاہ کو بات پہنچا دی بادشاہ نے ان کو بلوایا اور ان سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا حال ہے اور کیا دین ہے اللہ جل شانہ نے ان کے دل مضبوط کر دیئے اور انہوں نے بغیر کسی خوف و خطر کے نڈر ہو کر اپنا عقیدہ توحید بیان کر دیا اور بادشاہ کو بھی توحید کی دعوت دی، بادشاہ نے ان کی دعوت توحید قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں ڈرایا دھمکایا اور ان کا لباس اتروا دیا۔ جو وہ نئے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور انہیں مہلت دے دی کہ تم غور کر لو اور اپنی قوم کے دین میں واپس آ جاؤ۔

بادشاہ اور پوری قوم کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنا

یہ مہلت ملنا ان کے لیے مبارک ہوا، اس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا اور موقع پا کر فرار ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان کا دل بھی مضبوط کر دیا تھا انہوں نے بادشاہ تک کو توحید کی دعوت دی اور توحید کی دلیل بھی بتا دی کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے، اس میں یہ بتا دیا کہ خالق کائنات جل مجدہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا عقلمندی کے خلاف ہے اور ساتھ ہی لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا بھی کہہ دیا یعنی

ہم ہرگز بھی اپنے رب کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور مزید یوں کہا لَقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا (اگر بالفرض ہم اپنے رب کے سوا کسی کو معبود بنائیں تو یہ بڑے ظلم اور زیادتی کی بات ہوگی) آپس میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ جو ہماری قوم کے لوگ ہیں انہوں نے خالق جل مجدہ کے علاوہ دوسرے معبود بنا لئے ہیں ان کے پاس اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے اگر ہے تو کوئی واضح دلیل بیان کر دیں۔ جب کوئی دلیل نہیں ہے تو ان کا عقیدہ اور عمل اور قول ظلم ہی ظلم ہے چونکہ مشرکین یوں بھی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل سے راضی ہے اس لئے ان نوجوانوں نے یہ بھی کہا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے)

باہمی مشورہ کر کے غار میں داخل ہو جانا..... اصحاب کہف جب اپنی قوم سے جدا ہوئے اور ان لوگوں کو چھوڑ کر بالکل علیحدہ ہو گئے تو آپس میں کہنے لگے کہ تم نے اپنی قوم کو چھوڑا ان کے باطل معبودوں سے گریز کیا اور یہ بھی معلوم ہے کہ دوبارہ انہیں میں واپس ہونے اور اپنے گھروں کو لوٹنے میں خیر نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ پھر اپنا دین اختیار کرنے پر مجبور کریں گے لہٰذا اب ہمیں کسی غار میں ٹھکانہ پکڑ لینا چاہئے، آپس میں مشورہ سے یہ بات طے ہو گئی لیکن انسانی ضروریات کا سوال بھی پیش نظر تھا کہ غار میں رہیں گے تو کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا کیا بنے گا؟ اس سوال کو حل کرنے کے لیے آپس میں یوں کہنے لگے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید رکھنی چاہئے اللہ تعالیٰ ہم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوگا اور وہ ہم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور جس مقصد خیر یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے کے لیے نکلے ہیں اس کے لیے آسانیاں پیدا فرما دے گا، باہمی مشورہ سے غار میں جانا طے ہوا اور اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید باندھ لی اور غار میں داخل ہو گئے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ

اور اے مخاطب تو دیکھے گا کہ جب سورج نکلتا ہے تو وہ ان کے غار سے داہنی طرف کو جھکتا گزر جاتا ہے اور جب وہ چھپتا ہے تو ان کو بائیں طرف سے چھوڑتا

الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ

جاتا ہے اور وہ غار کے ایک فراخ حصہ میں تھے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جسے اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو

ع ۱۴ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ

اے مخاطب تو اس کے لیے ولی مددگار راہ بتانے والا نہ پائے گا اور اے مخاطب تو ان کو دیکھتا تو خیال کرتا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے اور ہم انہیں داہنی کروٹ پر

وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ

اور بائیں کروٹ پر بدلتے تھے اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا، اگر تو انہیں جھانک کر دیکھ لیتا تو ان کی طرف سے پیٹھ پھیر کر بھاگ

فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝

جاتا اور ان کی وجہ سے تیرے اندر رعب بھر جاتا۔

غار کی کیفیت، سورج کا کترا کر جانا، کتے کا ہاتھ بچھا کر بیٹھا رہنا

ان آیات میں اصحاب کہف کی حالت کو بیان فرمایا ہے جو غار میں داخل ہونے کے بعد پیش آئی، یہ لوگ غار کے اندر ایک کشادہ جگہ میں پہنچ کر لیٹ گئے، اس غار کی جائے وقوع اس طرح سے تھی کہ روزانہ سورج مشرق سے نکلتا اور مغرب میں چھپ جاتا تھا لیکن اس کی دھوپ ان پر نہیں پڑتی تھی جب سورج نکل کر چڑھتا تھا اور دھوپ پھیلتی تھی تو غار کی داہنی جانب سے اس طرف بنی ہوئی رہ جاتی تھی کہ اس کے دروازے تک نہ پہنچتی تھی اور جب سورج چھپنے لگتا تھا تو اس وقت جو تھوڑی بہت دھوپ ہوتی ہے وہ غار کے بائیں جانب رہ جاتی تھی یعنی اس وقت بھی دروازہ پر دھوپ نہ پڑتی تھی اصحاب کہف کے اندر رہنے کی کیفیت بتا کر ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا اپنی قوم سے جدا ہونے میں انہوں نے ہمت اور جرأت سے کام لیا پھر اللہ کے توکل پر غار میں داخل ہو گئے اور اللہ سے رحمت کی امید باندھ لی اور اللہ کی طرف سے آسانی حاصل ہونے کی آرزو کرتے ہوئے غار میں چلے گئے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ اس نے دل بھی پکا کیا ہمت بھی دی تھوق سے کٹنے کا حوصلہ بھی دیا انہوں نے اسباب ظاہرہ پر نظر نہ کی، اپنے مولائے حقیقی پر توکل کر کے غار میں داخل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غار بھی وہ نصیب فرمایا جس میں دھوپ کا گزر ہی نہ تھا اگر دھوپ پڑتی تو اس سے تکلیف پہنچنے اور گرمی سے پریشان ہونے کا اندیشہ تھا۔

مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ (اللہ جسے ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے) وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا (اور اللہ جسے گمراہ کر دے، تو اس کے لیے کوئی مددگار ہدایت دینے والا نہ پائے گا) اس میں ایک طرف تو اصحاب کہف کی ہدایت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مشرک قوم میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی اور دوسری طرف یہود مدینہ اور مشرکین مکہ کی بے راہی کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اصحاب کہف کے بارے میں معلوم کیا اور جب آپ نے انہیں بتا دیا پھر بھی ایمان نہ لائے، اس کے بعد اصحاب کہف کے بقیہ احوال بیان فرمائے۔ اول تو یہ فرمایا وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ (اے مخاطب! تو ان جوانوں کے کہف میں ہونے کے زمانہ میں ان پر نظر ڈالتا تو ان کے بارے میں یہ خیال کرتا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے، اس کے بارے میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ گو وہ سو رہے تھے لیکن آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آنکھیں تو بند تھیں لیکن جسموں پر نیند کا اثر نہیں تھا یعنی سونے کی وجہ سے جو اعضاء میں فتور اور ڈھیلا پن آ جاتا ہے ان میں سے کوئی چیز ظاہر نہ تھی۔

اصحاب کہف کی دوسری حالت اور کیفیت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ (اور ہم انہیں پلٹ رہے تھے داہنی جانب اور بائیں جانب) چونکہ وہ لوگ ایک بہت بڑی مدت تک سوتے رہے اور ان کے جسم زمین ہی سے لگے ہوئے تھے لہٰذا زمین کے اثر سے محفوظ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کی کروٹیں بدل دیتا تھا (جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر زمین سے کوئی چیز عرصہ دراز تک لگی رہے (خاص کر گوشت پوست والا جسم) تو وہ اسے کھا جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یوں بھی قدرت ہے کہ الٹ پلٹ کئے بغیر ان کے اجسام کو محفوظ فرما لیتا لیکن حکمت کا تقاضہ یہ تھا کہ ان کی کروٹیں بدلی جائیں۔ صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۱۵۴ ج ۲) حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کو سال میں ایک مرتبہ ایک جانب سے دوسری جانب پلٹ دیا جاتا تھا اور حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ان کو سال میں دو بار داہنی جانب سے بائیں جانب اور بائیں جانب سے داہنی جانب پلٹ دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کوئی چیز مروی نہیں حضرات صحابہؓ سے کروٹیں بدلنے کی مدت کے بارے میں جو کچھ مروی ہے بظاہر اسرائیلی روایات ہیں۔

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ (اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے ہاتھ بچھائے ہوئے تھا) جب اصحاب کہف غار کی طرف روانہ

ہوئے تھے تو ان کے ساتھ ایک کتا بھی لگ لیا تھا اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اصحاب کہف ہی میں سے ایک شخص کا شکاری کتا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ بادشاہ کے طباخ (یعنی باورچی) کا کتا تھا، یہ طباخ بھی اصحاب کہف کا ایک فرد تھا اور اس کا کتا بھی اس کے ساتھ آ گیا تھا اس کتے کے رنگ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں لیکن کسی بات کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ اس کے ذکر سے کوئی فائدہ ہے لفظ وصید کا ترجمہ کسی نے دروازہ اور کسی نے فناء یعنی دروازہ سے باہر کی جگہ اور کسی نے دہلیز یعنی چوکھٹ کہا ہے، چوکھٹ تو وہاں نہیں تھی لہٰذا اس سے چوکھٹ کی جگہ مراد لی جائے گی۔ (ابن کثیر صفحہ ۷۶ ج ۳، معالم التنزیل صفحہ ۴۵ ج ۳)

اس کے بعد فرمایا لو اطلعت علیھم لو لیت منھم فرارا ولملئت منھم رعبا (اے مخاطب تو انہیں جھانک کر دیکھتا تو ان کی طرف سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا اور ان کی وجہ سے تیرے اندر رعب بھر جاتا) ان لوگوں کو دیکھنے سے دل میں رعب سما جانے اور بھاگ کھڑے ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ وہ جس غار میں تھے وہ متوحش غار تھا اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں حالانکہ وہ سو رہے تھے، یہ سبب تھا خوف کا اور بعض نے کہا کہ ان کے بال بہت زیادہ تھے اور ناخن بڑھے ہوئے تھے۔

یہ اصحاب کہف کی حفاظت کے انتظامات تھے، ان کی کروٹوں کو بدلنا مٹی سے حفاظت کرنے کے لیے تھا اور ان کے پیچھے کتا بھی لگ گیا تھا جو وہیں دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا (کتے کی عادت ہے کہ ہر آنے والے اجنبی پر بھونکتا ہے، ظاہری اسباب کے طور پر یہ کتا بھی حفاظت کا ذریعہ بنا اور مزید یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کیفیت اور صورتحال پیدا فرما دی کہ اگر کوئی شخص ان کو دیکھتا تو ان کے قریب تک جانے کی ہمت نہ کرتا تھا بلکہ واپس جانے میں ہی اپنی خیر سمجھتا۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا

اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ وہ آپس میں سوال کریں، ان میں سے ایک بولنے والے نے کہا کہ تم لوگ کتنی مدت ٹھہرے ہو گے؟ وہ بولے کہ ایک دن

اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى

یا ایک دن سے کم انہوں نے کہا کہ تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنی مدت ٹھہرے سو تم اپنے میں سے کسی کو یہ چاندی دے کر شہر کی طرف بھیجو،

الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ

سو وہ دیکھے کہ اس شہر کے حاکموں میں کونسا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے، سو وہ تمہارے پاس اس میں سے کھانا لے آئے اور کام کرنے میں خوش تدبیری سے کام لے اور تمہارے

بِكُمْ اَحَدًا ۝ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ

بارے میں کسی کو ہرگز خبر نہ دے، بے شک بات یہ ہے کہ اگر انہیں تمہارا پتہ چل جائے تو تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے یا اپنے دین میں لوٹا لیں گے

تُفْلِحُوْۤا اِذًا اَبَدًا ۝

اور تم ہرگز کامیاب نہ ہو گے۔

اصحاب کہف کا بیدار ہو کر آپس میں اپنی مدت قیام کے بارے میں سوال و جواب کرنا اور اپنے ایک آدمی کو کھانا لانے کے لیے شہر بھیجنا

اصحاب کہف مدت دراز تک غار میں سوتے رہے پھر جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی تو انہیں جگا دیا ان کا اتنی لمبی مدت تک سلا دینا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتا ہے پھر ان کا جگا دینا بھی، قال صاحب الروح ووجہ الشہ کون کل منھما ایۃ دالۃ علی کمال قدرتہ الباھرہ عزوجل جب یہ لوگ جاگ گئے تو ان میں سے ایک شخص نے یہ سوال اٹھایا کہ تم یہاں کتنے دن ٹھہرے ہو؟ پھر آپس میں جواب دیا کہ ہاں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں، مطلب یہ تھا کہ ہم یقینی طور پر تو کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن اندازہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایک دن سوئے ہیں اور احتمال یہ ہے کہ ایک دن سے بھی کم سوئے ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ صبح کو سوئے تھے اور جب بیدار ہوئے تو شام کا وقت تھا جیسے دن جا رہا تھا اس لیے ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم سمجھ کر سوال کرنے والے کو جواب دیدیا۔ پھر کہنے لگے کہ بھئی ہم یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے تمہارے رب ہی کو ہمارے سونے کی صحیح مدت معلوم ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت زیادہ سونے کی وجہ سے جو دماغ میں ایک قسم کا بھاری پن ہوتا ہے وہ اسے محسوس کر رہے تھے اس لیے ان میں سے بعض نے یہ سمجھا کہ ایک دن کی مدت والی بات ٹھیک نہیں معلوم ہوتی لہٰذا ہمیں اپنے پاس سے کچھ تجویز نہیں کرنا چاہئے کیونکہ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ انکے بال و ناخن زیادہ بڑھے ہوئے تھے اس سے یہ محسوس ہوا کہ ہمارا یہ سونا ایک دن کی مدت سے زیادہ تھا۔

اس گفتگو کے بعد کہ کتنے دن سوتے رہے کھانے پینے کا سوال پیدا ہوا، جب انسان سو کر اٹھتا ہے تو عام طور پر بھوک لگی ہوتی ہے پھر ان کا کیا حال ہوگا جو عرصہ دراز تک سوتے رہے ہوں، کہنے لگے کہ اپنے میں سے ایک شخص کو بھیجو جو شہر میں جائے اور ہمارے پاس جو یہ چاندی کے سکے ہیں ان کو لے جائے اور کھانا لے کر واپس آجائے ذرا اچھی طرح دہیان سے خریدے پاکیزہ اور حلال کھانا لے کر آئے شہر میں جو بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا گوشت ملتا ہے اس میں سے نہ لائے اور شہر میں جانے اور کھانا خریدنے میں سمجھداری اور خوش تدبیری سے کام لے اور کسی کو یہ نہ بتائے کہ ہم کون ہیں اور کہاں ہیں۔ جس وقت یہ غار میں داخل ہو کر سوئے تھے اس وقت مشرکوں اور بت پرستوں کی حکومت تھی اور بادشاہ جبراً مشرک بنا لیتا تھا اور اہل توحید کو جان سے مارتا اور سزائیں دیتا تھا، ان حضرات نے یہ سمجھ کر کہ شہر میں ابھی اسی دین شرک کا چرچا ہوگا اور بادشاہ بھی وہی بت پرست ہوگا کھانا خریدنے کے لیے جانے والے سے کہا کہ حلال کھانا لانا اور اس کا دہیان رکھنا کہ لوگوں کو ہمارا پتہ نہ چل جائے ورنہ شہر والے ہمیں بری طرح قتل کر دیں گے اور سنگسار کر دیں گے یا اپنے دین میں واپس کر لیں گے ایمان چھوڑ کر کفر میں چلا جانا سب سے بڑے خسارہ کی بات اور سب سے بڑی ناکامی ہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مؤمن کو کفر پر مجبور کرے اور خاہری طور پر کفر کا کلمہ کہہ دے تو کافر نہیں ہو جاتا اگر وہ لوگ کفر پر مجبور کرتے اور اصحاب کہف کفر کا کلمہ کہہ دیتے تو حقیقت میں کافر نہ ہو جاتے اور اس سے ناکامی اور تباہی لازم نہیں آتی، جب دل میں ایمان باقی ہے تو اخروی ناکامی کی کوئی وجہ نہیں لہٰذا انہوں نے ولن تفلحوا اذا ابدا کیوں کہا؟ احقر کے خیال میں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ محقق نہیں تھے کسی نبی کی یا کسی فقیہ کی صحبت نہیں اٹھائی تھی لہٰذا انہوں نے حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہہ دینے کو بھی تباہی سے تعبیر کیا، یہ سب ان کے اپنے خیال کے مطابق تھا اس کی نظیر یہ ہے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہی عرض کیا کہ حنظلہ منافق ہو گیا آپ نے فرمایا کیوں؟ کہنے لگے کہ ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں آپ ہمیں جنت دوزخ کی باتیں سناتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہمارے سامنے ہے پھر جب ہم اپنے گھروں کو جاتے ہیں تو بیوی بچوں میں گھل مل جاتے ہیں اور آپ کے بہت سے ارشادات کو بھول

جاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم ہر وقت اسی حالت میں رہو جو میرے پاس تمہاری حالت ہوتی ہے تو تم سے فرشتے بچھونوں اور راستوں میں مصافحہ کرتے، لیکن اے حنظلہ ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے (یعنی جو حالت تمہاری میرے پاس ہوتی ہے وہ ہمیشہ باقی نہیں رہتی) جس طرح حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال میں اپنے آپ کو منافق خیال کر لیا اسی طرح اصحاب کہف نے زبان سے کلمہ کفر کہنے کو بھی کفر سمجھ لیا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے اس سے فلاح کامل مراد ہے اکراہ کے وقت کلمہ کفر زبان سے جاری کرنا جائز ہے اور یہ رخصت ہے، اور عزیمت یہ ہے کہ قتل ہو جائے اور کلمہ کفر زبان پر نہ لائے، اس اعتبار سے ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہہ کر جان بچ بھی لی تو عزیمت سے محروم ہو جائیں گے، ادھر تو آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ ہمیں چھپ کر رہنا ہے اور اہل مدینہ کو اپنا حال اور اپنی جگہ نہیں بتانا اور ادھر ان میں سے جو ایک شخص کھانا خریدنے کے لیے رقم لے کر گیا اس نے بازار میں جا کر کچھ خریدا پرانا سکہ دیکھ کر دکاندار حیران پڑ گیا اور لوگوں میں بھی اس کا چرچا شروع ہو گیا، اس عرصہ دراز میں حکومت بدل چکی تھی اور جو شخص بادشاہ تھا وہ مسلمان تھا جب اسے پتہ چلا کہ ایسا ایسا واقعہ ہے تو وہ شہر والوں کے ساتھ سوار ہو کر غار کی طرف چلا وہ ایک شخص جو کھانا لینے کے لیے آیا تھا جس کا نام تملیخا بتایا جاتا ہے وہ جلدی سے غار کے اندر گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ بات کھل چکی ہے اور بادشاہ تک پہنچ گئی ہے اور اس وقت جو لوگ شہر میں ہیں وہ مسلمان ہیں یہ تحریر فرما کر علامہ قرطبی (صفحہ ۳۸۹ ج ۱۰) نے دو روایتیں لکھی ہیں اول یہ کہ اصحاب کہف کو اس کی بہت خوشی ہوئی باہر نکلے بادشاہ سے ملاقات کی بادشاہ نے ان کا اور انہوں نے بادشاہ کا اکرام کیا اور دوسری روایت یہ نقل کی ہے کہ جب تملیخا نے واقعہ بتایا تو وہ اسی وقت وہیں غار میں مر گئے قرآن کریم میں ان باتوں کا ذکر نہیں ہے جس کسی نے جو کچھ بتایا ہے وہ اسرائیلی روایات پر مبنی ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ

اور اسی طرح ہم نے ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ اس بات کو جان لیں کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے، اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے،

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ

جب کہ وہ لوگ اپنے درمیان ان کے بارے میں جھگڑ رہے تھے سو انہوں نے کہا کہ ان کے اوپر عمارت بنا دو ان کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو لوگ ان

غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝

کے معاملہ میں غالب ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم ضرور ان پر مسجد بنائیں گے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ دقیانوس بادشاہ مر گیا تھا (جس کے زمانہ میں یہ حضرات کہف میں داخل ہوئے تھے) سینکڑوں سال گزر گئے بادشاہ آتے جاتے رہے آخر میں ایک نیک شخص اس علاقہ کا بادشاہ ہوا اور وہ اور اس کی رعایا اس بات کو تو مانتے تھے کہ موت کے بعد حشر نشر ہے لیکن کچھ لوگوں نے کہا کہ روحیں محشور ہوں گی کیونکہ جسم کو زمین کھا جاتی ہے ان لوگوں نے جسم کے ساتھ حشر ہونے کو بعید سمجھا اور کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ جسم اور روح دونوں کو اٹھایا جائے گا بادشاہ کو اس اختلاف سے حیرانی ہوئی اور اصل حقیقت جاننے کے لیے اس نے اتنا اہتمام کیا کہ ٹاٹ کے کپڑے پہن لیے اور راکھ پر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا رہا کہ ہمیں کوئی ایسی دلیل مل جائے جس سے یہ واضح ہو جائے کہ روح اور جسم دونوں کا حشر مستبعد نہیں، اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اصحاب کہف کو ظاہر فرما دیا بادشاہ نے ان کو دیکھ کر کہا

کہ یہ تو وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جو دقیانوس کے زمانہ میں شہر سے چلے گئے تھے میں دعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کو دکھا دے جب ان لوگوں کے کئی سو سال سونے کے بعد اٹھ جانے کا واقعہ معلوم ہوا تو لوگوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی اللہ کا وعدہ حق ہے قیامت حق ہے وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ میں اس بات کو بتایا ہے کہ جب وہ لوگ اصحاب کہف پر مطلع ہوئے تو انہیں قیامت کا یقین آ گیا اصحاب کہف باہر نکل کر واپس غار میں چلے گئے ہوں اور بعد میں انہیں موت آئی ہو یا تملیخا کی خبر سننے کی وجہ سے وہیں غار میں انہیں موت آ گئی ہو روایات میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

قرآن مجید کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غار ہی میں اندر وفات پا گئے، یہ جو آپس میں جھگڑا ہوا کہ ان کے بارے میں کیا کیا جائے پھر کچھ لوگوں نے کہا ان کے اوپر عمارت بناؤ اور جو غالب تھے انہوں نے کہا ہم ان کے اوپر مسجد بنا دیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے غار میں ہوتے ہوئے ہی اس طرح کا اختلاف ہوا۔ روح المعانی (ص ۲۴۴ ج ۱) میں لکھا ہے کہ جب بادشاہ کہ ان لوگوں کا پتہ چلا تو اس نے وہاں جا کر ان لوگوں سے ملاقات کی اور دیکھا کہ ان کے چہرے روشن ہیں اور کپڑے بھی خراب نہیں ہیں انہوں نے بادشاہ کو وہ حالات سنائے جو دقیانوس کے زمانہ میں پیش آئے تھے ابھی باتیں ہو رہی تھیں کہ اصحاب کہف نے کہا **ستودعک اللہ تعالی والسلام علیک ورحمۃ اللہ حفظک اللہ تعالی وحفظ ملکک نعیذک باللہ تعالی من شر الانس والجن** (ترجمہ ہم تجھے اللہ کے سپرد کرتے ہیں تجھ پر اللہ کا سلام اور اس کی رحمت اللہ تیری حفاظت کرنے اور تیرے ملک کی بھی حفاظت کرے اور ہم تجھے انسانوں اور جنات کے شر سے اللہ کی پناہ دیتے ہیں) یہ کہا اور وہ واپس اندر اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری فرما دی۔ پھر بادشاہ نے انہیں لکڑی کے تابوتوں میں دفن کر دیا اور غار کے منہ پر مسجد بنا دی۔ صاحب روح المعانی نے اس کے بعد ایک قول یہ لکھا ہے کہ جب بادشاہ کے پاس اس شخص کو لایا گیا جو غار میں سے کھانا لینے کے لیے آیا تھا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں اس شہر کا رہنے والا ہوں اور یہ بتایا میں کل ہی شہر سے نکلا تھا اس نے اپنا گھر بھی بتایا اور کچھ لوگوں کے نام بھی بتائے جنہیں کوئی بھی نہیں پہچان سکا، بادشاہ نے سن رکھا تھا کہ کچھ لوگ پرانے زمانہ میں روپوش ہو گئے تھے اور یہ بھی سنا ہوا تھا کہ ان کے نام سرکاری خزانے میں ایک تختی پہ لکھے ہوئے رکھے ہیں وہ تختی منگائی اور ان کے نام پڑھے تو وہی نام نکلے جو اصحاب کہف کے نام تھے وہ جو ایک شخص کھانا لینے کے لیے آیا تھا اس کے ساتھ بادشاہ اور چند لوگ چلے جب غار کے دروازے پر آئے تو وہ نوجوان اندر گیا اور انہیں پوری صورتحال بتا دی اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو قبض فرما لیا اور بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ اندر داخل نہ ہو سکے لوگوں میں یہ اختلاف ہوا کہ ان کے بارے میں کیا کیا جائے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ان کے اوپر یعنی غار کے دروازے پر عمارت بنا دی جائے اور وہ جماعت جو ان کے معاملہ میں غالب ہو گئی یعنی بادشاہ اور اس کے ساتھی انہوں نے کہا ہم مسجد بنائیں گے چنانچہ انہوں نے مسجد بنا دی چونکہ یہ مسجد دروازہ پر تھی مرنے والوں کی قبروں پر نہیں تھی اور قبروں کی طرف قبلہ بھی نہیں تھا اس لیے یہ اشکال نہیں ہوتا کہ قبروں پر مسجد بنانے کی ممانعت ہے لہٰذا تعمیر مسجد کو کیوں اختیار کیا گیا۔

ایک فریق نے کہا کہ ان پر عمارت بنا دو دوسرے فریق نے کہا کہ ہم مسجد بنا دیں گے ان دونوں کے درمیان جو لفظ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ آیا ہے اس کے بارے میں روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ جملہ معترضہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اصحاب کہف کے ساتھ کیا کیا جائے اس بارے میں دو رائیں آ رہی تھیں یہ کون لوگ تھے کن خاندانوں سے تھے یہ کن احوال سے گزرے اور کتنے دن غار میں رہے پھر جب ان چیزوں کا علم نہ ہو سکا اور اس کے حاصل ہونے کا کوئی راستہ بھی نہ ملا تو کہنے لگے کہ اسے اللہ کے سپرد کر دو وہ علام الغیوب ہے سب کو جانتا

ہے ان کا حال بھی اسی کو معلوم ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۭ۬

کچھ لوگ یوں کہیں گے کہ یہ تین آدمی ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ پانچ آدمی ہیں چھٹا ان کا کتا ہے اٹکل پچو بات ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے آپ فرما دیجئے میرا رب ہی ان کی تعداد خوب جانتا ہے ان کو تھوڑے لوگ ہی جانتے ہیں

فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ۝

سو آپ ان کے بارے میں سرسری بحث سے علاوہ زیادہ بحث نہ کیجئے اور ان سے بارے میں کسی سے بھی سوال نہ کیجئے۔

ع ۱۰

اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف اور اس کا جواب

جس طرح اصحاب کہف کی مدت قیام غار کہف میں اختلاف ہوا کہ وہ کتنے دن رہے اور خود وہ بھی اختلاف کر بیٹھے صحیح بات تک نہ پہنچ سکے اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہوا کہ ان کی تعداد کتنی تھی، آیت مذکورہ بالا میں تین قول نقل فرمائے ہیں ایک قول یہ ہے کہ اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور دوسرا قول یہ کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا، اور تیسرا قول یہ کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۴۸۰ ج ۱۵) نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ یہ اقوال ان لوگوں کے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھے پہلا قول یہودیوں کا ہے اور دوسرا قول نصاریٰ کا ہے یہ لوگ نجران سے آئے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان میں سے ایک شخص عاقب تھا اور نصاریٰ کے فرقہ نسطوریہ کا سردار تھا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے پہلی دو باتیں کہی تھیں۔ تیسرا قول بعض مسلمانوں کا ہے پہلے دو قولوں کا رد فرمانے کے بعد رجما بالغیب فرمایا (کہ اٹکل پچو بات کہہ رہے ہیں) اور تیسرے قول کو بغیر رد کیا اور ساتھ ہی یوں فرمایا قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ (آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے ان کو صرف تھوڑے سے لوگ جانتے ہیں) اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ اصحاب کہف کی تعداد سات تھی اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ان کی تعداد کو اللہ ہی خوب جانتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ انہیں صرف تھوڑے لوگ جانتے ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں بھی ان ہی میں سے ہوں جن کو ان کی تعداد کا علم ہے، وہ فرماتے تھے کہ ان کی تعداد سات تھی اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ مطور پر امت مسلمہ میں یہی قول مشہور ہے اور ان کے نام بھی تسمیہ کی کتابوں میں لکھے ہیں حضرت ابن عباس سے ان کے یہ نام منقول ہیں مکسلمینا، تملیخا، مرطولس، بینوس، ذرنوس، کفاشیطیطوس، منطونس اسیس اور کتے کا نام قطمیر نقل کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے اہل کتاب سے ان کے نام سنے ہوں گے جن کو انہوں نے آگے روایت کر دیا یہ نام چونکہ عجمی ہیں اور بہت پرانی کی زبان کے الفاظ ہیں اس لیے ان کا صحیح اعراب کے ساتھ یقینی طور پر تلفظ کرنا اہل علم سے بھی مخفی ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں وذکر الحافظ ابن حجر فی شرح البخاری ان فی النطق باسمائھم اختلافا کثیرا و لا یقع الوثوق من ضبطھا و فی الحبر ان اسماء اصحاب الکھف اعجمیۃ لا تنضبط بشکل و لا نقط والسند فی معرفتھا ضعیف آیت کے آخر میں دو باتوں کی ممانعت فرمائی ہے اول یوں فرمایا فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا جس کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب کہف کے عدد وغیرہ کے بارے میں سرسری بحث سے زیادہ بات نہ

کیجئے وحی کے موافق انہیں قصہ سنا دیں زیادہ سوال جواب نہ کریں اور دوسری ممانعت یہ فرمائی ولا تستفت فیھم منھم احدا (کہ ان کے بارے میں کسی سے سوال نہ کیجئے) اللہ تعالیٰ شانہ نے جو بتا دیا اس سے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ان میں جو لوگ کچھ باتیں کرتے ہیں وہ اٹکل اور گمان اور قیاس سے کہتے ہیں لہٰذا ان سے پوچھنے کی نہ کوئی ضرورت اور نہ اس سے کوئی فائدہ۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ

اور کسی چیز کے بارے میں آپ ہرگز یوں نہ کہیں کہ میں اسے کل یوں کروں گا مگر یہ کہ اس کے ساتھ اللہ کی مشیت کا ذکر بھی کر دیں اور جب آپ بھول جائیں تو

اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝

اپنے رب کو یاد کریں اور یوں کہیں کہ امید ہے مجھے وہ بات بتا دے گا جو ہدایت کے اعتبار سے اس سے قریب تر ہے۔

وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ نہ کہنے پر عتاب

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ قریش مکہ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط و مدینہ منورہ بھیجا (یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے) کہ یہود کے علماء سے محمد ﷺ کے بارے میں دریافت کرو اور ان سے کہو کہ نبی آخر الزمان کی صفات بتاؤ، یہودی پہلی کتابوں سے واقف ہیں اور ہمارے پاس انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم میں سے کچھ نہیں ہے لہٰذا تم جاؤ ان لوگوں سے دریافت کرو قریش کے نمائندے مدینہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں دریافت کیا اور ان سے کہا کہ تم توراۃ والے ہو ہم تم سے اس شخص کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ اس پر یہودیوں نے کہا کہ ان سے تین باتیں دریافت کرو اگر وہ ان باتوں کو بتا دیں تو وہ واقعی نبی مرسل ہیں، ان سے ایک بات تو یہ دریافت کرو کہ زمانہ قدیم میں کچھ نوجوان اپنے گھر بار کو چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ کون لوگ تھے؟ ان کا قصہ عجیب ہے اور ان سے یہ بھی پوچھو کہ یہ کون شخص تھا؟ جس نے مشرق مغرب کے بڑے بڑے سفر کئے اور ان سے روح کے بارے میں دریافت کرو کہ وہ کیا ہے؟ یہ باتیں سن کر قریش کے وہ نمائندے مکہ معظمہ واپس ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے قریش کی جماعت ہم تمہارے پاس ایک فیصلہ کن بات لے کر آئے ہیں یہودیوں نے تین باتیں بتائی ہیں اس کے بعد وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ تینوں باتیں معلوم کیں جن کی یہودیوں نے پٹی پڑھائی تھی، آپ نے فرمایا میں کل کو بتا دوں گا لیکن ان شاء اللہ نہیں کہا وہ لوگ چلے گئے اور ادھر یہ ہوا کہ پندرہ دن تک آپ پر وحی نہیں آئی اور اس وجہ سے اہل مکہ نے یہ بات اڑانی شروع کر دی کہ محمد ﷺ نے یہ کہا تھا کہ کل کو بتا دوں گا لیکن پندرہ دن گذرے ہیں ابھی تک کچھ بھی نہیں بتایا۔ رسول اللہ ﷺ کو وحی کے رک جانے سے اور اہل مکہ کے باتیں بنانے سے سخت دکھ ہوا پھر جبریل ﷺ حاضر خدمت ہوئے اور سورۂ کہف لے کر آئے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب بھی ہے (کہ ان شاء اللہ کیوں نہیں کہا) و راستجواب کہف کہ خبر بھی ہے اور مشرق اور مغرب کے سفر کرنے والے کی خبر بھی ہے (یعنی ذوالقرنین کا تذکرہ) اور سورۂ اسراء کی آیت ویسئلونک عن الروح میں روح کا ذکر بھی آگیا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کے سکھانے پر جو قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ سے تین باتوں کا سوال کیا ان کا جواب دینے کے لیے ارشاد فرمایا کہ کل کو بتا دوں گا لیکن پندرہ دن تک وحی نہیں آئی آپ اس سے بہت زیادہ غمگین ہوئے اور مشرکین کو ہنسنے کا موقعہ مل گیا پھر جب وحی آئی تو مشرکین کے سوالات کے جوابات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ بھی نازل ہوئی اور وعدہ کرتے

وقت ان شاء اللہ چھوڑنے پر عتاب ہوا مقربین بارگاہ الٰہی کا بعض ایسی باتوں پر بھی عتاب ہو جاتا ہے جو فرض واجب کے درجہ میں نہیں ہوتیں اور رسول اللہ ﷺ تو سب سے زیادہ اللہ کے مقرب ہیں سب کچھ اللہ کی مشیت اور ارادہ ہی سے ہوتا ہے اللہ کے بندوں کو چاہئے کہ جب کسی سے وعدہ کریں یا کسی عمل کو کرنے کا اظہار کریں تو ان شاء اللہ بھی ساتھ میں کہہ دیں کیونکہ بندوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہماری زندگی کب تک ہے جس دن کا وعدہ یا ارادہ کر رہا ہوں اس دن تک زندہ رہوں گا یا نہیں اور زندہ بھی رہا تو ارادہ اور وعدہ کے مطابق عمل ہو سکے گا یا نہیں ابتدا اسی میں بہتری اور خوبی ہے کہ جس کسی کام کا وعدہ یا ارادہ کرے تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرے اور زبان سے بھی ان شاء اللہ کہہ دے رسول اللہ ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی اور وعدہ کے ساتھ ان شاء اللہ کی تلقین فرمائی اسی میں آپ کی امت کو بھی یہ نصیحت ہوگئی کہ وعدہ اور ارادہ کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا چاہئے، جو بھی کوئی وعدہ کرے سچا اور پکا وعدہ کرے اور لفظ ان شاء اللہ اس لئے نہ لگائے کہ میں قصداً خلاف ورزی کروں گا اور کہہ دوں گا کہ میں نے تو ان شاء اللہ کہہ دیا تھا ایسی غلط نیت کرنے سے وعدہ کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔ وعدہ کے ساتھ ان شاء اللہ کہنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (اور آپ اپنے رب کو یاد کر لیجئے جب آپ بھول جائیں) اس کا مطلب بعض اکابر علماء سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہنا بھول جائے تو جب بھی یاد آجائے ان شاء اللہ کہہ لے یہ ایسا ہی ہوگا جیسے وعدہ کے ساتھ متصلاً کہہ دیا صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس ؓ اور بعض تابعین سے یہ مطلب نقل کیا ہے آیت کے ظاہری سیاق سے اس مفہوم کی کچھ تائید بھی ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ آیت اس معنی میں صریح نہیں ہے جو حضرت ابن عباس ؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس لیے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ بعد میں ان شاء اللہ کہہ لینا تبرک اور تلافی فات کے طور پر ہوگا اگر انشاء اللہ تعلیق بالشرط اور عتاق اور یمین کے ساتھ متصلاً نہ کہا تو بعد میں منفصلاً کہہ دینے سے سابقہ اثر اور نتیجہ کا ابطال نہ ہوگا کیونکہ آیت میں صرف اتنی بات ہے کہ جب یاد آجائے اپنے رب کا ذکر کر لیجئے آیت کریمہ سابقہ اثر کے ابطال سے ساکت ہے دوسرے دلائل سے امام صاحبؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے اور دیگر ائمہ بھی ان کے موافق ہیں۔

قال صاحب الروح و عامة الفقهاء على اشتراط اتصال الاستثناء في عدم الحنث ولو صح جواز الفصل وعدم تاثيره في الاحكام لا سيما الى الغاية المروية عن ابن عباس رضى الله عنهما لما تقرر اقرار ولا طلاق ولا عتاق ولم يعلم صدق ولا كذب (صفحہ ۲۰۵ ج ۱۵) وفي روح المعاني ايضا يحكى انه بلغ المنصور ان ابا حنيفة رضى الله تعالى عنه خالف ابن عباس رضى الله تعالى عنهما في هذه المسئلة فاستحضره لينكر عليه فقال له ابو حنيفة هذا يرجع اليك انك تاخذ البيعة بالايمان افترضى ان يخرجو امن عندك فيستثنونه عليك فيخرجوا عنك فاستحسن كلامه جو حضرات استثناء میں اشتراط اتصال کے قائل ہیں ان کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھول جاؤ پھر جیسے ہی یاد آجائے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے لگو اور یہ ایسا ہی ہے جیسے لیلۃ التعریس میں جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سوتے رہ گئے تھے اور پھر جب سورج طلوع ہونے پر بیدار ہوئے تو آپ ؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی نماز کو بھول جائے اور سوتا رہ جائے تو جب یاد آجائے اسے پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔ (رواہ مسلم)

وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا (اور آپ یوں کہہ دیجئے کہ امید ہے میرا رب مجھے وہ بات بتا دے گا جو ہدایت کے اعتبار سے اس سے قریب تر ہے)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ای لشیء اقرب واظهر من نباء اصحاب الكهف من الأيات والدلائل الدالة على نبوتي یعنی مجھے رب سے امید ہے کہ مجھے اصحاب کہف کے واقعہ سے بڑھ کر ایسی واضح ترین چیزیں بتائے گا جو میری نبوت پر دلالت

کرنے والی ہوں گی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہوا کہ اصحاب کہف سے بھی زیادہ قدیم واقعات کا علم آنحضرت ﷺ کو دیا گیا اور آپ نے ان چیزوں کی مخاطبین کو خبریں دیں۔ جن کا وحی کے بغیر علم نہیں ہو سکتا تھا اور جو اخبار بالغیب کے اعتبار سے اصحاب کہف کے قصہ سے بھی زیادہ واضح تھیں۔

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ

اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو برس مزید اوپر گذرے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی خوب جاننے والا ہے کہ وہ کتنی مدت رہے

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۠ وَّلَا يُشْرِكُ

اسی کو آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم ہے وہ کیا ہی دیکھنے والا ہے اور کیا ہی سننے والا ہے، ان لوگوں کا اس کے سوا کوئی مددگار نہیں اور وہ اپنے حکم

فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝

میں کسی کو شریک نہیں فرماتا۔

اصحابِ کہف کتنے عرصہ غار میں رہے.....؟

پہلی آیت میں غار مذکورہ میں اصحاب کہف کے رہنے کی مدت بیان فرمائی اور فرمایا کہ وہ اپنے غار میں تین سو نو سال رہے پھر دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدت اقامت کو خوب زیادہ جاننے والا ہے وہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اصحاب کہف کا غار بھی زمین ہی میں ہے اور وہ لوگ بھی زمین ہی میں تھے پھر ان کا اور ان کے غار کا اسے کیوں علم نہ ہوگا؟ مزید توضیح اور تاکید کے لیے فرمایا اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ عربی زبان میں یہ دونوں تعجب کے صیغہ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ سے بڑھ کر کوئی دیکھنے والا یا سننے والا نہیں ہے اس کی صفت سمع و بصر کا بندوں سے بیان نہیں ہو سکتا وہ سب سے بڑا سمیع اور بصیر ہے۔ (ان دونوں لفظوں کا جو اوپر ترجمہ کیا گیا ہے تقریبی ترجمہ ہے حقیقت میں ان کا ترجمہ اردو زبان میں ادا نہیں ہو سکتا)

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (اس کے علاوہ ان کے لیے کوئی مددگار نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں فرماتا) اللہ کا کوئی شریک اور مزاحم نہیں۔ وہ جو چاہے فیصلہ فرمائے، سب پر لازم ہے کہ اسی سے مدد مانگیں اور اس کے علاوہ کسی کو اپنا ولی اور مددگار نہ بنائیں۔

فائدہ نمبر ۱ ..... قرآن مجید کے سیاق سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اصحاب کہف کی غار میں رہنے کی جو مدت بیان فرمائی کہ وہ تین سو نو سال ہے حضرات مفسرین کرامؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ بھی اہل کتاب کا قول ہے اور یہاں یقولون مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ مدت مذکورہ بتاتے ہیں اور ان کے قول کو رد فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا فرمایا لیکن اول تو صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول ثابت نہیں۔ دوسرے قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا سے واضح طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس میں پہلی بات کی تردید ہے۔

فائدہ نمبر ۲ ..... بعض مفسرینؒ نے یہ بات اٹھائی ہے کہ اصحاب کہف کی مدت بتاتے ہوئے جو ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا فرمایا اور ثلث مائة و تسع سنین نہیں فرمایا یہ اس وجہ سے کہ اس میں شمسی اور قمری سنین کا قول بتایا یعنی تین سو سال شمسی اعتبار سے

تھے اور تین سو نو قمری اعتبار سے تھے۔ لیکن صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ نقصوں سے واضح نہیں ہے پھر یہ تخمین کے حساب سے موافق بھی نہیں ہے اور شمسی اور قمری سنین کا فرق سامنے رکھتے ہوئے حساب لگایا جائے تو تین سو سال شمسی پر نو سال قمری زیادہ ہوتے ہیں اور نو گھنٹے اور اڑتالیس منٹ کا فرق نکلتا ہے۔ (اللھم الا ان یقال ان الکسر الزائد لم یعتبرو اللہ تعالی اعلم) اور راقم الحروف کی سمجھ میں یوں آیا ہے کہ رعایت فواصل کی وجہ سے عدول فرمایا ہے اور بجائے وتسع سنین کے وازدادو تسعا فرمادیا واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝

اور آپ سے رب کی کتاب جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے تلاوت کیجئے اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور نہ آپ اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ پائیں گے

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۚ وَلَا

اور جو لوگ صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں ان کے ساتھ اپنے دل کو جمائے رکھئے یہ لوگ اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں اور آپ

تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا

دنیا کی زندگی کی زینت کے ارادہ سے ان سے آپ کی نگاہیں نہ ہٹ جائیں اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝

اور جو اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا اور جس کا کام حد سے گزر گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو کتاب اللہ تلاوت کرنے اور اللہ سے لو لگانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہنے کا حکم

درمنثور صفحہ ۲۱۹ ج ۴ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ عیینہ بن بدر اور اقرع بن حابس جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر آپ صدر مجلس میں بیٹھتے اور یہ لوگ یعنی سلمان اور ابوذر اور دیگر فقراء مسلمین سے دور رہتے تاکہ ان کے اونی کپڑوں کی بو نہ آتی تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھتے اور آپ سے باتیں کرتے اور آپ سے کچھ حاصل کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے واتل ما اوحی الیک من کتاب ربک سے اعتدنا للظلمین نارا تک آیت شریفہ نازل فرمائیں۔ اور حضرت سہل بن حنیف سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ اپنے ایک گھر میں تھے آپ پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی نازل فرمائی۔ اس پر آپ باہر تشریف لائے اور ان لوگوں کو تلاش کیا جن کا آیت کریمہ میں ذکر ہے یعنی جو لوگ صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں یہ فقراء صحابہ تھے ان میں وہ لوگ تھے جن کے بال بکھرے ہوئے تھے اور کھال سوکھی ہوئی تھی اور صرف ایک ہی کپڑا اپنے ہوئے تھے جب آپ نے ان کو دیکھا تو ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور ساتھ ہی یوں کہا کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمادیئے جن کے ساتھ مجھے جم کر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔

قوموں کے سرداروں اور مالداروں کو اپنی سرداری اور مالداری پر جو غرور اور گھمنڈ ہوتا ہے اس کی وجہ سے وہ اللہ کے نیک بندوں کو حقیر

سمجھتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں عارضی ہیں اور فانی ہیں اور ایمان اور اعمال صالحہ آخرت میں کام آنے والی چیزیں ہیں جہاں دائمی زندگی ہوگی اور ایسی نعمتیں ہوں گی جو ختم ہونے والی نہیں فانی پر مغرور کر کے اعمال صالحہ کی مشغولیت رکھنے والوں کو حقیر جاننا بہت بڑی حماقت ہے، جو لوگ چودھری قسم کے تھے اور پوری طرح اسلام مقبول نہیں کیا تھا۔ تالیف قلب کے لیے انہیں رسول اللہ ﷺ کچھ دیتے رہتے تھے ایسے لوگوں کو مؤلفۃ القلوب کہا جاتا تھا ان میں سے بعض وہ لوگ بھی تھے جن کا اوپر ذکر ہوا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ غریب لوگ آپ کے پاس بیٹھے رہتے ہیں ان کے اون کے کپڑے ہیں ان میں سے بدبو آتی ہے ان کے ساتھ آپ نہ بیٹھیں اگر بیٹھنے کی الگ جگہ ہو تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کریں گے۔ اللہ جل شانہٗ نے ان لوگوں کی درخواست قبول کرنے سے منع فرما دیا اور یوں فرمایا کہ آپ کے رب کی طرف سے جو کتاب نازل کی گئی ہے آپ اس کی تلاوت کیا کریں اس کتاب کا تلاوت کرنا لوگوں کو پہنچانا یہ آپ کا کام ہے جو لوگ دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگ ہیں اگر ایمان نہ لائیں اور آپ کے پاس بیٹھنے کے لیے کوئی ایسی شرط لگائیں جس میں اہل ایمان کو دور رکھنا پڑتا ہو تو اسے قبول نہ کیجئے اللہ تعالیٰ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اللہ تعالیٰ نے جو آپ سے وعدے کیے ہیں وہ پورے ہو کر رہیں گے آپ اللہ کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔

واصبر نفسك مع الذين (یعنی جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں آپ ان کے ساتھ بیٹھے رہا کیجئے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ اس میں حضرات صحابہ کی وہ طرح تعریف ہے اول یہ کہ وہ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ اللہ کی رضا چاہتے ہیں ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا (اور آپ ایسے شخص کی بات نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا) واتبع هواه (اور جو اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا) وكان امره فرطا (اور اس کا حال حد سے بڑھ گیا) اس میں یہ فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو ہماری یاد کا دھیان نہیں ہے اپنی خواہش کے پیچھے چلتے ہیں اور اس سلسلہ میں آگے بڑھ گئے ہیں ان کا اتباع نہ کیجئے ان سے روسائے کفار مراد ہیں۔

اور یہ جو فرمایا کہ آپ ایسا نہ کریں کہ دنیوی زینت کا خیال کرتے ہوئے ان لوگوں سے آپ کی آنکھیں ہٹ جائیں جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا کی ظاہری زینت کی کوئی حقیقت نہیں ہے اس کے لیے ایمانی تقاضوں کو نہ چھوڑا جائے احتمال تھا کہ آنحضرت ﷺ کو یہ خیال ہو جائے کہ یہ سردار مسلمان ہو جائیں تو اسلام اور اہل اسلام کو قوت حاصل ہو جائے ارشاد فرمایا کہ اسلام کا جمال باطنی یعنی اخلاص اور اطاعت ہی اس کی زینت اس کے لیے کافی ہے مخلصین کو مجلس سے ہٹا کر اصحاب دنیا کے ذریعہ حاصل ہونے والی دنیا کو نہ دیکھا جائے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا

اور آپ فرما دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جس کا جی چاہے مومن ہو جائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے، بلاشبہ ہم نے ظالموں کے لئے

لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ

آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں گھیرے ہوئے ہوں گی اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو تیل کی تچھٹ

يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا ۝

جو چہروں کو بھون دے گا، بہت برا ہے پینے کی وہ چیز اور بہت بری جگہ ہے آرام کرنے کی۔

حق واضح ہے، جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر اختیار کرے
اہل کفر دوزخ میں اور اہل ایمان جنت میں ہوں گے

اس آیت میں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ایمان یا کفر اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا بندوں کے سامنے اپنی کتابوں اور نبیوں کے ذریعہ حق واضح فرما دیا ہے، اب جس کا جی چاہے ایمان کو اختیار کرے اور جس کا جی چاہے کفر پر رہے، جو ایمان لائے گا اپنا بھلا کرے گا آخرت کی نعمتوں سے سرفراز ہوگا اور جو شخص کفر اختیار کرے گا وہ اس کی سزا بھگت لے گا جو دوزخ میں آگ کے دائمی عذاب کی صورت میں ہوگی کوئی جاہل اپنی جان کا دشمن آیت کا مطلب یہ نہ سمجھ لے کہ کفر اختیار کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے یہ اجازت نہیں ہے بلکہ بندوں کو جو ایمان اور کفر دونوں صورتیں اپنے ارادہ سے اختیار کرنے کی قدرت دی گئی ہے اس کا بیان ہے اسی لیے متصلاً ہی اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بتادی اگر کفر اختیار کرنے کی اجازت ہوتی تو مشرکوں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کیوں کیا جاتا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے ماتحتوں سے کہے کہ کرلو جو چاہو نافرمانی کی سزا مل جائے گی۔

ظالموں یعنی کافروں کی سزا بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کے لیے دوزخ کی آگ تیار کی ہوئی ہے اس کی دیواریں انہیں گھیرے ہوں گی جو داخل ہوگا کہیں بھاگ کر نہ جاسکے گا اور نکلنے کی کوئی راہ نہ پائے گا۔ آگ میں جلنے کے عذاب کے علاوہ انہیں پیاس بھی لگے گی جب پانی طلب کریں گے تو بہت زیادہ تیز گرم پانی دیا جائے گا یہ پانی بہتا ہوا خوشگوار نہ ہوگا بلکہ تیل تچھٹ کی طرح سے گاڑھا پانی ہوگا پیا تو نہ جاسکے گا لیکن پیاس کی شدت کی وجہ سے پینا پڑے گا یہ پانی اتنا گرم ہوگا کہ جیسے ہی منہ کے قریب آئے گا چہروں کو بھون ڈالے گا یہ تو ان کے پینے کی چیز ہوگی اور کھانے کے لیے زقوم کا درخت ہوگا جیسا کہ دوسری آیات میں وارد ہوا ہے سورۂ صافات رکوع نمبر ۲ اور سورۂ دخان رکوع نمبر تین اور سورۂ واقعہ رکوع نمبر ۲ میں مذکور ہے، زقوم کا درخت کھائیں گے جو بہت ہی زیادہ کڑوا اور بدبودار ہوگا اور پیٹ بھر کر کھائیں گے اور اوپر سے کھولتا ہوا گرم پانی پئیں گے جو ان کے مونہوں کو بھون دے گا اور آنتوں کو کاٹ ڈالے گا (کما فی سورۂ محمد ﷺ) اور یہ پانی بھی تھوڑا بہت نہیں بلکہ اس طرح پئیں گے جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں بِئْسَ الشَّرَابُ یعنی وہ پانی پینے کی بری چیز ہے آخر میں فرمایا وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا اور دوزخ آرام کی بری جگہ ہے) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنے بڑے سخت عذاب میں آرام کہاں ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ یہ لفظ بطور تحکم لایا گیا ہے وہ لوگ دنیا میں اپنی مستیوں میں لگے رہے دنیاوی آرام کے سامنے اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے تھے، دنیا کے آرام کو دیکھتے ہوئے انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا کیونکہ ایمان قبول کرنے پر تکلیفیں پہنچنے کا اندیشہ تھا اور انہوں نے وعیدیں سننے کے باوجود دوزخ ہی کے کاموں کو اختیار کیا اور گویا کفر ہی کو اپنے لیے آرام کا ذریعہ سمجھا لہٰذا عذاب کی جگہ کو ان کے لیے آرام کی جگہ فرمایا کیونکہ دنیا کے آرام ہی کی وجہ سے انہوں نے اس تکلیف کو اپنے سر لیا اور یہ سمجھا کہ آخرت میں بھی ہم آرام ہی سے رہیں گے۔ ثم ھو علی سبیل المشاکلۃ فی مقابلۃ قولہ تعالیٰ (وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کو چار دیواریں گھیرے ہوئے ہیں جن میں ہر دیوار کا عرض چالیس سال چلنے کی مسافت رکھتا ہے (رواہ الترمذی) یعنی اس کی دیواریں اتنی موٹی ہیں کہ صرف ایک دیوار کی چوڑائی طے کرنے کے لیے کوئی چلنے والا چلے تو چالیس سال خرچ ہوں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ بات واقعی ہے کہ ہم ان کا عمل ضائع نہیں کریں گے جو اچھے کام کرے، ان لوگوں کے لیے ہمیشہ رہنے کے

عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ

باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، انہیں سونے کے کنگنوں کا زیور پہنایا جائے گا، اور یہ لوگ سندس اور استبرق کے

سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ ع ۱۶

کپڑے پہنیں گے جنت میں مسہریوں پر تکئے لگائے ہوئے ہوں گے وہ بہت اچھا بدلہ ہے اور آرام کی اچھی جگہ ہے۔

اہل ایمان کا اجر وثواب، جنت کے لباس اور زیور مسہریوں کا تذکرہ

اہل کفر کی سزا بیان کرنے کے بعد اہل ایمان کے ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں فرمایا کہ ہم نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے نیک عمل وہی ہے جو ایمان اور اخلاص کے ساتھ ہو اور شریعت کے مطابق ہو، فرمایا کہ یہ لوگ ہمیشہ رہنے کے باغوں میں رہیں گے ان باغوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور ساتھ ہی ان کے زیور اور لباس کا تذکرہ بھی فرمایا اور فرمایا کہ انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ وہاں سبز کپڑے پہنیں گے جو سندس اور استبرق کے ہوں گے پھر ان مسہریوں کا تذکرہ فرمایا جن پر یہ لوگ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے۔ یہ بیٹھنا آمنے سامنے ہوگا ایک دوسرے کے مقابل ہوں گے۔

آخر میں فرمایا نِعْمَ الثَّوَابُ (ان کے اعمال کا اچھا بدلہ ہے) وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا (اور یہ جنت آرام کی اچھی جگہ ہے) (وہاں دکھن اور تھکن نہ ہوگی آرام ہی آرام ہوگا۔

یہ جو فرمایا کہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اس میں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ زیور تو عورتیں پہنتی ہیں مردوں پر کیا اچھا لگے گا؟ پھر اس کے پہننے کی ممانعت بھی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت کے حالات کو دنیا پر قیاس کرنا صحیح نہیں اول تو وہاں دنیا والے شرعی احکام نافذ نہ ہوں گے۔ وہاں مردوں کو سونا پہننا جائز ہوگا یا دوم مرد وہاں کنگن پہننے میں خوبی اور خوشی محسوس کریں گے، دنیا میں بھی ہر جگہ کا رواج الگ الگ ہے بعض علاقوں میں مرد بھی زیور پہنتے رہے ہیں اور خاص کر بادشاہوں کے بارے میں تو زیور پہننا معروف ہی ہے کپڑوں کے بارے میں فرمایا کہ اہل جنت کے کپڑے سبز رنگ کے ہوں گے چونکہ نظروں کو بہت بھلا لگتا ہے اس لیے ان کے کپڑوں کا یہ رنگ ہوگا، یہ کپڑے سندس اور استبرق کے ہوں گے۔

سورۂ حج میں فرمایا وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ (اور ان کا لباس ریشم ہوگا) معلوم ہوا کہ سندس اور استبرق ریشم کے ہوں گے، سندس کے بارے میں مفسرین کرامؒ لکھتے ہیں کہ اس سے باریک ریشم مراد ہے اور استبرق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس سے دبیز یعنی موٹا ریشم مراد ہے، مفسر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ استبرق سے وہ موٹا ریشم مراد ہے جس میں چمک ہو ستر عورت کے لیے تو دبیز کپڑے کی ضرورت ہوگی اور آیت میں تفصیل نہیں بتائی کہ سندس کا کون سا کپڑا ہوگا اور استبرق کا کون سا کپڑا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نیچے کے کپڑے استبرق کے ہوں گے اور سندس کے کپڑے اوپر پہننے کے ہوں گے جیسے کرتہ وغیرہ مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں فالسندس ثیاب رقاع رقاق کالقمصان وما جری مجراها واما الاستبرق فغلیظ الدیباج وفیه بریق.

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ

اور آپ ان سے ایک مثال بیان کیجئے دو شخص کا حال جن میں سے پہلے کو ہم نے انگور کے دو باغ دیئے اور ان دونوں کے گرد کھجور کے درخت لگے تھے

وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا

اور ان دونوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی کر رکھی تھی دونوں باغ اپنا پورا پورا پھل دیتے تھے اور پھل میں ذرا بھی کمی نہ کرتے تھے اور ہم نے ان دونوں

خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا

کے درمیان نہر بھی جاری کر رکھی تھی اور اس کے پاس (بہت سا) پھل تھا پس وہ اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہنے لگا میں تجھ سے زیادہ

وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ

مال والا ہوں اور نفر کے لحاظ سے بھی زیادہ ہوں اور اپنے باغ میں داخل ہوا کہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا اس نے کہا میں نہیں خیال کرتا کہ یہ

هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا

کبھی برباد ہوگا اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو اس سے بہتر جگہ پاؤں گا

مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ

اس کے ساتھی نے جو اس سے باتیں کر رہا تھا اس سے کہا کیا تو اس کا منکر ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝

پھر نطفہ سے پھر تجھے ٹھیک ٹھاک آدمی بنا دیا لیکن میری بات تو یہ ہے کہ وہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب سے کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ

اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تجھے ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ یوں نہ کہنا چاہئے تھا اگر تجھے اس حال میں میرے مال اور

مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا

اولاد کے اعتبار سے کم دیکھا ہے تو ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرمائے اور تیرے باغ پر آسمان سے

حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ

کوئی آفت بھیج دے جس سے تیرا باغ ایک صاف میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے پھر تو اسے

طَلَبًا ۝ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ

ہرگز نہ پا سکے اور اس کے پھلوں کو آفت نے گھیر لیا سو وہ اس حال میں ہو گیا کہ جو کچھ اس میں خرچ کیا تھا اس پر کف افسوس ملنے لگا اور حال یہ تھا کہ اس کا باغ

عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ

يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝

عبرت کے لیے دو شخصوں کی مثال، ان میں ایک باغ والا اور دوسرا غریب تھا

ان آیات میں ایک واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے جس میں ایک باغ والے کافر و مشرک اور دوسرے مؤمن موحد کی گفتگو نقل فرمائی ہے۔ علامہ بغوی معالم التنزیل (صفحہ ۱۶۱ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ یہ آیات اہل مکہ میں سے دو شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی دونوں بنی مخزوم میں سے تھے۔ ایک تو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تھے جو رسول اللہ ﷺ سے پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے اور دوسرا شخص جو کافر تھا وہ اسود بن عبدالاسد تھا یہ ایک قول ہے۔ دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل میں سے دو شخصوں کا ہے جو آپس میں دونوں بھائی تھے ایک مؤمن تھا اور ایک کافر تھا اس واقعہ کو بطور مثال فریق اول عیینہ بن حصین اور اس کے ساتھیوں اور فریق دوم حضرت سلمان فارسی اور ان کے ساتھیوں (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں ذکر فرمایا (یاد رہے کہ عیینہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یوں کہا تھا کہ آپ ان غریبوں اور مسکینوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیجئے تاکہ ہم آپ کے پاس بیٹھ سکیں)۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آیات بالا میں جن دو شخصوں کا ذکر فرمایا ہے یہ بنی اسرائیل میں سے ایک بادشاہ کے بیٹے تھے، ایک نے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور دوسرے شخص نے کفر اختیار کیا اور وہ دنیا کی زینت میں مشغول ہو گیا اور اس کو بڑھانے میں لگ گیا۔ واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے خوب مال دیا اس کے انگور کے دو باغ تھے اور ان دونوں باغوں کے چاروں طرف کھجوروں کے درخت تھے۔ جنہوں نے باڑ کی طرح سے ان دونوں باغوں کو گھیر رکھا تھا۔ ان دونوں باغوں میں کھیتی بھی تھی، درختوں کے پھلوں اور کھیتی کی پیداوار سے وہ بڑا مالدار بنا ہوا تھا ان باغوں کے درمیان نہر بھی جاری تھی دونوں باغ بھرپور پھل دیتے تھے ذرا سی بھی کمی نہ ہوتی تھی۔

یہ تو باغ والے کا حال تھا (جو اوپر مذکور ہوا) اس کے احوال کے برخلاف ایک دوسرا شخص تھا، وہ مال اور اولاد کے اعتبار سے زیادہ حیثیت والا نہ تھا، جس شخص کے باغ تھے اسے بڑا غرور تھا اس نے اپنے اسی کم حیثیت والے ساتھی سے کہا کہ میں مال کے اعتبار سے تجھ سے زیادہ ہوں اور افراد کے اعتبار سے تجھ سے بڑھ کر ہوں کیونکہ میری جماعت زبردست ہے، اول تو اس نے اس کم حیثیت والے ساتھی سے تکبر اور تفاخر سے خطاب کیا اور دوسرا کام یہ کیا کہ وہ اپنے باغ میں اپنے نفس پر ظلم کرنے کی حالت میں یعنی کفر پر قائم ہوتے ہوئے داخل ہوا وہاں بھی اس نے وہی کفری اور کفران نعمت کی باتیں کیں کہنے لگا کہ میں تو یہ نہیں سمجھتا کہ میرا یہ باغ کبھی بھی برباد ہوگا اور یہ جو قیامت قائم ہونے کی باتیں کرتے ہو یہ یوں ہی کہنے کی باتیں ہیں میرے خیال میں تو قیامت قائم ہونے والی نہیں فرض کرو کہ اگر

قیامت آ ہی گئی اور میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو اس دنیا میں جو میرا باغ ہے مجھے وہاں اس سے بڑھ کر بہت زیادہ اچھی جگہ ملے گی۔ دنیا والوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کافر اور فاجر ہوتے ہوئے یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں جب اس نے ہمیں یہاں دولت دی ہے تو وہاں بھی ہمیں خوب زیادہ نعمت و دولت ملے گی۔ یہ لوگ قیامت کو مانتے تو نہیں ہیں لیکن اہل ایمان سے قیامت کی باتیں سن کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت آ گئی تو وہاں بھی ہماری نوازش میں کوئی کمی نہ ہوگی یہ نہیں جانتے کہ وہاں جو کچھ ملے گا ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ملے گا چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم اور تبلیغ کی طرف دھیان نہیں دیتے اس لیے روز جزاء میں جو نعمتیں ملیں گی، ان نعمتوں کے ملنے کے قانون سے واقف نہیں ہوتے اور بہت سی مرتبہ حقیقت جانتے ہوئے بھی اہل ایمان کے سامنے منہ زوری کر کے اپنے آپ کو دنوں جہانوں میں برتر اور بہتر بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خود ہی خیال جما لیتے ہیں کہ ہم یہاں بھی بہتر ہیں وہاں بھی بہتر ہوں گے۔

وہ جو اس کا ساتھی تھا جس سے اس نے فخر اور تمکنت کی باتیں کی تھیں اور اسے اپنے سے گھٹیا بتایا تھا اس نے اول تو اسے عار دلائی اور ایک اچھے انداز میں اس کی نادانی اور بے وقوفی پر متنبہ کیا اور کہا کہ جس ذات پاک نے تجھے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا فرمایا پھر تجھے صحیح سالم آدمی بنا دیا کیا تو نے اس کے ساتھ کفر کیا یعنی تجھے ایسا نہیں کرنا تھا، چونکہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے جو ہر انسان کے باپ ہیں اور پھر ہر انسان مادہ قریبہ یعنی نطفہ سے پیدا ہوتا ہے جو رحم مادر میں جاتا ہے اس۔ لیے مادہ بعیدہ اور قریبہ دونوں کو ذکر کر دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ دیکھ رحم مادر میں نطفہ پہنچ کر جو بچہ بن کر باہر آتا ہے ضرور؟ نہیں ہے کہ وہ ٹھیک ہو اور اس کے اعضاء صحیح سالم ہوں تجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا اور مزید کرم یہ فرمایا کہ تیرے اعضاء کو صحیح سالم بنایا اور مزید کرم یہ فرمایا کہ تجھے مرد بنایا، بجائے مؤمن بندہ بننے کے تو کافر ہو گیا تف ہے ایسی سمجھ پر اس کے بعد اس مؤمن بندہ نے اپنا عقیدہ بتایا اور یوں کہا کہ اللہ میرا رب ایک ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اس میں اپنے دین و عقیدہ کا اعلان بھی ہے اور مخاطب پر تعریض بھی ہے کہ تو مشرک ہے اور مشرک ہونا بدترین چیز ہے، اس کے بعد اس مؤمن موحد نے اپنے مخاطب سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تجھے باغ کی نعمت دی ہے تجھے اس نعمت پر شکر گذار ہونا چاہئے باغ میں جا کر تو نے یوں کہا کہ میرے خیال میں یہ باغ کبھی برباد نہ ہوگا اور تو قیامت آنے کا بھی منکر ہو گیا اس کے بجائے تجھے یوں کہنا چاہئے تھا کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ (یعنی اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اللہ کی مدد کے بغیر کوئی قوت نہیں) یہ باغ صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وجود میں آیا ہے اسی نے تجھے اس پر قبضہ دیا ہے جب وہ چاہے گا اسے برباد کر دے گا اور تو دیکھتا رہ جائے گا، رہی یہ بات کہ میں تجھ سے مال اور اولاد میں کم ہوں تو یہ بات میرے لئے کوئی غمگین اور متفکر ہونے کی نہیں مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ عنقریب تیرے باغ سے بہتر باغ عطا فرما دے گا دنیا میں ہو یا آخرت میں یا دونوں میں اور وہ وقت بھی دور نہیں معلوم ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ تیرے باغ پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے اور تیرا باغ ایک صاف میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے پھر تو اس پانی کو طلب کرنے کی کوشش بھی نہ کر سکے، مطلب یہ ہے کہ تو جو یہ کہتا ہے کہ میرا باغ ہمیشہ رہے گا۔ یہ اس لیے کہتا ہے کہ اسباب ظاہرہ موجود ہیں سیراب کرنے کے لیے پانی ہے باغ کی سینچائی کے لیے آدمی موجود ہیں۔ یہ تیری بھول ہے جس ذات پاک نے تجھے یہ باغ دیا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ آسمان سے اس پر کوئی آفت بھیج دے۔ پھر نہ کوئی درخت رہے نہ ٹہنی نہ برگ رہے نہ بار، اسے اس بات پر بھی قدرت ہے کہ جس پانی پر تجھے گھمنڈ ہے وہ اس پانی کو اندر زمین میں دور تک پہنچا دے اور یہ پانی اتنی دور چلا جائے کہ تو اسے محنت اور کوشش کر کے دوبارہ اپنی کھیتی کی سطح تک لانے کی ہمت نہ کر سکے۔ مؤمن موحد بندہ نے جو کافر و مشرک ناشکرے کو شرک چھوڑنے اور توحید اختیار کرنے

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ماننے اور اس کی گرفت سے بچنے کی تلقین کی تھی اس پر اس کافر نے دھیان نہ دیا عذاب آ ہی گیا اور اس کے پاس جو ماں تھا اور مالدار بننے کے جو اسباب تھے ان سب کو ایک آفت نے گھیر لیا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ ایک آگ تھی جس نے اس کی مالیت کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اب تو یہ شخص حیران کھڑا رہ گیا اور اپنے باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا اس پر اپنے ہاتھ کو الٹتا پلٹتا رہ گیا اس کا باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا تھا (یعنی جن ٹٹیوں پر انگور وغیرہ کی بیلیں چڑھاتے ہیں وہ جل کر گر گئی تھیں پھر اوپر سے پورا باغ ہی جل کر ان ٹٹیوں پر گر گیا) وہ شخص افسوس کر رہا تھا کبھی یوں ہاتھ پیٹتا تھا اور کبھی یوں اور کہتا تھا کہ ہائے افسوس میں اس باغ پر مال خرچ نہ کرتا جیسے تھا ویسے ہی بڑھتا رہتا۔ اگر اس پر مال نہ خرچ کرتا تو باغ جل جاتا مگر مال تو رہ جاتا، باغ بھی ہلاک ہوا اور جو کچھ اس پر لگایا تھا وہ بھی گیا اب اسے اپنے مؤمن ساتھی کی نصیحت یاد آئی اور کہنے لگا یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا (ہائے کاش کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا)

باغ کی بربادی اور صاحب باغ کی حسرت بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کی عاجزی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اور اللہ کے سوا اس کے پاس ایسی کوئی جماعت اور جتھا نہ تھا جو اس کی مدد کرتے) وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا (اور وہ بدلہ لینے والا نہ تھا) اتنی بڑی آفت کسی پر نازل ہو جائے تو وہ تو مخلوق سے بھی بدلہ لینے سے عاجز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تو کوئی شخص بدلہ لے ہی نہیں سکتا۔ اللہ نے اس پر کفر و شرک کی وجہ سے عذاب بھیجا اور وہ اس حال میں ہو گیا کہ کسی طرح کہیں سے بھی کوئی مدد پا کر کسی طرح کا بدلہ لینے کے قابل نہ رہا۔

یاد رہے کہ رکوع کے شروع میں دو باغوں کا تذکرہ فرمایا تھا لیکن بعد میں ایک ہی باغ کا ذکر فرمایا یہ بطور جنس کے ہے جو دونوں باغوں کو شامل ہے اور جب باغ برباد ہوئے تو کھیتی بھی ختم ہوئی اور جن افراد پر انہیں گھمنڈ تھا اس کی قوت اور شوکت بھی دھری رہ گئی کیونکہ نہ تو عصبہ اور جتھہ بھی اسی وقت کام آتا ہے جب ان پر خرچ کرنے کے لیے مال موجود ہو، آخر میں فرمایا هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ایسے موقعہ پر مدد کرنا اللہ ہی کا کام ہے جو برحق ہے (وہ بندوں کے اموال کو تباہ کر کے پھر سے عطا فرما سکتا ہے) هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا (وہ ثواب کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے) مطلب یہ ہے اپنے اموال کو اللہ پاک کی رضامندی کے لیے خرچ کریں وہ اچھے سے اچھا بدلہ دے گا اور جو کچھ اس کی رضا کے لیے خرچ کیا جائے گا، اس کا انجام بھی سب سے اچھا ہوگا۔ اس میں یہ بتا دیا کہ مؤمن بندوں کا اگر کوئی نقصان ہو بھی جائے تو انجام کے اعتبار سے اسے کوئی خسارہ یا نقصان نہیں کیونکہ وہ دونوں جہاں میں یا کم از کم آخرت میں اس کا بدلہ پالے گا اور آخرت میں جو کچھ ملے گا اس کا اس دنیا میں حساب نہیں لگایا جا سکتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو اس کی جان میں اور مال میں اولاد میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کا ایک گناہ بھی باقی نہ رہے گا (تکلیفوں کی وجہ سے سب گناہ دھل چکے ہوں گے) (رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۱۳۶)

فائدہ.....گذشتہ رکوع میں ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے دنیاوی اموال پر فخر کرتے ہوئے اور بڑائی جتاتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ بات پیش کی تھی کہ آپ غرباء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیں تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کریں اور یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ ضعفاء مسلمین کو حقیر سمجھتے تھے اور انہیں اس لائق نہیں جانتے تھے کہ خود ان کے ساتھ بیٹھیں ان لوگوں کی اس خواہش اور فرمائش کا تذکرہ کرنے کے بعد اول تو دوزخ کا عذاب بتایا جس میں کافر مبتلا ہوں گے پھر جنت کی نعمتیں ذکر فرمائیں جو

مومنوں کو میں گی۔ اس کے بعد باغ والے کافر کا قصہ بیان فرمایا جسے ایک مومن بندہ نے سمجھایا تھا لیکن وہ کافر نہ مانا، عذاب آیا اور اس کا مال تباہ و برباد ہو گیا۔ اس قصہ میں بہت بڑی عبرت ہے کوئی شخص اپنے مال پر گھمنڈ نہ کرے اللہ کا مومن بندہ بنے اور جن مومن بندوں کے پاس مال نہیں ہے انہیں حقیر نہ جانے اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہ کرے، ناشکری کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں پھر ایسے وقت میں کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ

اور آپ ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان کیجئے کہ یوں ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے زمین سے اگنے والی چیزیں خوب گھن مل گئیں

فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ

پھر وہ چورا چورا ہو کر رہ گیا، جسے ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے مال اور بیٹے دنیاوی زندگی کی رونق

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ

ہیں اور باقی رہنے والے اعمال صالحہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی، اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے

وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ وَعُرِضُوْا عَلٰي رَبِّكَ صَفًّا ۭ

اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھے گا کہ وہ کھلا میدان ہے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے سو ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے اور وہ آپ کے رب کے سامنے صفیں بنائے ہوئے پیش کئے جائیں گے۔

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝

بلاشبہ آج تم ہمارے پاس اسی حالت میں آئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، بلکہ بات یہ ہے کہ تم نے یوں سمجھا کہ ہم تمہارے لیے کوئی وقت موعود مقرر نہ کریں گے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ

اور اعمال نامے رکھا جائے گا تو آپ مجرمین کو دیکھیں گے کہ اس میں سے جو کچھ ہے اس سے ڈر رہے ہیں اور وہ کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری بربادی یہ

هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا

کیسی کتاب ہے کہ اس نے کسی چھوٹے یا بڑے کو نہیں چھوڑا جسے لکھ نہ لیا ہو، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا

حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝

وہ سب موجود پائیں گے۔ اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔

ع

دنیا کی بے ثباتی کی ایک مثال، اور قیامت میں مجرمین کی حیرت کا منظر

یہ رکوع پانچ آیات پر مشتمل ہے اس میں اول تو دنیا کی ظاہری چند دن کی زیب و زینت کو بیان فرمایا اور ساتھ ہی یوں فرمایا کہ اعمال صالحہ ہی باقی رہنے والے ہیں اور ثواب اور امید کے اعتبار سے بہتر ہیں، پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونے اور اعمال

نامے سامنے آنے کا تذکرہ فرمایا یہ سب باتیں عبرت اور نصیحت کے لیے ہیں۔ دنیا کی حالت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ (الایۃ) یعنی دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اس پانی کی وجہ سے زمین سے پیدا ہونیوالی چیزیں ظاہر ہوئیں۔ انسان نے جو بیج ڈالے تھے وہ بھی نکلے اور اس کے علاوہ اور بھی گھاس پھونس اور مختلف قسم کی سبزیاں برآمد ہوئیں۔ اس سرسبز پیداوار کو دیکھ کر لوگ خوش ہو رہے ہیں لہلہاتی ہوئی کھیتیاں دلوں کو بھا رہی ہیں اور اتنی زیادہ پیداوار ہے کہ گنجان ہونے کی وجہ ایک ٹہنی دوسری ٹہنی میں اور ایک پودے کے پتے دوسرے پودوں کے پتوں میں گھسے ہوئے ہیں۔ چند دن تو یہ پیداوار ہری بھری رہی پھر سوکھ گئی کسانوں نے کھیتی کو کاٹ کر دانہ نکال لیا بھوسہ رہ گیا اور دوسری سبزیاں بھی سوکھ کر رہ گئیں اب ان پر آدمی چلے پھر مویشیوں نے ان کو روندا، سب چورا چورا ہو کر خس و خاشاک بن کر رہ گئیں اب ہوائیں آتی ہیں اس بھوسے کو اور سبزیوں کے ذرات کو اڑاتی پھرتی ہیں۔ جو حال ان سبزیوں اور کھیتوں کا ہوا وہی حال دنیا کا ہے چند دن کی چہل پہل ہے جو ہر شخص کی موت پر ختم ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن تو ساری دنیا ختم ہو ہی جائے گی یہ زمین ہی وہ نہ رہے گی جواب ہے نہ مخلوق میں زمین کا کوئی مالک ہوگا نہ وہ ہری بھری ہوگی نہ اس میں پیداوار ہوگی، اس عارضی ذرا سی چہل پہل پر بھروسہ کرنا اور اس میں دل لگانا اور خالق جل مجدہٗ کو بھول جانا اور آخرت کے لیے فکرمند نہ ہونا یہ انسان کی ناسمجھی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے ہری بھری ہے اور بلاشبہ اللہ نے اس میں تمہیں اپنا خلیفہ بنایا ہے سو وہ دیکھے گا کہ تم کیا عمل کرتے ہو، ہندا دنیا (میں دل لگانے سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو۔ بنی اسرائیل میں جو سب سے پہلا فتنہ ظاہر ہوا وہ عورتوں ہی کا فتنہ تھا۔ (رواہ مسلم)

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (جب چاہے وجود بخشے اور جن چیزوں کو چاہے ترقی دے اور جب چاہے فنا کر دے)

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (مال اور بیٹے دنیا والی زندگی کی زینت ہیں) ان پر اترا ان اور ان میں دل لگانا ہوش مند آدمی کا کام نہیں وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا (باقی رہنے والے اعمال صالحہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی) یعنی ہوش مند بندوں کو اعمال صالحہ میں لگا رہنا چاہئے جو اجر و ثواب کے اعتبار سے باقی رہنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال صالحہ کا بہت بڑا ثواب ملے گا، اللہ تعالیٰ سے ان کا ثواب ملنے کی امید رکھیں یہ امید تمام امیدوں سے بہتر ہے۔

اسی سورت کے ختم پر فرمایا فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (سو جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو سو وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے)

باقیات کو جو صالحات کے ساتھ متصف فرمایا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو اعمال صالحہ نہیں یا جن اعمال صالحہ کو دوسرے اعمال کی وجہ سے حبط کر دیا یا ارتداد کی وجہ سے باطل کر دیا وہ باقی رہنے والے نہیں ہیں یعنی آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہ ملے گا، اور ان پر ثواب ملنے کی امید رکھنا عبث ہے۔

اس کے بعد قیام قیامت کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ (اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور ان کی جگہوں سے ہٹا دیں گے اس دن کو یاد کرو) وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً (اور اے مخاطب تو زمین کو اس حال میں دیکھے گا کہ کھلا ہوا میدان بنی ہوئی

ہے) اس میں نہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ پر ہے نہ کوئی گھر ہے نہ دیوار ہے، نہ ڈھیے نہ بلندی فیذرھا قاعا صفصفا لا ترى فيها عوجا ولا امتا سو میرا رب ان پہاڑوں کو بالکل اڑا دے گا پھر زمین کو ایک ہموار میدان بنا دے گا جس میں نہ تو نا ہمواری رہے گی اور نہ کوئی بلندی) یہ تو پہاڑوں کا اور زمین کا حال ہوگا اور آسمان بھی پھٹ جائیں گے چاند سورج بھی بے نور ہو جائیں گے اور ستارے بھی گر پڑیں گے۔ یہ قیامت کے ابتدائی احوال ہوں گے صور پھونکے جانے پر مردے قبروں سے نکل کر جمع کئے جائیں گے وحشرنٰھم فلم نغادر منھم احدا (اور ہم انہیں جمع کریں گے سو ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے) وعرضوا على ربك صفا جمع ہونے کے بعد پیشی ہوگی صفیں بنائے ہوئے رب ذوالجلال کے حضور کھڑے ہوں گے، ارشاد ہوگا لقد جئتمونا كما خلقنٰكم اول مرة (تم ہمارے پاس اسی حالت میں آؤ گے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا) سارا مال دھن و دولت و میں دنیا میں چھوڑ آئے یہاں اس حال میں آئے ہو کہ نہ پاؤں میں جوتا ہے نہ تن پر کپڑا ہے۔ (کما فی سورۃ الانعام) وتركتم ما خولنٰكم وراء ظهوركم (اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا اسے تم اپنے پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ تم اس حال میں جمع کئے جاؤ گے کہ ننگے پاؤں ہوں گے بغیر ختنہ کے ہوں گے۔ پھر فرمایا یہ آیت پڑھو کما بدانا اول خلق نعيده وعدا علينا انا كنا فاعلين بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ كما خلقنٰكم اول مرة میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح آسانی سے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح اب تمہاری تخلیق فرما دی تم سمجھتے تھے کہ ہم دوبارہ پیدا نہ ہوں گے اور دوبارہ پیدا ہونے کو ناممکن سمجھتے تھے حالانکہ جس نے پہلی بار پیدا کیا وہ دوسری بار بھی بآسانی پیدا فرما سکتا ہے۔

بل زعمتم ان لن نجعل لكم موعدا (بلکہ بات یہ ہے کہ تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم تمہارے لیے کوئی وقت موعود مقرر نہ کریں گے)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین کی تعلیم اور تبلیغ سے جو تمہیں وقوع قیامت کا پتہ چلتا تھا تو تم اسے یہ کہہ کر دافع کر دیتے تھے کہ اجی نہ دوبارہ اٹھنا ہے اور نہ حساب کتاب کا موقعہ آتا ہے۔

ووضع الكتٰب (الی قولہ تعالی) ولا يظلم ربك احدا جب دربار خداوندی میں حاضری ہو جائے گی اور وہیں حساب ہوگا اور پیشی ہوگی تو اگرچہ اللہ تعالیٰ کو حجت قائم کئے بغیر بھی سزا دینے کا اختیار ہے لیکن وہ حجت قائم کر کے سزا دے گا یہ حجت اعمال ناموں کے ذریعہ بھی اور انسانوں کے اعضاء کی گواہی سے بھی قائم ہوگی اور بعض دوسری چیزیں بھی گواہی دیں گی۔ اعمال نامے پیش ہوں گے ہر شخص کا اعمال نامہ کھلا ہوگا جو اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ اچھے لوگوں کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں اور برے لوگوں کو اعمال نامے پشت کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

اپنے اپنے اعمال نامے دیکھیں گے ان میں ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوگا نافرمان اسے دیکھ کر ڈریں گے اور یوں کہیں گے کہ کاش یہ اعمال نامہ ہمارے سامنے نہ آتا جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں فرمایا واما من اوتی كتٰبه بشماله فيقول يٰليتنى لم اوت كتٰبيه ولم ادر ما حسابيه (اور جس کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا وہ کہے گا کہ ہائے کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا اور مجھے پتہ نہ چلتا کہ میرا کیا حساب ہے؟)

ان اعمال ناموں میں سب کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا جو گناہ نہ کیا ہوگا وہ لکھ دیا گیا ہوا یہ نہ ہوگا اور جو نیکی کسی

نے کی ہو چھوٹی یا بڑی وہ اعمال نامہ میں موجود ہوگی۔ نہ کوئی گناہ لکھنے سے رہا ہوگا اور نہ کوئی بے کیا ہوا گناہ لکھا ہوا ہوگا اور نہ کوئی نیکی چھوٹی ہوئی ہوگی۔ (جو گناہ توبہ استغفار یا نیکیوں کی وجہ سے کفارہ ہونے کے باعث درج نہ ہوں گے ان کے بارے میں اشکال نہیں ہوتا کیونکہ وہ گناہ کے ذیل میں آتے ہی نہیں)۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے نہ کیا وہ جنات میں سے تھا سو وہ اپنے رب کی فرمانبرداری سے نکل گیا،

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝

کیا تم پھر بھی مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، یہ ظالموں کے لیے بہت برا بدل ہے،

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝

میں نے انہیں آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت نہیں بلایا اور نہ ان کے پیدا کرنے کے وقت اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا نہیں ہوں۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا

اور اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ فرمائے گا کہ تم انہیں بلاؤ جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے۔ پس وہ ان کو پکاریں گے سو وہ انہیں جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے

بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ ع ۷ ۱۹

درمیان ایک آڑ بنا دیں گے۔ اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے پھر یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں۔ اور اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے آدم کو سجدہ کرنا اور ابلیس کا منکر ہو کر نافرمان بن جانا، ابلیس اور اس کی ذریت کا بنی آدم کی دشمنی کو مشغلہ بنانا

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، فرشتوں نے تو سجدہ کر لیا (یہ سجدۂ تعظیمی ہے) لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا وہ بھی وہیں عالم بالا میں رہتا تھا۔ اس نے کٹ حجتی کی اور سجدہ کرنے سے انکاری ہو گیا جس کا تذکرہ سورۂ بقرہ کے رکوع ۴ میں اور سورۂ اعراف کے رکوع ۲ میں اور سورۂ بنی اسرائیل) میں گزر چکا ہے ابلیس جنات میں سے تھا اور بظاہر عبادت گذاروں اور فرمانبرداروں میں شمار ہوتا تھا جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تو اس نے حکم عدولی کی فرمانبرداری سے خارج ہو گیا اور صاف انکار کر بیٹھا، اور اس نے قسم کھا کر کہا میں آدم کی ذریت کو بہکانے اور ورغلانے اور گمراہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھوں گا وہ اپنی قسم پر ڈٹا ہوا ہے اور وہی نہیں اس کی ذریت بھی اس کے ساتھ انسانوں کو بہکانے ورغلانے، گمراہ کرنے اور تکلیفیں پہنچانے میں لگی ہوئی ہے۔ ابلیس کھلا ہوا دشمن ہے۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ ذکر ہے اس کی ذریت بھی اس کی ہمنوا ہے اس کے کام میں اور پروگرام میں شریک ہے اس کے باوجود انسانوں کا عجیب حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو اپنا ولی نہیں بناتے ابلیس اور اس کی ذریت کو اپنا دوست بناتے ہیں، ان کی بات مانتے ہیں اور ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلتے ہیں اسی کو فرمایا اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ (کیا تم مجھے چھوڑ کر ابلیس اور اس کی ذریت کو

دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں) بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا (ظالموں کے لیے یہ بہت برا بدل ہے) اللہ تعالیٰ کو دل بنانا لازم تھا اپنے مالک اور خالق کو چھوڑ کر جو انہوں نے ابلیس اور اس کی ذریت کو ولی بنالیا یہ انہوں نے اپنے لئے بہت برا بدل تجویز کیا۔ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس آیت میں ابلیس اور اس کی ذریت کا اتباع کرنے والوں اور شرک کرنے والوں کی جہالت اور ضلالت پر تنبیہ فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا اور جب ان لوگوں کو پیدا کیا تو ان کو اپنی مدد یا مشورے کے لیے نہیں بلایا تھا جب آسمان و زمین کی تخلیق اور خود ان کی تخلیق میں میرا کوئی شریک نہیں تو پھر ابلیس اور اس کی ذریت سے دوستی کیوں کرتے ہیں اور ان کے ورغلانے سے غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک کیوں ٹھہراتے ہیں یہ تو سراسر حماقت اور سفاہت اور ضلالت ہے۔

مزید فرمایا وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا (اور میں گمراہ کرنے والوں کو مددگار بنانے والا نہیں) مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے لئے شریک ٹھہرائے ہیں ایک حماقت اور ضلالت تو یہ ہے اور دوسری ضلالت و جہالت اور حماقت یہ ہے کہ جن کا مشغلہ گمراہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے ہٹانے اور اس کے لیے شریک ٹھہرانے کا ہے ان کے بارے میں یہ عقیدہ بنالیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ (العیاذ باللہ)

سورۂ سبا میں فرمایا قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ (آپ فرما دیجئے کہ جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھ رہے ہو ان کو پکارو وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے)

اس کے بعد فرمایا وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ (اور اس دن کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ کا مشرکین سے فرمان ہوگا کہ تم انہیں پکارو جنہیں تم نے میرا شریک بنا رکھا تھا۔ اس پر وہ انہیں پکاریں گے یعنی ان سے کہیں گے کہ ہماری مدد کرو، فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ (سو وہ ان کو جواب نہ دیں گے) یعنی مدد کرنے کے لئے ہاں نہ کریں گے۔ وہ خود اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہوں گے کسی کی مدد کرنے کی کیا مجال ہوگی؟ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا (اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ بنا دیں گے جس کی وجہ سے ایک دوسرے تک پہنچ بھی نہ سکیں گے مدد کرنا تو درکنار) وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ (اور مجرمین دوزخ کو دیکھیں گے) فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا (سو وہ یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں) وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا (اور وہ اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے) یعنی شرک کرنے والوں اور شرک کرانے والوں کا انجام یہ ہوگا کہ یہ سب دوزخ میں گر جائیں گے اور کوئی کسی کا مدد نہ کر سکے گا۔

فائدہ: لفظ مَوْبِقًا وبق یبق سے ظرف کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ہلاک ہونے کی جگہ، اگر لغوی معنی لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ مشرکین ان لوگوں کو پکاریں گے جنہیں اللہ کا شریک بنایا تھا ان کے پکارنے پر وہ انہیں جواب نہ دیں گے اور وہیں ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ ہوگی یعنی دوزخ موجود ہوگی جس میں دونوں جماعتیں گر جائیں گی موبق کا ترجمہ جو آڑ سے کیا گیا ہے۔ یہ ابن الاعرابی سے منقول ہے صاحب معالم التنزیل ابن الاعرابی سے نقل کرتے ہیں کل حاجزین شیئین فھو موبق انہوں نے حضرت ابن عباس ؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ موبق دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے اور حضرت مکرمہؒ کا بیان ہے کہ موبق دوزخ میں ایک آگ کی نہر ہے جو اس کے کنارے پر بہتی ہے اس میں بڑے بڑے سانپ ہیں جیسے کالے رنگ کے خچر ہوں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝۵۴

اور لوگوں کے لیے ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے عمدہ مضمون بیان کیے۔ اور انسان جھگڑنے میں بہت زیادہ بڑھ کر ہے

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ

اور ہدایت آجانے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے سے صرف اس بات نے روکا ہے کہ ان سے سنت کے لوگوں

سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ

سامنے عذاب آجائے، اور ہم پیغمبروں کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجتے رہے ہیں۔

وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ باطل کے ذریعہ جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ حق کو ہٹا دیں اور ان لوگوں نے میری آیات اور جس چیز سے ان کو ڈرایا گیا

اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝۵۶ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا

مذاق کی چیز بنا رکھا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جسے اس کے رب کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی گئی سو اس نے اس سے روگردانی کی اور جو کچھ

قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ

اس نے آگے بھیجا ہے اسے بھول گیا۔ بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر اس کے سمجھنے سے پردے ڈال دیے ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے،

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۵۷ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ

اور آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو ایسی حالت میں ہرگز ہدایت پر نہ آئیں گے۔ اور آپ کا رب بہت مغفرت کرنے والا ہے رحمت والا ہے،

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا

اگر وہ لوگوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے گرفت فرماتا تو ان کے لیے جلدی عذاب بھیج دیتا، بلکہ ان کے لیے ایک وقت مقررہ ہے، اس وقت وہ اس سے

مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِلًا ۝۵۸ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا

ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے، اور ان بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کے ہلاک ہونے

لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹

کے لیے وقت مقرر کر رکھا تھا۔

ع ۸

انسان بڑا جھگڑالو ہے، باطل کو لے کر حجت بازی کرتا ہے اللہ کی آیات سے اعراض کرنے والے بڑے ظالم ہیں

ان آیات میں تو انسان کے ایک خاص مزاج کا تذکرہ فرمایا یعنی انسان کا جھگڑالو ہونا بتایا، پھر اس جھگڑے کی کچھ تفصیل بتائی۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسانوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کے مضامین بیان فرما دیئے اور طرح طرح سے بیان کر دیئے اب انسان انہیں قبول نہیں کرتا اور جھگڑے بازی سے کام لیتا ہے اور جھگڑنے میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ سورۂ یٰسٓ میں انسان کے ہی جھگڑنے والے مزاج کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ اور سورۂ زخرف میں فرمایا مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۝ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ انسان کا یہ مزاج کام کرتا رہتا ہے اور موقعہ بے موقعہ جھگڑتا رہتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ میرے اور اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کیا تم نماز نہیں پڑھتے۔ (تہجد کے لیے جگانا مقصود تھا) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں وہ جب چاہتا ہے اٹھا دیتا ہے یہ سن کر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور واپس ہوتے ہوئے اپنی ران پر ہاتھ مار کر یہ آیت پڑھی وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا (اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے) انسان کی جھگڑے بازی کی باتیں بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ ان کے پاس ہدایت آچکی ہے پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب سے معافی نہیں مانگتے (یعنی کفر سے توبہ نہیں کرتے) اپنی گمراہی پر جمع ہوئے ہیں، اب تو انہیں یہی انتظار ہے کہ جیسے پہلے لوگوں یعنی گذشتہ امتوں کے ساتھ معاملہ ہوا (یعنی عذاب نے ان کو آکر دبا لیا) اسی طرح ان کے ساتھ معاملہ کر دیا جائے اور یا یہ انتظار ہے کہ ان کے آمنے سامنے عذاب آکھڑا ہو۔ حق واضح ہو جانے کے بعد قبول نہ کرنا اور حالاً یا مقالاً عذاب کے آنے کا انتظار کرنا یہ بھی جھگڑا کرنے کی ایک صورت ہے۔

مزید فرمایا کہ ہم پیغمبروں کو صرف ڈرانے والا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجتے رہے ہیں ان کے معجزات اور دلائل دیکھ کر ایمان قبول کرنا لازم ہے لیکن مخاطبین ایمان قبول نہیں کرتے اور طرح طرح کے فرمائشی معجزے طلب کرتے ہیں، طرح طرح سے ناحق باتیں نکال کر جھگڑ رہے ہیں تاکہ باطل کے ذریعہ حق کو بنا دیں اور محض جھگڑنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اللہ کی آیات کو اور جن چیزوں سے ڈرایا گیا (یعنی عذاب کو اور یوم آخرت کو) انہوں نے دل لگی، مذاق اور تمسخر بنا رکھا ہے۔

پھر فرمایا وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ (اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعہ نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے روگردانی کی اور جو اعمال اس نے آگے بھیجے ہیں ان کو بھول گیا) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ نزول قرآن کے وقت چونکہ مشرکین مکہ مخاطبین اولین تھے اس لیے اولاً یہ مضمون مشرکین مکہ کو اور ثانیاً دیگر تمام مشرکین اور کافرین کو شامل ہے جن لوگوں کو ایمان لانا نہیں ان کا یہی شغل ہے کہ آیات سنتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں اور جو اعمال پہلے بھیج چکے ہیں یعنی کفر و شرک ان کو انہوں نے فراموش کر رکھا ہے وہ اس کا یقین نہیں رکھتے کہ ان کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوں گے، جن لوگوں کو ایمان لانا نہیں ان کے بارے میں فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً (بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں) وہ ان کی وجہ سے قرآن کو نہیں سمجھتے وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (اور ہم نے ان کے کانوں میں بوجھ کر دیا) یعنی وہ حق کے سننے سے دور بھاگتے ہیں (قر عربی میں بوجھ کو کہتے ہیں اسی لیے بہرے پن کو ثقل سماعت سے تعبیر کیا جاتا ہے اوپر جو کانوں میں ڈاٹ کر دینے کا ترجمہ کیا گیا یہ

محاورہ کا ترجمہ ہے)

وان تدعھم الی الھدی فلن یھتدوا اذا ابدا (اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں گے تو اس وقت وہ ہرگز ہدایت پر نہ آئیں گے) وہ آیت کا مذاق بناتے بناتے اور ان سے اعراض کرتے کرتے اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ اب ان کے ہدایت پر آنے کی آپ کوئی امید نہ رکھیں۔ وربک الغفور ذو الرحمۃ (اور آپ کا رب بہت مغفرت کرنے والا اور بہت رحمت والا ہے) وہ ڈھیل دیتا ہے عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔ جب بھی کوئی شخص کفر اور شرک سے توبہ کرے وہ اسے بخش دے گا اور اپنی رحمت کے دامن میں لے لے گا لو یؤاخذھم بما کسبوا لعجل لھم العذاب (اگر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کا مؤاخذہ فرمائے تو ان کے لیے جلدی عذاب بھیج دے)

بل لھم موعد لن یجدوا من دونہ موئلا (بلکہ ان کے لیے ایک دن مقرر ہے کہ اس سے ورے ہرگز پناہ کی جگہ نہ پائیں گے) یہ لوگ کیسی ہی عذاب کی جلدی کریں اور کیسا ہی عذاب مانگیں اللہ تعالیٰ نے جو وقت مقرر کر رکھا ہے اسی وقت گرفت کی جائے گی اور عذاب میں مبتلا ہوں گے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس وقت کے آنے سے پہلے کہیں چلے جائیں اور چھپ جائیں اور عذاب سے بچ جائیں صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ من دونہ کی ضمیر موعد کی طرف ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا مرجع عذاب ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ رب کی طرف راجع ہے لیکن وہ بظاہر خلاف ہے۔ (صفحہ ۳۰۶ ج ۱۵)

وتلک القری اھلکنا ھم لما ظلموا (اور ان بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا) (اس سے سابقہ امتیں مراد ہیں، جو حضرات انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دی گئیں چونکہ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کا ذکر آیا ہے اور اہل مکہ ان میں سے بعض اقوام سے واقف بھی تھے شام کو جاتے ہوئے ہلاک شدہ بستیوں پر گزرتے تھے اس لیے تلک القری فرمایا جس میں عہد ذہنی کے طور پر ان بستیوں کی طرف اشارہ فرما دیا۔

وجعلنا لمھلکھم موعدا (اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے وقت معین مقرر کر رکھا تھا) وہ اسی کے مطابق ہلاک ہوئے پس جس طرح وہ اپنے اپنے وقت پر ہلاک ہوئے اے اہل مکہ تم بھی اپنے مقررہ وقت پر مبتلائے عذاب ہو گے۔ تمہارے جلدی مچانے سے عذاب جلد نہ آئے گا اور جب اپنے مقررہ وقت پر آئے گا تو مؤخر نہ ہوگا۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر لوگ مقتول ہوئے قیدی ہوئے ذلیل ہوئے اور آخرت کا عذاب تو بہر حال ہر کافر کے لیے ضروری ہی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ۝

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان سے کہا کہ میں برابر چلتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میں مجمع البحرین کو پہنچ جاؤں یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا نَسِیَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ

سو جب وہ دونوں مجمع بحرین پر پہنچ گئے تو اپنی مچھلی کو بھول گئے سو وہ مچھلی سمندر میں راستہ بنا کر چلی گئی۔ سو جب وہ آگے بڑھ گئے

لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَاۤ

تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ۔ اس میں شک نہیں کہ اس سفر کی وجہ سے ہم کو بڑی تکلیف پہنچ گئی۔ جوان نے کہا کیا آپ کو خبر نہیں جب ہم نے

اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۚ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ

پتھر کے پاس ٹھکانہ کیا تھا تو بے شک میں مچھلی کو بھول گیا اور مچھلی کو یاد رکھنا مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا، اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب

فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا

طور پر اپنا راستہ بنا لیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہی وہ موقعہ ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر واپس لوٹے۔ سو انہوں نے

عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهٗ

ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی تھی اور ہم نے اپنے پاس سے خاص علم سکھایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بندہ سے

مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ

کہا کیا میں اس شرط پر تمہارے ساتھ ہو جاؤں کہ آپ کو جو کچھ علم مفید سکھایا گیا وہ آپ مجھے سکھا دیں۔ اس بندہ نے کہا بلاشبہ تم میرے ساتھ رہتے ہوئے

مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰي مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا

صبر نہیں کر سکتے اور اس چیز پر تم کیسے صبر کرو گے جو چیز تمہارے علم احاطہ میں نہیں ہے؟ موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی بات

وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ

میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس بندہ نے کہا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو کسی چیز کے بارے میں اس وقت تک مجھ سے کوئی بات مت پوچھو جب تک میں خود ہی اس کے

لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ ع ۲۱

بارے میں کسی طرح کا ذکر نہ کروں۔ اس کے بعد دونوں چلے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہو گئے تو اس بندہ خدا نے کشتی میں شگاف کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا

اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ

کیا تم نے اس لئے شگاف کیا ہے کہ کشتی والوں کو غرق کر دو۔ تم نے تو بڑا بھاری کام کر دیا۔ اس بندہ نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ

تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝

رہتے ہوئے تم صبر نہیں کر سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرے بھول جانے کی وجہ سے میرا مواخذہ نہ کیجئے اور میرے معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالئے،

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝

پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی اس بندہ خدا نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا تم نے ایک گناہ جان کو کسی جان کے بدلہ بغیر قتل کر دیا؟

تم نے تو بہت ہی بے جا کام کیا۔

☆☆☆ ... ... ☆☆☆

(پارہ نمبر ۱۶)

الجزء ۱۶

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا

اس بندہ خدا نے کہا کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ رہتے ہوئے صبر نہیں کر سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی امر کے متعلق کچھ پوچھوں تو آپ

فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ

مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھئے بے شک آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے ہیں۔ پھر دونوں چل دیے یہاں تک کہ ایک گاؤں کے رہنے والوں پر گذرے دونوں نے ان لوگوں سے کھانا

اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ

طلب کیا سو انہوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس بستی میں ان دونوں نے ایک دیوار کو پایا جو گرنے ہی کو تھی، اس بندہ خدا نے اسے سیدھا

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ

کر دیا موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر آپ چاہتے تو مزدوری کے طور پر اس عمل پر کچھ لے لیتے، اس بندہ خدا نے کہا کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا وقت ہے۔

بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

میں تمہیں ان چیزوں کی حقیقت ابھی بتلا دوں گا جن پر تم صبر نہ کر سکے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا مفصل واقعہ

مذکورہ بالا آیات میں اللہ جل شانہٗ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات کا واقعہ بیان فرمایا ہے یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں ذرا تفصیل سے مذکور ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم میں دو جگہ لکھا ہے پہلی جگہ (صفحہ ۲۸۷ تا ۲۹۰ ج) پر مختصر اور پھر (صفحہ ۲۲۳ ج ۱) پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے پھر کتاب التفسیر (صفحہ ۲۸۷ تا ۲۹۰ ج) میں سورۂ کہف کی تفسیر میں مفصل روایت کی ہے نیز اور بھی کئی جگہ ذکر فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں صفحہ ۲۶۹ ج ۲ میں مذکور ہے امام نسائی نے سنن کبریٰ میں صفحہ ۳۸۶ ج ۶ تا صفحہ ۳۹۱ میں ذکر کیا ہے، امام ترمذی بھی اس واقعہ کو ابواب التفسیر (سورۂ کہف) میں لائے ہیں واقعہ بہت سی حکمتوں عبرتوں اور بہت سے علوم پر مشتمل ہے۔ ہم صحیح بخاری کتاب التفسیر سے واقعہ نقل کرتے ہیں اس سے واقعہ کی تفصیل بھی معلوم ہوگی اور آیات کی تفسیر بھی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کھڑے ہوئے اور ان کو وعظ فرمایا اس وعظ کی وجہ سے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دلوں میں نرمی پیدا ہو گئی جب وعظ فرما کر واپس چل دیئے تو ایک شخص نے دریافت کر لیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا زمین میں کوئی ایسا شخص ہے جو علم میں آپ سے زیادہ ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ کوئی نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے فرمادیا کہ میں ہوں! اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب

ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ اعلم نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ بلاشبہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میں آپ کے اس بندہ سے کس طرح ملاقات کروں میں اسے جانتا نہیں ہوں میں اس کی تلاش میں نکلوں تو مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں آپ کے اس بندہ تک پہنچ گیا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی لے لو اسے ٹوکری میں رکھ لو یہ مچھلی مردہ ہو، پھر جس جگہ اس میں جان ڈال دی جائے سمجھ لو کہ وہ صاحب اسی جگہ ملیں گے جن سے تم ملنا چاہتے ہو، یہ مچھلی زندہ ہو کر تم سے جدا ہو جائے گی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی لی اور ٹوکری میں رکھ لی اور اپنے ایک نوجوان خادم کو ساتھ لیا جس کا نام یوشع بن نون تھا اور اپنے خادم سے فرمایا کہ بس تمہارے ذمہ اتنا کام کرتا ہوں کہ جہاں یہ مچھلی جدا ہو جائے اس وقت ہمیں بتا دینا۔ یوشع نے کہا کہ یہ تو آپ نے کوئی بڑی بات کی ذمہ داری نہیں سونپی (میں ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور آپ کے فرمان کے مطابق عمل کروں گا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم حضرت یوشع بن نون دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے دن کا جو حصہ باقی تھا وہ بھی سفر میں گذرا اور رات بھی، راستہ میں ایک جگہ ایک پتھر آیا اسی پر سر رکھ کر سو گئے تھے اسی اثناء میں مچھلی تڑپ کر ٹوکری سے نکلی اور اس نے سمندر میں اپنی راہ بنا لی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے پانی ہی میں ایک طاقچہ بنا دیا اور اس مچھلی کو اس جگہ ٹھہرا دیا اس منظر کو حضرت یوشع نے دیکھا تو تھا مگر موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گئے۔ جب اس جگہ کو چھوڑ کر آگے چلے اور اگلے دن کی صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا صبح کا کھانا تو لاؤ اس سفر میں ہمیں بڑی تکلیف پہنچی ہے، موسیٰ علیہ السلام برابر چلے جا رہے تھے۔ جب اس جگہ سے آگے بڑھ گئے جہاں تک پہنچنا تھا یعنی حضرت خضر علیہ السلام کے ملنے کی جگہ تھی تو خوب زیادہ تھکن محسوس کی اس وقت اپنے خادم سے کھانا طلب کیا خادم نے جواب دیا کہ آپ کو علم نہیں جب ہم نے پتھر کے پاس ٹھکانہ پکڑا تھا اس وقت مچھلی سمندر میں چلی گئی تھی جب ہم وہاں سے چلنے لگے تو مجھے یہ یاد نہ رہا کہ آپ کو بتا دوں ایک روایت میں ہے کہ جب مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تو حضرت یوشع نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قصداً اس لیے نہیں بتایا کہ وہ اس وقت سوئے ہوئے تھے انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ میں بیدار نہیں کرتا خود ہی جاگ جائیں گے تو بتا دوں گا۔ جب روانہ ہونے لگے تو بتانا بھول گئے۔ یہ سب شیطان ہی کے بھلانے سے ہوئی کوئی بھولنے والی بات نہیں تھی بلکہ یاد رہنے کی بات تھی مچھلی جو سمندر میں گئی اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کو اس سے بڑا تعجب ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی تو وہ جگہ تھی جس کی تلاش میں ہم چلے تھے مچھلی کا ہم سے جدا ہو جانا ہی اس بات کی نشانی تھی کہ ہم جن صاحب کی تلاش میں نکلے ہیں وہ وہیں ہیں۔ اب کیا ہو سکتا ہے اب تو واپس ہی ہونا پڑے گا لہٰذا پیچھے پاؤں لوٹے اور یہ دیکھتے رہے کہ ہم کدھر سے آئے تھے۔

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنا اور یہ درخواست کرنا کہ مجھے اپنے ساتھ لے لیں

جب واپس ہو کر اسی پتھر کے پاس پہنچے جس پر سر رکھ کر سو گئے تھے تو وہاں ایک صاحب کو دیکھا کہ سمندر کے درمیان پانی پر کپڑا اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں (یہ صاحب حضرت خضر علیہ السلام تھے) موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا انہوں نے منہ کھولا اور فرمایا کہ اس سرزمین میں سلام کہاں سے آ گیا۔ آپ کون ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ بنی اسرائیل والے موسیٰ ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں وہی ہوں! انہوں نے سوال کیا کیسے تشریف لانا ہوا؟ فرمایا تاکہ آپ مجھے اپنے اس علم میں سے سکھا دیں جو آپ کو علم مفید سکھایا گیا ہے، انہوں نے جواب میں کہا کیا تمہیں تورات کافی نہیں ہے جو تمہارے ہاتھوں میں ہے اور یہ جو وحی تمہارے

پاس آتی ہے کیا یہ کافی نہیں؟ (مزید فرمایا) کہ اے موسیٰ مجھے اللہ نے وہ علم دیا ہے جسے آپ نہیں جانتے اور آپ کو اللہ نے وہ علم دیا ہے جسے میں نہیں جانتا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک چڑیا آئی جس نے سمندر سے اپنی چونچ میں کچھ پانی لے لیا حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ! (علیہ السلام) اللہ کے علم کے سامنے تمہارا علم اور میرا علم اتنا بھی نہیں جتنا اس پرندہ نے سمندر سے اپنی چونچ میں پانی بھر لیا۔

حضرت خضر علیہ السلام کا فرمانا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکتے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خاموش رہنے کا وعدہ کر کے ان کے ساتھ روانہ ہو جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوان سے درخواست کی تھی کہ مجھے علم سکھا دیں اس پر انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ رہ کر آپ صبر نہیں کر سکتے موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کی کوئی نافرمانی نہیں کروں گا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کر لیا تو دونوں ساتھ ساتھ سمندر کے کنارے کنارے چل دیئے۔ حتی کہ ایک شی پر پہنچے وہ کشتی سواریوں کو اس کنارہ سے دوسرے کنارہ تک پہنچایا کرتی تھی دونوں نے کشتی والوں سے کہا کہ ہمیں بھی سوار کریں، ان لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور جان پہچان کی وجہ سے مفت بٹھا لیا۔

حضرت خضر علیہ السلام کا ایک کشتی سے تختہ نکال دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معترض ہونا

حضرت خضر علیہ السلام نے ایک کلہاڑا لیا اور کشتی کے ایک تختہ کو اکھاڑ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نہ رہا گیا اور فرمایا کہ ایک تو ان لوگوں نے ہمیں بغیر اجرت کے سوار کر لیا اور اوپر سے آپ نے یہ کیا کیا کہ ان کی کشتی میں شگاف کر دیا اب اس شگاف سے پانی بھرے گا تو کشتی ڈوبے گی کشتی کے ساتھ وہ سب لوگ بھی ڈوبیں گے جو کشتی میں سوار ہیں۔ تمہارا ڈھنگ تو ایسا ہی ہے کہ ان لوگوں کو ڈبو دو۔ لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا جو فرمایا اس میں حضرت خضر علیہ السلام کی نیت پر حملہ کرنا مقصود نہیں تھا اس میں جو لام ہے یہ لام عاقبت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ایسا کام کیا ہے جس کا انجام یہ ہے کہ کشتی پر جو لوگ سوار ہیں سب ڈوب جائیں گے۔ یہ تو تم نے ایسا کام کیا جو ہلاکت خیزی کے اعتبار سے بڑا بھاری کام ہے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ رہتے ہوئے آپ صبر نہیں کر سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ میں بھول گیا آپ بھولنے پر میرا مواخذہ نہ فرمائیے اور میرے معاملہ میں تنگی نہ برتئے۔

ایک لڑکے کے قتل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض کرنا

اسکے بعد (کشتی سے اتر کر) آگے بڑھے دونوں ساتھ ساتھ جا رہے تھے کہ چند لڑکوں پر گذر ہوا جو کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان میں سے ایک لڑکے کو پکڑا اور اس کے سر کو مروڑ کر تن سے جدا کر دیا (اور ایک روایت میں ہے کہ اسے چھری سے ذبح کر دیا) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر نہ رہا گیا اور فرمایا کیا تم نے ایک پاکیزہ جان کو قتل کر دیا جس نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ جان کا بدلہ جان ہوتا ہے۔ (یہ لڑکا نہ سن بلوغ کو پہنچا ہے جس کا کوئی عمل گنا ہوں میں شمار کیا جائے اور نہ ہی اس نے کسی کو قتل کیا ہے اس کو قتل کرنا تو بالکل بیجا ہے) آپ نے یہ تو بڑا ہی منکر کام کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ رہتے ہوئے صبر نہیں کر سکو گے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ میرا اور ان کا جوڑ نہیں بیٹھ سکتا۔ لہٰذا اب انہیں اختیار دے دینا چاہیے۔ لہٰذا حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ میں اس کے بعد آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھئے۔ آپ مجھے جدا کر دیں گے تو میرے لیے

ناگواری کی کوئی بات نہ ہوگی کیونکہ آپ ایسے مرحلہ پر پہنچ چکے ہیں کہ آپ میرے بارے میں معذور ہیں اور آپ کا یہ معذور ہونا میری طرف سے ہے (نہ میں درمیان میں بولتا نہ اس کی نوبت آتی)

ایک گرتی ہوئی دیوار کے کھڑا کر دینے پر اعتراض پھر آپس میں جدائی

اس کے بعد پھر چلے اور چلتے چلتے ایک بستی میں آئے کھانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی بھوک لگی ہوئی تھی۔ بستی والوں سے کھانے کے لیے کچھ طلب کیا ان لوگوں نے مہمانی کرنے سے انکار کر دیا (مہمانی تو کیا کرتے طلب کرنے سے بھی نہ دیا) ابھی زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ وہاں ایک دیوار کو دیکھا جو جھکی ہوئی تھی اور قریب تھا کہ گر پڑے حضرت خضر علیہ السلام نے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے سیدھی کھڑی کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے نہ ہمیں کچھ کھلایا نہ ہماری مہمانی کی آپ نے ان کا کام مفت میں کر دیا اگر آپ چاہتے تو ان لوگوں سے اپنے اس عمل کی کچھ مزدوری لے لیتے تاکہ ہمارے کھانے کا کام چل جاتا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی (کا وقت) ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ جن باتوں پر تم نے صبر نہیں کیا تمہیں ان کی حقیقت بتائے دیتا ہوں۔

یہ پورا واقعہ ہم نے صحیح بخاری صفحہ ۴۲۳ ج ۱ اور صفحہ ۶۸۷ یا ۶۹۰ ج ۲ (کتاب التفسیر) سے نقل کیا ہے اور ایک روایت کی دوسری روایت سے پوری کر دی ہے۔ (روایات میں کچھ کمی بیشی ہے)

فتح الباری صفحہ ۴۲۰ ج ۸ میں ثعلبیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ مجھے کشتی کے پھاڑنے اور غلام کے قتل کرنے اور دیوار قائم کرنے پر ملامت کرتے ہیں اور آپ اپنا حال بھول گئے آپ کو سمندر میں ڈال دیا گیا اور آپ نے ایک قبطی کو قتل کیا اور آپ نے شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیوں کی بکریوں کو ثواب کے لیے پانی پلایا۔

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ

کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے، سو میں نے کہا کہ اسے عیب دار کر دوں، اور ان لوگوں سے آگے بادشاہ تھا

مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝ وَأَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ أَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَآ أَنْ

جو ہر کشتی کو چھین لیا کرتا تھا، اور رہا لڑکے کا معاملہ سو بات یہ ہے کہ اس کے ماں باپ مومن تھے تو ہمیں اندیشہ ہوا

يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝ فَأَرَدْنَآ أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ

کہ وہ ان دونوں کو سرکشی میں اور کفر میں نہ ڈال دے، سو ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں اس لڑکے کے بدلہ اس سے بہتر بیٹی اولاد عطا فرما دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور

أَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ

رحم کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔ اور رہی دیوار تو اس کی صورتحال یہ ہے کہ وہ اس شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک

أَبُوهُمَا صَالِحًا ۚ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَآ أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ

آدمی تھا، سو تیرے رب نے ارادہ فرمایا کہ یہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنے خزانے کو نکال لیں یہ تیرے رب کی مہربانی کی وجہ سے ہے۔

ع ۱۲

وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۝

اور یہ کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کئے۔ یہ ہے ان باتوں کی حقیقت جن پر تم صبر نہ کر سکے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا تینوں باتوں کی حقیقت بتانا

حضرت خضر علیہ السلام جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جدا کرنے لگے تو فرمایا کہ میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت بتائے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے حضرت خضر علیہ السلام نے تین کام کئے تھے جن میں سے دو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک بہت ہی زیادہ قابل اعتراض تھے اور تیسری جو بات تھی وہ کوئی شرعی منکر نہ تھا لیکن بستی والوں نے چونکہ طلب کرنے پر بھی کھانے کو کچھ نہیں دیا۔ اس لیے حالت اور ضرورت کے پیش نظر یوں فرمادیا کہ آپ چاہتے تو ان لوگوں سے کچھ مزدوری لے لیتے جس کے ذریعہ ہم کچھ خرید کر کھا لیتے۔ (فی صحیح البخاری قال سعید اجرا نا کلہ صفحہ ۶۸۹ ج ۲)

کشتی کا تختہ کیوں نکالا؟ حضرت خضر علیہ السلام نے تینوں باتوں کی حقیقت بیان فرمادی اور فرمایا کہ کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ یہ غریب لوگوں کی کشتی تھی جو سمندر میں کشتی کو چلاتے اور سواریاں بٹھا کر محنت مزدوری کر کے پیسے حاصل کرتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی ایک دشمن بھی لگا ہوا تھا جو ایک ظالم بادشاہ تھا جس کشتی کو اچھی حالت میں دیکھتا تھا اسے چھین لیتا تھا مجھے اندازہ تھا کہ یہ لوگ آگے بڑھیں گے تو ان کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا لہٰذا میں نے ایسا عمل کیا جس سے کشتی میں عیب پیدا ہو گیا، وقتی طور پر وہ عیب کی وجہ سے خطرہ سے آگے نکل گئی اس کے بعد انہوں نے اسے درست کر دیا اور آگے بڑھ گئے۔

لڑکے کو کیوں قتل کیا؟ اب رہی لڑکے کی بات تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کافر تھا اور کفر پر ڈھالدیا گیا تھا۔ بالغ ہو کر کبھی بھی وہ مسلمان ہونے والا نہ تھا (فی صحیح مسلم وما العلام فطبع یوم طبع کافرا صفحہ ۳۴۱ ج ۲) اس کے ماں باپ کو اس سے بہت زیادہ محبت تھی، اندیشہ تھا کہ بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو بھی کفر پر نہ ڈال دے۔ ایسا نہ ہو کہ محبت کے جوش میں وہ اس کے کفر کے ساتھی بن جائیں۔ پیاری اولاد کا ماں باپ پر جو زور چلتا ہے اس زور کا استعمال کر کے یہ انہیں سرکش اور کافر نہ بنادے، لہٰذا اس کو قتل کر دیا اور اس کے بدلہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوسری اولاد عطا فرمادی جو پاکیزہ ہونے کے اعتبار سے بھی اس لڑکے سے بہتر تھی (کیونکہ یہ اولاد مؤمن تھی) اور والدین کے ساتھ رحمت اور شفقت کا برتاؤ کرنے میں بھی اس سے بہت زیادہ بہتر تھی۔

دیوار کو سیدھا کر دینے کی وجہ اب رہی دیوار کی بات تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دو بچوں کی دیوار تھی یہ بچے یتیم تھے اور دیوار کے نیچے خزانہ تھا اگر دیوار گر پڑتی تو شہر والے ان کا خزانہ لے اڑتے اور وہ دونوں اپنے باپ کی میراث سے محروم ہو جاتے اور تنگدستی کا شکار ہو جاتے، اول تو یہ بچے یتیم تھے دوسرے نیک آدمی کی اولاد تھے تو یوں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی ضرورت تھی لہٰذا ہم نے دیوار کو کھڑا کر دیا تاکہ بالغ ہو جائیں تو اپنا خزانہ نکال لیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان دونوں یتیموں پر رحم فرمایا اور گرنے والی دیوار کو سیدھا کھڑا کروادیا۔ اگر شہر کے بالغ لوگوں نے ہمیں کھانے کے لیے کچھ نہ دیا تو اس کا بدلہ ان یتیموں سے تو نہیں لینا چاہیے تھا۔ ان کا کام تو بغیر اجرت لئے ہوئے ہی کرنا تھا۔

تینوں باتوں کی حقیقت بتا کر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا وما فعلتہ عن امری یہ جو کچھ میں نے کیا ہے اپنی رائے سے نہیں کیا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ سے یہ کام لئے گئے) ذلک تاویل مالم تسطع علیہ صبرا (یہ حقیقت ہے ان باتوں کی جن پر

آپ صبر نہ کر سکے)

فوائد و مسائل

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو سائل کے جواب میں یوں فرما دیا کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں اور اس اعتبار سے ان کا فرمانا صحیح بھی تھا کہ وہ صاحب شریعت تھے ایک بہت بڑی قوم کے نبی تھے ان پر تورات شریف نازل ہوئی تھی لیکن الفاظ میں چونکہ ایک قسم کا دعویٰ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم ہو اور حالات ظاہرہ کے اعتبار سے اس سے زیادہ کوئی دوسرا جاننے والا نہ ہو تب بھی اسے یہ نہ کہنا چاہئے کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں اس میں ایک تو دعویٰ ہے جو کاملین کی شان کے خلاف ہے۔ دوسرے ہو سکتا ہے کہ اور شخص بھی اتنا بڑا یا اس سے بڑا عالم ہو جس کی اسے خبر نہ ہو۔ (خواہ اسکے اپنے علوم کے علاوہ دوسرے ہی علوم کا عالم ہو)

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے نوجوان یعنی حضرت یوشع بن نون کو ساتھ لے کر چلے جو ان کے خادم تھے اس سے معلوم ہوا کہ کسی اپنے چھوٹے کو خدمت کے لیے ساتھ لینا اور کوئی خدمت سپرد کرنا درست ہے یوں بھی تنہا سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ مشہور ہیں جنہوں نے دس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔

(۳) معلوم ہوا کہ طلب علم کے لیے سفر کرنا چاہئے اور یہ کہ معلم کو اپنے پاس بلانے کی فکر نہ کرے بلکہ اس کے پاس خود جائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم میں باب الخروج فی طلب العلم کے ذیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا واقعہ لکھا ہے اور لکھا ہے۔ واحل جابر ابن عبد اللہ مسیرۃ شھر الی عبداللہ ابن انیس فی حدیث واحد (اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ صحابی کے پاس ایک حدیث لینے کے لیے ایک ماہ کا سفر کر کے گئے)

(۴) طلب علم کے لیے کوئی عمر مخصوص نہیں گو بچپن اور جوانی میں علم اچھی طرح حاصل ہوتا ہے لیکن بڑھاپے میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہونا چاہئے علم صحیح جہاں ملے جب ملے اور جس سے ملے حاصل کرنا چاہیے۔ امام بخاری باب الاعتبار فی العلم والحکمۃ کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ وقد تعلم اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد کبر سنھم (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی عمریں ہو جانے کے بعد علم حاصل کیا ہے)

(۵) اگر کسی کو کسی بھی اعتبار سے کوئی فضیلت حاصل ہو اور اسے اپنے سے کم فضیلت والے کے پاس کوئی علم کی بات ملتی ہو تو اس میں عار نہ ہونی چاہئے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس اس علم کے حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے جو ان کے اپنے علم کے علاوہ تھا۔

(۶) طلب علم کے لیے سفر کرنے میں سستی اور کوتاہی اختیار نہ کی جائے جتنا بھی بڑا سفر ہو برداشت کیا جائے اور اس پر جو تکلیف پہنچے اسے برداشت کیا جائے آیت کریمہ میں جو لفظ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا فرمایا ہے۔ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ یہ لفظ اسّی سال کی مدت کے لیے بولا جاتا ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ یہ لفظ ستر سال کی مدت کے لیے آتا ہے اور فراء نے کہا ہے کہ یہ قریش کی لغت میں ایک سال کے لیے استعمال ہوتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مطلق دھر کے لیے استعمال ہوتا ہے یہ سب اقوال تو صاحب روح المعانی نے نقل کر دیئے لیکن ترجمہ یوں لکھا ہے۔ والمعنی حتی یقع اما بلوغی المجمع او امضی حقبا ای سیری زمانا طویلا ہم نے بھی اس کے مطابق یوں ترجمہ کر دیا ہے۔ کہ یا میں زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔

(۷) صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں یوں فرمادیا کہ میں اپنے سے زیادہ بڑھ کر کسی کو عالم نہیں جانتا۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہوا بلی عبدنا الخضر (ہاں ہمارا بندہ خضر تم سے زیادہ جاننے والا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا نام موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی بتادیا گیا تھا۔

(۸) لفظ خضر کا معنی ہے سرسبز ان کا یہ نام کیوں مشہور ہوا؟ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کا نام خضر اس لیے رکھا گیا کہ وہ ایک جگہ بیٹھے جو خشک چٹیل میدان پڑی ہوئی تھی وہ اس پر بیٹھ گئے تو ان کے پیچھے زمین پر سبزی نکل کر لہلہانے لگی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۴۸۳ ج ۱)

(۹) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا تھا کہ ہمارا یہ بندہ مجمع البحرین میں ملے گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ مراد ہے۔

(۱۰) جس جگہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس کے لیے کسی نشانی کی ضرورت تھی جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے نشانی کا سوال کیا تو ارشاد فرمایا ایک مچھلی لے لو جس جگہ وہ مچھلی گم ہو جائے اور تمہیں چھوڑ کر چلی جائے وہ صاحب تمہیں وہیں ملیں گے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ یہ مچھلی انہوں نے بطور زادراہ کے لی تھی۔ وہ بے جان تھی جس پر نمک لگایا ہوا تھا (فی صحیح مسلم فقیل له تزود حوتا مالحا صفحہ ۲۷۰ ج ۲) مچھلی ساتھ لینے سے معلوم ہوا کہ سفر میں توشہ ساتھ لے جانا توکل کے خلاف نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم حضرت یوشع کے ساتھ چلتے رہے اور تھکن محسوس نہیں کی پھر جب اس جگہ سے آگے بڑھ گئے جہاں تک پہنچنا مقصود تھا تو تھکن محسوس کی، طبعی طور پر اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ بات رکھی ہے کہ مقصد کے پہنچنے تک اس میں ہمت اور حوصلہ رہتا ہے اور تھکن محسوس نہیں کرتا جب مقصد کو پہنچ جاتا ہے تو تھکن کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خیال میں مقصد تک نہیں پہنچے تھے لیکن حقیقت میں جانے مقصود پر پہنچ کر آگے بڑھ گئے تھے اس لیے طبعی طور پر ہمت جواب دینے لگی اور تھکن محسوس ہوئی۔ ولم یجد النصب حتی جاوز المکان الذی امر اللہ به.

(۱۱) چونکہ سفر کی مزید تکلیف اٹھانا مقدر تھا اس لئے حضرت یوشع بن نون یہ دیکھنے کے باوجود کہ مچھلی پانی میں چلی گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گئے شیطان تو پیچھے لگا ہی رہتا ہے اس نے انہیں بھلا دیا۔ مقصد سے آگے بڑھ کر جو زائد سفر تھا اس کو قطع کرنا پھر وہاں سے واپس ہونے کی تکلیف اٹھانا تقدیر میں تھا لیکن اس پر اجر و ثواب بھی مل گیا۔ مخلص نیک نیت مؤمن کا نقصان نہیں ہوتا مؤمن بندہ مؤنت اور آرام میں بھی نفع ہے اور دکھ تکلیف میں بھی فائدہ ہے اللہ کی رضا کا خواہاں ہو۔ ثواب کی نیت رکھتا ہو۔ جب حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے بتایا کہ دریا میں چلے جانے والی بات بتانا بھول گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ملامت نہیں کی کہ دیکھو تمہاری وجہ سے ہمیں تکلیف پہنچی۔ چونکہ بھول ہو گئی تھی اس لئے درگذر فرمایا۔

(۱۲) جب واپس ہو کر پھر اسی جگہ آئے جہاں مچھلی دریا میں چلی گئی تھی تو ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی مؤمن بندہ سے ملاقات ہو اور اپنی طرف متوجہ کرنا ہو تو پہلے سلام کرے حدیث میں ہے السلام قبل الکلام۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۹۰)

(۱۳) جب خضر علیہ السلام سے تعارف ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا مطلب ظاہر کیا کہ میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں تاکہ مجھے ان علوم کا کچھ حصہ معلوم ہو جائے جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس سے جتنا علم ملے لے لینا چاہیے ضروری نہیں کہ کسی

شیخ کے سارے ہی علم کو سمیٹ لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام علم شریعت کے ماہر تھے علم الاسرار کے جاننے کے لیے سفر کیا اور اس کے سیکھنے کی خواہش ظاہر کی معلوم ہوا کہ علم اسرار بھی لائق توجہ ہے اگرچہ مدار نجات علم شرائع ہی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب استاد سے علم حاصل کرنے کی درخواست کرے تو اس میں ادب کا لحاظ رہے اور اس انداز میں بات کرے کہ شیخ کو یہ محسوس نہ ہو کہ یہ مجھ پر کوئی زبردستی کر رہا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے هَلْ اَتَّبِعُكَ فرمایا (کیا میں تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں) اور یوں نہیں فرمایا کہ مجھے سکھا دیجئے اور میں بہت دور سے چل کر آیا ہوں آپ کو میری طرف متوجہ ہونا ہی پڑے گا۔

(۱۴) شیخ کو چاہئے کہ وہ آنے والے کو پہلے یہ بتا دے کہ ممکن ہے ہمارا تمہارا نباہ نہ ہو سکے، ہمارا طریق اور ہمارا مزاج یہ ہے اس کی موافقت کر سکو گے یا نہیں اس پر اگر طالب علم شیخ کے ماحول اور مزاج کے مطابق چلنے کا وعدہ کرے (جو شرعاً درست ہو) تو ساتھ رکھ لے۔ اور شاگرد جب وعدہ کرے کہ میں آپ کے مزاج اور مرضی کے مطابق رہوں گا تو خود اعتمادی نہ کرے بلکہ خدا اعتمادی کرے یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور انشاء اللہ بھی ساتھ لگا دے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا (شیخ شریعت یا صاحب طریقت یہ آداب دونوں کے لیے ہیں)

(۱۵) شیخ کو اختیار ہے کہ طالب سے کوئی شرط لگا لے، اور جب طالب اس شرط کے مطابق چلنے کا اقرار کرے تو اسے پوری کرے ہاں اگر بھول جائے تو دوسری بات ہے اور جب بھولنے سے کوئی خلاف ورزی ہو جائے تو عذر بیان کر دے اور مسامحت کی درخواست کر دے کما قال موسیٰ علیہ السلام لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ

(۱۶) اتباع شیخ کا وعدہ کرنے کے باوجود اگر کوئی ایسی چیز دیکھے جو اپنے نزدیک بالکل ہی شریعت کے خلاف ہے تو شیخ کو متنبہ کر دے موسیٰ علیہ السلام پہلی بار تو بھول گئے تھے اور دوسری بار قصداً "وعمداً" جانتے ہوئے لڑکے کے قتل پر اعتراض کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طرز عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہی شروط اور عہود قابل ایفاء ہیں جن کے پورا کرنے سے شریعت کی کوئی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو خاموشی کا وعدہ کرنے کے باوجود دینی حمیت نے انہیں خاموش نہ رہنے دیا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ گویا کہ انہوں نے اپنے ساتھ چلنے اور دیگر امور میں صبر کرنے کا وعدہ کیا تھا یہ وعدہ تھا ہی نہیں کہ جو چیز ظاہری طور پر شریعت کے خلاف ہوگی اس کے بارے میں نہ بولوں گا۔ وکان المراد بالصبر انہ صبر عن اتباعہ والمشی معہ و غیر ذلک الا بکار علیہ فیما یخالف ظاہر الشرع (صفحہ ۴۱۸ ج ۱) ہاں بات کہنے میں جلدی نہ کرے۔ جب تک اس کے خلاف شرع ہونا خوب واضح نہ ہو جائے اس وقت تک سکوت کرنا چاہئے۔

(۱۷) طالب علم سے غلطی ہو جائے تو شیخ تنبیہ کرے پھر غلطی ہو جائے تو پھر تنبیہ کر دے اور تنبیہ میں طالب کی کوتاہی کے بقدر الفاظ تنبیہ اختیار کرے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے پہلی بار اَلَمْ اَقُلْ فرمایا اور دوسری بار اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ فرمایا جس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ میں نے جو آپ سے پہلے کہا تھا کہ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکتے۔ وہ آپ ہی سے کہا تھا اور کسی سے تو نہیں کہا پھر اس کا دھیان کیوں نہیں کیا۔

(۱۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یوں فرمایا کہ اگر آپ سے میں کوئی بات دریافت کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھئے اس سے معلوم ہوا کہ جب ساتھ رہنے کی صورت بنتی نظر نہ آئے تو خوبصورتی سے جدا ہونے کی صورت نکال لے لیکن یوں نہ کہے کہ میں جاتا ہوں بلکہ شیخ کو اختیار دے دے کہ آپ چاہیں تو مجھے ساتھ نہ رکھیں اور طبیعتوں کا میل نہ ملنے میں اگر اپنا قصور ہو تو طالب علم صاف اقرار کرے اور اپنے ہی اوپر لے لے شیخ پر بات نہ رکھے کما قال موسیٰ علیہ السلام قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا۔

(۱۹) اگر شیخ کسی طالب کو اپنے سے جدا کرنے لگے اور اسے معلوم ہو کہ طالب کو میرے فلاں فلاں اعمال پر اعتراض ہے اور حقیقت میں وہ قابل اعتراض نہیں تو طالب کو حقیقت حال بتا دے اور واقعی صورتحال سمجھا دے تاکہ طالب علم اس غلط فہمی میں ہوتے ہوئے جدا نہ ہو کہ شیخ کے اعمال اچھے نہ تھے اگر ایسا ہوگا تو ممکن ہے وہ دوسری جگہ بھی ان باتوں کا چرچا کرے اور خود بھی غیبت میں مبتلا ہو اور دوسروں کی نظروں میں بھی شیخ کا وقار کرے اور ان کی طرف طالبین کے رجوع ہونے میں بلاوجہ کمی آجائے۔

(۲۰) حضرت خضر علیہ السلام کے طریقہ کار سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواہ مخواہ اپنے کو مشکوک بنانا کوئی دینداری اور سمجھداری کی بات نہیں۔ اپنی پوزیشن صاف رکھنی چاہئے۔ اگر کوئی شخص نادانی سے اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کہے جس سے بدنامی ہوتی ہو تو اپنی صفائی دے دے یہ بات کہہ کر گزر جانا کہ ہمارا کیا حرج ہے فیما بیننا وبین اللہ ہمارا حال ٹھیک ہے کوئی بدگمانی اور بدفہمی سے ہمیں کوئی کچھ کہتا ہے تو وہ ذمہ دار ہوگا عامۃ المسلمین کی خیر خواہی کے خلاف ہے۔ سب مسلمانوں کی خیر خواہی پیش نظر رہنی چاہئے اپنا حال بھی درست ہو اور دوسروں کو بھی غیبت سے بچائے۔

(۲۱) استطعما اھلھا سے یہ معلوم ہوا کہ مجبوری کے وقت کسی سے کھانا طلب کرنا بھی جائز ہے۔

(۲۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ آپ چاہتے تو کچھ اجرت لے لیتے اس سے معلوم ہوا کہ کسی عمل پر اجرت لینا بھی درست ہے۔

(۲۳) حضرت خضر علیہ السلام نے جو بستی والوں کی دیوار کھڑی کر دی حالانکہ انہوں نے کھانے تک کو نہ پوچھا اور نہ سوال کرنے پر کچھ دیا اس میں جہاں دو یتیم بچوں کے خزانے کی حفاظت پیش نظر تھی وہاں اخلاق عالیہ کا اختیار کرنا بھی تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ وہ کمینے لوگ تھے (حتی اذا اتیا اھل قریۃ لئام صفحہ ۲۷۱ ج ۲) کمینوں کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرنا اہل خیر کا طریقہ ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء
اگر مردی احسن الی من اساء

(۲۴) یہ بھی معلوم ہوا کہ کشتی میں اجرت پر مسافروں کو ادھر سے ادھر لے جانا جائز ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مسکین ہو اور اس کے پاس کسب کا کوئی آلہ ہو یا کوئی بھی چیز ہو جو اس کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہو تو وہ مسکنت سے نہیں نکلتا یعنی اسے مسکین ہی کہا جائے گا مسکین ہی مانا جائے گا۔

(۲۵) معلوم ہوا کہ کسی کا مال غصب کرنا حرام ہے اور جس کسی ظالم سے خطرہ ہو کہ وہ غریب آدمی کا مال چھین لے گا تو اس کے شر کو دفع کرنے کے لیے تدبیر کرنا ثواب کا کام ہے۔

(۲۶) یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک آدمی کی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا خیال رکھنا چاہئے۔ (اسی وجہ سے حضرات مشائخ اپنے مشائخ کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے لیے فکرمند رہتے ہیں اگرچہ اولاد کے وہ احوال نہیں ہوتے جو انکے آباؤ اجداد کے تھے)

(۲۷) حضرت خضر علیہ السلام نے جو تین کام کئے ان میں لڑکے کو قتل کر دینا سب سے زیادہ سنگین تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے بہت زیادہ متاثر ہوئے (فی صحیح مسلم فرع موسی علیہ السلام فرعۃ منکرۃ) اور جب ان کے اعتراض کرنے پر حضرت خضر علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی تو سمجھ لیا کہ ہمارا ان کے ساتھ ہونا مشکل ہے اور صاف کہہ دیا کہ اگر آپ سے آئندہ کچھ پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا، یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جو لڑکے کو قتل کیا شرعاً اس کے قتل کا کیا جواز تھا؟ یہ بات کہ اس لڑکے سے خوف

تھا کہ بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو کفر پر لگا دے گا کیا یہ دلیل شرعی ہے جس کی وجہ سے قتل جائز ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال ہماری شریعت کو سامنے رکھ کر وارد ہوتا ہے ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں جائز ہو پھر جب انہوں نے آخر میں تصریح فرما دی کہ یہ جو کچھ میں نے کیا ہے اپنی رائے سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے ہے تو ہر اشکال ختم ہو گیا۔

قال النووی فی شرح صحیح مسلم ومنها بیان اصل عظیم من اصول الاسلام وهو و جوب التسلیم فکل ماجاء به الشرع وان کان بعضه لا تظهر حکمة للعقول ولا یفهمه اکثر الناس وقد لا یفهمونه کلهم کما لقدر موضع الدلالة قتل العلام و حرق السفینة فان صورتهما صورة المنکر وکان صحیحا فی نفس الامر له حکم مبنیة لکنها لا تظهر للخلق فاذا علمهم الله تعالیٰ بها علموها ولهذا قال و ما فعلته عن امری یعنی بل بامر الله تعالیٰ اھ

وقال الحافظ فی الفتح فلا یسوغ الاقدام علی قتل النفس ممن یتوقع منه ان یقتل نفسا کثیرة قبل ان یتعاطی شیئا من ذلک لا طلاع الله تعالیٰ علیه وقال ابن بطال : قول الخضر وما العلام فکان کافرا هو باعتبار ما یئول الیه امره ان لو عاش حتی یبلغ ، واستجاب مثل هذا القتل لا یعلمه الا الله ، ولله ان یحکم فی خلقه بما یشاء قبل البلوغ و بعده انتهی.

(۲۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ آپ نے ایک جان کو کسی جان کے عوض کے بغیر قتل کر دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ کسی کو قتل کر دے تو اس سے قصاص واجب ہوتا ہے حالانکہ نابالغ پر قصاص نہیں ہے علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ یہ محتمل ہے کہ ان کی شریعت میں بچے پر بھی قصاص واجب ہوتا ہے۔

(۲۹) حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا اس کے بدلہ اللہ تعالیٰ نے اس کے والدین کو کیا عطا فرمایا۔ اس کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ انہیں ایک لڑکی دے دی گئی۔ یہ حضرت ابن جریج کا فرمان ہے جیسا کہ فتح الباری صفحہ ۴۲۱ ج ۸ میں لکھا ہے نیز سنن نسائی سے بھی نقل کیا ہے کہ انہیں جو لڑکی عطا کی گئی تھی اس کے بطن سے ایک نبی کی ولادت ہوئی اور ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ اس نبی کا نام شمعون تھا اور یہ وہی نبی تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے جن سے بنی اسرائیل نے درخواست کی تھی کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر فرما دے جس کے ساتھ مل کر ہم اللہ کے راستے میں جہاد کریں۔ اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ وہ لڑکی ستر نبیوں کی ماں بنی (صلی اللہ علی جمیع الانبیاء والمرسلین)

(۳۰) علم کے فوت ہو جانے پر افسوس کرنا اہل علم کی خاص شان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت خضر علیہ السلام کی یہ بات نقل فرمائی کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ہے تو فرمایا۔ یرحم الله موسی لوددنا لو صبر حتی یقص علینا من امرهما (صحیح بخاری صفحہ ۲۲۳ ج) یعنی اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے (کہ انہوں نے تیسری بار بھی سوال کر ہی لیا جس کی وجہ سے جدا ہونے کی نوبت آ گئی) اگر صبر کر لیتے تو مزید باتیں بھی منقول ہوتیں جو ہمیں بتا دی جاتیں اور صحیح مسلم صفحہ ۲۷۱ ج ۲ میں ہے لو صبر لرای العجب ولکه اخذته من صاحبه ذمامة (کہ موسیٰ علیہ السلام اگر صبر کر لیتے تو اور عجیب چیزیں دیکھتے لیکن موسیٰ علیہ السلام اپنے صاحب یعنی حضرت خضر علیہ السلام سے سوال کرتے ہوئے شرما گئے۔ آگے سوال کرنے کو مناسب نہ جانا۔

(۳۱) کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے جیسا کہ کشتی والوں کی پیشکش پر دونوں حضرات کشتی میں سوار ہو گئے اور بستی والوں سے کھانے کو طلب کیا۔

(۳۲) اگر کوئی تکلیف پہنچ جائے تو بطور حکایت اور خاص کر اپنے دوستوں سے اس کا بیان کرنا بے صبری نہیں ہے جیسا کہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا فرمایا۔

(۳۳) کسی کا کام کرنے اور مدد پہنچانے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہیں حضرت خضر علیہ السلام نے بغیر اجازت کشتی کا تختہ نکال دیا اور گرنے والی دیوار کو کھڑا کر دیا۔ (ہاں اگر وہ بہت ہی بے تکا اور نافہم ضدی ہو جس کی مدد کی جائے اور شر کا اندیشہ ہو تو دوسری بات ہے)

(۳۴) اَقْرَبَ رُحْمًا کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو پہلے نقل کی گئی کہ مقتول لڑکے کے بدلہ میں جو اولاد دی جائے گی وہ والدین کی خدمت اور صلہ رحمی میں بہت زیادہ بڑھ کر ہوگی اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس مقتول لڑکے کے بدلہ میں ملنے والی اولاد سے ماں باپ کو بہت زیادہ رحمت اور محبت کا تعلق ہوگا۔

(۳۵) بدعمل لڑکے سے نیک صالح لڑکی بہتر ہے۔

(۳۶) جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے وجود میں آتا ہے لیکن ادب ملحوظ رہے اللہ تعالیٰ کی طرف شر اور عیوب کی نسبت نہ کی جائے حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں جو شگاف کیا تو فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا فرمایا اور کشتی میں عیب ڈالنے کی نسبت اپنی طرف کی اور مقتول لڑکے کے بارے میں فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا فرمایا اور یتیم لڑکوں کے بارے میں فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا فرمایا۔

(۳۷) شریعت کے احکام کا مدار ظاہر پر ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائب علماء اور حکام ظاہر کے پابند ہیں اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے کہہ دے کہ میں نے فلاں مصلحت کی وجہ سے قتل کیا تو اس کی وجہ سے وہ قصاص سے نہیں بچ سکے گا۔ رہا معاملہ حضرت خضر علیہ السلام کا تو وہ چونکہ اللہ کے حکم سے تھا اسی لیے اس سے کوئی شخص یہ استدلال نہیں کر سکتا کہ میرا عمل یا فلاں پیر کا عمل فلاں حکمت پر مبنی ہے اور ہم نے جو خلاف شرع کیا ہے اس پر ہمارا مؤاخذہ نہ کیا جائے۔

(۳۸) اگر عبارت کے سیاق سے بعض الفاظ کے ذکر کئے بغیر مفہوم واضح ہو جاتا ہو تو اختصار کرنا بھی درست ہے جیسا کہ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ فرمایا یہاں لفظ صالحة کے ساتھ مقید نہیں کیا کیونکہ سیاق کلام سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ ظالم بادشاہ اچھی ہی کشتیوں کو لیتا تھا اسی لیے تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یوں پڑھا کرتے تھے۔ وكان امامهم ملك ياخذ كل سفينة صالحة غصبا (کما فی صحیح البخاری)

(۳۹) حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصہ سے معلوم ہوا کہ جیسا کہ شریعت کا نظام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام بھی ہے اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا تکوینی نظام سے تعلق ہوتا ہے اتنی مجمل بات تو قرآن مجید سے ثابت ہو گئی اور ان احادیث شریفہ سے بھی جو قصہ مذکورہ کے بیان میں صحیحین وغیرھما میں منقول ہیں، حضرات صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ رجال التکوین اب بھی ہیں اور ان کے عہدے بھی بتاتے ہیں شیخ عبدالعزیز دباغ کی کتاب تبریز ابریز میں ان کے بارے میں بہت سی تفصیل بھی لکھی ہے۔ علامہ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام الحبر الدال علی وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال ہے اس میں انہوں نے رجال التکوین کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کی ہے بعض احادیث مرفوعہ بھی لکھی ہیں مسند احمد سے حدیث نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب عراق میں تھے تو ان سے عرض کیا گیا اے امیر المومنین اہل شام پر لعنت بھیجئے اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا ایسا نہیں کروں گا۔

پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ شام میں ابدال ہوں گے یہ چالیس افراد ہوں گے جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے گا اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرے شخص کو بدل دیں گے ان کے ذریعہ اہل شام کو بارش عطا کی جاتی ہے اور ان کی وجہ سے دشمنوں کے مقابلہ میں اہل شام کی مدد کی جاتی ہے اور اہل شام سے عذاب ہٹا دیا جاتا ہے) حدیث نقل کر کے علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ رجالہ رجال الصحیح غیر شریح بن عبیدوھو ثقة

(۴۰) جس بستی میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام نے پہنچ کر کھانے کے لیے کچھ طلب کیا یہ کونسی بستی تھی؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے انطاکیہ اور بعض نے ایلہ اور بعض نے جزیرۃ الاندلس اور بعض نے ناصرہ اور بعض نے برقہ بتایا ہے اس کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا مشہور یہ ہے کہ یہ بستی انطاکیہ تھی جو شام کی سرحد پر واقع ہے۔ ایک قصہ کسی بزرگ سے سنا تھا یا کہیں پڑھا دیکھا تھا کہ انطاکیہ والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا اتنی اتنی رقم لے لو اور قرآن مجید میں فاتوا ان یضیفوھما کی جگہ فاتوا ان یُصیفُوھُما لکھ دو کیونکہ یہ ہماری بدنامی ہے جب تک قرآن مجید دنیا میں رہے گا ہماری بستی کی بدنامی ہوتی رہے گی ابوا کی جگہ ابتو ہو جانے سے معنی بدل جاتا ہے اور مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ مہمانی کرنے کے لیے تیار ہو کر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب تو کچھ نہیں ہو سکتا جب وہ حضرات تمہاری بستی میں پہنچے تھے اگر اسی وقت دو چار پیسے کے چنے پیش کر دیتے تو قرآن ہی میں یہ مضمون بھی نازل ہو جاتا کہ وہ لوگ مہمانی کے لئے کچھ لائے اس سے۔ بعد روح المعانی صفحہ ۶ ج ۱۶ میں واقعہ کا ذکر کر کے لکھ گیا صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ بستی والے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سونا لے کر آئے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قصہ پیش آیا اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس قصہ کی کوئی اصل نہیں پھر لکھتے ہیں علی فرض الصحة یعلم منه قلة عقول اهل القرية فی الاسلام كما علم لئومهم من القران والسنة من قبل (یعنی اگر قصہ صحیح ہو تو اس سے مذکورہ بستی والوں کی کم عقلی کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کی تصریح سے ان کا کمینہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۴۱) جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں شگاف کر دیا تھا وہ وقتی ضرورت کے لیے تھا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ کسی طرح ظالم بادشاہ کی حدود سے نکل جائیں اور اس کے ظلم سے بچ جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا جب آگے بڑھ گئے تو کشتی والوں نے ایک لکڑی لگا دی جس سے کشتی کا شگاف درست ہو گیا وفی صحیح البخاری فاذا جاوزوھا اصلحوا فانفعوا بها ص ۱۴ وعند مسلم فاذا جاء الذی یأ خذها و جدها منخرقة فتجاوز ها فاصلحو ها بخشبة ص ۲۷۱ ج

اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ ظالم بادشاہ کی حدود سے آگے بڑھنے تک کشتی میں پانی کیوں نہ بھرا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے آرام میں اسے پانی بھرنے سے محفوظ رکھا۔ فتح الباری صفحہ ۴۱۹ ج ۸ میں ہے کہ بعد میں حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی والوں کو شگاف پیدا کرنے کا سبب بتا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ میں نے جو یہ کام کیا ہے اس میں نیت خیر کی تھی اس پر ان لوگوں نے ان کی رائے کو پسند کیا اور تعریف کی، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس عمل کو صرف موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا اگر دوسرے لوگ دیکھ لیتے تو بظاہر آڑے آجاتے اور ایسا نہ کرنے دیتے۔

(۴۲) الہام حجت شرعی نہیں ہے اس کی وجہ سے خلاف شرع کوئی کام کرنا جائز نہیں بعضے جاہل تصوف کے دعویدار جو یہ کہتے ہیں کہ مجھے فلاں بات کا الہام ہوا اور میں نے اس کے مطابق عمل کر لیا حالانکہ وہ عمل شریعت کے خلاف ہوتا ہے یہ سراپا گمراہی ہے بلکہ کفر ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۷ ج ۱۵ امام شعرانی سے نقل کرتے ہیں وقد ضل فی هذا الباب خلق كثير فضلوا واضلوا

حضرت خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم یا کرتھا الہام کی وجہ سے نہیں تھا۔

(۴۳) بہت سے جاہل صوفی یہ بھی سمجھتے ہیں کہ طریقت شریعت کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے اور صاحب طریقت کے لیے شریعت پر چلنا لازم نہیں یہ بھی گمراہی اور کفر کی بات ہے طریقت شریعت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے وہ تو شریعت کی خادم ہے نفس کو احکام شریعت پر ڈالنے اور بشاشت کے ساتھ احکام شریعت کو ادا کرنے کی محنت کے لیے حضرات صوفیاء کرام نے کچھ اعمال واشغال بتائے ہیں مریدوں سے ان کی محنت کراتے ہیں کوئی کتنا ہی بڑا درویش اور صاحب تصوف ہو احکام شرعیہ کہ پابندی اس پر بھی فرض وواجب ہے جو شخص فرائض وواجبات کا تارک ہوگا وہ فاسق ہوگا اور جو شخص یوں کہے کہ میں یا میرا شیخ شریعت کا مکلف نہیں وہ کافر ہوگا کافر اور فاسق کسی طرح بھی پیر بننے کا اہل نہیں ہوتا۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جو طریقے انبیاء کرام علیہم السلام سے آئے ہیں ان کے علاوہ بھی کوئی ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعہ وہ مامورات اور منہیات کو پہچان لیتا ہے اور اسے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی حاجت نہیں ایسا شخص کافر ہے اسے قتل کر دیا جائے اور یہ بھی نہ کہا جائے گا کہ توبہ کرلے تو تیرے قتل سے درگذر کردیں گے۔

(۴۴) یہ جو بعض جاہل کہتے ہیں کہ شریعت عامۃ الناس اور کم فہم لوگوں کے لئے ہے اور خواص کو نصوص شرعیہ کی ضرورت نہیں ان کے دل صاف ہیں ان پر علوم الہیہ وارد ہوتے ہیں لہٰذا وہ اس کے پابند ہیں جو ان کے قلوب پر وارد ہو یہ سراپا کفر ہے حافظ ابن حجر فتح الباری (صفحہ ۲۲۱ ج ۸) علامہ قرطبی سے نقل کرتے ہیں وھٰذا القول زندقة و کفر لانه انکار لما علم من الشرائع الخ

(۴۵) حضرت یوشع علیہ السلام جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سفر میں گئے تھے۔ قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تک پہنچے تو دونوں تھے فوجدا عبدا من عبادنا الخ بعد آخر تک ان کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہے یا کشتی میں سوار ہی نہیں ہوئے؟ حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۲۰ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ یا تو ان کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ وہ تابع تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ان کے ساتھ سوار ہی نہ ہوئے ہوں۔ لا نه لم یقع له ذکر بعد ذلک

(۴۶) حضرت خضر علیہ السلام کا لقب خضر کیوں ہوا۔ اس کے بارے میں ہم پہلے ایک حدیث نقل کر چکے ہیں، ان کا نام کیا تھا اس بارے میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ایک قول تو یہ لکھا ہے کہ ان کا نام بلیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ کلیان تھا ان کی کنیت ابو العباس اور والد صاحب کا نام ملکان بتایا جاتا ہے اور چند پشتوں کے واسطے سے انہیں سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں شمار کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کے والد بادشاہ تھے۔ (شرح مسلم صفحہ ۲۶۹ ج ۲)

(۴۷) اس میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا ولی تھے۔ بعض حضرات نے ان کو ولی بتایا ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں دونوں قول لکھے ہیں ابوالقاسم قشیری سے نقل کیا ہے کہ ولی تھے اور ابوحیان کا قول نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جمہور (یعنی اکثر علماء) کا مذہب یہ ہے کہ وہ نبی تھے اور نبی ہونے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے ساری باتیں بتانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا وما فعلته عن امری (کہ یہ جو کچھ میں نے کیا ہے اپنی رائے سے اور اپنی طرف سے نہیں کیا) اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سب کچھ اللہ کے حکم سے کیا اور اس میں گو یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرے نبی کے واسطہ سے ہو لیکن یہ احتمال بعید ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ صرف نبی تھے یا نبی مرسل بھی تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ نبی تھے مرسل نہیں تھے۔ حافظ ابن حجر کا فرمانا یہ بھی ہے کہ ان غالب اخباره مع موسی هی الدالة علی تصحیح قول من قال انه کان نبیا (یعنی حضرت موسیٰ کے ساتھ ان کی جو باتیں ہوئیں ان میں اکثر باتیں اس بات کو بتاتی ہیں کہ جن لوگوں نے انہیں نبی بتایا ہے ان کا قول

صحیح ہے۔ (الاصابہ صفحہ ۴۳۰۔۴۳۱ ج ۱)

(۴۸) حافظ ابن حجر نے فتح الباری صفحہ ۲۲۱ ج ۱ میں لکھا ہے کہ بعض جاہل یوں کہتے ہیں کہ حضرت خضر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں وہ یہ لوگ اس قصے سے استدلال کرتے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہے ان لوگوں نے صرف اسی قصے کو دیکھا اور یہ نہ دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام رسول اللہ اور کلیم اللہ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو تورات عطا فرمائی جس میں ہر چیز کا علم تھا اور ان لوگوں نے اس بات کو بھی نہ دیکھا کہ بنی اسرائیل میں جتنے بھی نبی ہوئے ہیں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع ہیں اور ان کی نبوت کے توسط سے جو احکام پہنچے ہیں دیگر انبیاء بنی اسرائیل بھی ان کے مخاطب ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ اور خضر علیہ السلام اگر نبی تھے تو رسول نہیں تھے (یعنی مستقل کتاب اور مستقل شریعت ان کو عطا نہیں کی گئی) اور جو نبی رسول بھی ہو وہ اس نبی سے افضل ہے جو رسول نہیں اور اگر ہم زیادہ سے زیادہ یہ مان لیں کہ حضرت خضر رسول تھے تب بھی موسیٰ علیہ السلام ان سے افضل ہیں کیونکہ ان کی رسالت اعظم ہے اور ان کی امت اکثر ہے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ اتنی بات کہہ جا سکتی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب سے افضل ہیں اور اگر ہم یوں کہیں کہ خضر نبی نہیں تھے بلکہ ولی تھے پھر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا افضل ہونا ظاہر ہی ہے کیونکہ ہر نبی ولی سے افضل ہے اور عقلاً و نقلاً یہ بات یقینی ہے اور اس کے خلاف جو شخص کہے گا وہ کافر ہے کیونکہ یہ ضروریات شرعیہ میں سے ہے۔ رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا (اور عموماً مفضول ہی جایا کرتا ہے) تو اس کا جواب ہے کہ یہ بھیجنا امتحان کے لیے تھا تاکہ موسیٰ علیہ السلام عبرت حاصل کریں کہ میں نے جو اپنے کو سب سے بڑا عالم بتا دیا ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ (فتح الباری صفحہ ۲۲۱ ج ۱)

(۴۹) اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی وفات ہوگئی یا زندہ ہیں اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں ۱۲ صفحے خرچ کیے ہیں۔ اول تو ان حضرات کا قول لکھا ہے جنہوں نے فرمایا ہے کہ وہ وفات پا گئے ہیں اور ان لوگوں کے دلائل لکھے ہیں۔ ان میں قوی ترین دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں ایک دن عشاء کی نماز پڑھائی اس کے بعد سلام پھیر کر فرمایا کہ جو لوگ زمین کی پشت پر ہیں ان میں سے کوئی بھی سو سال کے ختم ہونے تک باقی نہ رہے گا۔ یہ حدیث امام بخاری نے کتاب العلم (باب السمر فی العلم) اور کتاب الصلوۃ (باب ذکر العشاء والعتمۃ ومن راٰہ واسعا) اور باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء میں نقل کی ہے۔ اس حدیث میں واضح طور پر معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ کے فرمان کے تحت سے لے کر سو سال پورے ہونے تک جو بھی کوئی شخص زمین پر موجود ہوگا زندہ نہیں رہے گا۔ حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۵۷۵ ج ۲ شرح مسلم علامہ نووی سے نقل کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور وہ حضرات جو حضرت خضر علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اس وقت سمندر کے رہنے والوں میں سے تھے لہٰذا حدیث کے عموم میں داخل نہیں ہوئے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ علی ظہر الارض سے حضرات ملائکہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا استثنیٰ مقصود ہے کیونکہ فرشتے اور عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نہیں رہتے حدیث بالا کے علاوہ حضرت خضر علیہ السلام کی موت کے بارے میں حافظ ابن حجر نے حافظ ابن الجوزی سے ایک دلیل اور نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہوئے یوں عرض کیا تھا اللھم ان شئت لم تعبد بعد الیوم اے اللہ اگر آپ چاہیں تو آج کے بعد آپ کی عبادت نہ کی جائے اور صحیح مسلم (صفحہ ۸۴ ج ۲) میں یوں ہے کہ آپ نے یوں دعا کی اللھم انک ان تشاء لا تعبد فی الارض (اے اللہ اگر آپ چاہیں تو زمین پر آپ کی عبادت نہ کی جائے) حافظ ابن الجوزی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اگر خضر علیہ السلام اس وقت زندہ ہوتے تو وہ بھی اس عموم میں آجاتے کیونکہ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی عبادت

گداروں میں سے تھے اگر وہ زندہ رہ جائیں اور پوری امت ہلاک ہو جائے تو یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا؟ کہ اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں آپ کی کوئی عبادت کرنے والا نہ رہے گا۔ اور ایک دلیل وفات خضر ؑ کے قائلین یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر خضر ؑ آنحضرت ﷺ کے وقت میں زندہ ہوتے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ضرور آتے اور آپ پر ایمان لاتے اور آپ کا اتباع کرتے (لیکن یہ دلیل کوئی زیادہ وزنی نہیں کیونکہ اگر مضبوط دلائل سے اس کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ خدمت عالی میں حاضر ہوئے تو اس کا بھی ثبوت نہیں کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے (فان عدم ثبوت الحضور لا یستلزم ثبوت عدم الحضور) اس کے بعد حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں چند ایسی روایات درج کیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر ؑ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے اور آپ کے بھی بعد وہ زندہ ہیں ان میں کوئی حدیث اس کے بارے مرفوع نہیں اور جتنی بھی روایات نقل کی ہیں سب کے رواۃ میں کلام کیا ہے اور بعض کو تو موضوع بتایا ہے۔ انہی روایات میں ابوبکر دینوری کتاب المجالسہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ میں نے خضر ؑ کو دیکھا وہ جلدی جلدی جا رہے تھے۔ پھر یعقوب بن سفیان کی تاریخ سے نقل کیا ہے کہ رباح بن عبیدہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ میں نے بھائی خضر ؑ سے ملاقات کی انہوں نے مجھے بشارت دی کہ میں اولاً امر بنوں گا اور انصاف کروں گا اس کو نقل کر کے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ھذا اصح اسناد و قفت علیہ فی ھذا الباب (کہ یہ صحیح ترین اسناد ہے جو مجھے اس بارے میں معلوم ہوا) (الاصابہ صفحہ ۴۵ ج ۱) بحث کے ختم ہونے پر حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابوحیان فرماتے تھے کہ ہمارے حدیث کے بعض شیوخ یعنی عبدالواحد العباسی الحنبلی کے بارے میں ان کے اصحاب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان سے حضرت خضر ؑ کی ملاقات ہوئی ہے پھر فرماتے ہیں ہمارے شیخ حافظ ابوالفضل العراقی نے شیخ عبداللہ بن اسعد یافعی سے نقل کیا ہے کہ وہ حیات خضر ؑ کا عقیدہ رکھتے تھے جب انہوں نے یہ فرمایا تو ہم نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حربی وغیرہما کا انکار ذکر کر دیا وہ ان کی موت کے قائل تھے یہ سن کر وہ غصہ ہو گئے اس کے بعد حافظ لکھتے ہیں کہ ہم نے بھی ایسے حضرات کا زمانہ پایا ہے جو خضر ؑ سے ملاقات ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں سے قاضی عماد الدین بسامی بھی ہیں جو ملک ظاہر برقوق کے زمانہ میں قاضی تھے۔ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ صفحہ ۲۶۸ ج ۷ میں حضرت زین العابدین سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی تو حاضرین نے گھر کے ایک گوشہ سے یہ آواز سنی۔

السلام علیکم اھل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ان فی اللہ عزاء من کل مصیبۃ و خلفاً من کل ھالک و درکاً من کل فائت فبا للہ فثقوا و ایاہ فارجوا فانما المصاب من حرم الثواب

اے گھر والو تم سب پر اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمت ہو اور اسکی برکتیں ہوں بلاشبہ اللہ کی ذات میں تسلی ہے ہر مصیبت سے اور ہر ہلاک ہونے والے کا بدل ہے اور ہر فوت ہونے والی چیز کی تلافی ہے (یعنی کوئی کیسی مصیبت آجائے اور کوئی کیسا ہی محبوب فوت ہو جائے اللہ تعالیٰ تو بہرحال ہمیشہ حی اور قائم اور دائم ہے اس سے محبت کرو اس سے مانگو لہٰذا تم اللہ پر بھروسہ کرو اور اسی سے امید رکھو کیونکہ اصل مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم ہوگیا)

یہ آواز سن کر حضرت علی ؓ نے حاضرین سے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کون صاحب ہیں؟ پھر فرمایا یہ خضر ؑ ہیں۔

اس کے بعد امام بیہقی نے ایک دوسری سند سے یہ مضمون نقل کیا ہے پھر فرمایا ھذان الاسنادان وان کانا ضعیفین فاحدھما یتاکد بالآخر ویدلک علی انہ لہ اصلاً من حدیث جعفر واللہ اعلم یعنی یہ دونوں سندیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ایک کو دوسرے سے تقویت ملتی ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ جعفر بن محمد کی حدیث کی کچھ اصل ہے جو حدیث کے راوی ہیں۔ صاحب مشکوۃ

نے بھی صفحہ ۵۴۹ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اہل النبوۃ کا حوالہ دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی وفات اور حیات کے بارے میں دونوں قول ہیں اور یہ کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں جس پر کوئی حکم شرعی موقوف ہو اور ان کی حیات و ممات کا عقیدہ رکھنا مؤمن ہونے کے لیے ضروری ہو بڑے بڑے اکابر میں اختلاف ہے۔ حقیقت کو پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں جو لوگ حیات کے قائل ہیں یقینی طور پر ان کی بھی تغلیط نہیں کی جا سکتی۔ محدثین میں امام بخاری اور بعض دیگر حضرات شدت سے ان کی حیات کا انکار کرتے ہیں اور دیگر محدثین ان کی حیات کے قائل ہیں۔ سند کے اعتبار سے کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہوتا البتہ بعض صحابہ اور تابعین ان کی حیات کے قائل ہیں (گو ان حضرات سے جو روایات پہنچی ہیں وہ بھی متکلم فیہ ہیں) اور رہے حضرات صوفیاء کرام تو وہ نہ صرف ان کی حیات کے قائل ہی ہیں بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ

اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ میں بھی تمہارے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں بلاشبہ ہم نے ذوالقرنین کو زمین میں

فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

حکومت دی تھی اور سے ہر چیز کا سامان دیا تھا۔ پھر وہ ایک راہ پر روانہ ہو گیا یہاں تک کہ جب سورج کے چھپنے کی جگہ پر پہنچا تو سورج کو ایک سیاہ

تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۭ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ

دلدل میں ڈوبتا ہوا پایا اور اس کے قریب ایک قوم (یعنی) ہم نے کہا اے ذوالقرنین آپ ان کو سزا دیں

فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ

اور یہاں میں جو چاہیں اختیار دیں اس نے کہا جس نے ظلم کیا سو ہم اس کو سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا سو وہ اسے برا عذاب دے گا۔ اور جو ایمان لایا

اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝

اور نیک عمل کیے اس کے لیے بدلے میں بھلائی ہے اور ہم اس کے بارے میں اپنے کام میں آسانی کی بات کہیں گے۔ پھر وہ ایک راہ پر روانہ ہو گیا۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰي قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ

یہاں تک کہ جب وہ سورج نکلنے کی جگہ پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سورج ایسے لوگوں پر طلوع ہو رہا ہے جن کے لیے ہم نے آفتاب سے ورے

دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ

کوئی پردہ نہیں رکھا۔ یہ بات یوں ہی ہے اور ہم کو ان سب چیزوں کی خبر ہے جو اس کے پاس تھیں۔ وہ پھر ایک راہ پر چلا یہاں تک کہ ایسی جگہ پر پہنچ گیا جو دو پہاڑوں کے

السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ

درمیان تھی۔ ان پہاڑوں سے ورے اس نے ایک قوم کو پایا جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھے، وہ کہنے لگے کہ اے ذوالقرنین بلاشبہ یاجوج ماجوج

مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾

زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ سو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کے لئے کچھ مال جمع کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک آڑ بنا دیں۔

قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾

ذوالقرنین نے جواب دیا کہ میرے رب نے جو کچھ قدرت اور مال مجھ کو دے رکھا ہے وہ بہت ہے سو تم قوت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ

میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لاؤ یہاں تک کہ جب دونوں پہاڑوں کے درمیان کو برابر کر دیا تو حکم دیا کہ اسکو پھونکو یہاں تک کہ جب اس کو آگ بنا دیا

قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾

تو ان سے کہا کہ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ میں اس پر ڈال دوں سو وہ لوگ نہ چڑھ سکے اور نہ اس میں سوراخ کر سکے۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ﴿٩٨﴾ وَّتَرَكْنَا

ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی طرف سے ایک رحمت ہے سو جب میرے رب کا وعدہ آپہنچے گا تو اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ حق ہے۔ پھر ہم اس دن

بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ

ان کو چھوڑ دیں گے بعض بعض میں گھستے رہیں گے اور صور پھونکا جائے گا سو ہم سب ہی کو جمع کریں گے۔ اور اس دن ہم کافروں کے سامنے دوزخ پیش

عَرْضَا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ ع

کر دیں گے۔ جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ سن بھی نہ سکتے تھے۔

ذوالقرنین کا مفصل قصہ، مغرب و مشرق کا سفر کرنا یاجوج ماجوج سے حفاظت کے لیے دیوار بنانا

مذکورہ بالا آیت میں ذوالقرنین کی شخصیت اور ان کے مغرب اور مشرق کے اسفار اور ایک قوم کی درخواست کرنے پر یاجوج ماجوج سے حفاظت کرنے کے لیے دیوار بنا دینے کا تذکرہ فرمایا ہے یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ علماء یہود نے قریش مکہ سے کہا تھا کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ سے تین باتیں دریافت کرو اگر وہ ان کا جواب دے دیں تو سمجھ لینا کہ وہ اپنے دعوی میں سچے ہیں اور نبی مرسل ہیں، وہ تین باتیں جن کا سوال کرنے کی تلقین کی تھی ان میں ایک سوال روح کے بارے میں تھا اور دوسرا سوال اصحاب کہف کے بارے میں اور تیسرا سوال ذوالقرنین کے بارے میں تھا۔ سورۃ الاسراء میں روح کے بارے میں سوال و جواب گزر چکا ہے اور سورۂ کہف کے رکوع نمبر ۱ اور نمبر ۳ میں اصحاب کہف کا تذکرہ ہو چکا ہے ذوالقرنین کے بارے میں جو سوال کیا تھا یہاں اس کا جواب مذکور ہے۔ ذوالقرنین کون تھے؟ اور یاجوج ماجوج کہاں تھے؟ اور جو دیوار یاجوج ماجوج کے فساد سے بچنے کے لیے بنائی تھی وہ کہاں ہے؟ یہ سوال دلوں میں ابھرتے ہیں اور ایک مؤمن آدمی کے لیے تو قرآن کا اجمالی بیان ہی کافی ہے لیکن اس دور میں چونکہ تحقیق اور تفتیش کا ذوق کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے اس لیے مذکورہ بالا تینوں سوالوں کا جواب آ جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ذوالقرنین کون تھے ان کا نام کیا تھا اور ذوالقرنین کیوں کہا جاتا تھا؟

پہلا سوال کہ ذوالقرنین کون تھے اور ان کا نام کیا تھا اور ان کو ذوالقرنین کیوں کہا جاتا تھا؟ اس کے بارے میں اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بعض لوگوں نے ذوالقرنین کو اسکندر مقدونی بتایا ہے جس کا وزیر ارسطو (فلسفی) تھا۔ محققین کے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین (جنہوں نے یاجوج ماجوج کی حفاظت کے لیے دیوار بنائی تھی) وہ ایک مؤمن صالح آدمی تھی (اور بعض حضرات نے انہیں نبی بھی مانا ہے) اور سکندر مقدونی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جابر اور ظالم بادشاہ تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے سکندر مقدونی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اسکندریہ شہر کا بانی تھا (جو مصر میں ایک مشہور شہر ہے) اور وہ ذوالقرنین اول (جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے) سے بہت متاخر تھا یہ شخص (بانی اسکندریہ) حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے تھا اس نے دارا کو قتل کیا اور شاہان فارس کو ذلیل کیا اس کے بعد حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں۔

وانما نبهنا عليه لان كثيراً ممن يعتقد انهما واحد وان المذكور في القران هو الذي كان ارطاطاليس وزيره فيقع بسبب ذلك خطاء كبير و فساد عريض طويل كثير فان الاول كان عبداً مؤمناً صالحاً وملكا عادلا وكان وزيره الخضر و قد كان نبياً على ما قررنا قبل هذا واما الثاني فكان مشركاً و كان وزيره فيلسوفاً وقد كان بين زمانيهما ازيد من الف سنة فان هذا من هذا لا يستويان ولا يشتبهان الا على غبي لا يعرف حقائق الامور (البدایۃ والنہایہ ۱۰۶ ج ۲)

ترجمہ.....ہم نے اس بات پر اس لیے تنبیہ کی ہے کہ بہت سے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے وہ وہی ذوالقرنین ہے جس کا وزیر ارسطو تھا اور اس کی وجہ سے بہت بڑی غلطی اور بہت بڑی خرابی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ذوالقرنین اول (جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے) وہ عبد مؤمن تھے صالح انسان تھے اور ملک عادل تھے اور ان کے وزیر حضرت خضر تھے اور خود بھی نبی تھے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کیا ہے اور دوسرا ذوالقرنین مشرک تھا اور اس کا وزیر ایک فلسفی تھا اور ان دونوں کے درمیان دو ہزار سے زائد مدت کا فصل تھا سو یہ کہاں اور وہ کہاں؟ دونوں میں ایسے ہی کوڑھ مغز آدمی کو اشتباہ ہو سکتا ہے جو حقائق الامور کو نہ جانتا ہو)

یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ ذوالقرنین کون تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے حافظ ابن کثیرؒ نے ان کے نام کے بارے میں چند اقوال نقل کئے ہیں (۱) عبداللہ بن ضحاک بن معدؒ (۲) مصعب بن عبداللہ بن قانعؒ (۳) مرزبان بن مرزبہ (۴) صعب بن ذی مرائدؒ (۵) ہرمسؒ (۶) ہردیس، پھر لکھا ہے کہ وہ سام بن نوح کی نسل میں سے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ یمنی حمیر میں سے تھے۔ چونکہ قرآن مجید میں ان کا لقب ہی ذکر کیا ہے نام اور نسل کا تذکرہ نہیں فرمایا اس لیے اتنا زیادہ اختلاف ہوا اور اصل مقصود میں اس اختلاف سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

حافظ ابن کثیر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے اور اسحٰق بن بشر سے نقل کیا ہے کہ ان کے وزیر اور مشیر حضرت خضر علیہ السلام ان کے لشکر کے سب سے اگلے حصہ کے امیر تھے۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ ازرقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل کے ساتھ کعبہ مکرمہ کا طواف کیا (علیہما السلام) اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ذوالقرنین نے پیدل حج کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے آنے کا علم ہوا تو ان کا استقبال کیا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے بادل کو مسخر کر دیا تھا وہ جہاں چاہتے تھے ان کو لے جاتے

تھے۔ واللہ اعلم۔

ذوالقرنین کا لقب کیوں معروف ہوا؟ اس سوال کے جواب میں اول تو یہ سمجھنا چاہیے کہ قرنین تثنیہ ہے۔ قرن کا اور قرن عموماً سینگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور سو سال کی مدت کے لیے بھی لفظ قرن کا اطلاق ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی نے ان کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے (ج ۱۶ ص ۲۴ پر گیارہ قول نقل کئے ہیں اور ان کے لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ فیھما ما لا یکاد یصح (یعنی ان میں وہ باتیں ہیں جو صحیح ہونے کے قریب بھی نہیں ہیں) ان گیارہ وجوہ میں بعض باتیں دل کو لگتی ہیں ایک تو یہ کہ ان کے زمانہ سلطنت میں دو قرنیں ختم ہوگئی تھیں یعنی دو سو سال سے زیادہ ان کی حکومت رہی۔ دوسرا یہ کہ ان کے سر میں دو سینگ تھے جیسے بکری کے گھر ہوتے ہیں اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عمامہ استعمال کیا تاکہ انہیں چھپا کر رکھا جائے تیسرا یہ کہ ان کے تاج میں دو سینگ تھے اور چوتھا یہ کہ انہوں نے مشرق اور مغرب کا سفر کیا تھا ہر جانب کو ایک قرن سے تعبیر کیا گیا۔

مغرب کا سفر .....قریش مکہ کے سوال کرنے پر ذوالقرنین کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ذوالقرنین کو زمین میں حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان دیا تھا جو حکومت کی ضرورت پورا کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے چنانچہ وہ ایک راہ پر چل دیئے یعنی مغرب کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا سفر کرتے کرتے (درمیان شہروں کو فتح کرتے ہوئے) ایسی جگہ پر پہنچے جو آفتاب غروب ہونے کی جگہ تھی مطلب یہ ہے کہ مغرب کی جانب میں آبادی کی انتہاء پر پہنچ گئے۔ وہاں انہیں ایک سیاہ مٹی والے چشمہ میں آفتاب ڈوبتا ہوا نظر آیا۔ اس سے سمندر کا پانی مراد ہے۔ عین عربی میں چشمہ کو اور حمئۃ کالے رنگ کی کیچڑ اور دلدل کو کہا جاتا ہے صاحب روح المعانی (صفحہ ۳۲ ج ۱۶) لکھتے ہیں کہ عین حمئۃ سے یا تو کوئی ایسا چشمہ مراد ہے جو سمندر میں تھا یا اس سے سمندر ہی مراد لیا ہے اور سمندر کو عین یعنی چشمہ نام رکھنے میں کچھ حرج نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے ایک قطرہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا لیکن کالی مٹی والے چشمے میں آفتاب غروب ہوتا ہوا نظر آنا یہ بتاتا ہے کہ سمندر میں دور دراز دوسرے کنارے پر آفتاب ڈوبتا ہوا معلوم ہوا۔ کیونکہ عام محاورہ میں کیچڑ اسی مٹی کو کہا جاتا ہے جو تھوڑے پانی میں ہو۔ (اور عموماً کناروں پر پانی تھوڑا ہوتا ہے)

آفتاب حقیقت میں سمندر میں غروب نہیں ہوتا مگر سمندر سے آگے نگاہ نہ پہنچنے کی وجہ سے سمندر ہی میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا ہے جن حضرات نے سمندری سفر کئے ہیں انہوں نے بارہا پانی کے جہاز میں یہ منظر دیکھا ہوگا۔

وہاں جو پہنچے تو دیکھا کہ ایک قوم آباد ہے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اے ذوالقرنین تمہیں اختیار ہے خواہ ان کو عذاب دو یعنی ابتداءً ہی (ان کے کفر کے وجہ سے) قتل کر دو یا ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو یعنی ان کو ایمان کی دعوت دو پھر نہ مانیں تو قتل کر دینا۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو پہلے دعوت ایمان پہنچ چکی تھی وہ اس کے باوجود بھی کافر تھے اس لیے مستقل طور پر دعوت دیئے بغیر بھی قتل کرنے کا اختیار عطا فرما دیا) ذوالقرنین نے عرض کیا کہ ہم پہلے انہیں ایمان کی دعوت دیں گے (دعوت دینے کے بعد) جس شخص نے ظلم کی راہ اختیار کی یعنی کفر پر ہی برقرار رہا تو ہم اسے سزا دیں گے (قتل کریں گے یا اور کوئی صورت اختیار کریں اور یہ سزا دنیاوی ہوگی) پھر جب وہ اپنے رب کے پاس واپس لوٹایا جائے گا یعنی موت کے بعد بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوگا تو وہ اسے بڑی سزا دے گا اور جو شخص دعوت حق کو قبول کرے گا اور ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو آخرت میں اس کے لیے ایمان و عمل کے بدلہ بھلائی ملے گی (یعنی جنت میں داخل ہوگا کما فی سورۃ یونس لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ) اور ہم بھی اپنے برتاؤ میں اس کو آسان بات کہیں گے یعنی ہماری طرف سے اس پر کوئی عملی یا زبانی سختی نہ ہوگی۔

مشرق کا سفر .....ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا مغرب کے سفر کے بعد ذوالقرنین نے مشرق کے ممالک کا رخ کیا اور مشرقی جانب کی راہ پر چل دیئے۔ چلتے چلتے جب ایسی جگہ پہنچے جہاں آفتاب طلوع ہونے کی جگہ تھی (یعنی جانب مشرق میں آبادی کی انتہاء پر پہنچ گئے) تو دیکھا کہ سورج ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے کہ آفتاب کے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ نے کوئی آڑ نہیں رکھی یعنی یہ قوم ایسی تھی جو دھوپ سے بچنے کے لیے کوئی مکان یا خیمہ نہیں بناتے تھے، کھلے میدان میں رہتے تھے (ممکن ہے کہ ان کے یہاں دھوپ کی تیزی زیادہ نہ ہوتی ہو اور دھوپ میں رہنے کی عادت پڑ گئی ہو، جیسے جنگلی جانور اسی دھوپ میں گزارہ کرتے ہیں اور رہتے سہتے ہیں) اور بارش بھی کم ہوتی ہو اور تھوڑی بہت بارش ہونے پر درختوں کے نیچے پناہ لے لیتے ہوں۔

كَذٰلِكَ یہ قصہ اسی طرح ہے واقعی ہے وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ سامان وغیرہ تھا اور ان کو جو حالات پیش آئے ہم کو اس کی پوری خبر ہے۔

حضرت ذوالقرنین نے جس قوم کو مشرق کے آخری حصے میں پایا قرآن مجید میں ان کے بارے میں یہ نہیں بتایا کہ وہ مؤمن تھے یا کافر، اور نہ یہ بتایا کہ ان کے ساتھ ذوالقرنین نے کیا معاملہ کیا۔ اگر یہ لوگ کافر تھے تو بظاہر وہی معاملہ کیا ہوگا جو مغرب کی جانب رہنے والوں کے ساتھ کیا۔ واللہ اعلم۔

تیسرا سفر.....ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا جانب مشرق میں مطلع الشمس میں رہنے والی قوم سے فارغ ہو کر ذوالقرنین آگے بڑھے، چلتے چلتے ایسے مقام پر پہنچے جو دو پہاڑوں کے درمیان تھی۔ (یہ بین السدین کا ترجمہ ہے۔ اور سدین سے دو پہاڑ مراد ہیں اس کے درمیان خالی جگہ تھی۔ ان دونوں کے درمیانی درہ جہاں یاجوج یا ماجوج حملہ آور ہوئے تھے)

ان پہاڑوں سے ورے ایک ایسی قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی۔ (ذوالقرنین کی زبان تو کیا سمجھتے یہ تو لغت جاننے کی بات ہے سمجھ بوجھ بھی بس یونہی تھوڑی بہت تھی لیکن دشمنوں کی وجہ سے پریشان بہت زیادہ تھے)

یاجوج ماجوج سے حفاظت کے لیے دیوار کی تعمیر .....ذوالقرنین کا اقتدار دیکھتے ہوئے اپنی مصیبت سے چھٹکارہ کے لیے (اشارہ وغیرہ کے ذریعہ) انہوں نے عرض کیا کہ اے ذوالقرنین یاجوج ماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں (گھاٹی کے اس طرف رہتے ہیں یہ لوگ ہم پر حملہ آور ہو کر قتل و غارت گری کرتے ہیں اور ہم ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے) سو کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم آپ کے لیے چندہ کر کے مال جمع کر دیں اور اس شرط پر آپ کو دے دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان روکنے والی ایک آڑ بنا دیں۔ (تاکہ وہ ہماری طرف نہ آسکیں)

دیوار کو کس طرح اور کس چیز سے بنایا گیا.....ذوالقرنین نے جواب دیا کہ مال جمع کرنے کی ضرورت نہیں مجھے میرے رب نے جو اختیار و اقتدار عطا فرمایا ہے جس میں مالی تصرفات بھی شامل ہیں وہ بہتر ہیں، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں کی طاقت یعنی محنت و ہمت کے ذریعہ میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ بنا دوں گا۔ تم ایسا کرو کہ لوہے کے ٹکڑے لاؤ (چنانچہ ٹکڑے لائے گئے اور ان کو اینٹوں کی جگہ استعمال کیا اور اس طرح ان کی چنائی کی کہ ان کے درمیان لکڑی اور کوئلے رکھتے چلے گئے) یہاں تک کہ جب پہاڑوں کے درمیان والے خالی حصے کو پہاڑوں کے برابر کر دیا تو حکم دیا کہ اب دھونکو (صاحب جلالین لکھتے ہیں کہ پھونکنے کے آلات رکھ دیئے گئے اور چاروں طرف آگ جلا دی گئی) چنانچہ ان لوگوں نے دھونکنا شروع کیا اور اتنا دھونکا اتنا دھونکا کہ وہ لوہا آگ بن گیا۔ (اندر کی لکڑیاں اور کوئلہ تو جل گیا اور لوہے کے ٹکڑے آگ کی طرح لال ہو کر آپس میں جڑ گئے مضبوط دیوار کے لیے تو یہی کافی تھا لیکن

انہوں نے مزید مضبوطی کے لیے یہ کیا کہ تانبا طلب کیا اور ان لوگوں سے فرمایا کہ میرے پاس تانبا لے آؤ تا کہ میں تانبا کو اس پر ڈال دوں، چنانچہ پگھلا ہوا تانبا اس لوہے پر ڈال دیا جو خوب زیادہ گرم تھا اول تو وہ خود ہی آپس میں مل کر جام ہو چکا تھا پھر اس کے اوپر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا گیا جو لوہے کے ٹکڑوں کے اندر بچی کچھی جگہوں میں داخل ہو گیا۔ اور اس طرح سے ایک مضبوط دیوار بن گئی۔ اس دیوار کی بلندی اور چکنے پن کی وجہ سے یاجوج ماجوج نہ اس پر چڑھ سکے اور نہ اس میں نقب لگا سکے۔ جب ذوالقرنین دیوار بنا کر فارغ ہوئے تو کہنے لگے۔ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ کہ یہ میرے رب کی طرف سے بڑی رحمت ہے اور اس دیوار کا تیار ہو جانا مجھ پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے مجھے اس نے اس کام میں لگایا اور ان لوگوں کے لیے رحمت ہے جن کو یاجوج ماجوج دکھ دیتے تھے اور غارت گری کرتے تھے اب دیوار کے ادھر رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یاجوج ماجوج سے محفوظ فرما دیا۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ (سو جب میرے رب کا وعدہ آپہنچے گا)۔ یعنی جب اس کے فنا ہونے کا وقت موعود آجائے گا تو میرا رب اسے چورا چورا بنا دے گا وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا (اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے) یعنی اس نے جو کچھ وعدے فرمائے ہیں اور اپنی مخلوق کے بارے میں خبریں دی ہیں وہ سب سچی ہیں ان کو وقوع ہونا ہی ہونا ہے۔

اس وعدہ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے اقوال ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے وقوع قیامت مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج کا نکلنا مراد ہے جب وہ نکلیں گے تو یہ دیوار ختم ہو جائے گی، اور چورا چورا ہو کر زمین کے برابر ہو جائے گی یہ قول اس اعتبار سے زیادہ راجح ہے کہ اس کے بعد اسی آیت میں (اس قول کے مطابق) یاجوج ماجوج کے نکلنے کا ذکر ہے اور پھر اس کے بعد نفخ صور کا تذکرہ ہے۔ یاجوج ماجوج کا نکلنا قیامت کی علامت میں سے ہے۔ جیسا کہ سورۂ انبیاء کی آیت حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ سے اور احادیث شریفہ سے ثابت ہو رہا ہے یاجوج ماجوج کے نکلنے کا جن روایات حدیث میں ذکر ہے وہ انشاء اللہ ہم ابھی بیان کریں گے۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَىٕذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ اور ہم اس دن ان کو اس حال میں چھوڑ دیں گے کہ ایک دوسرے میں گھستے رہیں گے۔ (یعنی قیامت سے پہلے جب یاجوج ماجوج نکلیں گے تو ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور اسی طرح دنیا میں پھیل پڑیں گے هذا علی احد القولین وروی عن ابن عباس رضی اللہ عنهما انه اراد به الذین تقوم علیهم الساعة ای یضطربون اضطراب البحر یختلط انسهم و جنهم من شدة الهول ذکره صاحب الروح (صفحہ ۶۲ ج ۱۶)۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا اور صور پھونک دیا جائے گا سو ہم ان سب کو جمع کریں گے وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَىٕذٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ عَرْضَا (اور اس دن ہم کافروں کے سامنے دوزخ کو پیش کر دیں گے) اَلَّذِیْنَ كَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ (جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا) وَكَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا (اور وہ سن بھی نہ سکتے تھے)

چونکہ ذوالقرنین کا واقعہ قریش مکہ کے سوال پر بیان کیا گیا تھا اور یہ سوال انہیں یہودیوں نے سمجھایا تھا اور جواب ملنے پر بھی نہ مشرکین مکہ نے اسلام قبول کیا اور نہ یہود مدینہ نے اس لیے آخر میں ان کو قیامت کا دن یاد دلایا اور بتایا کہ ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کر لیں گے اور کوئی بچ کر نہ نکل سکے گا، کافر دوزخ میں جائیں گے انہوں نے اپنی آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا تھا اور حق سننے کو تیار نہ تھے اپنی قوت سامعہ اور باصرہ دونوں کو معطل کر رکھا تھا لہٰذا انہیں حق سے منہ موڑنے کی سزا ملے گی۔

قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کا نکلنا

سورۂ انبیاء کی آیت شریفہ جو ہم نے اوپر نقل کی ہے اسے دوبارہ پڑھئے اور ترجمہ ذہن نشین کیجئے۔ حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر اونچی جگہ سے جلدی جلدی نکل پڑیں گے۔

اس آیت میں قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کے نکلنے اور پھیل پڑنے کا ذکر ہے۔ صحیح مسلم صفحہ ۳۹۳ ج ۲ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ قیامت اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک کہ دس علامات کا ظہور نہ ہو جائے۔

(۱) مشرق میں لوگوں کے زمین میں دھنس جانے کا واقعہ پیش آنا۔

(۲) اسی طرح مغرب میں زمین میں دھنس جانے کا واقعہ پیش آنا۔

(۳) جزیرہ عرب میں دھنس جانے کا واقعہ پیش آنا۔

(۴) دھواں ظاہر ہونا۔

(۵) دجال کا نکلنا۔

(۶) دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔ (یہ خاص قسم کا چوپایا ہوگا جو زمین سے نکلے گا جس کا ذکر سورۂ نمل میں ہے)

(۷) یاجوج ماجوج کا نکلنا۔

(۸) پچھم کی جانب سے سورج کا نکلنا۔

(۹) عدن کے درمیان سے ایک آگ نکلنا (جو لوگوں کو ان کے محشر کی طرف جمع کرے گی)

(۱۰) عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا۔

صحیح مسلم صفحہ ۴۰۱ ج ۲ میں دجال کے قتل ہو جانے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لوگوں کے پاس پہنچ کر چہروں پر ہاتھ پھیرنے کا ذکر کرنے کے بعد یاجوج ماجوج کے نکلنے کا ذکر ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام اسی حال میں (یعنی قتل دجال کے بعد لوگوں سے ملنے جلنے میں) ہوں گے کہ ان کی طرف اللہ پاک کی وحی آئے گی کہ بے شک میں اپنے ایسے بندوں کو نکالنے والا ہوں کہ کسی کو ان سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، لہٰذا تم میرے (مؤمن) بندوں کو طور پر لے جا کر محفوظ کر دو۔ (چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو ساتھ لے کر طور پر تشریف لے جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیج دے گا۔ اور وہ بلندی سے تیزی کے ساتھ دوڑ پڑیں گے۔ (ان کی کثرت کا یہ عالم ہوگا کہ) جب اگلا گروہ بحیرہ (لفظ بحیرہ بحرہ کی تصغیر ہے اور طبریہ اردن کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے وہاں ایک نہر ہے اسی کو بحیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) صحیح مسلم میں یہ جو روایت ہے کہ یاجوج ماجوج کی جماعت کا پہلا حصہ بحیرہ طبریہ پر گزر جائے گا تو سارا پانی پی لے گا یہاں تک کہ پیچھے آنے والی انہیں میں کی جماعتوں کے لوگ اسے دیکھیں گے تو یوں کہیں گے کہ یہاں کبھی پانی تھا۔ اس سے اردن والا بحیرہ طبریہ مراد ہے۔ (علامہ یاقوت حموی نے علامہ ازہری سے نقل کیا ہے کہ یہ بحیرہ دس میل لمبا اور چھ میل چوڑا ہے) کے اس پانی پر جب ان کا اگلا گروہ گذرے گا تو تمام پانی پی جائے گا (اور اسے خشک کر دے گا) ان کے پچھلے لوگ اس تالاب پر گذریں گے تو کہیں گے کہ اس میں کبھی پانی ضرور تھا۔

اس کے بعد چلتے چلتے خمر پہاڑ تک پہنچیں گے جو بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے یہاں پہنچ کر کہیں گے ہم زمین والوں کو تو قتل کر چکے آؤ اب آسمان والوں کو قتل کریں۔ چنانچہ اپنے تیروں کو آسمان کی طرف پھینکیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ (اپنی قدرت سے) خون میں ڈوبا ہوا واپس فرما دے گا۔ (یاجوج ماجوج زمین میں شر و فساد مچا رہے ہوں گے) اور اللہ کے نبی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اپنے ساتھیوں کے ساتھ (کوہ طور پر) گھرے ہوئے ہوں گے حتی کہ (اس قدر حاجت مند ہوں گے) ان میں سے ایک شخص کے لیے بیل کی سری ان سو دیناروں سے بہتر ہوگی جو آج تم میں سے کسی کے پاس ہوں (پریشانی دور کرنے کے لئے) اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ کی جناب میں گڑگڑائیں گے (اور یاجوج ماجوج کی ہلاکت کے لئے دعا کریں گے) چنانچہ اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج پر (بکریوں اور اونٹوں کی ناک میں نکلنے والی) بیماری بھیج دے گا جسے اہل عرب نغف کہتے ہیں۔ یہ بیماری ان کی گردنوں میں نکل آئے گی اور وہ سب کے سب ایک ہی وقت میں مر جائیں گے جیسے ایک ہی شخص کو موت آئی اور سب ایسے پڑے ہوئے ہوں گے جیسے کسی جانور نے پھاڑ ڈالے ہوں، ان کے مر جانے کے بعد اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی (کوہ طور سے) اتر کر زمین پر آئیں گے اور زمین پر بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہ پائیں گے جو ان کی چربی اور بدبو سے خالی ہو، لہٰذا اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ کی جناب میں گڑگڑائیں گے اور دعا کریں گے کہ اے اللہ! ان کی چربی اور بدبو سے ہمیں محفوظ فرما دے، لہٰذا اللہ تعالیٰ بڑے بڑے پرندے بھیج دے گا جو لمبے لمبے اونٹوں کی گردنوں کے برابر ہوں گے یہ پرندے یاجوج ماجوج کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا پھینک دیں گے پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیج دے گا جس سے کوئی مٹی کا گھر اور کوئی خیمہ نہ بچے گا اور بارش ساری زمین کو دھو کر آئینہ کر طرح کر دے گی۔ (لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی آرام سے زمین پر رہنے لگیں گے اور اللہ تعالیٰ کا ان پر بڑا فضل و کرم ہوگا) اور اس وقت زمین کو (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) حکم دیا جائے گا کہ اپنے پھل اگا دے اور اپنی برکت واپس کر دے چنانچہ زمین خوب پھل اگائے گی اور وہ اپنی برکتیں باہر پھینک دے گی (جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) ایک جماعت ایک انار کو کھایا کرے گی (کیونکہ انار بہت بڑا ہوگا) اور انار کے چھلکے کی چھتری بنا کر چلا کریں گے اور دودھ میں بھی برکت دے دی جائے گی حتی کہ ایک اونٹنی کا دودھ بہت بڑی جماعت کے (پیٹ بھرنے کے لیے) کافی ہوگا اور ایک گائے کا دودھ ایک بڑے قبیلے کے لیے اور ایک بکری کا دودھ ایک چھوٹے قبیلے کے لیے کافی ہوگا۔ مسلمان اسی عیش و آرام اور خیر و برکت میں زندگی گزار رہے ہوں گے کہ (قیامت بہت ہی قریب ہو جائے گی) اور چونکہ قیامت کافروں پر قائم ہوگی اس لئے) اچانک اللہ تعالیٰ ایک عمدہ ہوا بھیجے گا جو مسلمانوں کی بغلوں میں لگ کر ہر مومن اور مسلم کی روح قبض کر لے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح (سب کے سامنے بے حیائی کے ساتھ) عورتوں سے زنا کریں گے انہیں پر قیامت قائم ہوگی۔

سورۃ الانبیاء کی آیت کے سیاق اور صحیح مسلم کی احادیث سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج کا نکلنا اور دنیا میں پھیل پڑنا یہ قیامت کے قریب ہوگا۔ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوا کہ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا پھر دجال ظاہر ہوگا عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کر دیں گے اس کے بعد یاجوج ماجوج ظاہر ہوں گے۔ اس ترتیب کے خلاف جو شخص کوئی بات کہے گا وہ جھوٹا ہے۔ جب سے دنیا والوں نے تاریخ کی دنیا میں قدم رکھا ہے اور اپنے طور پر کچھ کتابیں دیکھ کر، کچھ کھدائیاں کر کے، اور جو کچھ یہودیوں کی کتابیں پڑھ کر اور کچھ سنی ہوئی باتوں پر ایمان لا کر تاریخ پر کتابیں لکھ دی ہیں اس وقت سے لوگ کچھ ایسی باتیں کہنے لگے ہیں کہ یاجوج ماجوج کا خروج ہو چکا ہے یہ لوگ تاتاریوں اور مغربی اقوام کو یاجوج ماجوج کہنے لگے ہیں بلاشبہ تاتاریوں کا فتنہ بہت بڑا فتنہ تھا اور یورپین اقوام نے جو افریقہ اور ایشیا کے مختلف ممالک پر قبضہ کرنے کے لیے خون کے دریا بہائے ہیں اور اب آئینی اور قانونی رنگ میں فساد برپا کر رہے ہیں ان کا فتنہ بھی بہت

بڑا ہے ممکن ہے ان میں سے کچھ لوگ یاجوج ماجوج میں سے ہوں کیونکہ بعض علمائے سلف نے ان کے بہت سے قبیلے بتائے ہیں۔ وفی عبدالرزاق عن قتادۃ ان یاجوج ماجوج اثنتان و عشرون قبیلۃ بنی ذوالقرنین السد علی احدی و عشرین و کانت واحدۃ منھم حارجۃ للغرو فبقیت خارجہ و سمیت الترک لذالک و قیل یاجوج من الترک وماجوج من الدیلم (یعنی یاجوج ماجوج کے بارہ قبیلے ہیں جن میں سے اکیس کے گرد ذوالقرنین نے دیوار قائم کی جبکہ ایک قبیلہ لڑائی کے سلسلہ میں نکلا ہوا تھا چنانچہ وہ قبیلہ دیوار سے باہر ہی رہ گیا ترکوں کو ترک اسی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یاجوج کا تعلق ترک سے تھا اور ماجوج کا دیلم سے) (روح المعانی ص ۳۸ ج ۱۶) لیکن وہ خروج جس کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے ابھی نہیں ہوا وہ قرب قیامت ہوگا۔ قرب قیامت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ قیامت کے بالکل ہی قریب کسی علامت کا ظہور ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس وقت سے پہلے ہوا بھی یعنی قیامت کے واقع ہونے میں دیر ہو۔ علامات قیامت تو عرصہ دراز سے شروع ہیں خود آنحضرت ﷺ کی بعثت بھی قیامت آنے کی خبر دیتی ہے آپؐ نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے اور آپ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر بتایا۔ (مشکوۃ مصابیح صفحہ ۴۸۰) اور آپؐ کے بعد بھی بہت ساری نشانیاں ظاہر ہو چکی ہیں اور ظاہر ہو رہی ہیں یاجوج ماجوج کا خروج بہت دیر میں ہوگا جیسا کہ دنیا کے احوال بتا رہے ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج جب نکلیں گے تو ان کا اول حصہ بحیرہ طبریہ کا سارا پانی پی جائے گا۔ اور وہ لوگ پر بھی تیر پھینکیں گے اور پھر وہ نعف بیماری بھیج کر ہلاک کر دیئے جائیں گے اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ ﷺ دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ امن وامان سے رہیں گے اور زمین اپنی برکتیں اگلا دے گی پھلوں میں اور دودھ میں خوب زیادہ برکت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں ابھی وجود میں نہیں آئیں لہٰذا یاجوج ماجوج کا وہ ظہور بھی ابھی نہیں ہوا جس کا ذکر قیامت کی قریب ترین علامتوں کے ذیل میں کیا گیا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے شب معراج میں حضرت عیسیٰ ﷺ نے بیان کیا کہ یاجوج ماجوج کی ہلاکت کے بعد ان کی لاشوں کو سمندر میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اس کے قریب ہی قیامت آنے والی ہوگی۔ فعھد الی متی کان ذالک کانت الساعۃ من الناس کالحامل التی لا یدری اھلھا متی تفجوھم بولا دتھا (سس ابن ماجہ فتنۃ الدجال و خروج عیسی بن مریم و خروج یاجوج وماجوج) (مجھے بتایا گیا ہے کہ جب ایسا ہوگا لوگوں سے قیامت ایسے قریب ہوگی جیسے کوئی حمل والی عورت ہو جس کے دن پورے ہو چکے ہوں پتہ نہیں کہ وہ کب اچانک بچہ جن دے)

قال صاحب مصباح الرجاجۃ لھذا اسناد صحیح ورجالہ ثقات (صفحہ ۲۰۲ ج ۴)

یاجوج ماجوج کی تعداد۔ ..... پھر صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج کی تعداد بہت زیادہ ہے اس تعداد کے حساب سے بھی ان لوگوں کا خروج ابھی نہیں ہوا۔ امام بخاریؒ نے باب قصہ یاجوج ماجوج کے عنوان سے باب قائم کیا ہے جس میں سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء کی آیت لکھنے کے بعد تین حدیثیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ حدیث ہے کہ قیامت کے دن آدم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ (اپنی ذریت میں سے) دوزخ کا حصہ نکالو۔ وہ عرض کریں گے کہ وہ کتنا حصہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ ہزار سے نو سو ننانوے نکالو۔ (جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم ﷺ کی ذریت میں سے ایک آدمی جنتی اور نو سو ننانوے دوزخی ہوں گے) یہ سن کر بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی کا حمل ساقط ہو جائے گا۔ (یعنی اس موقعہ پر اگر حمل والیاں ہوں تو شدت فزع اور خوف کی وجہ سے ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے) اور اے مخاطب! تو لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ بے ہوش ہیں حالانکہ وہ بے ہوش نہیں لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہزار میں جو ایک جنتی ہوگا وہ ہم میں سے کون کون ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم خوشخبری

قبول کرلو کیونکہ (تمہارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان تعداد کا تناسب یوں ہے کہ) تم میں سے ایک شخص اور یاجوج ماجوج میں سے ہزار شخص ہوں گے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۴۷۲ ج ۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج بھی حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے حدیث بالا کی شرح لکھنے کے بعد لکھا ہے۔ (کہ یہاں اس حدیث کو جو امام بخاری نے ذکر کیا ہے اس میں یاجوج ماجوج کی کثرت تعداد کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور یہ امت ان کی بنسبت ۱۰۰۰/۱ کی نسبت رکھتی ہے) ظاہر ہے کہ اتنی بڑی بھاری تعداد میں ان قوموں کا ظہور نہیں ہوا جنہیں بعض لوگ یاجوج ماجوج کے ظہور موعود کا مصداق بتا رہے ہیں۔

یاجوج ماجوج کون ہیں اور کہاں ہیں؟ مؤرخ ابن خلدون پانچویں اقلیم کے نویں حصہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس حصہ میں ترکی قبائل کے شہر ہیں جو غز کے شہروں کے پچھم میں اور کیمیا کے شہروں کے مشرق میں ہے اور مشرق کی جانب سے جبل قوقیا اس کو گھیرے ہوئے ہے جو یاجوج ماجوج کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ جزو پھٹی اقلیم کے نویں حصہ تک چلا گیا ہے اور وہیں پر سد (ذوالقرنین) ہے جیسا کہ ہم ذکر کریں گے اور اس میں سے ایک ٹکڑا باقی رہ گیا ہے جسے کوہ قوقیا نے احاطہ کر رکھا ہے جو اس جزو کے زاویہ شرقیہ شمالیہ کے قریب ہے اور جنوب کی طرف درازی میں چلا گیا اور یہ یاجوج ماجوج کے بلاد ہیں، پھر لکھا ہے کہ اسی پانچویں اقلیم کے دسویں حصہ میں یاجوج ماجوج کی سرزمین ہے جو اس سے متصل ہے (صفحہ ۷۶) پھر ساتویں اقلیم کے اجزاء بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے نویں حصہ میں غربی جانب خشناج کے بلاد ہیں اور ان کو **قفچاق** کہا جاتا ہے۔ اور اس کے درمیان میں یاجوج ماجوج کی دیوار ہے اور اسی جزو کے مشرقی کونہ میں یاجوج ماجوج کی سرزمین ہے جو سمندر کے کنارے کوہ قوقیا کے پیچھے ہے اس کا عرض کم ہے درازی زیادہ ہے۔ جبل قوقیا کا مشرق اور شمال کی جانب سے احاطہ کر رکھا ہے ابن خلدون کی تصریح سے یاجوج ماجوج کا علاقہ اور سد ذوالقرنین کا کچھ اتا پتا لگ جاتا ہے۔

سد ذوالقرنین کہاں ہیں؟ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج کے فساد اور شرارتوں اور دیگر اقوام پر حملہ کرنے کے واقعات برابر پیش آتے رہتے تھے ان کے شر سے بچنے کے لیے ایک سے زیادہ دیواریں بنائی گئیں۔ ان میں سے زیادہ مشہور دیوار چین ہے۔ اس کا بانی تغفور چین کا بادشاہ بتایا جاتا ہے۔ لیکن دیوار چین وہ دیوار نہیں ہے جو ذوالقرنین نے بنائی تھی اس کے بارے میں تو تصریح ہے کہ لوہے اور تانبے سے بنائی گئی اور دیوار چین میں یہ بات نہیں ہے۔ دوسری دیوار وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے اس کے محل وقوع کا نام دربند ہے۔ تیسری دیوار داغستان میں واقع ہے یہ دربند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے۔ چوتھی دیوار اسی داغستانی دیوار کے مغرب میں ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان ہے یہ چوتھی دیوار قفقاز یا کوہ قوقا کے قریب ہے جیسا کہ ابن خلدون کے بیان سے معلوم ہوا بعض اہل تاریخ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہی ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ جو دیوار لوہے اور تانبے کی بنی ہوئی نہیں ہے وہ بہرحال حضرت ذوالقرنین کی بنائی ہوئی نہیں ہے یاقوت حموی نے معجم البلدان میں سد یاجوج ماجوج کا عنوان قائم کیا ہے اور اس میں تین صفحات خرچ کئے ہیں اور بہت سی عجیب باتیں لکھی ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ واثق باللہ نے سلام کو اور پچاس آدمیوں کو اس کے ہمراہ بھیجا اور پچاس ہزار دینار بھی دیئے راستے میں فلک الخزر نے پانچ رہبر ساتھ کر دیئے۔ چلتے چلتے ایسی جگہ پر پہنچے جہاں ایک چکنا پہاڑ تھا اور اس کے درمیان ایک ایسی وادی کا درہ تھا جس کا چوڑاؤ ایک سو پچاس ہاتھ تھا وہاں ایک دیوار بنی ہوئی تھی اس کی اونچائی پچاس ہاتھ تھی اور وہاں ایک لوہے کا دروازہ بھی تھا جس پر قفل پڑا ہوا تھا وہاں سے یہ لوگ شہر سمرمن رای تک واپس آگئے یہ ان کا آٹھ ماہ کا سفر تھا۔ یہ ساری باتیں سننے کے بعد علامہ یاقوت لکھتے ہیں (میں نے سد ذوالقرنین

کے بارے میں وہ لکھ دیا ہے جو کتابوں میں لکھا ہوا پایا اور اس میں سے کسی چیز کے بارے میں صحیح ہونے کا یقین نہیں کرتا کیونکہ روایات مختلف ہیں اور صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ سد ذوالقرنین موجود ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے)

مفسر ابن کثیر نے بھی واثق باللہ کے بھیجے ہوئے اس وفد کا ذکر کیا ہے اور مورخ ابن خلدون نے صفحہ ۷۹ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن صاحب روح المعانی صفحہ ۴۲ ج ۱۶ فرماتے ہیں کہ ثقات المورخین علی تضعیفہ پھر لکھتے ہیں وانہ عندی کذب لمافیہ مما تابی عنہ الایۃ کما لا یخفی علی الواقف علیہ تفصیلا (میرے نزدیک یہ قصہ جھوٹ ہے کیونکہ اس میں وہ باتیں ہیں جو آیت کریمہ کی تصریح کے موافق نہیں ہیں جیسا کہ تفصیلی طور پر واقفیت رکھنے والے پر پوشیدہ نہیں) دور حاضر کے غیر مسلم مؤرخین جو یسوع مسیح کے نام سے کچھ نہ کچھ مخلوقات کی نوہ لگاتے ہیں اور جتنا معلوم ہو جائے اس کے علاوہ باقی کی نفی کر دیتے ہیں یہ ان لوگوں کی جہالت ہے ان کا یہ کہنا کہ ہم بر اور بحر میں سب جگہ پھر چکے ہیں یہ دیوار نہیں ملی اس سے دیوار مذکور کا موجود نہ ہونا لازم نہیں آتا یہ ان لوگوں کا عدم العلم ہے جو علم العدم کو مستلزم نہیں۔ ہر جگہ پہنچ جانے کا دعویٰ ہی ناقابل قبول ہے امریکہ آسٹریلیا کے ظاہر ہونے سے پہلے انسان یہی سمجھتا تھا کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے علاوہ کوئی براعظم نہیں ہے۔ پھر خطی سے کولمبس امریکہ کے کنارے پر پہنچ گیا تو اسے ہندوستان سمجھ کر اترا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ہندوستان نہیں بلکہ یہ ایک مستقل براعظم ہے پھر عرصہ دراز کے بعد آسٹریلیا کا ظہور ہوا اسی طرح سے یاجوج ماجوج کا علاقہ اور دیوار ذوالقرنین کا ان مفتشین کو علم نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان کا وجود ہی نہیں ہے۔

دیوار مذکور کہاں ہے اور یاجوج ماجوج کا کون سا علاقہ ہے اس کے جاننے پر کوئی اسلامی عقیدہ موقوف نہیں اور قرآن کی کسی آیت کا سمجھنا بھی اس پر موقوف نہیں ہے مؤمن کا کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خبر پر ایمان لائے۔

(واللہ الھادی الی سبیل الرشاد)

یاجوج ماجوج غیر عربی کلمات ہیں..... یاجوج ماجوج کے بارے میں صاحب روح المعانی اور دیگر مفسرین مورخین نے لکھا ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد میں سے ہیں، لفظ یاجوج ماجوج کیا ہے؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض محققین کا فرمانا ہے کہ وہ قفقاز کے پیچھے یہ دونوں قبیلے رہتے ہیں ایک کا نام اقوق اور دوسرے کا نام ماقوق ہے۔ اہل عرب نے اس کو معرب کر لیا ہے پہلے لفظ کو یاجوج اور دوسرے لفظ کو ماجوج بنا لیا ہے اصل عجمی لفظ کیا تھا اس بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ کسی نے گاگ اور میگاگ کا معرب بتایا ہے اور کسی نے کہا ہے کہ گاس اور میگاس کا معرب ہے، کسی نے جین اور ماجین اصل لفظ بتایا ہے۔ جو بھی صورت حاصل ہوا اتنا تو واضح ہے کہ یہ دونوں کلمات معرب ہیں عربی نہیں ہیں ان میں جو عدم انصراف ہے وہ عجمیت اور علم کی وجہ سے ہے۔ اور یہ جو بعض مورخین نے احتمال پیدا کیا ہے کہ یہ اج اور نج سے مشتق ہیں یہ نکتہ بعد الوقوع معلوم ہوتا ہے جو لوگ ان دونوں کلمات کے عربی ہونے کے قائل ہیں جب ان کے سامنے غیر منصرف ہونے کا سوال آیا تو انہوں نے علمیت اور تانیث دو سبب مان لیے اور یوں فرما دیا کہ تانیث قبیلہ کے اعتبار سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فائدہ..... صحیح بخاری کی حدیث سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور سب سے زیادہ دوزخ میں جانے والے یہی ہیں اس پر حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں یہ اشکال کیا ہے کہ جب ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا تو وہ دوزخ میں کیسے جائیں گے پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو بھی کوئی شخص یا جماعت عذاب میں مبتلا ہوگی سب کے پاس کوئی نہ کوئی رسول ضرور بھیجا گیا ہے (البتہ اس

رسول کے معنی میں عموم ہے خواہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول پہنچا ہو خواہ اس کے رسولوں میں سے کسی کا بھیجا ہوا قاصد آیا ہو) اور کسی جگہ رسول کا پہنچنا یا ان کے کسی قاصد کا پہنچنا ہمارے علم میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کہاں کہاں ہے؟ اسے اپنی مخلوق کا علم ہے اور اپنی مخلوق پر کس طرح پر حجت قائم فرمائی ہے وہ اس کو جانتا ہے۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ۝

سو کیا پھر بھی کافروں کو یہ خیال ہے کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو کارساز بنا لیں ہم نے کافروں کے لیے دوزخ کو مہمانی کے طور پر تیار کر رکھا ہے،

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ

آپ فرما دیجئے کیا ہم تمہیں ایسے لوگ بتادیں جو عمل کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیوی زندگی میں ضائع ہوئی اور وہ سمجھ

يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ

رہے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا

أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا

سو ان کے عمل حبط ہو گئے سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔ یہ ان کی سزا ہوگی جہنم اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کفر کیا

وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ

اور میری آیتوں کا اور میرے رسولوں کا مذاق بنا لیا بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کی مہمانی فردوس

نُزُلًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۝

کے باغ ہیں وہاں میں ہمیشہ رہیں گے وہاں سے وہ کہیں جانا نہ چاہیں گے۔

کافر سب سے بڑے خسارہ میں ہیں، ان کی سعی بے کار ہے، اعمال حبط ہیں اور بے وزن ہیں

سورۂ کہف ختم ہونے کے قریب ہے آیات بالا میں اولاً کافروں کو ان کے کفریہ اعمال پر تنبیہ فرمائی اور آخرت میں ان کے عذاب سے باخبر کیا۔ پھر اہل ایمان کے انعامات کا تذکرہ فرمایا۔

کافروں کے بارے میں فرمایا کہ انہیں پہلے سے بتادیا گیا ہے کہ کفر کا انجام برا ہے، ان کے لئے دوزخ ہے پھر بھی کفر پر جمے ہوئے ہیں اور شرک اختیار کئے ہوئے ہیں میرے بندوں کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے اور اس کو اپنے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ کفر اور شرک کو بہتر سمجھنا حماقت اور جہالت ہے۔ کافروں کے لیے ہم نے جہنم تیار کر رکھا ہے۔ اسی سے ان کی مہمانی ہوگی۔

کافروں کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے بہت سے تو ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کے قائل نہیں اور دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں اور اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن شرک میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو دین بھیجا

ہے اسے نہیں مانتے دوسرے دینوں کو اختیار کئے ہوئے ہیں ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جو عبادت کے عنوان سے بڑی بڑی محنتیں اور ریاضتیں کرتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو دنیا پر پلے پڑے ہیں ان لوگوں کی دنیاوی محنتیں اور مذہبی ریاضتیں سب برباد ہیں یہ لوگ اعمال کے اعتبار سے بدترین خسارہ میں ہیں کیونکہ آخرت میں ان اعمال پر کچھ نہیں ملنا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ نہ صرف انعامات سے محروم ہوں گے بلکہ عذاب میں پڑیں گے اور وہ سمجھ یوں رہے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات یعنی قیامت کے دن کا انکار کیا سو ان کے سب اعمال حبط یعنی غارت ہوں گے ان پر انہیں کچھ نہیں ملے گا)

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (سو ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہ کریں گے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کے دن) بعض لوگ بڑے (اور) موٹے تازے آئیں گے جن کا وزن اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ سردار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (میری تائید کے لیے) تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (صحیح بخاری صفحہ ۶۹۱ ج ۲) حضرات علماء کرام نے اس کا ایک مطلب تو یہ بتایا ہے کہ ان لوگوں کا اللہ کے ہاں کوئی قدر و منزلت نہ ہوگی، اور بعض حضرات نے یہ مطلب بتایا ہے کہ ان کے لیے ترازو ہی نصب نہیں کی جائے گی۔ یعنی ان لوگوں کے اعمال تولے ہی نہیں جائیں گے اور کافر دوزخ میں بغیر حساب چلے جائیں گے، اعمال ان کے تولے جائیں گے جو کامل مؤمن تھے اور جو ریاکار اور منافق تھے، وزن اعمال کے بارے میں مفسرین کے اقوال ہم سورۂ اعراف کی آیت وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ کی تفسیر میں لکھ آئے ہیں مراجعت کر لی جائے۔

حدیث شریف میں لفظ العظیم السمین وارد ہوا ہے اس کا ظاہری ترجمہ تو وہی ہے جو ظاہر الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ بڑے اور موٹے تازے لوگ آئیں گے جن کا وزن اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ اس میں جو لفظ العظیم ہے اس سے دنیاوی پوزیشن اور عہدہ اور مرتبہ مراد ہے بڑے بڑے عہدوں والے، بادشاہ صدر، مالدار، جاگیردار والے میدان قیامت میں آئیں گے وہاں ان کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگی۔

صدر صاحب دنیا سے سدھارے، منصف صاحب اپنی زندگی سے ہارے، وزیر صاحب چل بسے۔ لوگ کوٹھیوں پر جمع ہیں، نعش پر ہوائی جہاز سے پھول برسائے جا رہے ہیں۔ اخبارات میں سیاہ کالم چھپ رہے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی سے موت کی خبریں نشر ہو رہی ہیں لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ان کی موت بڑی قابل رشک ہے دنیا کا تو یہ حال ہے لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ مرنے والا مؤمن ہے یا کافر، صالح ہے یا فاسق و فاجر، اگر کفر پر مرا ہے تو ہمیشہ کے لیے برے دردناک عذاب میں جا رہا ہے۔ قیامت تک برزخ میں مبتلائے عذاب رہے گا۔ پھر قیامت کے دن جو پچاس ہزار سال کا ہوگا مصیبتوں میں مبتلا ہوگا۔ پھر دوزخ میں داخل ہوگا جس کی آگ دنیاوی آگ سے انہتر گنا زیادہ گرم ہے اس میں سے کبھی بھی نکلنا نہ ہوگا۔ بئس خالدین فیھا اذا اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا بھلا ایسے شخص کی موت و حیات کیسے قابل رشک ہو سکتی ہے؟ یہ ہوائی جہازوں کے پھول برزخ کے مبتلائے عذاب کو کیا نفع دیں گے؟ اور اخبارات کے اداریے نیز ٹی وی اور ریڈیو کے اعلانات کیا فائدہ مند ہوں گے؟ خوب غور کرنے کی بات ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کو نہ مانا اس کی آیتوں کا انکار کیا قیامت کے دن کی حاضری کو جھٹلایا محض دنیا کی ترقیات اور مادی کامیابی کو بڑی معراج سمجھتے رہے ہیں یہ لوگ جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو کفر اور حب دنیا اور دنیا کی کوششیں ہی ان کے اعمال ناموں میں ہوں گی، وہاں یہ چیزیں بے وزن ہوں گی اور دوزخ میں جانا پڑے

گا۔اس وقت آنکھیں کھلیں گی اور سمجھ لیں گے کہ سراسر ناکام رہے۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین و کفار جو دنیا کی زندگی میں اپنے خیال میں نیک کام کرتے ہیں مثلاً پانی پلانے کے لیے جگہ کا انتظام کرتے ہیں اور مجبور کی مدد کرتے ہیں یا اللہ کے ناموں کا ورد رکھتے ہیں الی غیر ذلک اس قسم کے کام نجات نہ دلائیں گے۔ ہندوؤں کے سادھو جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں اور مجاہدہ کر کے نفس کو مارتے ہیں اور نصاریٰ کے راہب اور پادری جو نیکی کے خیال سے شادی نہیں کرتے ان کے تمام افعال بے سود ہیں آخرت میں کفر کی وجہ سے کچھ نہ پائیں گے۔ کافر کی نیکیاں مردود ہیں، وہ قیامت کے روز نیکیوں سے خالی ہاتھ ہوں گے۔

سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہے مثل الذین کفروا بربھم اعمالھم کرماد اشتدت بہ الریح فی یوم عاصف ط لا یقدرون مما کسبوا علی شیء ذلک ھو الضلل البعید (یعنی کافروں کو اگر اپنی نجات کے متعلق یہ خیال ہو کہ ہمارے اعمال ہم کو نفع دیں گے تو اس کے متعلق سن لیں کہ جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کی حالت ایسی ہے جیسے کچھ راکھ ہو جسے تیز آندھی کے دن تیزی کے ساتھ ہوا اڑا لے جائے۔ (کہ اس صورت میں اس راکھ کا نام و نشان نہ رہے گا) اسی طرح ان لوگوں نے جو عمل کئے تھے ان کا کوئی حصہ ان کو حاصل نہ ہوگا (بلکہ راکھ کی طرح سب ضائع و برباد ہو جائیں گے اور کفر و معاصی ہی قیامت کے روز ساتھ ہوں گے) یہ بڑے دور دراز کی گمراہی ہے (کہ گمان تو یہ ہے کہ ہمارے عمل نافع ہوں گے اور پھر ضرورت کے وقت کچھ کام بھی نہ آئیں گے)

ذلک جزآؤھم جھنم بما کفروا واتخذوا اٰیاتی ورسلی ھزوا (یہ ان کی سزا ہے یعنی دوزخ جو ان کے کفر کی وجہ سے ہے) انہوں نے دین حق قبول نہیں کیا اور کفر میں مزید ترقی کر گئے (کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا اور اس کے رسولوں کا مذاق بنایا)

ایمان اور اعمال صالحہ والے جنت الفردوس میں ہوں گے..... کافروں کی سزا بتانے کے بعد اہل ایمان کے انعامات کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات کانت لھم جنٰت الفردوس نزلا (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کی مہمانی فردوس کے باغات ہوں گے) لفظ جنات، جنت کی جمع ہے عربی زبان میں باغ کو کہتے ہیں اور فردوس کے بارے میں علماء تفسیر کے متعدد اقوال ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ وہ رومی یا عبرانی زبان میں باغ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حبشی زبان میں فردوس گھنے باغ کو کہتے ہیں جس میں درخت خوب زیادہ ہوں اور آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں۔ یہ اقوال روح المعانی صفحہ ۵۰ ج ۱۶ میں نقل کئے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا اعلیٰ حصہ ہے اور اس پر رحمٰن جل جلالہٗ کا عرش ہے اور اسی سے چاروں نہریں نکلتی ہیں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۴۰۹ ج ۱) معلوم ہوا کہ فردوس جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اس پر صاحب روح المعانیؒ نے یہ اشکال کیا ہے کہ اہل ایمان کے درجات مختلف ہوں گے اگر سبھی فردوس میں چلے جائیں تو فرق مراتب ہی کیا رہا۔ پھر اس کے تین جواب دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ بہت ساری جنتوں میں ایک جنت الفردوس بھی ہے۔ اور جنت کی اضافت جو الفردوس کی طرف ہے یہ ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے (کیونکہ سبھی جنتیں ایک دوسرے سے متصل ہیں اور سب سے اوپر جنت الفردوس ہے اور اضافت کے لیے اتنا تعلق اور ملابست کافی ہے) لیکن صاحب بیان القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے اشکال کو رفع کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ لفظ فردوس سے مطلق جنت یعنی بہشت مراد ہے۔ اور جنات باغوں کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس بہشت کا اہل ایمان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ اس بہشت کے باغوں میں ہوں گے۔ یہ مفہوم لینے سے جنات

الفردوس بہشت کے تمام درجات کو شامل ہو جاتا ہے اور اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا اہل ایمان اعمال صالحہ والے مذکور جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہاں سے کہیں جانا نہ چاہیں گے کیونکہ اس سے بہتر کہیں بھی کوئی جگہ بھی نہ ہوگی اور وہاں سے نکالے بھی نہ جائیں گے۔ سورۂ حجر میں فرمایا ہے لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ (نہ انہیں وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے)۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ

آپ فرما دیجئے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے روشنائی ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے۔ اگرچہ

جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ

ہم اس سمندر میں بڑھانے کے لیے اسی جیسا اور سمندر لے آئیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تو تمہاری ہی جیسا بشر ہوں تمہاری طرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو

كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۠ ع ۱۲

جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کے اوصاف اور کمالات غیر متناہی ہیں

سورت کے ختم پر توحید اور رسالت اور معاد کا اجمالی تذکرہ فرمایا اور ایسے کاموں کی ترغیب دی جو آخرت میں مفید اور کامیابی کا ذریعہ ہوں گے۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کے اوصاف اور کمالات بے انتہا ہیں اگر ان کلمات کو لکھنے کے لیے ایک سمندر کو روشنائی کی جگہ استعمال کیا جائے تو ان اوصاف و کمالات کا بیان ختم نہ ہوگا ایک سمندر کے ساتھ اگر ایک اور سمندر بھی ملا لیا جائے اور اس کو بھی بطور روشنائی استعمال کیا جائے تب بھی اس کے اوصاف الٰہیہ اور کمالات غیر متناہیہ ختم نہ ہوں گے۔ حتی کہ اگر ساتوں سمندروں کو بھی روشنائی کی جگہ استعمال کر لیا جائے اور دنیا میں جتنے بھی درخت ہیں ان سب کے قلم بنا لیے جائیں اور ایک سمندر میں ساتوں سمندر ملا دیئے جائیں تو ان قلموں سے اور ان سمندروں کی روشنائی سے اللہ جل شانہٗ کے کمالات و اوصاف کا احاطہ نہیں ہو سکے گا۔ (کما قال تعالیٰ فی سورۃ لقمان وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ (الایۃ) اور یہ سات سمندر بھی بطور فرض کے ہیں غیر متناہی اقلام اور غیر متناہی سمندر ہوں تب بھی خالق کائنات جل مجدہٗ کے اوصاف و کمالات کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ متناہی غیر متناہی کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔

اس مضمون میں اللہ جل شانہٗ کی توحید بیان فرمائی جب اللہ تعالیٰ کے اوصاف اور کمالات غیر متناہی ہیں اور کسی وصف میں اس کا کوئی شریک نہیں تو اس کے سوا کسی دوسرے کو معبود بنانا سراپا عقل کے خلاف ہے۔

بشریت رسالت و نبوت کے منافی نہیں..... پھر فرمایا قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ آپ فرما دیجئے کہ میں تمہارا ہی جیسا بشر ہوں (کوئی فرشتہ نہیں ہوں تم ہی میں رہتا سہتا ہوں کوئی ایسی بات نہیں کہتا جس سے تمہیں وحشت ہو) البتہ یہ بات ضرور کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ پاک کی طرف سے وحی آتی ہے۔ جس میں مجھے یہ بتایا گیا ہے اور تمہیں بھی بتاتا ہوں کہ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے۔ یہ بات کوئی ناراض ہونے متنفر ہونے کی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت سے سرفراز فرما دیا اور میرے ذریعہ تمہیں بھی بتا دیا کہ صرف معبود حقیقی کی عبادت کرو (اس میں توحید و رسالت دونوں کا اثبات ہے)

جسے اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہو وہ نیک کام کرے
اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے

پھر فرمایا فمن کان یرجوا لقآء ربہ فلیعمل عملا صالحا سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا محبوب مقرب بن کر میدان قیامت میں حاضر ہو تو نیک کام کرے جس میں سارے نبیوں اور خاص کر خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لانا اور ان کی شریعت کے مطابق عمل کرنا بھی شامل ہے۔ ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا (اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے) مشرک اور کافر کی نجات نہیں وہ اپنے خیال میں جیسے ہی نیک کام کرے اس آخری آیت میں وقوع قیامت کے عقیدہ کی بھی تحقیق فرما دی اور یہ بھی بتا دیا کہ وہاں وہ اعمال صالحہ کام دیں گے جن میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔

والحمد للہ علی ان تم تفسیر سورۃ الکھف بحمداللہ تعالی وحسن توفیقہ فی العشر الاواخر من شوال المکرم ۱۴۱۴ھ من ھجرۃ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم والحمد للہ اولا و اخرا وظاھرا وباطنا

☆☆☆ .. ☆☆☆

مکی	سورۂ مریم	۹۸ آیتیں ۶ رکوع

آیاتہا ۹۸ (۱۹) سُوْرَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ (۴۴) رکوعاتہا ۶

سورۂ مریم مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھانوے آیات اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ سے نام سے ہے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ

کٓھٰیٰعٓصٓ یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر فرمائی۔ جب کہ اس نے اپنے رب کو پوشیدہ طریقہ پر پکارا عرض کیا کہ اے میرے رب میری

وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ

ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور میرے سر میں بڑھاپے کی وجہ سے سفیدی پھیل گئی اور میں آپ سے دعا مانگنے میں کبھی ناکام نہیں رہا اور بڑھاپہ مجھے پہنچنے

خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ

بعد اپنے رشتہ داروں سے اندیشہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک ولی عطا فرما دیجئے جو میرا وارث بنے اور

مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ

یعقوب کی اولاد کا بھی، اور اے رب آپ اسے پسندیدہ بنا دیجئے۔ اے زکریا بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں اسکا نام یحییٰ ہے۔ ہم نے اس سے پہلے

لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ

کسی کو ہم نام نہیں بنایا۔ عرض کیا اے میرے رب میرے لڑکا کہاں سے ہوگا اور حال یہ ہے کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے انتہائی

مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ

درجہ کو پہنچ چکا ہوں فرمایا یوں ہی ہوگا، تمہارے رب کا فرمان ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور میں نے تمہیں اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ تم کچھ بھی

شَيْـًٔا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ

نہ تھے۔ عرض کیا اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے۔ فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین رات بات نہ کر سکو گے۔ حالانکہ تم

عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ

تندرست رہو گے۔ سو وہ محراب سے اپنی قوم پر نکلے پس وحی بھیجی ان کی طرف یہ کہ تسبیح بیان کرو صبح اور شام۔ اے یحییٰ لے کتاب کو مضبوطی سے

وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَ

اور ہم نے انہیں بچپن میں حکم دیا اور ان کو اپنے پاس سے رقت قلبی کی صفت عطا فرمائی اور وہ پرہیزگار تھے اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے تھے

لَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ ع

اور وہ سرکشی کرنے والے نافرمانی کرنے والے نہ تھے اور ان پر سلام ہو جس دن پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

بیٹے کے لیے زکریا علیہ السلام کی دعا اور یحییٰ علیہ السلام کی ولادت

تفسیر: حضرت زکریا علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے جب ان کی عمر خوب زیادہ ہوگئی بال اچھی طرح سفید ہو گئے تو یہ خیال ہوا کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتاب توریت شریف اور دینی علوم و اعمال کو کون سنبھالے گا اور ان کی تبلیغ و ترویج میں کون لگے گا؟ خاندان میں جو لوگ تھے ان سے اندیشہ تھا کہ دین کو ضائع کر دیں، چونکہ اب تک ان کے ہاں ولی ایسا لڑکا نہ تھا جو آپ سے علوم اور حکمت اور اعمال دینیہ کا وارث ہوتا لہٰذا انہوں نے اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں خفیہ طور سے دعا کی (جیسا کہ دعا کا ادب ہے) کہ اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں، سر میں خوب سفیدی آ گئی (اندازہ ہے کہ اب میرا چل چلاؤ ہے) اور میں اسی حالت میں دنیا سے چلا گیا کہ کوئی میرا دینی وارث نہیں ہے اور ساتھ ہی مجھے اپنے موالی (یعنی چچا کے بیٹوں) سے خوف ہے کہ وہ دین کو محفوظ نہ رکھیں گے تو دینی علوم و اعمال کا بچاؤ کس طرح رہے گا؟ لہٰذا آپ مجھے ایک بیٹا عنایت فرمائیے جو میرا اولی ہو وہ میرا بھی وارث ہو اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا بھی وارث ہو اور آپ اس سے راضی ہوں میرے بڑھاپے کا تو یہ حال ہے جو اوپر بیان کیا اور میری بیوی بانجھ ہے تاہم مجھے ایسا بیٹا عطا فرما ہی دیں اور ساتھ ہی یوں بھی عرض کیا کہ میں کبھی دعا کر کے محروم نہیں رہا آپ نے ہمیشہ میری دعا قبول فرمائی ہے یہ دعا بھی قبول فرمائیے اپنی میراث سے میرا شانِ نبوت اور میراث علم مراد ہے اور آل یعقوب کی میراث سے دینی سیادت مراد ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی تو تھے ہی اپنے زمانہ کے احبار کے سردار بھی تھے مطلب یہ تھا کہ علمی اور عملی سرداری جو ہمارے خاندان میں جاری ہے یہ باقی رہے۔ قال البغوی فی معالم التنزیل والمعنی انه خاف تضییع بنی عمه دین الله و تغییر احکامه علی ما کان شاهده من بنی اسرائیل من تبدیل الدین وقتل الانبیاء فسال ربه ولدًا صالحا یأمنه علی امته ویرث نبوته وعمله لئلا یضیع الدین اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور بشارت دے دی کہ ہم تمہیں ایسا لڑکا دیں گے جس کا نام یحییٰ ہوگا اور اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام پیدا نہیں کیا۔ لم نجعل له من قبل سمیًا کا ترجمہ بعض مفسرین نے تسبیها و مثیلا کیا ہے کہ اس سے پہلے ہم نے اس جیسا لڑکا پیدا نہیں کیا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے اس سے سید اور حصور ہونا مراد ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ذکر ہے۔

بیٹے کی بشارت پر تعجب کرنا..... جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دے دی اور بیٹے کا نام بھی بتا دیا تو عرض کیا اے میرے رب میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا میری بیوی بانجھ ہے اور میرا بڑھاپا انتہا درجہ کو پہنچ چکا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ جانتے ہوئے کہ میں بہت بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی دعا مانگی تھی پھر جب

دعا قبول ہوگئی تو اب تعجب کیوں کر رہے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرات مفسرین کرام نے کئی باتیں کہی ہیں اول تو یہ کہ ان کا سوال حصول ولد کی کیفیت سے تھا کہ مجھے اسی عورت سے اولاد عطا ہوگی یا دوسری کوئی جوان عورت سے نکاح کرنا ہوگا، دوم یہ کہ یہ تعجب بشریت کے فطری تقاضے کے اعتبار سے ان کی زبان سے ظاہر ہوگیا قدرت الٰہی کو کامل جانتے ہوئے بھی اس قسم کے مواقع پر انسان کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں۔ سوم بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ غایت اشتیاق کی وجہ سے انہوں نے سوال کرلیا تاکہ خدائے پاک کی طرف سے دوبارہ بشارت کا اعادہ ہو اور قلبی لذت میں اضافہ ہو جائے۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے یہاں بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ صورت حال اس طرح سے ہے تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کَذٰلِكَ یہ بات اسی طرح ہے یعنی واقعی تمہارے یہاں بیٹا ہوگا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے یہ میرے لئے آسان ہے کہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے اولاد پیدا کردوں تم یہ بھی خیال کرلو کہ میں نے تمہیں پیدا کیا جبکہ تم کچھ بھی نہیں تھے، جس طرح تمہیں عدم سے وجود بخش دیا تو اب تم سے اولاد پیدا کردینا یہ کون سی تعجب کی بات ہے؟ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے لئے کوئی ایسی نشانی مقرر فرمادیجئے جس سے مجھے پتہ چل جائے کہ میری بیوی کو استقرار حمل ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے لئے یہ نشانی مقرر فرمادی کہ تم اچھے خاصے ٹھیک تندرست ہوتے ہوئے (نہ مریض ہوگے نہ گونگے ہوگے) تین دن تین رات تک کسی سے بات نہیں کرسکو گے تین رات کا ذکر تو یہاں سورۂ مریم میں ہے اور تین دن کا ذکر سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے وہاں اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا فرمایا ہے یعنی زبان سے تو نہیں اشارہ سے بات کرسکو گے ہاتھ یا سر کا اشارہ کرنے پر تو قدرت ہوگی لیکن زبان سے بات نہ کرسکو گے۔ سورۂ آل عمران میں یہ بھی ہے کہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے بات نہ کرسکو گے البتہ اللہ کے ذکر پر قدرت ہوگی اللہ کو کثرت کے ساتھ یاد کرنا اور صبح شام اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صبح شام سے اوقات نماز کی پابندی مراد ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ صبح شام کنایہ ہے جمیع اوقات سے یعنی ہر وقت اللہ کی تسبیح میں مشغول رہو۔

سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کہ ہم نے زکریا کی دعا قبول کی اور ان کو یحییٰ (بیٹا) عطا فرمادیا اور اس کی بیوی کو درست کردیا یعنی ولادت کے قابل بنادیا اللہ تعالیٰ خالق الاسباب اور خالق المسببات ہے وہ اسباب بھی پیدا فرماتا ہے اور اسباب کے بغیر بھی اسے ہر چیز کی تخلیق پر قدرت ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا سو زکریا علیہ السلام اپنی قوم پر نکلے یعنی محراب سے باہر آئے عام طور سے نمازی ان کے انتظار میں رہتے تھے جب وہ دروازہ کھولتے تو اندر داخل ہو جاتے اور ان کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے اور روزانہ صبح شام ایسا ہوتا تھا اپنی بیوی کے استقرار حمل کے بعد حسب عادت محراب کا دروازہ کھولا تو لوگ موجود تھے وہ حسب سابق اندر داخل ہوگئے آج صورت حال مختلف تھی کہ حضرت زکریا علیہ السلام کلام نہیں کرسکتے تھے۔ بولنے پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے اشارہ فرمادیا کہ صبح شام حسب سابق نماز پڑھتے رہو۔ (معالم التنزیل صفحہ ۱۹۰ جلد ۳)

لفظ محراب سے اپنے زمانہ کی معروف محراب مراد نہیں ہے مطلق نماز کی جگہ یا حجرہ مراد ہے اس لئے بعض اکابر نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ وہ اپنے حجرہ سے نکلے اور یہ ترجمہ سورہ آل عمران کی آیت كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ کے مطابق ہے اور دوسرا ترجمہ یعنی نماز کی جگہ آل عمران کی دوسری آیت فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ کے موافق ہے لفظ محراب حرب سے بمعنی جنگ

مفعال کے وزن پر ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ عبادت کی جگہ کو محراب اس لئے کہا جاتا ہے کہ عبادت کرنے والا گویا اس میں شیطان سے جنگ کرتا ہے (یعنی شیطان کے وسوسوں اور اس کے مزین کئے ہوئے اعمال کو پس پشت ڈال کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور شیطان دیکھتا ہی رہ جاتا۔)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ و اخلاق عالیہ .....حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوگئی اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا یا یحیی خُذِالْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ (اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی کے ساتھ لے لو) مفسرین نے فرمایا کہ اس سے توریت شریف مراد ہے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام توریت شریف پر ہی عامل تھے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں فرمایا ہے۔ یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا (الآیۃ).

لفظ بقوۃ میں خوب اچھی طرح یاد رکھنا بھی آ گیا اور عمل کرنے کو بھی یہ لفظ شامل ہو گیا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حضرت زکریا علیہ السلام کے واسطہ سے خطاب فرمایا پھر فرمایا وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا (اور ہم نے یحییٰ کو بچپن ہی کی حالت میں حکم عطا فرمایا) حکم سے بعض حضرات نے نبوت مراد لی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کو بچپن ہی میں نبوت سے سرفراز فرمایا اور یہ ان کی خصوصیت ہے کیونکہ عموماً حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر ہو جانے پر نبوت دی جاتی تھی اگر اس قول کو لیا جائے کہ انہیں بچپن ہی میں نبوت دے دی گئی تھی تو پھر یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ یا یحیی خُذِالْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ کا خطاب حضرت زکریا علیہ السلام کے ذریعہ ہوا۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حکم سے فہم کتاب مراد ہے اور بعض حضرات نے حکم بمعنی حکمت اور بعض حضرات نے بمعنی فراست صادقہ لیا ہے (کما ذکرہ صاحب الروح صفحہ ۷ جلد ۱۶)

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا (اور یحییٰ کو ہم نے اپنے پاس سے رقت قلبی عطا فرما دی) یہ رقت قلبی مخلوق کے ساتھ شفقت سے پیش آنے اور انہیں صراط مستقیم پر لگانے اور اعمال صالحہ پر ڈالنے میں مفید ہوتی ہے اس بارے میں جو مخلوق سے تکلیف پہنچے اس پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

وَزَکٰوۃً (اور اس بچہ کو ہم نے پاکیزگی عطا کی) یہ لفظ زکوۃ کا ترجمہ ہے لفظ زکوۃ کا اصل معنی پاکیزہ ہونے کا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر اس کی تفسیر میں فرمایا الطاعۃ والاخلاص کہ اللہ تعالیٰ نے اس بچہ کو اپنی فرمانبرداری اور اخلاص فی الاعمال کی نعمت عطا فرمائی، اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس سے عمل صالح مراد ہے اور مفسر کلبی نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے صدقۃ تصدق اللہ بھا علی ابویہ (یعنی یحییٰ علیہ السلام کی شخصیت اللہ کی طرف سے ایک صدقہ ہے جو کہ ماں باپ کو عطا فرمایا)

وَکَانَ تَقِیًّا (اور یحییٰ علیہ السلام متقی تھے) اس لفظ میں تمام اعمال خیر کو اخلاص کے ساتھ اور پوری فرمانبرداری کے ساتھ ادا کرنا اور چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ رہنا داخل ہو جاتا ہے مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور گناہ کا کوئی ذرا سا ارادہ بھی نہیں کیا۔

وَبَرًّا بِوَالِدَیْہِ (اور ہم نے یحییٰ کو والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے والا بنایا) وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا (اور اللہ نے ان کو جبار یعنی متکبر نہیں بنایا اور عصی یعنی نافرمان نہیں بنایا)

وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا (اور یحییٰ پر اللہ کا سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن وہ زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے)

لفظ یَمُوْتُ صیغہ مضارع اس وقت کے اعتبار سے ہے جب وہ پیدا ہوئے تھے مستقبل کا ترجمہ دیکھ کر یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اب بھی

زندہ ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ تین مواقع (یعنی ولادت کا دن اور موت کا وقت اور قبروں سے نکلنے کا وقت) انسان کے لئے توحش کے موقع ہوتے ہیں ان تینوں مواقع کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے بطور خوشخبری کے فرما دیا کہ ان میں باسلامت رہنے والے ہیں۔ (ذکرہ فی معالم التنزیل)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ

اور کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک جگہ چلی گئی جو مشرق کی جانب تھا پھر اس نے ان لوگوں سے اوٹ کر لی ایک پردہ ڈال لیا

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝

سو ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا جو اس کے سامنے صحیح سالم آدمی بن کر نمودار ہو گیا مریم نے کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ

فرشتے نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دے دوں۔ مریم نے کہا کہ میرے لڑکا کیسے ہوگا مجھے کسی بشر نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں

لَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ

بدکار ہوں۔ فرشتے نے کہا یوں ہی ہوگا تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور تاکہ ہم اسے لوگوں کیلئے نشانی بنا دیں اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں،

كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ

اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ سو اس لڑکے سے وہ حاملہ ہوگئی پھر وہ اس حمل کو لئے ہوئے علیحدہ ہو کر دور چلی گئی سو دردزہ اسے کھجور کے

اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا

تنے کے پاس لے آیا وہ کہنے لگی ہائے کاش میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور بالکل بھولی بسری ہو جاتی۔ سو اسے اس نے نیچے سے آواز دی کہ تو غمگین مت

تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝

ہو تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر پیدا فرما دی ہے اور تو کھجور کے تنے کو اپنی جانب حرکت دے جس سے تجھ پر پکی تیار کھجوریں گریں گی

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ

سو تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر، سو اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ رکھنے کی منت مان لی ہے

صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝

سو آج میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔

وقف لازم

الربع

حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ

تفسیر سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے کہ جناب عمران کی بیوی نے نذر مانی تھی، کہ میرے اولاد ہوگی تو اسے بیت المقدس کی خدمت میں لگادوں گی اور خواہش یہ تھی کہ لڑکا پیدا ہو اور اسی لئے منت مانی تھی جب ولادت ہوئی تو لڑکی پیدا ہوئی اس لڑکی کا نام مریم رکھا چونکہ یہ لڑکی ایک نیک عورت کی نیک منت پر پیدا ہوئی تھی اس لئے اس کا نام مریم رکھا جس کا معنی ہے عابدہ اور ان کا مطلب یہ تھا کہ لڑکی ہونے کی وجہ سے مسجد کی خدمت کے نہیں تو عبادت ہی کے لئے سہی اپنی اس نذر کی وجہ سے وہ بچی کو بیت المقدس کے مقیمین کے پاس لے گئیں وہاں کے رہنے والوں نے اس بچی کی کفالت میں منافست اختیار کی اور ہر ایک چاہتا تھا کہ میں اس کی پرورش کروں جھگڑے کو نبٹانے کے لئے آپس میں قرعہ ڈالا تو حضرت زکریا علیہ السلام کے نام قرعہ نکل آیا لہٰذا انہوں نے مریم کو اپنی کفالت میں لے لیا وہ حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں رہنے لگیں۔ بیت المقدس میں ان کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر دیا تھا جو بلندی پر تھا اور اس میں زینہ سے چڑھتے اور اترتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مریم کا خوب اچھے طریقے سے نشو ونما فرمایا جو دوسرے بچوں سے مختلف تھا۔

جب حضرت مریم علیہا السلام بڑی ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ ان کو بشارت دی کہ تمہیں ایک بیٹا دیا جائے گا جس کا نام مسیح ہوگا وہ دنیا و آخرت میں وجیہ ہوگا اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا اور وہ گہوارہ میں اور بڑی عمر میں لوگوں سے بات کرے گا۔

حضرت مریم علیہا السلام کا پردہ کا اہتمام اور اچانک فرشتہ کے سامنے آجانے سے فکرمند ہونا

اس تفصیل کو سامنے رکھ کر اب یہاں سورۂ مریم کی تصریحات کو ذہن میں تین کیجئے وہ ایک دن اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر گھر کے مشرقی جانب ایک جگہ چلی گئیں صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ دن سخت سردی کا تھا وہاں دھوپ میں بیٹھ گئیں اور سر کی جوئیں نکالنے لگیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ غسل کرنے کے لئے بیٹھی تھی فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا سے اس دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے، اس علیحدہ جگہ میں پردہ ڈال کر بیٹھی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا گیا (فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا) حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک صحیح سالم انسان کی شکل میں ان کے سامنے کھڑے ہوگئے حضرت مریم پاک باز عفت دار اور عصمت والی خاتون تھیں وہ انہیں دیکھتے ہی گھبرا گئیں اور کہنے لگیں کہ تو کون ہے جو تنہائی میں یہاں پہنچا؟ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں تیری صورت شکل تو یہ بتا رہی ہے کہ تو متقی آدمی ہوگا متقی کا کیا کام کہ وہ تنہائی میں کسی ایسی عورت کے پاس آئے جس کے پاس آنا حلال نہیں۔ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اور تو بھی اپنے تقویٰ کی لاج رکھ اور یہاں سے چلا جا۔

فرشتہ کا بیٹے کی خوشخبری دینا اور حضرت مریم کا متعجب ہونا

اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پاکیزہ لڑکا دے دوں۔ اس پر حضرت مریم علیہا السلام نے کہا تم کیا کہہ رہے ہو میرے لڑکا کیسے ہوگا؟ نہ تو مجھے کسی ایسے شخص نے چھوا ہے جسے چھونا حلال ہو (یعنی شوہر) اور نہ میں فاجرہ عورت ہوں بچہ تو شوہر کی حلال مباشرت سے یا کسی زانی کے زنا سے پیدا ہوتا ہے اور یہاں تو دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں لہٰذا میرے اولاد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فرشتہ کا جواب دینا کہ اللہ کے لئے سب کچھ آسان ہے

سورۂ آل عمران کے سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے فرشتوں نے انہیں لڑکا ہونے کی بشارت دی تھی اور اس وقت بھی

انہوں نے یہی کہا تھا کہ میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں وہاں ان کی بات کا جواب یوں نقل کیا ہے۔ کَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (اللہ اسی طرح پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے) اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرمائے تو فرما دیتا ہے کہ ہو جا بندا وہ ہو جاتا ہے)

اور یہاں فرشتہ کا جواب یوں ذکر فرمایا ہے قَالَ كَذٰلِكِ (فرشتے نے کہا یوں ہی ہوگا) قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ (تیرے رب نے فرمایا ہے وہ مجھ پر آسان ہے) جس نے بغیر ماں باپ کے آدم علیہ السلام کو اور بغیر ماں کے حضرت حوا کو پیدا فرما دیا اس کے لئے بغیر باپ کے پیدا فرمانا کیا مشکل ہے؟ اس کے لئے سب کچھ آسان ہے۔ مَا قَالَ تَعَالٰی فِی سُوْرَةِ آلِ عِمْرَانَ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (الآیۃ)۔

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا یہ بھی فرشتہ کے کلام کا تتمہ ہے فرشتے نے مزید کہا کہ (تیرے رب نے یوں بھی فرمایا ہے کہ ہم اس بچہ کو لوگوں کے لئے نشانی اور باعث رحمت بنا دیں گے) اب بچہ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی ہوگی کہ وہ بغیر اسباب عادیہ کے بھی پیدا فرمانے پر قادر ہے اور یہ بچہ لوگوں کے لئے رحمت کا ذریعہ بنے گا اس کا اتباع کرنے والے اللہ کے مقبول بندے ہوں گے اور ان پر اللہ کی رحمتیں ہوں گی۔

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (اور یہ ایک طے شدہ بات ہے اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے) پیدا ہونے والا یہ بچہ بغیر باپ ہی کے پیدا ہوگا اللہ کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔

حمل اور وضع حمل کا واقعہ، دردِ زہ کی وجہ سے کھجور کے درخت کے نیچے پہنچنا
فرشتہ کا آواز دینا کہ غم نہ کر و درخت کا تنہ ہلاؤ تر کھجوریں کھاؤ

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا (سو اس لڑکے سے وہ حاملہ ہوگئی۔ لہٰذا وہ اس حمل کو لئے ہوئے علیحدہ ہو کر دور چلی گئی)۔

سورۂ تحریم میں فرمایا وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ (اور اللہ عمران کی بیٹی مریم کا حال بیان فرماتا ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا سو ہم نے اس کے گریبان میں اپنی روح پھونک دی اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں) حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پھونکنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تھے اس پھونکنے سے حمل قرار پا گیا۔ حمل قرار پانے کے بعد وہ اس حمل کو لئے ہوئے اپنے گھر سے کسی دور جگہ میں چلی گئیں پھر جب دردِ زہ یعنی پیدائش کا درد شروع ہوا تو اس کی وجہ سے کھجور کے درخت کے پاس آ گئیں اور اس کے تنہ کے قریب یا اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور اسی حالت میں کہنے لگیں کہ ہائے کاش میں پہلے سے مر گئی ہوتی اور بالکل ہی بھولی بسری ہو جاتی نہ کوئی جانتا نہ پہچانتا۔ اس وقت پریشانی کا عالم تھا، جنگل تھا، تنہائی تھی، درد سے بے چین تھیں، کوئی پھپھر تک نہیں تھا جس میں لیٹیں اور یہ بھی خیال لگا ہوا تھا کہ بچہ پیدا ہوگا تو لوگ کیا کہیں گے۔ ایسی پریشانی میں منہ سے یہ بات نکل گئی کہ کاش میں اس سے پہلے مردہ ہو چکی ہوتی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ استقرارِ حمل کے بعد تھوڑی ہی دیر میں ولادت ہوگئی (ذرہ روحی معالم التنزیل ص) آیت کریمہ کے سیاق سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دیگر حاملہ عورتوں کی طرح ان پر حمل کی مدت نہیں گزری کیونکہ اتنی لمبی مدت تک تنہا اکیلی عورت کا گھر سے باہر اور دور رہنا بعید ہے پھر اگر لمبی مدت ہوتی تو حمل کا ظاہر ہونا اور اندر پیٹ میں پرورش پانا اس سے لوگوں کو ولادت سے پہلے ہی حاملہ ہو جانے کا پتہ چل جاتا اور

لوگوں کا طعن اور اعتراض شروع ہو جاتا لیکن قرآن کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ بچہ کو لے کر آئیں اس وقت لوگوں نے اعتراض کیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَا (سو جبرائیل نے حضرت مریم کو آواز دی جو اس جگہ سے نیچے کھڑے ہوئے تھے جہاں وہ اوپر کسی ٹیلے پر تھیں اور یوں کہا اَلَّا تَحْزَنِیْ (کہ تو رنجیدہ نہ ہو۔ از روح صفحہ ۸۲ جلد ۱۱)

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (تیرے نیچے تیرے رب نے ایک نہر بنا دی ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وہاں اپنا پاؤں مار دیا جس کی وجہ سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا اور ایک قول یہ ہے کہ وہاں پہلے سے خشک نہر تھی اللہ تعالیٰ نے اس میں پانی جاری فرما دیا اور وہیں ایک خشک کھجور کا درخت تھا اس میں پتے اور پھل آ گئے اور اس وقت پک گئے (معالم التنزیل صفحہ ۱۹۲ جلد ۳) وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا اور تو درخت کے تنے کو حرکت دے اس سے تجھ پر تر و تازہ پکی ہوئی کھجوریں گریں گی۔ (یہ بھی بطور کرامت ہے کہ ایک زچہ عورت کے حرکت دینے سے کھجور کے درخت سے پھل گر پڑیں کیونکہ کھجور کے درخت کو تو ایک قوی مضبوط مرد بھی نہیں ہلا سکتا پھر ہلانا بھی ایسا کہ جس سے پھل گر پڑیں۔ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا (سو تو ان تازہ کھجوروں میں سے کھا اور اس نہر میں سے پی اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی کر) یہ تیرا بچہ تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، فی معالم التنزیل فکلی من طیبی بسرا واشربی من طیبی نهرا وقری عینک بولدک عیسی

طبی اصول سے زچہ کے لئے کھجور کا مفید ہونا

یہاں پہنچ کر جی چاہتا ہے کہ صاحب بیان القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نقل کر دی جائے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ تمہارے رب نے تمہارے پائیں ایک نہر پیدا کر دی ہے۔ جس کے دیکھنے سے اور پانی پینے سے فرحت طبعی ہوگی۔ نیز حسب روایت روح المعانی ان کو اس وقت پیاس بھی لگی تھی اور حسب مسئلہ طب گرم چیزوں کا استعمال قبل وضع یا بعد وضع سبل ولادت و دافع فضلات و مقوی طبیعت بھی ہے اور پانی میں اگر نخونت (گرمی) بھی ہو جیسا بعض چشموں میں مشاہدہ ہے تو اور زیادہ مزاج کے موافق ہوگا نیز کھجور کثیر الغذاء مولد خون مسمن و مقوی کردہ کمر و مفاصل ہونے کی وجہ سے زچہ کے لئے سب غذاؤں اور دواؤں سے بہتر ہے (فی معالم التنزیل صفحہ ۱۹۳ جلد ۳ قال الربیع بن خثیم ما للنفساء عندی خیر من الرطب ولا للمریض خیر من العسل) اور حرارت کی وجہ سے جو اس کی مضرت کا احتمال ہے سو اول تو رطب میں حرارت کم ہے دوسرے پانی سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے تیسرے مضرت کا ظہور جب ہوتا ہے کہ عضو میں ضعف ہو ورنہ کوئی چیز بھی کچھ نہ کچھ مضرت سے خالی نہیں ہوتی نیز خرق عادت (کرامت) کا ظہور اللہ کے نزدیک مقبولیت کی علامت ہونے کی وجہ سے موجب مسرت روحانی بھی ہے انتہی۔

حضرت مریم علیہا السلام سے فرشتہ کا یوں کہنا کہ کوئی دریافت کر لے تو کہہ دینا کہ میرا بولنے کا روزہ ہے

فَاِمَّا تَرِيْنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا (سو اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ رکھنے کی منت مان لی ہے لہٰذا آج میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی)

بنی اسرائیل کی شریعت میں نہ بولنے کا روزہ بھی مشروع تھا۔ ہماری شریعت میں منسوخ فرما دیا گیا۔ یوں کوئی آدمی کسی ضرورت سے کم بولے یا نہ بولے اور اشارہ سے بات کرے تو یہ دوسری بات ہے لیکن اس کا نام روزہ نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ ابو اسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا ہی رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور سایہ میں نہ جائے گا اور یہ بات نہیں کرے گا اور روزہ سے رہے گا آپ نے فرمایا اس سے کہو بات کرے اور سایہ میں جائے اور بیٹھ جائے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۹۹۱ جلد ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد رکھا ہے لا یتم بعد احتلام ولا صمات یوم الی اللیل (یعنی احتلام ہونے کے بعد کوئی یتیمی نہیں اور کسی دن رات خاموش رہنا نہیں) (رواہ ابوداؤد فی کتاب الوصایا صفحہ ۴۱ جلد ۲) یعنی کسی دن رات تک روزے کی نیت سے خاموش رہنا شریعت اسلامیہ میں نہیں۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ

سو وہ اس بچہ کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لے کر آئی، ان لوگوں نے کہا کہ اے مریم یہ تو نے بڑے غضب کا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارا باپ برا

اِمْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝

آدمی تھا اور نہ تمہاری ماں بدکار تھی سو مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم اس سے جیسے بات کریں جو گہوارہ میں ابھی بچہ ہی ہے۔

قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِىْ

وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور اس نے مجھے نبی بنایا اور مجھے برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں، اور اس نے

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِىْ ۪ وَلَمْ يَجْعَلْنِىْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ

مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور مجھے اپنی والدہ کیساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر سلام

عَلَىَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝

ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مجھے موت آئے گی اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

ولادت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوم کے پاس گود میں لے کر آنا، قوم کا معترض ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب دینا اور اپنی نبوت کا اعلان فرمانا

چونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا حضرت مریم کے بچہ تولد ہونا ہے اور وہ بھی بغیر باپ کے لہٰذا وہ بچہ پیدا ہو گیا جب اس کی ولادت ہو گئی تو اسے آبادی میں لے کر آنا تھا وہ اس بچہ کو گود میں اٹھا کر آبادی میں لے کر آئیں۔ وہاں قوم کے لوگ موجود تھے انہوں نے بچہ کو گود میں دیکھ کر کہا اے مریم یہ بچہ کہاں سے آیا؟ ہمارے علم میں تو یہی بات ہے کہ تیری شادی نہیں ہوئی جب بچہ حلال کا نہیں تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بچہ بدکاری سے پیدا ہوا ہے یہ تو تو نے بڑے ہی غضب کا کام کیا، تیری جیسی خاتون سے بدکاری کا سرزد ہونا بڑے تعجب کی بات ہے اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارے باپ برے آدمی تھے نہ تمہاری ماں بدکار تھی تمہیں بھی انہیں کی طرح پاک رہنا لازم تھا۔ تمہارے بھائی ہارون (جو خاندان کے ایک شخص ہیں) وہ بھی نیک شخص ہیں جب سارا ہی خاندان نیک ہے تو تمہیں بھی ہر اعتبار سے نیک اور صالح ہونا چاہیئے تھا۔

حضرت مریم علیہا السلام نے لوگوں کے طعن و تشنیع والی باتیں سنیں اور خود سے جواب نہیں دیا بلکہ نومولود بچہ کی طرف اشارہ کر دیا جو ان کی گود میں تھا۔ لوگ کچھ یوں سمجھے کہ یہ ہم سے تمسخر کر رہی ہیں۔ کہنے لگے ہم ایسے شخص سے کیسے بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ وہ بچہ خود ہی بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی (یعنی عطا فرمائے گا) اور اس نے مجھے نبی بنایا مجھے نبوت عطا فرمائے گا اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے برکت والا بنایا میرے ذریعہ خیر پھیلے گی اور اس نے مجھے نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا جب تک کہ میں زندہ ہوں اور مجھے والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔ (لہٰذا میں اپنے خالق کے حقوق ادا کروں گا اور اپنی والدہ کے بھی) اور مجھ پر اللہ کی طرف سے سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میری وفات ہوگی اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو معلوم تھا کہ یہودی اس بچے سے دشمنی کریں گے اور ان کی نبوت کے انکاری ہوں گے اور نصرانی ان کے بارے میں زیادہ غلو کریں گے کچھ لوگ ان کے بارے میں کہیں گے کہ اللہ انہیں کی ذات ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ اللہ کا بیٹا ہے اس لئے ابھی سے ان کی زبان مبارک سے یہ کہلوا دیا کہ میں اللہ نہیں ہوں بلکہ اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کی مخلوق ہوں اور اللہ کا مامور ہوں اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا (جو خود عبادت گزار ہو وہ کسی کا معبود نہیں ہو سکتا اور عابد و معبود ایک نہیں ہو سکتے) اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت گزاری کے طریقہ پر پیش آؤں گا۔

بَرًّا بِوَالِدَتِیْ فرما کر یہ بتا دیا کہ میرا کوئی باپ نہیں

یاد رہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں بَرًّا بِوَالِدَیْهِ فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ان کی زبان سے بَرًّا بِوَالِدَتِیْ کہلوایا اس لفظ میں ہمیشہ کے لئے اس بات کی نفی ہوگئی کہ ان کا کوئی باپ ہو۔ نصاریٰ کی حماقت اور ضلالت دیکھو کہ جس ذات والا صفات نے ان کو ماں کے پیٹ سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا اسی کو (معبود) کہہ رہے ہیں اس کا اپنا بیان قرآن میں یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور صرف ماں کا بیٹا ہوں لیکن یہ لوگ کبھی انہیں یوسف نجار کا بیٹا بتاتے ہیں اور کبھی اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں (العیاذ بالله ذٰلک کله) درحقیقت یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں جن گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے نہایت صفائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرما دیا۔ سورۂ مریم میں اور سورۂ آل عمران میں واضح طور پر یہ بتا دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن قرآن کی تصریحات کے خلاف وہ حاضر کے بہت سے زندیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں۔ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ یُؤْفَکُوْنَ

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ

یہ ہیں عیسیٰ بن مریم، ہم نے یہی بات کہی ہے جس میں وہ لوگ شک کر رہے ہیں، یہ اللہ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی

وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ

پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو صرف یوں فرماتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے، اور بلاشبہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب

فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

ہے یہ سیدھا راستہ ہے، پھر جماعتوں نے آپس میں اختلاف کر لیا سو بڑے دن کی حاضری کے موقعہ پر ان لوگوں کی بڑی خرابی

مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

ہے جنہوں نے کفر اختیار کیا، وہ کیا ہی سننے والے اور کیا ہی دیکھنے والے ہوں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے، لیکن ظالم لوگ آج صریح گمراہی میں ہیں

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ

اور آپ انہیں حسرت کے دن سے ڈرایئے جبکہ فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ بلاشبہ زمین اور جو کچھ

الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝

زمین میں ہے ہم اس کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔

وقف لازم ع

کسی کو اپنی اولاد بنانا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے

ان آیات میں بھی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور اللہ پاک کی توحید بیان فرمائی ہے اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ شرک سے کسی کو اولاد بنانے سے بری اور بیزار ہے پہلے تو یہ فرمایا کہ یہ عیسیٰ بن مریم جن کا ذکر گزشتہ آیات میں ہوا ان کے بارے میں ہم نے سچی بات بیان کر دی ہے اس سچی بات میں لوگ جھگڑتے ہیں اور یہ جھگڑا یہود و نصاریٰ ہیں اور اب تو جھوٹی نبوت کے دعویدار بھی ان کے ہم نوا ہو گئے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ یہ بات اللہ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے وہ اس سے پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے صرف اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا، بندا وہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اس نے بغیر باپ کے ایک بچہ کو پیدا فرما دیا۔ جو ایسا صاحب کمال اور صاحب قدرت کاملہ ہو اس کے لئے اولاد تجویز کرنا سراپا حماقت اور ضلالت ہے۔ باپ اور بیٹے آپس میں ہم جنس ہوتے ہیں مخلوق خالق کی ہم جنس نہیں پھر مخلوق کیسے اس کی اولاد بن سکتی ہے۔ نیز مخلوق کا یہ طریقہ ہے کہ اپنی مدد کے لئے اولاد کو چاہتے ہیں اس لئے کہ خود ناقص ہیں اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات اور صفات میں کامل ہے اور اس میں کبھی کوئی تغیر اور نقص و ضعف آنے والا نہیں اسے کسی معاون اور مددگار کی ضرورت نہیں پھر وہ اپنے لئے اولاد کیوں تجویز کرے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعلان کہ میرا اور تمہارا رب اللہ ہے۔ ..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واضح طور پر اعلان فرما دیا تھا وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (اور بلاشبہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) یہ مضمون سورۂ مریم اور سورۂ زخرف میں بیان فرمایا ہے۔

ان تمام تصریحات کے باوجود لوگوں نے مختلف جماعتیں بنالیں جس کے معتقد ہوئے (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اس کی بات کو تو پس پشت ڈالا اور خود سے اپنا دین تجویز کر لیا پھر کسی نے کہہ دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ذات خود اللہ کی ذات ہے اور کسی نے انہیں تیسرا معبود بنا دیا۔ اسی طرح سے خود سے گمراہی میں چلے گئے جب کوئی شخص حق کو پس پشت ڈالے گا تو گمراہی کے سوا اسے کیا ملے گا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (سو کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے جو ایک بڑے دن کی حاضری کے موقعہ ان کے سامنے آئے گی) اس سے قیامت کا دن مراد ہے جو اپنی سختی اور درازی کے اعتبار سے کافروں کے لیے یوم عظیم ہوگا۔

پھر فرمایا اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا (جس روز ہمارے پاس آئیں گے کیسے ہی سننے والے اور دیکھنے والے ہوں گے) یعنی

قیامت کے دن حقائق پیش نظر ہوں گے جن چیزوں کی خبر دی گئی تھی وہ سامنے ہوں گی جن باتوں میں شک کرتے تھے وہ سامنے آجائیں گے جھٹلانے والے دانا بینا ہو جائیں گے اور تصدیق کرنے پر مجبور ہوں گے لیکن اس دن کی تصدیق معتبر نہ ہوگی لہٰذا اس تکذیب کی وجہ سے (جس پر دنیا میں اصرار کرتے رہے) دوزخ میں چلے جائیں گے۔ لٰکِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (لیکن ظالم آج کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اس دنیا میں قبول حق پر راضی نہیں اور ہوش گوش کے باوجود کفر چھوڑنے اور ایمان قبول کرنے کے لیے تیار نہیں)

یوم الحسرۃ کی پریشانی..... وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ (اور آپ انہیں حسرت کے دن سے ڈرائیے جبکہ فیصلہ کر دیا جائے گا) وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لائیں گے) اس آیت میں قیامت کے دن کو حسرت کا دن بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ انہیں اس دن سے ڈراؤ۔ قیامت کا دن بڑی حسرت کا دن ہوگا، وہاں حاضر ہونے والے طرح طرح سے حسرت کریں گے ان میں سے ایک یہ حسرت ہوگی کہ کاش ہم واپس کر دیئے جاتے اور تکذیب نہ کرتے۔ یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا (اور اپنے بڑوں کے بارے میں کہیں گے اگر ہم واپس ہو جاتے تو ان سے بیزاری ظاہر کر دیتے (لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ) یوں بھی کہیں گے اگر ہم سنتے اور سمجھتے تو آج دوزخ والوں میں شمار نہ ہوتے (لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ) حسرتیں تو نہ جانے کتنی ہوں گی حدیث میں اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے ایک خاص حسرت کا تذکرہ فرمایا ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن موت کو چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا اے جنت والو! یہ سن کر وہ لوگ سر اٹھا کر دیکھیں گے ان سے پوچھا جائے گا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے یہ موت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ ہر ایک موت کو دیکھ چکا تھا پھر منادی آواز دے گا اے دوزخ والو! وہ لوگ بھی سر اٹھا کر دیکھیں گے ان سے پوچھا جائے گا کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہاں۔ اور ان میں سے بھی ہر شخص موت کو دیکھ چکا تھا اس کے بعد موت کو سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا (جو مینڈھے کی شکل میں ہوگی) اس کے بعد یہ اعلان ہوگا کہ اے جنت والو! تمہیں ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہنا ہے اب موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو! تمہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اب موت نہیں ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا تلاوت فرمائی وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ (بخاری صفحہ ۷۹۱ جلد ۲)

سنن ترمذی میں ہے کہ جب موت کو دونوں فریق کی نظروں کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا تو اہل جنت کی خوشی اور اہل دوزخ کے رنج کا یہ عالم ہوگا کہ اگر کوئی شخص خوشی میں مرتا تو اس وقت جنت والے مر جاتے اور اگر کوئی شخص رنج کی وجہ سے مرتا تو دوزخ والے مر جاتے۔

سنن ابن ماجہ میں یوں ہے کہ موت کو پل صراط پر ذبح کر دیا جائے گا۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۵۶۴ جلد ۴)

پھر فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ (بلاشبہ زمین اور زمین پر جو کچھ ہے ہم اس کے وارث ہوں گے یعنی اہل دنیا سب ختم ہو جائیں گے جو مجازی مالک ہیں ان میں سے کسی کی کوئی ملکیت باقی نہیں رہے گی اللہ تعالیٰ جو مالک حقیقی ہے صرف اس کی ملکیت حقیقیہ باقی رہ جائے گی دنیا والے مر کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جائیں گے جو کچھ دنیا میں کمایا تھا یہیں چھوڑیں گے اعمال لے کر حاضر ہوں گے اور انہیں پر فیصلے ہوں گے قال صاحب الروح ای یردون الی الجزاء لا الی غیرنا استقلالا او اشتراکا (صفحہ ۹۵ جلد ۱۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا عقیدہ رکھنے والوں کی تردید۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا اس میں بعض ملحدین یہ استدلال کرتے ہیں کہ ان کی وفات ہوگئی (یہ لوگ آسمان پر اٹھائے جانے اور

دنیا میں واپس تشریف لانے کے منکر ہیں) ان جاہلوں کو شیطان نے سمجھایا ہے کہ مَا دُمْتُ حَيًّا سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ وہ وفات پا گئے یہ ان لوگوں کی جہالت ہے آیت سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ایسا وقت آئے گا جس میں وہ زکوٰۃ ادا کریں گے جب تک وہ دنیا میں تھے اس وقت تک ان کی مال والی زندگی نہیں تھی جب قیامت کے قریب آسمان سے تشریف لائیں گے اس وقت صاحب مال ہوں گے زکوٰۃ ادا کریں گے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۘ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ

اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے۔ بے شک وہ صدیق تھے نبی تھے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ تم ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنے

وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ

اور نہ دیکھے، اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے۔ اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا، سو تم میرا اتباع کرو میں تمہیں

صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ

سیدھا رستہ بتاؤں گا۔ اے میرے باپ تم شیطان کی پرستش نہ کرو، بلاشبہ شیطان رحمن کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ بلاشبہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ

اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ

تمہیں رحمن کیطرف سے کوئی عذاب پکڑ لے۔ پھر تم شیطان کے دوست ہو جاؤ۔ اسکے باپ نے جواب دیا کہ اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھرنے والا ہے۔

لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ

اگر تو باز نہ آیا تو میں ضرور ضرور تجھے سنگسار کروں گا اور تو مجھے ہمیشہ کیلئے چھوڑ دے۔ ابراہیم نے کہا کہ میرا سلام ہے تو میں تمہارے لئے عنقریب اپنے رب سے استغفار کروں گا، بلاشبہ

كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۡ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ

وہ مجھ پر بہت مہربان ہے اور میں تم لوگوں سے اور ان چیزوں سے کنارہ کرتا ہوں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں امید ہے کہ میں اپنے رب سے مانگنے

بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ

سے محروم نہ رہوں گا۔ پھر جب ان لوگوں سے اور ان چیزوں سے علیحدگی اختیار کر لی جن کی وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحٰق

وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ ع

اور یعقوب عطا فرمائے اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنا دیا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت کا حصہ دے دیا اور ہم نے ان کے لئے سچائی کی زبان کو بلند کر دیا۔

توحید کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے مکالمہ

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے آپ کا وطن بابل کے علاقہ میں تھا جہاں نمرود کی حکومت تھی وہاں کے لوگ بت پرست تھے خود آپ کا گھرانہ بھی بت پرست تھا۔ ان کا باپ بھی بت پرست تھا جس کا نام آزر تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو توحید کی

دعوت دیتے تھے بت پرستی چھوڑنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اپنے والد کو بھی انہوں نے توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کے لئے کہا سورۂ اعراف میں ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کی کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں) یہاں سورہ مریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک مکالمہ کا تذکرہ فرمایا جو ان کے باپ سے ہوا تھا انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ یہ تم جن چیزوں کی عبادت میں لگے ہوئے ہو یہ بت جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ تو تم سے بھی گئے گزرے ہیں تم تو سنتے ہو اور دیکھتے ہو اور کچھ نہ کچھ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہو لیکن یہ بت تو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی قسم کا کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں ان کی عبادت کرنا تو سراپا بے وقوفی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اپنے باپ سے مزید کہا کہ دیکھو حق اور حقیقت واضح ہونے کے لئے چھوٹا بڑا ہونے کی کوئی قید اور شرط نہیں ہے میں اگرچہ تمہارا بیٹا ہوں لیکن خالق کائنات جل مجدہٗ نے مجھے وہ علم عطا فرمایا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا مجھے اس نے توحید سکھائی ہے جو صحیح راہ ہے آخرت کے عذاب سے بچانے والی ہے تم میری بات مانو میں تم کو سیدھے راستہ کی رہبری کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ شرک کی راہیں اور بت پرست، غیر اللہ کی پوجا یہ سب شیطان کی نکالی ہوئی اور بتائی ہوئی چیزیں ہیں اس کی بات ماننا اس کی عبادت ہے شیطان اپنی بھی عبادت کراتا ہے اور بتوں کی بھی، تم شیطان کی بات مت مانو وہ تو رحمٰن جل مجدہٗ کا نافرمان ہے جو اس کا ساتھی بنے گا اسے بھی رحمٰن جل مجدہٗ کی نافرمانی پر جمائے گا اس کا ساتھی ہونے پر عذاب بھگتنا پڑے گا، اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آجائے اور یہ شیطان کی دوستی جو دنیا میں ہے تمہیں اس کے ساتھ آخرت کے دائمی عذاب میں نہ جھونک دے اور یہ تمہاری دنیا والی دوستی وہاں کی دوستی یعنی عذاب میں شریک ہونے کا ذریعہ بن جائے (وہاں تو سب دوزخی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے لیکن چونکہ یہ دشمنی یہاں کی دوستی کی وجہ سے سامنے آئے گی اس لئے اسے بھی علی سبیل المشاکلہ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا سے تعبیر فرمایا) یہ باتیں سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے کوئی اچھا اثر نہیں لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیا کیا تم میرے معبودوں سے ہٹنے والے ہو یعنی میرے معبودوں سے دور ہو ان کی عبادت کے قائل نہیں ہو؟ اور نہ صرف یہ کہ تم ان کی عبادت سے دور ہو مجھے بھی ان کی عبادت سے روک رہے ہو اب تک جو کہا سو کہا اب کے بعد اگر تو اپنی باتوں سے باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار مار کر ختم کر دوں گا۔ پس میرا تیرا کوئی تعلق نہیں۔ مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اچھا تمہیں میرا سلام ہے (یہ وہ سلام نہیں جو اہل ایمان کو کیا جاتا ہے بلکہ جاہلوں سے جان چھڑانے کے لئے جو محاورہ میں سلام کے لفظ کہہ دیئے جاتے ہیں یہ اسی طرح کا سلام ہے جیسا کہ سورۂ فرقان میں فرمایا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ساتھ ہی ابراہیم علیہ السلام نے یوں بھی فرمایا کہ میں اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا میرا رب مجھ پر بہت مہربان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ مغفرت کی دعا کرنے کا وعدہ فرمالیا تھا اس لئے اپنے باپ کیلئے مغفرت کی دعا کی جس کا سورۂ شعراء میں ذکر ہے وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ اور اے رب میرے باپ کو بخش دے بلاشبہ وہ گمراہوں میں سے ہے سورۂ توبہ میں ہے فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (پھر جب ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے اسے ایمان لانا نہیں ہے تو پھر سے اس سے بیزاری اختیار فرمائی) سورۂ توبہ کی آیت بالا کے ذیل میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اسکا مراجعہ کر لیا جائے۔ (انوار البیان جلد ۲)

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا واعتزلکم وما تدعون من دون اللہ اور میں تم لوگوں سے اور ان چیزوں سے کنارہ ہوتا ہوں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وادعوا ربی اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں عسی الا اکون بدعآء ربی شقیا (امید ہے کہ میں اپنے رب کی دعا سے محروم نہ ہوں گا) یعنی میری دعا اور کوشش ضائع نہ جائے گی اور تم لوگوں کی جو شقاوت ہے یہ ہونے والی ہے مجھے اللہ تعالیٰ اس سے دور رکھے قال صاحب الروح و فیہ تعریض بشقاوتھم فی عبادۃ الھتھم اور آیت میں ہجرت کا اعلان ہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن سے ہجرت فرما کر ملک شام تشریف لے آئے۔

فلما اعتزلھم وما یعبدون من دون اللہ وھبنا لہ اسحٰق و یعقوب پھر وہ جب ان لوگوں سے اور ان چیزوں سے کنارہ ہو گئے جن کی وہ عبادت کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا کر دیئے (اسحٰق ان کے بیٹے تھے اور یعقوب اسحٰق کے بیٹے تھے) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشہور بیٹوں میں سے ایک بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تھے جن کا ذکر سورۂ بقرہ میں کعبہ شریف بنانے کے سلسلہ میں گزر چکا ہے اور ابھی چار آیت کے بعد آرہا ہے وکلا جعلنا نبیا اور ہم نے ان دونوں (اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام) کو نبی بنایا۔

بعد کے آنے والوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی اولاد کا اچھائی اور سچائی کے ساتھ تذکرہ کیا جانا

ووھبنا لھم من رحمتنا و جعلنا لھم لسان صدق علیا (اور ہم نے ان کو اپنی رحمت کا حصہ دے دیا اور ہم نے ان کے لئے سچائی کی زبان کو بلند کر دیا) بہت بڑی نعمت اور رحمت تو نبوت ہے نبوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کو اور بھی بہت سی دینی و دنیوی علمی عملی نعمتیں عطا فرمائیں اور ان کے بعد آنے والوں میں خیر اور خوبی اور سچائی اور اچھائی کے ساتھ ان کا ذکر جاری رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ واجعل لی لسان صدق فی الاٰخرین (اور بعد آنے والوں میں میرا ذکر سچائی کے ساتھ جاری رکھیئے) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کا اور ان کی آل واولاد کا چرچا آنے والی امتوں میں خیر وخوبی کے ساتھ جاری فرمایا۔ آنے والی تمام انبیاء کی امتیں انہیں خیر سے یاد کرتی رہیں ہیں۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آل ابراہیم کا برابر خیر کے ساتھ تذکرہ ہے اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ نماز میں کما صلیت علی ابراھیم وعلی اٰل ابراھیم پڑھا جاتا ہے اور ہر نمازی پڑھتا ہے اور بار بار پڑھتا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ

اور کتاب میں موسیٰ کو یاد کیجئے بلاشبہ وہ خاص کئے ہوئے تھے اور وہ رسول تھے اور نبی تھے۔ اور ہم نے انہیں طور کی

جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ وَاذْكُرْ

داہنی جانب سے پکارا اور نہیں سرگوشی کرنے والا بنا کر قریب بنایا۔ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے ان کا بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا۔ اور کتاب میں

فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ

اسماعیل کا ذکر کیجئے بلاشبہ وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول تھے نبی تھے اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز

وَالزَّكٰوةِ ۚ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾

اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے، اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے اور کتاب میں ادریس کو یاد کیجئے بلاشبہ وہ صدیق تھے نبی تھے۔

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾

اور ہم نے ان کو بلند مرتبہ پر اٹھالیا۔

حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہم السلام کا تذکرہ

حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا تذکرہ فرمانے کے بعد حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کا تذکرہ فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ مخلص تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا اور اپنا خاص اور خالص بندہ بنایا۔ (ھذا علی قراءۃ الکوفیین بفتح اللام وقرأ الحرون بکسرھا والمعنی انہ اخلص عبادتہ عن الشرک والریاء واسلم وجھہ للہ عزوجل واخلص عن سواہ کما قالہ صاحب الروح صفحہ ۱۰۳ جلد ۱۶)

نبی اور رسول میں فرق..... اور یہ بھی فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام رسول تھے نبی تھے۔ رسول پہنچانے والا اور نبی خبر دینے والا یہ ان دونوں کا لفظی ترجمہ ہے شریعت کی اصطلاح میں رسول اور نبی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے لئے بولا جاتا ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ ہر رسول نبی ہے، اور رسول میں نبی سے ایک زائد معنی بھی ہے یعنی جسے کتاب دی گئی ہو اور نئی شریعت دے کر بھیجا گیا ہو وہ نبی بھی ہے اور رسول بھی جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انبیاء سابقین کی شریعت کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی تبلیغ کرتے ہیں انہیں لغوی اعتبار سے رسول کہا جاتا ہے اصطلاحی اعتبار سے نہیں کہا جاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ ہم نے انہیں طور کی داہنی جانب پکارا۔ طور پہاڑ مدین اور مصر کے درمیان ہے اس پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے داہنی جانب کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام کی داہنی جانب مراد ہے یعنی جب موسیٰ علیہ السلام گزر رہے تھے یہ پہاڑ ان کی داہنی جانب پڑ گیا تھا (اذا الحل نفسہ لا میمنۃ لہ ولا میسرۃ) صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمن یمن سے مشتق ہو جو مبارک ہونے کے معنی میں ہے اور اس صورت میں لفظ ایمن جانب کی بھی صفت بن سکتا ہے اور طور کی بھی یعنی موسیٰ کی مبارک جانب سے ہم نے آواز دی یا طور کی جانب سے آواز دی جو مبارک ہے۔ پھر فرمایا وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا (یعنی ہم نے موسیٰ کو سرگوشی کرنے والا اپنا مقرب بنایا) عربی زبان میں نجی اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ خفیہ طریقہ پر رازدارانہ باتیں کی جائیں چونکہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہم کلامی اس طرح سے ہوئی کہ درمیان میں کوئی واسطہ نہ تھا اس لئے وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس فضیلت کا ذکر سورۂ نساء میں یوں فرمایا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور سے کلام فرمایا)

پھر فرمایا وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا (اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر ان کو عطا کیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوا کہ جاؤ فرعون کو تبلیغ کرو تو اس وقت جو انہوں نے دعائیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ دعا بھی تھی کہ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ (اور میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے یعنی میرے بھائی ہارون کو اس کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط فرما دیجئے) یہ سورۂ طٰہٰ میں ہے اور سورۂ قصص میں یوں ہے وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (اور میرے بھائی ہارون کی زبان میں مجھ سے زیادہ روانی ہے سو ان

کو آپ میرا مددگار بنا کر بھیج دیجئے تا کہ وہ میری تصدیق کریں مجھے فرعون اور اس کے ساتھیوں سے ڈر ہے کہ میری تکذیب کر دیں گے) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ (ہم عنقریب تمہارے بازو کو تمہارے بھائی کے ذریعہ مضبوط بنا دیں گے) لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنا دیا اور دونوں کو حکم فرمایا اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (تم دونوں فرعون کی طرف چلے جاؤ بلاشبہ اس نے سرکشی کی ہے)

پھر فرمایا وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ (اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے) اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (بلاشبہ وہ وعدہ کے سچے تھے) وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (اور وہ رسول تھے نبی تھے) وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ (اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے تھے) وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اوصاف عالیہ .....ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی چند صفات بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ وہ صادق الوعد یعنی وعدہ کے سچے تھے۔ یہ صفت تمام انبیاء علیہم السلام میں ہے اور بہت سے مؤمنین میں بھی ہوتی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ان کی اس صفت کا تذکرہ فرمایا انہوں نے بہت بڑی سچائی کا ثبوت دیا تھا جب ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کرتا ہوں بولو تم اپنی رائے بتاؤ اس پر انہوں نے کہا يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (کہ اے ابا جان جس چیز کا آپ کو حکم ہوا ہے وہ کر گزریئے۔ مجھے آپ ان شاء اللہ صابروں میں سے پائیں گے) پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کے لئے لٹایا تو بخوشی لیٹ گئے اور ذبح ہونے کے لئے تیار ہو گئے صبر کا جو وعدہ کیا تھا پورا کر دکھایا۔

دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (اور وہ رسول تھے نبی تھے) چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر کتاب نازل ہونے اور شریعت جدیدہ دیئے جانے کی کہیں کوئی تصریح نہیں ہے اور بظاہر وہ شریعت ابراہیمیہ کے مبلغ اور داعی تھے اس لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان پر رسول کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے بیان القرآن میں اس کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ گو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شریعت شریعت ابراہیم ہی تھی لیکن قوم جرہم کو اس کا علم چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کے ذریعہ حاصل ہوا اس لئے ان کے لئے لفظ رسول کا اطلاق کیا گیا۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم فرماتے تھے معلوم ہوا کہ گھر والوں کی تعلیم و تربیت میں نماز اور زکوٰۃ کا خصوصی دھیان رکھنا چاہئے نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ نفس کو ان دونوں کا پابند کیا جائے اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس کا پابند کرایا جائے تو دین کے باقی احکام پر بھی چلنا آسان ہو جاتا ہے۔

چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال و اطوار پسند تھے وہ ان بندوں میں سے تھے جن سے اللہ راضی ہوا (واضح رہے کہ کسی ایک شخصیت کے لئے کسی صفت سے متصف کرنے کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ اس کے علاوہ دیگر افراد اس سے متصف نہیں ہیں یا اس میں دیگر صفات نہیں ہیں خوب سمجھ لیا جائے۔

پھر فرمایا وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ (اور کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے) اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (بلاشبہ وہ بڑے سچے تھے نبی تھے) وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (اور ہم نے ان کو بلند مرتبہ پر اٹھا دیا) اس میں حضرت ادریس علیہ السلام کو صدیق اور نبی بتایا کہ ہم نے انہیں بلند مرتبہ پر اٹھا دیا بلند مرتبہ کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ

آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے بعد وہاں ان کی موت ہوئی مفسر ابن کثیر نے صفحہ ۱۲۶ جلد ۳ میں حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ادریس رفع لم یمت کما رفع عیسیٰ اور حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رفع الی السماء السادسة فمات بها لیکن اس سلسلہ کی جو روایات ہیں اول تو مرفوع نہیں ہیں دوسرے ان کی اسانید ذکر نہیں کی گئیں اور رفع الی السماء کے قصے کعب الاحبار سے منقول ہیں جو سراپا اسرائیلیات ہیں۔ اگر چہ روح المعانی صفحہ ۱۰۶ جلد ۱۶ میں بحوالہ ابن المنذر حدیث کو مرفوعاً بھی بیان کیا لیکن حدیث کے الفاظ میں رکاکت ہے جو افصح الفصحاء ﷺ کے الفاظ نہیں ہو سکتے دوسرے قصہ اسی طرح نقل کیا ہے جیسے کعب وغیرہ سے منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے معروف قصہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔ صاحب روح المعانی نے بھی قول رسول اللہ ﷺ کہنے کی ہمت نہیں کی یرفع الحدیث الی النبی ﷺ کہہ کر گزر گئے اور اخیر میں لکھ دیا واللہ اعلم بصحته و کذا لصحة ما قبله من حرکعب محققین کا کہنا ہے کہ ورفعناہ مکانا علیا سے حضرت ادریس ﷺ کا مرتبہ بلند کرنا مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطا فرمائی اور اپنا مقرب بنایا یہ سب سے مرتبہ میں آتا ہے۔

حضرت ادریس ﷺ کا زمانہ اور بعض خصوصی احوال

صاحب روح المعانی نے مستدرک حاکم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ادریس ﷺ حضرت نوح ﷺ سے ایک ہزار سال پہلے تھے اور ان کا نام اخنوخ بتایا ہے، پھر چودہ واسطوں سے حضرت شیث ابن آدم ﷺ تک ان کا نسب بیان کیا ہے پھر لکھا ہے کہ حضرت ادریس ﷺ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نجوم یعنی ستاروں کا مطالعہ کیا اور حساب جاری کیا اور سب سے پہلے لکھنا شروع کیا اور سب سے پہلے سلے ہوئے کپڑے پہننے سینے کا شغل رکھتے تھے اور ان سے پہلے لوگ کھالوں کے کپڑے پہنتے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے اور انہوں نے سب سے پہلے ناپ اور تول کے پیمانے جاری کیے اور ہتھیار بنائے، معالم التنزیل میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے کافروں سے قتال کیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہیں ادریس اس لئے کہا گیا کہ وہ کثرت سے کتب اللہ کا درس دیا کرتے تھے، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لفظ سریانی ہے عربی نہیں ہے اور درس سے مشتق نہیں ہے کیونکہ یہ کلمہ غیر منصرف ہے (غیر منصرف ہونا اسی وجہ سے ہے کہ اس میں عجمہ اور علم ہے) پھر لکھتے ہیں کہ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ سریانی زبان میں بھی اس لفظ کا معنی اسی معنی کے قریب ہو جو عربی میں پڑھا جاتا ہے بہت کثرت درس کی وجہ سے انہیں ادریس کا لقب دے دیا گیا ہو۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی ان میں سے انبیاء کرام میں جو آدم کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ

نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

کشتی میں سوار کیا اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور جنہیں ہم نے چن لیا جب ان پر رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں

السجدة

آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ﴿٥٨﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا

تو سجدہ کرتے ہیں اور روتے ہوئے گر جاتے تھے۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشوں کے پیچھے لگ گئے

الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

سو یہ وہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے سوائے اس شخص کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ

اور ان پر ذرا سا ظلم نہ کیا جائے گا۔ یہ جنت ہمیشہ رہنے کے باغوں کو شامل ہوگی جس کا رحمن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے بلاشبہ اس کا وعدہ کا وقت ضرور

مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ

آنے والا ہے وہ اس میں سلام کے علاوہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے اور ان کا رزق انہیں جنت میں صبح شام ملا کرے گا۔ یہ

الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اسے وارث بنائیں گے جو ڈرنے والا ہو۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے باہمی رشتے اور ان کے منتسبین کے دو گروہ

ابتدائے سورت سے یہاں تک متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے اب آیت بالا میں فرمایا کہ یہ سب وہ حضرات ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان کو نبوت سے سرفراز کیا اور یہ تمام حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے تھے اور ان میں سے بعض وہ حضرات تھے جو ان لوگوں کی نسل سے تھے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ عموماً حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں جو بھی آبادی ہے انہیں کی نسل سے ہے۔ لہٰذا ان کے بعد آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام انہیں کی نسل سے ہوئے البتہ ادریس علیہ السلام ان سے پہلے تھے ان کے اجداد میں سے تھے اس لئے وہ اس وصف میں شریک نہیں ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسرائیل یعنی یعقوب علیہما السلام کی اولاد میں حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ تھے اور حضرت اسحٰق اور حضرت اسماعیل علیہم السلام بلا واسطہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے ان حضرات کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے ان کو ہدایت دی اور ان کو چن لیا ان کا یہ حال تھا کہ جب ان پر رحمن کی آیات تلاوت کی جاتی تھیں تو روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے تھے۔ ان کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو ان کی طرف منسوب ہوتے تھے جن میں پہلے ان لوگوں کا تذکرہ کیا جو ناخلف تھے پھر مؤمنین اور متبعین اور صالحین کا تذکرہ فرمایا فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ (ان حضرات کے بعد ایسے ناخلف آگئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا) نماز کو بالکل نہ پڑھنا وقت سے ٹال کر پڑھنا بری طرح پڑھنا یہ سب نماز کو ضائع کرنے میں شامل ہے سورۂ ماعون میں فرمایا فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (سو خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں) حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے اللہ تعالیٰ کے فرمان الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ سَاهُوْنَ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز میں ادھر ادھر کا خیال نہ آئے بلکہ آیت میں سَاهُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ نماز کے وقت کو ضائع کر دے ادھر ادھر کے کاموں میں لگا رہے اور نماز کا دھیان نہ رہے۔ (رواہ ابو یعلی باسناد حسن کما فی الترغیب والترہیب صفحہ ۳۸۷ جلد ۱)

شہوتوں کا اتباع ہر گناہ پر آمادہ کرتا ہے..... وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ اس میں انسانوں کے اصل روگ کو بیان فرمایا اور وہ ہے

خواہشوں کے پیچھے چلنا، نفسانی خواہشوں کا اگر مقابلہ نہ کیا جائے اور انسان ہمت اور جرأت سے کام نہ لے اور جو نفس چاہے وہی کرتا رہے تو یہ بڑے نقصان کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور بربادی کا سبب بن جاتا ہے، جانی عبادات نماز، روزہ اور مالی عبادت زکوٰۃ، صدقات کی ادائیگی میں جو غفلت اور کوتاہی ہوتی ہے یا زندگی میں گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے اس میں اصل یہی خواہشات نفس کا اتباع ہوتا ہے، روح المعانی (صفحہ ۱۰۹ جلد ۱۷) میں ہے **الشھوات عام فی کل مشتھی یشغل عن الصلوٰۃ عن ذکر اللہ تعالیٰ** انسان نماز نہیں پڑھتا اس لئے کہ نفس آمادہ نہیں، نیند چھوڑنا گوارا نہیں، زکوٰۃ اس لئے نہیں دیتا کہ نفس مال خرچ کرنے پر تیار نہیں، چوری، خیانت، ڈکیتی، دھوکہ دہی اس لئے کرتا ہے کہ نفس کو مال کی کثرت مرغوب ہے شراب پیتا ہے۔ زنا اور داعی زنا کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ اس میں نفس کی لذت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی اصل خرابی خواہش نفس کا اتباع ہے اور یہ نفس کا اتباع گناہوں کی جڑ ہے۔ **فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا** (سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے) **غیّ غوا یغوی** سے ماخوذ ہے واؤ کا یا میں ادغام ہو گیا اس کا اصل ترجمہ بہکنا اور راہ حق سے بھٹک جانا ہے اسی لئے بعض حضرات نے اس جملہ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ یہ لوگ اپنی گمراہی کی سزا پالیں گے اور بعض نے حاصل ترجمہ کیا ہے کہ یہ لوگ خرابی سے ملاقات کریں گے اور صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر اور طبرانی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ غی جہنم کے نیچے حصے میں ایک نہر ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ بہتی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ غی دوزخ میں پیپ کی ایک نہر یا ایک وادی ہے جو خوب گہری ہے اس کا مزہ بہت خبیث ہے اس میں وہ لوگ ڈالے جائیں گے جو خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔

صالحین کا تذکرہ اور ان سے جنت کا وعدہ **اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ شَیْئًا** (مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کسی چیز کا ظلم نہیں کیا جائے گا) جو لوگ ناخلف تھے گناہ گاریوں میں لگ گئے حتی کی حدود کفر میں چلے گئے ان میں سے جس نے توبہ کر لی ایمان قبول کر لیا اور اعمال صالحہ میں لگا رہا اس کے لئے خوشخبری دی کہ یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ان پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہ ہوگا۔ ان کا کوئی نیک عمل ضائع نہیں کیا جائے گا۔ کوئی شخص نافرمانی میں کتنی ہی دور چلا جائے جب بھی توبہ کرے اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔

اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ..... **جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَہٗ بِالْغَیْبِ** یعنی ہمیشہ رہنے کے باغوں میں داخل ہوں گے جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا اور یہ وعدہ بالغیب ہے یہ حضرات جنت کے وعدوں پر بغیر دیکھے ایمان لائے دنیا میں جنت کو دیکھا نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ جو خبر دی ہے اور جو وعدہ فرمایا ہے اس کی تصدیق کی ہے اور اس میں پورا پورا یقین کیا۔

اِنَّہٗ کَانَ وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہوگا)

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا (جنت میں سلام ہی کی آوازیں سنیں گے کوئی لغو اور فضول اور بے فائدہ بات نہیں سنیں گے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر سلام آئے گا **سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ** اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے **تَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ** اور فرشتے جب ان کے پاس آئیں گے تو وہ بھی سلام کریں گے۔ **سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ** (تم اس وجہ سے باسلامت رہو گے کہ تم نے صبر کیا سو اس جہاں میں تمہارا اچھا انجام ہوا) **وَلَھُمْ رِزْقُھُمْ فِیْھَا بُکْرَۃً وَّ عَشِیًّا** (اور انہیں اس میں صبح شام رزق ملے گا) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر (صفحہ ۱۲۹ جلد ۳) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ صبح شام

سے رات اور دن کی مقدار مراد ہے وہاں رات اور دن نہ ہوگا البتہ ان کی مقدار پردے ڈال دینے اور پردوں کے اٹھا دینے سے رات دن کے اوقات پہچان لیں گے اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہاں صبح شام تو نہ ہوگی لیکن جس طرح وہ دنیا میں ان کے کھانے پینے کے اوقات تھے اور ان کے مطابق صبح و شام کھانے کھاتے تھے انہیں اوقات کے اندازہ کے موافق انہیں رزق پیش کیا جائے گا (اور یوں ہر وقت جو چاہیں گے اور طلب کریں گے ان کی خواہش پوری کی جائے گی)

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (یہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اسے وارث بنائیں گے جو متقی تھا) جنت کی بعض نعمتیں بیان فرمانے کے بعد جنت کے مستحقین کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جنت اہل تقویٰ کو ملے گی اہل تقویٰ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے ہیں سب سے بڑا تقویٰ تو شرک اور کفر سے بچنا ہے کوئی کافر مشرک جنت میں داخل نہ ہوگا اہل ایمان ہی جنت میں جائیں گے پھر چونکہ اہل ایمان میں درجات کا تفاوت ہے۔ تقویٰ کے اعتبار سے بھی فرق مراتب ہے اس لئے وہاں بھی تقویٰ اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے فرق مراتب ہوگا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

اور ہم نہیں نازل ہوتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔ اسی کیلئے ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے، اور آپ کا رب بھولنے

نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ ع ۴

والا نہیں ہے۔ وہ رب ہے آسمان کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سو آپ اس کی عبادت کیجئے اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہئے کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں؟

حضرت رسول کریم ﷺ کے سوال فرمانے پر جبریل علیہ السلام کا جواب کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں

سبب نزول کے بارے میں امام بخاری (صفحہ ۲۹۱ جلد ۲) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا تمہیں اس سے کیا مانع ہے کہ ہمارے پاس جتنی مرتبہ آتے ہو اس سے زیادہ آیا کرو۔ اس پر آیت شریفہ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ نازل ہوئی جس میں حضرت جبریل علیہ السلام کا جواب ذکر فرمایا انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم خود نہیں آتے جب آپ کے رب کا حکم ہوتا ہے ہم اسی وقت آتے ہیں، اور صاحب روح المعانی صفحہ ۱۱۳ جلد ۱۶ میں کہتے ہیں کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصہ اور روح کے بارے میں جو مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا تھا اور آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ کل کو بتادوں گا پھر چند دن تک وحی نہیں آئی تو آپ کو بہت زیادہ رنج ہوا اور مشرکین بھی طعن کرنے لگے پھر جب جبریل علیہ السلام چند دن کے بعد تشریف لائے تو آپ نے فرمایا اے جبریل! تم نے آنا بند کر دیا اور میں تمہاری ملاقات کا مشتاق رہا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے بھی آپ کی ملاقات کا شوق تھا لیکن میں مامور بندہ ہوں جب بھیجا جاتا ہوں نازل ہو جاتا ہوں اور جب روک دیا جاتا ہوں تو رک جاتا ہوں اس پر آیت بالا اور سورۂ والضحیٰ نازل ہوئی اور جبریل علیہ السلام کا جواب نقل فرمایا۔

مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا کا مطلب کیا ہے؟..... حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ بات بتا کر ہم صرف اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے نازل ہوتے ہیں مزید یوں کہا لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا (اسی کے لئے ہے جو ہمارے آگے اور جو ہمارے پیچھے ہے) یہ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا

وما خلفنا کا لفظی ترجمہ ہے اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ ما بین ایدینا سے آنے والا زمانہ اور وما خلفنا سے گزشتہ زمانہ مراد ہے اور ما بین ذٰلک سے زمانہ حال مراد ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام کے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سارا زمانہ اور جو کچھ زمانہ میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے ہم جس وقت آتے ہیں اسی کے حکم سے اور جس وقت ہماری آمد رکی رہتی ہے اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ہمیں نازل ہونے کا حکم نہیں ہوتا حضرت ابوالعالیہ تابعی نے فرمایا کہ ما بین ایدینا سے پوری دنیا مراد ہے جو پہلی بار صور پھونکنے تک ہے اور وما خلفنا سے آخرت مراد ہے اور وما بین ذٰلک سے نفخہ اولیٰ (پہلی بار صور پھونکنا) اور نفخہ ثانیہ (دوسری بار صور پھونکا جانا) اور ان کا درمیانی وقفہ مراد ہے جو چالیس سال کا ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ ما بین ایدینا سے زمین اور وما خلفنا سے آسمان مراد ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے زمان اور مکان دونوں مراد لئے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمان اور ہر مکان کا مالک ہے اسی کے حکم سے کسی جگہ سے دوسری جگہ آنا جانا ہوتا ہے اور اسی کے حکم سے ہر زمانہ میں نزول اور عروج دخول اور خروج اور منتقل ہونا اور آنا جانا ہوتا ہے والمراد انه تعالیٰ المالک ذٰلک فلا ننتقل من مکان الی مکان ولا تنزل فی زمان دون زمان الا باذنه عزوجل ۔ (روح صفحہ ۱۱۴ جلد ۱۶)

علامہ بغوی معالم التنزیل صفحہ ۲۰۲ میں لکھتے ہیں کہ یہاں علم مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

وما کان ربُّک نسیًّا (اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے) اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور سارا ملک اسی کا ہے اس پر غفلت اور نسیان طاری نہیں ہو سکتا وہ آپ کی طرف سے اور آپ کی طرف وحی بھیجنے سے غافل نہیں ہے وحی بھیجنے میں جو تاخیر فرمائی وہ حکمت کی وجہ سے تھی اس حکمت کو وہ جانتا ہے، مزید فرمایا ربُّ السمٰوٰت والارض وما بینھما (وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے) وہ اپنی مخلوق کو اور مخلوق کے احوال کو پوری طرح جانتا ہے اور اپنی حکمت کے مطابق تصرف فرماتا ہے۔

فاعْبُدْهُ واصْطبِرْ لِعبادته جب وہ آسمان و زمین کا اور ان کے درمیان ہر چیز کا رب ہے تو اسی کی عبادت کرنا لازم ہے اسی کی عبادت کیجئے اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہئے اس بات میں جو مشقتیں آئیں انہیں برداشت کیجئے وحی جو دیر میں آئی اس سے رنجیدہ نہ ہو جائیے اور کافروں کی باتوں کا خیال نہ کیجئے قال صاحب الروح (صفحہ ۱۱۵ جلد ۱۶) فاقبل علی عبادته واصطبر علی مشاقها ولا تحزن ما بطاء الوحی وکلام الکفرة فانه سبحانه یراقبک ویراعیک ویلطف بک فی الدنیا والاٰخرة۔

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا (کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں) لفظ سمیّ (بتشدید الیاء) کا مشہور تر جمہ وہی ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے یعنی ہم نام۔ اللہ تعالیٰ کا ہم نام کوئی نہیں۔ اہل ایمان تو اللہ کے ہم نام کسی کا نام رکھ ہی نہیں سکتے۔ مشرکین کو بھی یہ جرات نہیں ہوئی کہ وہ اپنے کسی معبود باطل کو اسم جلیل لفظ اللہ کے ساتھ موسوم کرنے کی ہمت کرتے، اور بعض مفسرین نے سمیّ کو بمعنی مساوی لیا ہے ان حضرات کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل اور برابر کوئی نہیں ہے یہ معنی لینا بھی درست ہے۔

وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ

اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا یہ ضروری بات ہے کہ میں عنقریب زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ کیا انسان اس بات کو نہیں سوچتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے

مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ يَكُ شَيْـًٔا ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ

پہلے پیدا ہو چکا ہے حالانکہ تب کچھ بھی نہ تھا تو جو ذات پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے) پھر ہم قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان کو اور شیاطین کو ضرور جمع کریں گے کہ گھٹنوں کے

جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ

بل گرے ہوئے جہنم کے گرد حاضر کریں گے پھر ہم ہر گروہ میں سے ان کو الگ کریں گے جو ان میں رحمن کے مقابلہ میں سب سے زیادہ سخت سرکش تھے پھر

لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝

ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو دوزخ میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔

انسانوں کا قیامت کے دن زندہ ہونے سے انکار کرنا اور منکرین کا شیاطین کے ساتھ حشر ہونا

اللہ جل شانہٗ کی توحید اور اس کا قدرت و اختیار والا اور وحدہٗ لاشریک ہونا بیان فرمانے کے بعد معاد یعنی قیامت کا دن واقع ہونے اور میدان آخرت میں لوگوں کے جمع ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ اول تو انسان کی اس جاہلانہ اور معاندانہ بات کا تذکرہ فرمایا کہ میں جب مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ ہو کر اٹھوں گا؟ انسانوں کا یہ کہنا بطور تعجب اور انکار کے ہے، جو لوگ قیامت کو نہیں مانتے وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مر کر جی اٹھنا سمجھ میں نہیں آتا مر کھپ گے ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اب کیسے جئیں گے اور کیسے اٹھیں گے؟ قرآن مجید میں منکروں کی یہ بات کئی جگہ ذکر فرمائی ہے ان کے جواب میں فرمایا کہ انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ میں پہلی بار وجود میں کیسے آیا جبکہ مٹی سے پیدا ہوا اس کی نسل چلی اور یہ نسل مرد اور عورت کے ملاپ سے چلتی ہے اور سب جن نطفہ میں اللہ تعالیٰ جان ڈال دیتا ہے پھر یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ موت دے کر دوبارہ پیدا فرما دے اور ہڈیوں میں جان ڈال دے اور ان پر گوشت اور پوست چڑھا دے سورہ یٰسٓ میں فرمایا وضرب لنا مثلا ونسی خلقه قال من يحي العظام وهي رميم قل يحييها الذي انشاها اول مرة (اور انسان ہمارے لئے مثال دینے لگا اس نے کہا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی، آپ فرما دیجئے کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا، انسان کا انکار معاد پھر اس کی تردید فرمانے کے بعد منکرین کا قیامت کے دن حاضر ہونا اور بدحال ہونا اور دوزخ میں داخل کیا جانا بیان فرمایا فورتك لنحشرنهم والشياطين (سو قسم ہے آپ کے رب کی ان لوگوں کو اور شیاطین کو ضرور جمع کریں گے) منکرین کافرین قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور شیاطین بھی حاضر ہوں گے شیاطین کا دنیا میں یہ کام تھا کہ انسانوں کو بہکاتے اور ورغلاتے تھے اور انہیں کفر و شرک پر ڈالتے تھے اور یہ شیاطین خود بھی کافر تھے میدان قیامت میں یہ گمراہ ہونے والے اور گمراہ کرنے والے سب جمع کیے جائیں گے منکرین نے فرمایا ہے کہ یہ بہکانے والے اور بہکاوے میں آنے والے باہم ملا کر زنجیروں میں باندھے ہوئے حاضر ہوں گے، دنیا میں ساتھ تھے حشر کے دن بھی ساتھ ہوں گے، وہاں کا ساتھ ہونا زیادہ مضبوط ہوگا یہاں تو پاس اٹھنے بیٹھنے ہی میں ساتھ تھے اور وہاں ہتھکڑی اور جکڑ بندی کی صورت میں حاضر کیے جائیں گے۔

ثم لنحضرنهم حول جهنم جثيا (پھر ہم ان کو دوزخ کے قریب اس حال میں جمع کریں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں) کافرین اور شیاطین (جو خود بھی کافر ہیں اور انسانوں کو کفر پر ڈالتے رہتے ہیں) قیامت کے دن جمع کیے جائیں گے پھر دوزخ کے آس پاس حاضر کر دیئے جائیں گے اور حاضر ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔

ان کی یہ حاضری مذکورہ حالت میں ذلیل کرنے کے لئے ہوگی۔ جو لوگ دنیا میں اہل باطل تھے کفر پر جمے رہتے تھے اور کفر پر جمنے اور جمانے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے ان میں چھوٹے بھی تھے اور بڑے بھی، سردار بھی تھے اور ان کے فرمانبردار بھی، جب یہ سب حاضر ہوں گے تو ان میں سے جو شدید ترین سرکش ہوں گے جو رحمٰن جل مجدہٗ کی نافرمانی پر مضبوطی سے جمے رہے اور دوسروں کو بھی نافرمانی پر لگاتے رہے انہیں علیحدہ کر لیا جائے گا اس کو ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا میں بیان فرمایا۔ (روح المعانی ص ۱۱۹ ج ۱۶)

اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم اصحاب کفر کی جماعتوں میں سے سب سے زیادہ نافرمان انسانوں کو علیحدہ کر دیں گے، ان کے بعد انہیں علیحدہ کریں گے، جو نافرمانی اور سرکشی میں ان کے بعد ہوں گے یہاں تک کہ نافرمانیوں کے اعتبار سے ترتیب وار الگ الگ ان کے بڑوں کو علیحدہ علیحدہ کرتے رہیں گے پھر انہیں دوزخ میں ڈال دیں گے جو شخص جس درجہ کا نافرمان ہوگا اسی درجہ کا عذاب پائے گا اور ہر ایک کا عذاب نافرمانی کے بقدر ہوگا جو لوگ کفر کے سرغنے تھے ایمان سے روکا کرتے تھے انہیں عام کافروں کے اعتبار سے زیادہ عذاب ہوگا سورۂ نحل میں فرمایا اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ○ (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا ہم ان کا عذاب پر عذاب بڑھا دیں گے اس وجہ سے کہ وہ فساد کرتے تھے)

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا (پھر ہم ہی ان لوگوں کو خوب جاننے والے ہیں جو دوزخ میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں) نافرمانی اور سرکشی کے اعتبار سے جب جدا کر لئے جائیں گے تو پھر ان میں سے اسی ترتیب کے مطابق دوزخ میں داخل ہونے کا کون زیادہ مستحق ہے اس کو ہم خوب جانتے ہیں جس درجہ کا کوئی کافر ہوگا اسی درجہ کے اعتبار سے داخلہ کی ترتیب میں بھی مقدم ہوگا اس پر عذاب کی سختی بھی اسی اعتبار سے زیادہ ہوگی۔ قال صاحب الروح فكانه قيل ثم لنحن اعلم بتصلية هؤلاء وهم اولى بالصلى من بين سائر الصالين و دركاتهم اسفل و عذابهم اشد.

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس پر وارد نہ ہو۔ آپ کے رب کا یہ حکم لازمی ہے جس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے پھر ہم ان لوگوں کو نجات دے دیں گے جو ڈرتے تھے

وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ○

اور ظالموں کو اس میں ایسی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔

تمام بنی آدم دوزخ پر وارد ہوں گے، اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو نجات کی نعمت سے نوازے گا

ان دونوں آیتوں میں یہ ارشاد فرمایا کہ بنی آدم میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کا دوزخ پر ورود نہ ہو ضرور تو سبھی کا ہوگا لیکن متقی اس سے نجات پائیں گے اور ظالم لوگ اسی میں گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اور پھر اسی میں رہیں گے۔

ورود سے کیا مراد ہے اس کی مشہور تفسیر تو یہی ہے کہ تمام مومن اور کافر اور نیک اور بد پل صراط پر گزریں گے جو دوزخ پر قائم ہوگی اللہ سے ڈرنے والے مومنین اپنے اپنے درجہ کے موافق صحیح سلامت اس پر سے گزر جائیں گے۔

اور بدعمل چل نہ سکیں گے اور دوزخ کے اندر سے بڑی بڑی سنڈاسیاں نکلی ہوئی ہوں گی جو گزرنے والوں کو پکڑ کر دوزخ میں گرانے والی ہوں گی ان سے چھل چھلا کر گزرتے ہوئے بہت سے (بدعمل) مسلمان پار ہو جائیں گے اور جن کو دوزخ میں گرانا ہی منظور ہوگا وہ

سنڈاسیاں ان کو گرا کر چھوڑیں گی۔ پھر کچھ مدت کے بعد اپنے اپنے عمل کے موافق نبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے اور آخر میں براہ راست ارحم الراحمین کی مہربانی سے وہ سب دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ جنہوں نے سچے دل سے کلمہ پڑھا تھا اور دوزخ میں صرف کافر مشرک اور منافق ہی رہ جائیں گے۔ (الترغیب والترہیب لحی فظ بن المنذری صفحہ ۴۳۴ ج ۴)

اور بعض حضرات سے یوں مروی ہے کہ ورود سے دخول مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ دوزخ میں داخل تو سبھی ہوں گے لیکن اہل ایمان کے لیے وہ ٹھنڈی ہو جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً یہ مضمون نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یوں ہی منقول ہے کہ وہ ورود سے دخول مراد لیتے تھے (ابن کثیر صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۳) عبور پل صراط کا انکار تو نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ صحیح احادیث سے ثابت ہے صحیحین وغیرہ میں روایات موجود ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول (ورود بمعنی دخول) کو اور عبور پل صراط والی روایات کو مانتے ہوئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ جو اہل ایمان پل صراط سے گزر جائیں گے وہ پار ہونے کے بعد دوزخ میں داخل ہوں گے جو ان کے لئے ٹھنڈی کر دی جائے گی اور سہولت کے ساتھ باہر آ کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ

اور جب ان پر ہماری کھلی کھلی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے

خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ۝

مقام کے اعتبار سے کون بہتر ہے اور مجلس کے اعتبار سے کون اچھا ہے؟ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کر دیں جو سامان اور ظاہر میں بھلے اعتبار سے اچھے تھے

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا

آپ فرما دیجئے کہ جو شخص گمراہی میں ہو گا تو رحمن اسے مہلت دے گا یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۝ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ

تو یا عذاب ہو گا یا قیامت ہو گی۔ سو عنقریب جان لیں گے کہ وہ کون ہے جو بری جگہ والا ہے اور لشکر کے اعتبار سے کمزور تر ہے۔ اور جن لوگوں نے ہدایت

الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝

پائی اللہ انکی ہدایت کو اور بڑھا دے گا اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

کافروں کا سوال کہ دونوں فریق میں مقام اور مجلس کے اعتبار سے کون بہتر ہے؟ اور ان کے سوال کا جواب

رسول اللہ ﷺ پر جب آیات تلاوت کی جاتی تھیں جو اپنے معانی کے اعتبار سے واضح ہیں اور جن کے معانی ظاہر ہیں تو انہیں سن کر ایمان لانے کے بجائے معاندین مزید سرکشی پر تل جاتے تھے اور جنہوں نے ایمان قبول کیا ان سے کہتے تھے کہ دیکھو ایک فریق ہمارا ہے اور ایک فریق تمہارا ہے اب بتاؤ کہ دونوں میں سے کون سا فریق مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے اور مجلس کے اعتبار سے بہتر ہے اور اچھا ہے؟

ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ ہم لوگ دنیا میں اچھے حال میں ہیں اچھا کھاتے پیتے ہیں اور اچھا پہنتے ہیں ہماری مجلسیں بھی اچھی ہیں بن سنور کر خوشبو لگا کر عمدہ کپڑے پہن کر مجلسوں میں جمع ہوتے ہیں اور تم لوگ ایسے ہو کہ نہ کھانے کو اور نہ پہننے کو، ان حالات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تم حق پر اور ہم باطل پر ہوتے تو دنیا میں تمہارا حال اچھا ہوتا اور ہم بدحالی میں مبتلا ہوتے موجودہ جو صورتحال ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت بہتر ہے۔ ان کا کلام بظاہر ایک طرح کا سوال تھا لیکن حقیقت میں ان کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان چونکہ دنیاوی اعتبار سے کمزور حالت میں ہیں اس لئے ان کے مقابلہ میں ہم اللہ کے نزدیک بہتر ہیں۔ یہ ان کی جاہلانہ بات تھی کیونکہ دنیا میں اچھے حال میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جو شخص صاحب مال ومتاع ہو اللہ کے نزدیک حق پر ہو اور اللہ کا مقبول بندہ ہو ان کے خیال کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا (اور ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کر دیں جو ساز وسامان اور نظروں میں بھانے کے اعتبار سے اچھے تھے) مطلب یہ ہے کہ تم نے ظاہری زینت اور ساز وسامان کی ظاہری خوبی اور بہتری کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کی دلیل بنا لیا تمہارا یہ خیال غلط ہے اس سے پہلے بہت سی امتیں اور جماعتیں گزر چکی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی کی وجہ سے ہلاک فرما دیا دنیاوی نعمتیں اگر اللہ کے ہاں مقبول اور معزز ہونے کی دلیل ہوتیں تو وہ لوگ کیوں ہلاک کیے جاتے اور ان کے برعکس اہل ایمان کیوں نجات پاتے، عاد اور ثمود اور دوسری امتیں جو گزری ہیں ان کے احوال تم نے سنے ہیں ان کے کھنڈرات پر گزرتے ہو ان کی تباہی کے واقعات جانتے ہو پھر بھی الٹی دلیلیں دیتے ہو اور غلط باتیں کرتے ہو۔ سورۂ سبا میں فرمایا وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (اور ان سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے تکذیب کی تھی اور یہ تو اس سامان کے اعتبار سے جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے تو انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی سو میرا کیسا عذاب ہوا)۔

کافروں کو ڈھیل دی جاتی ہے بعد میں وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے..... مال واسباب پر فخر کرنے والوں کو اول تو یہ جواب دیا کہ ان سے پہلے کتنی جماعتیں گزر چکی ہیں جو ساز وسامان اور زیب وزینت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں انہیں ہلاک کر دیا گیا پھر ارشاد فرمایا قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا اس میں یہ بتایا کہ گمراہی پر ہوتے ہوئے ساز وسامان نعمت نہیں ہے بلکہ یہ استدراج یعنی ڈھیل ہے اس ڈھیل کی وجہ سے اور زیادہ گمراہی میں ترقی کرتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی عذاب دنیاوی کو یا موت کے وقت کی تکلیف کو تو اس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ مومنین اور کافرین میں سے کون بدترین مرتبہ کو پہنچا اور جماعت کے اعتبار سے کون زیادہ کمزور نکلا۔ لفظ شَرٌّ مَّكَانًا، خَيْرٌ مَّقَامًا کے جواب میں اور اَضْعَفُ جُنْدًا، اَحْسَنُ نَدِيًّا کے جواب میں فرمایا لشکر کے اعتبار سے کمزور تر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی مصیبت کے وقت کوئی مدد گار نہ ہوگا اور دنیا میں جتنے اہل مجلس تھے کوئی بھی کچھ نہ مدد کرے گا نہ کر سکے گا پھر فرمایا وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى اس میں ہدایت والوں کی فضیلت بیان فرمائی اہل کفر کفر پر جمے ہوئے ہونے کی وجہ سے عذاب آنے تک ڈھیل میں ہیں اور ہدایت پانے والے یعنی اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کے انعام کے مستحق ہیں، انعام تو بہت ہیں ان میں سے ایک انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دے گا اور ہدایت پر استقامت نصیب فرمائے گا اور چونکہ اچھے اعمال پر ابھارتا ہے اور اہل ایمان کے اعمال صالحہ مقبول ہیں اس لئے آیت کے ختم پر یوں فرمایا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ

خَیْرٌ مَّرَدًّا یعنی اعمال صالحہ جو باقی رہنے والے ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بھی، کیونکہ ان کا انجام ہمیشہ کی خوشی اور ہمیشہ کی نعمتیں ہیں جو دار النعیم یعنی جنت میں ہیں گی۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ كَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہنے لگا کہ مجھے فرضہ ورضہ اور اولاد دیئے جائیں گے۔ یا اسے غیب کا پتہ چل گیا یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے۔

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا یَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّ نَرِثُهٗ

ہرگز نہیں ہم عنقریب اس کی بات لکھ لیں گے اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے رہیں گے اور اس کی کہی ہوئی چیزوں کے

مَا یَقُوْلُ وَ یَاْتِیْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾

ہم مالک رہ جائیں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔

بعض منکرین کے اس دعوے کی تردید کہ مجھے قیامت کے دن بھی اموال واولاد دیئے جائیں گے

پہلی آیت کا سبب نزول حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ میں ایک سنار تھا اور عاص بن وائل مشرک پر میرا قرضہ تھا۔ میں اس کے پاس تقاضا کرنے کے لئے آیا اور اس نے کہا کہ اللہ کی قسم میں اس وقت تک تیرا قرضہ ادا نہیں کروں گا جب تک کہ تو محمد ﷺ کی نبوت کا انکار نہ کر دے، میں نے جواب میں کہا کہ اللہ کی قسم میں کبھی بھی محمد ﷺ کے ماننے سے منکر نہ ہوں گا یہاں تک کہ تو مر جائے پھر دوبارہ اٹھایا جائے، اس پر عاص بن وائل نے کہا کہ کیا میں مرنے کے بعد اٹھایا جاؤں گا؟ میں نے کہا ہاں تو ضرور اٹھایا جائے گا اس پر وہ کہنے لگا کہ اگر میں مرنے کے بعد اٹھایا جاؤں گا تو میں وہیں تیرے قرضہ کی ادائیگی کر دوں گا کیونکہ مجھے وہاں بھی مال ملے گا اور مجھے وہاں بھی اولاد دے دی جائے گی اس پر آیت شریفہ افرایت الذی کفر بایاتنا (الآیۃ) نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶۹۱/۶۹۲ جلد ۲)

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ چند صحابہ کا عاص بن وائل پر قرضہ تھا وہ اس کے پاس تقاضا کرنے کے لئے آئے تو اس نے کہا کہ آپ لوگ یوں کہتے ہیں کہ جنت میں سونا چاندی ہے اور ریشم ہے اور ہر طرح کے پھل ہیں صحابہ کرام نے جواب میں کہا کہ ہاں ہم تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں، کہنے لگا کہ اس تو میں تمہارے قرضے آخرت میں چکاؤں گا اللہ کی قسم مجھے مال بھی دیا جائے گا اور اولاد بھی اور جو کتاب تمہیں دی گئی ہے مجھے مل جائے گی اس پر آیت بالا نازل ہوئی، بات یہ ہے کہ ایسی باتیں وہی شخص کیا کرتا ہے جو ایمان کا مذاق بناتا ہے اور جو اپنے بارے میں یہ خیال کرتا ہے میں اللہ کا مقبول بندہ ہوں چونکہ اس نے مجھے یہاں مال واولاد سے نوازا ہے اس لئے اگر قیامت آ ہی گئی اور وہاں حاضری ہوئی تو مجھے وہاں بھی ایسا ہی ملے گا جیسے یہاں ملا ہوا ہے، اس نے یہ سب باتیں غریبوں کی تحقیر اور وقوع قیامت کی تکذیب اور نادہندگی کے بہانہ کے طور پر کہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کی تردید فرمائی جس میں عاص بن وائل اور اس جیسی باتیں کرنے والوں کی بے ہودگیوں کا جواب ہو گیا، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا۔ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ (یعنی اس نے یہ دعویٰ کیسے کیا کہ قیامت کے دن اسے مال اور اولاد سے نوازا جائے گا کیا اسے غیب کی خبر ہے؟ اپنی طرف سے خود ہی باتیں بناتا ہے اور غیب کی خبریں دیتا ہے کہ میرے ساتھ ایسا ایسا ہی ہوگا اور خبر بھی اس چیز کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، مطلب یہ ہے کہ اس کا جو یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسے ایسے دے گا بلا دلیل بلا علم

اور بلا اطلاع ہے سب کچھ اس نے اپنے پاس سے بنالیا۔

ام اتخذ عند الرحمٰن عھدا (کیا اس نے رحمٰن سے کچھ عہد لے لیا) کہ اسے یہ چیزیں دی جائیں گی اس کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی عہد نہیں ہے، وہ اپنے پاس سے باتیں بناتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ اپنی طرف سے یہ بات لگاتا ہے کہ مجھے بھی مال عطا فرمائے گا۔ کلا یہ کلمہ زجر اور توبیخ کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے جیسا اس نے خیال کیا ہے اس نے جو کچھ اپنے بارے میں سوچا اور کہا یہ سب غلط ہے اور گمراہی ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمنین کو نعمتیں ملیں گی اور کافرین ان سے محروم رہیں گے آتش دوزخ میں جلیں گے۔

سنکتب ما یقول (وہ جو باتیں کہتا ہے ہم انہیں عنقریب لکھ لیں گے) ونمد لہ من العذاب مدا (یعنی ہم اس کے لئے عذاب میں اضافہ کریں گے) کفر پر تو عذاب ہوتا ہی ہے اس کے لئے عذاب پر مزید عذاب ہے کیونکہ اس نے اللہ پر جرأت کی اور یوں کہا مجھے وہاں بھی مال اور اولاد دیئے جائیں گے، اس نے استہزاء کے انداز میں ایمان کا انکار کیا اور اللہ کے رسول ﷺ کی تکذیب کی ونرثہ ما یقول (اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے ہم اس کے وارث ہوں گے) یعنی دنیا میں ہم نے جو کچھ اسے دیا ہے مال ہو یا اولاد ہو یہ ہماری ملکیت ہے اور جب وہ مر جائے گا تو اس کی مجازی ملکیت بھی ختم ہو جائے گی جن چیزوں کو اپنی کہتا ہے وہ سب یہیں رہ جائیں گے ویاتینا فردا (اور وہ ہمارے پاس تن تنہا آئے گا) اس کے پاس وہاں نہ کوئی مال ہوگا نہ اولاد ہوگی جب یہ دنیا والا مال اور اولاد بھی ساتھ نہ ہوگا وہاں مزید مال ملنے کا دعویٰ کیسے کرتا ہے؟

واتخذوا من دون اللہ الھۃ لیکونوا لھم عزا ۝ کلا ۔ سیکفرون بعبادتھم

اور ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنالیے۔ تاکہ وہ ان کیلئے عزت کی چیز بن جائے۔ خبردار ایسا ہرگز نہیں ہے، وہ عنقریب ان کی عبادت کا انکار کریں گے

ع ۸ ویکونون علیھم ضدا ۝ الم تر انا ارسلنا الشیطین علی الکفرین تؤزھم ازا ۝

اور ان کے مخالف بن جائیں گے۔ اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انہیں خوب ابھارتے ہیں

فلا تعجل علیھم ۔ انما نعد لھم عدا ۝

سو آپ ان کے بارے میں جلدی نہ کیجئے ہم ان کی باتوں کو خوب شمار کر رہے ہیں۔

جنہوں نے غیر اللہ کی پرستش کی ان کے معبود اس بات کا انکار کریں گے کہ ہماری عبادت کی گئی اور اپنے عبادت کرنے والوں کے مخالف ہو جائیں گے

معبود حقیقی وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر جن لوگوں نے دوسرے معبود بنالیے ہیں وہ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ باطل معبود ہمارے لئے عزت کا باعث ہیں ان کی طرف منسوب ہونا ہمارے لئے فخر ہے جیسا کہ ابوسفیان نے غزوۂ احد کے موقع پر فخر کرتے ہوئے یوں کہا تھا لنا عزّٰی ولا عزّٰی لکم (ہمارے لئے عزّٰی بت ہے اور تمہارے لئے عزّٰی نہیں ہے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو یہ جواب دیدو اللہ مولانا ولا مولی لکم (اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارے لئے کوئی مولیٰ نہیں) مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ باطل معبود قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں گے۔ اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جن معبودوں کی عبادت وہ اپنے لئے عزت اور فخر سمجھتے ہیں

اور جنہیں اللہ کی بارگاہ میں سفارشی مانتے ہیں وہ مدد تو کیا کریں گے وہاں اس کے بات کے منکر ہو جائیں گے کہ ان مشرکوں نے ان کی عبادت کی تھی، سورۂ احقاف میں فرمایا وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو ان کے باطل معبود اپنے عبادت گزاروں کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے یہ باطل معبود نہ صرف اپنے عبادت گزاروں کی عبادت کے منکر ہوں گے بلکہ وہاں ان کے مخالف ہو جائیں گے اور ان کو الزام بھی دیں گے اور ان کے لئے عذاب دوزخ میں جانے کے خواہش مند ہوں گے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انہیں خوب ابھارتے رہتے ہیں سو آپ انکے بارے میں جلدی نہ کیجئے ہم انکی باتوں کو خوب شمار کر رہے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے کافروں پر شیاطین کو چھوڑ رکھا ہے وہ انہیں کفر پر اور برے اعمال پر خوب ابھارتے ہیں یہ لوگ اللہ کی ہدایت کو نہیں مانتے جو اس نے اپنی کتاب اپنے رسول کے ذریعہ بھیجی ہے بلکہ شیاطین کے بہکانے اور ورغلانے ہی کو اچھا سمجھتے ہیں اور ان کے بہکاوے میں آجاتے ہیں حق کو چھوڑ کر باطل پر جمے رہتے ہیں لہٰذا یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں وقت مقررہ پر ان پر عذاب آہی جائے گا آپ جلدی عذاب آجانے کی درخواست نہ کریں ان کی جو باتیں ہیں ہم انہیں خوب شمار کر رہے ہیں ان کے جو اعمال شرکیہ اور اعمال سیئہ اور اقوال باطلہ ہیں ہمیں ان سب کا علم ہے اور ہم ان سب کو لکھ رہے ہیں اجل مقررہ پر عذاب آجائے گا ان کے افعال اور اعمال و اقوال سب کی سزا دے دی جائے گی۔ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا کی یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ عد کا مفعول اعمال اور افعال مراد ہوں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ عد کا مفعول انفاس اور ایام ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہم ان کی زندگی کے انفاس (سانس) اور ایام گن رہے ہیں جب ان کی اجل آجائے گی تو عذاب بھی آجائے گا اور ان کی مدت کے ایام معدود ے چند ہی ہیں گو ان کے نزدیک گنتی میں زیادہ ہوں کیونکہ فنا ہونے والی زندگی بہر حال ختم ہوگی اور دنیا میں جتنی بھی مدت گزری ہو وہ بہر حال آخرت کے مقابلہ میں کم ہی ہے۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ وقف لازم

ہم متقیوں کو رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف اس حال میں چلائیں گے کہ وہ پیاسے ہوں گے کوئی شخص

الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وقف لازم

سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لی۔

قیامت کے دن متقی مہمان بنا کر لائے جائیں گے اور مجرمین کو ہنکا کر پیاسے حاضر کئے جائیں گے اور وہی شخص سفارش کر سکے گا جسے اجازت ہوگی

ان آیات میں قیامت کے دن کی حاضری کا ایک منظر بتایا اور وہ یہ کہ اللہ کے متقی بندے قیامت کے دن مہمانوں کے طور پر حاضر ہوں گے ان کا اکرام کیا جائے گا اور ان کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے گا، اور مجرمین جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے جیسے جانوروں کو ہانکا جاتا ہے اور مجرمین پیاسے ہوں گے، اس کے بعد یہ فرمایا کہ وہاں کسی کو کسی سفارش کرنے کا اختیار نہ ہوگا ہاں جن بندوں کو اللہ تعالیٰ کی

صرف سے شفاعت کی اجازت دی جائے گی وہی شفاعت کریں گے۔ جیسا کہ آیۃ الکرسی میں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (وہ کون ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے بجز اس شخص کے جسے وہ اجازت دے دے) جسے سفارش کی اجازت دی جائے گی وہی سفارش کر سکے گا اور جس کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی اسی کے لئے سفارش کی جا سکے گی۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ

اور ان لوگوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد اختیار کر رکھی ہے۔ بیشک تم نے بہت ہی سخت بات کہی قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق

الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾

ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے اولاد تجویز کی، اور رحمٰن کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾

جو بھی آسمان اور زمین میں ہیں وہ سب رحمٰن کے پاس بندگی اختیار کئے ہوئے حاضر ہوں گے۔ اللہ نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کیا ہے اور ان سب کو اچھی طرح گن رکھا ہے۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس تنہا آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کی مذمت اور ان کے قول کے شناعت

مشرکین عرب کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے تھے اور اب بھی اپنے دعوی پر قائم ہیں اور ان کے علاوہ دیگر مشرکین بھی اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ آیت بالا میں اول تو ان لوگوں کا قول نقل فرمایا پھر اس کی تردید فرمائی اور ان کے قول کے قباحت اور شناعت کو پوری طرح واضح فرمایا اور ارشاد فرمایا لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ۝ (بلاشبہ تم نے بہت سخت بات کہی ہے) یہ معمولی بات نہیں یہ تو ایسی بات ہے کہ قریب ہے کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں، اولاد ہونا اسکی عظمت وجلالت اور کبریائی کے خلاف ہے اسی کو فرمایا۔ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ (اور رحمٰن کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے) وہ تو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اسے کسی محافظ اور مددگار کی ضرورت نہیں، چونکہ خالق اور مخلوق ہم جنس نہیں اس لئے کوئی بھی اس کی اولاد نہیں ہو سکتا۔ ہر طرح کے شرک سے اس کی تنزیہ فرض ہے۔

جو چیز اس کی شان کے لائق نہیں اسے اس کے لئے تجویز کرنا اس کی ذات پاک کی طرف عیب منسوب کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اسے ایسا نہیں کرنا تھا اور اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اسے ایسا نہ کرنا تھا اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ مجھے دوبارہ زندہ نہ کرے گا حالانکہ پہلی بار اور دوسری بار پیدا کرنا دونوں میرے لئے برابر ہیں۔ (یعنی یہ بات نہیں ہے کہ پہلی بار پیدا کرنا میرے لئے آسان ہو اور دوسری بار پیدا کرنا مشکل ہو) اور ابن آدم کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ کے لئے اولاد ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی بناؤں یا اولاد بناؤں میں احد ہوں صمد ہوں نہ میں نے جنا اور نہ میں جنا گیا اور میرا کوئی برابر نہیں۔ (رواہ البخاری) اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ناگوار بات سننے پر کوئی بھی اللہ سے بڑھ کر برداشت کرنے والا نہیں ہے۔ لوگ اس کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں وہ پھر بھی انہیں عافیت دیتا ہے اور رزق دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۱ از بخاری)

پھر فرمایا اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہے سب رحمٰن کے حضور میں بندے بنے ہوئے حاضر ہوں گے۔ سب اللہ کے بندے ہیں اور بندگی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں گے اس کا بندہ ہونے سے کسی کو بھی انکار اور استنکاف نہ ہوگا جو سراپا بندہ ہو وہ کیونکر خالق جل مجدہٗ کی اولاد ہو سکتا ہے لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ان تمام حاضر ہونے والوں کو اس نے اپنے علمی احاطہ میں لے رکھا ہے اور انہیں خوب شمار کر رکھا ہے۔

کوئی بھی بچ کر اور بھاگ کر اس کے قبضۂ قدرت سے نہیں نکل سکتا یہ جو لوگ اس کیلئے اولاد تجویز کرتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ قیامت کے دن بھاگ نکلیں گے اور عذاب سے بچ جائیں گے ایسا ہرگز نہیں، اس کا علم اور قدرت سب کو محیط ہے اور سب اس کے شمار میں ہیں۔ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (اور ہر ایک اس کے پاس فرداً فرداً تنہا آئے گا) وہاں اپنا اپنا حساب دینا ہوگا اور اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کے مطابق جزا سزا پائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے رحمٰن اس کے لئے محبت پیدا فرما دے گا۔ سو ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ

الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ

متقین لوگوں کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔ اور ہم نے اس سے پہلے کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا، کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں

اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

یا ان میں سے کسی کی کوئی آہٹ سنتے ہیں۔

اہل ایمان کا اکرام، قرآن مجید کی تیسیر، ہلاک شدہ امتوں کی بربادی کا اجمالی تذکرہ

پہلی آیت میں اہل ایمان کی ایک فضیلت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا فرما دے گا یعنی تمام فرشتے جو آسمانوں کے رہنے والے ہیں اور تمام مؤمن بندے جو زمین پر رہتے اور بستے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں ان حضرات کی محبت ڈال دے گا اور یہ اللہ کی محبت کے بغیر نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت فرمائے گا اور اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت ڈال دے گا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو لہٰذا وہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر جبریل علیہ السلام آسمان میں پکار کر اعلان کر دیتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت فرماتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو لہٰذا آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کے لئے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے یعنی اہل زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ (اس سے صالحین

مراد ہیں اگر کافر و فاسق صالحین سے محبت نہ کریں تو اہل ایمان ان سے بے نیاز ہیں۔) پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں لہٰذا تم بھی اس سے بغض رکھو۔ لہٰذا جبریل بھی اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں پھر وہ آسمان والوں میں نداء دے دیتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو فلاں شخص مبغوض ہے لہٰذا تم اس سے بغض رکھو اس پر آسمان والے اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں پھر اس کے لئے زمین میں بغض ہی رکھ دیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۳۳۱ جلد ۲) مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا میں یہی بات بتائی ہے کہ رحمٰن جل شانہٗ لوگوں کے دلوں میں صالحین کی محبت ڈال دیتا ہے نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں مسلمانوں کے دلوں میں ان حضرات کی محبت ڈال دے گا اور رزق عطا فرمائے گا اور حسن اخلاق اور احسن اعمال اور اچھا تذکرہ نصیب فرمائے گا۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ ایک شخص نے یہ طے کیا کہ میں ایسی عبادت کروں گا جس کا چرچا ہو گا وہ ہمیشہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہتا تھا اور سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتا اور سب سے آخر میں نکلتا سات مہینے اسی طرح گزر گئے لیکن حال یہ تھا کہ جب کبھی لوگوں پر گزرتا تو لوگ کہتے کہ دیکھو یہ ریاکار جا رہا ہے جب اس نے یہ ماجرا دیکھا تو اپنے نفس سے کہا کہ دیکھ اس طرح سے تو تیری شہرت برائی سے ہی ہو رہی ہے اب نیت کو پلٹنا چاہیے اللہ تعالیٰ ہی کی رضا مطلوب ہونی چاہیے جب اس نے نیت پلٹ دی اور عبادت میں اسی طرح لگا رہا تو جدھر جاتا تھا لوگ یہ کہتے تھے کہ اس پر اللہ کی رحمت ہو حضرت حسن نے یہ واقعہ نقل کر کے آیت یہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ تلاوت فرمائی، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ اچھا یا برا کوئی بھی عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کے عمل کی چادر ضرور پہنا دیتا ہے۔ (ابن کثیر صفحہ ۱۴۰ جلد ۳) مطلب یہ ہے کہ اصحاب خیر کی خیر کے ساتھ شہرت ہوگی اور اصحاب شر کا شر کے ساتھ تذکرہ ہوگا۔ جن حضرات نے اللہ کے لئے عمل کیا اور اللہ ہی کے لئے محنتیں کیں سینکڑوں سال گزر جانے پر بھی آج تک مؤمنین کے دلوں میں ان کی محبت ہے اور ان کے اچھے کارناموں کا تذکرہ ہے ان کے برخلاف جو لوگ دنیا دار صاحب اقتدار تھے لیکن پرہیزگار نہ تھے اور جو لوگ مالدار تھے اعمال صالحہ سے خالی تھے ان لوگوں کو عموماً برائی سے یاد کیا جاتا ہے مؤمن بندوں کو چاہیے کہ صرف اللہ ہی کے لئے عمل کریں، تذکرہ خیر ہی سے ہوگا اہل ایمان ان سے محبت کریں گے جو طالب دنیا ہو وہ تو خسران عظیم میں چلا گیا۔ پھر فرمایا فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (سو ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ متقی لوگوں کو بشارت دیں اور اس کے ذریعہ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں)

قرآن مجید عربی زبان میں ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان تھی آپ نے کسی سے پڑھا نہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے آپ کے لئے آسان فرما دیا اور آپ کی امت کے لئے بھی آسان کر دیا عربی اور عجمی چھوٹے بڑے سبھی پڑھتے ہیں اور اس کی مضامین سمجھتے ہیں رسول اللہ ﷺ قرآن کے ذریعہ متقین کو یعنی اس کی تصدیق کرنے والوں کو بشارت دیتے رہے اور جھگڑالو قوم کو ڈراتے رہے۔

لُدًّا جمع ہے الد کی جس کا معنی جھگڑالو کا ہے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے قوم قریش مراد ہے اور حضرت مجاہد نے فرمایا معاندة قوما لدا لا يستقيمون یعنی وہ کجی اختیار کرنے والے جو ٹھیک راہ پر نہیں آتے اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو دلوں کے کانوں سے بہرے ہیں۔ (ابن کثیر صفحہ ۱۴۰ جلد ۳)

آخر میں فرمایا وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ (اور ہم نے اس سے پہلے کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا) هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی کوئی آہٹ سنتے ہیں)۔

مطلب یہ ہے کہ تکذیب کرنے والی بہت سی امتیں اور جماعتیں گزر چکی ہیں جو اپنی نافرمانی کی پاداش میں ہلاک کی گئیں آج ان کی کوئی بات سننے میں نہیں آتی وہ کہاں ہیں دنیا میں کیسی کیسی بولیاں بولا کرتے تھے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے ہر طرح کی بولتی بند ہوگئی اب نہ کہیں ان کی کوئی آواز ہے اور نہ کہیں آہٹ ہے قرآن کی تکذیب کرنے والوں کو ان ہلاک شدہ اقوام سے سبق لینا چاہیے۔

قد تم تفسیر سورۃ مریم للثالث والعشرین من ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ من ھجرۃ سیدنا خیر الانام علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام والحمد للہ علی التمام

☆☆☆☆ ☆☆☆☆

مکی	سورۂ طٰہٰ	۱۳۵ آیتیں ۸ رکوع

اٰیاتُھا ۱۳۵ (۲۰) سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ (۴۵) رُکُوْعَاتُھَا ۸

سورۂ طٰہٰ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جس میں ایک سو چونتیس آیات اور آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰہٰ ۚ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ○ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ○ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ

طٰہٰ ۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کیلئے جو ڈرتا ہو۔ یہ اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا جس نے

الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ○ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ○ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا۔ وہ بڑی رحمت والا ہے عرش پر مستوی ہوا، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین

وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ○ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَی ○ اَللّٰهُ لَآ

میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور جو تحت الثریٰ ہے اور اگر آپ زور سے بات کریں تو وہ شبہ وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو جانتا ہے اور اس بات کو بھی جو اس

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ○

سے زیادہ مخفی ہو۔ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے لئے اسمائے حسنیٰ ہیں۔

آسمان اور زمین پیدا کرنے والے کی طرف سے قرآن نازل ہوا ہے جو ڈرانے والوں کے لئے نصیحت ہے

یہاں سے سورۂ طٰہٰ کی ابتداء ہو رہی ہے لفظ طٰہٰ اور الٓمٓ اور دیگر حروف مقطعات کی طرح متشابہات میں سے ہے اس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے صاحب معالم التنزیل (جلد ۳ ص ۲۱۱) نے مفسر کلبیؒ سے نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ نے محنت اور مشقت کے ساتھ بہت زیادہ عبادت گزاری شروع فرمائی طویل قیام کی وجہ سے کبھی داہنے پاؤں پر اور کبھی بائیں پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے اور ساری رات نماز پڑھتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی نازل فرمائی، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مشرکین نے دیکھا کہ آپ خوب زیادہ عبادت کرتے ہیں تو کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ یہ قرآن جو تم پر نازل ہوا ہے یہ تمہیں مشقت میں ڈالنے ہی کے لئے اترا ہے اس پر آیت کریمہ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی نازل ہوئی یعنی ہم

نے قرآن کو آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔ آیت بالا کی تفسیر میں ایک دوسری وجہ بھی بعض مفسرین نے اختیار کی ہے ان حضرات کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ منکرین جو سرکشی کرتے ہیں اور تکذیب میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں آپ کو اس پر قلق اور رنج نہ ہونا چاہیے۔ یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا تھا کہ آپ مصیبت میں پڑیں اور تکلیف اٹھائیں آپ کے ذمہ تبلیغ ہے جب آپ نے اس فریضہ کو انجام دے دیا اور برابر انجام دے رہے ہیں تو آپ کو اس فکر میں پڑنے اور رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے اس تفسیر کی بناء پر آیت شریفہ کا مضمون سورۂ کہف کی آیت کریمہ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا کے موافق ہو جائے گا۔ (ذکرہ صاحب الروح جلد ۱۶ ص ۱۴۹)

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى یعنی یہ قرآن ہم نے اس شخص کی نصیحت کے لئے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ قرآن مجید تو تمام انسانوں کے لئے ہے لیکن خاص کر خوف و خشیت والوں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ جو لوگ قرآن سن کر متاثر نہیں ہوتے اور اس کے مضامین پر ایمان نہیں لاتے ان کا سننا نہ سننا برابر ہے۔ قال صاحب الروح و خص الخاشی بالذکر مع ان القرآن تذکرۃ للناس کلھم لتنزیل غیرہ منزلۃ العدم غیر منتفع بہ سورۂ یٰسٓ میں فرمایا اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈراتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرے)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں اور بغیر دیکھے اس سے ڈرتے ہیں ایسے ہی لوگ نصیحت پر کان دھرتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کی کتاب کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى (یہ قرآن اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا) اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا) استوی علی العرش کے بارے میں سورۂ اعراف کی آیت اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (ع ۸) کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔ (انوار البیان جلد ۲)

آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو ما تحت الثریٰ ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى (اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو تحت الثریٰ ہے) اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کا خالق اور مالک ہے علوی اور سفلی جہت میں جو کچھ ہے وہ اسی کی مخلوق اور مملوک ہے اور ساتویں زمین کے نیچے جو کچھ ہے وہ بھی اسی کا ہے۔

ثَرٰی نمناک یعنی تر مٹی کو کہتے ہیں۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا مطلب بتاتے ہوئے فرمایا ما تحت الارض السابعۃ یعنی ساتویں زمین کے نیچے جو کچھ ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔ زمینوں کے سات ہونے کی تصریح صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمانا اسی کے مطابق ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک بالشت کے برابر بھی ظلم کر کے زمین کا کچھ حصہ لے لیا تو قیامت کے دن اس کے گلے میں ساتوں زمینوں کا طوق ڈال دیا جائے گا۔ بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جس نے ناحق زمین کا کچھ حصے لے لیا تو قیامت کے دن اسے ساتویں زمین تک دھنسا دیا جائے گا۔ مسند احمد میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی شخص نے ظلم کر کے بالشت بھر زمین کا کوئی حصہ لے لیا اللہ تعالیٰ اسے مجبور کرے گا کہ وہ کھودے یہاں تک کہ ساتویں زمین کے آخر تک کھودتا جائے۔ پھر اسے قیامت کا دن ختم ہونے

تک اس کے گلے میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلے ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۵۶)

اللہ تعالیٰ زور سے کہی بات اور مخفی بات کو بھی جانتا ہے..... وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَى (اور اے مخاطب اگر تو زور سے بات کرے تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور جو اس سے مخفی ہو اس سب کو جانتا ہے) زور کی آواز تو سنتا ہی ہے جو کوئی چپکے سے بات کرے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو اس سے بھی زیادہ مخفی ہو وہ اسے بھی جانتا ہے۔ چونکہ وہ خفیہ آواز کے علاوہ اس بات کو بھی جانتا ہے جو کسی کے دل میں ہو جسے زبان سے ظاہر نہ کرے اس لئے يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَى فرمایا یعنی یسمع کی بجائے لفظ یعلم فرمایا تاکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ آواز والی بات کو سنتا ہے اور جانتا ہے اور اس کے علاوہ جو بات زبان سے نکلی ہو اور دل میں ہو وہ اسے بھی جانتا ہے۔ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں) جو اس کے بے مثال اوصاف اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے بارے میں سورۂ اعراف (رکوع ۲۲) اور سورۂ بنی اسرائیل کے آخری رکوع کی تفسیر کی مراجعت کر لی جائے۔ (انوار البیان جلد ۴)

وقف لازم

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا

اور یہ آپ کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر آئی ہے جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھہرے رہو میں نے آگ دیکھی ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں سے تمہارے لئے

بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ

ایک شعلہ لے آؤں یا آگ پر رستہ بتانے والا کوئی شخص مل جائے۔ سو جب اس کے پاس آئے تو انہیں ندا کی گئی کہ اے موسیٰ بے شک میں تمہارا رب ہوں سو اپنی جوتیاں اتار دو

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اِنَّنِيْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ

بے شک تم ایک پاک میدان یعنی طوٰی میں ہو۔ اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے سو جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جا رہی ہے اسے سن لو بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا

سو تم میری عبادت کرو اور میری یاد کیلئے نماز قائم کرو۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اسکو پوشیدہ رکھوں گا تاکہ ہر جان کو اسکے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ

تَسْعٰى ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝

دیا جائے۔ سو جو شخص اس پر ایمان نہ لائے اور اپنی خواہشوں کا تابع کرے وہ تمہیں اس سے نہ روک دے ورنہ تم تباہ ہو جاؤ گے، اور اے موسیٰ وہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝

عرض کیا وہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام ہیں۔

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۫ سَنُعِيْدُهَا

فرمایا اے موسیٰ اس کو ڈال دو سو انہوں نے اس کو ڈال دیا۔ سو وہ اچانک دوڑتا ہوا سانپ ہے۔ فرمایا اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت۔ ہم اسے

سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ۝ لِنُرِيَكَ مِنْ

پہلی حالت پر لوٹا دیں گے اور اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں لے لو وہ بغیر کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا۔ یہ دوسری نشانی ہے۔ تاکہ ہم تم کو بڑی نشانیوں میں

اٰيٰتِنَا الْكُبْرَى ۝ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝

بعض نشانیاں دکھلائیں۔ تم فرعون کی طرف چلے جاؤ، بلاشبہ وہ سرکشی اختیار کئے ہوئے ہے۔

مدین سے واپس ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ نظر آنا اور نبوت سے سرفراز کیا جانا اور دعوت حق لے کر فرعون کے پاس جانے کا حکم ہونا

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے تمام قبیلے (جو تعداد میں بارہ تھے) مصر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد وہاں ان لوگوں کی کوئی حیثیت نہ رہی پردیسی ہونے کی وجہ سے مصر کے اصل باشندے یعنی قبطی لوگ انہیں بری طرح ستاتے تھے سخت کاموں میں پیلتے تھے اور بیگار میں لیتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں پیدا فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ فرعون ہی کے گھر میں ان کی پرورش ہوئی (جیسا کہ آئندہ رکوع میں اور سورۂ قصص کے پہلے رکوع میں اس کا ذکر ہے) جب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو گئے تو انہوں نے ایک قبطی (یعنی مصری قوم کے آدمی) کو دیکھا کہ وہ ایک بنی اسرائیل کے آدمی سے لڑ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایک گھونسا رسید کیا وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک شخص نے بتایا کہ فرعون کے لوگ مشورہ کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر دیں لہٰذا یہاں سے نکل جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکل گئے اور مدین میں قیام فرمایا، وہاں دس سال رہے شادی بھی وہیں ہوئی جب وہاں سے اپنی بیوی کو لے کر واپس مصر آ رہے تھے تو یہ واقعہ پیش آیا جو یہاں سورۂ طٰہٰ میں اور سورۂ نمل میں اور سورۂ قصص میں مذکور ہے۔ ہوا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو راستہ میں سردی بھی لگی اور راستہ بھی بھول گئے۔ اسی حال میں تھے کہ طور پہاڑ پر آگ نظر آئی۔ اسے دیکھ کر اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں رہو مجھے آگ نظر آ رہی ہے میں جاتا ہوں ابھی تمہارے لئے کوئی خبر لاؤں گا کوئی رہبر ملے گا تو راستہ معلوم کر لوں گا یا آگ کا کوئی شعلہ لے آؤں گا تاکہ تم آگ جلا کر تاپ لو۔ (اس سے معلوم ہوا کہ اپنی حاجات کے ساتھ اہل خانہ کی حاجت روائی کا بھی خیال کرنا لازم ہے چونکہ ان کی اہلیہ بھی سردی سے متاثر ہو رہی تھیں اس لئے ان کی گرمی حاصل کرنے کے لئے آگ کا شعلہ لانے کا ارادہ فرمایا) جب آگے بڑھے اور آگ کی جگہ پہنچے تو وہاں ماجرا ہی دوسرا تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو نبوت سے سرفراز فرمانا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں تم جس جگہ پر ہو یہ مقدس پاک میدان ہے جس کا نام طوٰی ہے تم اپنی جوتیاں اتار دو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں گدھے کی کھال سے بنی ہوئی تھیں جس کو دباغت نہیں دی گئی تھیں اور عکرمہ و مجاہد نے فرمایا کہ جوتیاں اتارنے کا حکم اس لئے ہوا کہ مقدس سرزمین کی مٹی ان کے قدموں کو لگ جائے (معالم التنزیل جلد ۳ ص ۲۱۳) اللہ جل شانہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى (اور میں نے تمہیں چن لیا لہٰذا جو وحی کی جاتی ہے اسے ٹھیک طریقہ پر سنو) اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (بلاشبہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز کو قائم کرو)۔ یوں تو موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی سے مؤمن تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ربوبیت

اور الوہیت کی مزید معرفت عطا فرمائی اور انہیں اپنی عبادت کی تلقین فرمائی اور قیامت کے آنے اور قیامت کے دن ہر عمل کرنے والے کو اپنے اپنے عمل کا بدلہ دیئے جانے کا تذکرہ بھی فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ قیامت آنے کا بھی عقیدہ رکھو، جو لوگ قیامت کو نہیں مانتے اور اپنی خواہشات نفس کے پیچھے چلتے ہیں اللہ کے احکام اور اخبار کی تصدیق نہیں کرتے ان کی بات نہ ماننا اگر منکرین میں سے کسی کی بات مان لی تو تم ہلاک ہو جاؤ گے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے تو یہ بات بہت بعید ہے کہ کسی منکر مکذب کی بات مانیں ان کو خطاب کر کے دوسروں کو تنبیہ فرما دی کہ منکرین قیامت کی بات مان کر برباد نہ ہو جانا۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجنا تھا اور ایسی نشانی بھی دینی تھی جس سے فرعون پر حجت قائم ہو جائے گی یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو نشانیاں عطا فرما دیں۔ ان میں سے ایک تو ان کی عصا تھی اور دوسرا ید بیضاء تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں دس سال بکریاں چرائیں تھیں اس لئے ان کے ہاتھ میں ایک لکڑی رہتی تھی جو اس وقت بھی ان کے ہاتھ میں تھی جواب میں عرض کیا کہ یہ میری لاٹھی ہے اور تھوڑے سے جواب پر اکتفا نہیں کیا چونکہ خالق کائنات جل مجدہٗ سے باتیں ہونے کا موقع تھا اس لئے بات لمبی کر دی اور مزید عرض کیا کہ میں اس پر ٹیک بھی لگاتا ہوں اور اس کے ذریعہ اپنی بکریوں کے لئے پتے بھی جھاڑتا ہوں اور ان کے علاوہ بھی دوسرے کاموں میں استعمال کرتا ہوں۔ (مثلاً موذی جانوروں کو مارنا اور اس کے ذریعہ پانی کا مشکیزہ اور زاد راہ اٹھانا وغیرہ) قَالَ اَلْقِهَا يَا مُوْسٰى (باری تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوا کہ اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو) فَاَلْقٰهَا (سو اسے انہوں نے ڈال دیا) فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى (سو اچانک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گئی) سورۂ نمل میں ہے کہ جب انہوں نے اسے سانپ کی شکل میں حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا خُذْهَا وَلَا تَخَفْ (اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں) سورۂ نمل میں یہ الفاظ بھی ہیں اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ (کہ میرے سامنے پیغمبر ڈرا نہیں کرتے) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ (چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر ہاتھ رکھا اور اٹھانے لگے تو وہ لاٹھی ویسی ہی ہو گئی جیسی پہلے تھی) یہ ایک نشانی ہوئی۔ دوسری نشانی عطا فرمانے کے لئے باری تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوا وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ (تم اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں ملا لو) تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ (وہ بغیر عیب کے سفید ہونے کی حالت میں نکلے گا) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بغل میں ہاتھ ڈالا پھر واپس نکالا تو وہ خوب زیادہ سفید روشن تھا اور یہ سفیدی کسی عیب یعنی برص وغیرہ کی بیماری کی وجہ سے نہ تھی اسی کو مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فرمایا۔ یہ دو نشانیاں ہوئیں پھر فرمایا لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى (تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی آیات میں سے دکھائیں) اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو بڑے بڑے معجزات دیئے گئے تھے ان میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ روشن ہونا سب سے بڑی نشانی تھی۔ یہ دونوں نشانیاں دے کر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیج دیا اور فرمایا اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (فرعون کے پاس چلے جاؤ بے شک اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے) اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعا کرنے اور اپنے بھائی ہارون کو اپنا وزیر بنانے اور پھر فرعون کے پاس جانے اور جادوگروں کے مقابلہ کرنے کا ذکر ہے جو آئندہ دو رکوع میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نور ربانی کو نار سمجھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ کی جگہ پر پہنچے تو (مقدس سرزمین طویٰ کو اس جانب کے کنارے سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے داہنی طرف تھی) ایک درخت سے آواز آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا جیسا کہ سورۂ قصص میں مذکور ہے۔ یہ جو آگ نظر آئی تھی اس کے

بارے میں علامہ بغوی معالم التنزیل (جلد ۳ صفحہ ۲۱۳) میں لکھتے ہیں قال اهل التفسير لم يكن الذى رأه موسى نارا بل كان نورا ذكر بلفظ النار لان موسى حسبه نارا یعنی اہل تفسیر نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دیکھا تھا وہ حقیقت میں آگ نہیں تھی بلکہ وہ نور تھا چونکہ انہوں نے اسے دور سے آگ محسوس کیا تھا اس لئے نار سے تعبیر فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں وقال اكثر المفسرين هو نور الرب عزوجل وهو قول ابن عباس و عكرمة و غيرهما (اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ وہ رب جل شانہٗ کا نور تھا حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ وغیرہما کا یہی ارشاد ہے)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حجابه النور لو كشفه لا حرقت سبحات وجهه ما انتهى اليه بصره من خلقه یعنی اس کی ذات کا پردہ نور ہے اگر وہ پردہ کو ہٹا دے تو اس کی ذات کے انوار ساری مخلوق کو جلا دیں جہاں تک اس کی نظر ہے (رواہ مسلم) یعنی مخلوق کے پردے مادی پردے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ جو اپنی مخلوق سے محجوب ہے وہ اپنے عزوجلال کے نور سے محجب ہے یہ انوار اٹھ جائیں تو ساری مخلوق جل کر خاک ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس نور کو آگ کی صورت میں محسوس کیا تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ وہی حجاب والا نور تھا۔ جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور سے آگ محسوس کیا صاحب روح المعانی (جلد ۱۶ ص ۱۲۶) نے وھب بن منبہ رحمہ اللہ (بحوالہ کتاب الزہد للامام احمد) وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے قریب پہنچے تو وہاں ایک عجیب حیرت انگیز منظر دیکھا ایک بڑی آگ ہے جو ایک ہرے بھرے درخت کے اوپر شعلے مار رہی ہے مگر حیرت یہ ہے کہ درخت کی کوئی شاخ یا پتہ نہیں جلتا بلکہ آگ کی وجہ سے درخت کی تری اور تازگی اور رونق میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام اس انتظار میں رہے کہ شاید کوئی چنگاری زمین پر گرے تو اسے اٹھالیں دیر تک دیکھتے رہے لیکن کوئی چنگاری نہ گری انہوں نے گھاس کے کچھ تنکے جمع کئے اور انہیں آگ کے قریب کیا تاکہ ان میں آگ لگ جائے تو انہیں لے چلے جائیں لیکن اس میں بھی آگ نہ لگی اور بعض روایات میں ہے کہ آگ ان کی طرف بڑھی تو وہ خود پیچھے ہٹ گئے بہر حال آگ لینے کے مقصد سے تشریف لائے تھے وہ مقصد پورا نہ ہوا اسی عجیب وغریب حالت وحیرت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیبی آواز آئی اِنِّیْ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اھ مختصراً

نماز ذکر اللہ کے لئے ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی عبادت کا حکم فرمایا پھر ایک خاص طریقہ عبادت یعنی نماز کا خاص طور پر حکم دیا اور فرمایا وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی امتوں کو بھی نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب سرزمین مکہ میں اپنی اہلیہ اور بچے کو چھوڑا تو بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (اے ہمارے رب میں نے اپنی ذریت کو آپ کے بیت محرم کے پاس ایسی وادی میں ٹھہرایا ہے جو کھیتی باڑی والی نہیں ہے اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز قائم کریں) اور دعا میں یوں عرض کیا رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ (اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا اور میری ذریت میں بھی اور اے ہمارے رب ہماری دعا قبول فرما) درحقیقت نماز بہت بڑی چیز ہے اور شہادتین کے بعد سب سے بڑی عبادت ہے۔ سفر میں حضر میں حرج میں مرض میں امن میں خوف میں ہر حال میں نماز فرض ہے۔ یہ تو ہے کہ لمبے سفر میں (جس کی مقدار کتب فقہ میں باھی ہے) چار رکعت کی جگہ دو رکعت مشروع کر دی گئی لیکن بالکل ہی معاف نہیں جب تک ہوش وحواس قائم ہیں انسان نماز پڑھنے کا مکلف ہے۔ نماز کی بڑی بڑی خصوصیات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے اور کسی عبادت

کے لئے اذان نہیں رکھی گئی۔ پھر اذان بھی اول سے آخر تک اللہ کا ذکر ہے اور نماز بھی اول سے آخر تک ذکر اللہ ہے۔ اللہ اکبر سے شروع کی جاتی ہے اور السلام علیکم پر ختم کی جاتی ہے درمیان میں تلاوت ہے، اذکار ہیں، تسبیح اور تقدیس ہے۔ تکبیر و تہلیل ہے۔ تشہد ہے اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ ہے اور آخر میں دعا ہے، یہ سب ذکر ہی ہے پھر نماز کے بعد تسبیحات پڑھنے کی تعلیم دی ہے اور نماز میں سارے اعضاء عبادت میں لگ جاتے ہیں زبان سے ذکر ہے آنکھیں بھی پابند ہیں ہاتھ بھی باندھے ہوئے ہیں۔ پاؤں بھی ایک جگہ رکھے ہوئے ہیں دل میں خشوع کی کیفیت ہے پورے جسم سے خشوع اور عجز و نیاز ظاہر ہو رہا ہے یہ سب حالات ایسے ہیں جو بندے کو سراپا خالق و مالک جل مجدہٗ کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں نماز دنیا میں بھی اول ہے اور آخرت میں سب سے پہلے اس کی پوچھ ہوگی، یہ جو فرمایا اقم الصلوٰۃ لذکری کہ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو اس میں لفظ ذکر عام ہے زبان سے تو نماز میں اللہ کا ذکر ہوتا ہی ہے حضور قلب بھی ہونا چاہیئے تاکہ دل سے بھی ذاکر اور خاشع ہو جب دل میں خشوع اور خضوع ہوتا ہے تو اعضاء و جوارح پر بھی ظاہر میں اس کا اثر پڑتا ہے اور جب نماز اچھی طرح پڑھی جائے اور دل میں ذکر اللہ کی کیفیت جاگزین ہو جائے تو پھر نماز کی طرف پوری رغبت ہو جاتی ہے نفس نماز سے کتراتا ہے تو قلب اسے رجوع کرا دیتا ہے اور نماز پر آمادہ کر دیتا ہے جس قدر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی اسی قدر نماز کی رغبت ہوگی دل بھی لگے گا فرائض بھی اچھی طرح پڑھے جائیں گے سنن اور نوافل کا بھی اہتمام ہوگا۔

بکریاں چرانے میں حکمت اور مصلحت

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین تشریف لے گئے تو وہاں ایک صالح بزرگ تھے انہوں نے ان سے اس شرط پر اپنی ایک لڑکی سے نکاح کر دیا کہ تم آٹھ سال تک میری بکریاں چراؤ اور اگر دس سال تک چرا دو تو یہ خدمت تمہاری اپنی طرف سے ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری فرمائی وہاں بکریاں چراتے رہے۔

حضرت عتبہ بن ندر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے سورۂ طسٓمٓ یعنی سورۂ قصص پڑھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا کہ بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی جان کو آٹھ سال یا دس سال اپنی شرمگاہ کی پاکیزگی اور اپنے پیٹ کی خوراک کیلئے اجرت پر دے دیا (رواہ احمد و ابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۱۸) مطلب یہ ہے کہ اتنی طویل مدت تک اپنے خسر کی بکریاں چرائیں جس سے پیٹ بھرنے کا انتظام بھی ہو گیا اور شرمگاہ کے پاک رکھنے کا بھی کیونکہ یہ خدمت بیوی کے مہر کے حساب میں لگائی گئی تھی۔ (کما قالہ بعض العلماء)

بکریاں چرانے کا کام تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے کیا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ بکریوں کے چرانے میں نفس کو مشقت بھی ہوتی ہے جسے برداشت کرنا پڑتا ہے اور ضعیف کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی بھی مشق ہو جاتی ہے بکری ضعیف جانور ہے اگر وہ بھاگ جائے تو پکڑ کر لانا پڑتا ہے اسے مارو تو ہڈی پسلی ٹوٹنے کا اندیشہ رہتا ہے ضبط و تحمل کے بغیر چارہ نہیں ہوتا پھر اس کے مزاج میں تواضع بھی ہے اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا کہ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں میں نمازیں نہ پڑھو اور بکریوں کے رہنے کی جگہوں میں نماز پڑھ لیا کرو۔ (مشکوٰۃ المصابیح) اونٹوں میں شر کا مادہ ہے حملہ کرنے کا اندیشہ رہتا ہے بکری بیچاری سیدھی سادھی عاجز مخلوق ہے اس سے حملہ کا کوئی اندیشہ نہیں جب بکریوں کے ساتھ کوئی شخص گزارہ کرے اور ایک عرصہ تک چرائے تو اس کے لئے عوام الناس سے خطاب کرنے اور ان کے ساتھ نباہنے اور ان سے جو تکلیفیں پہنچیں انہیں برداشت کرنے کی عادت بن جاتی ہے اس لئے حکمت کا تقاضا ہوا کہ ہر نبی بکری چرائے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا ہاں میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا جس کی مزدوری چند قیراط تھی۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۰۱)

قیراط اس زمانہ میں چاندی کے ایک بہت چھوٹے سے ٹکڑے کو کہا جاتا تھا جس کی مقدار پانچ جَو کے برابر ہوتی تھی اس کے ذریعہ تین دن ہوتا تھا اور مزدور کو مزدوری میں بھی دیا جاتا تھا۔

فائدہ.....حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ان کی لاٹھی کے بارے میں کہیں حیۃ اور کہیں جانّ اور کہیں ثُعبانٌ کا لفظ آیا ہے۔ ثُعبانٌ بڑے اژدھے کو اور جانّ پتلے اور چھوٹے سانپ کو کہا جاتا ہے اور حیۃ عام ہے یہاں بعض مفسرین کو اشکال ہوا کہ ایک ہی چیز کو تین طرح جو تعبیر فرمایا اس سے تعارض کا ایہام ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ثُعبانٌ کا لفظ صرف اس موقع میں آیا ہے جب پہلی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس پہنچے اور اسے ید بیضاء دکھایا پھر اپنی عصا کو ڈال دیا تو وہ ثُعبانٌ بن گیا۔ اس موقعہ کے علاوہ یہ لفظ کسی جگہ استعمال نہیں ہوا۔ وادی طویٰ پر جب عصا ڈالنے کے لئے اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوا اور اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا ڈال دی سورۂ طٰہٰ میں یہ ہے کہ وہ حیہ بن گئی اور سورۂ قصص اور سورۂ نمل میں ہے کہ وہ جانّ بن گئی اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ لفظ حیۃ ہر چھوٹے بڑے سانپ کے لیے بولا جاتا ہے۔ اب رہا جادوگروں کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنی عصا کو ڈالا وہاں تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی لاٹھی ڈال دی۔ وہ جادوگروں کی بنائی ہوئی چیزوں کو نگلنے لگی سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ اور سورۂ شعراء میں تینوں جگہ یہی ہے ان مواقع میں حیۃً یا ثُعبانٌ یا جانّ میں سے کوئی لفظ نہیں ہے لہٰذا کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں ہے۔ تعارض جب ہوتا جبکہ ایک ہی جگہ میں ثعبان اور جانّ دونوں کا ذکر ہوتا۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝

موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب میرا سینہ کھول دیجئے اور میرے لیے میرا کام آسان فرما دیجئے اور میری زبان کی گرہ کھول دیجئے تاکہ لوگ میری بات سمجھیں،

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِی ۝ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ۝

اور میرے لئے میرے خاندان میں سے ایک وزیر بنا دیجئے یعنی میرے بھائی ہارون کو، ان سے میری قوت کو مضبوط فرما دیجئے

وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ۝ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ۝ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ۝

اور انہیں میرے کام میں شریک کر دیجئے تاکہ ہم کثرت سے آپ کی پاکی بیان کریں اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں۔ بلاشبہ آپ ہمیں دیکھنے والے ہیں۔

قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ۝

فرمایا اے موسیٰ تمہاری درخواست منظور کر لی گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شرح صدر اور طلاقت لسان کے لئے دعا کرنا اور اپنے بھائی ہارون کو شریک کار بنانے کی درخواست کرنا اور دعا کا قبول ہونا

جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرما کر اور وہ بڑی بڑی نشانیاں (عصا اور ید بیضاء) عطا فرما کر فرعون کے پاس

جانے کا حکم فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب جس کام کا حکم فرمایا ہے اس کے لئے میرا سینہ کھول دیجئے اور میرے کام کو آسان فرمایئے۔ شرح صدر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا) جب شرح صدر ہوتا ہے تبھی کام کرنے کی ہمت ہوتی ہے اور کام آگے بڑھتا ہے شرح صدر کی دعا میں حوصلہ ہمت بڑھنا بات کہنے پر قادر ہونا مخاطبوں سے نہ جھجکنا جلی الاعلان بات کہنا بات کہنے کے طریقے منکشف ہونا، علوم کا مستحضر ہونا، علوم میں اضافہ ہونا اور عمل کرنے کی صورتوں کا قلب پر وارد ہونا یہ سب کچھ آجاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا کہ میری زبان میں جو گرہ ہے اسے کھول دیجئے تاکہ میرے مخاطب میری بات کو سمجھ لیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ زبان میں ان کی پیدائشی لکنت تھی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بچپن میں جب وہ فرعون کے ہاں اس کے محل میں رہتے تھے اس وقت انہوں نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی تھی اس پر فرعون کو خیال ہوا کہ کہیں یہ لڑکا وہی تو نہیں ہے جس کے بارے میں پیشگوئی کرنے والوں نے بتایا ہے کہ میری حکومت چلی جانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس پر جب اس نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو فرعون کی بیوی نے کہا یہ نا سمجھ بچہ ہے نادان ہے داڑھی پکڑنے سے اس طرح کا اثر لینا اور قتل کرنے کا ارادہ کرنا درست نہیں اس کی نادانی کی آزمائش کر لی جائے چنانچہ ان کے سامنے جواہر اور آگ سے انگارے رکھ دو پھر دیکھو کیا کرتا ہے جب دونوں چیزیں سامنے رکھ دی گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کا انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے زبان جل گئی زخم تو اچھا ہو گیا لیکن لکنت باقی رہ گئی اس لکنت کی وجہ سے انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ جو میرے مخاطب ہوں وہ میری بات سمجھ سکیں۔ بعض علماء تفسیر نے یہاں یہ نکتہ بتایا ہے کہ چونکہ انہوں نے يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ بھی دعا میں کہہ دیا تھا اس لئے پوری زبان کی لکنت زائل نہیں ہوئی کچھ باقی رہ گئی تھی۔ اسی لئے فرعون نے عیب لگاتے ہوئے یوں کہا تھا اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ (کیا میں بہتر ہوں یا یہ بہتر ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں اور وہ بات بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتا) چونکہ پوری طرح زبان کی گرہ زائل نہیں ہوئی اس میں کچھ لکنت باقی تھی۔ (اگرچہ بات سمجھنے کے بقدر بات کر لیتے تھے) اس لئے فرعون کو یہ بات کہنے کا موقع مل گیا اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس نے عناداً ایسا کہا ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اے میرے رب میرے کنبہ میں سے میرا ایک وزیر یعنی معاون بنا دیجئے پھر اس کی خود ہی تعیین کر دی اور عرض کیا کہ یہ معاون میرے بھائی ہارون ہوں ان کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط کر دیجئے اور انہیں میرے کام میں شریک کر دیجئے یعنی انہیں بھی نبوت عطا فرما کر تبلیغ کا کام سپرد فرما دیجئے تاکہ میں اور وہ دونوں مل کر نبوت کا کار منصبی انجام دیں۔

سورۂ قصص میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا معاون بنانے کے لئے یوں دعا کی وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے سو آپ ان کو میرے ساتھ رسالت سپرد کر دیجئے۔ جو میرے مددگار ہوں اور میری تصدیق کریں بے شک مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں) اس کے بعد سورۂ قصص میں دعا قبول فرمانے کا ذکر ہے، ارشاد ہے۔ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَآ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم عنقریب تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو کو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کے لئے ایک شوکت عطا کر دیں گے ہذا ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی۔ تم ہمارے معجزوں کو لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارا اتباع کرے گا غالب ہوگے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے معاون ہونے کی دعا کرنے کے ساتھ یوں بھی عرض کیا۔ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا (ہم کثرت سے آپ کی پاکی بیان کریں اور کثرت سے

آپ کا ذکر کریں) اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ و دعوت کے کام میں ذکر اور تسبیح میں مشغول رہنے کی خاص اہمیت ہے۔ ہر ایک ذکر میں مشغول ہوگا تو ایک دوسرے کے لئے یاد دلانے کا ذریعہ بھی بنے گا اور اللہ کے ذکر سے دل کو تقویت بھی پہنچے گی۔

دعا کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا (کہ اے میرے رب بلاشبہ آپ ہمیں دیکھنے والے ہیں) ہماری حاجت کا بھی آپ کو پتہ ہے اور جو کچھ فرعون کے ساتھ گزرے گی اس کا بھی آپ کو علم ہے بس ہمیشہ ہماری مدد فرمائیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ تمام دعائیں قبول ہوئیں جیسا کہ ارشاد فرمایا قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى (اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تمہاری درخواست قبول کر لی گئی) دعائیں کر کے اور دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری پا کر وادی مقدس سے روانہ ہوئے اور مصر پہنچ کر آپ نے حضرت ہارون کو ساتھ لیا اور فرعون کے پاس تبلیغ کے لئے پہنچ گئے جیسا کہ چند آیات کے بعد اسی رکوع میں آ رہا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بچپن والی تربیت کا پھر ان کے مدین جانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰىۙ ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا يُوْحٰۤى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى

اور اے موسیٰ ہم نے تم پر ایک مرتبہ اور بھی احسان کیا، جبکہ ہم نے تمہاری والدہ کے دل میں وہ بات ڈال جو انہیں بتائی جا رہی تھی۔ وہ یہ کہ تم اسے ایک صندوق میں رکھ دو،

التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ

پھر اس صندوق کو سمندر میں ڈال دو، پھر سمندر اسے کنارے پر ڈال دے گا۔ اس وقت اسے وہ شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی،

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِىْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى

اور میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ جب تمہاری بہن چلتی ہوئی آئی پھر وہ بولنے لگی کیا میں تمہیں ایسا خاندان نہ بتا دوں جو اس کی

مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۖ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ

پرورش کا ذمہ دار ہو جائے، پھر ہم نے تمہیں والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہوں اور تم نے ایک جان کو قتل کر دیا تھا پھر ہم نے

الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ؕ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِىْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾

تمہیں غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں مختلف امتحانوں میں ڈالا پھر تم اہل مدین میں کئی سال رہے پھر تم اے موسیٰ ایک خاص وقت پر پہنچ آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں تابوت میں ڈال کر بہا دیا جانا، پھر فرعون کے گھر والوں کا اٹھا لینا، اور فرعون کے محل میں ان کی تربیت ہونا

چونکہ فرعون اور اس کی قوم کے لوگ بنی اسرائیل پر بہت ظلم کرتے تھے اس لئے انہیں مصر سے چلے جانے کی ضرورت تھی لیکن فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ انہیں وہاں سے جانے دیں۔ پھر مزید بات یہ ہوئی کہ کاہنوں نے فرعون کو یہ بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کے زوال کا ذریعہ بنے گا لہٰذا اس نے یہ کام شروع کر دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اسے قتل کر دیتا تھا اور جو لڑکی پیدا ہوتی تھی اسے زندہ رہنے دیتا تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو ان کی والدہ

رکوع ۲ لازم

بڑی گھبرائیں اور انہیں خطرہ ہوا کہ کہیں میرے لڑکے کو بھی قتل نہ کر دے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی دی گئی کہ اس بچہ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو اور تم نہ ڈرنا اور نہ غم کرنا ہم اسے تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور اسے پیغمبر بنا دیں گے۔ (کما فی سورۃ القصص اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ) انہوں نے بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا، بچہ صندوق میں تھا اور صندوق پانی میں بہہ رہا تھا۔ دریا نے اس صندوق کو ایک کنارہ پر لگا دیا وہیں فرعون کا محل تھا اس کے گھر والوں نے دیکھا کہ کنارہ پر ایک صندوق موجود ہے اس کو جو اٹھایا تو دیکھا کہ اس میں ایک بچہ ہے۔ یہ وہی بچہ تھا جو فرعون کا دشمن اور فرعون کے لئے مصیبت بننے والا تھا۔ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ (اس بچہ کو وہ شخص لے لے گا جو میرا دشمن ہے اور اس بچہ کا بھی دشمن ہے) اور سورۂ قصص میں فرمایا فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا (سو اس بچہ کو فرعون کے لوگوں نے اٹھا لیا تاکہ ان کے لئے دشمن بنے اور غم کا باعث ہو جائے) فرعون کو احساس ہوا کہ یہ بچہ کہیں وہی نہ ہو جو میری حکومت کے زوال کا باعث بن جائے لہٰذا اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ (مشہور ہے کہ فرعون لاولد تھا اس کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں نفع پہنچا دے ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں گے)۔ اسی طرح مشہور ہوا اور انہیں انجام کی خبر نہ تھی۔ (کما فی سورۃ القصص وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّةُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مزید کرم فرمایا کہ لوگوں کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت ڈال دی جو شخص بھی انہیں دیکھتا گود میں لیتا اسے ان پر پیار آتا تھا اور اس پیار کی وجہ سے فرعون نے بھی اپنی بیوی کی بات مان لی کہ اسے بیٹا بنا لیں گے اور اس بات کا امکان ہوتے ہوئے کہ ممکن ہے بنی اسرائیل ہی کا لڑکا ہو قتل کرنے سے باز رہا۔ اسی کو فرمایا وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ (اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ)۔ ادھر تو بچہ کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھا لیا اور اس بچہ کے پالنے اور بیٹا بنانے کے مشورے ہو گئے اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بہت بے قراری ہوئی قریب تھا کہ اس بے قراری میں بات ظاہر کر دیتیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو مضبوط رکھا انہوں نے ضبط و تحمل سے کام لیا اور ساتھ ہی یہ سوچا کہ پتہ تو چلانا چاہیے کہ بچہ کہاں پہنچا؟ لہٰذا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا کہ جدھر کو بچہ گیا ہے ادھر کو چلی جاؤ اور بچے کا سراغ لگاؤ، اس لڑکی نے حضرت موسیٰ کو دور سے دیکھ لیا اور پتہ چل گیا کہ بچہ خیریت سے ہے اور شاہی محل میں ہے، لیکن آل فرعون کو اس کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ اس کی بہن اسے دیکھ رہی ہے (کما فی سورۃ القصص وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ) آل فرعون نے بچہ کی پرورش کا فیصلہ تو کر لیا لیکن اب دودھ پلانے والی کی تلاش ہوئی، جو بھی عورت اس کام کے لئے بلائی جاتی حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا دودھ لینے سے انکار کر دیتے، وہ جوان کو بہت دور سے دیکھ رہی تھی اس نے کہا کہ میں تمہیں ایسا گھرانہ بتا دیتی ہوں جو اس کو دودھ بھی پلائے اور اس کی اچھی طرح پرورش بھی کرے اور اس کی خیر خواہی میں لگا رہے۔ فرعون کے گھر والوں کو تو دودھ پلانے والی عورت کی ضرورت ہی تھی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا اچھا تم جس عورت کو مناسب حال سمجھ رہی ہو اس کو بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ اپنے گھر گئیں اور اپنی والدہ کو (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی والدہ تھیں) بلا کر لے آئیں۔ جب انہوں نے بچہ کو گود میں لیا اور دودھ پلانے لگیں تو بڑی خوشی کے ساتھ اپنی ماں سے چمٹ کر انہوں نے دودھ پی لیا فرعون کے گھر والوں نے کہا کہ اچھا بی بی تم اس بچہ کو لے جاؤ تم ہی اس کی پرورش کرو اور اس خدمت کے عوض ہمارے ہاں سے وظیفہ بھی ملتا رہے گا۔ چنانچہ وہ اپنے گھر لے آئیں اسی کو فرمایا سورۂ طٰہٰ میں اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ (جب تمہاری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کا پتہ بتا دوں جو اس کی کفالت کرے، پھر ہم نے تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو)۔

اور سورۂ قصص میں فرمایا وحرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ۝ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (اور ہم نے پہلے ہی موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کی بندش کر رکھی تھی سو وہ یعنی ان کی بہن آ گئیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ نہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں غرض ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تاکہ وہ غم میں نہ رہیں اور تاکہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ لیکن اکثر لوگ یقین نہیں رکھتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت اور کفالت کی صورت حال بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اور انعام یاد دلایا اور فرمایا وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا (اور تو نے ایک جان کو قتل کر دیا سو ہم نے تمہیں غم سے نجات دی اور تمہیں مختنوں میں ڈالا) اس کا تفصیلی واقعہ سورۂ قصص میں مذکور ہے۔ اجمالی طور پر یہاں بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو گئے تو باہر نکلتے اور بازاروں میں دوسرے انسانوں کی طرح چلتے پھرتے تھے اور انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ فرعون کا بیٹا نہیں ہوں بنی اسرائیل میں سے ہوں اور مجھے جس نے دودھ پلایا ہے وہ میری والدہ ہی ہے۔ ان کی قوم پر آل فرعون کی طرف سے جو مظالم ہوتے تھے انہیں بھی دیکھتے رہتے تھے۔ ایک دن یہ ہوا کہ باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک شخص بنی اسرائیل میں سے اور ایک شخص قوم فرعون میں سے لڑ رہے ہیں۔ ان کی قوم کے آدمی نے ان سے مدد مانگی لہٰذا انہوں نے فرعون کی قوم کے آدمی کو ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ گھونسہ لگنا تھا اس شخص کا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، یہ بات تو مشہور ہو گئی کہ فرعون کی قوم کے ایک آدمی کو کسی نے قتل کر دیا ہے، لیکن یہ پتہ نہ چلا کہ مارنے والا کون ہے؟ اگلے دن پھر ایسا واقعہ پیش آیا کہ ان کی قوم کا وہی شخص جس نے کل مدد چاہی تھی آج پھر کسی سے لڑ رہا تھا یہ دوسرا شخص قبطی یعنی قوم فرعون کا تھا، اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر پھر مدد مانگی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑ کر ماریں جو قوم فرعون کا تھا اور جس جس کے مقابلہ میں اسرائیلی شخص مدد طلب کر رہا تھا، ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اسرائیلی یہ سمجھا کہ مجھے مار رہے ہیں، وہ کہنے لگا کہ آج تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسے کہ کل ایک آدمی قتل کر چکے ہو۔ اسرائیلی کے زبان سے یہ کلمہ نکلا اور فرعونی کے کان میں پڑ گیا اس نے فرعون کو خبر پہنچا دی بہذا وہ بہت برہم ہوا اور اب یہ مشورے ہونے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے۔ اب فرعون کے اہلکار موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ اے موسیٰ فرعونی لوگ تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں، تاکہ تمہیں قتل کر دیں، بہذا تم ان کی سرزمین سے نکل جاؤ، یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈرتے ہوئے وہاں سے نکلے اور مدین چلے گئے اور مدین تک پہنچنے میں اور وہاں رہنے میں بہت سی تکلیفیں تھیں وہاں چند سال رہے اس کے بعد واپس مصر آئے اور راستے میں نبوت سے سرفراز ہوئے یہ جو فرمایا وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ اس میں اسی تفصیل کا اجمال ہے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۝ اِذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ۝ اِذْهَبَا

اور میں نے تمہیں اپنے لئے منتخب کر لیا۔ تم اور تمہارے بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ اور دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کی طرف

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۝ قَالَا رَبَّنَا

چلے جاؤ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے۔ پھر تم دونوں اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔ دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب

اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ

بلاشبہ ہمیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا سرکشی کرنے پر اتر آئے، فرمایا تم دونوں مت ڈرو میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں

وَاَرٰى ۝ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۫ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ

اور دیکھتا ہوں۔ سو تم اس کے پاس پہنچ جاؤ اور اس سے کہو کہ بلاشبہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں سو تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور تو انہیں تکلیفیں نہ

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ

دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے، بلاشبہ

الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝

ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ سزا اس پر ہے جو جھٹلائے اور روگردانی کرے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا خطاب کہ فرعون کے پاس جاؤ، میرے ذکر میں سستی نہ کرنا، اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے انعامات یاد دلائے اور پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں اپنے لئے چن لیا ہے۔ یہ دوسری مرتبہ ہے اس سے پہلے وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ میں یہ بات گزر چکی ہے۔ انتخاب کا تذکرہ فرمانے میں بھی امتنان ہے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ان میں سے ایک قبیلہ کے ایک ہی شخص کو چن لینا اور نبوت سے سرفراز فرمانا یہ انعام خاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کا انتخاب فرما لینا اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی تکلیف کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ مزید ارشاد ہوا کہ تم دونوں بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ فرعون کے پاس پہنچو اور میرے ذکر میں برابر لگے رہنا اس میں سستی نہ کرنا، فرعون سرکش بنا ہوا ہے اس سے جا کر نرمی سے بات کرنا ہو سکتا ہے کہ تمہاری یہ نرمی اس کے لئے نصیحت قبول کرنے کا ذریعہ بن جائے یا وہ اپنے رب سے ڈر جائے اور اپنی سرکشی سے توبہ کر لے اور رب حقیقی کا فرمانبردار ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ دعوت کے کام میں ذکر اور صبر اور نرم گفتاری کی بڑی اہمیت ہے یہ چیزیں قبول حق کے لئے مفید اور معاون ہوتی ہیں کوئی ضدی معاند اور سرکش نہ مانے تو یہ دوسری بات ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم کار منصبی کے لئے فرعون کے پاس جا تو رہے ہیں لیکن ہمیں یہ ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے اور زیادتی میں آگے بڑھتا چلا جائے، اس پر اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ تم ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ہوں میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں تم اس کے پاس پہنچ جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو جو طرح طرح سے تکلیفیں دیتا ہے ان سے باز آ، نبوت اور رسالت ثابت کرنے کے لئے یہ بھی کہہ دینا کہ ہم تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں (یہ نشانی عصا اور ید بیضاء دونوں چیزیں تھیں) سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے ہی دونوں نشانیاں ظاہر کیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ بات کرتے کرتے وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى بھی کہہ دینا۔ (یعنی اس پر سلام ہے جو ہدایت کا اتباع کرے) اس میں فرعون کو یہ بتا دیا کہ ہم وہ ہدایت لائے ہیں کہ جو شخص اس کا اتباع

کرے گا دنیا اور آخرت میں سلامتی کے ساتھ رہے گا پھر وعید اور انذار کے طور پر فرمایا اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی (کہ بلاشبہ ہماری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ جو شخص جھٹلائے گا اور روگردانی کرے گا اس پر عذاب ہوگا) معلوم ہوا کہ مبلغ اور داعی کو تبشیر اور انذار دونوں چیزیں اختیار کرنی چاہئیں، اور یہ جو فرمایا وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی یہ اس لئے کہ کافروں کو سلام کرنا جائز نہیں۔ کافروں سے خطاب کرے یا خط لکھے تو السلام علیکم نہ کہے بلکہ السلام علی من اتبع الھدی کہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ہرقل شاہ روم کو خط لکھا تھا تو اس خط میں سلام علی من اتبع الھدی لکھ کر اسلام کی دعوت پیش کی تھی (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵)

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو جو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرعون کی طرف بھیجا تھا اس میں فرعون اور اس کی قوم کو ہدایت کرنا اور توحید کی دعوت دینا مقصود تھا اور ساتھ ہی یہ مقصد بھی تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لے جائیں۔ سورۂ والنازعات میں فرمایا اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی ۝ فَقُلْ ھَلْ لَّکَ اِلٰٓی اَنْ تَزَکّٰی ۝ وَاَھْدِیَکَ اِلٰی رَبِّکَ فَتَخْشٰی ۝ (تم فرعون کے پاس چلے جاؤ بے شک اس نے سرکشی کی ہے پھر اس سے کہو کیا تجھے اس کی خواہش ہے کہ تو پاکیزہ ہو جائے اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہنمائی کروں تاکہ تو ڈرنے لگے)۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی ۝ قَالَ فَمَا

(فرعون نے کہا تو تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ؟ موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا فرمائی پھر راہ بتائی۔ فرعون نے کہا تو

بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ۝ قَالَ عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ۝ الَّذِیْ

پہلی امتوں کا کیا حال ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے جس نے

جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا وَّسَلَکَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ

تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنا دیئے اور اس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ مختلف قسم کے

نَّبَاتٍ شَتّٰی ۝ کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی ۝ مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ ع ۲

نباتات پیدا کیے۔ کھاؤ اور مویشیوں کو چراؤ بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اس سے ہم نے تمہیں پیدا کیا

وَفِیْھَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْھَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی ۝

اور اس میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوسری بار نکالیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مکالمہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچے اور اسے ہدایت دی اور خالق کائنات جل مجدہٗ پر ایمان لانے کے لئے فرمایا تو اس نے بے تکی باتیں شروع کر دیں اور طرح طرح کے سوال کرتا رہا، ان میں سے بعض سوال یہاں سورۂ طٰہٰ میں اور بعض سورۂ شعراء کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں، فرعون تو اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور اس نے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا اعلان کیا تھا اب جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تجھے تیرے رب کی طرف ہدایت دیتا ہوں تجھے اس کی رغبت ہے تو قبول کر لے اس پر فرعون کو ناگواری ہوئی

ہی تھی بھرے مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتا دیا کہ جو تیرا رب ہے اسے مان اور اس کی ہدایت قبول کر، اس پر اس نے سوال کیا کہ تم دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) جو میرے علاوہ کوئی دوسرا رب بتا رہے ہو وہ کون ہے؟ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی یعنی ساری مخلوق اسی کی ہے اور ہر مخلوق کو اس نے جس صورت میں اور جس حالت میں پیدا فرمایا ہے وہ اس کی حکمت کے موافق ہے ساری تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اس نے جس کو جس طرح چاہا پیدا فرمایا۔ ہر چیز کو اس کے اعضاء اور جوارح اس کے لائق عطا فرمائے اور اسی کے حال کے مطابق سمجھ بھی دی اور مخلوقات کو ان کے خواص اور منافع بنائے۔ کسی مخلوق کو اس میں کوئی دخل نہیں ثُمَّ هَدٰی اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے مطابق جیتی ہے اور اپنے منافع اور مضار کو سمجھتی ہے۔ صاحب روح المعانیؒ نے یہ تفسیر ارشاد العقل السلیم سے نقل کی ہے۔ وقال ثم هدی الی طریق الانتفاع والارتفاق بما اعطاه و عرفه کیف یتوصل الی بقائه و کماله اما اختیارا کما فی الحیوانات او طبعاً کما فی الجمادات والقوی الطبعیة النباتیة والحیوانیة (جلد ۱۶ صفحہ ۲۰۲) یہ مضمون بہت بڑا بھی ہے اور عجیب بھی، جتنا جتنا غور کیا جائے اور مخلوق میں نظر کی جائے اسی قدر ذہن میں اس کا پھیلاؤ بڑھتا چلا جائے گا۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو منہ میں پستان دیا جاتا ہے فوراً ہونٹ ہلاتا ہے مرغی کا بچہ پیدا ہوا دانہ ڈالا اس پر دوڑا۔ آدمی کے بچے نے ذرا سا ہوش سنبھالا ہاتھ سے کھانا شروع کیا چوپایوں نے بچہ جنا اس کی دیکھ بھال اور حفاظت میں اس کی ماں مشغول ہو گئی بچہ ماں کے تھنوں کے پاس گیا اور تھنوں کو چوسنا شروع کر دیا چونکہ جانوروں کا کھانے پینے کا سارا کام منہ سے ہی ہوتا ہے اس لئے ہاتھ کے واسطہ کی ضرورت نہیں اس لئے انہیں ایسے ہاتھ نہیں دیئے گئے جو منہ تک پہنچیں انہیں اتنے کی بھی ضرورت نہیں اس لئے بھی ہاتھ کی ضرورت نہیں انسان کے بہت سے کام ہیں بڑے بڑے کام ہیں لہٰذا اسے ہاتھ دے دیئے گئے مکڑی جالا بنا کر مکھی کو مار کر کھاتی ہے اور چھپکلی روشنی کے پاس آ کر پتنگوں کو شکار کرتی ہے اور دیوار پر بلکہ چھت پر الٹی لٹک کر دوڑ جاتی ہے۔ بکری کا بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اسے چاٹ چاٹ کر اس کے بدن کی اصلاح کرتی ہے۔ مرغی انڈوں پر بیٹھتی ہے اور بچے نکلنے تک بیٹھی رہتی ہے بلی چوہا کھاتی ہے۔ بچھو پر منہ نہیں ڈالتی اور اس طرح کی ہزاروں مثالیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور اسے جینے کے طریقے بتائے اور اس کی ذات کے متعلق نفع اور ضرر سمجھا دیا۔ ثُمَّ هَدٰی کی جو تفسیر اوپر ذکر کی گئی ہے اس کے علاوہ دوسری تفسیر بھی کی گئی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا پھر انہیں ہدایت دی یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے اور کتابیں نازل فرمائیں اور مخلوق ہی کو مخلوق کے ذریعہ خالق تعالیٰ شانہٗ کی معرفت حاصل ہونے کا ذریعہ بنایا۔

اس کے بعد فرعون نے کہا فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی اچھا یہ بتاؤ کہ قرون اولیٰ یعنی پرانی امتیں اور گزری ہوئی جماعتیں جو دنیا سے جا چکی ہیں ان کا کیا حال ہے؟ یعنی ہلاکت اور موت کے بعد ان کا کیا ہوا وہ کس حال میں ہیں؟ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ کس حال میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں کتاب میں یعنی لوح محفوظ میں سب کے حالات محفوظ ہیں لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی میرا رب نہ خطا کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ سب کے احوال اور اعمال کا اسے علم ہے وہ اپنے علم کے مطابق سب کو جزا دے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی صفات بتاتے ہوئے یوں بھی فرمایا اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا کہ میرے رب کی وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش یعنی بچھونا بنایا اور تمہارے لئے اس میں راستے نکال دیئے۔ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (اور اس نے آسمان سے پانی اتارا) اس سارے بیان میں توحید کی تلقین بھی ہے اور فرعون پر تعریض بھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی (کہ میں تمہارا سب

سے بڑا رب ہوں) اسے بتا دیا کہ تو رب نہیں ہو سکتا۔ تیرے بس کا کچھ نہیں۔ یہ زمین جو پھیلی ہوئی ہے اور اس میں جو راستے نکلے ہوئے ہیں اور یہ جو آسمان سے پانی نازل ہوتا ہے تیرا اس میں کچھ بھی دخل نہیں، یہ مالک حقیقی جل مجدہٗ کی تخلیق ہے، جب تو پیدا بھی نہیں ہوا تھا اس وقت سے زمین ہے اور زمین میں راستے ہیں اور آسمان سے پانی اترتا ہے پہلے بھی نازل ہوتا تھا اور اب بھی، تیرا اس میں کوئی بھی دخل نہیں۔ تیرا الٰہ ہونا تو اسی سے ظاہر ہے تیرا رب ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى موسیٰ علیہ السلام کا بیان ختم ہوا ان کی بات وہیں تک تھی کہ میرے رب نے آسمان سے پانی اتارا پھر اللہ تعالیٰ نے مزید اپنا انعام بیان فرمایا کہ اس پانی کے ذریعہ ہم نے مختلف قسم کے نباتات پیدا کر دیئے جن کے رنگ اور مزے اور منافع مختلف ہیں۔ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ان نباتات میں سے کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے نُهٰى بهية کی جمع ہے جو عقل کے معنی میں آتا ہے عقل کو نُهٰى اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ برائیوں سے روکتی ہے، معلوم ہوا کہ جو عقل برائیوں سے نہ روکے وہ عقل نہیں ہے اگرچہ لوگ اسے عقل سمجھتے ہوں۔ خود لفظ عقل میں بھی اس معنی پر دلالت ہے عقل لغت میں باندھنے کو کہا جاتا ہے اور عقل صاحب عقل کو باندھ کر رکھتی ہے۔ برائیوں سے باز رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ (اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹا دیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری بار نکالیں گے) زمین سے انسان کا جو اصل تعلق ہے اس آیت میں اس کو بیان فرما دیا، انسان کی تخلیق بھی مٹی سے ہے اور موت کے بعد بھی ہر شخص اسی میں چلا جاتا ہے سورۃ المرسلات میں فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۙ اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا ۙ (کیا ہم نے زمین زندوں اور مردوں کو جمع کرنے والی نہیں بنائی) پھر جب قیامت قائم ہوگی تو ہر شخص اسی میں سے نکل کر میدان حشر میں حاضر ہو جائے گا۔

وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ

اور بیشک ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھا میں سو اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔ وہ کہنے لگا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے ذریعہ ہماری سرزمین سے

یٰمُوْسٰى ۝ فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ

نکال دے۔ سو ہم بھی تیرے مقابلہ میں اسی جیسا جادو لے آئیں گے، سو تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر دے نہ ہم اسکی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تو۔ اس فرعون

اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝ قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ فَتَوَلّٰى

کہنے ایک ہموار میدان مقرر کر دے۔ موسیٰ نے کہا کہ تم سے زینت کے دن کا وعدہ ہے اور یہ بات بھی ہے کہ لوگ ایسے وقت میں جمع ہوں جب دن چڑھ جائے۔ اس کے بعد فرعون (یہاں سے

فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَیْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَیْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَیُسْحِتَكُمْ

پھر اس نے اپنے مکر کا سامان جمع کیا پھر وہ آ گیا۔ موسیٰ نے ان سے کہا بلاکت ہے تمہارے لئے اللہ پر جھوٹ افترا مت کرو ورنہ وہ تمہیں ایسا

بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝

عذاب دے گا کہ تمہیں بالکل ہی ختم کر دے گا اور جو جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام ہی رہتا ہے پھر انہوں نے اپنی اپنی رائے میں اختلاف کیا اور پیچھے پیچھے مشورہ کرتے رہے

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ

کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ دونوں جادوگر ہیں۔ دونوں چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعہ تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے نکال دیں اور تمہارے عمدہ طریقے کو

الْمُثْلٰى ۝ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝

ختم کردیں۔ مذاب تم سب اپنی تدبیر کا تھام کرو پھر صف باندھ کر آؤ اور جو غالب ہوگا آج وہی کامیاب ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو فرعون کا جادو بتانا اور جادوگروں سے مقابلہ کے لئے وقت اور جگہ مقرر ہونا

فرعون ملعون کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا اور اپنے بھائی کا تعارف کرایا اور یہ بتایا کہ ہمیں ہمارے رب نے تیری طرف بھیجا ہے اور رب جل شانہٗ کی صفت خالقیت بھی بتائی اور یہ بھی بتایا کہ اس نے سب کی رہنمائی فرمائی ہے اور وہ نہ خطا کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے اور یہ زمین کا فرش اسی نے بنایا اور آسمان سے وہی پانی اتارتا ہے اور فرعون کو چیلنج بھی دیا اور یہ بھی بتادیا کہ اس کے سامنے اٹھی کو ڈالا۔

اور اژدھا بن گئی تو خالق کائنات جل مجدہٗ کی خالقیت اور ربوبیت اور الوہیت کا اقرار کرنے اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی رسالت پر ایمان لانے کے بجائے الٹی باتیں کرنے لگا، معجزات دیکھے پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان کی دعوت کو ماننے سے انکار کردیا اور یوں کہا کہ تو جو یہ لکڑی کا سانپ بنا کر لایا ہے یہ جادو ہے فرعون نے یہ بھی کہا کہ تیرا نبوت کا دعویٰ جھوٹا ہے اور تیرا اصل مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ ہم کو ہماری سرزمین سے نکال دے، یہ تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اور پھر اپنی جماعت سے بھی کہا کہ یہ تو بہت بڑا جادوگر ہے۔ اس کے درباریوں نے کہا کہ اپنی قلمرو کے تمام شہروں میں آدمی بھیج دے جتنے بھی جادوگر ہوں سب کو بلائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون نے کہہ دیا کہ تیرے مقابلہ کے لئے ہم بھی تیرے جیسا جادو لے کر آئیں گے۔ لہٰذا مقابلہ کا دن اور میدان مقرر کردے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موقع و مناسب جانا اور فرمادیا کہ ہمارا تمہارا مقابلہ زینت کے دن ہوگا۔ (اس سے ان لوگوں کا کوئی تہوار یا میلہ کا دن مراد تھا) اور ساتھ ہی وقت بھی مقرر فرمادیا اور وہ یہ کہ سورج چڑھے مقابلہ ہوگا اور یہ ایک ہموار میدان میں ہونا چاہیے۔ چونکہ میلہ کے دن لوگ یوں بھی جمع ہوتے ہیں اور شہر سے باہر نکلتے ہیں اور پھر جب یہ بات مشہور ہوگئی کہ جادوگروں سے دو ایسے شخصوں کا مقابلہ ہوگا جو یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم پروردگار جل مجدہٗ کے فرستادہ ہیں۔ تو تاریخ مقررہ پر لوگ جمع ہوگئے اور مقابلہ ہوا جس میں جادوگروں نے اپنی ہار مان لی اور سجدہ میں گر پڑے اور ایمان لے آئے۔ (جیسا کہ ابھی دو صفحہ کے بعد آتا ہے اور سورۂ اعراف میں بھی گزر چکا ہے) ابھی مقابلہ کا دن نہیں آیا تھا لیکن فرعون اپنی تدبیروں میں لگ گیا وہ اور اس کے درباری آپس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف باتیں کرتے رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی مکاریوں کا پتہ چل گیا اور ان سے فرمایا کہ تم پر ہلاکت ہو تم اللہ پر افتراء مت کرو اس کے نبیوں کو نہ جھٹلاؤ اور اس کے معجزات کو جادو نہ بتاؤ یہ تمہارا عمل تمہاری بربادی کا پیش خیمہ ہوگا وہ تمہیں ایسا عذاب دے گا کہ صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا اور تمہیں بالکل نیست و نابود کردے گا اور جب کبھی بھی جس کسی نے جھوٹا افتراء کیا ہے وہ ناکام ہی ہوا ہے جادوگر آئے ابھی مقابلہ کے میدان میں نہیں پہنچے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر مقابلہ میں آنے سے ڈھیلے پڑ گئے اور آپس میں یوں کہنے لگے کہ اگر موسیٰ

غالب آ گئے تو ہم ضرور ان کا اتباع کر لیں گے اور بعض حضرات نے یوں کہا کہ جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات سنی کہ لا تفتروا علی اللہ کذبا فیسحتکم بعذاب تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر کی بات معلوم نہیں ہوتی اور انہوں نے مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا لیکن فرعون نے زبردستی ان سے مقابلہ کرایا جس کا انشاء اللہ ابھی ذکر آئے گا۔ کچھ تو فرعون کا ڈر تھا اور کچھ فرعون کا مقرب بننے کا لالچ اس لئے جو فرعون اور اس کے درباری کہتے تھے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام ہمیں اس سرزمین میں نکالنے کے لئے آئے ہیں جادوگر بھی ظاہر میں یہ بات کہنے لگے اور انہوں نے کہا ان ھذان لساحران یریدان ان یخرجکم من ارضکم بسحرھما و یذھبا بطریقتکم المثلی ۔ یہ دونوں جادوگر یہی چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعہ تمہاری سرزمین سے تمہیں نکال دیں اور تمہارا جو عمدہ طریقہ ہے یعنی مذہب اور دین وہ تم سے چھڑا دیں۔ فاجمعوا کیدکم ثم ائتوا صفا (سو تم اپنی تدبیر کو اچھی طرح جمع کر لو پھر صف بنا کر آجاؤ) وقد افلح الیوم من استعلی (اور وہ کامیاب ہوا جس نے آج غلبہ پالیا) اللہ تعالیٰ نے انہیں کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ جس کا غلبہ ہوگا وہی کامیاب ہوگا۔

ھذا کلہ علی تقدیر رجوع الضمائر الی السحرۃ کما فسر بذلک غیر واحد والذی یمیل الیہ القلب ان ھذا کلہ من کلام ملا فرعون واللہ تعالیٰ اعلم فکر ہر کس بقدر ہمت اوست، ہر شخص اپنی سمجھ ہی کے مطابق سوچتا ہے چونکہ فرعون اور اس کے درباری اور اس کی قوم کے لوگ دنیادار تھے اس لئے انہیں یہی فکر ہوا کہ کہیں ہم مصر کی سرزمین سے نہ نکال دیئے جائیں۔ جن لوگوں کو آخرت کا یقین نہیں ہوتا وہ سب کچھ دنیا ہی کو سمجھتے ہیں اور اسی کے چلے جانے کا واویلا کرتے ہیں۔ آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ جس کسی کو جہاں کہیں کوئی اقتدار مل جائے اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ میرا اقتدار نہ چھن جائے۔ اقتدار کو باقی رکھنے کے لئے لوگوں کو قتل بھی کراتے ہیں۔ جھوٹ بھی بولتے ہیں بیانات سے بھی منحرف ہو جاتے ہیں اور مسلمانی کا دعویٰ کرنے کے باوجود کفریہ کلمات بھی بول دیتے ہیں پارلیمنٹ میں حرام چیزوں کو حلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور عوام کو راضی رکھنے کا جذبہ ان سے سب کچھ کروا لیتا ہے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا

کہنے لگے کہ اے موسیٰ یا تم پہلے ڈالو اور یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔ موسیٰ نے کہا بلکہ تم پہلے ڈالو پس

حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً

یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ سو موسیٰ نے اپنے دل میں تھوڑا سا خوف

مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ

محسوس کیا ہم نے کہا کہ تم مت ڈرو بلاشبہ تم ہی بلند رہو گے اور ڈال دو جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے وہ اس سب کو چٹ کر دے گا جو کچھ انہوں نے بنایا ہے،

اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا

انہوں نے صرف جادوگروں والا مکر کیا ہے اور جادوگر جہاں کہیں بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا سو جادوگر سجدہ میں گر دیئے گئے کہنے لگے کہ

اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝

ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جادوگروں کا آنا، پھر بارمان کر ایمان قبول کر لینا اور سجدہ میں گر پڑنا

فرعون نے اپنی حدود مملکت سے جادوگروں کو جمع کیا۔ دنیادار کے سامنے دنیا ہی ہوتی ہے اسی کے لئے سوچتا ہے اسی کے لئے جیتا ہے اسی کے لئے مرتا ہے۔ جب جادوگر آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ ہم غالب ہو گئے تو کیا ہمیں اس پر کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا بڑا صلہ بھی ملے گا اور تم میرے مقرب لوگوں میں سے ہو جاؤ گے، پھر جب موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ اور طور طریقہ کو سمجھا تو ان کی سچائی دل میں بیٹھ گئی اور چاہتے تھے کہ مقابلہ نہ کریں۔ لیکن فرعون نے زبردستی ان کو میدان میں اتارا اور مقابلہ کرایا۔ جب وہ میدان میں آئے تو موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ پہلے اپنا عصا ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے مناسب جانا کہ انہی کو پہلے ڈالنے کے لئے کہا جائے اس لئے فرمایا کہ تم ڈال دو کیا ڈالتے ہو، انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا ہم ضرور غالب ہوں گے۔ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور لوگوں کو خوف زدہ بنا لیا اور بڑا جادو لے کر آئے، ان کے جادو کی وجہ سے دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے جو لاٹھیاں اور رسیاں ڈالی ہیں وہ دوڑتے ہوئے سانپ ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ ماجرا دیکھا تو ذرا سا اپنے دل میں خوف محسوس کرنے لگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی وہ سانپ بن گئی اور اس نے جادوگروں کے بنائے ہوئے سارے دھندے کو نگلنا شروع کر دیا۔ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى جو فرما دیا تھا اس کا مظاہرہ ہوا جادوگر جب کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ معجزہ کے مقابلہ میں آئے تو کامیاب نہیں ہوتا اور موسیٰ علیہ السلام نے پہلے ہی یہ بھی فرما دیا تھا مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ (تم جو کچھ لے کر آئے وہ جادو ہے) اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے عنقریب باطل فرما دے گا) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو کامیاب نہیں بننے دیتا)۔ اب جو جادوگروں نے یہ دیکھا کہ اس شخص کا مقابلہ ہمارے بس کا نہیں ہے اور یہ جادوگر نہیں ہے۔ (پہلے تو باتوں سے سمجھ لیا تھا اور اب عملی طور پر آزما لیا) تو اسی وقت سجدہ میں گر پڑے اور علی الاعلان انہوں نے مؤمن ہونے کا اقرار کر لیا اور کہنے لگے کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى (ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے) اس میں خَرُّوْا سُجَّدًا نہیں فرمایا بلکہ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ایسے بے بس ہوئے کہ ایمان لائے بغیر کوئی چارہ نہ رہا ان کے جذبۂ حق نے انہیں سجدہ میں جانے پر مجبور کر دیا ایسی فضاء بنی کہ انہیں اس بات کا بھی دھیان نہ رہا کہ فرعون ہمارا کیا بنائے گا اس نے سزا دی تو ہمارا کیا ہوگا۔ جب حق دلوں میں اتر جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اس سے باز نہیں رکھ سکتی پرانی امتوں میں اور اس امت میں سینکڑوں ایسے واقعات پیش آ چکے ہیں کہ بڑے بڑے ظالموں اور قاہروں کے تکلیفیں دینے کے باوجود اہل ایمان، ایمان سے نہ پھرے تکلیفیں جھیل گئے قتل ہو گئے لیکن ظالموں کے کہنے اور مجبور کرنے کے باوجود حق پر جمے رہے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

فرعون نے کہا اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے، بلاشبہ وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے، سو میں ضرور بالضرور اس طرح سے تمہارے ہاتھ پاؤں

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ

کاٹ دوں گا کہ ایک طرف کا ہاتھ ہوگا اور دوسری طرف کا پاؤں ہوگا اور ضرور بالضرور میں تمہیں کھجور کی ٹہنیوں میں لٹکا دوں گا۔ جیسے صلیب پر لٹکا دیا جاتا ہے اور تم ضرور

اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ

جس نے کہ ہم میں سے زیادہ سخت عذاب دینے والا ہے اور کس کا عذاب زیادہ دیر تک رہنے والا ہے جو تم نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہم میں سے تجھ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے

فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا

اس دلیل پر جو ہمارے پاس آئی ہے اور نہ اس ذات پر جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہے سو تو جو کچھ فیصلہ کرنے والا ہے سو فیصلہ کر لے تو صرف اسی دنیا کی زندگی میں فیصلہ کر سکتا ہے ہم تو اپنے رب پر ایمان

لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ

لے آئے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو بخش دے اور تو نے جو ہم سے زبردستی جادو کرایا اس کو بھی معاف فرما دے۔ اور اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ بلاشبہ بات یہ

مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا

ہے کہ جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا سو اس کے لئے جہنم ہے نہ اس میں مرے گا اور نہ جئے گا اور جو شخص مومن ہو کر اس کے پاس آئے گا

قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

جس نے نیک عمل کئے ہوں سو ان لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝

نہریں جاری ہوں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اس کی جزا ہے جو پاک ہو۔

جادوگروں کو فرعون کا دھمکی دینا کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور کھجور کی ٹہنیوں پر لٹکا دوں گا، جادوگروں کا جواب دینا کہ تو جو چاہے کر لے ہم تو ایمان لے آئے

جب جادوگروں نے ہار مان لی اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لا کر سجدہ میں گر پڑے تو فرعون کی بڑی خفت ہوئی اور بھرے مجمع میں اسے ذلت اٹھانی پڑی کھسیانی بلی کھمبا نوچے اور تو کچھ نہ بن سکا جادوگروں پر غصہ اتارا، کر چکا اور کہنے لگا کہ تم کو ان پر ایمان لانے کے لئے مجھ سے اجازت لینا لازم تھا میری اجازت کے بغیر ہی تم ان پر ایمان لے آئے، بس سمجھ میں آ گیا کہ یہ تمہارا سردار ہے اسی نے تمہیں جادو سکھایا تم سب نے مل کر آپس میں یہ ملی بھگت کی ہے کہ شہر کے رہنے والوں کو نکال دو (کما فی سورۃ الاعراف) تم چاہتے ہو کہ شہر والے چلے جائیں اور تمہیں لوگوں کا قبضہ ہو جائے یہ تو بہت بڑی بغاوت ہے میں تمہیں اس کا مزہ چکھا دوں گا تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر (جن میں ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں ہوگا) کھجور کے تنوں کو سولی بنا کر لٹکا دوں گا۔ اسی پر لٹکے رہو گے یہاں تک کہ مر جاؤ گے اور تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سب سے زیادہ سخت عذاب والا اور سب سے زیادہ دیر پا عذاب والا کون ہے؟ (فرعون کو چونکہ پہلے بتا دیا گیا تھا کہ انّ العذاب علی من کذّب وتولّی جس میں اس بات کی توضیح کر دی گئی تھی کہ منکر اور روگردانی کرنے والا مستحق عذاب ہوگا اور اس کے عموم میں فرعون بھی آتا تھا بلکہ تعریضاً اسی کو خطاب کیا گیا تھا اس لئے اس نے یہ بات کہی کہ تم کہتے ہو میں عذاب میں مبتلا ہوں گا دیکھو ایک تمہاری جماعت ہے ایک ہماری جماعت ہے سخت اور دیر پا عذاب میں کون مبتلا ہوتا ہے؟ تمہیں اس کا پتہ

چل جائے گا بعض حضرات نے اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مجھ میں اور موسیٰ کے رب میں کس کا عذاب سخت اور دیرپا ہے۔

جادوگروں کے دلوں میں ایمان بیٹھ چکا تھا جب فرعون نے انہیں ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی پر چڑھانے کی دھمکی دی تو انہوں نے نہایت صبر واستقامت کے ساتھ بلا تکلف یوں کہہ دیا لَا ضَیْرَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (کچھ ضرر نہیں اس میں شک نہیں ہم اپنے رب کے پاس جا پہنچیں گے) یعنی قتل ہو جانے سے ہمارا کوئی نقصان نہ ہوگا اور ہمارا فائدہ ہی ہوگا جلد سے جلد اپنے رب کے پاس پہنچ جائیں گے اور ہمارے پاس جو کھلی کھلی دلیلیں آگئیں ان دلیلوں کے مقابلہ میں اور اس ذات پاک کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہم ہرگز تجھے ترجیح نہیں دے سکتے تو ہمیں سزا دینا چاہتا ہے جو کچھ تو چاہے ہمارے بارے میں فیصلہ کر دے ہم ہر تکلیف کو سہنے کے لئے اور ہر مصیبت کو جھیلنے کے لئے تیار ہیں تیرا جو کچھ فیصلہ ہوگا اور اس کے نتیجہ میں جو کچھ ہمیں تکلیف پہنچے گی وہ اسی تھوڑی ہی دنیا والی تکلیف تک محدود رہے گی ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف فرمائے اور تو نے جو کچھ زبردستی کر کے ہم سے جادو کرایا ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی معاف فرما دے، اللہ کو چھوڑ کر ہم تجھے کیسے اختیار کر سکتے ہیں۔ اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ کے لئے باقی ہے اس کی ذات و صفت کے لئے کبھی بھی فنا نہیں۔ ہم تو اب اسی کے ہو گئے۔ دنیا کی کوئی تکلیف اور تعذیب ہمارا رخ نہیں موڑ سکتی، اللہ ہمارا رب ہے ہم اس کے بندے ہیں اسی سے ہر طرح کی امید رکھتے ہیں اور اسی سے ہر طرح کی اپیل رکھتے ہیں۔ سورۃ الشعراء میں ہے کہ جادوگروں نے کہا۔ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَآ اَنْ کُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ (بے شک ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں معاف فرما دے اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہو گئے) اب تو ہمیں جو کچھ لینا ہے اللہ ہی سے لینا ہے اور ڈرنا بھی صرف اسی سے ہے تو نے جو انعام کی امید دلائی تھی ہمیں اس کی کچھ حاجت نہیں۔

قرآن مجید میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ فرعون ملعون کفر سے توبہ کرنے والے جادوگروں کو اپنی دھمکی کے مطابق سزا دے سکا تھا یا نہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ کا رجحان یہ ہے کہ اس نے انہیں سولی پر لٹکایا اور عذاب دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبید ابن عمیرؒ کا قول ہے کہ یہ لوگ دن کے اول حصہ میں جادوگر تھے اور اسی دن کے آخری حصہ میں شہید تھے۔ والظاھر من ھذہ السیاقات ان فرعون لعنہ اللہ صلبھم و عذبھم رضی اللہ عنھم قال عبد اللہ بن عباسؓ وعبید بن عمیرؒ کانوا من اول النھار سحرۃ فصاروا من اٰخرہ شھداء بررۃ و یؤید ھذا قولھم ربَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ. (البدایہ والنہایہ جلد ۱ صفحہ ۲۵۸)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اِنَّہٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّہٗ سے لے کر رکوع کے ختم تک جو کلام ہے یہ بھی جادوگروں ہی کا کلام ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے اس میں واضح طور پر اعلان فرما دیا کہ رب جل شانہٗ کے پاس جو شخص مجرم ہو کر آئے گا یعنی کافر ہو گا اس کے لئے جہنم ہے وہ اس کے عذاب میں ہمیشہ رہے گا اور وہاں نہ مرے گا نہ جئے گا (نہ مرنا تو ظاہر ہی ہے کیونکہ وہاں موت کبھی بھی نہیں آئے گی اور نہ جینا اس لئے فرمایا کہ وہاں کے عذاب شدید میں جینا کوئی جینا نہیں ہے جو سکھ اور آرام کا جینا ہوا سی کو جینا کہا جاتا ہے) اور جو شخص اپنے رب کے پاس مؤمن ہو کر حاضر ہو گا جس نے نیک کام کئے ہوں گے سو ایسے بندوں کے لئے بلند درجات ہیں یعنی یہ حضرات ہمیشہ کے رہنے والے باغات میں رہیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

آخر میں فرمایا وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَکّٰی اور یہ اس کی جزا ہے جو پاک ہوا یہ اعلان عام ہے کفر و شرک سے پاک ہونا اور معاصی سے پاک ہونا نفس کے رذائل سے پاک ہونا سب اس میں داخل ہے۔ فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پاک ہونے کی دعوت دی تھی اور

هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى فرمایا تھا اس نے کفر نہ چھوڑا پاکیزہ نہ بنا جادوگر ایمان لے آئے پاکیزہ بن گئے مستحق جنت ہو گئے جو لوگ مؤمن ہوتے ہوئے گناہوں میں موث ہوتے ہیں وہ کفر اور شرک سے پاک ہیں لیکن گناہوں سے پاک نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا گناہوں کو معاف فرما کر اور جس کو چاہے گا جہنم میں داخل فرما کر پاک وصاف کر کے جنت میں بھیج دے گا۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لیکر چلے جاؤ پھر ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنا دینا

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا

نہ کسی کے تعاقب کا اندیشہ کرو گے اور نہ تمہیں کسی قسم کا خوف ہو گا۔ سو فرعون نے انکے پیچھے اپنے لشکروں کو چلا دیا پھر دریا سے انہیں اس چیز نے ڈھانپ دیا

غَشِيَهُمْ ۝ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝

جس چیز نے بھی ڈھانپا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت کی راہ نہ بتائی۔

اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمانا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو مصر سے لے جاؤ، سمندر پر پہنچ کر ان کے لئے خشک راستہ بنا دینا، پکڑے جانے کا خوف نہ کرنا، فرعون کا ان کے پیچھے سے سمندر میں داخل ہونا اور لشکروں سمیت ڈوب جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون نے زک اٹھائی، ذلیل ہوا لیکن ابھی مصر میں اس کا ظاہری اقتدار باقی تھا اور وہ مسئلہ درپیش تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے جانے نہیں دیتا تھا، بنی اسرائیل کو اس کی تکلیفوں سے نجات پانے کے لئے ضروری تھا کہ مصر کو چھوڑ دیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاؤ اور یہ روانگی رات کو ہو چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تم سمندر کی طرف نکل جانا جب سمندر پر پہنچو تو اپنی لاٹھی مار دینا وہاں پر تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے خشک راستہ بن جائے گا اس میں گزر جانا نہ کسی کے تعاقب سے ڈرنا اور نہ کسی قسم کا دل میں خوف لانا حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہو گئے۔ فرعون کو سورج نکلنے کے وقت پتہ چلا لہٰذا وہ اپنے لشکروں کو لے کر ان کا تعاقب کرنے کے لئے روانہ ہو گیا جب فرعونی لشکروں اور بنی اسرائیل کے قبیلوں نے یہ منظر دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم تو دھر لئے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں، بلاشبہ میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ابھی مجھے راہ بتا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو انہوں نے لاٹھی ماری تو سمندر پھٹ گیا اور اس میں مختلف حصے ہو گئے اور وہ حصے اتنے چوڑے تھے جیسے کوئی بڑا پہاڑ ہو بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ کے لئے ایک ایک راستہ بن گیا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر ان راستوں میں داخل ہو گئے پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کو لے کر پہنچ ہی چکا تھا اس نے بھی اپنے لشکر دریا میں ڈال دیئے اور خود بھی ان کے ساتھ سمندر میں گھس گیا اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر پار ہو گئے اور فرعون اور اس کے لشکر وہیں غرق ہو گئے پانی کی بڑی بڑی موجوں نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اسی کو فرمایا فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ پھر دریا سے انہیں اس چیز نے ڈھانک دیا جس چیز نے بھی ڈھانپا غَشِيَهُمْ میں جو ابہام ہے وہ عربی میں کسی چیز کو بڑا بتانے کے لئے لایا جاتا ہے اسے اہل فصاحت پہچانتے ہیں وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى

(اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت کا راستہ نہیں بتایا) وہ خود بھی ڈوبا اور اپنی قوم کو بھی لے ڈوبا دنیا میں بھی تباہ اور آخرت میں بھی۔
سورۂ قصص میں فرمایا وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ (اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگادی اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے)۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا

اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے ہم نے کوہ طور کی داہنی جانب کا وعدہ کیا اور ہم نے تم

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ

پر من اور سلویٰ نازل کیا۔ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو ورنہ تم پر

عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ

میرا غصہ نازل ہوگا اور جس پر میرا غصہ نازل ہوا وہ گر گیا۔ اور بیشک میں بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی

وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝

اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے پھر ہدایت پر قائم رہا۔

بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ کا خطاب کہ ہم نے تمہیں دشمن سے نجات دی اور تمہارے لئے من وسلویٰ نازل فرمایا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا ہے اور انہیں اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور احکام کی خلاف ورزی پر غضب الٰہی کے نازل ہونے کی وعید سے باخبر فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا کہ اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور پھر فرمایا کہ تم سے کوہ طور کی داہنی جانب کا وعدہ کیا یعنی تمہارے نبی کو کوہ طور پر بلایا اور اس کی داہنی جانب ان کو توریت شریف عطا کی۔ جب ان کو بلایا تھا تو توریت دینے کا وعدہ تھا اور چونکہ یہ توریت تمہارے نفع کے لئے تھی اس لئے یہ وعدہ موسیٰ علیہ السلام سے بھی تھا اور تم سے بھی۔ قال صاحب الروح ای وواعدنا کم بواسطة نبیکم فی ذٰلک الحاب اتیان موسی علیه السلام للمناجات وانزل التوراة علیه الی آخر ما قال (جلد ۱۶ صفحہ ۲۳۹) طور کی اس جانب کو ایمن فرمایا جو موسیٰ علیہ السلام کے داہنے ہاتھ کو پڑتی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایمن بابرکت کے معنی میں ہے لفظی اعتبار سے یہ معنی لینا بھی صحیح ہے اور بابرکت ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہاں توریت شریف عطا کی گئی۔ تیسرے یہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں من اور سلویٰ عطا فرمایا اس کی تشریح سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ (انوار البیان جلد ۱)

مزید فرمایا کہ ہم نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ کھاؤ تو سہی لیکن حد سے نہ بڑھنا یعنی ناشکری نہ کرنا اور گناہ نہ کرنا اور ہماری دی ہوئی چیزوں کو گناہوں میں استعمال نہ کرنا اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم زیادتی نہ کرنا فضول خرچی نہ کرنا اور سختی مت بگھارنا، قال صاحب الروح بالا خلال بشکره و تعدی حدود الله تعالی فیه بالسرف والبطر والاستعانة به علی معاصی الله تعالی و منع الحقوق الواجبة فیه.

فیحلّ علیکم غضبی (ورنہ تم پر میرا غصہ نازل ہوگا) ومن یحلل علیہ غضبی فقد ھوی (اور جس پر میرا غصہ نازل ہوا سو وہ گر گیا یعنی وہ ہلاک ہوا اور دوزخ میں گرا) وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اھتدی (اور بلاشبہ میں اسے بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے پھر ہدایت پر قائم رہا) اس میں شرک سے توبہ کرنے والوں کے لیے بشارت ہے پہلے ذکر فرمایا، جو آدمی کفر و شرک سے توبہ کرے اور ایمان قبول کرے اور نیک اعمال میں لگا رہے اور ہدایت پر مستقیم رہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا وعدہ ہے۔ لفظ غفار مبالغہ کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ

اور اے موسیٰ آپ کس چیز نے جلدی میں ڈالا کہ آپ اپنی قوم سے آگے بڑھ گئے۔ انہوں نے عرض کیا یہ لوگ میرے پیچھے ہی ہیں اور اے رب میں آپ کی طرف

اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ۝

جلدی آگیا تاکہ آپ راضی ہوں۔ فرمایا سو بلاشبہ ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو فتنہ میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا۔

فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا

پھر موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے رنجیدہ حالت میں واپس ہوئے انہوں نے کہا کہ اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ

حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ

نہیں فرمایا؟ کیا تم پر زیادہ زمانہ گزر گیا یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غصہ نازل ہو پس تم نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا

مَّوْعِدِىْ ۝ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ

اس کی خلاف ورزی کی، وہ کہنے لگے کہ ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا اسکی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی لیکن بات یہ ہے کہ ہم پر قوم کے زیوروں کے بوجھ

فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِىُّ ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا

لدے ہوئے تھے سو ہم نے انکو ڈال دیا۔ پھر سامری نے اسی طرح ڈال دیا پھر اس نے لوگوں کیلئے ایک بچھڑا نکالا جو ایک جسم تھا اس میں سے گائے کی آواز آتی تھی۔

هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۙ فَنَسِىَ ۝ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا

سو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور وہ ان کے

يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ ع

لئے کسی ضرر اور نفع کی قدرت نہیں رکھتا۔ اور بلاشبہ اس سے پہلے ہارون نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم اس کی وجہ سے تم فتنہ ہی

وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِىْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِىْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى

میں ڈالے گئے ہو، بلاشبہ تمہارا رب رحمان ہے سو تم میرا اتباع کرو اور میرے حکم کو مانو، وہ کہنے لگے کہ ہم کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے جب تک

يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ يَا هَارُونُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ۝ أَلَّا تَتَّبِعَنِ ۖ أَفَعَصَيْتَ

اَمْرِیْ ۝ قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ۚ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ

بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ۝

بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں زیوروں سے سامری کا بچھڑا بنانا، اور بنی اسرائیل کا اس کو معبود بنالینا واپس ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام پر ناراض ہونا

جب بنی اسرائیل فرعون سے چھٹکارا پا کر دریا پار ہو گئے تو اب انہیں اپنے وطن فلسطین پہنچنا تھا اور ایک صحرا کو عبور کرنا تھا اس سفر میں بہت سے امور پیش آئے انہیں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلا کر توریت شریف عطا فرمائی جس کا اوپر وواعدنا کم جانب الطور الایمن میں تذکرہ فرمایا اور من وسلویٰ نازل ہونے اور پتھر سے پانی کے چشمے نکلنے کے واقعات ظہور پذیر ہوئے معالم التنزیل (جلد ۳ صفحہ ۲۲۷) میں لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لینے کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو انہوں نے ستر آدمی چن لئے تاکہ ان کو اپنے ساتھ پہاڑ تک لے چلیں، ساتھ ساتھ جا رہے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں پیچھے چھوڑ کر جلدی سے آگے بڑھ گئے اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ پہاڑ کے پاس آجاؤ، اللہ جل شانہٗ نے سوال فرمایا کہ تم اپنی قوم کو چھوڑ کر آگے کیوں بڑھے، موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ لوگ میرے قریب ہی ہیں زیادہ آگے نہیں بڑھا ہوں آپ کی مزید رضامندی کے لئے میں نے ایسا کیا۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پہنچے ادھر گوسالہ پرستی کا واقعہ پیش آ گیا، واقعہ یوں ہوا کہ بنی اسرائیل جب مصر سے چلنے لگے تو ان کی عورتوں نے قوم فرعون کی عورتوں سے کہا کہ کل کو ہمیں عید منانا ہے اور میلے میں جانا ہے ذرا زیب وزینت کے لئے ہمیں عاریۃً یعنی مانگے کو طور پر زیور دے دو ہم میلہ سے آ کر واپس کر دیں گے انہوں نے یہ سمجھ کر کل کو تو واپس ہو ہی جائیں گے اپنے زیور بنی اسرائیل کی عورتوں کے حوالے کر دیئے یہ زیور ان کے ساتھ ہی تھے جب مصر سے نکلے اور دریا پار ہوئے اب وطن جانے کے لئے خشکی کا راستہ تھا وطن پہنچنے میں انہیں چالیس سال لگ گئے انہیں چالیس سال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا فرمائی جب وہ اپنے منتخب افراد کے ساتھ توریت شریف لینے کے لئے طور پر پہنچے تو یہاں پیچھے سامری نے جو سنار کا کام کرتا تھا ان زیوروں کو جمع کیا جو بنی اسرائیل کی عورتیں فرعون کی عورتوں سے مانگ کر لے آئی تھیں۔ سامری نے آگ جلائی اور بنی اسرائیل کے لوگوں سے کہا کہ تم یہ زیورات اس میں ڈال دو ان لوگوں نے اس کے کہنے سے یہ زیورات آگ میں ڈال دیئے جب یہ پگھل گئے تو اس نے ان سے گائے کے بچھڑے کی صورت بنا دی، اس میں سے بچھڑے کی آواز بھی آنے لگی یہ لوگ اس کی پرستش اور پوجا پاٹ میں لگ گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی طور پر ہی تھے کہ اللہ جل شانہٗ نے انہیں مطلع فرمایا کہ تمہاری قوم کو ہم نے فتنہ میں ڈال دیا اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا، موسیٰ علیہ السلام جب واپس ہوئے تو بہت غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تھے انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے مجھے کتاب دینے کے لئے

بلایا تھا اور اس کتاب میں تمہارے لئے احکام دینے کا وعدہ تھا، یہ تم نے کیا غضب کیا کہ میرے پیچھے بت پرستی میں لگ گئے تمہیں اللہ کے وعدے کا اور میرے آنے کا انتظار کرنا لازم تھا کچھ زیادہ زمانہ بھی نہیں گزرا کہ تم اللہ کی طرف سے کتاب ملنے سے ناامید ہو گئے اور اس کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو گئے، کیا یہ بات تو نہیں ہے کہ تم نے اپنے رب کا غصہ نازل ہونے کا قصد اور ارادہ انتظام کر لیا اور مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ تم نے جو یہ کھیل کھیلا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے غصہ کو دعوت دی ہے، بنی اسرائیل نے ایک عجیب جواب دیا جو بالکل ہی احمقانہ ہے وہ کہنے لگے کہ یہ جو کچھ ہم نے آپ سے وعدہ کر کے خلاف ورزی کی ہے یہ اپنے اختیار سے نہیں کی۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ قوم فرعون کے زیوروں کا جو بوجھ ہم پر لدا ہوا تھا سامری کے کہنے سے ہم نے اسے ڈال دیا یعنی ایک جگہ جمع کر دیا پھر سامری نے وہ زیور ڈالا جو اس کے پاس تھا اور سامری نے اس زیور کے مجموعے سے ایک بچھڑا بنا دیا۔ یہ بچھڑا ایسا تھا کہ اس میں سے گائے کے بولنے کی سی آواز بھی آ رہی تھی یہ بچھڑا بن کر تیار ہوا اور اس کی آواز سنی تو بنی اسرائیل سے کہنے لگے کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی معبود ہے موسیٰ بھول گئے اپنے اس معبود کو چھوڑ کر (العیاذ باللہ) طور پر چلے گئے تاکہ وہاں سے کتاب لے کر آئیں۔

بنی اسرائیل مصر میں مشرکین کو دیکھتے تھے اور شرک کے طریقے ان سے سیکھ لئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں گائے کی پرستش بھی ہوتی تھی، جب دریا پار کر کے خشکی میں آئے تو دیکھا کچھ لوگ بت پرستی میں مشغول ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لئے بھی ایسے ہی معبود بنا دو جیسا کہ ان کے لئے معبود ہیں (کما مر فی سورۃ الاعراف) ان کے ذہنوں میں شرک کی اہمیت بیٹھی ہوئی تھی اس لئے جب گائے کے بچھڑے کا بت سامنے آ گیا اور وہ بھی ایسا کہ اس میں آواز آ رہی تھی تو اچانک شرک کے جذبہ نے ان پر حملہ کیا اور نہ صرف یہ کہ اس کو اپنا معبود مان لیا بلکہ یہاں تک کہہ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا بھی یہی معبود ہے اور اپنی حماقت و جہالت میں یہاں تک آگے بڑھے کہ یوں بول اٹھے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے معبود کو بھول گئے۔

صدیوں سے جو ان کے ذہنوں میں شرک نے جگہ پکڑ رکھی تھی وہ رنگ لے آئی اور اس کا اثر ظاہر ہو گیا اور اسی بچھڑے پر دھرنا دے کر بیٹھ گئے جیسا کہ مشرکین کی عادت ہے کہ وہ اپنے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو کر پڑے رہتے ہیں اور ان کی عبادت سے چمٹے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی حماقت اور جہالت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا (کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا) وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (اور وہ ان کے لئے کسی بھی طرح کے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا) کچھ تو غور کرتے اور سمجھتے کیا ایسی چیز کو معبود بنایا جائے جس میں یہ بات کرنے کی قوت نہ جواب دینے کی طاقت اور نہ کسی قسم کی کوئی حرکت اور نہ کسی قسم کا نفع یا ضرر پہنچانے کی سکت، بنی اسرائیل نے یہ جو کہا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا (ہم نے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی) اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ اقدام ہم نے اپنے اختیار سے نہیں بلکہ سامری کے عمل کو دیکھ کر مجبور ہو گئے۔ ان کا یہ عذر مذر لنگ ہے جو غلط بیانی پر مبنی ہے سامری نے مجبور نہیں کیا تلوار اٹھا کر بت پرستی پر آمادہ نہیں کیا اس نے ایک بچھڑا بنا دیا تھا گو اس کی پرستش میں اس کی رائے بھی شامل تھی لیکن بنی اسرائیل نے جو کچھ کیا اپنے اختیار ہی سے کیا اور زیورات کو جو اوزار یعنی بوجھ فرمایا یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ فرعون سے مانگ کر لائے تھے اور واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا اور جب واپس نہیں دیئے اور ساتھ لے آئے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ زیور تمہارے اوپر بوجھ بنے ہوئے ہیں یعنی تم ان کی وجہ سے گنہگار ہو ان کو پھینک دو اور بعض حضرات نے یوں لکھا ہے کہ سامری نے بچھڑا بنانے کے لئے ان لوگوں کو یہ بات سمجھائی تھی کہ دوسروں کا مال ہے تمہارے لئے حلال نہیں ہے اسے ایک گڑھے میں ڈال دو لہٰذا انہوں نے ایسا ہی کیا۔

کافر حربی کا مال اگر جنگ کر کے حاصل کیا جائے تو غنیمت کے حکم میں ہوتا ہے لیکن سابقہ امتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا اور یہ زیور جنگ کے ذریعہ حاصل نہیں کیے گئے تھے اس لئے ہارون علیہ السلام نے انہیں مشورہ دیا کہ انہیں ڈال دو، نیز یہ بات بھی ہے کہ جو چیز مانگی ہوئی ہو خواہ کافر حربی سے مانگی ہو وہ امانت ہے اور امانت کا حکم یہ ہے کہ جس کے پاس امانت ہو اس کے لئے حلال نہیں ہوتی رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کا ارادہ کیا تو لوگوں کی جتنی بھی امانتیں تھیں ان کے ادا کرنے کا یہ انتظام فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا کہ جس کی جو امانت ہے اس کو واپس کر دینا اور تم اس کام سے فارغ ہو کر ہجرت کرنا اگر ان زیورات کو مال غنیمت تسلیم کر لیا جائے تب بھی بنی اسرائیل کی ملکیت نامہ مستقلہ من کل الوجوہ لکل فرد ثابت نہیں ہوتی کیونکہ تقسیم نہیں کی گئی تھی پھر موسیٰ علیہ السلام نے وہی کیا جو پرانی امتوں کے لئے اموال غنیمت کا قانون تھا یعنی آخر میں اسے جلا دیا اس میں اتنا فرق ہے کہ اس کے جلانے کے لئے آسمان سے آگ نہیں آئی چونکہ عبرت دلانا مقصود تھا کہ یہ دیکھو جسے تم نے معبود بنایا تھا وہ جل رہا ہے اور جل چکا ہے یہی جلانا آسمانی آگ کے قائم مقام ہو گیا۔ اسی سے یہ اشکال بھی رفع ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کی املاک ضائع کر دینے پر ضمان کیوں لازم نہیں آیا (املاک ہوتی تو ضمان ہوتا) پھر یہ بات بھی ہے کہ امام المسلمین کو آلات معصیت تلف کرنے کا حکم ہے پھر وجوب ضمان کیا؟ بچھڑا تو سب سے بڑی معصیت یعنی شرک کا آلہ تھا اس کے اتلاف پر ضمان لازم ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پر تشریف لے گئے تھے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے اور ان کے ذمہ بنی اسرائیل کی نگرانی سپرد فرما گئے تھے جب ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تو ہارون نے انہیں متنبہ فرمایا اور فرمایا اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ (تم اس کی وجہ سے فتنہ میں ڈالے گئے ہو) وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ (اور اس میں شک نہیں کہ تمہارا رب رحمٰن ہے اسے چھوڑ کر دوسری چیز کی پرستش میں لگنا فتنہ میں پڑنا ہے، جو بات میں کہہ رہا ہوں اس کا اتباع کرو اور اسے مانو)

لیکن بنی اسرائیل تو اس بچھڑے کے دل دادہ ہو چکے تھے ہارون علیہ السلام کی نصیحت کچھ بھی کارگر نہ ہوئی۔ بلکہ انہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ جواب دے دیا اور کہنے لگے کہ ہم تو برابر اسی پر جمے بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آ جائیں، جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ تمہاری قوم فتنہ میں پڑ گئی تو وہ واپس تشریف لائے اور انہوں نے اپنی قوم سے خطاب کیا اور ہارون علیہ السلام پر بھی خفگی کا اظہار کیا اور یہ اظہار بھی معمولی نہ تھا بلکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی اور سر کے بال کھینچنے لگے اور توریت شریف کی جو تختیاں لے کر آئے تھے ان کو بھی ڈال دیا جس کی وجہ سے ٹوٹ گئیں، ہارون علیہ السلام سے سوال فرمایا کہ اے ہارون جب تم نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو اس سے کیا چیز مانع تھی کہ تم مجھے خبر دیتے؟ تم نے میرا اتباع کیوں نہ کیا؟ اور میری نافرمانی کیوں کی؟ جب شرک کا ماجرا دیکھا تو تم میرے پاس چلے آتے ہارون علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میرے ماں جائے میری ڈاڑھی اور میرے بال نہ پکڑو، مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ آپ یوں فرمائیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفریق کر دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔ یہاں سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ ہارون علیہ السلام نے انہیں روکا تو تھا اور بتا دیا تھا کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو لیکن سختی فرمانا مناسب نہ جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کا انتظار فرمایا، اور سورۂ اعراف میں یوں ہے کہ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (ہارون نے کہا میرے ماں جائے بات یہ ہے کہ قوم نے مجھے ضعیف سمجھ لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے لہٰذا آپ میرے ذریعہ دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیجئے اور مجھے ظالموں کے ساتھ نہ کیجئے) جب ہارون علیہ السلام نے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے یوں دعا کی رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (اے

میرے رب بخشے اور میرے بھائی کو بخش دیجئے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمایئے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لیس الخبر کالمعاینۃ شئی خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے تم آپ نے بطور مثال یوں فرمایا کہ باشبہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے خبر دے دی تھی کہ انہوں نے بچھڑے کے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا ہے لیکن توریت شریف کی تختیوں کو نہیں ڈالا پھر جب اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت دیکھ لی تو (توریت شریف کی) تختیوں کو ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ ٹوٹ گئیں۔ (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۷۱) جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو توریت شریف کی تختیاں اٹھا لیں۔ مدارک سورۃ الاعراف ولما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح مفسرین نے لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل میں بچھڑے کی پرستش کا فتنہ ظاہر ہوا تو اس وقت ان میں تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ ہارون علیہ السلام کے ساتھ رہا ان کی اطاعت کی اور گوسالہ پرستی سے دور رہے۔ اس جماعت کی تعداد بارہ ہزار بتائی جاتی ہے۔ دوسرا فرقہ وہ تھا جس نے گوسالہ پرستی کو اپنا لیا لیکن یوں بھی کہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لا کر منع فرمائیں گے تو ہم چھوڑ دیں گے۔ تیسرا فرقہ وہ تھا، جو یوں کہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی واپس آ کر ہمارے اس معبود باطل میں گے یہی ہمارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے۔ جب ان آخری دو فرقوں کا جواب حضرت ہارون علیہ السلام نے سنا تو اپنے ساتھ بارہ ہزار ساتھیوں کو لیکر جدا ہو گئے لیکن وہیں رہتے سہتے رہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ہارون علیہ السلام کو عتاب کیا اور غصہ فرمایا تو انہوں نے اپنا عذر بیان کیا۔ میں نے بارہ ہزار ساتھیوں کو لے کر آپ کی واپسی تک انتظار کیا پھر آپ سے ملنے کے لئے چل پڑا تھا۔ میں نے بنی اسرائیل کو جتنا مناسب پایا ان قدر کو ساتھ لیا اور ان سے متفرق ہو کر جدا ہو گیا اپنے موحد ساتھیوں کو لیکر آپ کے پاس آ گیا ہوں۔ آپ سے مقاتلہ اور مقابلہ کرنا میرے نزدیک مصلحت کے خلاف تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی رائے کو خطا اجتہادی سمجھ کر چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور بھائی کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا میں مشغول ہو گئے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

موسیٰ نے کہا اے سامری تیرا کیا حال ہے تو نے کیا دیکھا جو دوسروں نے نہیں دیکھا میں نے فرشتہ کے گھوڑے کے نشان سے

مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي

مٹی لی اور میں نے اس مٹی کو اس بچھڑے میں ڈال دیا اور میرے نفس نے مجھے یہی بات اچھی کر کے دکھائی۔ موسیٰ نے کہا پس تو چلا جا تیرے لئے

الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۚ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ

زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو یوں کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی نہ چھوئے اور بلاشبہ تیرے لئے ایک وعدہ ہے جو تجھ سے نہیں ٹلے گا اور تو اپنے معبود کو دیکھ

الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ

جس پر تو جما بیٹھا تھا ہم ضرور اسے جلا دیں گے پھر اسے دریا میں بکھیر دیں گے بکھیر دینا

الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾

جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس کی معلومات ہر چیز کو محیط ہیں اپنے علم سے تمام چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامری سے خطاب، اس کے لئے بددعا کرنا اور اس کے بنائے ہوئے معبود کو جلا کر سمندر میں بکھیر دینا

حضرت ہارون علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خطاب اور عتاب سے فارغ ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تیرا کیا حال ہے یہ حرکت تو نے کیوں کی کس طرح سے کی؟ اس پر اس نے جواب دیا کہ میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسرے لوگوں کو نظر نہ آئی، میں نے اس میں سے ایک مٹھی اٹھا لی اور جو مٹھی بھری تھی وہ اس مجسمہ میں ڈال دی جو میں نے چاندی سونے سے بنایا تھا علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ سامری بھی بنی اسرائیل میں سے تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے نہیں تھا بلکہ قوم قبط (فرعون کی قوم) میں سے تھا بنی اسرائیل جب دریا پار ہوئے تو منافق بن کر یہ ان کے ساتھ آ گیا جب دریا کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام بنی اسرائیل کی مدد کے لئے تشریف لائے تھے وہ اس وقت گھوڑے پر سوار تھے خشکی میں پہنچے تو سامری نے دیکھا کہ ان کا گھوڑا جہاں پاؤں رکھتا ہے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی ہے اس نے سمجھ لیا کہ اس مٹی میں ایسا اثر پیدا ہو جاتا ہے جو دوسری مٹیوں میں نہیں ہوتا اس وقت اس نے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے ایک مٹھی مٹی اٹھالی سامری نے جو یوں کہا فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ اس میں الرسول سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں جس کا ترجمہ فرستادہ کیا گیا ہے یعنی اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے۔ بعض مفسرین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ سامری نے یہ کیسے سمجھا کہ یہ حضرت جبرئیل ہیں اس کا جواب [illegible] اس کے سامنے [illegible] حضرت جبرئیل [illegible] اپنی ولایت [illegible] اور [illegible] سے پہچان لیا اس کی آنکھوں کے سامنے [illegible] جبکہ بنی اسرائیل کو یہ بات حاصل نہیں ہوئی تو ان کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ یہ حضرت جبرئیل ہی ہو سکتے ہیں جو اس وقت بنی اسرائیل کی مدد کے لئے تشریف لائے ہیں۔ بعض حضرات نے یہ بات بھی فرمائی ہے جسے صاحب درمنثور نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب فرعون اسرائیلی بچوں کو قتل کرتا تھا تو سامری کی ماں اسے کسی غار میں چھپا کر آتی تھی تاکہ ذبح ہونے سے محفوظ رہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اس کی پرورش کرائی وہ اس کے پاس جاتے تھے اور اسے اپنی انگلیاں چٹاتے تھے ایک انگلی میں شہد اور دوسری میں دودھ ہوتا تھا۔ لہٰذا وہ ان کی صورت کو پہچانتا تھا جس میں وہ انسانی صورت اختیار کر کے تشریف لایا کرتے تھے اسی صورت میں اس نے اس موقع پر بھی پہچان لیا۔ واللہ اعلم۔

جب سامری نے زیورات کا بچھڑا بنایا تو اس میں حیاۃ کا اتنا اثر آ گیا کہ اس سے بچھڑے کی آواز آنے لگی یہ آواز کا پیدا ہو جانا حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پاؤں کی مٹی کے اثر سے تھا۔

بنی اسرائیل میں شرک کا جو مزاج تھا وہ اپنا کام کر گیا اور یہ لوگ بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے ان کے پس دماغ یہ بات تھی کہ اگر یہ واقعی بچھڑا نہ بن گیا ہوتا تو اس میں سے آواز کیوں آتی لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا کہ جب اصل بچھڑا ہی معبود اور نفع و ضرر کا مالک نہیں ہو سکتا تو یہ نقلی بچھڑا کیسے معبود ہو سکتا ہے شرک کا مزاج ہے کہ جس سے کسی خلاف عادت چیز کا صدور ہوتا دیکھتے ہیں اس کے بہت زیادہ معتقد ہو جاتے ہیں۔ جعلی پیروں اور فقیروں کا تو یہ مستقل دھندہ ہے کہ کچھ شعبدہ کے طریقہ پر اور کچھ کیمیائی طریقوں سے بعض چیزوں کی مشق کر لیتے ہیں اور خلاف عادت چیزیں دکھا کر عوام کو معتقد بنا لیتے ہیں جبکہ اس کا قرب الٰہی سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا جا دفع ہو یہ کام تو نے ایسا کیا ہے کہ لوگ تیری طرف متوجہ ہو گئے اور تجھے شرک میں اپنا رہنما بنا لیا اور اس طرح سے تو مقتدا بن گیا اب اس کی سزا میں تیرے لئے یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ زندگی بھر تو جہاں کہیں بھی جائے گا تو! مساس کہتا

پھرے گا جس کا معنی یہ ہے کہ مجھ سے دور ہو مجھے مت چھوؤ۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کے لئے ایسی صورت حال پیدا فرمادی کہ جو بھی کوئی شخص اسے چھوتا تھا یا وہ کسی کو چھوتا تھا دونوں کو تیز بخار چڑھ جاتا تھا۔ لہٰذا لوگ اس سے دور دور رہتے تھے اور وہ بھی زور زور سے کہتا کہ مت چھوؤ۔ مت چھوؤ۔ دنیا میں تو اس کو یہ سزا ملی اور آخرت میں جو سزا ہے وہ اس کے علاوہ ہے اسی کو فرمایا ہے وانّ لک موعدا لّن تخلفہٗ (اور بلاشبہ تیرے لئے ایک وعدہ ہے جو ٹلنے والا نہیں ہے)

ہندوستان کے ہندوؤں میں گائے کی پرستش بھی ہے اور چھوت چھات بھی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ گائے کی پرستش ان میں بنی اسرائیل سے آئی ہو جنہوں نے اہل مصر سے سیکھی تھی اور چھوت چھات سامری کی تقلید میں اختیار کرلی ہو وہ تو اس لئے چھوت چھات کرتا تھا کہ اسے اور چھونے والے کو بخار نہ چڑھ جائے لیکن بعد کے آنے والے مشرکین نے اسے مذہبی حیثیت دے دی و العلم عند اللہ الخبیر العلیم.

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے مزید فرمایا کہ اب تو دیکھ جس چیز کو تو معبود بنا کر دھرنا دیئے بیٹھا تھا ہم اس کا کیا حال بناتے ہیں ہم اسے جلا دیں گے پھر اسے دریا میں بکھیر کر بہادیں گے تاکہ تو اور تیرا اتباع کرنے والے آنکھوں سے دیکھ لیں اور پوری ہوش مندی کے ساتھ یہ سمجھ میں کہ اگر یہ معبود ہوتا تو جلانے سے کیوں جلتا، بھلا وہ کیا معبود ہے کہ کسی مخلوق کے جلانے سے جل جائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کر دیا کہ اسے جلا کر سمندر میں بکھیر دیا کچھ بعید نہیں کہ ہندوستان کے ہندو جو اپنے مردوں کو جلا کر اس کی راکھ پانی میں بہا دیتے ہیں یہ بھی اسی کا بقیہ ہو جو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے معبود باطل کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے تو عبرت کے لئے ایسا کیا تھا اور انہوں نے اسے اپنا مذہب بنالیا، آگ میں جہاں ان کا صنم گیا وہیں خود چلے جاتے ہیں بعض مفسرین نے یہ اشکال کیا ہے کہ بچھڑا تو زیورات سے بنایا گیا تھا اور چاندی سونا جلتا نہیں ہے جس کی راکھ ہو جائے بلکہ وہ تو پگھل جاتا ہے لہٰذا اس کی راکھ کیسے بنی۔ اس کا جواب تو یہ ہے کہ بچھڑا جب بولنے لگا تو اس کا قالب بھی بدل گیا اور گوشت پوست والا بچھڑا بن گیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے پہلے ذبح فرمایا پھر آگ میں جلا دیا اور راکھ کو سمندر میں بہا دیا اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ اسے ریتی سے ریت کر ذرہ ذرہ کر دیا پھر سمندر میں ڈال دیا صاحب معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۶۳ میں یہ دونوں باتیں لکھی ہیں لیکن دوسری بات کے سمجھنے میں اشکال رہ جاتا ہے کیونکہ چاندی سونے کے زیورات کو ریزہ ریزہ کر کے آگ میں ڈالا جائے تب بھی پگھلتے ہیں راکھ نہیں بنتے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگ میں ڈالنے پر بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے پگھلانے کے بجائے اسے راکھ بنا دیا ولا اشکال فی ذلک آخر میں فرمایا انّما الٰھکم اللہ الّذی لآ الٰہ الّا ھو تمہارا معبود اللہ ہی ہے جس کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ وسع کلّ شیءٍ علمًا (وہ اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے) اس میں مشرکین کی تردید ہے کہ وہ جن کی عبادت کرتے ہیں انہیں اپنی ذات ہی کا علم نہیں دوسری مخلوق کا کیا علم ہوگا۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝ مَّنْ اَعْرَضَ

اسی طرح ہم آپ سے گزشتہ واقعات کی خبریں بیان کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے، جس شخص نے اس سے اعراض

عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝

کیا سو بلاشبہ وہ قیامت کے دن بھاری بوجھ لادے گا۔ ایسے لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بوجھ قیامت کے دن ان لوگوں کے لئے برا بوجھ ہوگا

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ

جس روز صور پھونکا جائیگا اور اس دن ہم مجرموں کو اس حالت میں جمع کریں گے ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی، وہ آپس میں چپے چپے باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ

اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ

صرف دس دن رہے ہو، ہم خوب جانتے ہیں جس چیز کے بارے میں وہ بات کریں گے جبکہ ان میں سب سے زیادہ صحیح رائے رکھنے والا یوں کہے گا

لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝

کہ تم تو بس ایک ہی دن ٹھہرے ہو۔

جو شخص اللہ کے ذکر سے اعراض کرے گا قیامت کے دن گناہوں کا بوجھ لاد کر آئے گا، مجرمین کا اس حالت میں حشر ہوگا کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی، آپس میں گفتگو کرتے ہوں گے کہ دنیا میں کتنے دن رہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس طرح ہم نے موسیٰ اور فرعون کا واقعہ بنی اسرائیل کے بچھڑا پوجنے کا قصہ بیان کیا اسی طرح ہم آپ سے گزشتہ واقعات کی خبریں بیان کرتے ہیں (یہ خبریں آپ کی نبوت کی دلیلیں ہیں آپ انہیں نہیں جانتے تھے صرف وحی کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوئیں) اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے جو سارے عالم کے انسانوں کے لئے وعظ اور نصیحت ہے جو اس پر عمل کرے گا کامیاب ہوگا اور جو شخص اس سے اعراض کرے گا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اپنے اوپر کفر کا بوجھ لادے ہوئے ہوگا اس طرح کے لوگ ہمیشہ اسی بوجھ میں رہیں گے یعنی اس بوجھ کے اٹھانے کا نتیجہ ہوگا کہ انہیں ہمیشہ عذاب کی جگہ میں رہنا ہوگا اور یہ بوجھ قیامت کے دن ان کے لئے برا بوجھ ہوگا۔ جس کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں صور پھونکا جائے گا۔

پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو آسمان والے زمین والے سب بے ہوش ہو جائیں گے اور زندہ انسان سب مر جائیں گے اور دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے اور میدان حشر میں جمع ہوں گے ان محشورین یعنی قیامت کے دن حاضرین میں جو کفار ہوں گے ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ یہ لوگ مجرم ہیں یہ لوگ خوف زدہ بھی ہوں گے اور خوف کی وجہ سے چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے کہ قبروں میں کتنے دن رہے؟ ان میں سے بعض لوگ کہیں گے کہ دس دن رہے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ ہم تو حشر نشر ہی کے منکر تھے ہمارا گمان تھا کہ مر مرا گئے خاک میں مل گئے اب کیسا زندہ ہونا اور قبروں سے نکلنا؟ ہمارا خیال تو غلط نکلا یہ تو بتاؤ قبروں میں کتنے دن رہنا ہوا۔ ان میں بعض جواب دیں گے جو مدت دراز انہوں نے برزخ میں گزاری اسے دس دن کی مدت بتائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس مدت کے بارے میں وہ بات کریں گے ہمیں اس کا خوب علم ہے وہ کتنی تھی، ان میں سے ایک شخص یوں کہے گا کہ تم قبروں میں ایک ہی دن رہے ہو۔ جو شخص یہ بات کہے گا اسے اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً فرمایا۔ یعنی اسکی رائے سب لوگوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ صحیح ہوگی کیونکہ اس یوم کی درازی اور پریشانی کے اعتبار سے گزشتہ جو وقت گزرا اس کی مدت ایک دن بیان کرنا ہی زیادہ اقرب ہے اس شخص کو شدت کا زیادہ ادراک ہوگا اس لئے اسکی رائے بہ نسبت پہلی رائے کے اصح اور اصوب ہے۔

یہ مطلب نہیں کہ واقعی قبر میں ایک ہی دن رہے۔ یہاں یوں فرمایا ہے کہ مجرمین اس حالت میں محشور ہوں گے کہ انکی آنکھیں نیلی ہوں گی اور سورۃ الاسراء میں فرمایا و نحشرھم یوم القیامۃ علی وجوھھم عمیا و بکما و صما (کہ ہم انہیں قیامت کے دن اس حال میں جمع کریں گے کہ اندھے اور بہرے اور گونگے ہوں گے) یہ مختلف حالات کے اعتبار سے ہے، عرصہ قیامت بہت طویل ہوگا اس میں مجرمین پر مختلف حالات گزریں گے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ اسی طرح یہاں مجرمین کی یہ بات نقل کی کہ کوئی کہے گا کہ قبروں میں دس دن رہے اور کوئی کہے گا کہ ایک دن رہے اور سورۂ روم میں ہے ویوم تقوم الساعۃ یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعۃ (اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین اس دن قسم کھائیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے) اور سورۂ والنازعات میں فرمایا کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحھا (جس روز یہ قیامت کو دیکھیں گے تو انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اسکے اول حصہ میں رہے ہیں) یہ احساس اور وجدان مختلف اشخاص و مختلف احوال میں ہوگا لہٰذا اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى

اور وہ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب انکو بالکل اڑا کر چورا چورا کر دے گا پھر زمین کو ایک صاف میدان بنا دے گا جس

فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ

تو اس میں کوئی ناہمواری اور اونچ نیچ نہ دیکھے گا جس روز وہ بلانے والے کا اتباع کریں گے سیدھا ہی چلیں گے اور آوازیں پست

لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ

ہو جائیں گی سو اے مخاطب تو پاؤں کی آہٹ کے سوا کچھ نہ سنے گا۔ جس دن شفاعت نفع نہ دے گی مگر اسی کو جس کیلئے رحمن نے اجازت دی اور جس کیلئے

لَهٗ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ وَعَنَتِ

بولنا پسند فرمایا۔ وہ جانتا ہے جو ان کے پہلے احوال تھے، اور ان لوگوں کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور تمام چہرے

الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ

حیّ القیوم کے لئے جھک جائیں گے اور جو شخص ظلم اٹھا کر لے گیا وہ ناکام ہوگا۔ اور جس شخص نے مومن ہونے کی حالت میں اچھے

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝

عمل کئے سو اسے کسی طرح کے ظلم کا اور کسی کی کا اندیشہ نہ ہوگا۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو اڑا دے گا زمین ہموار میدان ہوگی، آوازیں
پست ہوں گی، شفاعت اسی کے لئے نافع ہوگی جس کے لئے رحمٰن اجازت دے،
سارے چہرے حیّ القیوم کے لئے جھکے ہوئے ہوں گے

ان آیات میں روز قیامت کے احوال اور اھوال اور اعمال صالحہ پر پورا پورا اجر و ثواب ملنے کا تذکرہ ہے۔ صاحب معالم التنزیل

(جلد ۳ صفحہ ۲۳۱) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ بنی ثقیف میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ **ویسئلونک عن الجبال** (الایۃ) نازل فرمائی۔ جس میں بتادیا کہ پہاڑوں کی بڑائی اور بلندی اور سختی اور پھیلاؤ کی کچھ حیثیت بھی نہ رہے گی وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں اڑا دے گا، سورۂ واقعہ میں فرمایا **اذا رجّت الارض رجّا وبست الجبال بسّا فکانت ھبآءً منبثًا** (جب زمین کو سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار کی طرح ہوں گے) اور سورۃ القارعۃ میں فرمایا ہے **وتکون الجبال کالعھن المنفوش** (اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنی ہوئی رنگین اون ہو) ان سب آیات میں پہاڑوں کی حالت بتائی ہے، پھر زمین کے بارے میں فرمایا **فیذرھا قاعا صفصفا لا ترٰی فیھا عوجا ولا امتا** (اور اللہ تعالیٰ زمین کو اس حال میں کر دے گا کہ وہ ہموار میدان ہوگی اس میں ناہمواری اور پستی اور بلندی نہیں ہوگی، یعنی اس میں کسی جگہ نہ گہرائی ہوگی اور نہ کوئی اٹھی ہوئی جگہ، اس کے بعد فرمایا **یومئذ یتبعون الداعی** (جس دن پہاڑوں کی یہ حالت ہوگی جس کا ذکر اوپر ہوا، اس دن لوگ بلانے والے کی آواز کے پیچھے چل دیں گے **لا عوج لہ** اس کے سامنے کوئی ٹیڑھا پن نہیں رہے گا۔ اس کی آواز کے خلاف کوئی بھی شخص دوسری راہ اختیار نہ کر سکے گا) پکارنے والے کی آواز کے پیچھے چلنا ہی ہوگا اور میدان حشر میں جمع ہونا ہی پڑے گا۔

صاحب روح المعانی (جلد ۱۶ صفحہ ۲۶۴) میں لکھتے ہیں کہ الداعی (بلانے والا) اس سے حضرت اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں۔ ۱۰۰۰ سری پر صور پھونکیں گے جو حضرت صخرہ مقدس پر ہوگا جو آسمان و زمین کے درمیان ہے اپنھا العظام البالیۃ والجلود الممزقۃ واللحوم المتفرقۃ ھلموا الی الرحمن فیقبلون من کل صوب الی صوتہ) اے گلی ہوئی ہڈیو اور ٹکڑے بنے ہوئے چمڑو اور الگ الگ ہوئے ہوئے گوشتو چلے آؤ رحمن کی طرف تمہاری پیشی ہوگی۔ یہ اعلان سن کر ہر طرف سے سب لوگ اس کی آواز کی طرف چل دیں گے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں **لا یزیغون عنہ یمینا ولا شمالا ولا یقدرون علیہ بل یتبعونہ سراعا** یعنی پکارنے والے کی آواز سے ہٹ کر دائیں بائیں کی طرف نہ جائیں گے اور نہ جا سکیں گے بلکہ جلدی جلدی اس کی آواز کا اتباع کریں گے **وخشعت الاصوات للرحمٰن فلا تسمع الا ھمسا** (اور رحمن کے لئے آوازیں پست ہو جائیں گی سوائے مخاطب تو ہمس کے سوا کچھ نہ سنے گا) ہمس بہت ہلکی آواز کو کہتے ہیں اور اونٹوں کے چلنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اسے بھی ہمس کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میدان قیامت میں حاضر ہونے والے سب ہی ہلکی آواز میں بات کریں گے جیسا کہ اوپر **یتخافتون بینھم** میں بتایا جا چکا ہے۔ پھر فرمایا **یومئذ لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن لہ الرحمٰن ورضی لہ قولا** (جس دن شفاعت نفع نہ دے گی مگر اس کو جس کے لئے رحمن نے اجازت دی اور جس کے لئے بولنا پسند فرمایا) مطلب یہ ہے کہ اس ہولناک دن میں مصیبت سے چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہ ہوگا اور شفاعت کام نہ دے گی۔ ہاں جس کے لئے شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ بولنا پسند فرمائے گا اس کے حق میں شفاعت نافع ہوگی۔ اول تو ہر ایک شفاعت کر نہیں سکے گا جسے شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی وہی شفاعت کی جرأت کرے گا جیسا آیۃ الکرسی میں فرمایا **من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ** (کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے مگر اس کی اجازت سے) اور سفارش کرنے کی اجازت بھی نہ ہر ایک کو ہوگی اور نہ ہر ایک کے لئے ہوگی۔ جنہیں شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی وہ اسی کی شفاعت کر سکیں گے جس کے لئے شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ سفارش صرف مؤمن بندوں کے لئے ہوگی غیر مؤمن کے لئے وہاں شفاعت کا کوئی مقام نہ ہوگا اور مؤمنین کے لئے بھی یہ شفاعت حسب مواقع ہو سکے گی۔ جس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں اس توضیح سے یہ معلوم ہو گیا کہ جہاں کہیں شفاعت کے نفع دینے کی نفی فرمائی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ کافروں کو کوئی شفاعت نفع نہ دے گی۔ **کما فی**

سورۃ المؤمن: مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ (ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی سفارش کرنے والا) یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (اوران سب کے اگلے پچھلے احوال جانتا ہے) وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا (اوران لوگوں کا علم اس کا احاطہ نہیں کرسکتا) صاحب روح المعانی (جلد ۱۶ صفحہ ۲۲۵) نے اس کا ایک مطلب تو یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کو مخلوق کا علم احاطہ نہیں کرسکتا اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کی صفات کمال کے ساتھ بندے پوری طرح نہیں جان سکتے۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ (اور تمام چہرے حی القیوم کے لئے جھک جائیں گے) یعنی میدان قیامت میں سبھی عاجزی میں ہوں گے دلوں میں اور نفسوں اور اعضاء میں سب میں جھکاؤ ہوگا متکبر تھے انکا سب تکبر دنیا میں ہی دھرا رہ گیا اب تو الجبار المتکبر کی بارگاہ میں کھڑے ہیں وہاں جھکاؤ بھی ہے عاجزی بھی ہے وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا (اور جو شخص ظلم اٹھا کر لے گیا وہ ناکام ہو گیا) سب سے بڑا ظلم کفر اور شرک ہے اور بندوں پر جو مظالم کئے ان کی فہرست بھی وہاں موجود ہوگی ظلم کرنے والے وہاں ناکام ہوں گے نامراد ہوں گے اور عذاب میں جائیں گے۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (اور جس شخص نے مؤمن ہونے کی حالت میں اچھے عمل کئے سو اسے کسی طرح کے ظلم کا اور کسی طرح کی کمی کا اندیشہ نہ ہوگا) جیسے ظالم ناکام ہوں گے ایسے ہی اہل ایمان کامیاب اور بامراد ہوں گے، ان لوگوں نے جو بھی کوئی نیکی کی تھی اس سب کا پورا پورا بدلہ ملے گا نہ کوئی نیکی مارمیں ہو گی اور نہ ثواب میں کچھ کمی ہوگی۔ جہاں ایک نیکی کا ثواب کئی گناہ دیا جائے گا وہاں اصل ثواب میں کمی ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں سورۂ نساء میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہ فرمائے گا اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو چند در چند کردے گا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرمائے گا) سورۂ جن میں فرمایا فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (سو جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آیا سو اسے کسی کمی کا اور کسی طرح کے ظلم کا اندیشہ نہ ہوگا) وھو مؤمن کی قید سامنے رہنی چاہئے۔ غیر مؤمن کی وہاں کسی نیکی کا کچھ بھی بدلہ نہ ملے گا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا وَّصَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ اَوْ یُحْدِثُ

اور اسی طرح ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ لوگ ڈر جائیں یا یہ قرآن ان کے لئے کسی قدر

لَهُمْ ذِكْرًا ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ

سمجھ پیدا کر دے۔ سو اللہ برتر ہے، بادشاہ ہے، حق ہے۔ اور آپ قرآن میں اس سے پہلے جلدی نہ کیجئے کہ اس کی وحی پوری

وَحْیُهٗ ۪ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝

کر دی جائے اور آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم اور بڑھا دے۔

رسول اللہ ﷺ سے خطاب کہ ہم نے آپ کی طرف عربی میں قرآن نازل کیا، اس میں طرح طرح سے وعیدیں بیان کیں، آپ وحی ختم ہونے سے پہلے یاد کرنے میں جلدی نہ کریں اور علم کی زیادتی کے لئے دعا کرتے رہیں

قیامت کا ذکر فرمانے کے بعد اب قرآن مجید کے بارے میں چند باتیں ارشاد فرمائیں، اول تو یہ فرمایا کہ یہ قرآن ہم نے عربی بنا کر

نازل کیا ہے جب یہ عربی ہے جس کا مخاطبین کو بھی انکار نہیں اور عرب ہونے کی وجہ سے اس کے اولین مخاطبین اس کو سمجھتے بھی ہیں اور اس کی فصاحت اور بلاغت کو جانتے بھی ہیں تو ایمان لانے سے کیوں گریز کرتے ہیں؟ دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ ہم نے اس میں طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ ڈر جائیں اور ایمان لے آئیں یا اگر پوری طرح نہ ڈریں تو قرآن کے ذریعہ میں کچھ سمجھ پیدا ہو جائے اور سمجھتے سمجھتے آگے بڑھ کر کسی وقت کفر کو چھوڑ دیں فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (سو اللہ برتر ہے بادشاہ ہے حق ہے) اس کے کلام پر ایمان لانا فرض ہے اگر کوئی شخص ایمان نہ لائے تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ وہ کسی کے ایمان کا محتاج نہیں، وہ حقیقی بادشاہ ہے وہ حق ہے اور اس کا کلام بھی حق ہے جو ایمان نہ لائے گا اپنا برا کرے گا۔

قال صاحب الروح و فيه ايماء الى ان القران وما تضمنه من الوعد و الوعيد حق كله لا يحوم حوله حماه الباطل بوجه وان المحق من قبل عليه بشر اشره وان المبطل من اعرض تدبير زواجره (یعنی اس میں کتابت کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن اور جو وعدہ وعید قرآن میں وارد ہوئے سب حق ہے۔ باطل کا اس کے پاس سے گزر نہیں ہوا۔ اور حق پردہ ہے جو ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جائے اور باطل پردہ ہے جو اس کی وعیدوں میں غور و فکر سے اعراض کر لے) (جلد ۱۶ صفحہ ۶۲۸)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ جب آپ پر قرآن نازل ہوا کرے تو آپ پہلے خوب اچھی طرح اخیر تک سن لیں وحی پوری ہونے سے پہلے اس ڈر سے کہ کہیں بھول نہ جائیں جلدی نہ کریں، آپ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور بھولنے کے اندیشہ کی وجہ سے ایسا کرنے میں آپ کو تعب ہوتا تھا اس لئے ارشاد فرمایا کہ آپ جلدی نہ کریں اور بھولنے کا اندیشہ نہ کریں ہم آپ کو ضرور یاد کرا دیں گے) سورۂ قیامہ میں اسی کو فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (اے پیغمبر آپ نزول قرآن کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے (تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی یاد کر لیں) ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا، تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔ پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے) مطلب یہ ہے کہ جب جبریل کے واسطہ سے ہماری طرف سے وحی آئے تو آپ دھیان سے سنیں اور دہرانے میں جلدی نہ کریں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ مشقت نہ اٹھائیں پوری وحی سن لیں۔ پھر اس کو دہرائیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ چونکہ بعض مرتبہ کسی کلمہ کے تلفظ کی مشغولیت میں اس کے بعد والا کلمہ سننے سے رہ جانے کا احتمال ہو سکتا ہے اس لئے آپ کو جلدی کرنے سے منع فرمایا وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم اور بڑھا دیجئے) اس کے علوم میں آگے مزید وحی آنے کا بھی سوال آ گیا اور قرآن مجید میں جو کچھ علوم و معارف اور اسرار و رموز ہیں ان کا اور ان کے علاوہ دیگر علوم جن سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو ان کا بھی سوال ہو گیا۔ علوم الٰہی کی انتہا نہیں ہے مؤمن بندوں کو چاہیے کہ برابر زیادہ سے زیادہ علم حاصل ہونے کی دعا کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی خیر کے سننے سے مؤمن کا پیٹ نہیں بھر سکتا یہاں تک کہ اس کا منتہیٰ جنت ہی ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴)

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا ع ۱۵

اور اس سے پہلے ہم نے آدم کو حکم دیا سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے لئے سجدہ

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا

کرو تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اس نے انکار کر دیا۔ سو ہم نے کہا اے آدم بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے سو یہ ہرگز

يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا

[illegible] ہو گے اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی۔ شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا وہ کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تمہیں ہمیشگی والا درخت اور کبھی نہ پرانی

تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ

نہ بتا دوں جس میں کبھی ضعف نہ آئے۔ سو ان دونوں نے اس میں سے کھایا سو ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھل گئیں اور وہ دونوں اپنے اوپر

الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

جنت کے پتے چپکانے لگے، اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔ پھر انکے رب نے انہیں چن لیا سو ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۛ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ

هَدٰى ۝ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ

ہدایت پر قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے سو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝

تو سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں مخصوص درخت کھانے سے منع فرمانا، پھر شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے بھول کر اس میں سے کھا لینا، اور دنیا میں نازل کیا جانا

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حوا علیہا السلام کا قصہ سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے دونوں جگہ ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں، اور اجمالی طور پر سورۂ حجر اور سورۂ بنی اسرائیل میں بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ فلاں درخت کے پاس نہ جانا لیکن وہ اسے بھول گئے اور پختگی کے ساتھ حکم کی پابندی کا دھیان نہ رکھا، لہٰذا غفلت ہوگئی۔ پہلی آیت میں بالاجمال اس کو بیان فرمایا، اس کے بعد واقعہ کی تفصیل بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو ان سب نے سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا وہ حکم ماننے سے انکار کر بیٹھا اور کٹ حجتی بھی کی۔ کہنے لگا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے لہٰذا میں افضل ہوا جو افضل ہے وہ اپنے سے کم رتبہ والے کو کیوں سجدہ کرے؟ اس نے حکم عدولی بھی کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو خلاف حکمت بھی بتایا اور اپنی فضیلت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ جب اس نے یہ حرکت کی تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ اے آدم یہ تمہارا دشمن ہے تمہارے پیچھے لگے گا اور کوشش کرے گا کہ تمہیں یہاں سے نکلوا دے۔ تم ہرگز اس کے کہنے میں نہ آنا ورنہ مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ دنیا میں جانا پڑے گا اور وہاں کی مشقتوں اور محنتوں میں پڑو گے۔ مشکلات اور مصائب ہوں گے) یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ کھاؤ، پیو، پہنو نہ یہاں بھوکے رہو گے نہ پیاسے اور نہ ننگے، یہاں تمہیں دھوپ کی حرارت بھی نہیں پہنچے گی۔ وھو من باب الاکتفاء کقولہ تعالیٰ سرابیل تقیکم

الحر (ای والبرد فلا یمسہم الحر ولا البرد اس میں یہ بتایا کہ شیطان کے بہکاوے میں آنے سے یہاں سے نکلنا ہوگا اور دنیا میں جانا ہوگا اور وہاں یہ مشکلات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا)۔

[illegible] رہنا ہے۔ وہ تو وہاں سے نکال دیا گیا اور یہ دونوں حضرات رہتے رہے دونوں کو حکم ہوا تھا کہ جنت میں رہو سہو خوب کھاؤ پیو لیکن فلاں درخت کے پاس نہ جانا اگر اس میں سے کھالیا تو یہ تمہارا اپنی جان پر ظلم کرنا ہوگا۔ اب شیطان ان کے پیچھے لگا اور اس نے کہا کہ دیکھو اس درخت کے کھانے سے جو تمہیں منع کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اسے کھالے گا وہ یہاں سے کبھی نہیں نکالا جائے گا اور اس کے کھانے سے تم دونوں فرشتے ہو جاؤ گے (کما فی سورۃ الاعراف) اور یہاں جو تمہیں عیش و آرام حاصل ہے اور ایک طرح کی بادشاہی حاصل ہے اس میں کبھی بھی کوئی ضعف نہ آئے گا۔ (کما فی سورۃ طٰہٰ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى) اس نے یہ بات قسم کھا کر کہی اور یہ بھی کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ دونوں حضرات شیطان کے بہکاوے میں آگئے اور اس درخت سے کھالیا جس سے منع کیا گیا تھا اس درخت کا کھانا تھا کہ ان کے کپڑے جسموں سے علیحدہ ہو گئے۔ دونوں مارے شرم کے جنت کے پتے لے لے کر اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ دشمن کے پھسلانے میں آکر اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھے اور غلطی میں پڑ گئے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہوا اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے یہ نہ کہا تھا کہ شیطان واقعی تمہارا کھلا دشمن ہے) چونکہ ان کی نافرمانی سرکش نافرمانوں کی طرح نہیں تھی بلکہ جنت میں ہمیشہ رہنے کی بات سن کر دشمن کے بہکانے میں آگئے تھے اس لئے فوراً اپنے قصور کا اقرار کیا اور توبہ کی جس کو سورۂ اعراف میں یوں بیان فرمایا قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو واقعی ہم خسارہ میں پڑنے والے ہو جائیں گے) شیطان نے بغاوت کی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حکم الٰہی کو خلاف حکمت بھی بتایا یہ تو اس کا حال تھا اور ان دونوں نے جلدی سے قصور کا اقرار کر لیا اور توبہ کی۔ جیسا کہ مخلصین اور منیبین کا طریقہ رہا ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں چن لیا یعنی اور زیادہ مقبول بنالیا اور ان کو ہدایت پر قائم رکھا کما قال تعالیٰ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى چونکہ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو تکوینی طور پر دنیا میں آنا ہی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہی اس لئے ہوئے تھے کہ ان کی اولاد زمین میں خلافت کی ذمہ داری اٹھائے اس لئے ان کا گناہ معاف تو فرما دیا لیکن دنیا میں ان کو بھیج دیا گیا اس کو فرمایا قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ارشاد فرمایا (کہ تم دونوں یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ) بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (تمہاری ذریت میں جو لوگ ہوں گے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے) (ان دشمنوں سے ملنا اور فیصلے کرنا خلافت کے کام میں داخل ہے)۔

مزید فرمایا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (سو اگر تم میں سے کسی کے پاس میری ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا) ان کے زمین پر آنے سے پہلے ہی اللہ جل شانہٗ نے بتا دیا تھا کہ تمہارے پاس میری ہدایت آئے گی اس پر چلنے میں کامیابی ہے جو اسے قبول کرے گا نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا، اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور پیغمبروں کے ذریعہ ہدایات پہنچتی رہیں حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پر نبوت ختم ہو گئی۔ اب دنیا میں کوئی نہیں آئے گا۔ خاتم المرسلین کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی کانبوت یعنی دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام جاری ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سب باقی ہیں جو ہدایت پر عمل کرے گا اسے وہی بلند مقام مل جائے گا جہاں سے اس کے ماں باپ آدم علیہ السلام اور حوا

جیسا کہ اس دنیا میں آئے تھے جنت اپنے باپ کی جگہ ہے جہاں وہ تھے اور جہاں واپس گئے ہیں ان کی وفادار اولاد پہنچ جائے گی اور جنہوں نے اللہ کی ہدایت کو نہ مانا کفر پر رہے اور اس پر مرے وہ جنت میں نہ جائیں گے کیونکہ اختلاف دین کی وجہ سے میراث کا استحقاق نہیں رہتا، جو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت پر رہے اس کے لئے ضمانت ہے کہ وہ دنیا میں گمراہ نہیں اور آخرت میں بدنصیب نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا اتباع کیا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں ہدایت پر رکھیں گے اور قیامت کے دن اسے برے حساب سے بچائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فمن اتبع هداى فلا يضل ولا يشقى (کذا فی الدر المنثور جلد ۴ صفحہ ۳۱۱)

ضروری فوائد

فائدہ.....(۱) حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ وہ بھول گئے اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں فسى العهد و لم يهتم به ولم يشتعل بحفظه حتى عغله عنه. (کہ حضرت آدم علیہ السلام عہد بھول گئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں جو حکم دیا تھا کہ فلاں درخت میں سے نہ کھانا) یہ ان کے ذہن میں سے اتر گیا اور انہوں نے اسے یاد رکھنے کا اہتمام نہ کیا جس کی وجہ سے غفلت ہوئی ولم نجد له عزما کی تفسیر میں لکھتے ہیں تصميم وراى و ثبات قدم فى الامور یعنی ہم نے ان کیلئے رائے کی مضبوطی اور پختگی نہیں پائی گویا کہ یہ نسیان کی تفسیر ہے یعنی اگر وہ یاد رکھنے کا اہتمام کرتے تو ثابت قدم اور پختہ عزم والے رہتے لیکن بے دھیانی کی وجہ سے بھول گئے جس کی وجہ سے شجر ممنوعہ میں سے کھا بیٹھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حضرت قتادہ سے لم نجد له عزما کا یہ معنی مروی ہے کہ وہ درخت کے کھانے سے بچ نہ سکے اور اس کے ترک پر صبر نہ کر سکے اور صاحب روح المعانی نے ایک جماعت سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ انہوں نے گناہ کا ارادہ نہیں کیا تھا خلاف ورزی تو ہوئی خطا بھی ہوئی لیکن جانتے بوجھتے جو گناہ ہوتا ہے اس کے ذیل میں نہیں آتا عن ابن زيد و جماعة ان المعنى لم نجد له عزما على الذنب فانه عليه السلام اخطأ ولم يتعمد (جلد ۱۶ صفحہ ۲۷) جہاں تک نسیان کا تعلق ہے وہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں ممتنع الوقوع یعنی محال نہیں ہے سید الانبیاء نے فرمایا انما انا بشر مثلكم انسى كما تنسون كما فى مشكوة المصابيح صفحه ۹۲، (میں تمہاری طرح کا آدمی ہوں تم جیسے بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں) سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بھول تو معاف ہے جب وہ بھول گئے تھے تو اس پر مؤاخذہ کیوں ہوا اور اس کو معصیت کیوں قرار دیا گیا؟

اس کا ایک جواب تو مذکورہ بیان میں گزر چکا ہے کہ نسیان پر مؤاخذہ نہیں جن وجوہ سے نسیان ہوا ان پر مؤاخذہ ہوا یعنی انہوں نے یاد رکھنے کا اہتمام نہیں کیا جبکہ وہ یاد رکھ سکتے تھے مثلاً ایک دوسرے کو آپس میں وصیت کرتے کہ ہم میں سے کوئی کھانے لگے تو یاد دلانے یا کوئی ایسی صورت حال اختیار کر لیتے جو یاد دلانے والی ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ ایک دن سفر میں رات کے آخری حصہ میں سونے لگے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جگانے کے لئے مقرر فرمایا پھر آپ اور آپ کے ساتھی سو گئے لیکن تھوڑی دیر کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بھی آنکھ لگ گئی وہ بھی سو گئے حتی کہ سورج نکلنے پر سب کی آنکھ کھلی، صحابہ جو گھبرائے تو آپ نے فرمایا فاذا رقد احدكم عن الصلاة ثم فرع اليها فليصلها كما كان يصليها فى وقتها (سو جب تم میں سے کوئی شخص سوتا رہ جائے جس کی وجہ سے نماز جاتی رہے یا نماز کو بھول جائے پھر گھبرا کر اٹھے تو اسی طرح پڑھ لے جیسے کہ اس کے وقت میں پڑھتا تھا۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۶۷) آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جگانے پر لگایا پھر آپ نے سونا منظور فرمایا، چونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے یاد رکھنے میں کوتاہی ہوئی اس لئے ان کا مؤاخذہ ہوا۔ علامہ قرطبی نے ایک اور بات لکھی ہے اور وہ یہ کہ اس وقت آدم علیہ السلام بھولنے پر بھی ماخوذ تھے اگرچہ ہم سے بھول پر مؤاخذہ نہیں ہوتا (جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۱) اور تیسری بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جس عمل کا صدور ہوا، گو وہ سہو اور خطا ہی تھا مگر ان کے بلند مرتبہ کے خلاف تھا جن اعمال پر عامۃ الناس سے

مؤاخذہ نہیں ہوتا بلند مرتبہ والوں سے ان پر بھی مؤاخذہ ہو جاتا ہے جملہ حسنات الابرار سیات المقربین میں اسی مضمون کو واضح کیا ہے۔

بعض لوگوں نے یہاں عصمت انبیاء کا سوال بھی اٹھایا ہے لیکن جب یہ معصیت حسنات الابرار سیات المقربین کے قبیل سے ہو خصوصاً جبکہ وہ بھول کر تھی اور اس کا صدور بھی نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے تھا اور وہ بھی عالم بلا میں دنیا کی دار التکلیف میں آنے سے پہلے ہوا لہٰذا عصمت انبیاء کے عقیدہ میں اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا خصوصاً جبکہ اسے سورۃ الاعراف میں زلت یعنی لغزش قرار دیا ہے ماقال تعالیٰ شانہٗ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا اس میں اختلاف ہے کہ نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے کبیرہ کا صدور ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بہت سے حضرات فرماتے ہیں کہ کفر و کذب کے علاوہ باقی معاصی کا صدور ہو سکتا ہے قال صاحب الروح (جلد ۱۶ صفحہ ۲۷) فقد قال عضد الملة فی المواقف ان الاکثرین جوزوا صدور الکبیرة یعنی ماعدا الکفر والکذب فیما دلت المعجزة علی صدقهم علیهم السلام فیه سهوا و علی سبیل الخطا منهم اھ اب رہا لفظ فغوی اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو درخت کھا لیا اس میں وہ اپنے مطلوب کے بارے میں غلطی میں پڑ گئے ان کو جو دشمن نے یہ سمجھایا کہ تم اس درخت کو کھا لو گے تو ہمیشہ یہیں رہو گے اس کی باتوں میں آ گئے۔ اس کے کہنے سے یہ سمجھ لیا کہ یہاں ہمیشہ رہیں گے لیکن اس کی بات ماننے سے وہاں سے نکلنا پڑا۔ قال صاحب الروح صل عن مطلوبه الذی هو الخلود او عن المطلوب منه وهو ترک الاکل من الشجرة او عن الرشد حیث اغتر بقول العدو (جلد ۱۶ صفحہ ۹)

فائدہ .....(۲) یہ جو فرمایا فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى۔ اس میں بظاہر صیغہ تثنیہ تشقیان ہونا چاہیے تھا مفرد لانے میں ایک نکتہ تو وہ ہے جو علماء بلاغت نے لکھا ہے کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے مفرد کا صیغہ لایا گیا، اور بعض علماء نے اس سے ایک فقہی نکتہ مستنبط کیا ہے اور وہ یہ کہ کمائی کرنا اور بیوی کو کھانے پینے کی ضروریات پوری کرنا شوہر کے ذمہ ہے عورت اس کسب میں شریک نہیں، اس لئے صرف حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب کیا گیا اور آئندہ بنی نوع انسان کو یہ سبق دے دیا گیا کہ کسب مال کی مشقت اٹھانا اور اس کے لئے محنت کرنا صرف مرد کی ذمہ داری ہے۔

فائدہ.....(۳) حضرت آدم اور حوا علیہما السلام ابھی جنت ہی میں تھے کہ ان سے فرمایا تھا کہ تم اس میں رہو اس میں بھوکے ننگے نہ رہو گے اور نہ پیاس لگے گی اور نہ دھوپ، جنت میں تو بہت زیادہ نعمتوں اور لذتوں کا سامان ہے پھر بھی انہیں چیزوں کا تذکرہ فرمایا اس سے بعض علماء نے یہ استنباط کیا ہے کہ انسان کی اصل ضرورت کھانا پینا پہننا اور رہنے کی جگہ میسر ہونا ہی ہے۔ جس میں سردی گرمی سے بچ سکے اس کے علاوہ اور جو کچھ ہے تلذذ اور زیب و زینت کے لئے ہے جو اصل ضرورت سے زائد ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو تین چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے ایک تو رہنے کا گھر ہو اور دوسرے شرم کی جگہ چھپانے کے لئے کپڑا ہو تیسرے روٹی کا ٹکڑا اور پانی ہو (رواہ الترمذی) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جس شخص کو اس حال میں صبح ہوئی کہ وہ اپنے نزدیک امن سے ہے اور اس کے جسم میں عافیت ہے اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے تو گویا اس کو ساری دنیا مل گئی۔ (رواہ الترمذی)

نکاح بھی انسان کی ضرورت کی چیز ہے نفس و نظر کو پاک رکھنے اور تکثیر نسل کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ آیت کریمہ میں اس کا تذکرہ نہیں فرمایا کیونکہ وہ دونوں پہلے سے میاں بیوی تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے نے نکاح کر لیا تو آدھا ایمان محفوظ کر لیا باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے (مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۸) کچھ اشخاص حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس آئے یہ لوگ اپنے آپ کو فقراء

سمجھتے تھے ان میں سے ایک شخص نے کہا کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ فرمایا کیا تیرے پاس بیوی ہے جس کی طرف تو کمانے پڑتا ہے (یعنی کام کاج کر کے اسکے پاس جا کر آرام کرتا ہے) اس نے کہا بیوی تو ہے۔ فرمایا کیا تیرے پاس رہنے سہنے کا گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں گھر بھی ہے۔ فرمایا پس تو مالداروں میں سے ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میرا ایک خادم بھی ہے۔ فرمایا پھر تو بادشاہوں میں سے ہے۔ (مسلم)

فائدہ:..... (۴) اللہ تعالیٰ کی سب مخلوق ہیں۔ اسی نے مرتبے دیئے ہیں اور اسی نے جسے چاہا نبوت سے سرفراز فرمایا اور جس کسی سے کوئی لغزش ہوئی اس کا مواخذہ فرمایا پھر توبہ کرنے پر معاف بھی فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کو یوں کہیں کہ وہ گنہگار تھے یوں کہیں کہ انہوں نے گناہ کا کام کیا یا کسی نبی کی لغزش کا ہمیشہ تذکرہ کریں، ہاں آیت کا مضمون بیان کر دیں تو دوسری بات ہے، خواہ مخواہ ان واقعات کو لے کر ان حضرات کی طرف گناہ کا عیب منسوب نہ کریں خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف بھی فرما دیا۔ سورہ طٰہٰ میں یہاں تک ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى فرمایا ہے اور سورہ نون میں یونس علیہ السلام کے بارے میں فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فرمایا ہے اب اس کا منہ ہے کہ کوئی شخص ان حضرات کی لغزشوں کو اچھالے اور ان کی غیبت کر کے مذمت حاصل کرے اگر کوئی شخص ہمارے قریب ترین باپ دادا کو بھی گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ لے تو کتنا برا مانے گا۔ پھر ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام جو نبی تھے اور سارے انبیاء کے باپ تھے ان کے حق میں یہ بدزبانی اور اچھالنا کہ انہوں نے گناہ کیا کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ
اور جس شخص نے میری نصیحت سے اعراض کیا بیشک اس کے لئے تنگ زندگی ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے وہ کہے گا اے میرے رب
لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ
مجھے آپ نے اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو دیکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اسی طرح تیرے پاس ہماری آیتیں پہنچی تھیں تو نے انہیں بھلا دیا
وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ
اور آج تو بھلایا جاتا ہے اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو حد سے بڑھ جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور آخرت کا عذاب
الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ۝ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ
زیادہ سخت ہے اور بڑا دیرپا ہے، کیا انہیں اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر دیا ہے جن کے رہنے کی جگہوں
فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ ع
میں چلتے پھرتے ہیں، بیشک اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والوں کی سزا، عذاب کی وعید، ہلاک شدہ اقوام کے کھنڈروں سے عبرت حاصل نہ کرنے پر تنبیہ

حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے قصہ کے آخر میں فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تمہارے پاس میری ہدایت آئے گی جو شخص اس کا

اتباع کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا۔ نہ بد بخت ہوگا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو دنیا میں آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی اس کی نصیحت سے اعراض کیا، ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے ذکر سے اعراض کرے گا اس کے لئے تنگ زندگی ہے، ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے رسول اللہ کی ذات گرامی ہے دونوں باتیں درست ہیں کیونکہ ایک دوسرے کو لازم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اور جو قرآن مجید میں بتایا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ہے اور اس سے اعراض کرنا معیشت ضنک یعنی تنگ زندگی کا سبب ہے۔ تنگ معیشت سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے مسند بزار سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے عذاب قبر مراد ہے پھر اس کی اسناد کو جید بتایا ہے اور بعض دیگر روایات بھی اس سلسلہ میں نقل کی ہیں (جلد ۳ صفحہ ۱۶۹) اگر تنگ معیشت سے دنیا کی معیشت بھی مراد لی جائے تو اعتقاد کے عموم میں اس کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بہت سے کافر منکر دنیا میں کھاتے پیتے اس حال میں ہیں ان کے پاس مال بھی ہے اور نعمتیں بھی ہیں پھر معیشت تنگ کیسے ہوئی؟ اس کے جواب میں مفسرین نے فرمایا کہ جتنا بھی مال ہو اس کافر کو اطمینان نہیں ہوتا زائد کی طلب میں سرگرداں رہتا ہے مصائب اور مشکلات میں پھنسا رہتا ہے جس سے تنگ دلی کا شکار رہتا ہے۔ اس کی یہ سینہ کی تنگی اور دل کی مصیبت اس کے لئے تنگ معیشت ہے۔ اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والے کے لئے ایک تو تنگ معیشت کی سزا ہے اور دوسری سزا یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اندھا ہوا کر اٹھے گا وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں تو دنیا میں بینا اور دیکھنے والا تھا آپ نے مجھے نابینا کر کے کیوں اٹھایا؟ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوگا کہ جس طرح تو نے دنیا میں ہماری آیات کو جھٹلایا تیرے پاس ہماری آیات آئیں ان سے تو نے منہ موڑا۔ میں نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اپنی کتابیں نازل کیں تو نے انکار کیا اور ان سے منحرف رہا حق آیا اور تو اس کی جانب سے اندھا بنا رہا ہذا تجھے آج اندھا کر کے اٹھایا گیا تو ہماری آیات کو بھولا آج تیرے ساتھ بھی بھول بھلیاں والا معاملہ کیا جائے گا یعنی تجھے عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا اور پھر اس سے نجات نہ دی جائے گی۔

اس کے بعد مستقل طور پر قانون بیان فرمایا۔ وکذلک نجزی من اسرف (الایۃ) اور اسی طرح ہم اس شخص کو بدلہ دیتے ہیں جو حد سے آگے بڑھا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا، اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے اور بہت دیرپا ہے، اس میں بتا دیا کہ ہر وہ شخص جس نے کفر اختیار کیا اس کا یہی حال ہوگا جو اوپر بیان ہوا۔ اندھا کر کے بھی اٹھایا جائے گا اور ہمیشگی والے سخت عذاب میں بھی داخل ہوگا۔

آخر میں فرمایا افلم یھد لھم (الایۃ) کیا انہیں اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر دیا یہ لوگ ان کے رہنے کی جگہوں میں چلتے پھرتے ہیں، بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کے مخالف ہیں انہیں پرانی امتوں کے واقعات معلوم ہیں تباہ شدہ آبادیاں ان کے سامنے ہیں۔ (اور اب تو تاریخ کی کتابیں بھی چھپ گئی ہیں جن کا مطالعہ کرتے ہیں) ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی اثر نہیں لیتے، قرآن کی دعوت نہیں مانتے، اہل عقل اور اہل بصیرت کے لئے یہ برباد شدہ آبادیوں کے زمین اور نشانات کافی ہیں، ان کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ عبرت حاصل کرنے کی بجائے ان چیزوں کو تفریح گاہ بنا رکھا ہے کیمرے ساتھ لے جاتے ہیں فوٹو لیتے ہیں وہاں وقت گزارتے ہیں رات گزار کر کھانا کھا کر تفریح کر کے بغیر کسی عبرت کے واپس آجاتے ہیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

اور اگر آپکے رب کی طرف سے پہلے سے ایک بات فرمائی ہوئی نہ ہوتی۔ اور اجل مقرر نہ ہوتی تو لازمی طور پر عذاب آ جاتا۔ سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ

اور سورج کے نکلنے اور سورج چھپنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہئے اور رات کے وقت میں بھی تسبیح پڑھئے اور ان کے اطراف

النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ

میں بھی تاکہ آپ خوش ہو جائیں۔ اور آپ ہرگز ان چیزوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ بڑھائیں جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کیلئے متمتع کر رکھا ہے جو سامان دنیا کی زیبائش ہیں اور

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ

دنیاوی زندگی کی رونق ہے، اور آپ کے رب کا رزق بہتر ہے اور بہت دیرپا ہے۔ اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے

وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝

اور خود بھی اس کی پابندی کیجئے ہم آپ سے رزق نہیں چاہتے ہم آپ کو رزق دیں گے اور بہتر انجام پرہیزگاری کا ہے۔

صبح شام اور رات کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیجئے، اہل دنیا کی طرف آپ کی نظریں نہ اٹھیں، اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے

رسول اللہ ﷺ جب اہل مکہ کو توحید کی دعوت دیتے تھے اور ایمان کی تلقین فرماتے تھے تو وہ طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اور آپ کی شان میں ناروا کلمات استعمال کرتے تھے۔ انہیں ایمان لانے سے بھی انکار تھا اور جب عذاب کی بات آتی تھی اس کا بھی مذاق بناتے تھے کہ اگر ہم غلط راہ پر ہیں تو عذاب کیوں نہیں آ جاتا، اس کا جواب قرآن مجید میں کئی جگہ دے دیا گیا ہے، یہاں ارشاد فرمایا کہ آپ کی طرف سے پہلے سے ایک بات فرمائی ہوئی ہے اور عذاب کے لئے ایک اجل مقرر ہے دنیا میں جو عذاب آتا ہے اس کے لئے بھی اور آخرت میں جو عذاب ہوتا ہے اس کے لئے بھی وقت مقرر ہے ان کے جلدی مچانے سے مقررہ وقت سے پہلے عذاب نہیں آئے گا۔ پہلی آیت میں یہی مضمون مذکور ہے اور رسول اللہ ﷺ کو ان کی باتوں سے تکلیف پہنچتی تھی اس کے بارے میں دو چیزوں کا حکم فرمایا، اول صبر دوم اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہونا دوسری آیت میں دونوں باتیں بیان فرمائیں۔ ارشاد فرمایا فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کیجئے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ (اور سورج نکلنے اور سورج چھپنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہئے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح پڑھئے اور دن کے اطراف میں بھی) مطلب یہ ہے کہ آپ صبر بھی کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تقدیس میں بھی مشغول رہئے، ان دونوں چیزوں کے اختیار کرنے سے منکرین کی طرف سے جو تکلیف پہنچے گی وہ ختم ہو جائے گی یا اس میں تخفیف ہو جائے گی۔ پھر فرمایا لَعَلَّكَ تَرْضٰى (تاکہ آپ خوش ہو جائیں) کیونکہ صبر سے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اللہ کی مدد بھی ہوتی ہے اور راحت اور اطمینان بھی نصیب ہوتا ہے اور لوگوں کی ایذاؤں کی طرف توجہ بھی نہیں رہتی سورۂ حجر میں فرمایا وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (اور بلاشبہ کہ ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے سو آپ اپنے رب کی تسبیح پڑھئے اور سجدہ کرنے والوں میں شامل رہئے اور موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کیجئے) بعض علماء نے فرمایا کہ آیت بالا میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے نماز فجر اور قبل غروبها سے نماز ظہر اور عصر اور مِنْ اٰنَآءِ الَّيْلِ سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے اور لفظ اَطْرَافَ النَّهَارِ فرما کر نماز فجر اور نماز عصر کی تاکید فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کو دنیوی حالات میں مالیات کی کمی رہتی تھی اور آپ کا یہ فقر اختیاری تھا ایک شخص کو ہزار ہر بکریاں دے دیتے تھے لیکن اپنے لئے فقر ہی کو اختیار فرمایا اور آپ کے ساتھ جو مؤمن تھے جنہوں نے ابتداء مکہ مکرمہ میں ایمان قبول کیا تھا وہ بھی تنگ دستی میں مبتلا رہتے تھے اور ان کے مقابل کفار اس زمانہ کے اعتبار سے خوش عیش تھے کھانے پینے پہننے اور رہنے کے مکانوں میں انہیں برتری حاصل تھی۔ دنیاوی رونق اور زینت انہیں میسر تھی اور ان کے پاس بیویاں بھی تھیں اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی کو خطاب کر کے فرمایا (یہ خطاب گو بظاہر آپ کو ہے لیکن مقصود آپ کے ساتھیوں کو تلقین فرمانا ہے) کہ ان لوگوں کو ہم نے بیویاں دی زیب و زینت کا سامان دیا، ان کی طرف آپ نظریں نہ اٹھائیں، یہ تو ہم نے اس لئے دیا کہ انہیں فتنہ میں ڈالیں، لہٰذا یہ چیزیں اس لائق نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے اور ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا جائے وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اور آپ کے رب کا رزق جو دنیا میں اس کی رضا کے ساتھ ملے اور جو اس کی رضا کے کاموں میں لگے یہ بہتر ہے اور اس کی طرف سے جو آخرت میں رزق ملے گا وہ اور بھی بہتر ہے اور دیرپا بھی ہے کیونکہ وہاں نعمتیں ہمیشہ رہیں گی اور اہل جنت ان سے ہمیشہ متمتع ہوں گے۔ اہل دنیا کی نعمتوں اور لذتوں اور احوال کو دیکھ کر رال ٹپکانا مؤمن کی شان نہیں۔ مؤمن آخرت کے لئے عمل کرتا ہے وہاں کی دائمی نعمتوں کی امید رکھتا ہے دنیا میں جو چیزیں اللہ کی رضا کے ساتھ مل جائیں وہ بھی خیر ہیں لیکن کفر اور فسق کے ساتھ جو بیبیں اور معاصی میں خرچ ہوں وہ تو دنیا اور آخرت میں وبال ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لا تغبطن فاجرا بنعمة فانك لا تدرى ما هو لاق بعد موته ان له عندالله قاتلا لا يموت يعنى النار (ہرگز کسی بدکار کی کسی نعمت پر رشک نہ کر، کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ موت کے بعد اسے کس مصیبت میں مبتلا ہونا ہے، موت کے بعد اس کے لئے اللہ کی طرف سے ایک قاتل ہوگا اس قاتل کو کبھی موت نہیں آئے گی یہ قاتل آتش دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۷) جسے دوزخ میں جانا ہو اس کی نعمت و دولت پر رشک کرنا سراپا تجھی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی کوئی حیثیت نہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اس میں کسی کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۴۱)

آخر میں فرمایا وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ (آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے) وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (اور خود بھی اس پر جمے رہئے۔ یعنی پابندی کے ساتھ ادا کیجئے) اس میں دو حکم دیئے ہیں ایک اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دینا دوسرے خود بھی اس کا اہتمام کرنا، چونکہ نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے یعنی کلمہ شہادت کا یقین کرنے کے بعد دوسرا درجہ نماز کا ہی ہے اس لئے شریعت اسلامیہ میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب فرمایا کہ نماز کا اہتمام فرمائیں اور گھر والوں سے بھی اس کا اہتمام کرائیں اور چونکہ ساری امت آپ کے تابع ہے اس لئے امت کو بھی خطاب ہو گیا، اہل ایمان کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ نمازوں کا اہتمام کریں اور اپنے گھر والوں سے نماز پڑھوائیں۔ گھر والوں کے عموم میں بیوی بچے سب داخل ہیں۔ جب انسان خود کسی امر شرعی کا اہتمام کرے گا تو اپنے ماتحتوں سے بھی عمل کرا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بطور سرکاری فرمان اپنے گورنروں کو لکھ کر بھیجا تھا کہ بلاشبہ میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سے زیادہ بڑھ کر نماز ہے جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس کی پابندی کی وہ اپنے باقی دین کی حفاظت کرے گا اور

جس نے نماز کو ضائع کیا وہ اس کے سوا باقی دین کو اس سے زیادہ ضائع کر لے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا) وھو الحدیث الخامس من الموطا عموماً لوگ سمجھتے ہیں خلافت راشدہ اور دور حاضر کی حکومتوں میں کوئی فرق نہیں وہ بھی اقتدار تھا اور یہ بھی اقتدار ہے۔ یہ خیال غلط ہے خلافت راشدہ میں اویمن مقصد لوگوں کو دین پر چلانا اور دین کی حفاظت کا اہتمام تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی عوام الناس کی جائز حاجات پورا کرنے کا بھی خیال رکھا جاتا تھا، اب تو صرف کرسی کی حفاظت کا نام اقتدار ہے نہ خود نماز پڑھیں نہ لوگوں کو نماز پڑھوائیں۔ بس عوام راضی ہیں چاہے جتنے بھی گناہ کریں۔ گناہوں کے کاموں کے لائسنس تک دیئے جاتے ہیں، یہ حکومتیں تو اپنی عوام الناس کی دنیا و آخرت تباہ کرنے والی ہیں۔

لا نسئلک رزقا یعنی ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ معاش کمانے میں لگیں۔ (یہ خطاب امت کو بھی شامل ہے) یعنی زندگی کا مقصد رزق کمانا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت مقصود حیات ہے اور گو کہ کسب حلال کے لئے اسباب اختیار کرنا بھی مفید ہے لیکن اس درجہ میں نہیں کہ نماز اور فرائض برباد ہو جائیں اور کمانا ہی اصل رہ جائے نحن نرزقک (ہم آپ کو رزق دیں گے) جو رزق مقدر ہے وہ ملے گا۔ لہٰذا اسباب اختیار کرنے میں فرائض اور واجبات ترک نہ کریں اور محرمات کا ارتکاب نہ کریں۔ جو لوگ اسباب اختیار نہیں کرتے رزق انہیں بھی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان رزاقیت ہے کہ ساری مخلوق رزق پاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتی ہے۔ کما قال صاحب الروح جلد ۱۶ صفحہ ۲۸۵

دفع انما عسی ان یخطر ببال احد من ان المداومۃ علی الصلاۃ وما تصر بامر المعاش فکانہ قیل داوموا علی الصلاۃ غیر مشغلین بامر المعاش اذلا نکلفکم رزق انفسکم اذنحن نرزقکم (مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے دل میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ مداومت سے تو امور معاش رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے لا نسئلک رزقا نحن نرزقک کہہ کر اس خیال کا دفعیہ کر دیا۔ گویا کہا گیا نماز مداومت سے پڑھتے رہو تمہیں معاشی امور میں مشغول ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم تمہیں تمہارے رزق کا مکلف نہیں کریں گے بلکہ تمہارے رزق کا انتظام ہم خود کریں گے)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے گھر میں کوئی سختی یا تنگی پیش آتی تھی تو انہیں نماز کا حکم دیتے تھے اور آیت کریمہ وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ تلاوت فرماتے تھے۔ (روح المعانی من البیہقی فی شعب الایمان بسند صحیح) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ رات کو مشیت اللہ نماز پڑھتے رہتے تھے جب رات کا آخری حصہ رہ جاتا تھا تو اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے اور فرماتے تھے کہ نماز پڑھو نماز پڑھو اور ساتھ ہی آیت یا تلاوت کرتے تھے۔ (رواہ مالک فی الموطا فی صلاۃ اللیل)

والعاقبۃ للتقوی (اور بہتر انجام پرہیزگاری کا ہے) لہٰذا فرائض کا اہتمام رکھا جائے جن میں سب سے بڑھ کر نماز ہے اور ممنوعات اور محرمات سے پرہیز کیا جائے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِہِمْ بَیِّنَۃُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ

اور (ان لوگوں نے کہا کہ یہ شخص ہمارے پاس اپنے رب کی نشانی کیوں نہیں لاتا، کیا ان کے پاس پرانی کتابوں کا مضمون نہیں پہنچا۔ اور اگر

اَنَّآ اَھْلَکْنٰھُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِہٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

ہم ان سے پہلے نہیں عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا جس کا ہم

اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَذِلَّ وَنَخْزٰى ۝ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ

(ہمیں) ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے (عذاب) نہ بھیج دیتے۔ آپ فرما دیجئے سب انتظار کرنے والے ہیں سو تم بھی انتظار کرو سو عنقریب

مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝ ع ۱۱

جان لو گے سیدھے راستے والا اور ہدایت یافتہ کون ہے۔

اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے بعد ہلاک فرماتا ہے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ رسول آتا تو پیروی کر لیتے

یہ سورۂ طٰہٰ کی آخری تین آیات ہیں۔ پہلی آیت میں قریش مکہ کی ایک بیہودہ بات ذکر فرمائی ہے اور اس کا جواب دیا ہے ان لوگوں نے کہا کہ یہ صاحب نبوت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ہم جو ان سے کہتے ہیں کہ اپنے دعویٰ کی تصدیق کرانے کے لئے ہمارے سامنے کوئی معجزہ دکھاؤ تو وہ ایسا معجزہ کیوں نہیں دیتے۔ اگر ہمارا مطلوبہ معجزہ دے دیں تو ہم مان لیں گے۔ یہ بات ان کی بھول عناد کے تھی بہت سے معجزات ان کے سامنے تھے لیکن ان کے ہوتے ہوئے ایمان نہیں لاتے تھے سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید تھا جو اب تک دنیا کے سامنے ہے سابقہ کتب توراۃ انجیل وغیرہ میں جو عقائد اور اصولی احکام تھے قرآن ان کو بیان کرتا ہے اور ان کے سچا ہونے کی تصدیق کرتا ہے اس قرآن کے سامنے ہونے ہی بل عقل کے لئے کافی ہے۔ قال صاحب الروح فالمراد بالية القران الكريم والمراد بالصحف الاولى التوراة والانجيل وسائر الكتب السماوية وما فيها العقائد الحقة واصول الاحكام التى اجتمعت عليها كافة الرسل عليهم السلام و معنى كونه بينة لذالك كونه شاهدا بحقيقته

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم ان کو کوئی عذاب بھیج کر قرآن نازل کرنے سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ یوں کہتے کہ ہمارے پاس رسول بھیجا جاتا تو ہم اس کا اتباع کرتے ایمان لاتے احکام مانتے اور اب عذاب میں پکڑے گئے اور رسوا ہوئے اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ہم نے رسول بھیج دیا حجت پوری کر دی اب یہ بات کہنے کا موقع نہیں رہا کہ کوئی رسول آتا تو ہم ایمان لے آتے اور عذاب میں داخل نہ ہوتے۔ اللہ جل شانہ نے بغیر اتمام حجت نہ کسی قوم کو ہلاک کیا اور نہ اس کے بغیر آخرت میں کسی کو عذاب ہوگا۔ سورۃ الاسراء میں ہے وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا (اور ہم جب تک کسی رسول کو نہ بھیج دیں عذاب دینے والے نہیں ہیں) اور سورہ فاطر میں فرمایا انا ارسلناك بالحق بشيرا و نذيرا ۝ وان من امة الا خلا فيها نذير (بلاشبہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا اور کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں ہم نے ڈرانے والا نہ بھیجا ہو) تیسری آیت میں فرمایا کہ آپ ان منکرین سے فرما دیں کہ دیکھو اس دنیا میں کیا ہوتا ہے اور آخرت میں کیا ہوگا سب اس کے انتظار میں ہیں سو تم بھی انتظار کرو۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے راستہ پر چلنے والا کون ہے اور ہدایت یافتہ کون ہے؟ یہاں تو حق کی تکذیب کر رہے ہو تمہیں حق سے انحراف ہے موت کے وقت اور اس کے بعد کے حالات تمہیں بتا دیں گے کہ صحیح راستہ پر کون ہے تمہیں اپنی غلطی کا اس وقت پتہ چلے گا جب اس کی تلافی نہ ہو سکے گی اور عذاب میں جانا ہی ہوگا۔ صحیح بات یہی ہے کہ آج ہی اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور اس کی نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لے آؤ۔ دلائل و دیکھو حق کو پہچانو صراط مستقیم پر چلو حق سے منہ موڑ کر بربادی کے گڑھے میں نہ گرو۔

تذییل

سورۂ طٰہٰ حضرت عمر بن الخطاب ؓ کے اسلام قبول کرنے کا سبب ہے مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دینا شروع کی تو سرداران قریش دشمنی پر تل گئے لیکن جو ضعفاء اور مساکین، فقراء اور پردیسی اور غلام تھے ان میں اسلام پھیلتا رہا یہ لوگ پوشیدہ طور پر مسلمان ہوتے تھے کیونکہ قریش مکہ کی طرف سے ان کو مار ایسا جاتا تھا اور بری طرح سزائیں دی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ بھی اسلام قبول کرنے سے پہلے اسلام کے سخت مخالف تھے اور اہل ایمان کو ایذائیں پہنچانے میں شریک رہتے تھے۔ ضعفاء اور فقراء کے علاوہ کچھ اونچے طبقہ کے لوگ بھی شدہ شدہ اسلام قبول کرنے لگے تھے لیکن وہ بھی خفیہ طور پر قبول کرتے تھے۔ انہیں حضرات میں سے حضرت عمر ؓ کی بہن فاطمہ بنت الخطاب اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زید (جن کا عشرہ مبشرہ میں شمار ہے) رضی اللہ عنہما بھی تھے جنہوں نے پوشیدہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا ان کے پاس حضرت خباب بن ارت ؓ چھپ چھپ کر جاتے تھے اور دونوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے ایک دن حضرت عمر ؓ تلوار لے کر نکلے ان کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب پر حملہ کریں یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ بہت سے صحابہ قریش کی ایذاؤں سے محفوظ ہونے کے لئے حبشہ کو ہجرت کر چکے تھے، حضرت عمر ؓ تلوار لئے جا رہے تھے کہ نعیم بن عبداللہ ؓ سے ملاقات ہوگئی انہوں نے کہا اے عمر! کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے کہ محمد ہیں جنہوں نے نیا دین نکالا ہے اور قریش میں تفریق ڈالی ہے اور قریش کو بے وقوف بنایا ہے ان کے دین کو عیب لگایا ہے اور ان کے معبودوں کو برا کہا ہے اس نئے دین لانے والے کو قتل کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ حضرت نعیم بن عبداللہ ؓ نے کہا اے عمر! تم کس دھوکہ میں ہو؟ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ محمد ﷺ کو قتل کر دو گے تو بنی عبد مناف تمہیں زمین پر چلتا ہوا چھوڑ دیں گے تم ذرا اپنے گھر والوں کی تو خبر لو ان کو ٹھیک کرو، کہنے لگے کون سے میرے گھر والے؟ حضرت نعیم ؓ نے جواب دیا کہ تمہاری بہن فاطمہ اور تمہارے بہنوئی سعید بن زید جو تمہارے چچازاد بھائی بھی ہیں یہ دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کے تابع ہو گئے ہیں پہلے تم وہاں جاؤ۔ یہ سن کر حضرت عمر ؓ اپنی بہن فاطمہ کے گھر کی طرف چلے وہاں پہنچے تو حضرت خباب بن ارت ؓ انہیں سورۂ طٰہٰ کا درس دے رہے تھے جب انہوں نے حضرت عمر ؓ کی آہٹ سنی تو حضرت خباب ؓ پردہ کے پیچھے چلے گئے اور حضرت فاطمہ بنت الخطاب ؓ نے وہ ورقہ لے کر چھپا دیا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی حضرت عمر ؓ نے دروازہ کے قریب پہنچ کر حضرت خباب کی آواز سن لی تھی۔ دروازہ کھولا گیا تو اندر داخل ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا آواز تھی؟ ان کی بہن اور بہنوئی نے کہا نہیں کوئی بات نہیں۔ کہنے لگے "کیسے نہیں" مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دونوں نے محمد کا دین قبول کر لیا ہے یہ کہا اور حضرت سعید بن زید کو مارنے کے لئے پکڑا حضرت فاطمہ بنت الخطاب اپنے شوہر کو بچانے کے لئے کھڑی ہوئیں تو ان کو ایسا مارا کہ ان کے چہرہ سے خون جاری ہو گیا۔ جب یہ بات یہاں تک پہنچی تو بہن اور بہنوئی دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر لو۔ اس کے بعد بہن کے چہرہ پر نظر پڑی اور خون دیکھا تو شرمندہ ہو گئے اور اپنی بہن سے کہا اچھا لاؤ مجھے دکھاؤ اس کاغذ میں کیا ہے جو تم ابھی پڑھ رہے تھے۔ محمد ﷺ جو کچھ لائے ہیں میں اسے دیکھوں۔ ان کی بہن نے کہا تمہارا کچھ بھروسہ نہیں تم اسے پھاڑ دو گے، کہنے لگے تم ڈرو نہیں اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ میں پڑھ کر واپس کر دوں گا۔ حضرت فاطمہؓ نے موقع کو غنیمت جانا اور ان کے دل میں یہ بات آئی کہ ان شاء اللہ یہ ابھی اسلام قبول کر لیں گے، کہنے لگیں کہ بھیا تم اپنے شرک پر ہو اور ناپاک ہو یہ ایسی چیز ہے جس کو صرف پاک انسان ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں حضرت عمر ؓ کھڑے ہوئے اور غسل کیا ان کی بہن نے وہ کاغذ دے دیا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی جب اس کا شروع والا حصہ پڑھا تو کہنے لگے کہ واہ واہ یہ تو بہت ہی اچھا کلام ہے اور بہت ہی عزت کی چیز ہے، جب حضرت خباب ؓ

نے اندر سے یہ بات سنی تو فوراً نکلے اور کہنے لگے کہ اے عمر! اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے نبی کی دعا کی وجہ سے قبول فرمالیا۔ میں نے کل آپ کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا تھا کہ اے اللہ! ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب کے ذریعہ اسلام کو تقویت دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی دعا تمہیں لگ گئی حضرت عمر ؓ کہنے لگے اے خبابؓ مجھے بتاؤ محمد ﷺ کہاں ہیں؟ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کروں۔ حضرت خبابؓ نے جواب دیا کہ وہ صفا کے قریب ایک گھر میں ہیں، وہاں اور لوگ بھی آپؐ کیساتھ ہیں حضرت عمرؓ وہاں پہنچے اور جا کر دروازہ کھٹکھٹایا اور چونکہ تلوار لئے ہوئے تھے اس لئے بعض صحابہ ان کو دروازہ کی درازوں سے دیکھ کر گھبرا گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو عمر بن خطاب ہیں جو تلوار لگائے ہوئے آئے ہیں۔ اس پر حضرت حمزہ ؓ نے کہا (جو حضور اقدس ﷺ کے چچا تھے) کہ عمر کو اندر بلالو، اگر کوئی خیر کا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اس کے لئے حاضر ہیں اور اگر شر کا ارادہ ہے تو اسی کی تلوار سے قتل کر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عمر کو اندر آنے کی اجازت دے دو۔ لہٰذا ان کو اجازت دے دی گئی، وہ اندر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی چادر پکڑ کر زور سے کھینچا اور فرمایا اے ابن الخطاب کیسے آئے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ تم اپنے کفر و شرک سے اس وقت باز آؤ گے جب تم پر کوئی مصیبت آئے گی، حضرت عمر ؓ نے عرض کیا میں تو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے زور سے کہا اللہ اکبر جس سے گھر والوں نے پہچان لیا کہ عمر ؓ نے اسلام قبول کر لیا ہے جو حضرات وہاں موجود تھے (جو حبشہ نہیں گئے تھے) انہیں یہ تسلی ہو گئی کہ حضرت عمر ؓ اور حضرت حمزہ ؓ کے اسلام لانے سے دشمنوں کے حملوں سے حفاظت ہو گئی (ذکرہ حافظ ابن کثیر فی البدایۃ والنہایۃ عن ابن اسحاق جلد ۳ صفحہ ۸۱/۸۰/۷۹)

ولقد تم تفسیر سورۃ طٰہٰ فی محرم الحرام ۱۴۱۵ھ من ھجرۃ سید الانبیاء والمرسلین علیہ صلوات اللہ وسلامہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ اولا واخرا وظاھرا وباطنا

☆☆☆.....☆☆☆

(پارہ نمبر ۱۷)

مکی	سورۃ الانبیاء	۱۱۲ آیتیں ۷ رکوع

الجزء ۱۷

(پارہ ۱۷) (۲۱) سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ (۱۳۱) (رکوع ۷)

سورۃ انبیاء مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ

لوگوں کا حساب قریب آ گیا اور وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نئی نصیحت آتی ہے

اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۫ هَلْ هٰذَآ

تو وہ اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں ان کے دل غفلت میں ہیں اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہوں نے چپکے چپکے سرگوشی کی کہ یہ شخص کیا

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ

سوا تمہارے جیسا آدمی ہے کیا تم دیکھتے ہوئے جادو کے پاس جاتے ہو فرمایا میرا رب ہر بات کو جانتا ہے آسمان میں

وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ

اور زمین میں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ یہ تو خوابوں کی گڑبڑیاں ہیں بلکہ اس نے اسے خود گھڑ لیا ہے بلکہ وہ شاعر ہے

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ

سو چاہئے کہ ہمارے پاس نشانی لے کر آئے جیسا کہ اگلے پیغمبر بھیجے گئے تھے ان سے پہلے کوئی بستی والے جنہیں ہم نے ہلاک کیا ایمان نہیں لائے سو کیا

اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ

سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے۔ اور ہم نے آپ سے پہلے جن کو رسول بنا کر بھیجا وہ مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ سو تم اہل ذکر

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝

سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے ہو اور ہم نے ان رسولوں کو ایسے جسم نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَ اَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝ لَقَدْ

پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا سو ہم نے انہیں اور جس جس کو چاہا نجات دے دی اور ہم نے حد سے نکلنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ یہ واقعی

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ع

بات ہے کہ ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے جس میں تمہاری نصیحت ہے کیا تم نہیں سمجھتے؟

منکرین کے عناد کا تذکرہ اور ان کی معاندانہ باتوں کا جواب

یہاں سے سورۃ الانبیاء علیہم السلام شروع ہو رہی ہے اس میں چوتھے رکوع کے ختم تک معاندین اور منکرین توحید و رسالت اور منکرین کی تردید ہے۔ پھر پانچویں رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے انہوں نے جو اپنی قوم سے خطاب کیا اور بتوں کے توڑنے پر جو قوم نے ان سے سوال و جواب کئے اور انہیں آگ میں ڈالا اس کا تذکرہ، اس کے بعد حضرت لوط حضرت نوح، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور حضرت ایوب اور حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل اور حضرت ذوالنون (یعنی حضرت یونس) اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت مریم علیہم السلام کا تذکرہ ہے پھر آخر سورۃ تک مختلف مواعظ ہیں اور انہیں کے ذیل میں یاجوج ماجوج کے خروج اور وقوع قیامت کا تذکرہ ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ لوگوں کا حساب قریب آ گیا اور وہ اپنی غفلتوں میں روگردانی کئے ہوئے ہیں انہیں کوئی فکر نہیں کہ قیامت ہوگی اور حساب ہوگا اور یہ ان کی غفلت اس لئے ہے کہ وقوع قیامت کو مانتے ہی نہیں، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بھی نئی نصیحت ان کے پاس آتی ہے یعنی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں اور ان کے دل غافل ہوتے ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب بھی کرتے ہیں اور چپکے چپکے آپس میں یوں کہتے ہیں کہ یہ شخص جو یوں کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں یہ تو تمہارا ہی جیسا آدمی ہے اور یہ جو کچھ معجزہ کے نام سے تمہیں دکھاتا ہے یہ جادو ہے کیا تم جانتے بوجھتے جادو کو مان لو گے اور اس پر ایمان لاؤ گے" ان کی باتوں کا جواب رسول اللہ ﷺ نے یوں دیا کہ آسمان میں اور زمین میں جو بات ہوتی ہے کیسی ہی خفیہ اور پوشیدہ ہو میرا رب اسے خوب جانتا ہے اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ تمہاری باتوں کا اسے علم ہے وہ ان کی سزا دے گا۔ ان لوگوں نے قرآن مجید کے ماننے سے بھی انکار کیا اور کہنے لگے کہ یہ تو خوابوں کی گٹھڑیاں ہیں۔ ان کو خواب میں کچھ باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں انہیں کو پیش کر دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا اور اس سے بڑھ کر انہوں نے یوں کہا یہ باتیں خود ہی اپنے پاس سے بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ شاعر ہے وہ لوگ یہ سب عناد اور ضد میں کہتے تھے وہ جانتے تھے کہ آپ شاعر نہیں اور جو اللہ کا کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ شعر ہے نہ شاعری ہے شاعروں کی تک بندیوں اور دنیائے خیالات کی باتوں سے بلند اور بالا ہے۔ یہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ جو نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو جیسے ان سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام نشانیاں لے کر آئے یہ بھی کوئی ایسی نشانی لے کر آئیں، معجزات تو بہت تھے جنہیں بار بار دیکھتے رہتے تھے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے جس کی چھوٹی سی ایک سورۃ کے مقابلہ میں ذرا سی عبارت بنا کر لانے سے بھی عاجز تھے۔ لیکن ان معجزات موجودہ کے علاوہ اپنے فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ معاندین کی اس بات کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ لوگوں کا پابند نہیں کہ لوگ جو معجزہ چاہیں وہی بھیجے۔ اور ان سے پہلے بعض امتوں کے پاس فرمائشی معجزہ آیا اور پھر بھی ایمان نہ لائے۔ لہٰذا ہلاک کر دیئے گئے۔ اسی وغیرہ

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اس سے پہلے کسی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا (فرمائشی معجزات ظاہر ہونے پر بھی) ایمان نہ لائے اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ (کیا یہ ایمان لے آئیں گے) اگر یہ ایمان نہ لائے تو پرانی امتوں کی طرح ان پر بھی عذاب نازل ہو جائے گا اور چونکہ ابھی عذاب نازل فرمانا قضاوقدر میں نہیں ہے اس لئے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں کئے جاتے۔

وہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ صاحب جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں یہ تو تمہاری طرح کے آدمی ہیں اور ان کا مطلب یہ تھا کہ آدمی نبی اور رسول نہیں ہو سکتا اس کے جواب میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے ہیں وہ سب مرد ہی تھے۔ یعنی آدمی ہی تھے ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے) نبی اور غیر نبی میں وحی آنے نہ آنے کا فرق ہے ایسا کوئی قانون نہیں کہ جو نبی ہو وہ بشر نہ ہو فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اگر تم اس بات کو نہیں جانتے تو اہل ذکر یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں فاسألوا یا ھا الجھلة اھل الکتاب الواقفین علی احوال الرسل السالفة علیھم السلام لنزول شبھتکم مطلب یہ ہے کہ اے جاہلو! اہل کتاب سے پوچھ لو جنہیں گزشتہ رسولوں کے حالات معلوم ہیں وہ تمہیں بتا دیں گے کہ انبیاء علیہم السلام انسان تھے بشر تھے، تم اہل کتاب سے یہ مشورہ تو کرتے ہو کہ رسول اللہ کا امتحان کرنے کے لئے آپ سے کیا پوچھیں ذرا یہ بھی تو پوچھ لو کہ پہلے جو انبیاء کرام تشریف لائے تھے کیا وہ بشر کے علاوہ کسی دوسری جنس کے افراد تھے۔ تمہیں تو انبیاء سابقین علیہم السلام کی خاص خبر بھی نہ تھی اہل کتاب ہی کے بتانے ہی سے تمہیں ان کے بارے میں کچھ علم ہوا ہے اور اہل کتاب ہی کے سمجھانے سے تم نے یہ کہا ہے فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ تم ان سے معلومات کرتے رہتے ہو تو یہ بھی تو معلوم کرو کہ انبیاء سابقین علیہم السلام بشر تھے یا بشر کے علاوہ اور کسی دوسری جنس سے تھے؟ جب تم ان سے پوچھو گے اور وہ صحیح جواب دیں گے تو یہی بتائیں گے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام انسان تھے بشر تھے۔ جب وہ حضرات بشر تھے تو خاتم النبیین کے بشر ہوتے ہوئے نبی ہونے پر کیا اعتراض ہے؟

مزید فرمایا وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (کہ ہم نے رسولوں کے ایسے بدن نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں) چونکہ وہ فرشتے نہیں تھے بشر تھے اس لئے کھانا بھی کھاتے تھے اور کھانا مقام نبوت کے منافی نہیں ہے سورۂ فرقان میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر ایسے رسول جو کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے)

وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (اور وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں تھے) وہ انسان ہی تھے انسانوں کی طرح انہیں بھی موت آئی اور موت کا آنا بھی نبوت کے منافی نہیں ہے۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ پھر ہم نے انبیاء کرام سے جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا یعنی ان کو اور ان کے علاوہ جس جس کو چاہا (جو اہل ایمان تھے) نجات دے دی وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ اور حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو ہلاک کر دیا۔

آخر میں فرمایا لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (اور ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی جس میں تمہاری نصیحت ہے کیا تم نہیں سمجھتے) بعض حضرات نے ذکر کم کا مطلب یہ بتایا ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے اس کی وجہ سے عرب کی عزت ہے اور دائمی شہرت ہے قرآن کی برکت سے ان لوگوں کو عروج ہوا عرب وعجم کے فاتح بنے قرآن مجید نازل ہونے سے پہلے دنیا میں عرب کی کوئی بھی حیثیت نہ تھی قرآن کی وجہ سے انہیں بلندی ملی اب اس بلندی کی لاج رکھنا ان کا اپنا کام ہے یہ معنی لیا جائے تو الفاظ قرآنیہ کے

مناسب ہے۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون یہ حکم سورۂ نحل میں بھی گزر چکا ہے اس میں حکم ہے کہ جسے معلوم نہیں وہ اہل علم سے پوچھ لے اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے احکام شریعت معلوم کرنا واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید کرے اور جو مسئلہ معلوم نہ ہو اس کے لئے علماء سے رجوع کرے جاہل رہنا عذر شرعی نہیں ہے۔ خلاف شرع کام کرے اور پھر یوں کہہ دے کہ مجھے پتہ نہ تھا اس سے دنیا میں یا آخرت میں چھٹکارا نہ ہوگا بہت سے لوگ قصداً و عمداً علم دین حاصل نہیں کرتے اور اپنی اولاد کو بھی نہیں پڑھاتے اور اپنے حالات و معاملات میں احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں اور جب کوئی ٹوکتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ نہ تھا، پتہ کے یہاں تو ہیں نہیں کہ خود سے چل کر آجائے پتہ کرنا پڑتا ہے علماء کے پاس جانا پڑتا ہے علم سے دور رہنا اور بیزار رہنا اور جہالت کو عذر رکھنا شریعت کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ

اور ہم نے کئی ہی بستیوں کو جو ظلم کرنے والی تھیں تباہ کر دیا اور ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا فرما دیا سو جب وہ ہمارا عذاب محسوس کرنے لگے

اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝

اس بستی سے بھاگنے لگے جس میں عیش کی زندگی بسر کر رہے تھے جس میں تم مزے لوٹ رہے تھے اور اپنے گھروں کی طرف واپس جاؤ جہاں تم سے پوچھ گچھ کی جائے

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝

وہ کہنے لگے ہائے ہماری خرابی بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے۔ سو ان کا یہ دعویٰ برابر رہا یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بجھی ہوئی حالت میں کر دیا۔

ہلاک ہونے والی بستیوں کی بدحالی

ان آیات میں منکرین اور مکذبین کو عبرت دلائی ہے اور پرانی بستیوں کی ہلاکت بتا کر یاد دہانی فرمائی ہے کہ تم سے پہلے کتنی ہی بستیاں تھیں جو ظلم کرتی تھیں یہ ظلم کفر و شرک اختیار کرنے کی وجہ سے تھا انہوں نے اپنی جانوں پر کیا ہم نے انہیں تباہ کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا فرما دی جب انہیں پتہ چلا کہ عذاب آ رہا ہے تو وہاں سے دوڑ کر جانے لگے ان سے کہا گیا کہ مت دوڑو تم جس عیش و عشرت میں لگے ہوئے تھے اور جن گھروں میں رہتے تھے انہیں میں واپس آ جاؤ کہ تم سے پوچھا جائے کہ تم جس ساز و سامان اور جن مکانوں پر حکمرانی کرتے تھے اور اترا رہے تھے وہ کہاں ہیں؟ کہاں ہے جائے پناہ اور کہاں ہے حفاظت کی جگہ؟ جب عذاب آ ہی گیا تو کہنے لگے ہائے ہماری کم بختی! ہم ظالم تھے! چونکہ عذاب آجانے کے وقت توبہ کرنا اور ظلم کا اقرار کرنا کچھ مفید نہیں ہوتا اس لئے وہ لوگ اپنی یہی بات کہتے رہے کہ ہائے ہائے ہم ظالم تھے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بجھی ہوئی حالت میں کر دیا۔ لفظ قصمنا کا اصل معنی توڑ دینے کا ہے اسی لئے بہت زیادہ تکلیف دہ قاصمۃ الظھر کمر توڑنے والی کہا جاتا ہے یہاں یہ لفظ لا کر ہلاک شدہ بستیوں کی پوری طرح تباہی بیان فرمائی ہے اور کھیتی گھوڑے کے پاؤں مارنے کے لئے بولا جاتا ہے جب گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑنا شروع کرتے ہیں تو اسے ایڑ مارتے ہیں اس لفظ کو بھاگ جانے کے لئے استعمال فرمایا ہے۔

لا ترکضوا جو فرمایا اس سے پہلے قیل لھم حذف ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ لوگ عذاب دیکھ کر بھاگنے لگے تو ان سے

عذاب کے فرشتوں نے یا ان اہل ایمان نے جو وہاں موجود تھے بطور استہزا اور تمسخر یوں کہا کہ ٹھہرو کہاں دوڑتے ہو تمہیں تو اپنی نعمت اور دولت عیش و عشرت پر بڑا ناز تھا اپنے گھروں کو مزین کر رکھا تھا اور اونچے اونچے مکان بنا کر فخر کرتے تھے آؤ دیکھو تمہارے مکان کہاں ہیں؟ تم سے کوئی سوال کرنے والا سوال کرے تو اس کا جواب دو۔ اب تو ظلم اور عیش و عشرت کا نتیجہ دیکھ لیا بتاؤ کیا انجام ہوا؟

حَصِیْدًا خَامِدِیْنَ اس میں ہلاک شدہ لوگوں کا انجام بتایا ہے حصید کٹی ہوئی کھیتی کو کہتے ہیں اور خامدین خمود سے مشتق ہے جو بجھنے کے معنی میں آتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب وہ ہلاک ہوئے تو ان کے اجسام کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے جیسے کھیتی کاٹ کر ڈھیر لگا دیا جاتا ہے اور ان کی شوں شاں اور سرو فر ایسی ختم ہوگئی جیسے جلتی ہوئی شمعیں بجھا دی جائیں اور آگ جل کر ٹھنڈی ہو جائے اور ذرا بھی روشنی نہ رہے۔ قرآن مجید میں یہاں مطلقاً فرمایا ہے کہ "کتنی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا" کسی خاص بستی اور خاص علاقہ کا ذکر نہیں ہے اور عبرت دلانے کے لئے یہ اجمال کافی ہے لیکن بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اہل "حضرموت" مراد ہیں جو یمن کا ایک علاقہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک نبی بھیجا تھا انہوں نے اسے جھٹلایا اور قتل کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا جس نے انہیں قتل کیا اور قید کیا جب قتل کا سلسلہ جاری ہوا تو پشیمان ہوئے اور بھاگنے لگے تو اس پر ان سے کہا گیا لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْا (الایۃ) (معالم التنزیل صفحہ ۲۴۰ جلد ۳)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا

اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم کھیل عبث کرنے والے ہوں۔ اگر ہم چاہتے کہ کوئی کھلونا بناتے تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے

لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ

اگر ہم کرنے والے ہوتے۔ بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے

فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ

پھر وہ چلا جاتا ہے۔ اور جو چیزیں بتاتے ہو ان کی وجہ سے تمہارے لئے خرابی ہے۔ اللہ ہی کے ہیں جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور جو بندے

عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ

اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے، اور نہ وہ تھکتے ہیں۔ رات دن اللہ کی تسبیح میں

وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝

مشغول رہتے ہیں، ان میں سستی نہیں آتی۔

اثباتِ توحید، ابطالِ شرک، اور حق کی فتحیابی

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے جو آسمان و زمین پیدا کئے ہیں ان کا پیدا کرنا کوئی فعل عبث کے طور پر نہیں بلکہ اس میں بڑی حکمتیں ہیں جن میں ایک بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ ان کے وجود اور ان کی بڑائی اور پھیلاؤ سے ان کے خالق کو پہچانیں، اگر آسمان و زمین کے بنانے سے کوئی حکمت مقصود نہ ہوتی محض ایک مشغلہ ہی کے طور پر بنانا مقصود ہوتا تو ہم اپنے پاس سے کسی چیز کو مشغلہ بنا لیتے۔ لیکن

ہمیں یہ کرنا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی صفات اس سے برتر اور بالا ہے کہ وہ کسی چیز کو بطور لہو ولعب پیدا فرمائیں یا کسی چیز کو بطور لہو و لعب کے اختیار فرمائیں

دنیا میں چونکہ حق و باطل کا معرکہ رہتا ہے اور آخر میں حق ہی غالب ہوتا ہے اس لئے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ کہ ہم حق کو باطل پر پھینک دیتے ہیں سو وہ باطل کا سر پھوڑ دیتا ہے یعنی اس کو مغلوب کر دیتا ہے قال صاحب معالم التنزیل اصل الدمغ شج الراس حتی یبلغ الدماغ فاذا ھو زاھق سو باطل مغلوب ہو کر دفع ہو جاتا ہے۔ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ (اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو یعنی حق کے خلاف بولتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی شان میں جو ایسی باتیں کرتے ہو جن سے وہ پاک ہے اس حرکت کی وجہ سے تمہارے لئے خرابی ہے یعنی ہلاکت ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (لاتین) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی مملوک اور مخلوق ہے اور جو بندے اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور اس میں عار نہیں سمجھتے کہ وہ اس کی عبادت میں مشغول ہوں وہ برابر اس کی عبادت میں لگے رہتے ہیں ذرا سستی نہیں کرتے رات دن اس کی تسبیح میں مشغول ہیں تھکنے کا نام نہیں۔ ان تسبیح وتقدیس میں مشغول رہنے والوں سے فرشتے مراد ہیں۔ ان کی عبادت اور تسبیح اور تقدیس میں مشغولیت علی الدوام ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبود برحق مانتے اور جانتے ہیں اہل دنیا میں جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ اپنی جہالت اور بے عقلی سے شرک میں مبتلا ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ

کیا ان لوگوں نے زمین کی چیزوں میں سے معبود بنا لئے ہیں جو زندہ کرتے ہیں؟ اگر آسمان میں اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ان دونوں کا نظام

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾

درہم برہم ہو جاتا، سو اللہ جو عرش والا ہے اس چیز سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اسکے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جاتا اور ان لوگوں سے باز پرس ہوتی ہے

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ

کیا ان لوگوں نے اس کے سوا معبود بنا لئے ہیں آپ فرما دیجئے اپنی دلیل لاؤ، یہ ذکر ہے ان لوگوں کا جو میرے ساتھ ہیں اور جو مجھ سے پہلے تھے، بلکہ ان

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ

میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے سو وہ اس سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اس کی طرف یہ

اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ

وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری عبادت کرو، اور ان لوگوں نے کہا کہ رحمن نے بیٹا بنا لیا ہے وہ پاک ہے بلکہ وہ اس کے معزز

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

بندے ہیں وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو ان کے اگلے پچھلے احوال ہیں۔

وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝

اور وہ کسی کے لئے سفارش نہیں کریں گے بجز ایسے شخص کے جس کی سفارش کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ ع

اور ان میں سے جو شخص یوں کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں سو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں گے۔ ہم اسی طرح ظالموں کو جزا دیا کرتے ہیں

توحید کے دلائل اور فرشتوں کی شان عبدیت کا تذکرہ

ان آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کی تردید فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفات جلیلہ بیان کی ہیں مشرکین کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ام اتخذوا الھۃ من الارض ھم ینشرون (کیا ان لوگوں نے زمین میں سے کاٹ چھانٹ کر ایسے معبود بنا لئے ہیں جو مردوں کو زندہ کرتے ہیں) یعنی انہوں نے اجزاء زمین سے بنا کر معبود تو بنا لئے جنہیں پتھروں سے تراش اور لکڑی وغیرہ سے بنایا ہے لیکن یہ باطل معبود ہیں اگر حقیقی معبود ہوتے تو مردوں کو زندہ کر دیتے۔ جب یہ بات نہیں ہے تو ان کو معبود بنانا سراسر حماقت ہے وہ کیا زندہ کرتے وہ تو خود ہی بے جان ہیں، سورۃ النحل میں فرمایا اموات غیر احیاء ج وما یشعرون ایان یبعثون (وہ مردے ہیں جو زندہ نہیں ہیں انہیں پتہ نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے) لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا اگر آسمان میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ چونکہ ایک کی مشیت کچھ ہوتی دوسرے کا ارادہ کچھ اور ہوتا اس طرح سے ٹکراؤ ہو جاتا اور اس ٹکراؤ کا اثر آسمان و زمین کے نظام پر ہونا لازم تھا جب آسمان زمین میں فساد نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ معبود صرف ایک ہی ہے ایک سے زیادہ نہیں ہے اس مضمون کو سورۂ مؤمنون میں فرمایا ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الہ اذا لذھب کل الہ بما خلق ولعلا بعضھم علی بعض سبحان اللہ عما یصفون (اللہ نے کوئی اولاد اپنے لئے نہیں بنائی نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا ہے جب یہ سب باتیں نہیں ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ معبود صرف ایک ہی ہے فسبحان اللہ رب العرش عما یصفون (سو اللہ جو عرش کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں)

لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون (وہ قادر مطلق ہے مختار کامل ہے احکم الحاکمین ہے کسی کو کوئی مجال نہیں کہ اس سے کوئی باز پرس کرے اور یوں پوچھے کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا وھم یسئلون اور اس کی مخلوق سے باز پرس کی جاتی ہے اور کی جائے گی یعنی دنیا میں بھی ان سے مؤاخذہ ہے اور آخرت میں بھی، جس کسی نے غلط عقائد اختیار کئے اور برے اعمال کئے اس سے باز پرس ہوگی اور مستحق سزا ہوگا۔ ام اتخذوا من دونہ آلھۃ (کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا معبود تجویز کر لئے ہیں (یہ استفہام انکاری بطور توبیخ کے ہے)

قل ھاتوا برھانکم (آپ فرما دیجئے کہ شرک کے جواز پر اپنی دلیل لے آؤ) تم اس پر کوئی بھی دلیل نہیں لا سکتے شرک کرنا بے دلیل ہے، عقلاً بھی قبیح ہے اور نقلاً بھی حضرات انبیاء علیہم السلام جو پہلے گزرے ہیں انہوں نے بھی شرک سے منع کیا ہے اور کتب الٰہیہ میں شرک کا گمراہی ہونا مذکور ہے اسی کو فرمایا ھذا ذکر من معی وذکر من قبلی (یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب ہے یعنی قرآن مجید) اور جو حضرات مجھ سے پہلے تھے ان کی کتابیں یعنی توراۃ انجیل بھی موجود ہیں ان سب میں شرک کی قباحت بتائی ہے اور شرک کو گمراہی بتایا ہے سو عقلاً و نقلاً شرک مذموم ہے اور قبیح ہے۔

بل اکثرھم لا یعلمون الحق فھم معرضون (بلکہ ان میں اکثر وہ ہیں جو حق کو نہیں جانتے سو وہ اس سے اعراض کئے ہوتے ہیں)۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليه انه لا اله الا انا فاعبدون (اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی بھی رسول نہیں
بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت کرو) اس میں مشرکین اہل کتاب کی تردید
ہے جو حضرت عیسیٰ وغیرہ کو بھی معبود بناتے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کے پاس یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کسی
کی عبادت نہ کرو۔ یہ سچائی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم اس کی خلاف ورزی کیوں کرتے ہو اور اپنے دین شرک وبتوں کی طرف منسوب کرنے کی
گمراہی میں کیوں مبتلا ہو۔ اس کے بعد ان لوگوں کی تردید فرمائی جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے ارشاد فرمایا وقالوا اتخذ الرحمن
ولدا سبحانه بل عباد مكرمون (الایۃ) کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں یہ اس کے حکم کی خلاف
ورزی نہیں کر سکتے۔ وہ ہیبت الٰہی سے ڈرتے رہتے ہیں اور سفارش بھی اسی کے لئے کرتے ہیں جس کے لئے سفارش کرنا اللہ کی رضا کے
مطابق ہو۔ ان میں سے کوئی فرشتہ بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں معبود ہوں۔ بالفرض اگر ایسا کہے گا تو دیگر مدعیان الوہیت کی طرح وہ بھی دوزخ
میں جائے گا۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ
یا کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان ہم نے بند کئے تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا اور ہم نے پانی سے ہر جاندار
الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا
چیز کو بنایا کیا پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ بنا دیئے تاکہ وہ ان کو لے کر ہلتی نہ رہے اور ہم نے
فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَهُمْ
ان میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ لوگ راہ پائیں اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے اور وہ لوگ
عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ
اس کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا سب
فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝
دائرے میں تیر رہے ہیں۔

مزید دلائل توحید کا بیان، تخلیق ارض وسماء، پہاڑوں کا بنانا اور شمس وقمر کا ایک ہی دائرہ میں گردش کرنا۔

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اپنی صفت خالقیت و بیان فرمایا ہے اور مخلوق میں جو بڑی بڑی چیزیں ہیں ان کو بطور نشانی کے پیش فرما کر اہل کفر کو ایمان کی دعوت دی ہے۔ ارشاد فرمایا کیا کافروں کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان و زمین سب بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے کچھ پیدا ہوتا تھا پھر ہم نے انہیں اپنی قدرت سے کھول دیا۔ بارشیں بھی خوب ہونے لگیں اور زمین سے نباتات بھی نکلنے لگے یہ

چیزیں منکرین کے سامنے ہیں چھوٹی مخلوق و مصنوعات کو نہیں مانتے بڑی چیزوں کو مانتے ہیں یعنی وہ اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں ان دونوں قسم کے کافروں کو یہ بڑی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

قدرت الٰہیہ کے مظاہر بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا وجعلنا من الماء کل شیء حی (اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا) اس عموم میں جتنے بھی جاندار ہیں سب داخل ہیں اور مِنَ الْمَآءِ سے بارش کا پانی مراد ہے جس کا کسی نہ کسی وجہ میں بالواسطہ یا بلاواسطہ جانداروں کے پیدا ہونے میں یا زندہ رہنے میں دخل ہے۔ یہ بھی بہت بڑی نشانی ہے جو اہل عقل کے لئے کافی ہے۔ لیکن کافر پھر بھی منکر ہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ بارش برسانے والا اور اس پانی کو زمین کا زرخیز بنانے والا صرف خالق وحدہ لاشریک ہی ہے ایمان نہیں لاتے۔ مزید فرمایا وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بھم (یعنی ہم نے زمین میں بھاری بوجھل چیزیں بنائیں جو زمین پر مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہیں تاکہ وہ لوگوں کو لے کر نہ ہلے) ان بھاری چیزوں سے پہاڑ مراد ہیں۔ جیسا کہ سورہ والمرسلات میں فرمایا والجبال ارسیٰھا (اور زمین میں پہاڑوں کو جما دیا) اور سورہ والسماء میں فرمایا وجعلنا فیھا رواسی شامخات (اور ہم نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ بنا دیئے جو اپنی جگہ پر مضبوطی کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں)

یہ پہاڑ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہیں ان کے جو دوسرے فوائد ہیں وہ اپنی جگہ ہیں ان کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اونچے بھی ہیں بوجھل بھی زمین کے اوپر بھی ہیں اندر بھی ہیں زمین میں میخوں کی طرح گڑے ہوئے ہیں۔ سورہ النبا میں فرمایا الم نجعل الارض مھٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا (کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا) یہ پہاڑ زمین کو حرکت نہیں کرنے دیتے اور زمین پر رہنے والے اطمینان اور سکون سے رہتے اور بستے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا انعام بھی ہے اور اس کی قدرت کی بہت بڑی نشانی بھی ہے، یہ تو زمین کے عام احوال کے اعتبار سے ہے پھر جب کبھی کسی جگہ پر اللہ تعالیٰ کو زلزلہ بھیجنا ہوتا ہے تو انہیں پہاڑوں کے ہوتے ہوئے زمین میں زلزلہ آجاتا ہے اور خود پہاڑ بھی اس کی زد میں آکر چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ وجعلنا فیھا فجاجا سبلا لعلھم یھتدون (اور ہم نے زمین میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ وہ راہ پائیں) یعنی بآسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جائیں۔

یہ راستے ایک شہر سے دوسرے شہر کو ملاتے ہیں ان میں پیدل اور سواریوں پر گزرتے ہیں پہاڑوں تک میں اللہ تعالیٰ نے راستے بنا دیئے ہیں۔ ادھر ادھر پہاڑیں درمیان میں ایک گاڑی سے چلنے کا راستہ ہے۔ جنہیں عموماً مسافر جانتے ہیں۔ سورہ نوح میں فرمایا واللہ جعل لکم الارض بساطا لتسلکوا منھا سبلا فجاجا (اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستے میں چلو) وجعلنا السماء سقفا محفوظا (اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا) اور یہ آسمان زمین کے لئے چھت کی طرح ہے اور محفوظ بھی ہے۔ گرنے سے بھی محفوظ ہے اور ٹوٹنے پھوٹنے سے بھی۔ پھر جب قیامت آئے گی اس وقت آسمان پھٹ پڑیں گے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ فرما رکھا ہے۔ جس طرح ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ ہیں اسی طرح شیاطین سے بھی محفوظ ہیں جیسا کہ سورہ حجر میں فرمایا وحفظناھا من کل شیطان رجیم الا من استرق السمع فاتبعہ شھاب مبین (اور ہم نے اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ فرمایا مگر یہ کہ ان میں سے کوئی چوری سے بات سن بھاگے اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ جاتا ہے) وھم عن اٰیاتھا معرضون (اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں) آسمان میں بہت سی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر کھلی ہوئی دلیلیں ہیں لوگ قصداً ان سے اعراض کرتے ہیں اور ایمان کی طرف نہیں آتے۔

پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (اور اللہ وہی ہے جس نے رات اور دن اور چاند اور سورج کو پیدا فرمایا) یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں جو شخص بھی ان میں غور کرے گا اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق اور حکیم مطلق اور مدبر ہونے کا اعتقاد رکھنے پر مجبور ہوگا كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستے مقرر فرما دیئے ہیں۔ ان میں رواں دواں ہیں)

انہیں راستوں پر چلتے ہیں عربی میں فلک گول چیز کو کہا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کا ترجمہ دائرہ سے کیا گیا ہے۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں فی فلک ای مستدیر کالطاحونۃ فی السماء یسحون یسرون بسرعتہ کالسابح فی الماء یعنی وہ چکی کی طرح گول دائرہ میں اسی تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں جیسے پانی میں تیرنے والا چلتا ہے۔ سورہ یٰسین میں فرمایا لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (سورج کے لئے یہ بات درست نہیں کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب گول دائرہ میں تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں)۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاْىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا، اگر آپ کی وفات ہو جائے تو یہ لوگ کیا ہمیشہ رہیں گے؟ ہر جان

ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ وَ

موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی کے ساتھ آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں اور تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے

اِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ

اور جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کو صرف ہنسی کا نشانہ بناتے ہیں (یہ کہتے ہیں) کیا یہ وہی ہے جو تمہارے معبودوں کا تذکرہ کرتا ہے

بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُوْرِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝

رحمٰن کے ذکر کا انکار کرتے ہیں۔ انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے میں تمہیں اپنی نشانیاں عنقریب دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلدی مت کرو

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ اگر کافر لوگ اس وقت کو جان لیتے جب اپنے

یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً

منہ اور پیٹھ سے آگ کو نہ روک سکیں گے اور نہ انہیں کوئی مدد دی جائے گی، بلکہ وہ ان پر اچانک آجائے گی

فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ

سو وہ انہیں بدحواس کر دے گی، سو وہ نہ اسے ہٹا سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی، اور یہ واقعی بات ہے کہ آپ سے پہلے رسولوں

ع ۴

مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

سے پہلے تمسخر کیا ہے سو جن لوگوں نے ان کا تمسخر کیا انہیں وہ چیز گھیر گئی جس کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔

منکرین ومعاندین کا آپ کی موت کا آرزومند ہونا اور آپ کے ساتھ تمسخر کرنا، اور تمسخر کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہونا

اہل مکہ اور دیگر مشرکین رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کا انتظار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ بس جی ان کی یہ باتیں تھوڑے ہی دن کی ہیں چند دن میں ختم ہو جائیں گی چند دن کی ان کی زندگی ہے آج دنیا سے گئے کل دوسرا دن ان کو ہیں پوچھے گا اور ان کی باتیں وہاں تک چلیں گی؟ اسی کو مختصر طور میں فرمایا ام یقولون شاعر نتربص به ریب المنون لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ خود ہمیں دنیا میں کتنے دن رہنا ہے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد (کہ ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا) دنیا میں جو بھی آئے ہیں سب کو موت سے دوچار ہونا ہے افائن مت فهم الخالدون (اگر آپ کی وفات ہوگئی تو کیا یہ ہمیشہ رہیں گے) موت تو کسی کو بھی نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ آپ کی موت کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ مزید فرمایا كل نفس ذائقة الموت (ہر جان موت کو چکھنے والی ہے) جب سب کو مرنا ہی ہے اور قیامت کے دن جمع ہونا ہے تو ہر شخص اس کی فکر کرے کہ وہاں میرا کیا ہوگا، اللہ کے نبی کی تکذیب کرنے پر عذاب ہوگا اور اس سے چھٹکارا کا کوئی راستہ نہیں ہوگا اس کے لئے فکرمند ہوں تو ایمان کی توفیق ہو جائے گی، اس میں بھی مخالفین کے اس گمان کی تردید ہے کہ محمد ﷺ عنقریب دنیا سے اٹھ جائیں گے تو ہم لوگوں سے نہیں گے کہ دیکھو اگر یہ نبی ہوتے تو وفات کیوں پاتے۔

آپ سے پہلے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے تھے وہ بھی تو وفات پا گئے لہٰذا اس انتظار میں رہنا کہ ان کی وفات ہو جائے تو ہم لوگ وہ یہ کہیں گے یہ نبی ہوتے تو وفات کیوں پاتے ان کا بھی تو یہی حال ہے۔

مزید فرمایا ونبلوكم بالشر والخير فتنة (ہم تمہیں بطور آزمائش شر اور خیر کے ساتھ جانچیں گے) یعنی تمہارا امتحان کریں گے اس زندگی میں کبھی حالت بھی پیش آئے گی (جیسے تندرستی خوشحالی اور ازواج اولاد کا موجود ہونا) اور بدحالی بھی پیش آئے گی (مثلاً رنجیدہ ہونا مرض اور تنگدستی کا پیش آنا اور ازواج اولاد کا مرنا وغیرہ وغیرہ) زندگی میں یہ سب چیزیں آزمائش کے طور پر پیش آتی ہیں کون ایمان لاتا ہے اور اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے، اور کون کفر اور نافرمانی کی زندگی گزارتا ہے مختلف احوال سے اشخاص و افراد کو آزمایا جاتا ہے اسی آزمائش میں یہ بھی ہے کہ بعض مرتبہ کافر دنیوی احوال کے اعتبار سے آرام اور آسائش میں ہوتے ہیں اور اہل ایمان تنگدستی اور مشکل میں مبتلا ہوتے ہیں، ان فقراء اور مساکین کو دیکھ کر اہل غرباء کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے محبوب بندے ہیں اور اس طرح آزمائش میں فیل ہو جاتے ہیں، اپنی آزمائش اور خوش حالی کو فخر پر مبنی کا ذریعہ بنا لیتے ہیں (العیاذ باللہ) والینا ترجعون (اور تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی قیامت کے دن حاضر کئے جاؤ گے) اس دن حق اور ناحق کے فیصلے کر دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا واذا رآك الذين كفروا ان يتخذونك الا هزوا (جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی ذات کو تمسخر کا ذریعہ بنا لیتے ہیں) اور یوں کہتے ہیں اهذا الذي يذكر الهتكم (کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے) یعنی تمہارے معبودوں کا انکار کرتا ہے اور ان کی عبادت پر اعتراض کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ یہ بے جان ہیں نفع اور ضرر کے مالک نہیں، وہ لوگ یہ بات

آپ کی شان معظم کو جانتے ہی نہ تھے اور ان کا مطلب یہ تھا کہ کوئی صاحب حیثیت آدمی ہوتا جاہ و مرتبہ والا نہیں تھا۔ تب نبی بنایا جاتا؟ یہ اُنہی آدمی کی وقعت دل میں ہوتی ہے جو تمہارے معبودوں کو برائی سے یاد کرتا ہے۔

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (اور یہ لوگ رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں) یعنی نبی آخر الزمان کے جوان کے باطل معبودوں کو برا کہہ رہا ہے اور تو اور رہے یہ لوگ خود ان کی حرکت ہے اس پر توجہ نہیں دیتے رحمٰن جل مجدہٗ جس نے انہیں اور ساری مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اس کی آیات کے قائل ہوتے ہیں نہ اس کی ذات عظیم اور صفات جمیلہ پر ایمان لاتے ہیں ان کو تو خود اپنی ذات پر ہنسنا چاہیے کہ ہم یہ سب کر رہے ہیں لاتعلقی اور خلاقت کا تو نہیں نہیں اور حال یہ ہے کہ اللہ کے سچے نبی کا مذاق اڑاتے ہیں۔

جب مشرکین کے سامنے دنیا میں عذاب آنے یا قیامت آنے کا تذکرہ ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ یہ ذرا نا خواہ مخواہ کا بے تابی ہے تو بس آجائے دیر کیوں لگ رہی ہے۔ اسی کو فرمایا خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے) یعنی اس کے مزاج میں جلد بازی رکھ دی گئی ہے اپنے اس مزاج کی وجہ سے وہ عذاب کو بھی وقت سے پہلے بلانے کو تیار ہے۔ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ (سو میں تم کو عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا سو تم مجھ سے عذاب کی جلدی مت مچاؤ) کیونکہ عذاب وقت مقرر سے پہلے نہیں آتا اور جب آجائے تو ٹالا نہیں جاتا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی نشانیاں ظاہر فرمائیں جن میں غزوہ بدر کے موقع پر سرداران قریش کا مارا جانا اور قید ہونا بھی تھا۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو) عذاب کی باتیں سن کر تعجب کرتے تھے اور چونکہ عذاب کی خبر دیتے رہتے تھے اس لئے بار بار ایسی باتیں کہتے تھے کہ جی عذاب آنے کی نہیں ہے آ ہی نہیں سکتا۔ یہ باتیں وہ اس وجہ سے کرتے تھے کہ قرآن مجید میں کئی جگہ آخرت کا ذکر ہوا ہے یہاں اس کی یہ وجہ بتائی ہے کہ اگر ان کو معلوم ہوتا کہ آخرت کے عذاب سے کیسے بچیں گے تو ایسی باتیں نہ کرتے۔ فرمایا لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهٗ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (اگر یہ لوگ اس وقت کو جانتے جب وہ اپنے چہروں سے آگ کو نہ ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ بلکہ وہ آگ ان کے پاس اچانک آجائے گی سو وہ انہیں بدحواس بنا دے گی پھر وہ اسے ہٹا نہ سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی) یعنی جب وہ آگ انہیں چہرے میں لگے گی تو ان کے حواس باختہ ہو جائیں گے اس وقت کی حالت کا علم ہو جاتا تو ایسی باتیں نہ بناتے۔ جب وہ آگ انہیں چہرے میں لگے گی تو ان کے حواس باختہ ہو جائیں گے اس وقت نہ تو وہ اس کو ہٹا سکیں گے اور نہ ان کو یہ مہلت دی جائے گی کہ زندہ ہو جائیں یا واپس آکر مؤمن بن جائیں اور دوبارہ مر کر پچھتاوا ہوں اور عذاب سے بچ جائیں۔ جب عذاب دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو بس داخل ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے چلے گئے اب وہاں سے نکلنے کا اور مہلت ملنے کا کوئی موقع نہیں۔

آخر میں فرمایا وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (اور یہ واقعی بات ہے کہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا سو جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا ان پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس کا وہ تمسخر کرتے تھے) اس آیت میں رسول اللہ کو تسلی دی ہے کہ آپ سے پہلے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی گئی ان کا مذاق بنایا گیا۔ پھر انجام کے طور پر تمسخر کرنے والوں نے اپنے تمسخر اور تکذیب کا مزہ چکھ لیا اور جس عذاب کا وہ مذاق بناتے تھے یہ عذاب ان پر نازل ہو گیا۔ آپ کے منکرین جو عذاب کا مذاق بنا رہے ہیں یہ کچھ اطمینان سے نہ بیٹھیں گمان پر بھی دنیا میں عذاب آسکتا ہے۔ اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں تو ہر کافر کو عذاب میں مبتلا ہونا ہی ہے۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

آپ فرما دیجئے وہ کون ہے جو رات میں اور دن میں رحمٰن سے تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے رب کی توحید سے اعراض کئے ہوئے ہیں

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝

یا ان کے لئے معبود ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہیں ہمارے مقابلہ میں وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور نہ ہمارے مقابلہ میں ان کا ساتھ دے سکتے ہیں

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ

بلکہ ہم نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو سامان دیا یہاں تک کہ ان پر لمبی عمریں گزر گئیں کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے

اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۚ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا

کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں یا یہ لوگ غالب ہونے والے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ تمہیں ڈراتا ہوں اور بہرے

مَا يُنْذَرُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

جب ڈرائے جاتے ہیں تو پکار کو نہیں سنتے اور اگر آپ کے رب کے عذاب کا ذرا سا جھونکا بھی ان کو پہنچ جائے تو ضرور کہیں گے ہائے ہماری کمبختی ہم واقعی ظالم تھے

رحمٰن کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے، منکرین دنیاوی عیش وعشرت کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے، اور بہرے پکار کو نہیں سنتے

ان آیات میں مشرکین سے یہ فرمایا ہے کہ تمہیں رات دن زندگی بھر جو رحمٰن جل مجدہٗ کے عذاب سے تمہاری کون حفاظت کرتا ہے؟ یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں کوئی بچانے والا اور تمہاری حفاظت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ تم بھی اس بات کو جانتے اور مانتے ہو کہ یہ جاننے ہوئے پھر بھی اپنے پروردگار کی یاد سے اور اس کو وحدہٗ لاشریک لہٗ ماننے سے اعراض کئے ہوئے ہو، پھر فرمایا کہ یہ لوگ حقیقی جل مجدہٗ کو چھوڑ کر جو خود یہ لوگ ہی عبادت کرتے ہیں کیا ان کا یہ خیال ہے کہ جب ہماری طرف سے عذاب آنے لگا تو ان کے یہ باطل معبود انہیں ہمارے عذاب سے بچا لیں گے، ان کا یہ خیال غلط ہے۔ وہ ان کی کیا مدد کریں گے، وہ تو اپنی ہی مدد نہیں کر سکتے۔ خود ان پر ہماری طرف سے کوئی عذاب آ جائے یا کوئی تکلیف پہنچ جائے تو ہمارے مقابلہ میں کوئی ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ پھر فرمایا کہ سرکشی کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو سامان عیش دیا تھا اسی میں پھلتے پھولتے رہے اور اس پر زمانہ دراز گزر گیا پشت در پشت جب عیش و آرام میں پڑے رہے تو غفلت کے پردے پڑ گئے۔ نہ دنیا کے انقلاب سے چونکے نہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بیدار کرنے سے بیدار ہوئے اور اب اسلام کے اور مسلمانوں کے مخالف بن رہے ہیں کیا انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ جس زمین پر وہ قابض ہیں ہم اسے ہر چار طرف سے برابر گھٹاتے چلے آ رہے ہیں یعنی ان سے لے کر مسلمانوں کے قبضہ میں دے رہے ہیں، کیا انہیں کچھ یہ بھی خیال ہے کہ اہل ایمان پھر غالب ہو جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیں کہ میں تمہیں وحی کے ذریعہ ہی ڈراتا ہوں لیکن تم بہرے بنے ہوئے ہو بہرے پکار کو سنتے ہی نہیں ہیں، حقیقت میں بہرے نہیں لیکن بہروں کا سا حلیہ اختیار کر رکھا ہے۔ ساری سنی ان سنی کر دیتے ہیں اور عذاب

آنے کی رٹ لگاتے ہیں عذاب کی تاب نہیں اور عذاب کا تقاضا ہے۔ اسی کو فرمایا وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ (الآیۃ) (اگر آپ کے رب کی طرف سے انہیں عذاب کا ایک جھونکا لگ جائے تو ضرور یوں کہیں گے کہ ہائے ہماری بختی واقعی ہم ظالم تھے) عذاب کے ایک جھونکا کی بھی تاب نہیں ہے لیکن پھر بھی اپنی بیوقوفی سے عذاب آنے کی رٹ لگا رہے ہیں۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ

اور قیامت کے دن ہم عدل والی میزانیں قائم کریں گے۔ سو کسی پر ذرا سا ظلم بھی نہ ہوگا اور اگر کوئی عمل رائی کے دانہ

مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝

کے برابر بھی ہوگا تو ہم سے حاضر کریں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

قیامت کے دن میزان عدل قائم ہوگی، کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا

اس میں سب کو قیامت کے دن کے محاسبہ کی یاد دہانی فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ہم میزان عدل قائم کردیں گے کسی پر ذرا سا ظلم بھی نہ ہوگا جس کسی نے کوئی بھی نیکی کی ہوگی اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگی ہم اسے وہاں حاضر کردیں گے اور وہ بھی حساب میں شامل کرلی جائے گی۔

سورہ نساء میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (بلاشبہ اللہ کسی پر ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں فرماتا) اور سورۃ الزلزال میں فرمایا فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (سو جس نے ذرہ کے برابر خیر کا کام کیا ہوگا وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا) آیت کے ختم پر فرمایا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ (اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں) یعنی ہمارے وزن اور حساب کے بعد کسی اور حساب کتاب کی ضرورت نہ رہے گی ہمارا حساب لینا کافی ہے ہمارے فیصلے کے بعد کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے چند خادم ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میری خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، میں انہیں برا کہتا ہوں اور مارتا بھی ہوں تو میرا اور ان کا کیا بنے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی خیانت اور نافرمانی اور جھوٹ بولنے کا اور تیرے سزا دینے کا حساب کیا جائے گا سو اگر تیرا سزا دینا ان کی خطاؤں سے کم ہوگا تو تجھے ان سے بدلہ دلایا جائے گا اور اگر تیرا سزا دینا ان کی خطاؤں سے زیادہ ہوگا تو اس زائد کا انہیں تجھ سے بدلہ دلایا جائے گا یہ سن کر وہ شخص وہاں سے ہٹ گیا اور اس نے چیخنا اور رونا شروع کردیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تو اللہ کی کتاب نہیں پڑھتا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا یہ سن کر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم میں ان کے لئے اور اپنے لئے اس سے بہتر کوئی چیز بہتر نہیں سمجھتا کہ ان سے جدا ہو جاؤں۔ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سب آزاد ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۴)

الموازین میزان کی جمع ہے لفظ جمع کی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بہت سی ترازوئیں ہوں گی لیکن جمہور علماء کا فرمانا یہ ہے کہ میزان تو ایک ہی ہوگی اور بہت بڑی ہوگی لیکن چونکہ وہ زیادہ میزانوں کا کام دے گی اس لئے جمع سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور لفظ قسط انصاف کے معنی میں آتا ہے اس کو موازین کی صفت قرار دیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ترازو سراپا انصاف ہوگی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ترازو رکھ دی جائے گی اور وہ اتنی بڑی ہوگی کہ اگر اس میں آسمان و زمین سب رکھ دیئے جائیں تو سب اس میں سما جائیں فرشتے اسے دیکھ کر کہیں گے کہ یا رب یہ کس کے لئے وزن کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اپنی مخلوق میں سے میں جس کے لئے چاہوں گا وزن کروں گا۔ اس پر فرشتے کہیں گے سبحانک ما عبدناک حق عبادتک (تیری ذات پاک ہے ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسی عبادت کا حق ہے۔ (قال المنذری فی الترغیب جلد ۴ صفحہ ۴۲۵ رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم) اعمال کا وزن کس طرح ہوگا اس کے بارے میں کچھ تفصیل سورۂ اعراف کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۸)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ والی چیز اور روشنی اور نصیحت کی چیز عطا فرمائی جو متقیوں کے لئے نصیحت تھی جو اپنے

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ

رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے خوفزدہ ہیں، اور یہ ایک نصیحت ہے مبارک ہے جو ہم نے نازل کی ہے سو کیا تم پھر بھی

لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝

اس کے منکر ہو۔

ع ۱ الربع

توریت شریف اور قرآن مجید کی صفات

یہ تین آیت ہیں پہلی دو آیات میں توریت شریف کا ذکر ہے اور تیسری آیت میں قرآن مجید کا تذکرہ فرمایا ہے۔ توریت کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو عطا کی جو فرقان ہے یعنی حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی ہے اور ضیاء یعنی روشنی ہے جس سے قلوب منور ہوتے ہیں اور ذکر یعنی نصیحت ہے، اس کے یہ فوائد ہیں تو سبھی کے لئے، لیکن خاص کر ان لوگوں کے لئے وہ جو متقی ہیں یعنی گناہوں سے بچتے ہیں اور بغیر دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے دن سے یعنی وہاں کے حساب کتاب سے بھی خوفزدہ ہیں، یہ صفات ان لوگوں کی تھیں جو توریت پر چلتے تھے۔ بعض مفسرینؒ نے فرمایا کہ فرقان سے اللہ تعالیٰ کی مدد مراد ہے جو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے شامل حال رہی دونوں نے فرعون کے لشکر سے اپنی قوم کے ساتھ نجات پائی اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں طرح طرح کی مدد سے نوازا، اور ضیاء اور ذکر سے توریت شریف مراد ہے الفاظ میں اس تفسیر کی بھی گنجائش ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں فرمایا وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ یہ قرآن نصیحت ہے بہت بابرکت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے پہلے سے تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بھی کتابیں نازل فرمائیں پھر اس کے نازل ہونے کا انکار کیوں کرتے ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس سے پہلے صحیح راہ عطا کی اور ہم ان کو جانتے تھے، جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا

التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ

کہ یہ مورتیاں یا ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾

بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادے کھلی گمراہی میں ہیں۔ وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا ہنسی مذاق کرنے والوں میں سے ہو؟

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾

ابراہیم نے کہا بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے انہیں پیدا فرمایا اور میں اس پر تمہارے سامنے گواہوں میں سے ہوں۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ

اور اللہ کی قسم میں تمہارے جانے کے بعد تمہارے بتوں سے ضرور تدبیر کروں گا۔ پس ابراہیم نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سوائے ان کے بڑے بت کے

لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾

تاکہ وہ اسی کی طرف رجوع کریں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کیساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ بے شک ایسا کرنے والا ظالموں میں سے ہے۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ

کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو سنا تھا جو ان کا ذکر کر رہا تھا اس جوان کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ کہنے لگے پس اس کو لوگوں کے سامنے

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ

لاؤ تاکہ وہ گواہ ہو جائیں کہنے لگے۔ اے ابراہیم کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے؟ ابراہیم نے جواب دیا بلکہ یہ کام ان کے بڑے

هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

نے کیا ہے سو تم ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔ پھر وہ اپنے نفسوں کی طرف رجوع ہوئے پھر کہنے لگے بے شک تم ظلم کرنے والے ہو۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

پھر انہوں نے اپنے سروں کو جھکا دیا بے شک اے ابراہیم تم کو معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔ ابراہیم نے کہا پھر تم اللہ کو چھوڑ کر کس چیز کی عبادت کرتے ہو

مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

جو تمہیں نہ کچھ نفع دے سکے نہ نقصان پہنچا سکے۔ تف ہے تم پر اور ان پر جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ہو؟

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا

کہنے لگے اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے، ہم نے حکم دیا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔ ان لوگوں نے

عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝

ابراہیم کے ساتھ برا برتاؤ کرنا چاہا سو ہم نے انہیں ان میں سے کر دیا جو بہت ہی زیادہ ناکام ہوتے ہیں۔

داعی توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا، بت پرستی چھوڑنے کی تلقین فرمانا، ان کے بتوں کو توڑ دینا، اور اس کی وجہ سے آگ میں ڈالا جانا، اور سلامتی کے ساتھ آگ سے باہر تشریف لے آنا

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جس ماحول میں پیدا ہوئے وہ بت پرستوں کا علاقہ تھا خود ان کا باپ بھی بت پرست تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو شروع ہی سے مشرکین کے عقائد اور اعمال سے دور رکھا تھا۔ وہاں کوئی موحد نہیں تھا جو حضرت ابراہیم کو توحید سکھاتا اور شرک کی گمراہی پر متنبہ کرتا لیکن سب سے بڑا معلم اللہ جل شانہٗ ہے۔ وہ جسے صحیح راہ دیتا ہے حق سمجھنے رشد و ہدایت سے نوازتا ہے کوئی بھی گمراہ کرنے والا اپنے قول اور عمل سے راہ حق سے نہیں ہٹا سکتا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابراہیم کو اپنی بڑی بت پرست قوم کے اندر ہدایت پر رکھا اور ان میں اظہار حق اور دعوت حق کی استعداد رکھ دی تھی۔ اللہ تعالیٰ داس سب کا علم تھا۔ اسی کو فرمایا ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین حضرت ابراہیم نے ہوش سنبھالا تو اپنے گھر میں اور اپنی قوم و شہر میں بتوں کو دیکھا، یہ لوگ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے خصوصاً اور اپنے قوم سے عموماً سوال فرمایا کہ یہ مورتیاں جن پر تم معتکف ہو کیا ہیں؟ اس کا مقصد یہ تھا کہ ان خود تراشیدہ جن چیزوں کی عبادت کرتے ہو اس کی کیا تک ہے؟ وہ لوگ کوئی معقول جواب نہ دے سکے (اور کوئی بھی مشرک معقول جواب نہیں دے سکتا یہ لوگ ماں باپ کی اندھی تقلید کرتے رہے) انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو ان پر پوجا کرتے دیکھا ہے۔ ان مورتیوں کی پوجا کرتے تھے انہیں کی دیکھا دیکھی ہم بھی بت پرستی کرتے ہیں، حضرت ابراہیم نے بڑی مضبوطی اور قوت کے ساتھ فرمایا کہ تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں ہو، وہ لوگ کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا یوں ہی دل لگی کے طور پر باتیں کرتے ہو، حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ میں حق بات لے کر آیا ہوں تم سے دل لگی نہیں کر رہا ہوں۔ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔ اسی نے تمہیں پیدا فرمایا، جس نے پیدا کیا اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کی عبادت کرنا یہ سراسر گمراہی نہیں ہے تو کیا ہے؟ میں جو کہہ رہا ہوں وہ سچی بات ہے اور میں اس کے سچا ہونے کا گواہ ہوں۔ یعنی دلیل سے بات کرتا ہوں اور یاد رکھو کہ تم جن بتوں کی پوجا کرتے ہو اللہ کی قسم میں ان کے ساتھ کوئی تدبیر کروں گا اور ایسا داؤ استعمال کروں گا کہ ان پر بہت بڑی زد پڑے گی، مجھے موقعہ کا انتظار ہے تم کہیں گئے اور میں ان کا تیا پانچا کیا۔

حضرت ابراہیم کا بتوں کو توڑنا سورہ صافات میں بھی مذکور ہے وہاں یوں بیان فرمایا۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو؟ سو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ سو ابراہیم نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں، غرض قوت کے ساتھ چڑھے اور مارنے لگے۔ سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے، ابراہیم نے فرمایا کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ابراہیم کے لئے آتش خانہ تعمیر کرو پھر ان کو اس دہکتی آگ

میں ڈال دو۔ غرض ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برائی کرنا چاہی سو ہم نے ان کو نیچا دکھا دیا۔ سورہ صافات (ترجمہ آیت ۹۵ تا ۹۸)

معالم التنزیل میں مفسر سدی سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا ہر سال ایک میلہ لگتا تھا اس میں جمع ہوتے تھے پھر واپس آ کر اپنے بتوں کو سجدہ کر کے اپنے گھروں کو جاتے تھے، جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بت توڑے یہ ان لوگوں سے میلہ کا دن تھا جب یہ لوگ میلہ میں جانے کے لئے بستی سے باہر جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام کے والد نے کہا کہ اے ابراہیم تم بھی ہمارے ساتھ چل کر ہماری عید میں شریک ہو جاؤ تو مناسب ہوگا ممکن ہے کہ تمہیں ہمارا دین پسند آ جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھوڑی دور ساتھ چلے اور ستاروں پر ایک نظر ڈالی پھر فرمایا کہ میں تو مریض ہونے والا ہوں۔ (چونکہ وہ لوگ ستاروں کو مانتے تھے اس لئے ستاروں میں نظر ڈالنے کو ایک بہانہ بنا لیا) وہ لوگ تو میلہ میں چلے گئے اور وہاں اس خیال سے کھانا رکھ دیا واپس آنے تک یہ بت انہیں متبرک کر دیں گے پھر اس میں سے ہم کھا لیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کھانا رکھا دیکھا تو بطور استہزاء تمسخر فرمایا الا تاکلون (یا تم کھاتے نہیں) وہ تو بت تھے ان میں نہ روح نہ جان بولتے کہاں سے جب جواب نہ ملا تو فرمایا کہ مالکم لا تنطقون (تمہیں کیا ہوا کہ تم بولتے نہیں ہو) یہ بھی بطور تمسخر ہی تھا اس کے بعد کلہاڑا لے کر چلانا شروع کر دیا خوب قوت کے ساتھ کلہاڑا چلایا اور سارے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہاں ان میں سب سے بڑا بت تھا اس کو نہیں توڑا اور اس کی گردن میں کلہاڑا لٹکا دیا۔ لعلھم الیہ یرجعون یہ انہوں نے اس امید پر کیا کہ ممکن ہے وہ لوگ اپنے معبودوں کا عاجز ہونا دیکھ لیں تو ابراہیم علیہ السلام کی دین کی طرف رجوع کریں۔ بعض حضرات نے لعلھم کی ضمیر بڑے بت کی طرف راجع کی ہے اور آیت شریفہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ شاید وہ بڑے بت کی طرف رجوع کریں اور اس سے پوچھیں کہ ہمارے ان معبودوں کو کس نے توڑا، اور ممکن ہے کہ اس کے گلے میں کلہاڑا پڑا ہوا دیکھ کر اس سے یوں کہیں کہ ہو نہ ہو تو نے ہی یہ حرکت کی ہے۔ (معالم التنزیل صفحہ ۲۴۸ جلد ۳)

اب قوم کے آگے آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود کے پڑے ہیں ٹکڑے ٹکڑے ہیں، دیکھ کر بڑے سٹ پٹائے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ جس نے ایسا کیا ہے وہ تو کوئی ظالم ہی ہوگا۔ پھر ان میں سے بعض یوں بولے کہ ہاں یاد آ گیا اب جوان لڑکے ابراہیم کہہ کر بلایا جاتا ہے وہ ان کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا اس نے یوں کہا تھا کہ میں تمہارے پیچھے ان کی گت بنا دوں گا۔ اندازہ ہے کہ یہ کام اسی نے کیا ہے۔ کہنے لگے کہ اچھا اسے بلاؤ وہ سب لوگوں کے سامنے آئے اور لوگوں کے سامنے اقرار کر لے تو گواہ بن جائیں اور اس آدمی کو بھی پہچان لیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا گیا اور ان سے قوم کے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا نام کیوں لگاتے ہو جو ان سب سے بڑا ہے اس نے یہ سب کارستانی کی ہے اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آتا تو انہیں سے پوچھ لو کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا ہے؟ اگر وہ بولتے ہیں تو ان ہی سے دریافت کرنا چاہیے۔

یہ سن کر اول تو وہ لوگ ٹھٹھرے اور سوچ میں پڑ گئے اور پھر آپس میں کہنے لگے کہ تم ہی ظالم ہو یعنی ابراہیم علیہ السلام کی بات صحیح ہے ان بتوں کی عبادت کرنا ظلم کی بات ہے بھلا وہ کیسا معبود جو نہ بول سکے نہ بتا سکے۔ پھر شرمندگی کے مارے اپنے سروں کو جھکا لیا۔ لیکن شرک سے پھر بھی توبہ نہ کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں (یہ دعوت کا ایک طریق کار ہے کہ مخاطب سے بات کرتے کرتے اسے ایسے موقع پر لے آئیں کہ اس کی زبان سے خود اس کے اپنے مسلک اور اپنے دعویٰ کے خلاف کوئی بات نکل جائے) جب ان لوگوں کے منہ سے بے اختیار یہ بات نکل گئی کہ یہ بولتے نہیں ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً پکڑ لیا اور فرمایا کہ

افتعبدون من دون الله مالا ینفعکم شیئا ولا یضرکم (کیا تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے سکے نہ ضرر پہنچا سکے) مزید فرمایا اف لکم ولما تعبدون من دون الله افلا تعقلون (تف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں ہو)

جب وہ لوگ جواب سے عاجز ہو گئے اور کوئی بات نہ بنی تو کہنے لگے کہ اس شخص کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ (یہ بات بھی عجیب ہے کہ عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کی مدد کا دم بھر رہے ہیں اور اپنے معبودوں کا انتقام لے رہے ہیں۔ وہ کیسا معبود جو دوسروں کی مدد کا محتاج ہو) تین ترکین کی عقلوں پر پتھر پڑے ہوئے ہیں ایسی موٹی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی

صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے انہیں آگ میں جلانے کا فیصلہ کر لیا (جس میں نمرود بھی تھا) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گھر میں بند کر دیا اور آگ جلانے کے لئے ایک احاطہ بنایا پھر اس میں ایک مدت تک طرح طرح کی لکڑیاں ڈالتے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دشمنی میں پھر ایسی صورت حال بن گئی کہ جو شخص مریض ہو جاتا یہ نذر مان لیتا تھا کہ میں اچھا ہو جاؤں گا تو ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کروں گا۔ عورتیں اپنی محبوب چیزوں کے حصول کے لئے یوں نذر مانتی تھیں کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو آتش ابراہیم میں لکڑیاں ڈالوں گی، لوگ لکڑیاں خرید خرید کر اس میں ڈالتے تھے حد یہ ہے کہ جو کوئی عورت چرخہ کاتتی تھی وہ بھی اس کی آمدنی سے لکڑیاں خرید کر آتش ابراہیم علیہ السلام میں ڈال دیتی تھی، یہ لوگ ایک ماہ تک لکڑیاں جمع کرتے رہے۔ اس کے بعد ہر جانب آگ کا ایسا شعلہ نکلے، اور اس جگہ کی گرمی کا یہ حال تھا کہ جانور بھی وہاں سے گزرتا تھا تو اس کی گرمی کی شدت کی وجہ سے مر جاتا تھا جن لوگوں نے برابر ایک ہفتہ تک آگ جلائی۔ (ایک آدمی کو جلانے کے لئے اتنی آگ کی تو ضرورت نہ تھی لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو یہ ڈر تھا کہ ابراہیم نے اس آگ میں ڈالا اور نہ جلا تو ہماری ذلت ہوگی، لہٰذا اتنی آگ جلاؤ اور اتنے دن تک جلاؤ کہ اس کی سخت حرارت میں یہ شخص جل ہی جائے اور زندہ باسلامت بچنے کا احتمال نہ رہے)

آگ تو تیار ہو گئی لیکن اب سوال یہ تھا کہ اس آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈالیں کیسے؟ اس کے پاس تو پھینکنا بھی مشکل ہے چہ جائیکہ اس میں باقاعدہ ڈالنے کے لئے ایک دو منٹ ٹھہریں، ابلیس چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دشمنی میں آگے آگے رہتا تھا اور اب بھی اسلام کے دشمنوں کو سبق پڑھاتا رہتا ہے اس لئے اس موقع پر بھی حاضر ہو گیا اور اس نے سمجھایا کہ دیکھو کہ ایک منجنیق بناؤ (یہ ڈھیلے کی طرح کسی بھاری چیز کو اٹھانے اور پھینکنے کا آلہ تھا آج کل بمباری میں جو گرنیں استعمال کی جاتی ہے اسے دیکھنے سے منجنیق کی کچھ تقریبی صورت اور اس کا عمل سمجھ میں آ سکتا ہے) منجنیق تیار ہو گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق کے ذریعہ آگ میں ڈال دیا۔

جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا تو پانیوں پر مقرر فرشتہ حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ چاہیں تو میں آگ کو بجھا دوں اور ہواؤں پر مقرر فرشتہ حاضر ہوا اور کہنے لگا آپ چاہیں تو آگ کو ہواؤں میں اڑا دوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں اور یوں بھی کہا حسبی الله ونعم الوکیل (مجھے اللہ کافی ہے وہ بہترین کارساز ہے) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہیں آگ میں ڈال رہے تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے انہوں نے کہا کہ اے ابراہیم کوئی حاجت ہے؟ جواب میں فرمایا کہ مجھے تمہاری مدد کوئی ضرورت نہیں انہوں نے کہا اچھا تو اپنے رب ہی سے سوال کر لو فرمایا میرے رب کو میرا حال خوب معلوم ہے اس کے علم میں ہونا ہی کافی ہے چنانچہ انہوں نے تفویض سے کام لیا اور دعا تک نہ کی (فصلی الله علی خلیله وسلم) اللہ تعالیٰ کی

طرف سے آگ کو حکم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تابع ہے مخلوقات میں جو صفات ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے پیدا فرمانے سے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کو نہیں لگتے ہونے والے کہتے ہی میں نہیں کہتے۔ آگ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ٹھنڈی ہو جا بلکہ اور سلامتی والی بھی فرمایا تاکہ اس سے اتنی ٹھنڈی بھی نہ ہو جائے کہ ٹھنڈک کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہلاک ہو جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سات دن آگ میں رہے آگ نے ان پر کچھ بھی اثر نہ کیا۔ ہاں ان کے پاؤں میں جو بیڑیاں تھیں وہ جل گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں تھے کہ سایہ ڈالنے والا فرشتہ ان کے پاس پہنچا جو انہیں کی صورت میں تھا وہ انہیں مانوس کرتا رہا حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے ایک کرتہ اور ریشمی کرتہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے اتار کر آگ میں ڈالا گیا تھا) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انہیں کرتہ پہنایا اور نیچے قالین بچھایا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر وہیں باتیں کرنے لگے۔

نمرود اپنے محل میں سے بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا اس نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام باغیچہ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ ایک شخص بیٹھا ہوا باتیں کر رہا ہے آس پاس جو لکڑیاں ہیں انہیں آگ جلا رہی ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام صحیح سالم ہیں باتوں میں مشغول ہیں نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ فرمایا ہاں نکل سکتا ہوں یہ فرمایا اور اپنی جگہ سے روانہ ہوئے حتی کہ آگ سے باہر نکل آئے یہ دیکھ کر نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم تمہارا معبود تو بڑی قدرت والا ہے جس نے حکم دی آگ بھی پابند ہے میں تمہارے معبود کے لئے چار ہزار گائیں نذر کے طور پر ذبح کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک تو اپنے دین پر رہے گا اللہ تعالیٰ تجھ سے کچھ بھی قبول نہ فرمائے گا۔ تو اپنے دین کو چھوڑ دے اور میرا دین اختیار کر لے۔ نمرود نے کہا میں اپنے دین کو اور ملک کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ہاں بطور نذر کے چار ہزار گائیں ذبح کر دوں گا اس کے بعد نمرود نے چار ہزار گائیں ذبح کر دیئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف پہنچانے سے بھی باز آ گیا۔ (معالم التنزیل صفحہ ۲۵۱/۳۵۰ جلد ۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دشمنوں نے خوب آگ جلائی اور بہت زیادہ جلائی جس کے بارے میں سورۂ صافات میں فرمایا قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ (کہنے لگے کہ اس کے لئے ایک مکان بناؤ پھر اسے سخت جلنے والی آگ میں ڈال دو) اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے اوّل آگ جلانے کے لئے مستقل ایک مکان بنایا پھر بہت زیادہ آگ جلائی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈال دیا۔ لفظ الجحیم کے بارے میں قاموس میں لکھا ہے والجحیم النار الشدیدۃ الناحج وکل نار بعضھا فوق بعض کالجحمۃ ویضم وکل نار عظیمۃ فی مھواۃ والمکان الشدید الحر کالجاحم

پوری قوم میں نمرود اور اس کی حکومت میں شخص واحد سے نے سب سے بڑی بہت بڑی آگ میں ڈال کر جلانا چاہا مگر اپنے مقصد میں ناکام ہوئے اور ذلیل ہوئے اور انہیں نیا دین بنانا پڑا اسی کو سورۃ الانبیاء میں وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ سے اور سورۂ صافات میں فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ سے تعبیر فرمایا۔

ہم نے جو کچھ معالم التنزیل سے نقل کیا ہے اس میں بعض چیزیں تو وہی ہیں جو سیاق قرآن کے موافق ہیں ان سے قرآن مجید کے مفہوم کی تشریح ہوتی ہے اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو بظاہر اسرائیلیات سے منقول ہیں، چونکہ ان کے کسی حکم شرعی کا تعلق نہیں ہے اور کسی نص قرآنی کے معارض بھی نہیں ہیں اس لئے ان کو نقل کر دیا گیا ہے، کتب حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ مذکورہ سے متعلق جو چند روایات ملتی ہیں وہ ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

گرگٹ کی خباثت اور اس کے قتل کرنے میں اجر

حضرت مشریح نے روایت ہے کہ رسول اللہ نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم پر پھونک رہا تھا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۴۷۰ جلد ۲)

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو جب آگ میں ڈال دیا تو گرگٹ نے بھی اپنی خباثت کا جذبہ دکھایا، وہ بھی وہاں جا کر پھونکنے لگا، جہاں اتنی بڑی آگ جل رہی تھی وہاں اس کے پھونکنے نہ پھونکنے سے کیا ہو سکتا تھا" لیکن اس کی طبعی خباثت نے اس پر آمادہ کیا اور شیطان نے اسے استعمال کرنا چاہا، کیونکہ شر سے جتنی بھی دشمنی ہو سکے چونکہ نہیں ہے وہ فریق مقابل کو تکلیف پہنچانے کے لئے جو کچھ کر سکتا ہے اس سے باز نہیں رہتا، چونکہ گرگٹ خبیث چیز ہے رہا یا جانور ہے اس لئے آپ نے مارنے کا حکم فرمایا بلکہ اسے مارنے میں جلدی کرنے کی ترغیب دی، حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے گرگٹ کو پہلی ہی ضرب میں مار دیا اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے دوضربوں میں مارا اس کے لئے اس سے کم اور جس نے تیسری ضرب میں مارا اس کے لئے اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۳۶ جلد ۲)

حضرت ابراہیم کو قیامت کے دن سب سے پہلے کپڑے پہنائیں جائیں گے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم لوگ اس حال میں جمع کئے جاؤ گے کہ پاؤں میں جوتے اور جسموں پر کپڑے نہ ہوں گے اور غیر مختون بھی ہوں گے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم کو کپڑے پہنائے جائیں گے (رواہ البخاری) حضرت ابراہیم کو یہ جزوی فضیلت اس وجہ سے دی جائے گی کہ انہیں دشمنوں نے کپڑے اتار کر آگ میں ڈالا تھا۔ شراح حدیث نے یہ بات لکھی ہے۔ قال الحافظ فی الفتح صفحہ ۳۹۰ جلد ۶ ویقال ان الحکمۃ فی خصوصیۃ ابراھیم بذالک لکونہ القی فی النار عریانا وقیل لانہ اول من لبس السراویل

ثلاث کذبات اور ان کی تشریح اور حضرت ابراہیم کا قیامت کے دن شفاعت کبریٰ سے عذر فرما دینا

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیم نے کوئی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین باتوں کے دو باتیں تو ان میں سے تھیں جو اللہ کی ذات کے بارے میں تھیں (یعنی ان میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود تھی) ان میں سے ایک تو یہ تھی کہ انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ جانے سے انکار کرنے کے لئے یوں فرما دیا کہ انی سقیم (میں بیمار ہوں) اور دوسری بات یہ کہ (بتوں کو توڑ کر) فرمایا بل فعلہ کبیرھم (بلکہ ان کے بڑے نے ایسا کیا) اور تیسری بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ اپنی بیوی سارہ کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے ان کا ایک خادم بادشاہ پر گزر ہوا اس خادم بادشاہ کو کسی نے بتا دیا کہ یہاں ایک شخص ہے اس کے ساتھ بہت خوبصورت عورت ہے اس ظالم نے انہیں طلب کرنے کا حیلہ اختیار کرتے آدمی بھیجا جو آدمی قاصد بن کر آیا اس نے کہا کہ یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے، اس کے بعد حضرت ابراہیم سارہ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ اس خادم بادشاہ سے خطرہ ہے اگر اسے معلوم ہو گیا تو میری بیوی ہے تو تجھے اپنے پاس رکھ لے گا سو اگر تجھے اس کے پاس جانا پڑے اور سوال کرے تو کہہ دینا کہ تم میری بہن ہو ممکن ہے کہ وہ یہ بات سن کر تجھے چھوڑ دے اور بہن کہنا کوئی غلط بھی نہیں ہے کیونکہ تو میری دینی بہن ہے اس سرزمین میں میرے اور

تیسرے علاوہ کوئی مومن نہیں ہے اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو جبراً طلب کیا تو جا کر پہلی بار چلی گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز شروع کر دی جب سارہ اس ظالم بادشاہ کے پاس پہنچیں تو اس نے ہاتھ ڈالنا چاہا جوں ہی ہاتھ بڑھایا اس کے دورہ پڑ گیا اور پاؤں مارنے لگا اور حضرت سارہ سے درخواست کی کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دو میں تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ انہوں نے دعا کی تو وہ چھوٹ گیا لیکن پھر شرارت سوجھی اور دوبارہ ہاتھ بڑھایا اس مرتبہ پھر اسے دورہ پڑ گیا جیسے پہلی بار پڑا تھا یا اس سے بھی سخت تھا، پھر کہنے لگا کہ میرے لئے اللہ سے دعا کر دو میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا انہوں نے دعا کر دی تو وہ چھوٹ گیا اس کے بعد اس نے اپنے ایک دربان کو بلایا اور کہا کہ تو میرے پاس انسان کو نہیں لایا تو میرے پاس شیطان کو لے آیا اس کے بعد اس نے سارہ کو واپس کر دیا اور ان کے ساتھ ایک خادمہ بھی کر دی جن کا نام ہاجرہ تھا، سارہ واپس آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے نماز کی حالت میں ہاتھ کے اشارہ سے سوال کیا کیا ماجرا ہوا؟ سارہ نے بیان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کے مکر کو الٹا اسی پر ڈال دیا اور ایک ہاجرا نامی عورت کو خدمت کے لئے دے دی (رواہ البخاری ص ۴۷۰ ج ۱ و ص ۴۷۴ ج ۲) حدیث بالا میں ثلاث کذبات (تین جھوٹ) کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے اول تو یہ کہ جب قوم کے لوگوں نے اپنے ساتھ باہر جانے کو کہا تو فرما دیا کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ (بلاشبہ میں بیمار ہوں) پھر جب ان کے بتوں کو توڑ دیا اور انہوں نے کہا کہ اے ابراہیم کیا تم نے ان کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ تو فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ (بلکہ ان کے بڑے نے کیا ہے) ان دونوں باتوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں باتیں اللہ کے لئے تھیں کیونکہ اپنے کو بیمار بتانا کران کے ساتھ جانے سے رہ گئے اور پھر اسی پیچھے رہ جانے کو بتوں کے توڑنے کا ذریعہ بنالیا، اور اسی طرح بتوں کی عاجزی ظاہر کر کے معبود حقیقی کی توحید کی دعوت دے دی، تیسری بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو یہ سمجھا دیا کہ میں نے ظالم بادشاہ کے قاصد کو بتا دیا کہ تم میری بہن ہو تم سے بات ہو تو تم بھی یہی بتانا ممکن ہے کہ یہ بات سن کر یہ ظالم تمہیں چھوڑ دے، چونکہ مطلق بہن نسبی بہن کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے اسے جھوٹ میں شمار فرمایا۔ اگرچہ انہوں نے دینی بہن مراد لے لی تھی اور یہ بات اخی فی الاسلام کہہ کر انہیں بتا بھی دی تھی، اس بات کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے یوں نہیں فرمایا کہ یہ اللہ کی راہ میں تھی اور اس کے خلاف بھی نہیں فرمایا کیونکہ اس میں تھوڑا سا نفس کا حصہ بھی ہے اول تو یہ واقعہ سفر ہجرت کا ہے اور ہجرت اللہ کے لئے تھی پھر کسی بھی مومن عورت کو کافر سے بچانا بھی اجر و ثواب کا کام ہے۔ پھر اپنی مومن بیوی کی حفاظت کرنا جو عفت اور عصمت میں معاون ہے کیونکر ثواب کا کام نہ ہوگا اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح الباری (ص ۳۹۲ ج ۶) میں بحوالہ مسند احمد حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے جو تین باتیں کہیں (جو بظاہر کذب ہیں) ان کو انہوں نے اللہ کے دین کی حفاظت ہی کے واسطے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے اختیار کیا۔ حضرات علمائے حدیث نے فرمایا کہ یہ تین باتیں جنہیں جھوٹ سے تعبیر فرمایا ان میں بظاہر جھوٹ ہے لیکن چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور تعریض کے یہ باتیں کہیں تھیں۔ (جن میں ایسا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ انہیں جھوٹ نہ کہا جائے) اس لئے صریح جھوٹ بھی نہ تھیں مثلاً اِنِّیْ سَقِیْمٌ فرمایا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے ساتھ جانے کو میرا دل گوارا نہیں کرتا اس ناگواری کو بیماری سے تعبیہ فرمایا اگرچہ وہ لوگ جسمانی بیمار سمجھے اور بعض علماء نے یہ بھی فرمایا کہ لفظ سقیم صفت کا صیغہ ہے اس میں کسی زمانہ پر دلالت نہیں ہے لہٰذا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں، اسی طرح جب ان لوگوں نے بتوں کے بارے میں پوچھا تو یہ فرمایا ہی نہیں کہ میں نے نہیں توڑے ہاں یوں فرما دیا کہ ان کے بڑے نے توڑے ہیں اگر بڑے سے بڑا بت ہی مراد لیا جائے تو یہ بظاہر کذب ہے لیکن مقابل سے بات کرتے ہوئے اس کے منہ سے اپنے موافق کوئی بات اگلوانے کے لئے کوئی بات کہہ دی جائے جو علی سبیل الفرض والتقدیر ہو تو بھی تعریض

کے مشابہ ایک صورت بن جاتی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ بولتے ہوں تو سمجھو کہ یہ انکے بڑے نے کیا ہے اسکو معلق بالشرط کر دیا اور اسطرح تعلیق بالشرط جائز ہے اس میں کذب نہیں ہے۔

اب رہی بیوی کو بہن کہنے والی بات تو اس کی تاویل اس وقت انہوں نے خود ہی کر دی اور دینی بہن مراد لے کر جھوٹ سے بچ گئے اس سب کے باوجود جو تینوں باتوں کو کذب فرمایا یہ ان کے بلند مرتبے کے اعتبار سے ہے بڑوں کی بڑی باتیں ہیں گناہ تو ان باتوں میں ہے ہی نہیں کیونکہ یہ سب چیزیں بطور تاویل اور تعریض کی تھیں اور تمہیں بھی حق پر جمنے کے لئے اور حق کے پھیلانے کے لئے لیکن پھر بھی انہوں نے جو کچھ فرمایا، اسے کذب میں شمار کر لیا گیا (صحیح بخاری صفحہ ۴۷۰ جلد ۲) میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن جب سارے انسانوں کو شفاعت کی ضرورت ہوگی تو حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ ابراہیم خلیل الرحمن کے پاس جاؤ۔ جب ان کے پاس آئیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ میں شفاعت کرنے کے مقام پر نہیں ہوں اس موقع پر وہ اپنے ان کذبات کو یاد کریں گے جو ان سے دنیا میں سرزد ہوئے تھے۔ یہ انکار شفاعت بھی اس لئے ہوگا کہ ان سے جو مذکورہ تینوں باتیں صادر ہوئی تھیں ان کی وجہ سے اپنے کو لائق شفاعت نہیں سمجھیں گے۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کے سوا مشکل ہے

قال الحافظ الفتح (ثنتین منهن فی ذات الله) خصهما بذالک لان قصة سارة وان کانت ایضا فی ذات الله لکن تضمنت حظا لنفسه وندله بخلاف اثنین الاخیر تین فانها فی ذات الله محض وقد وقع فی روایة المذکورة ان ابراهیم لم یکذب قط الاثلث کذات وذلک فی ذات الله و فی حدیث ابن عباس عند احمد ولله ان حادل بهن لا عن دین الله

وقال ایضا واما اطلاقه الکذب علی الامور الثلاثة لکونه قال قولا یعتقده السامع کذبا لکنه اذا حقق لم یکن کذبا لانه من باب المعاریض المحتملة لا مریں لیس بکذب محض.

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاہ شرح مشکوٰۃ میں حدیث شفاعت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں والحق انها معاریض ولکن لما کانت صورتها صورة الکذب سماها اکاذیب واستنقص من نفسه لها فان من کان اعرف بالله واقرب منه منزلة کان اعظم خطرا واشد حشیة وعلی هذا القیاس سائر ما اضیف الی الانبیاء علیهم السلام من الخطایا، قال ابن الملک الکامل قد یؤاخذ بما هو عبادة فی حق غیره کما قیل حسنات الابرار سیئات المقربین. (یعنی حق بات یہ ہے کہ ان تینوں میں تعریض ہے (صریح جھوٹ نہیں ہے) لیکن چونکہ بظاہر جھوٹ کی صورت میں تھیں اس لئے جھوٹ سے تعبیر کر دیا اور اپنی ذات کو مرتبہ شفاعت سے کمتر سمجھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جس قدر بھی معرفت حاصل ہوگی اور جتنا زیادہ قرب حاصل ہوگا اسی قدر وہ اپنے بارے میں زیادہ خطرہ محسوس کرے گا اور اس میں بہت زیادہ خوف خشیت کا ظہور ہوگا دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف جو خطایا منسوب ہیں ان کو بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہیے ابن الملک نے فرمایا ہے کہ جو شخص کامل ہو بعض مرتبہ اس بات پر اس کا مؤاخذہ ہو جاتا ہے جو غیر کے حق میں عبادت کا درجہ رکھتی ہے)

فائدہ..... یہاں جو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا تھا اگر اسے قبضہ کرنا اور چھیننا ہی تھا تو کسی کی بیوی یا بہن ہونے سے کیا فرق پڑتا تھا ظالم جب ظلم پر تل جائے تو اسے مقصد برآری کے سوا کچھ نہیں سوجھتا لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے جو یہ فرمایا کہ تم یوں کہہ دینا کہ میں ان کی بہن ہوں اس بات کہنے اور سمجھانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر جب انہوں

نے بتا دیا کہ میں اس کی بہن ہوں تو اس نے پھر بھی ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی (یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہاتھ پاؤں کے دورہ میں مبتلا فرما دیا اور حضرت سارہ کی حفاظت فرمائی) اس سوال کو حل کرنے کے لئے مفسرین اور شراح حدیث نے کئی باتیں لکھی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ وہ ظالم بادشاہ گو ظالم تھا لیکن اپنے طور پر جس کسی مذہب کا پابند تھا اس میں کسی کی بہن کو اس کے بھائی کی موجودگی میں چھیننے کی اجازت نہیں تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کسی طرح یہ بات معلوم ہو گئی تھی اس لئے حضرت سارہ سے یہ فرما دیا کہ تم یہ کہہ دینا کہ میں ان کی بہن ہوں۔ لیکن اس ظالم نے جب اس کا حسن و جمال دیکھا تو دین و مذہب سب کو بالائے طاق رکھا اور حرکت بد کا ارادہ کر لیا ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں لگے ہوئے تھے ادھر حضرت سارہ نے بھی وہاں پہنچ کر نماز شروع کر دی۔

نیز حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے وہاں یہ دعا بھی کی **اللھم ان کنت تعلم انی اٰمنت بک وبرسولک واحصنت فرجی الاعلی زوجی فلا تسلط علی الکافر** (اے اللہ آپ کے علم میں ہے کہ میں آپ کے رسول پر ایمان لائی اور میں نے اپنی شرم کی جگہ کو اپنے شوہر کے علاوہ ہر کسی سے محفوظ رکھا لہٰذا آپ مجھ پر کافر کو مسلط نہ فرمایئے) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور کافر کے تسلط سے نجات دی۔ (فتح الباری)

اس ظالم بادشاہ نے شیطانی حرکت کا خود ارادہ کیا لیکن اپنے بعض درباریوں سے کہا کہ میرے پاس شیطان کو لے آئے ہو ہاتھ پاؤں کا دورہ پڑا تو اسے شیطان کی طرف منسوب کر دیا اور پاکباز عورت کو شیطان بنایا۔

زبانی طور پر تو اس نے حضرت سارہ کو شیطان بنا دیا لیکن ان کی نماز اور دعا سے متاثر ہو کر اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ یہ کوئی بڑی حیثیت والی خاتون ہے اس کی خدمت کے لئے ایک خادمہ دینی چاہیے چنانچہ اس نے ایک ہاجرنامی عورت ان کی خدمت کے لئے دے دی، وہ واپس ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئیں اور ہاجرنامی عورت کو بھی اپنے ساتھ لے آئیں یہ ہاجرنامی عورت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بنیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے فلسطین سے آئے اور اپنے چھوٹے بچے اسماعیل اور ان کی والدہ کو مکہ مکرمہ کی چٹیل زمین اور سنسان میدان میں چھوڑ دیا انہیں دو ماں بیٹے سے مکہ مکرمہ کی آبادی شروع ہوئی اور انہیں دونوں ماں بیٹے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی ایک شاخ چلی جنہیں بنو اسماعیل اور عرب کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوب ہی نوازا انہیں مشرکین کے درمیان ہوتے ہوئے داعی توحید بنایا دشمنوں نے آگ میں ڈال دیا تو اس سے صحیح سالم نکال دیا اور آتش نمرود کو گلزار ابراہیم بنا دیا اور انہیں اپنا دوست بنا لیا (کما فی سورۃ النساء واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً اور ان سے (بشمولیت اسماعیل علیہ السلام) کعبہ شریف تعمیر کرایا پھر ان سے حج کی ندا دلوائی اور انہیں ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا باپ بنایا، خاتم النبیین ﷺ بھی انہیں کی ذریت میں سے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہما السلام جب کعبہ شریف بنا رہے تھے اس وقت یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ مکہ کے رہنے والوں میں سے ایک رسول بھیج دینا آپ کی یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ ان دونوں کے نسل سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو پیدا فرمایا آپ کی نبوت کا ظہور مکہ مکرمہ میں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے عالم کے لئے تا قیامت ہادی اور داعی بنایا اور آپ پر نبوت ختم فرما دی اور آپ کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا ملت ابراہیم کی بہت سی چیزیں خاتم الانبیاء ﷺ کی شریعت کا جزو ہیں اور توحید تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا سب سے پہلا اور مرکزی نقطہ ہے ہی۔

وَ نَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ

اور ہم نے ابراہیم کو و لوط کو اس سرزمین کی طرف نجات دے دی جس میں ہم نے دنیا جہاں والوں کے لیے برکت رکھ دی ہے۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق

وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

اور یعقوب پوتا عطا کیا، اور ہم نے ان سب کو صالحین بنا دیا اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے

وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝

اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نماز کی پابندی کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کا مبارک سرزمین کی طرف ہجرت کرنا

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کے بیٹے تھے ان آیات میں ان دونوں کی ہجرت کا تذکرہ فرمایا ہے، دونوں اپنے علاقہ کو چھوڑ کر شام کے علاقہ فلسطین میں چلے گئے تھے بتوں کی سرزمین کو اور بتوں کو پوجنے والوں کو چھوڑ کر اس سرزمین کے لئے ہجرت کی جس میں اللہ تعالیٰ نے برکات رکھی ہیں اور یہ برکات دنیا جہاں والوں کے لئے ہیں، ان کے اس ہجرت کرنے کو نجات سے تعبیر فرمایا کیونکہ کافروں سے چھوٹ کر بابرکت سرزمین میں آکر آباد ہو گئے تھے، پھر فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو اسحٰق نامی بیٹا عطا کیا اور پھر اس بیٹے کا بیٹا یعقوب بھی دیا جو مزید انعام تھا اسی مزید انعام کی وجہ سے پوتے کو نافلہ سے تعبیر فرمایا، اور ان سب کو صالحین میں سے بنا دیا، سب اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلتے تھے اور اس کے اوامر کی پابندی کرتے تھے، چونکہ نبی تھے اور پیشوا تھے اس لئے دوسروں کو بھی اللہ کی توحید اور اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ نیک کام کریں نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں وہ ان کاموں میں لگے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشغولیت ان کا خصوصی امتیاز تھا جس کا انہیں اہتمام تھا اسی کو فرمایا و کانوا لنا عابدین۔

وَ لُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

اور ہم نے لوط کو حکم اور علم عطا کیا اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے برے کام کیا کرتے تھے بلاشبہ وہ لوگ

قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝ وَ اَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

بدذات تھے، بدکار تھے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام پر انعام، بدکار بستی سے نجات، اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہونا

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر کے شام میں آکر آباد ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا اور نبوت سے نوازا، شام میں چند بستیاں تھیں، جو اردن کے قریب تھیں ان کی طرف انہیں مبعوث فرمایا وہ لوگ بڑے بدکار تھے، مردوں اور لڑکوں سے شہوت رانی کرتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے برے اعمال میں مشغول رہتے تھے ایک گناہ دوسرے گناہ کی طرف دعوت دیتا ہے جب کوئی قوم مردوں سے شہوت رانی کے عمل کو اپنا اور اپنے رواج میں داخل کر لے تو اس کے بعد دوسرے برے اعمال کا ارتکاب

کرنا معمولی سی بات ہے، حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو بہت سمجھایا لیکن اپنی بدفعلیوں اور بری حرکتوں سے باز نہ آئے ان کی زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور ان پر پتھر برسا دیئے گئے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھ جو اہل ایمان تھے (جو ان کے گھر والے ہی تھے) ان کو اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی اور سب کافر ہلاک ہو گئے۔

ان ہلاک شدگان میں ان کی بیوی بھی تھی پورا قصہ سورہ اعراف اور سورہ ہود میں گزر چکا ہے۔ (انوار البیان جلد ۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل فرمالیا۔ یعنی ان بندوں میں شمار فرمایا جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ ہوا کرتی ہے۔ آخر میں فرمایا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے) قرآن مجید میں لفظ صالح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں بھی وارد ہوا ہے۔ صالحیت بہت بڑا مقام ہے اور اس کے بڑے مراتب ہیں سب سے بڑا مرتبہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے کیونکہ وہ معصوم ہوتے تھے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۚ ۝

اور نوح کو یاد کیجئے جب اس نے اس سے پہلے پکارا، سو ہم نے ان کی دعا قبول کی، پھر ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو بڑی بے چینی سے نجات دی۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان سے نجات دینے کے لئے ہم نے نوح کی مدد کی، بلاشبہ وہ برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا، اللہ تعالیٰ کی مدد اور قوم کی غرقابی

ان دونوں آیتوں میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے، جب انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی استغفار کی طرف بلایا اور ایک مدت دراز تک اس بارے میں اپنی جان کھپائی تو ان میں سے معدود چند افراد ہی مسلمان ہوئے اور باقی لوگ کہتے رہے کہ ہمیں تو حید اختیار نہیں کرنی ہمیں اپنے بتوں پر جمے رہنا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی معروض پیش کی اور عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (کہ اے پروردگار روئے زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑ) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، بہت بڑا طوفان آیا آسمان سے بھی پانی برسا اور زمین سے بھی پانی ابلا، حضرت نوح علیہ السلام اپنے اہل وعیال اور دیگر اہل ایمان کو لے کر کشتی میں سوار ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو طوفان سے نجات دی اور باقی ساری قوم غرق ہو گئی ان کا ایک بیٹا جو کافر تھا وہ بھی انہیں ڈبونے والوں میں شامل کر دیا گیا، ان کی بیوی بھی کافرہ تھی وہ بھی آتش دوزخ کی مستحق ہو گئی۔ سورۂ نوح میں فرمایا مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (اپنی خطاؤں کی وجہ سے وہ لوگ غرق کر دیئے گئے پھر آگ میں داخل کر دیئے گئے) حضرت نوح علیہ السلام کی نجات اور ان کی قوم کی بربادی کا واقعہ بھی سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں گزر چکا ہے اور سورۂ نوح میں بھی مذکور ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ اس میں کرب عظیم سے طوفان میں غرق ہونا بھی مراد ہو سکتا ہے اور قوم کی ایذائیں بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی پریشانی اور بے چینی سے ان کو نجات عطا فرمائی۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ

اور داؤد اور سلیمان کو یاد کرو جبکہ وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ دے رہے تھے جبکہ اس کو قوم کی بکریاں روند گئی تھیں، اور ہم ان کے فیصلہ کو

شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ

دیکھ رہے تھے۔ سو ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا، اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو

يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ

مسخر کر دیا اور پرندوں کو تسبیح میں مشغول رہتے تھے اور ہم کرنے والے تھے، اور ہم نے داؤد کو زرہ بنانے کی صنعت سکھائی تاکہ وہ تمہیں جنگ میں محفوظ رکھے۔

فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ

سو کیا تم شکر کرنے والے ہو اور سلیمان کیلئے تیز ہوا کو مسخر کر دیا جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں

بٰرَكْنَا فِيْهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ

ہم نے برکت رکھی ہے اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں اور شیاطین میں سے بعض ایسے تھے جو ان کے لئے غوطے لگاتے تھے اور اس کے علاوہ

عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور کام کرتے تھے اور ہم ان کی نگہبانی کرنے والے تھے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اکرام اور انعام کا تذکرہ فرمایا ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان پر فرمایا تھا۔ ان والد اللہ تعالیٰ نے علم اور حکمت سے نوازا اور طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرندے مسخر فرما دیئے جو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر فرمائی اور جنات کو ان کا تابع کر دیا۔

کھیت اور بکریوں کے مالکوں میں جھگڑا اور اس کا فیصلہ

شروع میں ایک جھگڑے کا اور اس جھگڑے کے فیصلے کا تذکرہ فرمایا جس کا واقعہ یوں ہے کہ دو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک شخص بکریوں والا اور دوسرا کھیتی والا تھا۔ کھیتی والے نے بکریوں والے پر یہ دعویٰ کیا کہ اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں گھس گئیں اور کھیت کو بالکل صاف کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ بکریوں والا اپنی ساری بکریاں کھیت والے کو دے دے۔ یہ دونوں مدعی اور مدعا علیہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت سے واپس ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارے مقدمہ کا فیصلہ ہوا؟ دونوں فریق نے بیان کر دیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اس مقدمہ کا فیصلہ میں کرتا تو فریقین کے لئے مفید اور نافع ہوتا پھر خود والد صاحب حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہی بات عرض کی، حضرت داؤد علیہ السلام نے تاکید کے ساتھ دریافت کیا کہ وہ کیا فیصلہ ہے؟ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ بکریاں تو صاحب کھیت والے کو دے دیں تاکہ وہ ان کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا رہے اور کھیت کی زمین بکریوں والے کے سپرد کر دیں۔ وہ اس میں کاشت کرے کھیت اگائے۔ جب یہ کھیت اس حالت پر آجائے جس پر بکریوں

نے کھایا تھا کھیت کھیت والے کو اور بکریاں بکریوں والے کو واپس کر دیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس فیصلہ کو پسند کیا اور فرمایا بس اب یہی فیصلہ رہنا چاہیے اور فریقین کو بلا کر یہ فیصلہ نافذ کر دیا اسی کو فرمایا فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (سو ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا) وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا) اس سے معلوم ہوا کہ فیصلے دونوں ہی کے درست تھے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں یعنی داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی خلاف شرع نہ تھا جس قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا۔ اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو بکریاں دلوائیں اور قانون کا یہی تقاضا تھا جس میں مدعی اور مدعیٰ علیہ کی رضا شرط نہیں مگر چونکہ اس میں بکریوں والوں کا بالکل ہی نقصان ہوتا تھا اس لئے سلیمان علیہ السلام نے بطور مصالحت کے دوسری صورت تجویز فرما دی جو باہم جانبین کی رضامندی پر موقوف تھی اور جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی کہ چند روز کے لئے بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں جو ان کے دودھ وغیرہ سے اپنا گزارہ کر لے اور بکری والے کو وہ کھیت سپرد کر دیا جائے جو بکریوں نے خراب کر دیا تھا وہ آبپاشی وغیرہ کرے جب کھیت پہلی حالت پر آجائے تو کھیت اور بکریاں ان کے اپنے اپنے مالکوں کو دے دی جائیں کذا فی الدر المنثور عن ابن مسعود و مسروق و ابن عباس و مجاہد و قتادہ و الزہری (صفحہ ۳۲۴ جلد ۴)

اس سے معلوم ہو گیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں کہ ایک کی صحت دوسرے کی عدم صحت کو مقتضی ہو۔ اسی لئے وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا بڑھا دیا۔ انتہی حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں آپس میں باپ بیٹے تھے۔

حضرت محمد ﷺ کا فیصلہ

حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریوں کے کھیتی خراب کرنے پر جو فیصلہ دیا ان کا یہ فیصلہ اجتہاد سے تھا اور بالآخر حضرت سلیمان علیہ السلام کے صلح کرا دینے سے حل ہو گیا۔ حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ مروی ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک اونٹنی بعض لوگوں کے باغ میں داخل ہو گئی اور ان کا باغ خراب کر دیا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کر دیا کہ اہل جانور جو زخمی کر دے اس کا کوئی ضمان نہیں اہل اموال پر لازم ہے کہ دن میں اپنے اموال کی حفاظت کریں اور اہل مواشی پر لازم ہے کہ رات کو انہیں محفوظ رکھیں اور یہ کہ رات کو جو جانور کوئی نقصان کر دے جانوروں کے مالک اس کے ذمہ دار ہوں گے (رواہ ابوداؤد فی آخر کتاب البیوع و ابن ماجہ فی ابواب الاحکام) اور ایک حدیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ العجماء جرحها جبار۔ (رواہ البخاری) حضرات ائمہ کرام کے مذاہب معلوم کرنے کے لئے شرح حدیث اور کتب فقہ کی مراجعت کی جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک اور واقعہ

صحیح بخاری میں اس طرح مروی ہے کہ دو عورتیں کسی جگہ موجود تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اپنا اپنا ایک بیٹا بھی تھا۔ بھیڑیا جو آیا تو ایک کے لڑکے کو لیکر چلا گیا۔ ان میں سے ہر ایک دوسری سے یوں کہنے لگی کہ بھیڑیا تیرے بیٹے کو لے گیا اور یہ جو موجود ہے یہ میرا بیٹا ہے اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے (اپنے طور پر غور و خوض اور اجتہاد کر کے) بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا، واپس ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام پر گزریں اور انہیں پورے واقعہ کی خبر دی انہوں نے فرمایا چھری لے آؤ میں اس لڑکے کو کاٹ کر تم دونوں کو آدھا آدھا دے دیتا ہوں یہ سن کر چھوٹی عمر والی عورت کہنے لگی اللہ آپ پر رحم کرے ایسا نہ کیجئے۔ (میں اپنا دعویٰ واپس لیتی ہوں) میں تسلیم کرتی ہوں کہ وہ اسی کا لڑکا ہے۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دے دیا کہ وہ لڑکا چھوٹی ہی کا ہے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۴۸۷) یہ کھیتی اور بکریوں والوں کا فیصلہ اور ان دو عورتوں کا فیصلہ جو حضرت داؤد علیہ السلام نے دیا تھا یہ دونوں وحی سے نہیں

تھے۔ اجتہاد کے طور پر تھے اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے دوسرا فیصلہ دے دیا جسے حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی تسلیم فرما لیا۔ اس آخری قصہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ کو چھری سے کاٹنے والی جو بات کی یہ ایک تدبیر تھی جس سے انہوں نے حقیقت حال تک پہنچنے کا راستہ نکال لیا جب یہ فرمایا کہ یہ چھری لاؤ میں اسے کاٹ کر آدھا آدھا کر دیتا ہوں تو بڑی خاموش رہ گئی اور چھوٹی گھبرا گئی اور اس نے کہا کہ میں یہ مانتی ہوں کہ یہ اسی کا لڑکا ہے۔ اس کے تڑپنے سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یہ اسی کا بچہ ہے اگر بڑی کا بچہ ہوتا تو وہ تڑپ اٹھتی۔ لیکن وہ چپکے کھڑی رہی جس سے معلوم ہوا کہ یہ بچہ چھوٹی کا ہے۔ لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی کے بارے میں فیصلہ فرما دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا اقتدار، پہاڑوں اور پرندوں کا ان کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہونا

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں آپس میں باپ بیٹے تھے۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور مال و دولت سے بھی اور اقتدار سے بھی، حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور شریف بھی عطا فرمائی تھی۔ سورۂ ص میں ان کے ایک فیصلہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا اور اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنا دیا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی) سورۂ نمل میں فرمایا وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ (اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریف کا اللہ تعالیٰ ہی مستحق ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مؤمن بندوں میں فضیلت دی اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا اے لوگو ہمیں جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز میں سے دیا گیا ہے بلاشبہ یہ کھلا ہوا فضل ہے)

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بھی بخشا تھا کہ پہاڑوں کو اور جانوروں کو مسخر فرما دیا تھا جو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔ جس کا یہاں سورۂ انبیاء میں تذکرہ فرمایا ہے اور سورۂ سبا میں اور سورۂ ص میں بھی مذکور ہے۔ سورۂ سبا میں فرمایا وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ (اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی اے پہاڑ داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا اور ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا) اور سورہ ص میں فرمایا اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ (ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی، جو جمع ہو جاتے تھے سب ان کی وجہ سے مشغول ذکر رہتے)

احادیث شریف سے ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بڑے خوش آواز تھے اول تو ان کی خوش آوازی پھر اللہ کی تسبیح اور مزید اللہ تعالیٰ کا حکم سب باتیں مل کر حضرت داؤد علیہ السلام کے زبور پڑھتے وقت اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے وقت عجیب سماں بندھ جاتا تھا۔ اڑتے ہوئے پرندے وہیں ٹھہر جاتے تھے اور تسبیح میں مشغول ہو جاتے تھے اور پہاڑوں سے بھی تسبیح کی آواز نکلتی تھی۔ اس میں خوش آوازی کی کشش بھی تھی اور معجزہ بھی تھا۔ سورۂ بقرہ کی آیت وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ کی تفسیر میں ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ جن چیزوں کو ہم جمادات اور بے جان سمجھتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔ ہم سے چونکہ وہ بات نہیں کرتے اور جان دار چیزوں کی طرح پیش نہیں آتے اس لئے ہم انہیں محروم سمجھتے ہیں لیکن ان کا اپنے خالق و مالک سے جو تعلق ہے وہ ادراک اور شعور والا تعلق ہے۔ وہ سب اللہ

کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے تو انہیں بولنے کی قوت بھی دے دی جاتی ہے۔

زرہ بنانے کی صفت

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ جل شانہٗ نے ایک اور امتیازی انعام سے نوازا تھا اور وہ یہ کہ اللہ جل شانہٗ نے انہیں زرہ بنانا سکھایا تھا، پہلے زمانہ میں تلواروں سے جنگ ہوتی تھی تو مقابل کے حملہ سے بچنے کے لئے خود اور زرہ اور ڈھال استعمال کرتے تھے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال لے کر دشمن سے لڑتے تھے اور لوہے کی زرہ پہن لیتے تھے یہ ایک قسم کا کرتہ ہوتا تھا جو لوہے سے بنایا جاتا تھا اگر کوئی شخص تلوار کا وار کرتا تھا تو سر خود کے ذریعہ اور سینہ اور کمر زرہ کے ذریعہ کٹنے سے بچ جاتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے جو زرہیں بنائی جاتی تھیں وہ لوہے کی تختیاں ہوتی تھیں جنہیں کمر اور سینہ پر باندھ لیتے تھے۔ سب سے پہلے زرہ بنانے والے حضرت داؤد علیہ السلام ہیں یہاں سورۃ الانبیاء میں فرمایا وعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ (اور ہم نے انہیں زرہ کی صنعت سکھادی۔ جو تمہارے لئے نفع مند ہے لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ (تاکہ وہ تمہیں ایک دوسرے کی زد سے بچائے) اور سورۂ سبا میں فرمایا وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (اور ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور جوڑنے میں اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کیا کرو بلاشبہ میں تمہارے سب اعمال کو دیکھنے والا ہوں) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے جو نرم فرما دیا وہ اپنی انگلیوں سے لوہے کا تار بنا لیتے تھے پھر ان کے حلقے بناتے تھے اور ان حلقوں کو جوڑ کر زرہ بنا لیتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام روزانہ ایک زرہ بنا لیتے تھے اور اسے چھ ہزار درہم میں فروخت کر دیتے تھے جن میں دو ہزار اپنے اور اہل و عیال کی ضرورت کے لئے خرچ کرتے تھے اور چار ہزار درہم بنی اسرائیل کو خیر الخواری یعنی میدہ کی روٹی کھلانے پر خرچ فرماتے تھے (صفحہ ۵۲ جلد ۳)

حضرت داؤد علیہ السلام کے جو دو فیصلے اوپر مذکور ہوئے جن کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے دوسرے فیصلے دیئے ان سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی قاضی نے اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کر دیا پھر اس کے خلاف خود اس کے اپنے اجتہاد سے یا کسی دوسرے حاکم یا عالم کے بتانے سے معلوم ہو جائے کہ فیصلہ غلط ہوا ہے تو اپنا فیصلہ واپس لے کر دوسرا صحیح فیصلہ نافذ کر دے یہ اجتہاد کی شرط بھی اس سے اگالی گئی کہ نصوص قطعیہ کے خلاف فیصلہ حرام ہے اور نصوص شرعیہ کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرنا بھی حرام ہے۔ امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک خط نقل کیا ہے جو امور قضاۃ سے متعلق ہے وہ خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے جو حکام اور قضاۃ کے لئے ایک دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔

عن سعید بن ابی بردة واحرج الکتاب فقال هذا کتاب عمر ، ثم قرئ علی سفیان من ههنا الی ابی موسی الاشعری ، اما بعد فان القضاء فریضة محکمة وسنة متبعة فافهم اذا ادلی الیک فانه لا ینفع تکلم بحق لا نفاذ له اس بین الناس فی مجلسک ووجهک وعدلک حتی لا یطمع شریف فی حیفک ولا یحاف ضعیف جورک۔ البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر ، الصالح جائز بین المسلمین ، الا صلحا احل حراما او حرم حلالا ، لا یمنعک قضاء قضیته بالامس راجعت فیه نفسک وهدیت فیه لرشدک ان تراجع الحق فان الحق قدیم ، وان الحق لا یبطله شئ ومراجعة الحق خیر من التمادی فی الباطل ، الفهم الفهم فیما یختلج فی صدرک مما لم یبلغک فی القرآن والسنة اعرف الامثال والاشباه ، ثم قس الامور عند ذلک فاعمد الی احبها الی الله ، واشبهها بالحق فیما تری ، واجعل للمدعی امدا ینتهی الیه ، فان احضر بینة والا وجهت علیه القضاء فان ذلک

اجلی للعمی ، وابلغ فی العذر ، المسلمون عدول بینهم بعضهم علی بعض ، الامحلودا فی حد او مجربا فی شهادة زور ، او ظنینا فی ولا او قرابة فان الله تولی منکم السرائر ، ودراعکم بالبینات ، ثم ایاک والضجر والقلق والتادی بالناس ، والتنکر للخصوم فی مواطن الحق التی یوجب الله بها الاجر ویحسن بها الذکر ، فانه من یخلص بینة فیما بینه وبین الله یکفله الله ما بینه و بین الناس ، ومن تزین للناس بما یعلم الله منه غیر ذٰلک شانه الله)

۲۔ یہ خط امام دار قطنی نے کتاب الاقضیۃ والاحکام میں نقل کیا ہے افادہ للطلبہ اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے حضرت سعید بن ابی بردہ نے ایک خط نکال اور بیان کیا کہ یہ خط عمر رضی اللہ عنہ کا ہے جو انہوں نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا۔

امابعد..... جان لینا چاہیے کہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرنا ایک محکم فریضہ ہے اور ایک ایسا طریقہ ہے جسے اختیار کرنا ضروری ہے سو تم یہ سمجھ لو کہ جب تمہارے پاس مقدمہ کوئی لے کر آئے (تو جو حق فیصلہ ہو وہ نافذ کردو۔ کیونکہ وہ حق بات فائدہ نہیں دیتی جسے نافذ نہ کیا جائے، اپنی مجلس میں اور اپنے سامنے بٹھانے میں اور انصاف کرنے میں لوگوں کے درمیان برابری رکھو تاکہ کوئی صاحب وجاہت یہ لالچ نہ کرے کہ اس کی وجہ سے وہ میرے پر ظلم کردیں گے اور کوئی کمزور اس بات سے خائف نہ ہو کہ اس پر ظلم کردوں گا گواہ مدعی پر ہیں اور قسم منکر پر ہے مسلمانوں کے درمیان صلح [illegible] جائز ہے بشرطیکہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کردے [illegible] کوئی فیصلہ کرچکے ہو۔

اور اس کے بعد حق بات سمجھ میں آئی تو حق کی طرف رجوع کرنے سے تمہارا سابق فیصلہ مانع نہ بن جائے یہ یقینی حق اصل چیز ہے۔ حق کوئی چیز باطل نہیں کرسکتی۔ حق کی طرف رجوع کرنا باطل پر چلتے رہنے سے بہتر ہے جو چیز تمہارے سینہ میں کھٹکے اور خوب سمجھنے کی کوشش کرو اور ایسی چیزوں سے ہونے کے بارے میں قرآن وحدیث میں سے کوئی بات نہیں پہنچی (اگر قرآن وحدیث کی بات موجود ہو پھر اسی پر عمل کرنا لازم ہے) امثال واشباہ کو سمجھو پھر ان پر دوسری چیزوں کو قیاس کرو اور ان میں جو چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اور جو تمہارے نزدیک سب سے زیادہ حق کے مشابہ ہو اس کے مطابق فیصلہ کرنا اور مدعی کے لئے ایک مدت مقرر کردو جس میں وہ اپنے گواہ لے کر آئے اگر گواہ حاضر کردے تو قانون کے مطابق فیصلہ کردو اگر وہ گواہ نہ لائے تو اس کے خلاف فیصلہ دے دو۔ گواہ لانے کے لئے مدت مقرر کرنا یہ معلوم حقیقت کو زیادہ واضح کرنے والی چیز ہے اور اس میں صاحب عذر کو اچھا تک پہنچانے کا اچھا ذریعہ ہے۔ مسلمان آپس میں عدول ہیں ایک کی گواہی کے بارے میں بتوں کی جاسکتی ہے۔ لیکن جسے حد قذف کی وجہ سے (یعنی تہمت لگانے پر) کوڑے لگائے ہوں یا جس کے بارے میں تجربہ ہو کہ وہ جھوٹی گواہی بھی دیتا ہے یا کسی رشتہ داری کے معاملہ میں وہ متہم ہے (یعنی رشتہ داری کی رعایت کر کے جھوٹی گواہی دیتا ہے) تو ایسے لوگوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ شانہٗ سب کی پوشیدہ باتیں اور پوشیدہ ارادے جانتا ہے (وہ اس کے مطابق فیصلے کرے گا اور اس دنیا میں مخلوق کے درمیان گواہوں پر فیصلے رکھ دیئے ہیں) گواہ جھگڑوں کو ختم کرنے والے ہیں اور لوگوں کے آنے سے تنگ دل مت ہونا تکلیف محسوس نہ کرنا اور پریشان نہ ہونا، جو لوگ فیصلے کرانے کے لئے آئیں ان سے الگ ہو کر مت بیٹھ جانا ان کے فیصلے حق کے موافق کرنا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ ثواب دیتا ہے اور لوگ اچھائی سے یاد کرتے ہیں جس کی نیت اللہ کے اور اس کے اپنے درمیان خالص ہو اللہ تعالیٰ ان مشکلات کی کفایت فرماتے ہیں جو لوگوں کے تعلقات کی وجہ سے پیش آتی ہیں اور جو شخص ظاہری طور پر اچھا بنے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ایسا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ظاہر فرمادیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کی تسخیر

ولسلیمان الریح عاصفة (الایۃ) ان دونوں آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا اقتدار بیان فرمایا ان کی حکومت نصف

سعید بن ابی بردہ حضرت [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible]

انسانوں پر تھی بلکہ ہوا اور جنات بھی ان کے تابع تھے۔ سورہ ص میں فرمایا قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ۝ وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۝ وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ.

سلیمان نے دعا مانگی اے میرے رب میرا قصور معاف فرما اور مجھ کو ایسی سلطنت دے جو میرے بعد میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو آپ بڑے دینے والے ہیں۔ سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کا تابع کر دیا، یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور غوطہ خوروں کو بھی اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو یہ دعا کی تھی کہ اے رب مجھے ایسی حکومت عطا فرمایئے جو میرے بعد اور کسی کو نہ دی جائے ان کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی انہیں جنات پر بھی اقتدار دے دیا اور ہوا بھی ان کے لئے مسخر فرما دی جو خوب تیزی سے چلتی تھی جو انہیں اور ان کے لشکروں کو ذرا سی دیر میں دور دراز مسافت پر پہنچا دیتی تھی اور ان کے حکم کے مطابق چلتی تھی کبھی خوب تیز جسے سورۃ الانبیاء میں عاصفۃ سے تعبیر فرمایا اور کبھی آہستہ سورہ ص میں رخاء سے تعبیر فرمایا۔ اس کی تیز رفتاری کے بارے میں سورۂ سبا میں غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ فرمایا ہے۔ جب آپ کو کہیں جانا ہوتا تو ہوا آپ کو اور آپ کے لشکر کو (جو انسانوں اور جنات اور پرندوں پر مشتمل ہوتا تھا) آپ کے حکم کے مطابق اسی منزل پر پہنچا دیتی تھی جہاں جانا ہوتا تھا۔ آپ شیاطین سے بھی کام لیتے تھے شیاطین کو سزا بھی دیتے تھے اور انہیں زنجیروں میں باندھ کر بھی ڈالتے تھے جس پروہ چوں بھی نہیں کر سکتے تھے جنات سے وہ سمندروں میں غوطہ لگانے کا کام بھی لیتے تھے وہ ان کے حکم سے غوطے لگاتے تھے اور سمندر سے قیمتی چیزیں نکال کر لاتے تھے اور ان سے مکانات بھی تعمیر کراتے تھے۔ جیسا کہ سورۂ ص میں فرمایا وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ اور دیگر کاموں میں بھی استعمال کرتے تھے جس کا ذکر سورۂ سبا میں فرمایا ہے یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (وہ جنات ان کے لئے وہ چیزیں بناتے ہیں جو ان کو منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن جیسے حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں)

رسول اللہ ﷺ کا شیطان کو پکڑ لینا

ایک مرتبہ ایک سرکش جن کہیں سے چھوٹ کر آ گیا رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس جن نے کوشش کی کہ آپ کی نماز تڑوا دے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قابو دے دیا آپ نے اس کا گلا گھونٹ دیا پھر صبح آپ نے صحابۂ کرام کو اس کا یہ قصہ بتایا اور فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح ہو کر تم سب اسے دیکھو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آ گئی انہوں نے یہ دعا کی تھی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ (لہٰذا میں نے اسے چھوڑ دیا) سو اللہ نے اسے ذلیل کر کے واپس لوٹا دیا یہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے (راجع صحیح البخاری وصحیح مسلم) اور حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت میں یوں ہے کہ اللہ کا دشمن ابلیس ایک شعلہ لے کر آیا تاکہ میرے چہرہ پر ڈالے میں نے تین مرتبہ اعوذ باللہ منک کہا تین بار العنک بلعنۃ اللہ التامۃ کہا وہ اس پر نہ ہٹا تو میں نے چاہا کہ اسے پکڑ لوں۔ اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو میں اسے باندھ لیتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ صبح تک باندھا رہتا اور اس سے مدینہ کے بچے کھیلتے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۰۵ جلد ۱)

سانپوں کو حضرت نوح اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا عہد یاد دلانا

سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں سانپ دیکھو تو کہو انا نسئلک بعھد نوح و بعھد

سلیمان بن داؤد ان لا تؤذینا (ہم تجھے وہ عہد یاد دلاتے ہیں جو تو نے نوح اور سلیمان بن داؤد علیہم السلام سے کیا تھا کہ تو ہمیں تکلیف نہ دے) پھر اس کے بعد بھی ظاہر ہو جائے تو اسے قتل کر دو اور جب انسانوں پر اور جنات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی تو ظاہر ہے کہ ہر طرح کے جانوروں پر بھی تھی ان میں زہریلے جانور بھی تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سانپوں کا زہر اتارنے کے الفاظ کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر پیش کرو چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ اس معاہدہ کے الفاظ ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے زہریلے جانوروں سے لیا تھا الفاظ یہ ہیں بسم اللہ شجۃ قرنیۃ ملحۃ بحر قفطا (الدر المنثور صفحہ ۳۲۷ جلد ۴)

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۚ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا

اور ایوب کو یاد کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں سو ہم نے ان کی

لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

دعا قبول کی اور انکی جو تکلیف تھی وہ دور کر دی ہم نے انکا کنبہ عطا فرما دیا اور ان کیساتھ انکے برابر اور بھی دیا اپنی رحمت خاصہ کی وجہ سے، عبادت کرنے والوں

وَ ذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾

کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت اور اس سے نجات کا تذکرہ

ان دو آیتوں میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کا پھر ان کے دعا کرنے کا اور دعا قبول ہونے کا اور آل اولاد کے جدا ہونے کے بعد دو گنا ہو کر مل جانے کا اجمالی تذکرہ ہے سورۂ ص میں ان کی تکلیف اور دعا اور شفایاب ہونا مذکور ہے۔ قرآن مجید میں دونوں جگہ اجمال ہے اور اس کا ذکر نہیں ہے کہ کیا تکلیف تھی اور کیسی مصیبت تھی اور کتنے دن تک رہی اور کسی صحیح صریح مرفوع حدیث میں بھی اس کی کوئی تفسیر نہیں ملتی، البتہ قرآن مجید کے سیاق سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بہت زیادہ تکلیف تھی اور عام طور پر جو انبیاء اور صالحین کا ابتلا ہوتا تھا اس سے زیادہ ہی ابتلا تھا اور ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ آل اولاد سب مفقود ہو کر یا ہلاک ہو کر جدا ہو گئے تھے۔ اس بارے میں عام طور پر جو روایات ملتی ہیں عموماً اسرائیلی روایات ہیں جو تفسیر درمنثور میں مذکور ہیں۔ قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ایوب علیہ السلام کے دعا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت و عافیت عطا فرما دی اور یہ محض اللہ کی رحمت سے تھا۔ ان میں آئندہ آنے والے عبادت گزاروں کے لئے بھی ایک یادگار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کا ابتلا یا کسی کی کتنی ہی بڑی مصیبت ہو اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے اور مصیبت کو دور فرما دیتا ہے۔ یہ جو فرمایا کہ ہم نے ان کا کنبہ واپس کر دیا اور ان جیسے اور بھی دے دیئے اس کے بارے میں مفسرین نے دونوں احتمال لکھے ہیں کہ صحت و عافیت کے بعد یا تو ان کو اتنی گمشدہ اولاد واپس کر دی گئی جو ان سے جدا ہو گئی تھی اور اگر وہ وفات پا گئے تھے تو اتنے ہی ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے اور پیدا فرما دیئے اور مثلھم معھم بھی ساتھ فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی سابق اولاد تھی اتنی ہی مزید اولاد اس کی اپنی صلب سے یا ان کی اولاد کی صلب سے عطا فرما دی۔ یہاں پر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ ص کی تفسیر میں لکھیں گے البتہ اتنی بات یہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اسرائیلی روایات میں جو مذکور ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم پر کیڑے پڑ گئے تھے یا یہ

کہ کئی برس کوڑی پر پڑے رہے یہ بات دل کو نہیں لگتی کیونکہ اس حالت میں دعوت و تبلیغ کا کام جاری نہیں رہ سکتا اور عامۃ الناس قریب نہیں آسکتے اس لئے یہ بات لائق قبول نہیں ہے پھر بیماری تو غیر اختیاری تھی کوڑی پر پڑے رہنے کو اختیار فرمانا تو حضرات انبیاء علیہم السلام کی طہارت اور نظافت طبع کے بھی خلاف ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ

اور اسماعیل کو اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کرو یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا

اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے۔

حضرت اسمٰعیل و حضرت ادریس و حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ

ان آیات میں حضرت اسماعیل حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا اور یہ فرمایا کہ یہ سب صابرین میں سے تھے حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کا تذکرہ سورہ مریم میں گزر چکا ہے اور حضرت ذوالکفل کا نام یہاں قرآن مجید میں پہلی بار آیا اور سورۂ ص میں بھی حضرت ذوالکفل کا تذکرہ ہے وہاں فرمایا واذکر اسماعیل والیسع وذالکفل وکل من الاخیار (اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب اچھے لوگوں میں سے ہیں) حضرت الیسع کا ذکر سورۂ انعام میں گزر چکا ہے یہاں حضرت ذوالکفل کے بارے میں لکھا جاتا ہے۔ احادیث مرفوعہ میں ان کے بارے میں بھی واضح معلومات نہیں ملتی ہیں، اسی لئے ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا انبیاء کے علاوہ صالحین میں سے تھے۔

حضرت ذوالکفل کون تھے؟

تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ و حضرت مجاہدؒ وغیرہما سے کچھ باتیں نقل کی ہیں بظاہر یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی تھے۔ انہوں نے اپنی امت کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو میری امت کے درمیان فیصلے کرنے (یعنی قاضی بننے) کی ذمہ داری لیتا ہے اور میری شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ عہدہ قبول کرے وہ غصہ نہ ہو، ان میں سے ایک جوان کھڑا ہوا اس نے کہا کہ میں اس کا ذمہ دار بنتا ہوں، تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوا جب تین مرتبہ اس جوان نے ذمہ داری لے لی تو اس سے قسم کھلوائی اس نوجوان نے قسم کھالی اور اس کو قضا کا عہدہ سپرد کر دیا گیا، ایک دن دوپہر کے وقت شیطان آیا جبکہ یہ نوجوان قاضی نیند میں تھے اس نے انہیں آواز دے کر جگا دیا اور ان سے کہا کہ فلاں شخص نے مجھ پر زیادتی کی ہے میری مدد کیجئے اس کا ہاتھ پکڑ کر چل دیئے تھوڑی دیر چلے کہ شیطان اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ گیا۔ چونکہ شیطان بے وقت مدعی بن آیا اور ان کو سوتے سے جگایا پھر بھی غصہ نہ ہوئے اور جو ذمہ داری لی تھی اس پر قائم رہے اس لئے ان کا نام ذوالکفل رکھ دیا گیا یعنی ذمہ داری والا شخص۔ اس کو نقل کرنے کے بعد صاحب درمنثور نے بحوالہ عبدالرزاق و عبد بن حمید وغیرہما نقل کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ ذوالکفل نبی نہیں تھے لیکن بنی اسرائیل میں ایک صالح آدمی تھے جو روزانہ دن بھر نماز پڑھتے تھے جب ان کی وفات ہوگئی تو ان کے بعد ایک اور شخص نے اسی طرح دن بھر نماز پڑھنے کا عہد کیا چنانچہ وہ اس پر عمل کرتے تھے اس وجہ سے ان کا نام ذوالکفل (ذمہ داری والا شخص) رکھ دیا گیا۔

اس سلسلہ میں مفسرین نے سنن ترمذی سے بھی ایک حدیث نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ذوالکفل بنی اسرائیل میں سے ایک شخص تھا جو کسی بھی گناہ سے پرہیز نہیں کرتا تھا اس کے پاس ایک عورت آئی اس نے اس عورت کو اس شرط پر ساٹھ دینار دیئے کہ اس کے ساتھ برا کام کرے، جب وہ اس کے اوپر بیٹھ گیا تو وہ عورت کانپنے لگی اور رونے لگی وہ کہنے لگا تو کیوں روتی ہے میں نے تجھ سے کوئی زبردستی تو نہیں کی، وہ کہنے لگی یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن یہ ایسا کام ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا ضرورت نے مجبور کیا اس لئے میں اس پر آمادہ ہوگئی۔ اس پر اس نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے؟ یہ ساٹھ دینار بھی اور وہ ساٹھ دینار بھی اسی کو دے دیئے اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم اس کے بعد میں کبھی نافرمانی نہیں کروں گا پھر اسی آنے والی رات میں مر گیا صبح کو اس کے دروازہ پر یوں لکھا ہوا تھا کہ بلاشبہ اللہ نے کفل کو بخش دیا۔ امام ترمذی نے یہ واقعہ ابواب صفۃ القیامۃ میں نقل فرمایا ہے اور اس کو حدیث حسن بتایا ہے۔ لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ یہ اسی شخص کا واقعہ ہو جس کو قرآن مجید نے ذوالکفل بتایا ہے اور اگر اسی شخص کا واقعہ ہو تو پھر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ ذوالکفل نبی نہیں تھے چونکہ انبیاء کرام نبوت سے پہلے بھی کبائر سے محفوظ ہوتے ہیں پھر مزید بات یہ ہے کہ حدیث شریف میں الکفل ہے ذوالکفل نہیں ہے، غلطی مشابہت کی وجہ سے مفسرین نے اس قصہ کو یہاں نقل کر دیا۔

وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى

اور مچھلی والے کو یاد کرو جبکہ وہ غصہ ہو کر چل دیئے سو انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان کے ساتھ تنگی والا معاملہ نہ کریں گے، سو انہوں نے اندھیروں میں

الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ

یوں پکارا لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین سو ہم نے ان کی

وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

دعا قبول کی اور انہیں غم سے نجات دے دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔

ذوالنون یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ، مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنا، پھر اس مچھلی کو آپ کا سمندر کے باہر ڈال دینا

ان دونوں آیتوں میں حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے، چونکہ انہیں ایک مچھلی نے نگل لیا تھا اس لئے انہیں ذوالنون فرمایا عربی میں نون مچھلی کو کہتے ہیں اور حوت بھی کہتے ہیں اس لئے سورۂ ن والقلم میں صاحب الحوت فرمایا ہے، حضرت یونس علیہ السلام کا مفصل قصہ ہم سورۂ یونس میں بیان کر چکے ہیں (۱) اور انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ صافات کی تفسیر میں بھی ذکر کریں گے، یہاں یہ قصہ بقدر ضرورت ذکر کیا جاتا ہے جس سے ان دونوں آیتوں کا مفہوم سمجھ میں آجائے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینوا بستی والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور دعوت و تبلیغ میں بہت محنت کی لیکن وہ برابر سرکشی پر تلے رہے آپ نے ان سے فرمادیا کہ اب تم پر عذاب آئے گا عذاب آنے میں ذرا دیر لگی تو وہاں سے روانہ ہو گئے اس روانہ ہونے میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں بھیجی گئی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گرفت کر لی گئی ان کا گمان تھا کہ ان لوگوں کو چھوڑ کر چلے جانے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور اس پر کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا ادھر تو آپ اپنی قوم کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے ادھر قوم پر عذاب آنے کے آثار ظاہر ہو گئے ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو

اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹا دیا جیسا کہ سورۂ یونس میں فرمایا لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ اللہ تعالیٰ کی اس قوم کے ساتھ یہ خصوصی مہربانی تھی ورنہ تکوینی قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر ان کے کفر کی وجہ سے عذاب آجائے تو اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا اور عذاب نہیں ٹلتا حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کو چھوڑ کر روانہ ہو کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے وہ کشتی ڈگمگانے لگی اس پر انہوں نے یہ سمجھ کر کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحی آنے سے پہلے چلا آیا اور اس وجہ سے کشتی ڈگمگا رہی ہے کشتی والوں سے کہا کہ مجھے سمندر میں ڈال دو تاکہ تم نجات پا جاؤ وہ لوگ کہنے لگے ہم تو تمہیں پکڑیں گے تاکہ تمہاری وجہ سے ہم بچ جائیں اس پر فرمایا کہ قرعہ ڈال لو جس کا نام نکل آیا اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے، چنانچہ تین بار قرعہ ڈالا گیا اور ہر بار حضرت یونس علیہ السلام کا ہی نام نکلا انہوں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی جیسے ہی سمندر میں پہنچے وہاں ایک مچھلی نے انہیں نگل لیا اور تین اندھیروں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہے ایک اندھیری رات کی دوسری اندھیری سمندر کی تہہ کی اور تیسری اندھیری مچھلی کے پیٹ کی، وہاں جو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہے اس کے الفاظ سورۂ انبیاء میں یوں نقل کئے ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں، بلاشبہ میں ظلم کرنے والوں میں ہوں)

سورۂ صافات میں فرمایا فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو غم اور گھٹن سے نجات دی سورت نٓ والقلم میں فرمایا فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جایئے جبکہ انہوں نے دعا کی اور وہ غم میں گھٹ رہے تھے، اگر ان کے رب کا احسان ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ میدان میں بدحالی کے ساتھ ڈال دیئے جاتے، پھر ان کے رب نے ان کو برگزیدہ کر لیا اور ان کو صالحین میں سے کر دیا)

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی ان کو نجات بھی دے دی اور ان کو برگزیدہ و بندہ بھی بنا لیا صالحین میں سے ہونے کی سند بھی دے دی لیکن بے پڑھے مفسرین ان سے راضی نہیں ان کی پیغمبرانہ معصومیت کو داغدار کرنے میں اپنا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ آیات قرآنیہ میں ان کے کسی گناہ کا ذکر نہیں ہے صرف اتنی بات ہے کہ وہ قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے اور اس پر چلے جانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آنے کا انتظار نہیں کیا اور اجتہادی طور پر یہ گمان کر لیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے البتہ ان کے مقام رفیع کے خلاف ہے جو ان کی شان کے اعتبار سے ایک زلت یعنی ایک لغزش ہے، حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے کی بجائے ان کے جانوں کا بدلہ لے لیا اس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب ہوا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی زلات کا جہاں کہیں قرآن مجید اور احادیث میں ذکر آیا ہے اس کو آیت اور حدیث کی تشریح کے ذیل میں بیان کرنا تو درست ہے لیکن ان باتوں کو اڑانا ان حضرات کی طرف خطا اور قصور کی نسبت کرنا اور اس پر مضمون لکھنا یہ امت کے لئے جائز نہیں ہے جیسا کہ علامہ قرطبی سے حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کے ختم پر ہم سورۂ طٰہٰ میں لکھ آئے ہیں۔

فائدہ: حضرت یونس علیہ السلام نے جو مچھلی کے پیٹ میں دعا کی اس میں تہلیل اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ میں مذکور ہے اور اللہ کی تسبیح یعنی پاکی بیان کرنے کا بھی ذکر ہے جو لفظ سُبْحٰنَكَ میں مذکور ہے اور اپنے قصوروار ہونے کا بھی اعتراف ہے جو اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے لئے لفظ دعا اور توبہ کے لئے لفظ توبہ کا ذکر زبان پر نہ لایا جائے اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تسبیح بیان کر لی جائے اور اپنے قصور کا اقرار کر لیا جائے تو یہ بھی دعا ہے اور توبہ ہے (ہاں اگر حقوق اللہ اور

حقوق العباد ذمہ ہوں تو ان کی ادائیگی بھی توبہ کا ایک جزو ہے) حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مچھلی والے (یعنی حضرت یونس علیہ السلام) کی دعا مچھلی کے پیٹ میں تھی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ جو مسلمان بھی اس کے ذریعہ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ ضرور اس کی دعا قبول فرمائے گا تفسیر درمنثور میں بحوالہ مستدرک حاکم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں اللہ کا اسم نہ بتادوں؟ وہ یہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ جو بھی کوئی مسلمان چالیس بار اس کے ذریعے اپنے رب سے دعا کرے گا پھر اس مرض میں مرجائے جس میں یہ دعا کی تو اسے شہید کا ثواب دیا جائے اور اگر اچھا ہو گیا تو اس حالت میں اچھا ہو جائے گا کہ اس کے گناہ بخشے جا چکے ہوں گے۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۪

اور زکریا کا تذکرہ کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھ تنہا نہ چھوڑیے اور آپ سب وارثوں سے بہتر وارث ہیں، سو ہم نے ان کی دعا قبول کی

وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ

اور ہبہ میں یحییٰ عطا کر دیا اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا دیا بلاشبہ یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے

یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ

اور ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے۔ اور اس عورت کو یاد کیجئے جس نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا سو ہم نے اس میں اپنی

رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾

روح پھونک دی اور اسے اور اس کے بیٹے کو جہاں والوں کے لئے نشانی بنا دیا۔

بڑھاپے میں حضرت زکریا علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگنا، اور ان کی دعا قبول ہونا

ان تین آیت میں ان میں پہلے تو حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ان کا کوئی لڑکا نہ تھا خود بھی بوڑھے تھے اور بیوی بھی بانجھ تھی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا لڑکا عطا فرمائیے جو میرا وارث ہو میں اکیلا ہوں میرے بعد کوئی دینی امور کا سنبھالنے والا چاہیے۔ مجھے ایسا لڑکا عطا فرمائیے جو میرا خلیفہ بن جائے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں بیٹے کی بشارت دیدی۔

دعا تو اللہ تعالیٰ سے امید باندھ کر کر لی پھر جب فرشتوں نے بیٹے کی خوشخبری دی تو طبعی طور پر انہیں تعجب ہوا کہ میرے اولاد کیسے ہوگی میں تو بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارے رب کے لئے آسان ہے اس نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا جبکہ تمہارا وجود ذرا بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا دے دیا اور ان کی بیوی کو قابل ولادت بنا دیا اور بیٹے کا نام یحییٰ تجویز فرما دیا اور اس بیٹے کو نبوت سے سرفراز فرما دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا مفصل قصہ سورۂ آل عمران رکوع نمبر ۴ میں اور سورۂ مریم رکوع نمبر ایک میں بیان ہو چکا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تین عظیم صفات

گزشتہ دو رکوع میں متعدد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ فرمایا پھر ان کی تین بڑی صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ

انھم کانوا یسارعون فی الخیرات (بلاشبہ وہ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے) دوسری صفت یہ ہے کہ ویدعوننا رغبا ورھبا (اور وہ ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارا کرتے تھے) اور تیسری صفت یہ ہے کہ وکانوا لنا خاشعین (اور وہ ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے) یہ تین بڑی صفات ہیں تمام اہل ایمان کو ان سے متصف ہونا چاہیے پہلی صفت یہ ہے کہ نیک کاموں میں مسارعت اور مسابقت کریں حسب استطاعت نیک کاموں میں جلدی کریں سورۂ آل عمران میں فرمایا وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السموٰت والارض (اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف جلدی کرو جو اتنی بڑی ہے اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے) دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگیں خوب رغبت اور لالچ کے ساتھ مانگیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی رہیں اپنے اعمال پیش نظر رکھیں، ہر دعا کرنے والا اس بات سے بھی ڈرتا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اعمال کی خرابی یا آداب دعا کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے دعا قبول نہ ہو یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ رغبا ورھبا دونوں اسم فاعل کے معنی میں ہوں یعنی راغبین اور راھبین اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بھی بتایا ہے کہ رغبت اور خوف کی دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے کسی حالت میں بھی دعا سے غافل نہ ہوتے تھے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وکانوا لنا خاشعین (اور ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے)

خشوع قلبی جھکاؤ کو کہتے ہیں پھر جس کا دل جھکا ہوتا ہے اس کے اعضاء میں بھی جھکاؤ ہوتا ہے یعنی ان سے فخر و تکبر کا مظاہرہ نہیں ہوتا جس کے دل میں اللہ کی عظمت بیٹھ گئی اسکے قلب میں اور اعضاء جوارح میں انکساری کا کہاں تصور ہو سکتا ہے؟ اور اس کے اعضاء جوارح میں کیسے اکڑ مکڑ ہو سکتی ہے، اس میں جو لفظ لنا بڑھایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ ذات خداوندی کی عظمت اور کبریائی مؤمنین اور موقنین کے یقین میں گھلی ملی ہوتی ہے لہٰذا وہ حالت خشوع ہی میں رہتے ہیں نماز میں تو خشوع ہوتا ہی ہے دیگر احوال و اوقات میں بھی ان کے قلوب میں خشوع رہتا ہے ذات باری تعالیٰ کے لئے جس کے دل میں جھکاؤ ہوگا وہ ہر امور میں بھی عمل کرے گا اور منہیات سے بھی بچے گا جعل لنا اللہ تعالیٰ منہ حظا وافرا

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ

اس عورت کو یاد کرو جس نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا اس سے حضرت مریم علیہا السلام مراد ہیں جیسا کہ سورۃ التحریم کے آخر میں اس کی تصریح ہے، انہوں نے اپنی عفت و عصمت کو محفوظ رکھا ان کا نہ کسی مرد سے نکاح ہوا اور نہ کسی مرد سے ولی کنہ کاری کا تعلق ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر میں یہ تھا کہ ان کو بیٹا دیا جائے گا پھر یہ بیٹا اللہ کا رسول بنا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرشتہ بھیجا جس نے ان کے کرتہ کے دامن میں پھونک ماردی اس سے حمل قرار ہو گیا اور اس کے بعد لڑکا پیدا ہو گیا یہ لڑکا کون تھا؟ یہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جو بنی اسرائیل کے سب سے آخری نبی تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل فرمائی اور انہوں نے بنی اسرائیل کو تبلیغ کی اور شریعت کے احکام بتائے بنی اسرائیل ان کے سخت مخالف ہو گئے اور ان کے قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا قیامت سے پہلے دوبارہ تشریف لائیں گے جیسا کہ احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وجعلناھا وابنھا ایۃ للعالمین (اور ہم نے اس عورت کو اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لئے نشانی بنا دیا) تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بغیر مرد کے کسی عورت کے رحم میں حمل پیدا فرما سکتا ہے اور بغیر باپ بھی عورت کی اولاد ہو سکتی ہے گو عام طور پر ایسا نہیں ہوتا اپنی قدرت بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور حوا علیہا السلام کو بغیر ماں

کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ یاد رہے کہ قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاک دامن ہونے کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی قسم تین آئی ہے لیکن چونکہ اور کسی کے لئے اس کی قسم نہیں ہے اس لئے کوئی عورت یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ میرا یہ جسم بغیر مرد کے ہے اگر کوئی بے شوہر والی عورت ایسا کہے گی اور اسے حمل ہوگا تو امیر المومنین اس پر حد جاری کردے گا کیونکہ بندے ظاہر کے مکلف ہیں۔

إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ وَتَقَطَّعُوْٓا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝

بلاشبہ یہ تمہارا دین ہے جو ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری عبادت کرو اور اپنے دین میں اختلاف کر کے لوگ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے۔

تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا دین واحد ہے

متعدد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ فرمایا اور آخر میں فرمایا کہ ان حضرات کا جو دین تھا وہی تمہارا دین ہے یہی دین اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے منظور فرمایا ہے یہ دین توحید ہے تو سب اسی دین کو اختیار کرو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب توحید ہی کی دعوت لے کر آئے اور اسی کی دعوت دی اصول دین یعنی توحید رسالت اور معاد میں ان حضرات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں لوگوں میں عیسیٰ ابن مریم سے سب سے زیادہ قریب تر ہوں۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی تمام انبیاء آپس میں بھائی ہیں جیسے آپس میں باپ شریک بھائی ہوتے ہیں اور مائیں الگ الگ ہوتی ہیں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے اور میرے اور عیسیٰ بن مریم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے (رواہ البخاری مدنی المشکوٰۃ ص ۵۰۹) یعنی احکام فرعیہ میں اختلاف تھا لیکن اصول کے اعتبار سے سب کا دین ایک ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت ربوبیت اور خالقیت اور مالکیت کے ماننے اور تسلیم کرنے کی سب نبیوں نے دعوت دی، سارے انسانوں پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اسی لئے آیت کی ختم پر فرمایا وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری عبادت کرو) وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ یعنی اس کے بجائے کہ لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پر چلتے اور توحید کو اختیار کرتے لوگوں نے آپس میں اپنے دین کے ٹکڑے کر لئے طرح طرح کے عقیدے تراشے اور مختلف قسم کی جماعتیں بنالیں ان جماعتوں میں صرف وہ جماعت حق پر ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے دین پر تھی اور اب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہے اس ایک جماعت کے علاوہ جتنی بھی جماعتیں تھیں یا اب ہیں وہ سب گمراہ ہیں اور کافر ہیں كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ (سب ہماری طرف لوٹنے والے ہیں) ہر ایک اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کی جزا پائے گا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَإِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝

اور جو شخص نیک عمل کرے اس حال میں کہ وہ مومن ہو سو اس کی محنت کی ناقدری نہیں ہوگی اور بلاشبہ ہم اسے لکھ لیتے ہیں۔

مؤمن کے اعمال صالحہ کی ناقدری نہیں ہے

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جو بھی کوئی شخص مؤمن ہوتے ہوئے کوئی بھی نیک کام کرے گا وہ اس کا بھرپور اجر پائے گا کسی کے کسی بھی

نیک عمل کی ناقدری نہ ہوگی جس کا جو عمل ہوگا چند در چند بڑھا دیا جائے گا اور کسی نیکی کا ثواب دس نیکی سے کم تو ملنا ہی نہیں ہے۔ دس گنا تو کم سے کم ہے اور اس سے زیادہ بھی بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر ثواب ملے گا۔

وانا لہ کاتبون (اور ہم ہر شخص کا عمل لکھ لیتے ہیں) جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور ہیں تمام اعمال لکھتے ہیں قیامت کے دن یہ اعمال نامے پیش ہوں گے جو اعمال کئے تھے سب سامنے آجائیں گے سورۃ الکہف میں فرمایا و وجدوا ما عملوا حاضرا ط ولا یظلم ربک احدا (اور جو کچھ عمل کئے تھے ان سب کو موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا)

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۹۵

اور یہ بات ضروری ہے کہ ہم نے جس بستی کو ہلاک کیا وہ رجوع نہیں کریں گے۔

ہلاک شدہ بستیوں کے بارے میں یہ طے شدہ بات ہے کہ وہ رجوع نہ کریں گے

اس آیت کے مفہوم میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے حرام کا معروف معنی لیا ہے ای ممتنع اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حرام معنی میں ہے واجب کے اور لا کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ وہ زائد ہے یا نفی کے معنی میں ہے، ہم نے جو اوپر ترجمہ کیا ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ہے انہوں نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے وجب انهم لا یرجعون ای لا یتوبون جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کسی بستی کے ہلاک کرنے کا فیصلہ فرما دیا ہے وہ آخر تک کفر پر ہی جمے رہیں گے اور توبہ نہ کریں گے حتیٰ کہ ہلاک ہو جائیں گے۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ لا زائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا وہ لوگ ہلاک ہونے کے بعد دنیا کی طرف واپس نہ ہوں گے ان کی واپسی ممتنع ہے اس صورت میں حرام اپنے اصلی معنی میں ہوگا لیکن بعض حضرات نے اس مطلب کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس بات کے کہنے میں بظاہر کچھ فائدہ نہیں (جو لوگ عذاب سے ہلاک کئے بغیر دنیا سے چلے گئے وہ بھی واپس نہ ہوں گے پھر ہلاک شدگان کی خصوصیت کیا رہی)

قال القرطبی فی احکام القرآن ج ۱۱ ص ۳۴۰ واختلف فی "لا" فی قوله "لا یرجعون" فقیل هی صلة روی ذلک عن ابن عباس واختاره ابو عبید ای وحرام علی قریة اهلکنا ها ان یرجعوا بعد الهلاک ، وقیل لیست بصلة وانما هی ثابتة ویکون الحرام بمعنی الواجب ومن احسن ما قیل فیها واجله ماروا ه ابن عیینة وابن علیة وهشیم وابن ادریس و محمد بن فضیل و سلیمان بن حیان و معلی عن داؤد بن ابی هند عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قول الله عزوجل "و حرام علی قریة اهلکنا ها" قال وجب انهم لا یرجعون قال لا یتوبون ، فاما قول ابی عبیدان "لا" زائدة فقد رده علیه جماعة لا نها لا تزاد فی مثل هذا الموضع ولا فیما یقع فیه اشکال و لو کانت زائدة لکان التاویل بعیدا "ایضا" لا نه ان اراد "وحرام علی قریة اهلکنا ها ان یرجعوا الی الدنیا "فهذا مالا فائدة فیه وان اراد التوبة فالتوبة لا تحرم وقیل فی الکلام اضمار ای وحرام علی قریة حکمنا باستصالها او بالحتم علی قلوبها ان یتقبل منهم عمل لا نهم لا یرجعون ای لا یتوبون ، قاله الزجاج وابو علی ، و "لا" غیر زائدة وهذا هو معنی قول ابن عباس رضی الله عنهما .

حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ

یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر اونچی جگہ سے جلدی جلدی چلے آئیں گے۔ اور سچا وعدہ قریب

الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ

آجائے گا تو جن لوگوں نے کفر کیا ان کی آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی رہ جائیں گی اور وہ کہیں گے ہائے ہماری کمبختی ہم اس کی طرف سے بے خبر تھے

هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ

بلکہ ہم ظلم کرنے والے تھے۔ بلاشبہ تم اور جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے تھے سب دوزخ کا ایندھن ہو تم سب

لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَ كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اس میں داخل ہو گے۔ اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اس میں کیوں داخل ہوتے اور سب کو اس میں ہمیشہ رہنا ہو گا دوزخ میں

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ هُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

ان کی چیخ و پکار ہو گی اور وہ اس میں نہ سنیں گے۔

قیامت سے پہلے یاجوج ماجوج کا نکلنا، قیامت کے دن کافروں کا حسرت کرنا اور اپنے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں جانا

ان آیات میں قرب قیامت کا پھر وقوع قیامت کا اور قیامت کے دن اہل کفر کی ندامت اور بدحالی کا تذکرہ ہے، پہلے تو یہ فرمایا کہ اہل کفر برابر سرکشی میں اور کفر میں پڑے رہیں گے اور انکار حق پر اڑے رہیں گے یہاں تک کہ یاجوج ماجوج نکل آئیں جو ہر اونچی جگہ سے نکل کر پھیل پڑیں گے اور قیامت کا جو سچا وعدہ ہے وہ قریب ہو جائے، قیامت کے قریب آجانے پر بھی ان لوگوں کو ہوش نہ آئے گا اور حق قبول نہ کریں گے حتی کہ قیامت واقع ہو ہی جائے گی جب قیامت واقع ہوگی تو حیرانی اور پریشانی کی وجہ سے ان کی آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی ہوں گی جسے اردو کے محاورہ میں آنکھیں پھٹی ہوئی رہ جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے جب قیامت آگئی اور کفر کی وجہ سے بدحالی میں مبتلا ہوں گے اور عذاب کا سامنا ہوگا تو حسرت اور ندامت کے ساتھ یوں کہیں گے یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا (ہائے ہماری کمبختی ہم تو اس کی طرف سے غافل تھے) قیامت کا نام سنتے تھے تو مانتے نہیں تھے اور قیامت کے دن کی سختی اور عذاب کے بارے میں جو خبریں دی جاتی تھیں ان کا انکار کرتے تھے۔

قال صاحب الروح جلد ۱۷ صفحہ ۹۳ (حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج) ابتدائیة والکلام بعدها غایة لما یدل علیه ما قبلها کانه قیل یستمرون علی ماهم علیه من الهلاک حتی اذا قامت القیامة یرجعون الیا ویقولون یا ویلنا الخ وانما لم یستمر امتناع رجوعهم الی التوبة حتی اذا قامت القیامة یرجعون الیها وذلک حین لا ینفعهم الرجوع او غایة لعدم الرجوع عن الکفر ای لا یرجعون عنه حتی اذا قامت القیامة یرجعون عنده وهو حین لا ینفعهم ذلک وهذا یحسب تعدد الاحوال فی معنی الآیة المتقدمة والتوزیع غیر خفی اھ

بل کنا ظلمین (اس بارے میں کسی کو بھی الزام نہیں دیا جا سکتا جو الزام ہے اپنے ہی اوپر ہے بات یہ ہے کہ ہم ہی خام تھے)

یاجوج ماجوج کے بارے میں ضروری معلومات اور قیامت کے قریب ان کے خروج کا تذکرہ سورہ کہف کے ختم کے قریب گزر چکا ہے

وقال القرطبی (جلد ۱۱ ۳۴۲) واقترب الوعد الحق یعنی القیامة وقال الفراء والکسائی و غیر هما الواو زائدة مقحمة والمعنی حتی اذا فتحت یا جوج وما جوج اقترب الوعد الحق فاقترب جواب اذا واحاز الکسائی ان یکون جواب اذا فاذا هی شاخصة ابصار الذین کفروا ویکون قوله اقترب الوعد الحق معطوفا علی الفعل الذی هو شرط ، وقال البصریون الجواب محذوف والتقدیر قالوا یا ویلنا وهو قول الزجاج وهو قول حسن اھ

پھر فرمایا انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم (بلاشبہ تم اور وہ چیزیں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہو) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ اہل مکہ کو خطاب ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ مشرکین خود اور اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں وہ سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے یعنی دوزخ میں جائیں گے۔ انتم لھا واردون (تم سب دوزخ میں داخل ہو گے) اس میں سابق مضمون کی تاکید ہے۔

مشرکین جب اپنے معبودوں کو دوزخ میں دیکھیں تو اس وقت وہ پوری طرح سے سمجھ لیں گے کہ اگر یہ عبادت کے لائق ہوتے تو دوزخ میں کیوں داخل ہوتے دوزخ میں جانے کے بعد مشرک اور کافروں کا اس میں سے نکلنا نہیں ہوگا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں چیخیں گے اور چلائیں گے اور یہ چیخ و پکار ایسی ہوگی کہ ایک دوسرے کی چیخ و پکار کی آواز آپس میں نہ سن سکیں گے مشرکین چونکہ اپنے باطل معبودوں کے بارے میں یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ ہماری سفارش کر دیں گے ان کی یہ غلط فہمی اس وقت بالکل ہی دور ہو جائے گی جب اپنے معبودوں کو دوزخ میں دیکھیں گے باطل معبودوں میں شیاطین بھی ہوں گے اور بت بھی، بتوں کو عذاب دینے کے لئے نہیں بلکہ ان کی عبادت کرنے والوں کو عبرت دلانے کے لئے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو دوزخ میں ہو اسے عذاب ہی ہو، اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ آگ میں کوئی چیز ہو اور اسے تکلیف نہ ہو، دوزخ میں عذاب دینے والے فرشتے بھی ہوں گے اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۚ

بلاشبہ جن کے لئے پہلے ہی ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ مقرر ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے

وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ۚ

اور اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے ان کو بڑی گھبراہٹ رنجیدہ نہ کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے،

هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝

یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

جن کے بارے میں بھلائی کا فیصلہ ہو چکا وہ دوزخ سے دور رہیں گے

جب آیت انکم وما تعبدون من دون اللہ (الایۃ) نازل ہوئی تو عبداللہ بن الزبعری نے اعتراض کیا (جو اس وقت تک

مسلمان نہیں ہوا تھا) کہ پھر تو عیسیٰ اور عزیز اور فرشتے علیہم السلام سب ہی دوزخ میں جائیں گے کیونکہ ان کی بھی عبادت کی جاتی رہی ہے اس پر آئندہ آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ نازل ہوئی (بلاشبہ جن کے لئے پہلے ہی ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے) لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ (وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے) لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (ان کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے) ان آیات میں معترض کا جواب دے دیا ہے اور فرما دیا کہ جن حضرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے طے فرما دیا ہے کہ ان کے لئے خوبی اور بہتری ہے اور یہ انعام و اکرام ہے وہ جہنم سے دور رہیں گے جہنم میں جانا تو کجا وہ جہنم کی آہٹ بھی نہ سنیں گے وہ جنت میں داخل ہوں گے وہاں اپنی نفس کی خواہشوں کے مطابق زندگی گزاریں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے انہیں بڑی گھبراہٹ رنجیدہ نہ کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، بڑی گھبراہٹ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانیؒ نے کئی قول لکھے ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے یعنی جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف روانہ ہوں گے اس وقت کی گھبراہٹ مراد ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اور حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جس وقت دوزخیوں کو دوزخ میں جانے کا حکم ہوگا اس سے اس وقت کی گھبراہٹ مراد ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جس وقت موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کیا جائے گا اس وقت جو کیفیت ہوگی اسے فزع اکبر یعنی بڑی گھبراہٹ سے تعبیر فرمایا ہے درحقیقت ان اقوال میں کوئی تنافی اور تعارض نہیں ہے جن حضرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے طے فرما دیا کہ ان کے لئے خوبی ہی خوبی ہے دوزخ سے دوری ہے اور جنت کا داخلہ ہے انہیں کوئی بھی گھبراہٹ رنجیدہ نہ کرے گی۔

وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ جب وہ قبروں سے اٹھیں گے تو فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور فرشتے ان سے یوں بھی کہیں گے هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (کہ تمہارا یہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا) تمہیں ایمان اور اعمال صالحہ پر اجر و ثمرات کی جو خوش خبری دی جاتی تھی آج اس خوشخبری کے مطابق میں امن چین عیش و اکرام و انعام سب کچھ حاصل ہے۔

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا

دن یاد رکھنے کے قابل ہے جس روز ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ ہم نے حضرت مخلوق کی پیدائش کی ابتدا کی تھی

عَلَیْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ۝ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا

اسی طرح ہم اسے لوٹا دیں گے ہمارے ذمہ وعدہ ہے بلاشبہ ہم کرنے والے ہیں۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ بلاشبہ زمین کے وارث

عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ۝

میرے نیک بندے ہوں گے، بلاشبہ اس میں عبادت گزاروں کے لئے کافی مضمون ہے۔

قیامت کے دن آسمان کا لپیٹا جانا جس طرح ابتدائی آفرینش ہوئی اسی طرح دوبارہ پیدا کئے جائیں گے

گزشتہ آیت میں مشرکین اور ان کے باطل معبودوں کے دوزخ میں داخل ہونے اور اس میں ہمیشہ رہنے کا اور ان حضرات کے اہل جنت ہونے کا ذکر تھا جن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے ان حضرات کے بارے میں فرمایا کہ اپنی جو چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے اور کیا انہیں بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گیں اور یوں کہیں گے کہ یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، چونکہ ان چیزوں کا تعلق وقوع قیامت سے ہے اس لئے اس کے بعد اس کا تذکرہ فرمایا کہ قیامت کا واقع کرنا ہمارے لئے معمولی سی بات ہے تمہاری نظروں کے سامنے سب سے بڑی چیز آسمان ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ اسی کو فرمایا کہ اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے۔ جیسے مضمون لکھی ہوئی کتاب کو لپیٹ دیا جاتا ہے جس طرح لکھنے والے کاغذ کو لپیٹ دیتے ہیں ہم اسی طرح آسمان کو لپیٹ دیں گے۔ جب آسمان کا یہ حال ہوگا تو دوسری مخلوق کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔

هذا على احد الاقوال فى معنى السجل والكتاب ، وفى الدر المنثو (صفحه ۳۴۷ جلد ۴) عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما كطى الصحيفة "على الكتاب "الدال على المكتوب .

دوسری آیت میں آسمان کے پھٹنے کا اور رنگی ہوئی اون کے گالوں کی طرح ہو جانے کا ذکر ہے یہ مختلف احوال کے اعتبار سے ہے پہلے لپیٹ دیا جائے پھر وہ پھٹ جائے اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے اور اس بات کا انکار کرنے والے جو یہ سوال اٹھاتے تھے کہ دوبارہ کیسے زندہ کئے جائیں گے اس کے جواب میں فرمایا كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ (جس طرح ہم نے مخلوق کو پہلی بار ابتداء کی تھی ہم اسی طرح لوٹا دیں گے) یہ بات عجیب ہے کہ پہلی بار اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا منکر ہیں بعث کے اس کو تو مانتے ہیں اور دوبارہ پیدا کئے جانے کے منکر ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جیسے پہلے پیدا فرمایا پھر اسی طرح دوبارہ پیدا کر دیں گے، سمجھ کی بات تو یہ ہے کہ جس نے بے مثال تخلیق کر دی اسے دوبارہ پیدا کرنے میں اور زیادہ آسان ہونا چاہئے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے لئے ابتداء اور اعادہ دونوں برابر ہیں پھر دوبارہ پیدا کرنے کا انکار کیوں ہے؟

وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے بلاشبہ ہم کرنے والے ہیں) کوئی مانے یا نہ مانے قیامت آئے گی فیصلے ہوں گے جنتی جنت میں دوزخی دوزخ میں جائیں گے اس کے بعد فرمایا کہ ذکر یعنی لوح محفوظ کے بعد آسمانی کتابوں میں ہم نے لکھ دیا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ یہ بات لوح محفوظ میں اور آسمانی کتابوں میں لکھ دی اور بتا دی ہے کہ زمین کے وارث صالحین ہوں گے۔

لفظ الزَّبُوْر اور لفظ الذکر سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ہم نے حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد کا قول لیا ہے کہ الزبور سے آسمانی کتب اور الذکر سے لوح محفوظ مراد ہے۔

عن ابن عباس الأية قال الزبور التوراة والانجيل والقران ، والذكر الاصل الذى نسخت منه هذه الكتب الذى فى السمآء وقال مجاهد الزبور الكتب والذكر ام الكتاب عندالله (الدر المنثور صفحه ۳۴۱ جلد ۴)

کون سی زمین کے بارے میں فرمایا ہے کہ صالحین اس کے وارث ہیں؟ اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور

حضرت مجاہدؒ اور حضرت شعبیؒ اور حضرت عکرمہؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے جنت کی سرزمین مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ صالحین جنت کے وارث ہوں گے سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ (اور جنت والے کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہمیں اس سرزمین کا وارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں) چونکہ اس سے جنت کی سرزمین مراد ہے اس لئے یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ ہم تو اس زمین پر کافروں فاسقوں کی حکومتیں بھی دیکھتے ہیں پھر آیت میں جو وعدہ ہے وہ کیسے پورا ہوا؟ لیکن اگر دنیا والی زمین مراد لی جائے تب بھی اشکال کی بات نہیں ہے کیونکہ آیت کریمہ میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو یہ بتائے کہ زمین پر ہمیشہ صالحین ہی کی حکومت رہے گی اگر کافروں اور فاسقوں کی حکومتیں ہیں تو صالحین کی حکومتیں بھی تو رہی ہیں جن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی تھے اور ان کی متبعین بھی، اور امت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا ملک عطا فرمایا، حکومت چلانے والوں میں صالحین بھی تھے، یہ دوسری بات ہے کہ مسلمانوں کی ایمانی کمزوری اور بدعملی اور غفلت کی وجہ سے بڑے بڑے ملک ہاتھوں سے نکل گئے اور اب جہاں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں فاسق چھائے ہوئے ہیں اس کا باعث بھی مسلمانوں کی دینی و ایمانی کمزوری ہی ہے کہ وہ صالحین کو اقتدار پر دیکھنا نہیں چاہتے اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر صالحین کا اقتدار ہو تو قرآن و سنت کی حکومت ہوگی اور من مانی زندگی نہ گزار سکیں گے۔

آخر میں یہ فرمایا اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ (بلاشبہ اس میں عابدین کے لئے کافی مضمون ہے) جسے سمجھ کر اور جان کر اعمال صالحہ کی طرف متوجہ اور آخرت کیلئے متفکر ہو سکتے ہیں، کعب الاحبار کا قول ہے کہ قوم عابدین سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ مراد ہے، اور حضرت حسن سے منقول ہے کہ عابدین سے وہ لوگ مراد ہیں جو پانچوں وقت پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں، حضرت قتادہ نے فرمایا کہ عابدین سے عالمین مراد ہیں (لہٰذا یہ لفظ تمام اعمال صالحہ والوں کو شامل ہے) (الدر المنثور جلد ۴ صفحہ ۳۴)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہی تھے

آیت بالا میں رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کا مبارک اور معظم لقب عطا فرمایا اور سورۂ توبہ میں آپ کو رؤف رحیم کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا انما انا رحمۃ مھداۃ یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف بطور ہدیہ بھیجا گیا ہوں اور سراپا رحمت ہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے آپ نے فرمایا ان اللہ تعالی بعثنی رحمۃ للعالمین وھدی للعالمین وامرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلب وامر الجاھلیۃ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لئے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کی چیزوں کو مٹا دوں اور بتوں اور صلیب کو (جس کی نصرانی پرستش کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹا دوں۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت عام ہے آپ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر و شرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا آپ تشریف لائے سوتوں کو جگایا حق کی طرف بلایا اس وقت سے لیکر آج تک کروڑوں انسان اور جنات ہدایت پا چکے ہیں۔ ساری دنیا کفر و شرک کی

وجہ سے ہلاکت اور بربادی کے دہانہ پر کھڑی تھی آپ ﷺ کے تشریف لانے سے دنیا میں ایمان کی ہوا چلی توحید کی روشنی پھیلی جب تک دنیا میں اہل ایمان رہیں گے قیامت نہیں آئے گی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دنیا میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۸۴ جلد ۱)

یہ اللہ کی یاد آپ ﷺ ہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے، ایک حدیث میں آیا ہے کہ عالم کے لئے آسمانوں کے اور زمین کے رہنے والے ہیں اور ان کے لئے حتی کہ مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۳۴)

اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ جب تک علم نبوت کے مطابق دنیا میں اعمال موجود ہیں اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی اگر یہ نہ ہوں تو قیامت آجائے اس سے ہمیں دینی علوم کے طلباء کے لئے دعا کرنا چاہیے ایک حدیث میں ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پوچھتا ہے کیا آج تیرے اوپر سے کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا نام لیا ہو اگر وہ پہاڑ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ایک ایسا شخص گزرا تھا تو یہ جواب سن کر سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے (ذکر ابن الجزری فی الحصن الحصین) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایک شخص ایک پہاڑ پر گزرا اور دوسرے پہاڑ یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عموماً مومن بندے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے عالم کی بقا ہے مجموعہ عالم میں آسمان زمین چرند پرند چھوٹے بڑے حیوانات اور جمادات بھی ہیں قیامت آئے گی تو کچھ بھی نہ رہے گا سب کا بقا اہل ایمان کی وجہ سے ہے اور ایمان کی دولت رحمۃ للعالمین ﷺ سے ملی ہے اس اعتبار سے آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا ظاہر ہے۔

اور اس اعتبار سے بھی آپ ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں آپ نے ایمان اور ان اعمال کی دعوت دی جن کی وجہ سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے رحمت ہوگی جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے انہوں نے رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ نابینا آدمی کو آفتاب کے طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا روشنی سے نابینا کا محروم ہونا سورج کے تاریک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

آپ ﷺ سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں جب اسلام قبول نہیں کرتی تھیں تو ان پر عذاب آجاتا تھا اور نبی کی موجودگی میں ہی ہلاک کر دی جاتی تھیں آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا اس بات میں بھی مظاہرہ ہے کہ عمومی طور پر سبھی منکرین اور کافرین ہلاک ہو جائیں ایسا نہیں ہوگا آخرت میں کافروں کو کفر کی وجہ سے عذاب ہوگا وہ آخرت سے متعلق ہے۔

دنیا میں آپ ﷺ کو کیسی کیسی تکلیفیں دی گئیں اور کس کس طرح ستایا گیا آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ رحمت ہی کا برتاؤ کیا صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ انی لم ابعث لعانا انما بعثت رحمۃ (میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۵۱۹)

آپ طائف تشریف لے گئے وہاں دین حق کی دعوت دی وہ لوگ ایمان نہ لائے اور آپ کے ساتھ بدخلقی کا بہت برا برتاؤ کیا۔ پہاڑوں پر مقرر فرشتہ نے آکر خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو ان لوگوں کو پہاڑوں کے بیچ میں کچل دوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا میں امید کرتا ہوں کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں گے۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۵۲۳)

سورۂ توبہ میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ یعنی امت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ

آپ ﷺ کو شاق گزرتی ہے اور آپ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ آپ امت کے نفع کے لئے حریص ہیں، اہل ایمان کو اعمال صالحہ سے بھی متصف دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ بھی حرص ہے کہ ان کی دنیاوی حالات درست ہو جائیں بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ آپ ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ رأفت اور رحمت کا تعلق ہے آپ ﷺ کا تعلق صرف اتنا نہیں تھا کہ بات کہدی بے تعلق ہو جاتے۔ آپ ﷺ کا اپنی امت سے قلبی تعلق تھا ظاہراً بھی آپ ﷺ ان کے ہمدرد تھے اور باطناً بھی، امت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ ﷺ بھی شریک ہوتے اور جس کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی آپ ﷺ کو اس سے کڑھن ہوتی تھی۔

حضرات صحابہ میں کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکرمند ہوتے تھے۔ عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے دوا بتاتے تھے مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے تکلیفوں سے بچانے کے لئے ان امور کی تعلیم دیتے تھے جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جس سے انسان کو خود ہی بچنا چاہیے، لیکن آپ ﷺ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے اسی لئے آپ ﷺ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو (مشکوٰۃ المصابیح ۴۰۴) اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اسے کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے (مشکوٰۃ المصابیح ۳۶۶) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے (ممکن ہے اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس نے زہریلا جانور کو مس کیا ہو) (مشکوٰۃ المصابیح ۴۳۴) جوتے پہننے کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو (جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑے مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۷۹)

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب چلتے چلتے کسی کا چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے یہاں تک کہ دوسرے چپل کو درست کر لے (پھر دونوں کو پہن کر چلے) اور یہ بھی فرمایا کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلے (کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا)

آپ ﷺ امت کو اس طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو اور آپ ﷺ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ لید سے ہڈی سے استنجا نہ کرو اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا (مشکوٰۃ المصابیح ۴۲)

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً کچی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ) (مشکوٰۃ ۴۲) نیز آپ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (مشکوٰۃ المصابیح) کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں۔ اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائیں گی جو سراسر شفقت پر مبنی ہیں، اس شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مومن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص

نے آگ جلائی جب چاروں طرف روشنی ہوگئی تو پروانے اس آگ میں آ کر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں گرتے ہیں اس طرح میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو (یعنی رسول اللہ ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے (رواہ البخاری ومسلم) سورۂ آل عمران میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے پھر جب آپ پختہ عزم کر لیں تو آپ اللہ پر توکل کیجئے بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں)

آیت بالا میں جہاں آپ ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت و شفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو آپ ﷺ کے پاس جمع ہیں جو آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں وہ آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے حضرت سعدی نے کیا اچھا فرمایا۔

کس نے بیند کہ نے بجاز برلب آب شور گرد آیند
ہر کجا چشمہ بود شیریں مردم و مرغ و مور گرد آیند

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ میں شفقت اور رحمت کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا رہتا تھا جب کوئی شخص آپ ﷺ سے مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نہیں نکالتے تھے جب تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکالنے کی ابتداء نہ کرتا اور جس سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے جو خود چہرہ نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا رخ پھیر کر جانا چاہتا تو چلا جاتا تھا حضرت انس ؓ نے بیان کیا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل وعیال سے شفقت کرنے میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر ہو حضرت انس ؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، مجھ سے کبھی کچھ نقصان ہو گیا تو مجھے کبھی ملامت نہیں فرمائی اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت کی تو فرمایا کہ رہنے دو اگر کوئی چیز اللہ کے قضاء وقدر میں ہے تو وہ ہو کر ہی رہے گی آپ رحمۃ للعالمین ﷺ دوسروں کو بھی رحم کرنے کا حکم فرمایا ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا (رواہ البخاری ومسلم) آپ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہیے جیسے ایک ہی جسم ہو، جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم جاگتا رہتا ہے اور سارے جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اسی شخص کے دل سے رحمت نکال لی جاتی ہے جو بد بخت ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور برائیوں سے نہ روکے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۳)

امت محمدیہ پر لازم ہے کہ اپنے نبی ﷺ کا اتباع کریں اور سب آپس میں رحمت و شفقت کے ساتھ مل کر رہیں اور اپنی معاشرت میں

رحمت اور شفقت کا مظاہرہ کریں سورۂ توبہ کی آخری آیت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کی تفسیر بھی ملاحظہ کریں۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا

آپ فرما دیجئے کہ میری طرف یہی وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو کیا تم بات ماننے والے ہو۔ سو اگر وہ روگردانی

فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنَّهٗ

کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں خوب صاف طریقہ پر اطلاع دے چکا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے وعدہ ہوا ہے وہ قریب ہے یا دور ہے۔ بلاشبہ بات

يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ

ہے کہ اللہ زور کی کہی ہوئی بات کو جانتا ہے، اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے اور میں نہیں جانتا کہ شاید وہ تمہارے لئے امتحان ہو اور ایک وقت تک

اِلٰى حِيْنٍ ۝ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰي مَا تَصِفُوْنَ ۝

فائدہ پہنچانا ہو۔ رسول نے کہا اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے اور ہمارا رب رحمن ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

ع ۷ النصف

توحید کی دعوت اور روگردانی پر عذاب کی وعید

رسول اللہ ﷺ کی شان رحمۃ للعالمین بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے فرما دیں کہ میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی حقیقی اور واقعی معبود ہے اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے جو کوئی شخص توحید والے دین پر ہوگا جسے رحمۃ للعالمین ﷺ ارحم الراحمین جل مجدہٗ کی طرف سے لائے ہیں وہ دنیا و آخرت میں مورد الطاف ہوگا اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے نوازا جائے گا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (کیا تم ماننے والے ہو) یعنی تم اس بات کو مان لو تمہارا اسی میں بھلا ہے۔

پھر فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ کہ اگر یہ لوگ آپ کی دعوت قبول نہ کریں اور روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں حجت پوری کر چکا ہوں نہایت صاف طریقہ پر بتا چکا ہوں توحید کی دعوت بھی تمہیں دے دی اسلام کی حقانیت پر دلائل بھی دے دیئے معجزات بھی پیش کر دیئے اب ذرہ برابر بھی تم پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہی نہ مانو گے تو اپنا برا کرو گے، پھر فرمایا کہ تم کو جو یہ بتایا ہے کہ دین حق قبول نہ کرنے پر دنیا میں عذاب آئے گا اور قیامت کے دن بھی عذاب میں مبتلا ہو گے یہ وعدہ سچا ہے لیکن اس کے وقوع میں جو دیر لگ رہی ہے اس کی وجہ سے یہ نہ سمجھنا کہ اس کا وقوع نہیں ہوگا خود مجھے بھی معلوم نہیں کہ وہ قریب ہی واقع ہونے والا ہے یا اس کے وقوع میں دیر ہے ہاں اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی اجل مقرر ہے میرا اور تمہارا اس اجل کو نہ جاننا اس بات کی دلیل نہیں کہ موعودہ عذاب کا وقوع نہیں ہوگا۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ (بلاشبہ اللہ جانتا ہے زور سے کہی ہوئی بات کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم چھپاتے ہو) تم زبانوں سے حق کا انکار کرو یا دلوں سے اس کی تردید کرو اس کی سزا پا لو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اور وہی سزا دینے والا ہے، اگر کفر اور شرک کی باتوں کو اپنے دل میں چھپاتے ہو تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ چونکہ زبان سے نہیں نکالا اس لئے مؤاخذہ نہ ہوگا وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لئے امتحان ہو اور ایک زمانہ تک فائدہ پہنچانا ہو)

مطلب یہ ہے عذاب آنے میں جو دیر لگ رہی ہے اس میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی کیا حکمت ہے میں نہیں جانتا ممکن ہے عذاب کی تاخیر میں تمہارا امتحان مقصود ہو اور اللہ تعالیٰ کی یوں مشیت ہو کہ ایک وقت محدود تک تمہیں اس زندگی سے فائدہ پہنچانا مقصود ہو، جب اسباب عیش میں پڑو گے تو کفر پر ہی جمے رہو گے اور مزید عقوبت اور عذاب کے مستحق ہو گے میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے جانتے بوجھتے اپنی جانوں کو عذاب میں مبتلا کرنا یہ سمجھداروں کا کام نہیں ہے خوب سمجھ لو کہ یہ زندگی اور زندگی کے اسباب تمہارے لئے فتنہ بن سکتے ہیں قال رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (پیغمبر ﷺ نے کہا اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے اور ہمارا رب رحمان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم لوگ بیان کرتے ہو) یہ سب باتیں بیان کرنے کے بعد پیغمبر ﷺ نے دعا کی کہ اے میرے رب میرے اور میری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔ دشمنان اسلام کے سامنے کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس سے اپنے بارے میں یہ سمجھ لیں کہ وہ باطل پر ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی حق اور باطل فیما بین العباد فیصلہ سامنے لانے کے لئے غزوۂ بدر پیش آیا۔ جس میں بڑے بڑے کفر کے سرغنے مارے گئے جو خود یہ دعا کر کے چلے تھے کہ اے اللہ ہمارا اور محمد (رسول اللہ ﷺ) کا مقابلہ ہے جو حق پر ہو اسے غالب کر (کما مر فی تفسیر قولہ تعالیٰ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ (سورۃ الانفال) اسی لئے غزوۂ بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا ہے مشرکین مکہ یہ چاہتے تھے کہ داعی اسلام اور ان کے ساتھی نیست و نابود ہو جائیں جس سے ان کا یہ مقصد تھا کہ دین اسلام ختم ہو جائے اس کی دعوت دینے والا، اس کا نام لینے والا کوئی نہ رہے ان کی اس خواہش کا جواب دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ جو باتیں کہتے ہو اور ہمارے خلاف جو ارادے رکھتے ہو ہم اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں وہ رحمٰن ہے ہم پر رحم فرمائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرمایا اور کافر اور ان کے ارادے نیست و نابود ہو گئے۔

وھذا آخر الکلام فی تفسیر سورۃ الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام والحمد للہ علی التمام والصلوۃ والسلام علی البدر التمام وعلی الہ واصحابہ البررۃ الکرام الی یوم القیام

☆☆☆ .. .. ☆☆☆

مدنی	سورۂ حج	۷۸ آیتیں ۱۰ رکوع

اٰیاتُھا ۷۸ (۲۲) سُوْرَۃُ الْحَجِّ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۳) رُکُوْعَاتُھا ۱۰

سورہ حج مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں بلحاظ ۷۸ آیات اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ○ یَوْمَ تَرَوْنَھَا تَذْھَلُ کُلُّ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی

مُرْضِعَۃٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا وَ تَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ھُمْ

سے بھول جائے گی جسے دودھ پلایا اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی، اور اے مخاطب تو لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ نشہ کی حالت

بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ ○ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّیَتَّبِعُ

میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب سخت چیز ہے، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں

کُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ ○ کُتِبَ عَلَیْہِ اَنَّہٗ مَنْ تَوَلَّاہُ فَاَنَّہٗ یُضِلُّہٗ وَیَھْدِیْہِ

اور ہر سرکش شیطان کا اتباع کرتے ہیں جسکے بارے میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ جو بھی کوئی شخص اس سے دوستی رکھے گا تو وہ اسے گمراہ کر دے گا اور اسے دہکتی

اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ ○

ہوئی آگ کے راستہ پر ڈال دے گا۔

قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے وہ بڑا ہولناک وقت ہوگا

یہاں سے سورۃ الحج شروع ہو رہی ہے اس کے چوتھے پانچویں رکوع میں حج اور اس سے متعلق چیزوں کا بیان ہے اس لئے سورۃ الحج کے نام سے موسوم ہے، پہلے رکوع میں قیامت کا بیان ہے اور جو لوگ قیامت کے وقوع کو مستبعد یا ناممکن سمجھتے تھے یا اب سمجھنے والے ہیں ان کے جاہلانہ استبعاد کا جواب دیا ہے، اول تو یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم اپنے رب سے ڈرو، ڈرنے کے جو تقاضے ہیں وہ پورے کرو ان تقاضوں میں سے اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لانا بھی ہے اور فرائض کی ادائیگی بھی ہے اور ممنوعات سے بچنا بھی ہے اور قیامت کے آنے کا بھی یقین کرو، اس کا زلزلہ بڑی چیز ہے۔ جب اس کا زلزلہ آئے گا اس وقت کی پریشانی اور ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ

دودھ پلانے والی اس کی سختی کی وجہ سے دودھ پلاتے بچے کو بھول جائے گی اور حمل والی کا حمل ساقط ہو جائے گا اور لوگ اس حالت میں ہوں گے کہ گویا نشہ میں ہیں۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے اللہ کے عذاب کی سختی کی وجہ سے جو ہیبت سوار ہوگی۔ اس کی وجہ سے ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے ان پر نشہ سوار ہے، آیت بالا میں جو قیامت کے زلزلہ کا ذکر ہے یہ زلزلہ کب ہوگا اس کے بارے میں حضرت علقمہ اور حضرت شعبی وغیرھما سے منقول ہے کہ اس سے وہ زلزلہ مراد ہے جو ایسے وقت میں آئے گا جب قیامت بہت ہی زیادہ قریب ہو چکی ہوگی اور یہ زلزلہ قرب قیامت کی علامت ہوگا۔ ان حضرات نے یہ اس لئے فرمایا کہ عین وقوع قیامت کے وقت جو عورتیں قبروں سے نکلیں گی ان کے ساتھ دودھ پیتے بچے ہوں یا پیٹوں میں حمل ہوں یہ بات کسی واضح دلیل سے ثابت نہیں اور چونکہ قیامت سے پہلے زلزلہ آنے کا روایات حدیث میں ذکر ہے اس لئے آیت بالا میں وہی زلزلہ مراد لینا چاہیئے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے وقوع قیامت مراد ہے کیونکہ جب قیامت ہوگی اس وقت بھی زلزلہ آئے گا جیسا کہ سورۂ زلزال کی پہلی آیت میں فرمایا اور جیسا سورۂ والنّٰزعات میں فرمایا یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الراجفة سے نفخۂ اولیٰ مراد ہے جس سے چھوٹے بڑے اجسام حرکت میں آجائیں گے اور الرادفه سے دوسرا نفخه مراد ہے (ذکرہ البخاری فی ترجمہ باب جلد ۲/۹۶۵) اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (جبکہ زمین کو زلزلہ آجائے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے) اس سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ وقوع قیامت کے وقت بھی زلزلہ آئے گا۔ اس قول کے اختیار کرنے میں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت حمل والی اور دودھ پلانے والی کہاں ہوں گی اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے اول یہ کہ یہ علی سبیل الفرض والتقدیر ہے یعنی قیامت کے واقع ہونے سے دلوں پر ایسی سخت دہشت اور ہیبت سوار ہوگی کہ اگر عورتوں کے پیٹوں میں بچے ہوں تو ان کے حمل ساقط ہو جائیں اور اگر عورتوں کی گودوں میں ایسے بچے ہوں جنہیں دودھ پلاتی ہوں تو وہ انہیں بھول جائیں اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے جو عورت حالت حمل میں مری ہو اسی حالت میں حشر ہو اور جس عورت کو دودھ پلانے کے زمانہ میں موت آئی ہو وہ اپنے دودھ پیتے بچے کے ساتھ محشور ہو، تیسرا قول یہ ہے کہ زلزلہ بمعنی حرکت ارض مراد نہیں ہے بلکہ اس وقت کی بدحالی اور گھبراہٹ کو زلزلہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ بات بھی بعید نہیں کیونکہ قرآن مجید میں لفظ زلزال سخت مصیبت کی گھڑی کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورۂ احزاب میں اہل ایمان کا ابتلاء بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا اور اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، صحیح بخاری (۹۶۶) میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ اے آدم! وہ عرض کریں گے لبیک و سعدیک والخیر فی یدیک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ اپنی ذریت سے دوزخ کا حصہ نکال لو وہ عرض کریں گے کہ کتنا حصہ ہے، ارشاد ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے نکالو یہ بات سن کر بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی اپنے حمل کو ڈال دے گی اور اے مخاطب تو لوگوں کو اس حال میں دیکھے گا کہ وہ نشہ میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا یہ بات سن کر حضرات صحابہ کو بہت زیادہ پریشانی ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہر ہزار میں سے جنت کے لئے ایک شخص لینے سے ہمارا کیا حال بنے گا ہم میں سے وہ کون کون شخص ہوگا جو جنتی ہو جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بنی آدم کا حساب ہے تم لوگ خوش ہو جاؤ کیونکہ یاجوج ماجوج کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ان میں سے ایک ہزار کے مقابلہ میں تم سے ایک شخص آتا ہے (اور وہ بھی بنی آدم میں سے ہیں) پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم پوری جنت کے آباد کرنے والوں میں تہائی افراد ہو گے اس پر ہم نے اللہ کی حمد بیان کی اور اللہ کی بڑائی بیان کی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تمہاری تعداد اہل جنت کی آدھی

تعداد ہوگی پھر فرمایا کہ ساری امتیں ملا کر تعداد کے اعتبار سے تمہاری مثال ایسی ہے جیسے ایک سفید بال ہو کالے بیل کی کھال میں یا جیسے گدھے کے اگلے پاؤں میں ذرا سا گول دائرہ ہو۔ اس میں جو اشکال ہوتا ہے کہ اس وقت حمل والی اور دودھ پلانے والی عورتیں ہوں گی اسکے وہی دو جواب ہیں جو اوپر گذر چکے ہیں۔ (کما ذکرہ شراح الحدیث) اس کے بعد فرمایا و من الناس من یجادل فی اللہ (الایتین)

مفسر ابن کثیر نے سبب نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مشرکین میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمیں بتایئے کہ آپ کا رب سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا۔ اس پر آسمان میں ایک گرج پیدا ہوئی اور اس شخص کی کھوپڑی گر کر سامنے آگئی اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے اسطرح کا سوال کیا جس پر بجلی آئی اور اسے ہلاک کر دیا اس قسم کے سوال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو بے علمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور سرکش شیطان کی اتباع کرتے ہیں شیطان جو کچھ انہیں سمجھا دیتا ہے اسے مان لیتے ہیں اور شیطان جو سوالات سمجھاتا ہے ان سوالات کو آگے بڑھا دیتے ہیں سوال کرنے والوں نے باطل معبودوں یعنی بتوں کو دیکھا تھا جو مختلف چیزوں سے بنائے جاتے ہیں انہیں پر قیاس کر کے یہ سوال کر بیٹھے کہ تمہارا رب کس چیز سے بنا ہوا ہے، جہالت کے ماروں نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ باطل معبود جو خود تراشتے ہیں اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں ان پر خالق کائنات جل مجدہ کو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ شیطان نے جب انہیں ایسا سمجھایا تو رسول اللہ ﷺ سے بے جا سوال کر بیٹھے یہ لوگ شیطان سے دوستی کرتے ہیں اور اس کی بات مانتے ہیں اور شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے کر دیا گیا کہ جو بھی کوئی اس سے دوستی کرے گا اس کی بات مانے گا وہ اس دنیا میں اسے گمراہ کر دے گا اور آخرت میں اسے دھکتی ہوئی آگ کے عذاب میں داخل کرنے کا ذریعہ بن جائے گا، شیطان خود بھی گمراہ ہے اسے خود بھی دوزخ میں جانا ہے اور جو اس کا دوست بنے گا اسے بھی گمراہ کرے گا اسے بھی گمراہ کی دوستی سے گمراہ اور گناہ کے سوا کچھ اور نہیں ملتا جو اس کا دوست بنے گا اسے بھی گمراہ کرے گا اور اس کے دوزخ میں جانے کا سبب بنے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ

اے لوگو! اگر تم اٹھائے جانے کی طرف سے شک میں ہو تو بلاشبہ ہم نے مٹی سے پھر نطفہ سے پھر

مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا

خون سے اٹکنے سے پھر بوٹی بنی ہوئی صورت سے اور جو صورت ابھی بنی ہوا اس سے تمہیں پیدا کیا تاکہ ہم تمہیں بتائیں، اور ہم اپنی مشیت کے موافق مقررہ مدت

نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى

تک رحموں میں ٹھہراتے ہیں پھر تمہیں اس حال میں نکالتے ہیں کہ تم بچوں کی صورت میں ہوتے ہو پھر تاکہ تم اپنی قوتوں کو پہنچ جاؤ، اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو فوت کر لئے جاتے ہیں

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ

اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو نکمی عمر کو پہنچ جاتے ہیں تاکہ علم کے بعد کچھ بھی نہ جانیں۔ اور اے مخاطب تو زمین

هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝

کو بھی سوکھی پڑی ہوئی دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور وہ بڑھ جاتی ہے اور ہر طرح کے خوشنما جوڑے اگا دیتی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ

یہ اس وجہ سے کہ اللہ حق ہے اور وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے

لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝

اس میں کوئی شبہ نہیں، اور اللہ ان سب کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔

وقوع قیامت کے منکرین کو جواب اور تخلیق انسانی کے مختلف ادوار کا تذکرہ

جو لوگ بعث کا یعنی مرنے کے بعد قبروں سے اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے اور قیامت کے وقوع میں انہیں شک تھا (اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں) ان کے شبہات میں سے ایک یہ شبہ تھا کہ جب مر کھپ گئے جسم ریزہ ریزہ ہو گیا تو اب زندہ ہونا جسموں میں جان پڑنا پورا آدمی بن کر کھڑا ہونا سمجھ میں نہیں آتا، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان لوگوں سے خطاب فرمایا کہ اے لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے میں شک ہے تو تمہارا شک اور استبعاد غلط ہے اور بیجا ہے تم دوبارہ اٹھائے جانے کو پہلی خلقت پر قیاس کر لو دیکھو پہلے تمہارا وجود ہی نہیں اول تو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو ان کا مٹی کا مجسمہ بنایا پھر اس مجسمہ میں روح پھونک دی اس کے بعد ہم نے اولاد آدم کی پیدائش میں ایک ترتیب قائم کی اور اسی ترتیب سے بنی آدم کی نسلیں چل رہی ہیں کہ اول مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے تو پھر یہ نطفہ جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا بن جاتا ہے پھر اس میں تھوڑی سی قوت آتی ہے تو وہ بوٹی بن جاتا ہے یعنی جو اس لائق ہو جاتا ہے کہ اسے چبایا جا سکے (یہ مضغہ کا ترجمہ) اور اس بوٹی کی دو حالتیں ہوتی ہیں پہلے تو صرف ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس میں کوئی عضو بنا ہوا نہیں ہوتا (اس کو غیر مخلقہ سے تعبیر فرمایا) پھر اس میں اعضاء بن جاتے ہیں اور انسانی شکل و صورت ظاہر ہوتی ہے (اس کو مخلقہ سے تعبیر فرمایا) اور اعضاء بننے کے ساتھ ہی پیدائش نہیں ہوتی بلکہ رحم میں پرورش ہوتی رہتی ہے اور جسم بڑھتا رہتا ہے رحم میں رہنے کی بھی مدت مقرر ہے اللہ تعالیٰ جس کو جتنے دن چاہتا ہے ماں کے رحم میں رکھتا ہے۔ اسی کو فرمایا وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (اپنی مشیت کے موافق ہم رحموں میں ٹھہراتے ہیں) پھر رحم میں رہنے کی مقررہ مدت پورا کرنے کے بعد ہم تمہیں زندہ بچہ کی صورت میں نکال دیتے ہیں۔

رحم سے باہر آنے کے بعد آگے مزید احوال سے گزرنا ہوتا ہے بچپن کا زمانہ گزرتا ہے حتی کہ جوانی آجاتی ہے اس کو فرمایا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ (پھر تا کہ تم اپنی قوت کو پہنچ جاؤ) جسمانی طاقت عقل و فہم کی قوت اور سوچ سمجھ کر عمر کو پہنچ جاتے ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ زمانہ اٹھارہ سال سے لے کر تیس سال تک کا ہے، اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے تیس سال سے لے کر چالیس سال کی درمیانی عمر مراد ہے۔ (واختارہ فی الجلالین) سورۂ غافر میں ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا بھی فرمایا ہے (پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاتے ہیں) باپ کے نطفے سے لے کر بوڑھا ہونے تک ان کے احوال سے تدریجاً گزرتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ سب پر یہ پورے احوال گزریں۔

جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء قدر کے مطابق ہوتا ہے لوگ بعض پہلے ہی اٹھا لئے جاتے ہیں اور جوانی کا زمانہ آنے سے پہلے ہی انہیں موت آجاتی ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ بڑھاپا آنے کے بعد بھی عمر بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہاں تک بڑھتی ہے کہ نکمی عمر کا زمانہ آجاتا ہے یہ نکمی عمر ایسی ہوتی ہے جس میں انسان کا علم ختم ہو جاتا ہے پہلے سے جو چیزیں اس کے علم میں تھیں وہ بھی ذہن سے غائب ہو جاتی ہیں۔ جس ذات پاک نے مٹی سے تخلیق فرمائی پھر مختلف احوال سے گزارا اس پر بھی قادر ہے کہ موت دے کر ہڈیوں کو ریزہ ریزہ بنا کر

دوبارہ جسم مرکب فرمادے اور اس میں جان ڈال کر قبروں سے اٹھائے اور پھر میدان قیامت میں جمع فرما کر محاسبہ اور مؤاخذہ فرمائے۔

مُخَلَّقَۃ اور غیر مخلقۃ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے، اور بعض مفسرین نے مخلقہ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ بچہ پورا ہو کر زندہ پیدا ہو جائے اور غیر مخلقہ کا مطلب لیا ہے کہ بچہ پورا ہونے سے پہلے ضائع ہو جائے جسے حمل گرنا کہتے ہیں اور غیر مخلقہ کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ بچہ ناقص الاطراف زندہ پیدا ہو جائے الفاظ سے یہ معنی بھی قریب ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ جمع رکھا جاتا ہے اس کے بعد چالیس دن علقہ یعنی جما ہوا خون رہتا ہے پھر چالیس دن تک مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے عمل اور اس کی اجل اور اس کا رزق لکھ دیتا ہے اور یہ بھی لکھ دیتا ہے یہ شقی ہے یا سعید ہے۔ (رواہ البخاری)

قرآن مجید میں جو انسانی تخلیق کے ادوار اور اطوار بتائے ہیں ان کے بارے میں حدیث شریف میں بتا دیا کہ چالیس چالیس دن تک ایک حالت رہتی ہے۔

قبروں سے زندہ اٹھائے جانے کے استبعاد کو تخلیق اول کی یاد دہانی کی تذکیر فرمانے کے بعد (کہ جس طرح پہلے پیدا فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا فرمادے گا) دوسری نظیر بیان فرمائی کہ زمین خشک ہو جاتی ہے اس میں کسی طرح کی کوئی سبزی نظر نہیں آتی نہ گھاس نہ دانہ بالکل مردہ پڑی رہتی ہے پھر ہم اس پر بارش نازل فرما دیتے ہیں تو اس میں ہری بھری گھاس نکل آتی ہے بیل بوٹے پیدا ہو جاتے ہیں لہلہاتی ہوئی کھیتیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ جو زمین صرف مٹی تھی اب وہ بڑھ رہی ہے اوپر کو اٹھ رہی ہے اور اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے نکل رہے ہیں جس طرح سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا اسی طرح سے ہم انسانوں کو دوبارہ پیدا کر دیں گے سورۂ حم سجدہ میں فرمایا **وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاھَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ط اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو اس حالت میں دیکھتا ہے کہ وہ سوکھی ہوئی پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کر دیتے ہیں تو لہلہانے لگتی ہے اور اوپر کو اٹھ جاتی ہے بلاشبہ جس نے اس زمین کو زندہ کیا وہ مردوں کو ضرور زندہ کرنے والا ہے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہاں سورۃ الحج میں بھی آیت کے ختم پر یہی فرمایا **ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّہٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَاَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** (یہ انسان کی ابتدائی تخلیق اور اس کے تدریجی ادوار اور زمین کا سوکھنا پھر اللہ کے حکم سے ہرا بھرا ہو جانا یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے) **وَاَنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ لَّا رَیْبَ فِیْھَا** (اور بلاشبہ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں) **وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ** اور بلاشبہ اللہ ان کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں) یعنی قبروں میں دفن کیے ہوئے لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور پھر میدان حساب میں حاضر کیے جائیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۝

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی ایسی کتاب کے جو روشنی دکھانے والی ہو اللہ کی ذات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔

ثَانِیَ عِطْفِہٖ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط لَہٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّنُذِیْقُہٗ یَوْمَ

یہ ایسا شخص ہے جو گردن کو موڑ کر چلا جاتا ہے تاکہ اللہ کے راستہ سے بہکا کر لوگوں کو گمراہ کرے، اس کیلئے دنیا میں ذلت ہے اور ہم اسے قیامت کے دن جلنے کا

ع الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

عذاب چکھیں گے یہ اس وجہ سے ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

معاندین کا متکبرانہ طرز عمل اور آخرت میں ان کا عذاب و رسوائی

روح المعانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی، بعض حضرات کا یہ قول بھی لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں جس شخص کا ذکر ہے وہ اخنس بن شریق تھا اور بہت سے حضرات نے یوں فرمایا کہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی سبب نزول جو بھی ہو بہرحال آیت کا عموم ہر اس شخص کی مذمت اور دنیا و آخرت کی ذلت اور بدحالی کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بے تکے سوال کرے اور اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو قبول نہ کرے، نہ اس کے پاس علم ہے اور نہ اس کی عقل رہبر ہے اور نہ اس کے پاس کوئی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہو وہ ہر اعتبار سے جاہل ہے یہ تو اس کا حال ہے اور جب ہدایت سامنے آتی ہے تو یہ سمجھ کر کہ اس کے قبول کرنے میں میری بے آبروئی ہے اور تکبر کے انداز میں گردن موڑ کر چلا جاتا ہے وہ اس متکبرانہ طور طریق کی وجہ سے خود بھی گمراہی میں پڑا ہوا اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستہ سے ہٹاتا ہے ایسے لوگوں کے ارشاد فرمایا کہ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلنے کا عذاب چکھیں گے۔ جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ (کہ یہ وہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا یعنی تو نے جو اعمال کئے یہ انہیں کی سزا ہے) بغیر کفر اور شرک اور غیر معصیت کے اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دیتا اور وہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے اسی کو فرمایا وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ دنیا میں تو نضر بن حارث اور ابوجہل کی یوں ذلت ہوئی کہ وہ بدر میں مقتول ہوئے اور اخنس بن شریق کی موت کا حال معلوم نہ ہو سکا بہرحال یہ بات لازمی ہے کہ جو لوگ بھی آیت کے مصداق ہوئے یا آئندہ ہوں گے سب دنیا میں ذلیل ہوں گے اور آخرت میں دوزخ میں جائیں گے جلنے کا عذاب چکھیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت اس طرح کرتے ہیں جیسے کوئی شخص کنارہ پر کھڑا ہو پھر اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچ گئی تو اس کی وجہ سے مطمئن ہو گیا

وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

اور اگر کچھ آزمائش آگئی تو اپنے چہرے کے بل پھر گیا دنیا اور آخرت کے اعتبار سے نقصان میں رہا یہ کھلا

الْمُبِيْنُ ۝ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝

ہوئی تباہی ہے یہ شخص اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتا ہے جو نہ اس کو نقصان دے سکے اور نہ نفع دے سکے یہ بہت دور کی گمراہی ہے۔

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝

وہ اسے پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے وہ بہت برا دوست ہے اور بہت برا رفیق ہے۔

طلب دنیا کے لئے اسلام قبول کرنے والوں کی تباہی

صحیح بخاری جلد ۲/ صفحہ ۶۹۴ میں حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص مدینہ منورہ آیا اس کی بیوی کو حمل تھا اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا اور اس کے گھوڑوں کے بھی بچے پیدا ہو گئے تو اس پر وہ کہتا تھا کہ واقعی یہ دین (یعنی اسلام) اچھا دین ہے اور اگر اس کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا نہ ہوا اور گھوڑی نے بچے نہ دیئے تو کہتا تھا کہ یہ اچھا دین نہیں ہے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں آیت بالا نازل ہوئی۔ صاحب روح المعانی نے بحوالہ تفسیر ابن مردویہ حضرت ابوسعید سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے اسلام قبول کر لیا اس کے بعد اس کی بینائی جاتی رہی اور مال بھی جاتا رہا۔ نیز اولاد بھی ختم ہو گئی۔ اس نے اسے اسلام کی نحوست سمجھا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری بیعت توڑ دیجئے آپ نے فرمایا بیعت اسلام نہیں توڑی جاتی وہ کہنے لگا کہ اس دین میں مجھے خیر نہیں ملی میں اندھا ہو گیا میرا مال بھی گیا اور اولاد بھی مر گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اے یہودی لوگوں کو اسلام (بطور امتحان) پگھلا دیتا ہے جیسا کہ لوہے اور سونے اور چاندی کو آگ پگھلا کر کھوٹ اور میل دور کر دیتی ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ منافقین کے بارے میں آیت کریمہ کا نزول ہوا سبب نزول جو بھی کچھ ہو آیت کا مضمون عام ہے جو لوگ اسلام کو ظاہری صورت پر دنیا کے منافع کے لئے قبول کر لیتے ہیں اور جن منافع کی امید تھی وہ منافع حاصل نہیں ہوتے تو اسلام سے پھر جاتے ہیں، حقیقت میں یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور حق کے طالب بھی نہیں ہوتے، آخرت کی نجات کے لئے اسلام قبول نہیں کرتے، دنیاوی منافع کے لئے ظاہری طور پر کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا، ایسے لوگوں کی دنیا بھی تباہ ہوتی ہے اور آخرت بھی اور یہ کھلی ہوئی تباہی ہے جسے اَلْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ سے تعبیر فرمایا ہے۔

جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور مصیبتوں کے لئے غیر اللہ کو پکارتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو پہلے ہی سے مشرک ہیں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ انکا غیر اللہ کی عبادت کرنا اور مدد کے لئے پکارنا ان کے حق میں مفید نہیں ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کو پکارتے ہیں جسے ضرر یا نفع پہنچانے کی ذرا بھی قدرت نہیں اور اسے اس بارے میں ذرا سا بھی اختیار نہیں ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (یہ طریقہ دور کی گمراہی ہے) یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ (یہ مشرک ان کو پکارتا ہے جن کا ضرر نفع کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے) کیونکہ یہ باطل معبود دنیا اور آخرت میں مدد تو کچھ کر ہی نہیں سکتے البتہ ان کی عبادت کا ضرر نہیں ضرور پہنچے گا دنیا میں گمراہ رہیں گے اور آخرت میں عذاب دوزخ میں داخل ہوں گے، ان کی عبادت کا یہ پھل ملے گا کہ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں گے لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ یعنی یہ معبودان باطل برے دوست ہیں اور برے رفیق ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جب قیامت کے دن کافر دیکھیں گے کہ کسی بھی معبود باطل سے نفع نہ پہنچا اور اس کی عبادت کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونا پڑا تو بلند آواز سے پکار کر کہیں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہم نے جس کی عبادت کی وہ تو برا دوست اور برا رفیق نکلا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے

مَا يُرِيْدُ ۝ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ

وہ کرتا ہے، جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ دنیا میں اور آخرت میں اپنے رسول ﷺ کی مدد نہ کرے گا تو اسے چاہئے کہ آسمان تک ایک رسی تان لے

ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ

پھر کاٹ لے پھر دیکھے کہ اس کی تدبیر اس کے غیظ کی چیز کو ختم کر سکتی ہے اور ہم نے یہ صاف صاف ہوئی آیات نازل کیں اور یہ کہ اللہ

يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝

جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آیاتِ بینات نازل فرمائی ہیں، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

اس آیت سے پہلی آیت میں مشرکوں اور کافروں کی بدحالی بیان فرمائی اور بتایا کہ اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ جن کی پرستش کرتے ہیں وہ ان کو کوئی نفع اور نقصان نہیں دے سکتے ان کا ضرر نفع سے زیادہ قریب ہے ان کی دوستی اور رفاقت وبال جان ہے اس کے بعد اہل ایمان کے انعام کا تذکرہ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے اللہ تعالیٰ انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ساتھ ہی اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کسی کو ایمان اور اعمال صالحہ سے نوازنے کا ارادہ فرمائے اسے ہدایت دے دیتا ہے اسے پورا پورا اختیار ہے وہ قادر مطلق ہے اس کے ارادے سے اسے کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ اس کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو دین اسلام کے کاٹ میں اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں لگے رہتے تھے اور یوں سمجھتے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ دعوت چند دن کی ہے یہ جو وحی کا دعویٰ کرتے ہیں یہ وحی بھی ختم ہو جائے گی اور ان کا دین بھی آگے نہ بڑھے گا پھیلنے کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی کوئی مدد نہیں ہوگی۔ (العیاذ باللہ) اور یوں چاہتے ہیں کہ آپ کی دعوت کا کام رک جائے اور وحی آنا بند ہو جائے یہ ان لوگوں کی جھوٹی آرزو ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ کی ضرور مدد فرمائے گا، اگر کسی معاند اور مخالف کو یہ گوارا نہیں ہے تو وہ زمین سے لے کر آسمان تک ایک رسی تان لے اور اس رسی پر چڑھتا چلا جائے اور وہاں جا کر وحی کا سلسلہ منقطع کر دے۔ یہ بطور فرض کے ارشاد فرمایا مطلب یہ ہے کہ مخالفین کی مخالفت اور عناد سے وحی کا سلسلہ بند ہونے والا نہیں اور سوائے سب ہوا و آرزو کے ان کے پاس کچھ نہیں ہے نبی آخر ﷺ پر وحی تو آسمان سے آتی ہے جسے قدرت ہو کہ آسمان پر جا کر روک دے تو ایسا کر لے لیکن ایسا کرنے کی کسی کو بھی قوت نہیں ہے۔ وحی کی وجہ سے جس کسی کو غیظ و غضب ہے اپنے غیظ اور دل کی جلن کی کوئی تدبیر کر سکتا ہے تو کر لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کے مقابلہ میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا، دشمن جلتے رہیں گے وحی آتی رہے گی دین بڑھتا رہے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورہ آل عمران میں فرمایا قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ اے کافرو! تم اپنی جلن میں مر جاؤ)

مذکورہ بالا جو تفسیر لکھی گئی ہے بعض مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے اس صورت میں ہے کہ لَنْ يَّنْصُرَهُ کی ضمیر منصوب رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہو اور بعض حضرات نے اس آیت کی یوں تفسیر کی ہے کہ سے سے مکان کی نسبت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی معاند جاہل کی خواہش یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور اس کے دین کی مدد نہ کرے اور یہ معاند اس کے خلاف غیظ و غضب لے ڈوبا رہے تو سمجھ لے کہ اس کی مراد بھی پوری نہ ہوگی، اس احمقانہ غیظ و غضب کا تو یہی علاج ہے کہ اپنے گھر کی چھت میں رسی ڈال کر پھانسی لے لے اور مر جائے۔

اور بعض حضرات نے آیت کی تفسیر بتاتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ سب کا رزق اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جسے چاہے گا رزق دے گا اور جتنا چاہے گا دے گا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اللہ رزق نہ دے گا۔ دنیا و آخرت میں میری مدد نہ کرے گا تو یہ شخص اللہ کی قضاء و

قدر پر راضی نہیں اور رسا پر وشاکر نہیں تو گلا گھونٹ کر مر جائے جو چاہے مرے اللہ کی تقسیم نہیں بدلے گی اور اللہ تعالیٰ جسے جتنا رزق دے گا اسے اتنا ہی ملے گا گلا گھونٹ کر مر جانے سے کچھ نہیں ہوگا یہ معنی لینے سے لی بسببہ کی ضمیر منصور من کی طرف راجع ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ اسلام قبول کر کے روٹی رزق اور دنیوی آسانی ملنے پر اسلام پر برقرار ہیں اور تنگدستی آنے پر اسلام کو چھوڑ دیں ایسے لوگوں کو بتادیں کہ تم کچھ بھی کر لو ایمان پر رہو یا ایمان کو چھوڑ دو ہر حال جو کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر کے موافق ہوگا مرتد ہو جانے سے رزق بڑھ نہ جائے گا (راجع روح المعانی جلد ۱۷ ص ۱۲۷-۱۲۸) وکذلک انزلنا (الایۃ) اور ہم نے قرآن کو اس طرح نازل کیا ہے جس کی آیات بالکل واضح ہیں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا ۗ اِنَّ
اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ
یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ
وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۝ السجدة ۶

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور جو لوگ صابئین ہیں اور جو نصاریٰ ہیں اور جو مجوس ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا یہ یقینی بات ہے کہ اللہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن بیشک اللہ ہر چیز پر مطلع ہے کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی اور بہت سے وہ لوگ جن پر عذاب واجب ہو چکا ہے اور جسے اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اہل ایمان اور یہود و نصاریٰ، مجوس اور مشرکین سب کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلے فرمائے گا، جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں

دنیا میں ایک جماعت تو اہل ایمان کی ہے جو خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان لائے اور ان کے علاوہ بہت سی جماعتیں ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان میں یہودی نصرانی صابئین اور آتش پرست اور طرح طرح سے شرک اختیار کرنے والے لوگ ہیں مسلمانوں کے علاوہ جتنی دوسری جماعتیں ہیں وہ آپس میں اپنے عقائد اور اعمال کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن چونکہ کفر ایک ہی ملت ہے اس نے ایک فریق اہل ایمان کا اور دوسرا فریق مجموعی حیثیت سے تمام کافروں کا ہے یہ سب لوگ گو آپس میں مختلف ہیں لیکن باایمان نہ ہونے میں سب شریک ہیں اس لئے مومنین اور کافرین کو هذان خصمان دوسرا وہ بتایا، جو اہل ایمان ہیں وہ تو ہیں ہی دین حق پر، لیکن دوسری جو جماعتیں ہیں وہ بھی اپنے بارے میں یہ گمان رکھتی ہیں کہ قیامت کے دن اپنے اس دین کی وجہ سے جو ہم نے اختیار کر رکھا

بے بخش دیے جائیں گے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کے درمیان فیصلہ فرمادے گا اہل ایمان کی بخشش ہوگی اور تمام اہل کفر دوزخ میں داخل ہوں گے وہاں ان سب کو معلوم ہو جائے گا کہ جو لوگ کفر پر تھے وہ غلط راہ پر تھے۔ سورہ الم سجدہ میں فرمایا اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (بلاشبہ آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان چیزوں میں فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے پوری طرح واقف ہے) ہر ایماندار کے ایمان کو اور ہر کافر کے کفر کو وہ خوب اچھی طرح جانتا ہے وہ اپنے علم کے مطابق جزا دے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اے مخاطب! کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق جو آسمان میں ہے اور جو لوگ زمین میں ہیں اور چاند، سورج، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں (ہر ایک کا سجدہ اس کی اپنی حالت اور کیفیت کے اعتبار سے ہے اور بعض حضرات نے یسجد کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کے سامنے عاجزی کرتی ہیں، جو حضرات آسمانوں میں ہیں اور جو مخلوق زمین میں ہے سبھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور سجدہ ریز ہیں البتہ روئے زمین پر جو انسان ہیں ان میں سے بہت سے لوگ مسلم ہیں فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ منکر ہیں کافر ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ عذاب میں داخل ہوں گے پھر فرمایا وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ (اور اللہ جسے ذلیل کردے تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں) کافر قیامت کے دن ذلیل ہوں گے پھر دوزخ کے عذاب میں داخل ہوں گے وہاں جو ذلت ہوگی اس سے بڑی کوئی ذلت نہیں اور موت کے وقت بھی کافروں کی روح ذلت کے ساتھ قبض کی جاتی ہے اور دنیا میں بھی ذلیل ہوتے رہتے ہیں، جو لوگ اسلام کے دعویدار ہیں ان میں بھی بہت سے فسق و فجور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دنیا میں ذلت اٹھاتے ہیں وزارتوں کے پیچھے دوڑتے ہیں بڑے بڑے گناہ کرکے وزارت حاصل کرتے ہیں پھر مقتول یا معزول ہو جاتے ہیں لوگوں کو بھی انہیں برائی سے یاد کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی کو ذلیل کرے تو پھر اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)

فائدہ..... یہ جو فرمایا کہ فلاں فلاں چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے اس سے سجدہ کا معروف معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے یعنی ہر ایک کا سجدہ اس کے مناسب حال ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جب سورج چھپ گیا تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے سوال فرمایا کہ جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے پھر طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے اسے اجازت دے دی جاتی ہے اور وہ وقت قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے گا اس کا سجدہ قبول نہ ہوگا اور طلوع کی اجازت طلب کرے گا تو اسے اجازت نہ دی جائے گی اور اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے تو آیا ہے وہیں واپس چلا جا چنانچہ وہ پچھم کی طرف سے نکلے گا، یہ فرما کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا میں اسی کو بیان فرمایا ہے اس کا مستقر (یعنی ٹھہرنے کی جگہ) عرش کے نیچے ہے۔ (رواہ البخاری جلد ۱/ ۴۵۴)

جس طرح سورج سجدہ کرتا ہے اسی طرح دوسری مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے اور تکوینی طور پر سبھی تو فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں فرشتے بھی ہیں انسان بھی ہیں جنات بھی ہیں یہ تو ذوی العقول ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے زیادہ سمجھ رکھی ہے اختیاری طور پر اپنے ارادہ سے اطاعت، فرمانبرداری کرتے ہیں اور معروف معنی میں سجدہ ریز ہوتے ہیں، البتہ انسانوں میں اور جنات میں مؤمن

بھی ہیں اور کافر بھی۔ فرشتے سراپا فرمانبردار ہیں، سو ساری مخلوق حیوانات نباتات جمادات ان میں بھی عقل وشعور ہے حیوانات کا شعور بھی سبھی کو معلوم ہے نباتات کا شعور حیوانات سے کم ہے اور جمادات میں بھی عقل وشعور ہے مگر وہ ہمیں محسوس نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اور ان کے درمیان شعور ہے اسی شعور سے وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں اور اللہ کو سجدہ کرتے ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ہے وان منها لما یهبط من خشیة الله اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے وان من شیء الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم سورۂ نمل میں ارشاد ہے ولله یسجد ما فی السموت وما فی الارض من دآبة والملئکة وهم لا یستکبرون ان آیات کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کو بھی ملاحظہ کرلیا جائے۔ اس مضمون کو سورہ نور میں یوں ارشاد فرمایا کل قد علم صلاته و تسبیحه (ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے) اس کی تفسیر وہاں دیکھ لی جائے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۫

یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے

یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ۝ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ

ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس کی وجہ سے ان کے پیٹوں میں جو ہوگا اور کھالیں بھی گل جائیں گی ان کے لئے

مَقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ۫ وَذُوْقُوْا

لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے جب بھی غم کی وجہ سے دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا

عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝ ع ۲

جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھو۔

دوزخ میں کافروں کی سزا، آگ کے کپڑے پہننا سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جانا، لوہے کے ہتھوڑوں سے پٹائی ہونا

دو فریق یعنی مومنین اور کافرین نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا یعنی ایک جماعت وہ ہے جو اہل ایمان کی ہے اور ایک جماعت اہل کفر کی ہے دونوں جماعتوں میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے آپس میں جھگڑے بھی ہیں اور قتل وقتال بھی۔ دونوں جماعتوں کی باہمی دشمنی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے مومنین تو اللہ تعالیٰ کے لئے لڑتے ہیں مشرکین اور کافرین جو کسی درجہ میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور مالکیت کا اقرار کرتے ہیں وہ بھی اپنے خیال میں اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے لڑتے ہیں، کیونکہ وہ بھی اپنے دین کو جہالت اور سفاہت کی وجہ سے اللہ کا مقبول دین سمجھتے ہیں اس لئے دونوں جماعتوں کے لئے اختصموا فی ربهم فرمایا، اہل مکہ جب جنگ بدر کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ ہم دونوں جماعتوں میں سے جو حق پر ہو اس کو فتح نصیب فرما، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ قریش مکہ کا مقابلہ کرنے کے لئے جو حضرات انصار آگے بڑھے تو قریشیوں نے کہا کہ ہم تم سے مقابلہ نہیں چاہتے ہم تو اپنے چچا کے لڑکوں سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اس پر مسلمانوں کی طرف سے حضرت

علی رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ بن حارث میدان میں نکلے اور مشرکین مکہ کی طرف سے شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ سامنے آئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا حضرت عبیدہ کا عتبہ سے مقابلہ ہوا اور یہ ایک دوسرے کی تلوار سے نیم جان ہو گئے پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عتبہ پر حملہ کیا اور اسے بالکل ہی جان سے مار دیا اور حضرت عبیدہ کو اٹھا کر لے آئے پھر جب مدینہ کو واپس ہو رہے تھے تو مقام صفراء میں حضرت عبیدہؓ کی وفات ہو گئی، حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ یہ آیت ہماری ان دونوں جماعتوں کے بارے میں نازل ہوئی (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵۳ و البدایۃ والنہایۃ) والتفصیل فی القسطلانی) سبب نزول خواہ انہیں دونوں جماعتوں کا مقابلہ ہو جن کا ذکر اوپر گزرا جیسا کہ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا لیکن آیت کا عموم بتا رہا ہے کہ اہل ایمان اور اہل کفر کی دونوں جماعتیں آپس میں اپنے دین وملت کے لئے لڑی ہیں، بدر کا مذکورہ واقعہ بھی اسی دین دشمنی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بیان کی، اہل کفر کے بارے میں فرمایا فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ کہ ان کے لئے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے یعنی جس طرح کپڑے کا تھان بیونت کر کاٹا جاتا ہے تاکہ پہننے کے لئے کپڑا سیا جائے اسی طرح کافروں کے لئے آگ کے کپڑے کاٹ کر تیار کئے جائیں گے، یہ تو ان کا لباس ہوگا اس کے ساتھ دوسری سزائیں بھی دی جائیں گی جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا۔ اسی کو فرمایا یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ مزید فرمایا یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ اس کی تفسیر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک کھولتا ہوا پانی ضرور دوزخیوں کے سروں پر ڈالا جائے گا جو ان کے پیٹوں میں پہنچ کر ان تمام چیزوں کو کاٹ دے گا جو ان کے پیٹوں کے اندر ہیں، اور آخر میں قدموں سے نکل جائے گا اس کے بعد پھر دوزخی کو ویسا ہی کر دیا جائے گا جیسا تھا پھر ارشاد فرمایا کہ آیت میں جو لفظ یُصْهَرُ ہے اس کا یہی مطلب ہے (رواہ الترمذی) پھر دوزخیوں کے ایک اور عذاب کا تذکرہ فرمایا وَلَهُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ (اور ان کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے) كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا (جب کبھی بھی وہ گھٹن کی وجہ سے اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں لوٹا دیئے جائیں گے) یعنی لوہے کے گرز مار کر انہیں اسی میں لوٹا دیا جائے گا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ (اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھو)

جن گرزوں سے مارنے کا ذکر ہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کا لوہے والا ایک گرز زمین پر رکھ دیا جائے اور آدھا سارا دنیا اور انسان مل کر اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکتے اور ایک روایت میں ہے کہ جہنم کا لوہے والا گرز اگر پہاڑ پر مار دیا جائے تو یقیناً وہ ریزہ ریزہ ہو کر راکھ ہو جائے۔ (راجع الترغیب والترہیب صفحہ ۴۷۲ جلد ۴)

اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے انہیں اللہ ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ انہیں اس میں سونے

فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ۝ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ

کے کنگن کا زیور پہنایا جائے گا جو موتی کے ہوں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا اور ان کو کلمہ طیبہ کی ہدایت دی گئی

وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝

اور ان کو اس ذات کے راستے کی ہدایت دی گئی جو لائق حمد ہے۔

ایمان اور اعمال صالحہ والوں کا انعام، جنت کا داخلہ، ان کے کنگنوں اور لباس کا تذکرہ

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ حضرات جنت کے باغوں میں ہوں گے جن کے نیچے نہریں ہوں گی، ان کا لباس سونے کا ہوگا اور ان کو کنگنوں کا زیور بھی پہنایا جائے گا۔

ان کنگنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ سونے کے کنگن ہوں گے جو موتیوں سے جڑے ہوئے ہوں گے، دنیا میں تو عورتیں ریشم پہنتی ہیں اور زیور بھی پہنتی ہیں اور شرعاً مردوں کو ان کا پہننا ممنوع ہے لیکن جنت میں مرد بھی ریشم کے کپڑے پہنیں گے، اور زیور بھی پہنیں گے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے اور ریشم کو میری امت کی عورتوں کے لئے حلال کیا گیا اور مردوں پر حرام قرار دیا گیا (رواہ الترمذی و قال حدیث حسن صحیح) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا (رواہ البخاری) یعنی وہاں اس نعمت سے محروم رہے گا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تم جنت کا زیور اور وہاں کا ریشم چاہتے ہو تو ان کو دنیا میں مت پہنو۔ (رواہ النسائی فی المشکوٰۃ ۳۷۹)

دوسری آیت میں فرمایا وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ کہ ان کو دنیا میں اچھی بات یعنی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی طرف رہبری کی گئی اس کو انہوں نے قبول کیا اللہ کی توحید کے قائل ہوئے اور اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب پر ایمان لائے جن کے ذریعہ انہیں ہدایت ہوئی، اب انہیں اس کا یہ پھل ملے گا کہ جنت میں آرام سے نعمتوں میں رہیں گے وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ کی ہدایت دی گئی جو تعریف کے لائق ہے اور سب تعریفیں اسی کو زیبا ہیں، دنیا میں جب اس کی راہ پر چلے آخرت میں اس کی طرف سے انعام پائیں گے، وہ اپنی راہ پر چلنے والوں کو خود وصف فرمائے گا۔

فائدہ..... آیت بالا میں جنتیوں کا زیور بیان کرتے ہوئے کنگنوں کا ذکر فرمایا ہے حدیث شریف میں تاج پہنائے جانے کا بھی ذکر ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت کے سروں پر تاج ہوں گے جن کے ادنیٰ موتی کی چمک اس قدر ہوگی کہ وہ مشرق و مغرب کے درمیان (کے خلا کو) روشن کر سکتا ہے یعنی ان تاجوں میں سے اگر ادنیٰ موتی اس دنیا میں آ جائے تو پورب سے پچھم تک پوری فضا کو روشن کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۵۶۹۹ از ترمذی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ

سَوَآءَ ِۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ع ۱۲

بلاشبہ جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے سب لوگوں کے لئے مقرر کیا ہے، جس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا سب برابر ہیں، اور جو کوئی شخص اس میں الحاد کے ساتھ ظلم کا ارادہ کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

مسجد حرام حاضر اور مسافر سب کے لئے برابر ہے، اس میں الحاد کرنا عذاب الیم کا سبب ہے

مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے توحید کی دعوت دینا شروع کی اس وقت مکہ والے چونکہ مشرک تھے اس لئے پوری طرح دشمنی پر تل گئے خود بھی ایمان نہیں لاتے تھے اور دوسروں کو بھی ایمان لانے سے باز رکھتے تھے اور مسجد حرام کے چونکہ وہی متولی تھے اس لئے مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ ان کی دشمنی کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا حتی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ وہاں سے ہجرت فرما گئے۔ چند سال مدینہ منورہ قیام کے بعد ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے آپ کو شہر میں جانے سے روک دیا اور بہت حجت کی پھر آخر میں دس شرطوں پر صلح ہوئی لیکن اس کے باوجود اس وقت عمرہ نہیں کرنے دیا، صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان بن حرب اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آپ کو مقام حدیبیہ میں روک دیا اور عمرہ نہیں کرنے دیا اور صلح کی شرطوں میں ایک شرط یہ گائی کہ آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں۔

مسجد حرام کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ کہ ہم نے اس کو تمام آدمیوں کے لئے مقرر کیا ہے اس میں سب برابر ہیں وہاں کا رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی) علماء نے فرمایا کہ المسجد الحرام سے پورا مکہ مکرمہ مراد ہے کیونکہ جب باہر سے آنے والے آئیں گے تو لامحالہ انہیں رات دن گزارنے ہونے اور کھانے پینے کے لئے کسی جگہ کی ضرورت ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ مکہ والوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ باہر سے آنے والوں کو مکہ مکرمہ میں یا مسجد حرام میں آنے سے روکیں عموماً اس پر مکہ مکرمہ کے رہنے والے عمل کرتے رہے ہیں جو لوگ مسجد حرام سے روکیں گے مستحق عذاب ہوں گے، رہی یہ بات کہ مکہ مکرمہ کی زمین و بچنا اور اس کے گھروں کو کرایہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ موسم حج میں مکہ مکرمہ کے گھر کرایہ پر دینا مکروہ ہے اور حضرت امام یوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور چونکہ حرمت کی کوئی دلیل نہیں اس لئے ان حضرات نے کراہت کو اختیار کیا ہے یہ کراہت ذاتی نہیں عارض کی وجہ سے ہے اور وہ عارض یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس گھر ہوتے ہیں وہ ان گھروں کو پیسہ کمانے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور حجاج کرام سے بہت زیادہ کرایہ لے لیتے ہیں اس کرایہ کی وجہ سے بہت سے لوگ حج کرنے کی ہمت بھی نہیں کرتے۔ کیونکہ مکہ مکرمہ تک آنے جانے کا کرایہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کثیر رقم زمانہ قیام کے کرایہ کے لئے بھی ہو جب کوئی شخص حج کا ارادہ کر سکتا ہے۔

بہت سے لوگ مکہ مکرمہ میں رہتے ہی اس لئے ہیں کہ مالکوں سے بلند نگیں سستے کرایہ پر لے لیں اور پھر ان بلند نگیں میں حجاج کو ٹھہرا کر بہت زیادہ پیسہ کمالیں، حجاج کی خدمت کی بجائے اس پر نظریں لگی رہتی ہیں کہ کب حاجی آئیں اور کب ان سے بھاری رقمیں وصول ہوں، ظاہر ہے کہ یہ طریقہ کار کوئی محمود اور محبوب نہیں ہے۔

حضرت امام صاحب نے فرمایا ہے کہ موسم حج کے علاوہ دوسرے دنوں میں مکہ معظمہ کے گھروں کو اجارہ پر دینا جائز ہے یعنی اس میں کراہت نہیں ہے اب رہی یہ بات کہ مکہ کی سرزمین کو بیچنا جائز ہے یا نہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں اور دیگر ائمہ کے نزدیک بلا کراہت مکہ معظمہ کی زمین بیچنا جائز ہے۔

آخر میں فرمایا وَمَنْ يُّرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (اور جو شخص اس میں ظلم کے ساتھ کوئی بے دینی کا کام کرنے کا ارادہ کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب چکھا دیں گے) اس میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے جو حرم میں الحاد اور ظلم و زیادتی کا کام کریں، ظلم سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ شرک کرنا اور گناہ کرنا اس میں سب داخل ہے امام ابوداؤد نے

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ کہ احتکار الطعام فی الحرم الحادفیہ یعنی حرم میں غلے کا احتکار ہونا (ضرورت ہوتے ہوئے فروخت نہ کرنا) یہ بھی اسی کی بات ہے حضرات اکابر سلف مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بہت احتیاط کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ومن یرد سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے گناہ کا ارادہ کرلینا بھی مؤاخذہ کا سبب ہے اگرچہ عمل نہ کرے جبکہ دوسرے شہروں میں عمل کرنے پر مؤاخذہ ہوتا ہے۔ (ارادوں کی قسموں کے اعتبار سے اس مسئلہ میں تفصیل ہے) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت کا ایک مطلب یہ مروی ہے کہ کوئی شخص دنیا میں کہیں بھی ہو وہاں رہتے ہوئے حرم مکہ میں گناہ کرنے کا ارادہ کرے گا تو اس ارادہ پر بھی اللہ تعالیٰ اسے عذاب چکھا دے گا۔ (الدر منثور جلد ۴ ص ۳۵۱)

حضرت مجاہد تابعی فرماتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں جس طرح نیکیوں کا اجر و ثواب چند در چند ہو کر بہت زیادہ ملتا ہے اسی طرح ایک گناہ کئی گنا بڑھا کر لکھ دیا جاتا ہے، حضرت مجاہد نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرو کا ایک گھر حد و حرم میں تھا اور ایک گھر حل میں تھا جب نماز پڑھتے تو حرم والے گھر میں پڑھتے تھے اور بچوں کو ڈانٹتے ڈپٹتے تھے تو حل والے گھر میں اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ہم آپس میں یہ مذاکرہ کیا کرتے تھے کہ حرم میں (کسی کو ڈانٹنے کیلئے) کلا و اللہ بلی و اللہ بھی ان دے۔ (الدر منثور صفحہ ۳۶۲ جلد ۴)

یہ جو فرمایا کہ جو شخص مسجد حرم میں یعنی مکہ مکرمہ میں کوئی گناہ کا کام کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے اس سے دنیا و آخرت دونوں جگہ میں سزا دینا مراد ہے اگر کسی کو دنیا میں سزا نہ ملی تو آخرت میں مل جائے گی اصحاب فیل کو جو دنیا میں سزا ملی وہ تو معلوم و مشہور ہی ہے ان کی بربادی کے لئے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو بھیجا جو اپنے ساتھ کنکریاں لئے ہوئے تھے انہوں نے ان کنکریوں ڈالیں کہ سارا لشکر ہاتھیوں سمیت وہیں عصف ماکول یعنی کھائے ہوئے بھوسہ کا ڈھیر بن گیا، یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں جو عذاب ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے، تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ تبع (ایک شخص کا نام ہے) نے کعبہ شریف پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تھا کراع العمیم (ایک جگہ کا نام ہے) میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے بہت سخت ہوا بھیج دی جس کی وجہ سے کھڑا ہونا اور بیٹھنا سب دوبھر ہو گیا جب یہ ہوا تو تبع نے اپنے دو عالموں کو بلایا (جو اس کے ساتھ سفر میں تھے) اور ان سے دریافت کیا کہ یہ مصیبت ہم پر کیوں آئی انہوں نے کہا کہ اگر ہماری جان بخشی ہو تو ہم بتائیں اس پر اس نے کہا کہ تم بے خطر رہو، اس کے بعد ان دونوں نے بتایا کہ چونکہ تو ایک ایسے گھر پر حملہ کرنے کے لئے جا رہا ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے اس لئے یہ مصیبت نازل ہوئی ہے، اس پر تبع نے کہا کہ پھر میں کیا کروں؟ دونوں عالموں نے بتایا کہ تو سلے ہوئے کپڑے اتار دے اور دو چادریں پہن کر لبیک اللھم لبیک کہتا ہوا داخل ہو پھر طواف کر اور وہاں کسی کو اپنی جگہ سے مت ہٹا تبع نے کہا کہ اگر میں سب کچھ کروں تو کیا یہ ہوا چلی جائے گی ان دونوں نے کہا کہ ہاں ایسا کرنے سے یہ ہوا ہٹ جائے گی چنانچہ اس نے چادریں پہنیں اور تلبیہ پڑھا اور آندھی ختم ہو گئی۔ (جلد ۴ ص ۳۵۲)

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ

اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت کی جگہ بتا دی کہ تم میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں

وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى

اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا، اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، وہ تمہارے پاس پیدل چل کر اور دبلی

كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۙ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا

اونٹنیوں پر آئیں کہ یہ دنیا میں دور دور راستوں سے آئیں گی تاکہ وہ اپنے منافع کے لئے حاضر ہوں اور یہ ذکر کریں

اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا

میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہوں پس تم ان میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ

الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

محتاج کو کھلاؤ پھر اپنے میل کچیل دور کریں اور اپنی نذروں کو پوری کریں اور بیت عتیق کا طواف کریں

بحکم الٰہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کعبہ شریف تعمیر فرمانا اور حج کا اعلان کرنا

طواف زیارت کی فرضیت اور جانور ذبح کرنے کی مشروعیت

ان آیات میں کعبہ شریف کی تعمیر ابراہیمی اور لوگوں کو حج کی دعوت دینے اور ایام معلومات میں جانوروں کے ذبح کرنے اور اس میں سے کھانے اور کھلانے اور حرام سے نکلنے کے لئے سر منڈانے اور نذریں پوری کرنے اور طواف زیارت کرنے کا حکم مذکور ہے۔

اولاد فرشتوں نے پھر ان کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا پھر عرصہ دراز کے بعد جب طوفان نوح کی وجہ سے اس کی دیواریں مسمار ہو گئیں اور عمارت کا ظاہری پتہ نہ رہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر جگہ تلاش کی بنیادیں اٹھائیں اور کعبہ بنایا (کما فی الدر المنثور) چونکہ جگہ معلوم نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو متعین کرنے کی جگہ بتادی گئی جس کا ذکر سورۂ حج کی آیت کریمہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ میں فرمایا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ بیت اللہ بنا میں تو انہیں اس کی جگہ معلوم کرنے کی ضرورت تھی جبھی اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج دی جو خوب تیز چلی اور اس نے پرانی بنیادوں کو ظاہر کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم میری مدد کرنا عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک اونچے ٹیلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں ایک گھر بناؤں اس کے بعد دونوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھانا شروع کیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب دیواریں اونچی ہو گئیں تو یہ پتھر لے آئے جسے مقام ابراہیم کہا جاتا ہے یہ زینہ کا کام دیتا تھا اس پر چڑھ کر ہو کر تعمیر کرتے جاتے تھے۔

یہاں سورۂ حج میں فرمایا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ فرمایا اور سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کے بارے میں فرمایا ہے وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کی طرف حکم بھیجا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور وہاں کے مقیمین کے لئے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو) اس میں کعبہ شریف کو پاک رکھنے کا حکم ہے اور کعبہ شریف کے ساتھ مسجد حرم کے پاک

رکھنے کا بھی حکم ہو گیا کیونکہ طواف اور نماز کی ادائیگی اسی میں ہوتی ہے، پاک کرنے میں سب کچھ داخل ہے باطنی ناپاکی شرک و کفر اور بت پرستی سے اور گندی باتوں سے جھوٹ سے فریب سے، بدعملی سے پاک رکھیں، اور ظاہری ناپاکی سے بھی یعنی صاف رکھیں، کوڑا کباڑ سے بدبودار چیزوں سے محفوظ رکھیں طواف یہ اس عبادت سے جو مسجد حرام میں ہوتی ہے حاصل ہے تاکہ بیت کے چاروں طرف ہوتا ہے سورہ بقرہ میں جو لفظ العاکفین وارد ہوا ہے اس کے بارے میں حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مکہ مکرمہ کے رہنے والے مراد ہیں اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو دوسرے شہروں سے آتے ہیں اور مسجد حرام میں قیام کر لیتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم جب بھی مسجد حرام میں بیٹھ گئے تو ہم عاکفین میں شمار ہو گئے اور اس کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو مسجد حرام میں اعتکاف کریں کیونکہ لفظ عکوف ان پر صادق آتا ہے

دونوں سورتوں میں جو الرکع السجود فرمایا ہے اس سے نماز پڑھنے والے مراد ہیں سورہ حج میں القائمین بھی فرمایا ہے اس سے بھی نمازی مراد ہیں اور اس طرح سے نماز کے تینوں عملی ارکان قیام، رکوع اور سجود کا تذکرہ آ گیا بعض حضرات نے القائمین سے مقیمین مراد لئے ہیں۔ بہر صورت مسجد حرام کا اہتمام اور تولیت سنبھالنے والوں پر لازم ہے کہ کعبہ شریف اور مسجد حرام کو پاک صاف رکھیں اور طواف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کو ہر وقت مسجد حرام میں داخل ہونے دیں اور نماز و طواف میں مشغول ہونے اور اعتکاف کرنے سے منع نہ کریں۔ الحمد للہ فتح مکہ کے دن ہی سے آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے اور مسجد حرام کے دروازے برابر رات دن کھلے رہتے ہیں جس وقت فرض نماز پڑھی جاتی ہے اس وقت تو طواف کرنے والے نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور اس کے علاوہ ہر وقت طواف ہوتا رہتا ہے، پھر فرمایا وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا (الآیۃ) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ ملا کر کعبہ شریف کی تعمیر پوری کر لی تو اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو یعنی پکار کر کہہ دو کہ حج کے لئے چلے آؤ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں لوگوں میں اس بات کا کیسے اعلان کروں حالانکہ میری آواز نہیں پہنچ سکتی اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تم پکار دو آواز کا پہنچانا ہمارے ذمہ ہے چنانچہ صفا پر اور ایک قول کے مطابق جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر انہوں نے یوں آواز دی یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ قَدِ اتَّخَذَ بَیْتًا فَحُجُّوْهُ (اے لوگو! یقین جانو تمہارے رب نے ایک گھر بنایا ہے لہٰذا تم اس کا حج کرو) ان کے اس اعلان کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام گوشوں میں پہنچا دیا اور ہر وہ شخص جس کی تقدیر میں حج کرنا تھا اسے ابراہیم علیہ السلام کی آواز سنوا دی تھی کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جو ماؤں کے رحموں میں تھے اور باپوں کی پشتوں میں تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حضرت ابراہیم کی آواز پہنچا دی اور جس جس کے لئے قیامت تک حج کرنا مقدر اور مقدر تھا ان سب نے اسی وقت لبیک اللّٰھم لبیک پڑھ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح منقول ہے۔ گزشتہ زمانہ میں تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک شخص کی آواز بیک وقت پورے عالم میں کیسے پہنچی ہوگی؟ لیکن اب تو جدید آلات نے سب پر واضح کر دیا کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، ایک شخص ایشیا میں بولتا ہے تو اسی وقت اس کی آواز امریکہ میں سنی جاتی ہے اور امریکہ میں بولتا ہے تو ایشیا والے گھروں میں بیٹھے بیٹھے سن لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب تم حج کی دعوت دے دو گے تو تمہاری اس دعوت پر آواز سننے والے پیدل چل کر اور اونٹنیوں پر سفر کر کے دور دراز راستوں سے حج کے لئے چلے آئیں گے اس مضمون کو یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ میں بیان فرمایا ہے، ضامر سے دبلی اونٹنیاں مراد ہیں کیونکہ اس کی صفت میں یاتین صیغہ جمع مؤنث غائب لایا گیا ہے، عرب کے لوگ تیز رفتاری کی ضرورت سے گھوڑوں کو اور اونٹوں کو کم کھلاتے تھے کیونکہ موٹے ہوں گے تو بوجھل ہونے کی وجہ سے چل نہ سکیں گے،

ایسے جانوروں وضع کر دیا جاتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے اہل و عیال کو مکہ مکرمہ کی سرزمین میں آباد کیا تھا اس وقت یہ دعا بھی کی تھی فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ (کہ اے رب لوگوں کے دلوں کو ایسا بنا دے جو ان کی طرف مائل ہو جائیں اللہ تعالیٰ نے ان کی آواز بھی پہنچا دی اور ان کی دعا بھی قبول فرمائی اس وقت سے لے کر آج تک کروڑوں انسان حج و عمرہ کر چکے ہیں ہر مسلمان کے دل میں یہ خواہش ہے کہ کعبہ شریف کو دیکھے اور اس کا طواف کرے زمین کے دور دراز گوشوں سے مختلف راستوں سے طرح طرح کی سواریوں سے مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں اور حج و عمرہ کرتے ہیں اس میں بہت سے دینی دنیوی منافع ہیں مکہ مکرمہ کے رہنے والوں کو باہر کے آنے والوں سے طرح طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں اور آنے والے بھی دینی اور دنیوی منافع سے مستفید ہوتے ہیں لفظ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ میں بیان فرمایا ہے اس کی کچھ تفصیل سورہ مائدہ کی آیت کریمہ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (اور تاکہ مقررہ ایام میں اس نعمت پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دی ہے یعنی چوپائے) یہاں کئی باتیں محتاج تشریح ہیں اول یہ کہ ایام معلومات سے کیا مراد ہے؟ دوسرے یہ کہ اللہ کا نام ذکر کرنے سے کیا مراد ہے۔ سوم یہ ہے کہ بھیمۃ الانعام کیا ہیں؟ چہارم یہ جانور جو اس موقعہ پر اور استعمال کئے جاتے ہیں اس موقع پر ذبح کئے جائیں۔

اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ (مقررہ ایام) سے کون سے دن مراد ہیں؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ عشرہ ذوالحجہ (یعنی ذوالحجہ کے اولین دس دن) مراد ہیں ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کریں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بقر عید کے بس دن میں جس قدر نیک عمل اللہ کو محبوب ہے اس سے بڑھ کر کسی زمانے میں اس قدر محبوب نہیں (یعنی یہ دن فضیلت میں دیگر ایام سے بڑھے ہوئے ہیں) صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ان دنوں کی عبادت سے افضل نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی ان ایام کے اعمال سے افضل نہیں الا یہ کہ کوئی شخص اپنی جان و مال لے کر نکلے اور ان میں سے کچھ بھی واپس لے کر نہ لوٹے (مشکوٰۃ ص ۱۲۸ بحوالہ بخاری) اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بہت ہیں ان سب کا شکریہ ادا کرنا چاہیے لیکن چونکہ بھیمۃ الانعام (چوپائے) دسویں دن سے ذبح ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور اس سے پہلے ان جانوروں کی تلاش ہوتی ہے خریداری ہوتی ہے کھلایا پلایا جاتا ہے۔ صحیح سالم ذبح کرنے کے لئے جانوروں کو تیار کیا جاتا ہے اس سے یوں فرمایا کہ مقررہ ایام میں اس نعمت پر اللہ کا ذکر کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کی صورت میں عطا فرمائی ہے انہیں دینی فائدہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں اور دنیاوی منافع بھی ہیں ان کا گوشت بھی کھاتے ہیں دودھ بھی پیتے ہیں اور سواری بھی ہوتے ہیں۔

بعض حضرات نے ایام معلومات سے ایام النحر یعنی دس، گیارہ، بارہ ذوالحجہ مراد لئے ہیں ان تینوں دنوں میں پورے عالم میں قربانیوں کی جاتی ہیں جو صاحب نصاب پر واجب ہوتی ہیں اور منیٰ میں بھی جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہاں حج کی قربانیاں بھی ہوتی ہیں اور بہت سے لوگ وہ قربانیاں بھی کرتے ہیں جو مالک نصاب ہونے کی وجہ سے فرض ہوتی ہیں ایام منیٰ میں یوں بھی کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے سورۂ بقرہ میں فرمایا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ (اور چند دنوں میں اللہ کا ذکر کرو) اس سے منیٰ کے ایام میں ذکر کرنا مراد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمرات کو کنکریاں مارنا اور صفا مروہ کی سعی کرنا، اللہ کا

ذکر قائم کرنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے۔ (رواہ الترمذی)

حج سراپا ذکر ہے تلبیہ ذکر ہے، طواف بھی ذکر ہے، سعی میں ذکر ہے، عرفات میں ذکر ہے، مزدلفہ میں ذکر ہے، ایام منیٰ میں ذکر ہے، رمی کرتے وقت ذکر ہے، قربانی کرتے وقت ذکر ہے۔ معالم التنزیل (جلد ۱/۱۷۸) میں لکھا ہے کہ حضرت عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نمازوں میں منیٰ میں تکبیر کہتے تھے اور مجلس میں بھی اور بستر پر ہوتے ہوئے بھی اور راستوں میں بھی۔ صحیح مسلم (جلد ۱/۳۶۰) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لا تصوموا فی ھذہ الایام فانھا ایام اکل و شرب و ذکر اللہ (ان دنوں میں روزہ نہ رکھو یہ کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں)

بھیمۃ الانعام (چار پاؤں پر چلنے والے جانور) ان سے وہ جانور مراد ہیں جو حج کے دنوں میں منیٰ میں اور پورے عالم میں اضحیہ (قربانی واجبہ) کی ادائیگی کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں یہ جانور اور ہر چوپائے کی قربانی جائز نہیں ہوتی اس کے لئے اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، بکرا، بکری، دنبہ دنبی، بھیڑ بھیڑ انی متعین ہیں، اور چونکہ جینس بھی گائے کی ایک جنس ہے اس لئے اس کی بھی قربانی درست ہے ان جانوروں کی عمریں بھی مقرر ہیں اور یہ بات بھی لازم ہے کہ جانور کے جسم میں عیب نہ ہو۔ ناک، کان، ہاتھ، پاؤں ٹھیک ہوں البتہ تھوڑا سا کوئی نقص ہو تو اس کے ذبح کرنے کی گنجائش ہے (جس کے مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں) اونٹ اور اونٹنی کی قربانی کے لئے خواہ حج کی قربانی ہو خواہ کوئی صاحب نصاب اپنے وطن میں قربانی کرنا چاہے تو پانچ سال کا اونٹ یا اونٹنی ہونا لازم ہے گائے، بیل، بھینس دو سال کا ہونا اور بکرا بکری، بھیڑ بھیڑ انی اور دنبہ دنبی میں ایک سال کی عمر ہونا شرط ہے اور بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ اونٹنی میں سات حصے ہو سکتے ہیں۔

حج میں جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں قرآن مجید میں اس کا نام ھدی رکھا ہے، جس شخص نے تمتع یا قران کیا ہو اس پر قربانی کرنا واجب ہے یہ قربانی دس گیارہ بارہ ذی الحجہ کو کسی دن کر دی جائے بارہویں تاریخ کا سورج چھپنے کے بعد ذبح کیا تو ایک قربانی مزید واجب ہوگی جسے دم جنایت کہتے ہیں، قران اور تمتع کی ہدی ذبح کرنے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس سے پہلے حلق یا قصر نہ کرے، اس کی خلاف ورزی کرنے سے دم جنایت واجب ہوگا، جس نے حج افراد کیا ہو اس کے لئے ہدی کا جانور ذبح کرنا مستحب ہے۔

فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر (سو ان میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ) حج میں جو قربانیاں کی جاتی ہیں ان میں ایک تمتع اور قران کی قربانی ہے دوسرے دم جنایت ہے تیسرے دم احصار ہے اور چوتھے نفلی قربانی ہے ان میں سے جو دم جنایت اور دم احصار ہے اس میں سے صرف فقراء اور مساکین ہی کھا سکتے ہیں نہ قربانی والا خود کھا سکتا ہے نہ اپنے اہل وعیال کو کھا سکتا ہے اور نہ کسی صاحب نصاب کو اس میں سے دینا جائز ہے اور ضروری نہیں ہے کہ یہ گوشت حرم کے مساکین ہی کو دیا جائے البتہ حرم کے فقراء کو دینا افضل ہے، تمتع اور قران کی قربانی اور حج کی نفلی قربانی سے خود کھانا، اہل وعیال کو کھلانا دوست احباب کو دینا یہ سب نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے یہی حکم اس قربانی کا ہے جو صاحب نصاب ساری دنیا میں کرتے ہیں، جس ھدی کا گوشت مالک کو کھانا جائز ہے اس میں تہائی گوشت فقیروں کو دینا مستحب ہے۔ احکام حج میں کسی واجب کے چھوٹ جانے یا بعض واجبات میں تقدیم و تاخیر کرنے کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوتی ہے اسے دم جنایت کہا جاتا ہے۔

جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہو گیا پھر کسی صاحب اقتدار نے آگے بڑھنے سے روک دیا کسی دشمن نے نہ جانے دیا یا ایسا سخت مریض ہو گیا کہ سفر کے قابل نہ رہا اس کو احصار کہا جاتا ہے اگر ایسا واقعہ پیش آجائے تو حدود حرم میں صحیح سالم ایک سالہ بکرا یا بکری ذبح کرا کر احرام سے نکل جائے اسے دم احصار کہتے ہیں۔ اگرچہ مجبوری کی وجہ سے دم دے کر احرام سے نکل جائے لیکن حج یا عمرہ کی قضا پھر

واجب رہے گی تفصیلی مسائل حج کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

فائدہ.....دم احصار دم تمتع اور دم قران اور دم جنایات ان سب کا حدود حرم ہی میں ذبح کرنا واجب ہے دم تمتع اور دم قران کا منیٰ میں ہونا افضل ہے۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ (پھر اپنے میل کچیل کو دور کریں) دس تاریخ کی صبح کو مزدلفہ آتے ہیں اس روز منیٰ میں قربانیاں کی جاتی ہیں جس شخص نے صرف حج افراد کیا ہو وہ مزدلفہ سے آکر پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرے پھر حلق کرائے یعنی سر منڈوائے اور اگر حج کی قربانی بھی کرنی ہو (جو اس کے لئے مستحب) تو افضل یہ ہے کہ رمی کرنے کے بعد پہلے قربانی کرے پھر حلق کرائے اور جس شخص نے تمتع یا قران کیا ہو وہ منیٰ میں اول جمرہ عقبہ کی رمی کرے اس کے بعد قربانی کرے اس کے بعد حلق کرنے کے بعد ناخن وغیرہ کاٹے جائیں اسی کو فرمایا کہ پھر اپنے میل کچیل کو دور کریں، بالوں کا قصر کرنے یعنی کاٹنے سے بھی احرام سے نکل جاتا ہے لیکن حلق کرنا افضل ہے اور عورت کے لئے قصر ہی متعین ہے کیونکہ اس کو سر منڈانا منع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلق کرانے والوں کے لئے تین بار اور قصر کرنے والوں کے لئے ایک بار رحمت کی دعا دی پورے سر کا حلق یا قصر کیا جائے اگر سر نہ منڈائے اور قصر یعنی بال کٹانے کو اختیار کرے تو اس میں بھی پورے سر کے بالوں کو کاٹ دے اور یہ کاٹ دینا اس وقت معتبر ہے جبکہ بال بڑے بڑے ہوں اور بقدر ایک پورے کے، پورے سر کے یا کم از کم چوتھائی سر کے بال کٹ جائیں اگر اتنے بڑے بال نہ ہوں جو ایک پورے کی لمبائی کے بقدر کٹ سکیں تو پھر حلق ہی متعین ہو گا۔ حج کے احرام سے نکلنے والے کے لئے افضل ہے کہ منیٰ میں حلق یا قصر کرے اگرچہ حدود حرم میں کسی جگہ بھی حلق یا قصر کرنا درست ہے، اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ کچھ سر منڈ دینا اور کچھ چھوڑ دینا منع ہے۔

تنبیہ.....لوگوں نے یہ جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ حج یا عمرہ کے احرام سے نکلنے کے لئے دو چار جگہ سے چند بال کٹوا لیتے ہیں یہ طریقہ نہ حضرت ﷺ سے اور آپ کے صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے اس طرح کرنے سے احرام سے نہیں نکلتا۔ پورے سر کا حلق کرے یا کم از کم چوتھائی سر سے ایک پورے کے برابر لمبائی میں بال کاٹ دے، اگر ایسا نہ کیا تو برابر احرام ہی میں رہے گا اور چونکہ ایسے شخص کا احرام بدستور باقی رہے گا اس لئے سلے ہوئے کپڑے پہن لینا یا خوشبو لگانا یا ناخن کاٹنا یا سر کے علاوہ کسی اور جگہ کے بال مونڈنا یا کاٹنا احرام کی جنایت میں شمار ہو گا۔

وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ (اور اپنی نذروں کو پوری کریں) اس میں نذریں پوری کرنے کا حکم فرمایا ہے جس کسی عبادت کی نذر مان لی جائے اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے نماز کی، روزے کی، حج کی، عمرہ کی، صدقہ کرنے کی، قربانی کی، جو بھی نذر مان لے اسے پوری کرے۔ سورۂ ھل اتی علی الانسان میں ابرار یعنی نیک بندوں کی جو تعریف فرمائی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا (وہ نذروں کو پوری کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں جس دن کی سختی عام ہو گی) جو لوگ حج کو جاتے ہیں ان میں سے بعض کا تو حج وہی ہوتا ہے جو حج کی نذر کر کے واجب کر لیا تھا اور بعض لوگ عمرے کرنے کی نذریں مان لیتے ہیں بعض لوگ منیٰ میں یا مکہ میں قربانی کرنے کی نذر مانتے ہیں اس لئے احکام حج کے ذیل میں ایفائے نذر یعنی نذر پوری کرنے کا بھی حکم فرمایا۔

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (اور بیت عتیق کا طواف کریں) بیت عتیق کعبہ شریف کے ناموں سے ایک نام ہے سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کا نام عتیق یعنی آزاد اس لئے رکھا ہے کہ اسے بڑے بڑے سرکشوں سے محفوظ فرمایا ہے کوئی جابر اور ظالم اس پر غالب نہیں ہو سکتا یہ تو حدیث مرفوع ہے نیز حضرت ابن عباسؓ

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے، حج میں تین فرائض ہیں (۱) اول حج کا احرام باندھنا (۲) دوسرے حج کا احرام باندھ کر ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو زوال کے بعد سے لے کر صبح صادق سے پہلے پہلے کسی بھی وقت عرفات میں موجود ہونا، جسے وقوف عرفات کہا جاتا ہے (۳) تیسرے وقوف عرفات کے بعد طواف کرنا جسے طواف افاضہ، طواف زیارت، طواف رکن، اور طواف فرض بھی کہا جاتا ہے، مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں طواف زیارت ادا کرنے کا حکم ہے یعنی دسویں تاریخ کو رمی کرنے کا حکم دینے کے بعد طواف کرنے کا حکم دیا ہے یہ طواف ترتیب مسنون کے مطابق دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی اور پھر قربانی پھر حلق کے بعد کرنا چاہیے رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا لیکن اگر کوئی شخص مزدلفہ سے سیدھا مکہ مکرمہ چلا جائے اور پہلے طواف زیارت کرلے پھر منیٰ میں آکر رمی اور ذبح اور حلق کرے تو یہ بھی جائز ہے یعنی اس سے کوئی دم واجب نہیں ہوتا اگرچہ افضلیت کے خلاف ہے، یہ طواف دس گیارہ بارہ ذی الحجہ تینوں تاریخوں میں سے کسی بھی تاریخ میں رات یا دن میں ادا کرلیا جائے۔

اگر کسی ایسی مجبوری کے بغیر بارہ تاریخ کا سورج غروب ہونے کے بعد کیا جو مجبوری شرعاً معتبر ہے تو دم واجب ہوگا لیکن ادا پھر بھی ہو جائے گا۔

طواف زیارت چھوڑنے یا چھوٹنے کی تلافی کسی بھی بدل یا دم سے نہیں ہوسکتی، ہاں اگر کوئی شخص وقوف عرفات کے بعد مرگیا اور مرنے سے پہلے اس نے وصیت کردی کہ میرا حج پورا کردیا جائے تو طواف زیارت کے بدلہ پورا ایک بدنہ یعنی ایک سالم اونٹ یا ایک سالم گائے ذبح کرکے مسکینوں کو دے دیں۔ حج میں ایک طواف مسنون ہے اور وہ طواف قدوم ہے جو میقات کے باہر سے آنے والوں کے لئے سنت ہے اور ایک طواف واجب ہے وہ طواف وداع ہے جو طواف زیارت کرنے کے بعد مکہ معظمہ سے روانگی کے وقت کیا جاتا ہے یہ طواف ان لوگوں پر واجب ہے جو حرم اور حل سے باہر رہتے ہیں ان طوافوں کے علاوہ جتنے چاہے نفلی طواف کرے، البتہ اگر کسی نے طواف کی نذر مان لی تھی تو نذر پورا کرنا واجب ہو جائے گا، ہر طواف میں سات ہی چکر ہیں ہر چکر حجر اسود سے شروع کرے اور اسی پر ختم کرے، تفصیلی مسائل حج کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

فائدہ.....طواف زیارت اگر بارہ تاریخ کے اندر ادا نہیں کیا تو زندگی میں جب کبھی بھی ادا کرے گا ادا ہو جائے گا۔ لیکن جب تک طواف نہ کرے گا بیوی سے میل ملاپ حرام رہے گا اگر کوئی ایسی حرکت کرلی جو میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے تو جنایت شمار ہوگی اور بعض صورتوں میں بکری اور بعض صورتوں میں بدنہ واجب ہوگا اگر حلق کرنے کے بعد طواف کرنے سے پہلے ایک ہی مجلس میں متعدد مرتبہ جماع کیا تو ایک ہی دم واجب ہوگا اور اگر متعدد مجلسوں میں جماع کیا تو ہر مجلس کے جماع پر علیحدہ علیحدہ دم ہے۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ

یہ بات ہے (پچھلی) اور جو شخص اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے رب کے نزدیک اس کے لئے بہتر ہے اور تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے ہیں

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ۚ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ

ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں، سو تم گندگی سے یعنی بتوں سے بچو، اور جھوٹی بات سے بچو، اس طرح سے کہ اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہو

لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ

اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ ہو، اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اسکی بوٹیاں

الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا

فوج میں یا لے جائے اسے ہوا کسی دور جگہ میں۔ یہ بات ہے اور جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرے

مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝

یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔ تمہارے لئے ان میں ایک مقررہ وقت تک منافع ہیں پھر ان کا پہنچنا ہے بیت عتیق تک۔

اللہ تعالیٰ کی حرمات اور شعائر کی تعظیم کا حکم، شرک اور جھوٹ سے بچنے کی تاکید
ہر مشرک کی مثال، جانوروں کے فوائد کا تذکرہ

دونوں آیتوں کے شروع میں جو لفظ ذٰلِكَ ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ اسم اشارہ فصل بین الکلامین یا کلام واحد کے دو وجوہ بیان کرنے کے درمیان بولا جاتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بات تو ہو چکی اب آئندہ بات سنو، پھر ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں امتثلوا محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کچھ پہلے بیان ہوا ہے اس پر عمل کرو وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (اور جو شخص اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے تو وہ اس کے رب کے پاس اس کے لئے بہتر ہے) لفظ حرمات حرمت کی جمع ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حرمت سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کا شرعاً احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے تمام احکام شرعیہ جن کا بندوں کو حکم دیا گیا ہے (خواہ حج سے متعلق ہو خواہ دوسری عبادات سے) ان سب کا احترام کرنا لازم ہے اور سب سے بڑا احترام یہ ہے کہ دل و جان سے تسلیم کرے اور اخلاص کے ساتھ حکم کے مطابق عمل کرے، اس کے عموم میں نماز، روزہ کا احترام، علم دین کا احترام اور سارے اعمال دینیہ کا احترام آجاتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حج میں جو حرمات ہیں وہ یہ ہیں گناہ نہ کرے، لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرے میاں بیوی والے تعلق کو کام میں نہ لائے، خشکی کا شکار نہ کرے، احرام کی خلاف ورزیاں نہ کرے، جو شخص اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے گا نفع میں رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کی قدردانی فرمائے گا اور قیامت کے دن ان پر اجر و ثواب دے گا۔

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ (اور تمہارے لئے چوپائے حلال کر دیئے گئے یعنی ان کے ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دی گئی ہے) اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ (مگر جن کی تم پر تلاوت کی گئی) یعنی جس کا بیان قرآن کریم کی دوسری آیات میں پڑھ کر سنا دیا گیا ہے یہ بیان سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ اور سورۂ انعام میں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زبانی بھی اس کی تفصیل بتا دی گئی ہے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں اس بات کا ذکر یہ بتانے کے لئے ہے کہ حلال جانور جنہیں عام طور پر ذبح کر کے کھاتے ہیں (مثلاً اونٹ، گائے، بکرا، بھیڑ، دنبہ) احرام میں ان کے ذبح کرنے کی ممانعت نہیں ہے صرف خشکی کے جانوروں کا شکار کرنے کی ممانعت ہے۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (سو تم ناپاکی سے یعنی بتوں سے بچو) مشرکین جانوروں کو بتوں کے تقرب کے لئے ذبح کرتے تھے اور یہ ان کے نزدیک بتوں کی عبادت تھی اس لئے فرمایا کہ حلال جانوروں کو خواہ پیو لیکن بتوں کی عبادت میں استعمال نہ کرو۔ نہ دیوی دیوتا اور بتوں کے لئے ذبح کرو اور نہ ذبح کرنے کے بعد ان کے گوشت کا ان پر چڑھاوا چڑھاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو توحید سکھائی تھی اور قربانی کی ابتداء کی تھی اور یہ قربانی صرف اللہ کی رضا کے لئے تھی لیکن بعد میں اہل عرب مشرک ہو گئے جو بتوں کے لئے حرام

باندھتے تھے اور ان کے تقرب کے لئے جانوروں کو ذبح کرتے تھے اور تلبیہ میں بھی شرک کے الفاظ کا اضافہ کرتے تھے اور یوں کہتے ہیں الا شریکا ھو لک اس لئے حج کے ذیل میں یہ بات بیان فرمائی کہ جانوروں کا استعمال کھانے پینے کے لئے سے غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے کے واسطے نہیں۔

واجتنبوا قول الزور (اور جھوٹی بات سے بچو) اس میں ہر طرح کے جھوٹ سے بچنے کا حکم فرما دیا۔ جھوٹی بات، جھوٹی خبر، جھوٹی قسم، جھوٹا وعدہ، سب سے بچنا فرض ہے جھوٹ سے بچنے کا حکم تو عام ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ مشرکین عرب جو شرک کرنے کے کام کرتے تھے جن میں بعض جانوروں کی تحلیل اور تحریم بھی تھی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے جس کا بیان سورۂ مائدہ کی آیت ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ (الآیۃ) کی تفسیر میں گزر چکا ہے سورۂ اعراف میں واذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجدنا علیہا آباءنا واللہ امرنا بہا میں بھی ان کی اس گمراہی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (ملخصاً از انوار البیان جلد ۳)

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ کھڑے ہو گئے اور تین بار فرمایا کہ جھوٹی گواہی کو اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر قرار دیا گیا ہے اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء للہ غیر مشرکین بہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بتوں سے اور جھوٹی بات سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے ہوئے رہو یعنی عقیدہ بھی توحید کا رکھو اور اعمال بھی اس کے حکم کے مطابق انجام دو۔ شرک سے دور رہو۔

اس کے بعد مشرک کا حال بیان فرمایا ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء (الایۃ) یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص بلندی سے گر پڑے اور پرندے اسے اچک لیں اور اس کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا جائیں، اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ جیسے کسی شخص کو ہوا اڑا کر لے جائے اور کسی دور دراز جگہ میں لے جا کر پھینک دے، علامہ بغوی نے معالم التنزیل (جلد ۳/۲۸۶) میں لکھا ہے کہ جیسے کوئی شخص گرے اور پرندے اچک کر اور نوچ نوچ کر اس کی بوٹیاں کھالیں یا جسے ہوا اڑا کر لے جائے اور کسی دور جگہ لے جا کر پھینک دے یہی حال مشرک کا ہے کہ وہ بالمحالہ ہلاک ہی ہو کر رہے گا اس کی خلاصی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس کی آخرت برباد ہے اس کے لئے عذاب دوزخ ہے الا ان یتوب من الکفر وامن قبل موتہ (حقر کے ذہن میں آیت کی ایک تقریر یوں سمجھ میں آئی ہے کہ جو شخص مشرک ہوتا ہے وہ بہت سے معبودوں کو مانتا ہے اور جس کو معبود بنایا ہوا ہے ان کا اس پر تسلط ہوتا ہے جو اس نے خود ہی دے رکھا ہے اب یہ ان کے پنجہ میں ہے انہوں نے اس کی تکہ بوٹی کر لی ہے اور آپس میں بانٹ لیا ہے ایسے شخص کے بارے میں یہ امید رکھنا کہ شرک کو چھوڑ کر کبھی توحید پر آئے گا اس کا کوئی موقعہ نہیں۔

اور یہ جو فرمایا کہ "مشرک کی ایسی مثال ہے" جیسے کسی کو ہوا اڑا کر لے جائے اور کسی دور دراز جگہ میں لے جا کر پھینک دے" اس کے بارے میں ذہن میں یوں آیا کہ سورۂ انعام میں جو کالذی استہوتہ الشیاطین فی الارض حیران لہ اصحاب یدعونہ الی الہدی ائتنا فرمایا ہے یہاں یہ فرمایا ہے کہ ہوا اڑا کر لے گئی اور کہیں دور دراز جگہ لے جا کر ڈال دیا وہاں فرمایا ہے کہ اصحاب ضلال اسے ہر طرف سے پکار رہے ہیں جس کسی کی طرف جائے گا مزید گمراہی میں پڑے گا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم ہوگا واللہ علیم حکیم پھر فرمایا ذلک (یہ بات اس طرح سے ہے) ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب (اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو بلاشبہ یہ قلوب کے تقویٰ کی بات ہے) اس سے پہلے اللہ کی حرمات کی تعظیم کی فضیلت بیان فرمائی۔ اس کے بعد اللہ کے شعائر کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان کی تعظیم کرے گا اس کے بارے میں یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ تعظیم کرنا قلوب

کے تقویٰ کے وجہ سے ہے یعنی جن لوگوں کے قلوب میں تقویٰ ہے وہی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتے ہیں حرمات میں شعائر بھی داخل ہیں ان کی مزید اہمیت فرمانے کے لئے مستقل طور پر علیحدہ حکم دیا ہے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کی خاص نشانیوں میں سے ہیں) اور سورۂ مائدہ میں فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (اے ایمان والو اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو)۔

جو چیزیں عبادات کا ذریعہ بنی ہے انہیں شعائر کہا جاتا ہے اس کے عموم میں بہت سی دینی چیزیں آجاتی ہیں، اور بعض حضرات نے ان میں خاص اہمیت والی چیزوں کو شمار کرایا ہے۔ حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ شعائر چھ ہیں (۱) صفا مروہ (۲) قربانی کے جانور (۳) حج کے موقعہ پر کنکریاں مارنے کی جگہ (۴) مسجد حرام (۵) عرفات (۶) رکن یعنی حجر اسود۔ اور ان کی تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ ان مواقع میں جن افعال کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے انہیں انجام دیا جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حج کے تمام مواقع شعائر ہیں ان کے قول کے مطابق منیٰ اور مزدلفہ بھی خاص شعائر میں شامل ہو جاتے ہیں لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى (ان جانوروں میں تمہارے لئے ایک مقررہ وقت تک منافع ہیں) یعنی جانوروں کو حج یا عمرہ میں ذبح کرنے کے لئے متعین فرما دیا تو اب ان سے نفع حاصل نہ کیا جائے اس سے پہلے ان کا دودھ پینے اور اس پر سواری کرنا اور ان کا اون کاٹ کر کام میں لانا جائز تھا جب اس کے لئے جہت تقرب معین کر دی کہ وہ حج یا عمرہ میں ذبح کئے جائیں گے تو اب اس سے نفع حاصل نہ کیا جائے۔ زمانہ قدیم میں ھدی کے جانور ساتھ لے جایا کرتے تھے اور انہیں مکہ مکرمہ میں یا منیٰ میں ذبح کیا کرتے تھے حج تمتع والا شخص جو جانور ساتھ لے جاتا تھا کتب فقہ میں اسے متمتع سائق اہدی کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور اس کا حکم بعض امور میں متمتع غیر سائق الہدی سے مختلف ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر بڑی تعداد میں ہدی کے جانور پہلے سے ایک صحابی (ناجیہ اسلمی) کی نگرانی میں بھیج دیئے تھے اور بہت سے جانور حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لے کر آئے تھے یہ سو اونٹ ہو گئے تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں نحر فرمایا تمتع اور قران والے پر اگرچہ ایک ہی دم واجب ہے لیکن جتنے بھی زیادہ جانور اللہ کی راہ میں ذبح کر دیئے جائیں افضل ہے، حج افراد والے پر حج کی قربانی واجب نہیں لیکن اس کے لئے بھی مستحب ہے کہ قربانی کرے، صرف عمرہ کیا جائے تو اس میں قربانی واجب نہیں اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ الحدیبیہ کے موقع پر ہدی کے جانور لے گئے تھے جنہیں احصار ہو جانے پر وہیں ذبح فرما دیا۔

جب کسی جانور کو ہدی کے لئے متعین کر دیا تو اب نہ اس کا دودھ نکالے نہ اون کاٹے اور نہ اس پر سواری کرے، ہاں اگر مجبوری ہو جائے کہ سواری کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا تو دوسری سواری ملنے تک اس پر سوار ہو سکتا ہے، ہدی کے جانور کے تھنوں میں اگر دودھ آجائے تو تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک دے تاکہ اوپر سے دودھ کا اترنا بند ہو جائے اور جس جانور کو ہدی کے لئے متعین کر دیا ذبح کے بعد اس کی جھول اور باگ سب کو صدقہ کر دے، اور گوشت کاٹنے والے کی اجرت بھی اس میں سے نہ دے بلکہ اپنے پاس سے ادا کرے، یہی حکم عام قربانی کے جانور کا ہے۔

ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (پھر ان جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ البیت العتیق کے نزدیک ہے) البیت العتیق سے پورا حرم مراد ہے، حرم میں جس جگہ بھی حج یا عمرہ سے متعلق جانور ذبح کر دے اس کی ادائیگی ہو جائے گی، خارج حرم ان جانوروں کا ذبح کرنا درست نہیں ہے، دم احصار کے بارے میں وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فرمایا ہے اور احرام میں شکار کرنے پر جو جانور شکار کے عوض ذبح کیا جائے اس کے بارے میں هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ فرمایا ہے اور یہاں بھی عام ہدایا کے بارے میں ثُمَّ

محلّھآ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ فرمایا ہے۔

مسئلہ.....اگر ہدی نفلی ہو اور وہ راستہ میں ہلاک ہونے لگے تو اسے وہیں ذبح کر دے اور اسے نشان لگا کر فقراء کیلئے چھوڑ دے نہ خود کھائے نہ کوئی دوسرا صاحب کھائے، اور نشانی کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی چپل لے اور اسے خون میں بھر کر جانور کی گردن پر مار دے تاکہ خوب پھیل جائے اور جم جائے اور لوگ یہ سمجھ لیں کہ یہ ہدی کا جانور ہے اور اگر ہدی کا وہ جانور راستہ میں ہلاک ہونے لگے جو واجب تھا یا اس میں عیب پیدا ہو جائے جو ادائیگی واجب سے مانع ہو تو دوسرا جانور اسکے قائم مقام کر دے اور اس پہلے والے جانور کا جو چاہے کرے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ

اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کرنا مقرر کر دیا تاکہ وہ ان جانوروں پر جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں اللہ کا نام ذبح کریں،

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

سو تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ اور عاجزی کرنے والے ہیں ان کو خوشخبری سنا دو جن کا یہ حال ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا

جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں اور نمازیں قائم کرنے والے ہیں اور ہم نے جو کچھ

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو جن کے قلوب اللہ کے ذکر کے وقت ڈر جاتے ہیں اور جو صبر کرتے ہیں نماز قائم کرتے اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں

لفظ منسک مفعل کے وزن پر ہے جس کی ماضی سک ہے یہ مادہ مطلق عبادت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور جانور ذبح کرنے کے لئے بھی اور حج کے احکام ادا کرنے کے لئے بھی جیسا کہ سورہ بقرہ میں وارنا مناسکنا فرمایا ہے، یہاں پر تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے ہر امت کے لئے عبادت کے طریقے مقرر کئے ہیں اور قربانی کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور قربانی کی جگہ کے معنی میں بھی اور افعال حج کے معنی میں بھی، لیکن آیت کے سیاق اور ماقبل سے ارتباط پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جانوروں کی قربانی کرنا مراد ہے کیونکہ ولکل امۃ جعلنا منسکا کے ساتھ لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام فرمایا ہے فالھکم الہ واحد فلہ اسلموا (سو تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اس کی فرمانبرداری کرو) اس میں یہ بات بتائی ہے کہ جانوروں کے ذبح کرنے میں صرف اللہ وحدہ لاشریک کی رضا مقصود ہو۔

اس کے بعد مخبتین یعنی عاجزی کرنے والوں اور فرمانبرداری اور اطاعت کے ساتھ گردن جھکا دینے والوں کو اللہ کی رضامندی کی خوشخبری سنانے کا حکم دیا اور ان کے چار اوصاف بیان فرمائے۔

پہلا وصف یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (جس میں اس کی ذات وصفات کا ذکر اور اس کے احکام اور وعدہ اور وعید

کا تذکرہ سب داخل ہے) تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ ان پر جو مصیبتیں آتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں اور تیسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ نمازوں کو قائم کرنے والے ہیں، اور چوتھا وصف یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں لفظوں کا عموم فرض زکوٰۃ اور صدقات واجبہ اور نفلی صدقات سب کو شامل ہے۔ قربانی کے جانوروں میں سے خرچ کرنا فقراء کو اور احباب واصحاب کو دینا یہ بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ

اور قربانی کے اونٹ اور گائیں جن کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں سے بنایا ہے تمہارے لئے اس میں خیر ہے سو تم ان پر اللہ کا نام

عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۭ

جب قطار باندھے ہوں، سو وہ جب اپنی پہلوؤں پر گر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ اور جو صبر کئے ہوئے ہو اسے اور جو سوالی بن کر آجائے اس کو بھی

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا

اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے تابع کر دیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔ نہیں پہنچتا اللہ کو ان کا گوشت اور نہ ان کا خون

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ ۭ

لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، اسی طرح اس نے ان کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور اچھے کام کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

قربانی کے جانور اللہ تعالیٰ کے شعائر ہیں ان میں سے قناعت کرنے والے اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ

البدن جمع ہے بدنۃ کی بڑے جانوروں کو بدنہ کہا جاتا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لفظ بدنہ اونٹ اور گائے دونوں کو شامل ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو اللہ کے شعائر یعنی دینی یادگاروں اور بڑی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے، ان میں تمہارے لئے خیر ہے دنیاوی فوائد بھی ہیں اور اخروی بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان کے ذبح اور نحر پر ثواب عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور امام شافعی کے نزدیک بدنہ کا مصداق صرف اونٹ ہے نتیجۃً (عام قربانیاں جو پورے عالم میں ہوتی ہیں) اور ہدایا (وہ جانور جو حرم میں حج کے موقعہ پر ذبح کئے جاتے ہیں) ان سب میں اونٹ گائے اور بکری اور بھیڑ اور دنبہ ذبح کرنا اصول شریعت کے مطابق درست ہے ان کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی حج میں یا ایام اضحیہ میں درست نہیں ہے اونٹ اور گائے میں سات حصے ہو سکتے ہیں اور باقی جانوروں میں صرف ایک حصہ ہو سکتا ہے اہل عرب اونٹوں کی پرورش کرتے تھے اور ان کے یہاں ان کی نسلیں چلتی تھیں اور شیر قعد دمیں قبائل عرب کے پاس اونٹ ہوتے تھے حج کے موقعہ پر بطور ہدی اونٹوں کو ساتھ لے جاتے تھے پھر منیٰ میں انہیں نحر کرتے تھے۔ نحر کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اس کا بایاں اگلا پاؤں باندھ دیا جائے اور بسم اللہ پڑھ کر کھڑے ہی کھڑے ذبح کی جگہ میں تیز برچھا مار دیا

جاے اس کو نحر کہتے ہیں۔ اونٹ میں نحر کرنا اور بکری وغیرہ میں ذبح کرنا سنت ہے (ذبح کا مطلب تو سبھی کو معلوم ہے) علماء نے بتایا ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اس سے اس کی جان آسانی سے نکل جاتی ہے (قدیم زمانوں میں عربوں کے لئے نحر بہت آسان کام تھا) نحر کرنے سے اونٹ گر پڑتا تھا اگر بہت سے اونٹ قطار میں کھڑے ہوتے تو جس جس کو برچھا لگ جاتا وہ گرتا چلا جاتا تھا جب نحر شدہ اونٹ زمین پر گر تا جاتا تو اس کی کھال نکال لیتے تھے اور گوشت کی بوٹیاں بنا کر رکھا لیتے تھے۔ اسی کو فرمایا فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا (پھر جب وہ اپنی کروٹوں پر گر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ) وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (اور قانع کو بھی کھلاؤ اور معتر کو بھی) قانع وہ حاجت مند جو سوال نہیں کرتا اپنی حاجت کو دبائے بیٹھا رہتا ہے اور معتر وہ ہے جو زبان سے سوال کر لیتا ہے یا ایسے ڈھنگ سے سامنے آجاتا ہے جس کی وجہ سے لوگ حاجت مند سمجھ کر کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں قانع کی ضرورتوں کا خیال کرنا زیادہ بہتر ہے اور سائل کو بھی صول شرعیہ کے مطابق دینا جائز ہے سائلین کے لئے بھی ہدایات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا یعنی قابو میں دے دیا تاکہ تم شکر ادا کرو) یہ جانور تمہاری ملکیت ہیں ان پر تمہارا قبضہ ہے اور تم انہیں باندھتے ہو کھولتے ہو جہاں چاہتے ہو لے جاتے ہو ان کا دودھ بھی پیتے ہو گوشت بھی کھاتے ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس نے تمہارے قابو میں دے دیا اس پر تمہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم ہے اگر یہ جانور بگڑ جائیں بھاگ جائیں تو تمہارے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں اس وقت تم ان سے کام نہیں لے سکتے تھوڑی دیر کے لئے اللہ تعالیٰ تمہیں جانوروں پر قابو نہ دے تو تم عاجز ہو جاؤ۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (اللہ کو ہرگز ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے لیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے) یعنی جو جانور ضحیہ اور ہدایا میں ذبح کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو ان کی کچھ حاجت نہیں اس کے پاس نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ خون ان کو تو تم ہی کھا پی کر برابر کر دیتے ہو (کچھ گوشت خود کھا لیا کچھ اپنے گھر والوں کو کھلا یا کچھ احباب کو دیا کچھ فقراء اور مساکین کو دیا یہ سب تمہارے اور تمہارے اہل جنس ہی کے کام آگیا) اللہ تعالیٰ کو تو تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے اخلاص کے ساتھ بہ نیت تقرب الی اللہ جانور ذبح کئے یا ریا کاری کے طور پر، خوش دلی سے قربانی کی ہے یا بددلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس کے مطابق جزا دے گا جو چیز اللہ کے لئے قربان کی جا رہی ہے، وہ اچھی سے اچھی ہو خوش دلی سے بھی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یوم النحر (ذی الحجہ دسویں تاریخ) کے دن (قربانی کا) خون بہانے سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہے اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا، اور اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقام قبولیت میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کرو (رواہ الترمذی) حضرت ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم کا جاری کیا ہوا طریقہ ہے، عرض کیا اس میں ہمارے لئے کیا ثواب ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ہے۔ عرض کیا اون والا جانور ہو (جس میں بال بہت زیادہ ہوتے ہیں) تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا اون کے ہر بال کے بدلہ میں بھی ایک نیکی ہے۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر فرمایا تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی) اللہ تعالیٰ نے ایمان بھی نصیب فرمایا اعمال صالحہ کی بھی توفیق دی اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ایمان سے بھی محروم رہتے اور اس کی عبادت سے بھی اور یہ بھی سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں ہدایت دی ہے جانوروں کو اللہ ہی کے لئے

ذبح کرتے ہوا نہ اس کی طرف سے ہدایت نہ ملتی تو مشرک ہو جاتے اور غیر اللہ کے لئے ذبح کرتے۔

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ (اور محسنین کو بشارت دے دیجئے) لفظ محسنین موحدین مخلصین، عابدین، قانتین، شاکرین سب کو شامل ہے ان سب کو خوشخبری ہے کہ ان کے لئے موت کے بعد خیر وخوبی ہے اور قیامت کے دن جنت کا داخلہ ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝

ع ۷ ۴۰ اللغة

بلاشبہ اللہ ایمان والوں سے رفع فرما دے گا بلاشبہ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا۔

اللہ تعالیٰ دشمنوں کو ہٹا دے گا، اسے خائن اور کفور پسند نہیں ہیں

چند صفحات پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے تو مشرکین مکہ نے مقام حدیبیہ میں آپ کو روک دیا تھا۔ ان لوگوں نے بڑی ضد کی اور کوشش بھی کر لی لیکن اس بات پر آمادہ نہ ہوئے کہ آپ اسی سال عمرہ کریں آپ نے احصار ہو جانے کی وجہ سے وہیں جانور ذبح کر دیئے اور احرام سے نکل کر واپس مدینہ تشریف لے آئے پھر آئندہ سال ۷ھ میں آپ نے اس عمرہ کی قضا کی آیت ہذا میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ مشرکین جو مومنین کو تکلیف دیتے ہیں اور انہیں حرم شریف کے داخلہ سے روکتے ہیں یہ کچھ ان کی بات ہے اللہ تعالیٰ کافروں کو ہٹا دے گا اور مومنین امن وامان کے ساتھ جہیں گے پھر ہیں گے اور حج وعمرہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی بھی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا) ہر کافر اور مشرک خیانت کرنے والا ہے اس کے ذمہ ہے کہ اپنے خالق ومالک وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو مانے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا لہٰذا وہ بہت بڑا خائن ہے۔ اسی لئے لفظ خوان مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ لایا گیا ہے اور ہر کافر کفور یعنی ناشکرا بھی ہے پیدا تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور عبادت کرتا ہے غیر اللہ کی، اور ان دینوں کو اختیار کرتا ہے جنہیں لوگوں نے خود تراشا ہے، یہ خالق جل مجدہٗ کی بہت بڑی ناشکری ہے کہ نعمتیں اس کی کھائیں اور اسی کے دین سے منحرف رہیں، اللہ تعالیٰ ان سے محبت نہیں فرماتا مشرک اور کافر سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں، آخر یہ لوگ مغلوب ہوں گے اور اللہ کے مومن بندے ہی کامیاب ہوں گے۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ الَّذِيْنَ

ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا، اور بلاشبہ اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔ یہ لوگ

أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

اپنے گھروں سے ناحق صرف یہ کہنے کی وجہ سے نکالے گئے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بعض لوگوں کو

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا

بعض کے ذریعہ دفع فرماتا ہے تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ

اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ

کا ذکر کیا جاتا ہے مُراد لیے جاتے ، اور یہ بات ضروری ہے کہ اللہ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے ، بلاشبہ اللہ قوی ہے غلبہ والا ہے ، یہ ایسے لوگ ہیں کہ

مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ

اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں ، اور بھلائی کا حکم

وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝

کریں اور برائی سے روکیں ، اور سب کاموں کا نتیجہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

جہاد کی اجازت اور اس کے فوائد، اصحابِ اقتدار کی ذمہ داریاں

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا کام شروع کیا آپ کی دعوت پر شروع میں ان لوگوں نے بیک کہی جو دنیاوی اعتبار سے ضعیف تھے۔ ان حضرات کے پاس مال بھی نہ تھا، اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جو مشرکین کے غلام تھے اور بعض پردیسی تھے مشرکین مکہ ان حضرات کو بہت زیادہ تکلیف دیتے، اور بری طرح مارتے پیٹتے تھے۔ حتی کہ ان میں بہت سے حضرات حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ اور رسول اللہ ﷺ اور دیگر صحابہؓ مراد ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے پھر حبشہ کے مہاجرین بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے، جب تک یہ حضرات مکہ مکرمہ میں تھے ان کو صبر کرنے کا حکم تھا جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ جب مدینہ منورہ میں مسلمان جمع ہو گئے اور امن کی جگہ مل گئی اور ایک مرکزی جگہ حاصل ہو گئی جس میں اپنا اقتدار بھی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دے دی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لے آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان لوگوں نے اپنے نبی ﷺ کو شہر بدر کر دیا ہے۔ یہ لوگ ضرور ہلاک ہوں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ میں اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (الایۃ) نازل فرمائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت سن کر یوں فرمایا کہ میں نے آیت کے نازل ہونے سے سمجھ لیا کہ اب (مشرکین سے ہماری) جنگ ہوگی۔ چنانچہ ہجرت کے دوسرے ہی سال غزوۂ بدر کا معرکہ پیش آیا اور باذن اللہ تھوڑے سے مسلمان کافروں کی تین گنا تعداد پر غالب آ گئے اس کے بعد اگلے سال غزوۂ احد کا معرکہ پیش آیا اور پھر غزوات کے مواقع پیش آتے رہے اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے قدرت ہے کہ جس کی چاہے مدد فرمائے مکہ مکرمہ میں وہ مسلمانوں کو کافروں کی ایذاؤں سے محفوظ رکھنے پر قادر تھا اور اس کے بعد بھی اسے قدرت تھی کہ جنگ کئے بغیر مسلمان مدینہ منورہ میں آرام سے رہیں اور دشمن چڑھ کر نہ آئے اور ان سے مقابلہ نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ مسلمانوں کے جان و مال اللہ کی راہ میں خرچ ہوں اور ان کو بہت زیادہ ثواب دیا جائے۔ مشرکین مکہ نے جو اہل ایمان سے دشمنی کی اور ان کو تکلیفیں دیں اور مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کیا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ حضرات اللہ کا نام لیتے تھے اللہ کو اپنا رب مانتے تھے، دین توحید قبول کر لیا تھا کسی کا بگاڑا کچھ نہیں تھا کسی قسم کا کوئی جرم نہیں کیا تھا، کافروں کے نزدیک ان کا صرف یہ جرم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہو گئے اسی کو فرمایا اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الایۃ) اس میں جہاد اور قتال کی حکمت بیان فرمائی اور یہ بتایا کہ قتال اور جہاد صرف اسی امت کے لئے مشروع اور مامور نہیں ہے اس امت سے پہلے جو مسلمان تھے ان کے لئے بھی قتال مشروع تھا بات یہ ہے کہ کفر اور اسلام کی ہمیشہ دشمنی رہی ہے اسی وجہ سے کافروں اور مؤمنوں میں

لڑائیاں ہوتی رہی ہیں اپنے اپنے زمانہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں نے کافروں سے جنگ کی ہے اور اس کے ذریعہ کافروں کا زور توڑا ہے۔ اللہ جل شانہٗ کی یہ عادت رہی ہے کہ ایک جماعت کے ذریعہ دوسری جماعت دافع فرمایا ہے اگر یہ صورت حال نہ ہوتی تو کفار اہل ایمان کی عبادت گاہوں کو سرا سر ختم کر دیتے۔ یہود نے (جو اپنے زمانہ میں مسلمان تھے) دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا اور اپنی عبادت گاہوں کو بچایا پھر نصاریٰ کا دور آیا (جو اپنے زمانے کے مسلمان تھے) انہوں نے بھی کافروں سے جنگ کی اور اپنے عبادت خانوں کی حفاظت کی، وہ دونوں قومیں اب بھی ہیں لیکن سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا دین قبول نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہیں اب امت محمدیہ ہی مسلمان ہے اور تمام کافروں سے (جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں) مسلمان ہی جنگ کرتے رہے اگر مسلمان جنگ نہ کریں تو ان کی مسجدیں گرا دی جائیں جن میں اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے، کافروں کو یہ کہاں گوارا ہے کہ مسلمان اذانیں دیں اور مسجدیں بنائیں اور ان میں جماعت سے نمازیں پڑھیں، مسلمانوں کے جہاد سے ڈرتے رہتے ہیں اس لئے دنیا جہاں میں مسجدیں قائم ہیں اور پورے عالم میں برابر ان کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان بندوں کے اوصاف بیان فرمائے جو مکہ مکرمہ سے نکالے گئے پھر جب انہیں اقتدار دیا تو انہوں نے دین کی خدمت کی، خود بھی نمازیں قائم کیں اور زکوٰتیں ادا کیں، اور دوسروں سے بھی دین پر عمل کرایا عمل کرانے سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ضرورت ہوتی ہے ان حضرات نے دونوں چیزوں کا خوب زیادہ اہتمام فرمایا۔

جن حضرت نے مذکورہ بالا اوصاف بتائے ہیں ان کا سب سے پہلا مصداق حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں یہ حضرات مکہ مکرمہ سے نکالے گئے اور انہوں نے اپنے زمانہ میں وہ سب کام کئے جن کا آیت بالا میں تذکرہ فرمایا ہے۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳/۲۲۶ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں اور میرے اصحاب کے بارے میں ہے، ہم حق اپنے گھروں سے نکالے گئے جب کہ ہمارا اس کے علاوہ کچھ قصور نہ تھا کہ ہمارے اللہ کہتے تھے پھر ہمیں اللہ نے زمین میں اقتدار دیا تو ہم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا۔

قرآن مجید کی تصریح کو دیکھو اور روافض کی بیہودہ بات کو دیکھو جو کہتے ہیں کہ حضرات ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر تمام صحابہ کافر تھے (العیاذ باللہ) یہ لوگ مشکل سے دو تین صحابہ کو مسلمان کہتے ہیں۔ آیت شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کسی مسلمان کو اقتدار نصیب فرمائے وہ نماز بھی پڑھے اور زکوٰۃ بھی دے اور لوگوں کو نیکیوں کا حکم کرے اور گناہوں سے روکے، آج کل لوگ اقتدار تو سنبھال لیتے ہیں لیکن خود بھی نماز نہیں پڑھتے نہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور نہ لوگوں سے فرائض کا اہتمام کراتے ہیں اور نہ گناہوں سے روکتے ہیں، اور اتنا ہی نہیں کرتے بلکہ ذرائع ابلاغ کو گناہوں کے پھیلانے اور معصیت عام کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں، عوام سے ڈرتے ہیں کہ اگر انہیں گناہوں سے روکا تو ناراض ہو جائیں گے اور ملازم کا طعنہ دیں گے اور ان سے اقتدار چھن جائے گا۔

آخر میں فرمایا کہ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے) مسلمانوں کا ابتدائی زمانہ بڑی تکلیف کا تھا مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا پھر اسی مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے زمین میں اقتدار نصیب فرمایا زمین کے بہت بڑے حصہ پر ان کی حکومت قائم رہی اور اب بھی دنیا کے بہت حصہ پر ان کا اقتدار ہے اقتدار کے مقتضا پر عمل نہیں کرتے۔

سب کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اس نے مسلمانوں کو خوب بڑھایا اقتدار سے نوازا، کافروں کے مقابلہ میں ان کا انجام اچھا ہوا اور آخرت میں ہر مومن کا انجام تو اچھا ہے ہی فللّٰہ الحمد و المنۃ۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم

وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ

اور مدین والے جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ کو جھٹلایا گیا سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر میں نے انہیں پکڑ لیا

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى

سو کیسا تھا میرا عذاب، سو کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا جو ظلم کرنے والی تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری

عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ

ہوئی ہیں اور کتنے ہی کنوئیں ہیں جو بے کار ہیں اور کتنے ہی محلوں میں جو مضبوط بنے ہوئے تھے، کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تاکہ ان کے

قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى

ایسے دل ہوتے جن سے یہ سمجھتے یا ایسے کان ہوتے جن سے یہ سنتے سو بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے

الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ

ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں، اور وہ آپ سے جلد عذاب لانے کا تقاضا کرتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا،

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ

اور بلاشبہ آپ کے رب کے نزدیک ایک دن ہے جو تم لوگوں کے شمار کے مطابق ایک سال کے برابر ہوگا، اور کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو میں نے مہلت دی

لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

اس حال میں کہ ظلم کرنے والی تھیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹنا ہے۔

ہلاک شدہ بستیوں کی حالت اور مقام عبرت

ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ کے مخاطبین آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کی امتوں نے جھٹلایا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد (جو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی) اور قوم ثمود (جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور مدین والے (جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے) ان سب نے اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کی اور موسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی گئی ان حضرات نے صبر کیا اور دعوت کا کام جاری رکھا آپ بھی صبر کیجئے اور اپنا کام جاری رکھئے، یہ تو آپ کی ذات کے متعلق ہے اب رہا مکذبین کا معاملہ تو انہیں سابقہ امتوں سے سبق لینا چاہیے ان امتوں میں جو کافر تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے ڈھیل دی پھر انہیں پکڑ لیا۔ یہ گرفت سخت عذاب

کے صورت میں تھی ان لوگوں کو پتہ چل گیا کہ اللہ کا عذاب کیسا ہے؟ ان لوگوں کو ان کے حالات معلوم ہیں ان سے عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ وہ کیسے سخت عذاب میں مبتلا ہوئے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کتنی ہی بستیاں تھیں جو ظالم تھیں اور نافرمانی پر تلی ہوئی تھیں ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، دنیا میں ان کے نشان موجود ہیں ان کے گھروں کی دیواریں ان کی چھتوں پر گری ہوئی ہیں (کیونکہ پہلے چھتیں گریں پھر اوپر سے دیواریں گریں) اور کتنے ہی کنویں پڑے ہیں جو بیکار ہیں، کسی کے کچھ کام نہیں آتے اور کتنے ہی ویران محل پڑے ہوئے ہیں جنہیں بنانے والوں نے مضبوط بنایا تھا، آج وہ کسی کے کام میں نہیں آتے ان کے بنانے والے اور رہنے والے ہلاک ہوئے برباد ہوئے آج کوئی ان میں جھانکنے والا نہیں ہے۔

مزید فرمایا کیا یہ لوگ دنیا میں نہیں گھومے پھرے؟ (سفر تو انہوں نے کئے ہیں اور برباد شدہ بستیوں پر گزرے ہیں اور ایسے محلات اور کنویں انہوں نے دیکھے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا لیکن عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے) اگر عبرت لینے کا مزاج ہوتا تو ان کے قلوب سمجھ جاتے اور ان کانوں میں جو موعظت و عبرت کی باتیں پڑتی ہیں اگر انہیں سننے کی طرح سنتے تو عبرت حاصل کر لیتے اور سنی ہوئی باتوں کو ان سنی نہ کرتے عبرت کی چیزیں سامنے ہیں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن یہ آنکھوں سے دیکھنا ضائع ہو رہا ہے، اصل بات یہ ہے کہ دل اندھے بنے ہوئے ہیں اسی لئے نہ عبرت لیتے ہیں نہ حق قبول کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ آپ سے جلدی عذاب آجانے کا تقاضا کرتے ہیں (اور اس جلدی بازی کے تقاضے میں عذاب کا انکار کرنا مقصود ہے مطلب ان کا یہ ہے کہ عذاب آتا ہے تو آ کیوں نہیں جاتا ہم تقاضا کر رہے ہیں پھر بھی عذاب کا ظہور نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے ہی باتیں ہیں اب تک نہ عذاب آیا ہے نہ آئے گا) اس کے جواب میں فرمادیا کہ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا) عذاب ضرور آئے گا مگر اس کے آنے کے لئے جو اجل مقرر فرمادی ہے اس کے مطابق آئے گا عذاب آنے میں دیر ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آنا ہی نہیں ہے۔

پھر فرمایا وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (اور بلاشبہ آپ کے رب کے نزدیک ایک ایک دن ہے جو تم لوگوں کے شمار کے مطابق ایک سال کے برابر ہوگا) اس میں یہ بتایا کہ کفر کی سزا اگر کسی قوم کو دنیا میں نہ دی گئی تو قیامت تو سامنے ہے ہی وہ دن بہت سخت ہوگا اور دراز ہوگا دوزخ کا عذاب تو بعد میں ہوگا اس سے پہلے قیامت کے دن کا عذاب اور مصیبت میں جو مبتلا ہوں گے اسی کو سوچ لیں اور غور کر لیں، قیامت کا دن ایک ہزار سال کو ہوگا اور اتنے لمبے دن میں جو تکلیف ہوگی اس کا اندازہ اسی سے کر لیں، حسب فرمان نبی اکرم ﷺ سورج ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا اور اس کی گرمی سے اس قدر پسینہ میں ہوگا کہ بعض کا پسینہ ٹخنوں تک اور بعض کا کمر تک اور بعض کا منہ تک ہوگا یعنی پسینہ میں ایسے کھڑے ہوں گے جیسے کوئی شخص نہر میں کھڑا ہو یہ پسینہ لگام کی طرح منہ میں گھس رہا ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فقراء مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اور یہ پانچ سو سال قیامت کے دن کا آدھا دن ہوگا۔ رواہ الترمذی (آیت شریفہ اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا اور سورۂ معارج میں فرمایا ہے کہ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی)

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا دونوں باتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں تعارض نہیں ہے کیونکہ حاضرین کی حالت جدا جدا ہوگی کسی کو ایسا معلوم ہوگا کہ حساب کتاب میں پچاس ہزار سال لگے اور کسی کو یہ محسوس ہوگا کہ ایک

ہزار سال میں حساب سے فارغ ہو گیا، حساب کی شدت اور سختی کے اعتبار سے ایک ہزار اور پچاس ہزار سال فرمایا امام بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ وہ دن تو بہت ہی لمبا ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی (مقصد یہ تھا کہ وہ دن کیسے کٹے گا) آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ دن مؤمن پر ایسا ہلکا کر دیا جائے گا کہ ایک فرض نماز میں جو وقت خرچ ہوتا ہے اس سے بھی ہلکا معلوم ہوگا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب فی یوم کان مقدارہ الف سنہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا علم ہے جو بات میں نہیں جانتا اسے بیان کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔

آخر میں بطور خلاصہ مضمون بالا کو پھر دہرایا اور فرمایا وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ (الآیۃ) اور کتنی بستیوں کو میں نے ڈھیل دی اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والی تھیں، پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے یعنی دنیا میں جو مبتلائے عذاب ہوئے وہ اپنی جگہ بے قیامت کے دن میری طرف لوٹ کر آئیں گے اور قیامت کے دن اس کے بعد جو کفر کی سزا ملے گی وہ اس کے علاوہ ہوگی۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو میں تمہارے لئے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں، سو جن لوگوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے، اور جن لوگوں نے عاجز کرنے کے لئے ہماری آیات کے بارے میں کوشش کی یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے اور معاندین کے لئے عذاب جہنم ہے

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو بتا دیں کہ میں ایک ڈرانے والا ہی ہوں، ڈرانا اور واضح طور پر سب کچھ بیان کر دینا یہ میرا کام ہے منوانا اور ہاتھ پکڑ کر عمل کروانا میرا کام نہیں، اور عذاب لانا بھی میرا کام نہیں مجھ سے عذاب لانے کی جلدی کرنا تمہاری حماقت اور جہالت ہے، میری دعوت و تبلیغ پر جو بھی ایمان لے آئے اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے اس کے لئے مغفرت اور عزت کے رزق کی خوش خبری دیتا ہوں، میں نذیر بھی ہوں اور بشیر بھی ہوں، تم اگر ایمان نہیں لاتے تو اپنا انجام سوچ لو۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ عاجز کرنے کے لئے ہماری آیات میں کوشش کرتے ہیں یعنی ہماری آیات کو کبھی جادو کبھی شعر بتاتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں یہ پرانوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں اور اس طرح کی باتیں کر کے اہل ایمان کو عاجز کرنا چاہتے ہیں ایسے لوگ دوزخ والے ہیں (کیونکہ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی حق کو قبول نہیں کرتے اور خواہ مخواہ کی حجت بازی کرتے ہیں)۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ

اور آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو جب اس نے پڑھا تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں شبہ ڈال دیا

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لِّيَجْعَلَ

پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ختم کر دیتا ہے پھر اپنی آیات کو مستحکم کر دیتا ہے، اور اللہ علیم ہے، حکیم ہے، تاکہ

مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ

شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا

بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَلَا يَزَالُ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ

عَقِيْمٍ ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ع

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت میں شیطان کی حرکتیں اہل علم کے یقین میں پختگی آنا اور کافروں کا شک میں پڑے رہنا

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے رسول اکرم ﷺ کو تسلی دی ہے اور فرمایا کہ آپ کے مخالفین جو پیچھ حرکتیں کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے بھی حضرات رسل عظام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے، ان حضرات نے جب اپنے مخالفین کے سامنے اللہ کی کتاب پڑھی تو شیطان نے ان کی قرأت اور تلاوت کے بارے میں مخالفین کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات ڈال دیئے۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں فرمایا ہے وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا (اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن بنا دیئے جو انسانوں میں سے بھی ہیں اور جنات میں سے بھی، یہ ہوتا کہ ان میں سے ایک دوسرے کی طرف ملمع کی باتیں ڈالتے ہیں جو بظاہر خوشنما ہوتی ہیں) نیز سورۂ انعام میں فرمایا وان الشیاطین لیوحون الی اولیآئھم لیجادلوکم (اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کی طرف ایسے چیزیں ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں)

شیاطین اور ان کے دوست اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے، اسد مقبول نہیں کرتے اور اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جن کو ہدایت ملتا ہے اور ہدایت پر مستقیم رہتا ہے وہ لوگ شیطان کے ڈالے ہوئے شکوک و شبہات سے

باوجود دین میں اور زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو اور زیادہ مضبوط اور مستحکم کر دیتا ہے اور شیطانی شکوک و شبہات سے وہ لوگ متاثر ہوتے ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی خلق ہے اور جن کے دل سخت ہیں یعنی وہ کافر جنہوں نے جھوٹے منہ سے بھی اسلام قبول نہیں کیا۔ شیطان جو وسوسے ڈالتا ہے ان دونوں کی آزمائش کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ یہ خاصۂ کمزور ایمان کے لوگ ہی دوری مخالفت میں جا پڑتے ہیں، کیونکہ حق واضح ہو جانے کے باوجود حق کو قبول نہیں کرتے جس کی طبیعت میں عناد ہے ان کے عناد کو وساوس شیطانیہ سے تقویت پہنچ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ شیطان ہی کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور جن حضرات کو علم دیا گیا ہے وہ یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ نبی نے پڑھا اللہ کی طرف سے ہے حق ہے سچ ہے رب کی طرف سے ہے، اپنے اس یقین کی وجہ سے ایمان پر اور زیادہ ثابت ہو جاتے ہیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جاتے ہیں، اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہے کہ وہ انہیں صراط مستقیم پر رکھتا ہے، اسی کو فرمایا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور کافروں کے بارے میں فرمایا ہے وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ (الآیۃ) اور کافر لوگ اس بات کی طرف سے جو نبی نے تلاوت کی ہے شک میں رہیں گے اور ان کا یہ شک یہاں تک رہے گا کہ یا تو ان پر دفعۃً قیامت آ جائے یا قیامت سے پہلے ان پر ایسے دن کا عذاب آ جائے جو ان کے حق میں بالکل ہی خیر سے خالی ہو، لیکن اس وقت ایمان لانا نافع نہ ہوگا۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ قیامت کے دن صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی ہوگی، اہل دنیا کی مجازی حکومتیں، سلطنتیں ختم ہو چکی ہوں گی، اللہ تعالیٰ ہی دونوں جماعتوں (مومنوں اور کافروں) کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور آیات الٰہیہ کو جھٹلایا ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا، دنیا میں وہ ایمان قبول کر کے باعزت نہیں رہنا چاہتے اور کفر میں عزت سمجھتے ہیں لہٰذا انہیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جس میں بہت زیادہ سخت عذاب ہے اور بہت بڑی ذلت بھی ہے۔

وهذا الذى ذكرنا فى تفسير الآية اختاره صاحب روح المعانى حيث قال والمراد بذالك هنا (بالتمنى) عند كثير القراء والاية مسوقة لتسلية النبى صلى الله تعالى وسلم بان السعى فى ابطال الايات امر معهود وانه لسعى مردود، والمعنى وما ارسلنا من قبلك رسولا ولا نبيا الا وحاله انه اذا قرأشيأ من الايات القى الشيطان الشبه والتخيلات فيما يقروه على اوليائه لمحادلوه بالباطل ويردوا واما جاء به كما قال تعالى (وان الشياطين ليوحون الى اوليائهم ليجادلوكم) وقال سبحانه و (كذلك جعلنا لكل نبى عدوا شياطين الانس والجن يوحى بعضهم الى بعض زخرف القول غرورا) وهذا كقولهم عند سماع قراءة الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم (حرم عليكم الميتة) انه يحل ذبيحه بنفسه ويحرم ذبيح الله تعالى وقولهم على ما فى بعض الروايات عند سماع قراءته عليه الصلاة والسلام (الكم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم) ان عيسى عبد من دون الله تعالى والملائكة عليهم السلام عبدوا من دون الله تعالى (فيسخ الله ما يلقى الشيطان) اى فيبطل ما يلقيه من تلك السنة ويذهب به سوفق النبى صلى الله عليه وسلم لرده او ساير ما يرده (ثم يحكم الله ايآته) اى يأتى بها محكمة منة لا تقبل الرد بوجه من الوجوه (روح المعانى ج ۱۷ ص ۱۰۳) وهذا ذكره المفسرون وهى قصة الغرانيق قال الرازى فى تفسيره هى باطله موضوعة واجتمعوا عليه بالقران والسنة والمعقول. قال الله تعالى شانه (وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى) وقال (سنقرئك فلا تنسى) وقال (لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه) وقال (انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون) وقال البيهقى هذه قصة غير ثابته من جهة النقل ثم احدثكم فى ان رواة هذه القصه مطعونون

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کیے گئے یا طبعی موت سے وفات پا گئے اللہ نہیں ضرور ضرور اچھا رزق عطا فرمائے گا

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ

اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ بہتر رزق دینے والا ہے، وہ انہیں ضرور ضرور ایسی جگہ میں داخل فرمائے گا جس میں وہ خوش ہوں گے اور بلاشبہ اللہ خوب جاننے والا ہے،

حَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ

بہت حلم والا ہے، یہ بات یوں ہی ہوگی اور جو شخص اس قدر بدلہ دے، جس قدر اسے تکلیف پہنچائی گئی پھر اس پر زیادتی کی جائے اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اس کی مدد

اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝

فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور بخشنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہجرت کرنے والوں کے لئے رزق حسن ہے

اسلام کے عہد اول میں مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو طرح طرح سے تکلیفیں دی جاتی تھیں جن کی وجہ سے بہت سے صحابہؓ نے حبشہ کو ہجرت کی اور بہت سے حضرات نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی خود رسول اللہ ﷺ نے اپنا وطن مالوف مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی پھر حبشہ کے مہاجرین بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے جب مدینہ منورہ مرکز اسلام بن گیا تو مختلف قبائل اور مختلف علاقوں کے لوگ بھی مدینہ منورہ آ گئے محض اللہ کے لئے وطن کو چھوڑنا وطن میں جو کچھ اموال املاک گھر جائیداد ساز و سامان ہو اس سب کو چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر بس جانا اس میں بڑا امتحان ہے، بعد میں جو لوگ مختلف علاقوں میں مسلمان ہوئے ان میں سے بھی بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں کو ہجرت کرنی پڑی اور اس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے، ہجرت کا ثواب بہت زیادہ ہے اور اگر ہجرت کرنے والا مقتول ہو جائے تو اس کا مزید ثواب ہوگا، اگر مقتول نہ ہوا اپنی طبعی موت مر جائے تو اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی بھی بہت قیمت ہے اس کو فرمایا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا (اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مقتول ہو گئے یا اپنی طبعی موت مر گئے اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ضرور عمدہ رزق عطا فرمائے گا) اور اس سے جنت کے ماکولات اور مشروبات اور دیگر نعمتیں مراد ہیں وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے بہتر دینے والا ہے) لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ایسی جگہ میں داخل فرمائے گا جس سے وہ خوش ہوں گے) یعنی انہیں جنت نصیب فرمائے گا، جو انہیں پسند ہوگی وہاں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کہیں جانا گوارا نہیں کریں گے) وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے حلم والا ہے) سب کے اعمال کو جانتا ہے اپنے علم کے مطابق جزا سزا دے گا اور وہ حلیم بھی ہے سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا حکمت کے مطابق اور اجل مقررہ کے موافق سزا دے گا شاید کسی کو اشکال ہو کہ مقتول اور طبعی موت مرنے والے کے درمیان بظاہر فرق ہونا چاہیے لیکن آیت شریفہ کے ظاہری الفاظ سے مساوات مفہوم ہو رہی ہے یہ اشکال واقع نہیں ہوگا کیونکہ آیت شریفہ میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں رزق حسن عطا فرمائے گا برابری کا کوئی ذکر نہیں ہے جس کو جتنا بھی ملے گا وہ حسن ہی ہوگا اگرچہ فرق مراتب ہو قال صاحب الروح نا قلا عن البحر ان التسوية في الوعد بالرزق الحسن لا تدل على تفضيل في المعطى ولا تسوية فان يكن تفضيل فمن دليل آخر و ظاهر الشريعة ان

المقتول افضل. انتهى

اس کے بعد فرمایا ذٰلِكَ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی یہ بات جو اوپر بیان ہوئی یہ طے شدہ ہے اللہ تعالیٰ نے جیسا فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ (الآیۃ) اور جو شخص اس قدر بدلہ لے جس قدر اسے تکلیف پہنچائی گئی پھر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اس کی مدد فرمائے گا، اس آیت سے زیادتی کرنے والے سے بدلہ لینے کی اجازت معلوم ہوئی بشرطیکہ بدلہ لینے میں برابری کا دھیان رکھے یعنی جتنی تکلیف پہنچائی گئی ہو اسی قدر تکلیف پہنچ سکتا ہے اگر کسی نے اتنا ہی بدلہ لیا جتنا بدلہ لینے کا اختیار تھا پھر اس پر اس شخص کی طرف سے زیادتی کی گئی جس نے پہلے زیادتی کی ابتداء کی تھی تو اللہ جل شانہ ضرور ضرور اس شخص کی مدد فرمائے گا جس پر دوبارہ زیادتی کی گئی اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بخشنے والا ہے) اللہ تعالیٰ تو معاف فرما دیتا ہے لیکن بندے بدلہ لے لیتے ہیں اگر بندے بھی معاف کر دیا کریں تو اللہ تعالیٰ سے اس کا ثواب پائیں گے جیسا کہ سورۂ شوریٰ میں فرمایا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (سو جس نے معاف کیا اور صلح کی تو اس کا اجر اللہ پر ہے)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝

یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ دیکھنے والا اور سننے والا ہے،

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ

یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ حق ہے اور اس کے علاوہ جو دوسروں کو پکارتے ہیں وہ باطل ہیں، اور اللہ برتر ہے

الْكَبِيْرُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۚ

بڑا ہے، کیا تو نے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر زمین ہری بھری ہو گئی،

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ

بلاشبہ اللہ بہت مہربان ہے خبر رکھنے والا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب اس کا ہے اور بلاشبہ اللہ غنی ہے

الْحَمِيْدُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ ع ۱۵

تعریف کا مستحق ہے، اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے مسخر فرما دیا جو زمین میں ہے، اور کشتی کو مسخر فرما دیا وہ سمندر میں اسکے حکم سے چلتی ہے

وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے، مگر یہ کہ اسی کا حکم ہو جائے۔ بلاشبہ اللہ لوگوں پر بہت مہربان ہے نہایت رحم فرمانے والا ہے،

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝

اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ فرمائے گا، بلاشبہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تسخیر اور تصرفات کے مظاہرے

یہ مظلوم کو غالب کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی وجہ سے ہے، جو کچھ عالم سفلی اور عالم علوی میں ہے وہ سب اسی کا ہے سارے انقلابات زمان میں ہوں یا مکان میں سب اسی کی قدرت و مشیت اور ارادہ سے ہوتے ہیں، وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے، وہ ہر بات کو سنتا ہے سب کچھ دیکھتا ہے وہ حق ہے اس کے علاوہ جو لوگوں نے معبود بنائے ہیں وہ سب باطل ہیں، وہ برتر ہے بڑا ہے، وہی آسمان سے پانی اتارتا ہے جس سے زمین ہری بھری ہو جاتی ہے، وہ لطیف ہے یعنی مہربان ہے اور خبیر ہے جو اپنی ساری مخلوق کی خبر رکھتا ہے وہ بے نیاز ہے ہر تعریف کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ تمہارے لئے مسخر فرما دیا یعنی تمہارے کام میں لگا دیا جو کچھ زمین میں ہے کشتیاں اسی کے حکم سے چلتی ہیں اور یہ آسمان جو تمہاری نظر کے سامنے ہے جو اللہ کی بڑی مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے محض اپنی قدرت سے روک رکھا ہے لہٰذا وہ زمین پر نہیں گرتا، اگر وہ چاہے تو آسمان کو گرا سکتا ہے لیکن وہ اسے اپنی قدرت سے تھامے ہوئے ہے اللہ تعالیٰ بہت بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، اگر وہ آسمان کو نہ روکے اور آسمان زمین پر گر پڑے تو کوئی زندہ نہیں بچ سکتا یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ کافروں اور فاسقوں کو بھی زندہ رکھتا ہے اور سب کے لئے زندگی کے اسباب فراہم کرتا ہے، اسی نے پہلے رزندگی بخشی اس زندگی کے بعد وہی موت دیتا ہے پھر زندہ فرمائے گا، انسان دنیا کے انقلابات کو دیکھتا ہے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے لیکن ناشکری اختیار کرتا ہے یہ سب کچھ ہوتے ہوئے آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کفر و شرک سے باز نہیں آتا۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ

ہم نے ہر امت کیلئے عبادت کے طریقے مقرر کئے جن کے مطابق وہ عبادت کرتے تھے، سو اس امر میں وہ آپ سے جھگڑا نہ کریں اور آپ ان کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں

إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾

بلاشبہ آپ ہدایت پر ہیں جو سیدھا راستہ ہے اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے،

اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ

اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان چیزوں میں فیصلہ فرمائے گا جن میں اختلاف کیا کرتے تھے، اے مخاطب! کیا تجھے معلوم نہیں

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾

جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے بلاشبہ یہ اللہ اس سب کو جانتا ہے سب کچھ کتاب میں لکھا ہے، بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے۔

ہر امت کے لئے عبادت کے طریقے مقرر کئے گئے ہیں

مشرکین اور دیگر کافرین جو رسول اللہ ﷺ کا اور آپ کے بیان فرمودہ اعتقادات اور احکام شرعیہ پر اعتراض کرتے تھے ان میں یہود و نصاریٰ بھی تھے، یہ لوگ یوں کہتے تھے کہ یہ احکام اور اعمال ہم نے پہلے کسی سے نہیں سنے۔ آپ کی بتائی ہوئی ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا پرانی امتوں کے اعمال و احکام میں کوئی ذکر نہیں ملتا، یہ تھا کہ جھگڑے کرتے رہیں اور انکار پر تلے رہیں، اللہ جل شانہٗ نے ان لوگوں کو

جواب دے دیا لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ (ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کے طریقے مقرر کر دیئے جن کے مطابق وہ عمل کرتے تھے) اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے، مالک الملک ہے آمر مطلق ہے اسے اختیار ہے کہ جس امت کو جو چاہے حکم فرمائے انبیاء سابقین علیہم السلام کی امتوں کو جو احکام عطا فرمائے ان کے ذمہ ان پر عمل کرنا تھا اور آخری نبی ﷺ کی امت کو جو احکام دیئے ان پر عمل کرنے کی ذمہ داری ان پر ڈال دی گئی ہے، کسی مخلوق کو کوئی حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرے اور یوں کہے کہ آخری نبی جو آئے ہیں ان کی شریعت میں بہت سی وہ چیزیں ہیں جو انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں نہیں ہیں۔

معاندین کا جواب دینے کے بعد ارشاد فرمایا فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ (سو وہ اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کریں) خاتم الانبیاء ﷺ مستقل شریعت لے کر تشریف لائے آپ کے تشریف لانے پر تمام احکام شرعیہ فرعیہ سابقہ منسوخ ہو گئے جو شخص آپ کے ارشاد فرمودہ احکام پر اعتراض کرتا ہے اور جھگڑا کرتا ہے اس کا اعتراض کرنا اللہ پر اعتراض ہے جو کفر در کفر ہے یہ لوگ جھگڑے بازی سے دور رہیں وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے بلاشبہ آپ ہدایت پر ہیں جو سیدھا راستہ ہے) مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے کام میں لگے رہیں حق کی دعوت دیتے رہیں کوئی کچھ بھی اعتراض کرے کسی کے اعتراض سے متاثر نہ ہوں اللہ کی طرف سے آپ کو ہدایت والا سیدھا راستہ بتایا گیا ہے اور اس کے حق ہونے کی اللہ کی طرف سے ضمانت دی گئی ہے وہ آپ کے لئے کافی ہے۔

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تمہارے کاموں کو بہتر جانتا ہے) وہ تمہارے اعمال کی سزا دے گا مزید فرمایا اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان چیزوں کے بارے میں فیصلہ فرما دے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے) جب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تو سب کچھ ظاہر ہو جائے گا مگر اس وقت منکرین کو حق واضح ہو جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ جو حکم بھیجا ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے طور پر یہیں اسی دنیا میں تسلیم کریں تو یہ ایمان ان آخرت کے دن مفید ہوگا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اے مخاطب کیا تجھے معلوم نہیں جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ اس سب کو جانتا ہے) اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ (بلاشبہ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے) یعنی لوح محفوظ میں مرقوم ہے اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے) لوح محفوظ میں سب کچھ محفوظ فرمانا اس کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں ہے کوئی منکر اور معاند یہ نہ سمجھے کہ اتنی زیادہ مخلوق کے حالات ایک ہی کتاب میں کیسے سمائیں گے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جنکے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، اور نہ ان کے پاس ان کی کوئی دلیل ہے،

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ

اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں، اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو خوب واضح ہیں تو اے مخاطب تو کافروں کے

وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ

چہروں میں ناگواری کو پہچان لے گا، قریب ہے کہ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان کے سامنے ہماری آیات پڑھتے ہیں۔

ع ۱۲ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

آپ فرما دیجئے کیا میں اس سے زیادہ ناگوار چیز نہ بتا دوں؟ وہ دوزخ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

کافر قرآن سنتے ہیں تو ان کے چہروں سے ناگواری محسوس ہوتی ہے

ان آیات میں مشرکین کی تردید فرمائی ہے اور ان کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی عذاب کا تذکرہ بھی فرمایا جو آخرت میں ہوگا۔ اول تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے معبود ہونے کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور ان کے پاس کوئی عقلی دلیل بھی نہیں ہے جس سے شرک کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہو، یہ لوگ شرک کرکے خائم بنے ہوئے ہیں اور اس ظلم کی سزا انہیں مل جائے گی جب انہیں عذاب ہونے لگے تو ان کے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب ان مشرکوں کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں جن کے مضامین خوب واضح ہیں تو کافروں کے چہرے بدل جاتے ہیں اور چہروں پر ناگواری محسوس ہونے لگتی ہے ناگواری کا یہ عالم ہے کہ جو اہل ایمان انہیں ہماری آیات سناتے ہیں ان پر حملہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ابھی حملہ کر دیں گے، ان کی یہ حالت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اے نبی آپ ان سے کہہ دیں کہ دنیا میں تمہیں ناگواری محسوس ہوتی ہے یہ تو ہلکی ناگواری ہے اس سے بڑھ کر وہ ناگواری ہوگی جو دوزخ میں داخل ہو کر پیش آئے گی دوزخ کی آگ کا عذاب بہت بڑا عذاب ہے وہ کافروں کو ناگوار ہوگا لیکن اس سے چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہ ہوگا دنیا میں قرآن سن کر جو ناگواری ہوتی ہے اس کا تو کچھ غصہ الامنہ بنا کر تدارک بھی کر لیتے ہو آخرت میں جو عذاب ہوگا نہ ماکا ہوگا، نہ ختم ہوگا، نہ قابل برداشت ہوگا، دوزخ کی آگ کا اللہ تعالیٰ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے یعنی دنیا میں پہلے سے بتا دیا ہے کہ کفر کی سزا دوزخ ہے اس سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ وبئس المصیر (اور دوزخ برا ٹھکانہ ہے)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ

اے لوگو! ایک مثل بیان کی گئی ہے سو تم اسے دھیان سے سن لو، بلاشبہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں وہ ہرگز

يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ

کبھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ اس کے لئے وہ سب جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو اسے چھڑا نہیں سکتے،

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور، لوگوں نے اللہ کی ویسی تعظیم نہیں کی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا زبردست ہے۔

مشرکین کے معبودوں کی عاجزی کا حال

غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں اور ان کی معبودوں کے بارے میں عجیب بات بیان فرمائی ہے اور اس کو مثل سے تعبیر فرمایا مثل کہاوت کو کہتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے جسے مشرکوں کے سامنے بار بار ذکر کرنا چاہئے۔ مشرکوں کو سنائیں اور ان سے کہیں کہ خوب دھیان سے سنو تاکہ تمہیں اپنی حماقت اور گمراہی کا خوب پتہ چل جائے۔

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو اور جنہیں مدد کے لئے پکارتے ہو یہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے سب مل کر بھی ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو عاجز ہو کر رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ اتنی بڑی کائنات کا خالق ہے اس کی عبادت چھوڑ کر عاجز مخلوق کی عبادت کرنا اور عاجز مخلوق سے مرادیں مانگنا بہت بڑی بے وقوفی ہے اور بہت دور کی گمراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا تم نے جتنے بھی معبود بنا رکھے ہیں یہ مکھی پیدا تو کیا کرتے۔ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اس سے چھڑا نہیں سکتے صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ مشرکین بتوں کے جسموں پر زعفران لگا دیتے تھے اور ان کے سروں پر شہد مل دیتے ہیں پھر دروازہ بند کر کے یہ چلے جاتے اور ادھر روشن دانوں سے مکھی آ جاتی تھی جو شہد کو کھا جاتی تھی (ہندوستان کے مشرکوں کا اب بھی یہ طریقہ ہے کہ بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں ان کے سامنے مٹھائیاں رکھتے ہیں مکھیوں کے مزے آ جاتے ہیں اور یہ باطل معبود بے جان عاجز مکھی تک کے سامنے کچھ بھی نہیں) اپنے خود تراشیدہ معبودوں کی حالت آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن ان کی پوجا پاٹ اور ان کے سامنے ڈنڈوت کرنے سے باز نہیں آتے۔ جو شخص حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت توحید سے منہ موڑے گا وہ اسی طرح عاجز مخلوق کے سامنے ذلیل ہوگا۔ جو لوگ خالق و مالک کی توحید کے قائل نہیں ہوتے اور اس کی ذات پاک کو سجدہ نہیں کرتے وہ یوں ہی مارے مارے پھرتے ہیں اور اپنے سے بھی زیادہ عاجز مخلوق کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ طالب سے مشرک یعنی غیر اللہ کی عبادت کرنے والا اور مطلوب سے معبود باطل مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جیسا عابد ویسا ہی معبود دونوں ہی ضعیف ہیں، معبود تو ضعیف اس لئے ہیں کہ وہ مکھی تک سے مٹھائی نہیں چھڑا سکتے اور اس کی عبادت کرنے والا اس لئے کمزور ہے کہ اپنی عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتا ہے۔ معبود تو بے جان کمزور ہے ہی اس کی عبادت کرنے والا اس سے بڑھ کر کمزور ہے اس کی کمزوری عقل کے اعتبار سے ہے وہ ایسی چیز سے نفع کا امیدوار ہے جو اپنے چڑھاوے کی چیز کو مکھی تک سے نہیں چھڑا سکتا۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وہ تعظیم نہ کی جو تعظیم اس کی شان کے لائق ہو) اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں کہتا ہے خالق و مالک ہے تنہا عبادت کا مستحق ہے وہ نفع بھی دیتا ہے اور ضرر بھی وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے ہر اونچی اور ہلکی سے ہلکی آواز کو سنتا ہے سب بندوں پر لازم ہے کہ اسے وحدہٗ لاشریک مانیں اور اس کی تمام صفات جلیلہ پر ایمان لائیں جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں ایسی ذات وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق کو معبود بنا لینا اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے بہت بعید ہے اور گمراہی ہے جب مشرکین سے مسلمان کہتے ہیں کہ تم خالق کائنات جل مجدہٗ کو نہیں مانتے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مانتے ہیں، جھوٹی زبان سے اللہ تعالیٰ کے ماننے کا دعویٰ کر دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ ماننا اس کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کی مخلوق میں سے خدا تراش لئے جائیں اور ان کے لئے جانور ذبح کئے جائیں اور ان کو سجدے کئے جائیں یہ اللہ تعالیٰ کا ماننا کہاں ہوا اور اس کے شایان شان اس کی تعظیم کہاں ہوئی؟

اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا ہے غلبے والا ہے) ایسے قوی و عزیز کو چھوڑ کر ضعیف چیز کی عبادت کرنا جو اس کی مخلوق ہے بہت بڑی گمراہی ہے۔

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ

اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو چن لیتا ہے اور آدمیوں میں سے بھی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے، وہ جانتا ہے کہ جو کچھ

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٧٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا

وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٧٧﴾

السجدة عندنا في هذا الموضع

اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والا چن لیتا ہے، وہ سب کچھ جانتا ہے

ساری مخلوق اللہ ہی کی مخلوق ہے اس نے اپنی مخلوق میں سے جسے چاہا جو مرتبہ دیا اور جسے چاہا کسی بڑے اور برتر کام کے لئے چن لیا، رسالت اور نبوت بہت بڑا مرتبہ ہے رسول کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام اور اس کے احکام اس کے بندوں تک پہنچائے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے سفارت اور رسالت کی یہ عزت بخشی کہ ان کے ذریعہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی طرف پیغام بھیجے اور صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں جنہیں انسانوں میں سے منتخب فرما کر نبوت اور رسالت سے نوازا پھر ان نبیوں اور رسولوں نے انسانوں تک وہ احکام پہنچائے جو فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس پہنچے، فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جن میں سے جنہیں چاہا پیغامبر بنا دیا اور اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہا یہ مرتبہ عطا کیا کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ یوں سوال کرے کہ فلاں کو کیوں نہیں بنایا، اللہ سمیع ہے بصیر ہے وہ سب کی باتیں سنتا ہے سب کے احوال دیکھتا ہے، جو اس کے فیصلوں کو قبول کرے گا اسے اس کا بھی علم ہے اور جو اس کے فیصلوں پر اعتراض کرے گا وہ اس سے بھی باخبر ہے اور جس جس میں اللہ تعالیٰ نے جو استعداد رکھی ہے اسے اس کا بھی پتہ ہے

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ (وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے) یعنی اسے انسانوں کے اگلے پچھلے احوال و اعمال سب معلوم ہیں، وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں) اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کا اختیار ہے، دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اس کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اور آخرت میں بھی صرف اسی کے ارادہ اور مشیت کے مطابق سب کچھ ہوگا اور اسی کا حکم چلے گا اور سارے فیصلے اسی کے ہوں گے اور حق ہوں گے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا (اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو) یعنی نماز پڑھو نماز میں کیونکہ رکوع سجدہ دو بڑے رکن ہیں اس لئے ان کا خصوصی حکم دیا۔ جس میں پوری نماز پڑھنے کا حکم آگیا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ (اور اپنے رب کی عبادت کرو) نماز کے علاوہ جو دیگر عبادات ہیں یہ حکم ان سب عبادات کو شامل ہوگیا وَافْعَلُوا الْخَیْرَ (اور خیر کے کام کرو) اس کا عموم تمام نیک اعمال کو شامل ہے اور جانی عبادات اور فرائض واجبات، مکارم اخلاق، محاسن افعال، محاسن آداب، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے احکام سب کو شامل ہے لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ) یعنی تمام مامورات پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی امید رکھو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سجدہ کی آیت ہے اور امام ابوحنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اس آیت پر سجدہ تلاوت نہیں ہے فریقین کے دلائل شروح حدیث و شروح فقہ میں مذکور ہیں۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ

اور اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں چن لیا اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی،

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو، اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا اس سے پہلے اور اس قرآن میں، تاکہ رسول تمہارے

شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

بارے میں گواہ بن جائے اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بن جاؤ، سو نماز قائم کرو اور

الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ ع

زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو مضبوطی سے ساتھ پکڑو وہ تمہارا مولیٰ ہے سو وہ کیا ہی اچھا مولیٰ ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

لفظ جہاد جہد سے مشتق ہے عربی زبان میں محنت، مشقت اور کوشش کو جہد کہا جاتا ہے یہ لفظ اپنے عام معنی کے اعتبار سے ہر اس محنت اور کوشش کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہو، جہاد جو قتال یعنی جنگ کرنے کے معنی میں مشہور ہے وہ بھی اس محنت اور کوشش کا ایک شعبہ ہے، مسلمان اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے یعنی نفس کی ناجائز باتوں سے باز رہتا ہے اور نیک کاموں میں لگتا ہے گناہوں کو چھوڑتا ہے۔ نفس روڑے اٹکاتا ہے اور چاہتا ہے کہ جو بھی عمل ہو دنیاداری کے لئے ہو ذاتی شہرت اور حصول جاہ اور لوگوں سے تعریف کرانے کے لئے ہو اس موقعہ پر نفس سے جہاد کرنا ہوتا ہے، پوری طرح اس کے تقاضوں کو دبا کر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جو کام کیا یہ سب جہاد ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جاهدو المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم اپنے مالوں اور اپنے جانوں اور اپنی زبانوں سے مشرکین سے جہاد کرو اس سے معلوم ہوا کہ دشمنان دین کو زک دینے کے لئے ان کا زور توڑنے کے لئے مالوں کو خرچ کرنا اپنی جانوں کو اس کام میں لگانا اور اپنی زبانوں سے مقابلہ کرنا بحث اور مناظرہ میں ہر اول دشمن کے اشعار کا اشعار سے جواب دینا یہ سب جہاد، دشمنان دین کے مقابلہ میں کتابیں لکھنا ان کو شائع کرنا ان کو تبلیغ کرنا اسلام کی دعوت پہنچانا ہے اس سب کو جاهدوا فی اللہ کا عمومی حکم شامل ہے، اخلاص کے ساتھ جو شخص جتنا اپنی طاقت کے بقدر کرے گا اس کا جہاد حق جهاده کا مصداق ہو جائے گا، بعض مرتبہ بات کہہ دینا ہی بڑے مرتبہ کا عمل ہو جاتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر (سب جہادوں سے افضل اس شخص کا جہاد ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق کلمہ کہہ دے) خلاصہ یہ ہے کہ جو بھی کوئی مومن اللہ کی رضا کے لئے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے جس طرح کی بھی محنت کرے گا وہ جہاد ہوگا پھر مختلف احوال کے اعتبار سے درجات بھی مختلف ہیں ہر شخص اپنی استطاعت کے بقدر اخلاص کے ساتھ اعمال واشغال میں لگے۔

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ (اللہ تعالیٰ نے تمہیں چن لیا) سابقہ تمام امتوں پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں یعنی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو فضیلت دی انہیں سید الانبیاء ﷺ کی امت ہونے کا شرف حاصل ہوا ان پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا جسے با آسانی حفظ کر لیتے ہیں دنیا میں آخر میں آئے اور جنت میں پہلے داخل ہوں گے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

للناس کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ تم ستروں امت کو پورا کرتے ہو تم سب امتوں سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب امتوں سے زیادہ مکرم ہو (قال الترمذی ھذا حدیث حسن) جب اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی فضیلت دی اب اس انعام و اکرام اور اجتباء و اصطفاء کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خوب بڑھ کر خدمت کریں۔

دین میں تنگی نہیں ہے

وما جعل علیکم فی الدین من حرج (اللہ نے تم پر تمہارے دین میں تنگی نہیں فرمائی) یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو جو احکام عطا فرمائے ہیں ان میں تنگی نہیں رکھی جسے جو بھی حکم دیا ہے وہ اس کے کرنے پر قدرت رکھتا ہے نیز احکام کی بجا آوری میں سہولت ہے اور احوال کی رعایت رکھی گئی ہے بنی اسرائیل پر جو سختیاں تھیں جن کا ذکر سورہ بقرہ کی آخری آیت ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا میں مذکور ہے وہ اس امت پر نہیں ہیں، بنی اسرائیل پر بہت سی پاکیزہ چیزیں حرام تھیں مال غنیمت میں سے کچھ بھی ان کے لئے حلال نہیں تھا زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالتے تھے اور پٹا ہوا کپڑا پاک نہیں ہو سکتا تھا اس کے لئے نجاست کی جگہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا، اور جب کوئی شخص چھپ کر رات کو گناہ کرتا تھا تو صبح کو اس کے دروازے پر لکھا ہوتا تھا کہ اس نے فلاں گناہ کیا ہے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے لئے مال غنیمت بھی حلال ہے زکوٰۃ بھی تھوڑی سی مقدار میں فرض ہے یعنی چاند کے اعتبار سے نصاب پر ایک سال گزر جائے تو کھانے پینے اور خرچ کرنے سے جو بچ گیا اس کا ۲/۴۰ فرض ہے اور وہ بھی ہر مال پر فرض نہیں ہے صرف سونا چاندی نقد کیش اور مال تجارت پر فرض ہے، زمین کی پیداوار میں سے دسواں یا بیسواں حصہ فقراء کو دینا فرض ہے رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں لیکن شرعی مسافر اور مریض کو اجازت ہے کہ رمضان میں روزے نہ رکھیں اور بعد میں قضا رکھ لیں اور شیخ فانی کو اجازت ہے کہ روزوں کے بدلے فدیہ دے دے اور ایسے شخص کو بعد میں قضا رکھنے کا بھی حکم نہیں ہے، حج اس شخص پر فرض ہے جو سواری پر مکہ مکرمہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتا ہو وہ بھی زندگی میں ایک بار اگرچہ بہت بڑا مالدار ہو۔

رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں ان میں یہ آسانی رکھی گئی کہ فجر سے ظہر تک کوئی نماز فرض نہیں اور ظہر سے عصر تک کوئی فرض نماز نہیں ہے یہ پورا وقت حلال کمائی کے لئے اور تعلیم و تعلم کے لئے فارغ ہے پھر عشاء سے فجر تک کوئی نماز فرض نہیں ہے یہ وقت آرام و راحت اور سونے کے لئے ہے اور جو فرض نمازیں ہیں ان کی تمام رکعتیں بشمول فرض اور وتر و واجب اور سنن مؤکدہ صرف بتیس رکعتیں ہیں سفر میں فرض نماز چار رکعتوں کے بدلے دو رکعتیں کر دی گئی ہیں اور مریض کو حسب طاقت نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے اور بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھ لے وضو اور غسل کوئی مشکل کام نہیں ٹھنڈے پانی سے وضو کرے تو اس کا ثواب مزید ہے اگر پانی نہ ہو یا پانی ہو لیکن مرض کی وجہ سے استعمال پر قدرت نہ ہو تو غسل و وضو دونوں کی جگہ تیمم کر لینا ہی کافی ہے حلال جانوروں اور پاکیزہ چیزیں کھانے کی اجازت دی گئی ہے خبیث اور نجس چیزوں اور ان جانوروں کے کھانے کی اجازت نہیں دی جن کے کھانے سے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے جن افعال اور اعمال سے شریعت اسلامیہ نے منع فرمایا ہے بنی آدم کا بھلا ہے۔

جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہے اور اگر دشمن چڑھ آئیں تو فرض عین ہو جاتا ہے کیونکہ اس وقت اپنی جان اور دوسرے مسلمان مردوں عورتوں بچوں کی حفاظت کا مسئلہ درپیش ہو جاتا ہے پھر اگر جہاد میں شہید ہو جائے تو اس کا اتنا بڑا مرتبہ ہے کہ ہزاروں سال دنیا کی زندگی کی بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ دین کے آسان ہونے میں تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی عمل کے کرنے میں کچھ بھی تکلیف نہ ہو اور ساری چیزیں

حلال ہوں اور جو جی چاہے کر لیا کریں، اگر ایسا ہوتا تو نہ فجر کی نماز فرض ہوتی جس میں اٹھنا دشوار ہے نہ عصر کی نماز فرض ہوتی جو کاروبار کا خاص وقت ہوتا ہے اور نہ حرام وحلال کی تفصیلات ہوتیں بلکہ احکام ہی نازل نہ کئے جاتے آسان ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کوئی اس پر عمل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، آج کل ایسے بے پڑھے مجتہدین نکل آئے ہیں جو سود قمار حرام گوشت کھانے اور صریح گناہوں کی ارتکاب کو جائز کہہ رہے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ دین میں آسانی ہے، یہ لوگ اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، جو لوگ قرآن کے حامل ہیں اور اسلام کے عالم ہیں ان کے پاس یہ جہالت کے مارے نہ خود جاتے ہیں نہ عامۃ المسلمین کو جانے دیتے ہیں، عوام کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ان کے ہمدرد نہیں ہیں ان کی آخرت تباہ کرنے کے کام میں لگے ہوئے ہیں قال البغوی فی معالم التنزیل جلد ۳/ ۳۰۰ معناہ ان المؤمن لا یبتلی بشئ من الذنوب الاجعل اللہ لہ منہ مخرجا بعضھا بالتوبۃ و بعضھا برد المظالم والقصاص و بعضھا بانواع الکفارات فلیس فی دین الاسلام مالا یجد العبد سبیلا الی الخلاص من العقاب فیہ وقیل من ضیق فی اوقات فروضکم مثل ھلال شھر رمضان والفطر ووقت الحج اذا التبس ذلک علیکم وسع اللہ علیکم حتی تتیقنوا وقال مقاتل یعنی الرخص عند الضرورات کقصر الصلوٰۃ فی السفر والتیمم عند فقد الماء واکل المیتۃ عند الضرورۃ والافطار فی السفر والمرض والصلاۃ قاعدا عند العجز عن القیام وھو قول الکلبی وروی عن ابن عباس انہ قال الحرج ما کان علی بنی اسرائیل من الاعمال التی کانت علیھم وضعھا اللہ عن ھذا الامۃ اعاذنا اللہ منھم (یعنی دین میں تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مؤمن بندہ کسی بھی گناہ میں مبتلا ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس گناہ سے خلاصی کا راستہ پیدا فرما دیتے ہیں۔ خواہ توبہ کے ذریعے خواہ قصاص کے ذریعے خواہ کفارات کے ذریعے غرض کسی نہ کسی طرح گناہ سے خلاصی کی سبیل پیدا ہو جاتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فرائض کے اوقات کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے تم پر تنگی نہیں رکھی۔ مثلاً رمضان کے چاند یا حج کے وقت میں التباس ہو جائے تو اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے وسعت رکھی ہے یعنی جب تک چاند کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک روزہ رکھنا لازم نہ ہوگا اور نہ ہی حج کے وقت کا تعین ہوگا۔ اور مقاتل کا کہنا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ضرورت اور مجبوری کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے تم پر تنگی نہیں فرمائی بلکہ ایسے واقعات میں تمہیں رخصتوں سے نواز دیا ہے جس کی کئی مثالیں ہیں۔ مثلاً سفر میں قصر نماز پڑھنے کا اور پانی کی عدم موجودگی کے وقت تیمم کرنے کا حکم دیا ہے اس طرح حالت اضطراری میں مردار کھانے، سفر و مرض میں روزہ چھوڑنے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے معذور ہونے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دے دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دین میں تنگی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو سخت مجاہدے اور اعمال شاقہ بنی اسرائیل پر فرض فرمائے گئے تھے امت محمدیہ کو ان سے سبک دوش کر دیا گیا ہے)

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ (تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی اور رسول آئے وہ ان سب کے باپ ہیں یعنی ان کی نسل اور ذریت سے ہیں عرب کے لوگ انہیں کی ذریت سے ہیں انہیں میں سے خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ تھے چونکہ قرآن کے اولین مخاطبین اہل عرب ہی تھے اس لئے یوں فرمایا کہ اپنے باپ ابراہیم کی ملت کی اتباع کرو دوسری آیت میں ہے جو ملت ابراہیم کے اتباع کا آیا ہے ان میں لفظ ابیکم نہیں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا سب سے بڑا رکن توحید ہی ہے جس کی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دعوت دی ہے اس کے لئے انہوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے بہت سے احکام شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں شامل ہیں۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ (اللہ نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا ہے یعنی قرآن مجید نازل ہونے سے پہلے جو کتابیں نازل فرمائیں، ان میں اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے وَفِيْ هٰذَا (اور اس قرآن میں بھی اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا) كَمَا قَالَ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اس نام اور لقب پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے اور اس لقب کی لاج بھی رکھیں یعنی سچے پکے فرماں بردار بن کر رہیں، اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل و جان سے مانیں اور خوشی و بشاشت کے ساتھ احکام کی پیروی کرتے رہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ میں ضمیر مرفوع مستتر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمہارے وجود میں آنے سے پہلے ہی تمہارا نام "مسلمین" رکھ دیا تھا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام دونوں کی دعا نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اور چونکہ ان کی یہ دعا قرآن مجید میں منقول ہے لہٰذا اس اعتبار سے انہوں نے اس قرآن میں بھی تمہیں مسلمین کا لقب دیا لیکن اس میں تکلف ہے تھوڑی سی تاویل کرنی پڑتی ہے۔

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (تاکہ رسول تمہارے لئے گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو) اس کا تعلق وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ سے بھی ہو سکتا ہے اور هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ سے بھی پہلی صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے تمہارا یہ عمل تمہیں اس مرتبہ پر پہنچا دے گا کہ اللہ کے رسول سید الاولین والآخرین ﷺ تمہارے لئے گواہ بنیں گے۔ دوسری صورت کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمین یعنی فرماں بردار رکھا پرانی کتابوں میں بھی اور قرآن کریم میں بھی، جب اس نام کی قدر کرو گے اور اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن کر رہو گے تو اس قابل ہو گے رسول اللہ ﷺ تمہارے حق میں گواہی دیں گے، سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنادی جو اعتدال والی ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے) حضرت نوح اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام قیامت کے دن جب یہ فرمائیں گے کہ ہم نے اپنی اپنی امتوں کو توحید کی دعوت دی تو ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے اس پر وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت کو بطور گواہ پیش کریں گے اس کے بعد اس امت سے سوال ہو گا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے سوال ہو گا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تم پیغمبروں نے اپنی امت کو تبلیغ فرمائی ہے فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (سو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تمہارا اتنا بڑا مرتبہ کر دیا کہ میدان قیامت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے گواہ بنو گے اور تمہاری گواہی سے سابقہ امتوں پر حجت قائم کی جائے گی تو اس شرف کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے بنو اس کے دین پر پوری طرح عمل کرو خاص کر اس دین کے جو ارکان ہیں ان میں سے دو بڑے رکن ہیں وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ (اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کو پکڑے رہو) یعنی اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھو۔ اس سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو دنیا و آخرت کی خیر اسی سے طلب کرو هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (وہ تمہارا مولیٰ ہے سو خوب مولیٰ ہے اور خوب مدد کرنے والا ہے) مولیٰ کا معنی ہے کام بنانے والا، اہل ایمان کا کام بناتا ہے، اہل ایمان کے لئے

اسی کی مدد کافی ہے، وہ مومنین کا مولیٰ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں کما قال تعالیٰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (الحمد للہ تعالیٰ سورۃ الحج کی تفسیر اختتام کو پہنچی فللّٰه الحمد والمنة.

☆☆☆.....☆☆☆

تفاسیر و علوم قرآنی اور حدیث نبوی ﷺ پر

دار الاشاعت کی مطبوعہ مستند کتب

تفاسیر و علوم قرآنی

تفسیر عثمانی بطرز تفسیر معارف جدید کتابت ۲ جلد	مولانا شبیر احمد عثمانی، اس تفسیر کا جناب محمود الحسن ہزاروی
تفسیر مظہری اردو ۱۲ جلدیں	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی
قصص القرآن ۴ حصے در ۲ جلد کامل	مولانا مفتاح الرحمٰن سمیر حدادی
تاریخ ارض القرآن	علامہ سید سلیمان ندوی
قرآن اور ماحولیات	انجینیر شفیع پیڈر نیس
قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن	ڈاکٹر مفتاح الی سلیم قادری
لغات القرآن	مولانا عبدالرشید نعمانی
قاموس القرآن	قاضی زین العابدین
قاموس الفاظ القرآن الکریم (عربی انگریزی)	ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی
ملک البیان فی مناقب القرآن (عربی انگریزی)	حسان الپنیر
امثال قرآنی	مولانا اشرف علی تھانوی
قرآن کی باتیں	مولانا احمد سعید صاحب

حدیث

تفہیم البخاری مع ترجمہ و شرح اردو ۲ جلد	مولانا محمود الحسن بجنوری، فاضل دیوبند
تفہیم المسلم ۲ جلد	مولانا زکریا القبال، فاضل دار العلوم کراچی
جامع ترمذی ۲ جلد	مولانا فضل احمد صاحب
سنن ابوداؤد شریف ۳ جلد	مولانا سید احمد صاحب، مولانا محمد رشید عثمانی صاحب، فاضل دیوبند
سنن نسائی ۳ جلد	مولانا فضل احمد صاحب
معارف الحدیث ترجمہ و شرح ۳ جلد، ۷ حصے کامل	مولانا محمد منظور نعمانی صاحب
مشکوٰۃ شریف مترجم مع عنوانات ۴ جلد	مولانا عابد الرحمٰن کاندھلوی، مولانا عبدالرحمٰن عابد
ریاض الصالحین مترجم ۲ جلد	مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری
الادب المفرد کامل مع ترجمہ و شرح	از امام بخاری
مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ شریف ۶ جلد کامل	مولانا محمد اللہ حافظ پوری، فاضل دیوبند
تقریر بخاری شریف ۴ حصے کامل	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
تحریر بخاری شریف یک جلد	علامہ حسین بن محسن انصاری
تنظیم الاشتات شرح مشکوٰۃ اردو	مولانا ابو الحسن صاحب
شرح الاربعین نووی ترجمہ و شرح	مولانا عشق فاضل الہی الہرتی
قصص الحدیث	مولانا محمد زکریا القبال، فاضل دار العلوم کراچی

ناشر:- دار الاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۶۳۱۸۶۱-۲۲۱۳۷۶۸-۰۲۱